# ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

مرتب

عتیق الرحمٰن سنبھلی

مدیر مسئول

محمد منظور نعمانی

جلد ۲۵ | بابتہ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ مطابق اگست ۱۹۵۷ء | نمبر ۱



اگر اس دائرہ میں سرخ نشان لگا ہو! تو اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہو، براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں! یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی ارسال کیا جائے گا ــــــ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۱۳ر تاریخ تک پہونچ جانا چاہیے۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں۔ اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیج دیں۔

**تاریخ اشاعت:۔** رسالہ ہر انگریزی مہینہ کی ۵ر تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہو۔ اگر ۲۵ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔ اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے پہلے مطلوب ہو تو ۲ر آنے کے ٹکٹ آنا ضروری ہیں۔ مقام اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی اڈیٹر پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

# افتتاح جلد بست و پنجم ۲۵

بسم اللہ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

---

اللہ کا احسان ہو کہ الفرقان آج سے پچیسویں سال میں داخل ہو گیا۔

گزشتہ چوبیس سال میں بارہا ایسے حالات پیش آئے کہ الفرقان کی زندگی سے مایوسی ہونے لگی، مگر اس حیّ و قیوم کا ہزار ہزار شکر کہ انھیں حالات میں اُس نے چوبیس سال کا طویل عرصہ طے کرادیا۔ اور اپنے کمزور بندوں کو یہ عزم بخشا کہ یہ سلسلہ ہر قیمت پر جاری رکھا جائے۔

الفرقان کی زندگی کا ایک ہی مقصد ہے۔ اور وہ ہو دین حق کی اشاعت اور توحید و سنت کی حمایت۔ بس خدا سے دعا ہے کہ وہ موت و زیست اسی مقصد کے ساتھ رکھے۔

ارادہ ہے کہ پچیسواں سال پورا ہونے پر الفرقان کا ایک خاص نمبر نکالا جائے۔ نمبر کا جو خاکہ ذہن میں ہے اس کے لحاظ سے امید ہے کہ یہ ایک عظیم الشان نمبر ہوگا۔ دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اس ارادہ کو عمل تک پہونچائے، کہ یہ سب اسی کی عنایت پر منحصر ہے۔

عتیق الرحمٰن

۱۵ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اوّلیں

۱۵ اگست کو ہندوستان کی آزادی کے دس سال پورے ہو جائیں گے، الفرقان کے اس شمارے کی اشاعت بھی انشاء اللہ اسی تاریخ کو ہوگی، آیئے اس موقع پر ایک سرسری نظر سے جائزہ لیں کہ اس دس سال کے دور آزادی نے ہماری (یعنی مسلمانوں کی) زندگی پر کیا اثر ڈالا ہے؟ اور اس عرصہ کے جدید حالات نے کن کن اہم مسائل سے ہمیں دوچار کر دیا ہے۔

۱۵ اگست ۴۷ء کو جب انگریزوں نے اقتدار ہندوستانیوں کی طرف منتقل کیا تو تقسیم کے پیدا کردہ خاص حالات کی بنا پر ملک کے اس حصہ کی زمام کار (جو آج ہندوستان کہلاتا ہے) فی الحقیقت یہاں کے اکثریتی فرقہ کے ہاتھ میں آئی جس طرح کہ پاکستان کہلانے والے حصہ کا اقتدار وہاں کے اکثریتی فرقہ کے ہاتھ میں. مگر یہاں اس وقت اختیارات پر قبضہ پانے والی جماعت چونکہ خالص اکثریتی فرقہ کی نہیں تھی بلکہ تمام فرقوں کے کچھ نہ کچھ عناصر اس میں شریک تھے اور روز اول سے وہ اپنا پلیٹ فارم مشترک بتاتی رہی تھی. اس لیے قدرتی طور پر کچھ تو اس "مشترک پلیٹ فارم" کے عنوان کی لاج رکھنے کے خیال سے اور کچھ دوسری مصلحتوں کے تقاضے کی بنا پر اس برسر اقتدار جماعت نے یہاں کی حکومت کو اکثریتی فرقہ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے سیکولر رکھنا پسند کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ مختلف فرقوں کے وجود کی جو بنیاد ہو یعنی مختلف مذاہب، ان میں سے کسی مذہب سے حکومت کو کوئی واسطہ نہ ہوگا، نہ کوئی مذہب حکومت میں دخیل ہوگا اور نہ حکومت کسی مذہب میں مداخلت کرے گی۔

بظاہر بڑی معقول بات تھی اور مختلف فرقوں کے دیس میں سب کو مطمئن کرنے کی واحد تجویز. لیکن جیسا کہ تحریک خلافت کے بعد بعض غیر مسلم کانگرسی لیڈروں کے ذہنی تغیر اور آزادی کے بعد قیادت اور قانون سازی کا منصب پانے والے افراد کے افکار و نظریات پر نظر رکھنے والے شروع ہی میں اس کا کچھ

اندازہ رکھتے تھے، عمل کے میدان میں مرکزی اور ریاستی حکومتیں اس نقشے سے مختلف لائنوں پر چل پڑیں جو سیکولرزم کے نظریے سے سمجھا گیا تھا۔ اور آج تک چلی جارہی ہیں۔

تحریک خلافت کے بعد اکثریتی فرقہ سے تعلق رکھنے والے بعض لیڈروں کے ذہن میں جو تبدیلی آگئی تھی اور پھر اس کے اثر سے کانگرس کے اندر ملک کے مستقبل کے بارے میں، کانگریس میںوں کے سابق ذہن سے مختلف ذہن رکھنے والا ایک مؤثر طبقہ جو پیدا ہوا صرف اس کی حد تک اگر غور کیا جائے تو نظر آئے گا کہ جنگ آزادی کے دوران ہی میں، آزادی کے بعد اپنے تہذیبی غلبہ کا منصوبہ اس کے پیش نظر تھا۔ اور ہوسکتا ہو کہ جنگ آزادی کے دوران میں تہذیب و تمدن کا رشتہ مذہب سے کاٹ کر وطن سے جوڑنے کی کوشش میں اس رجحان کا بھی ہاتھ ہو، تاکہ قدیم وطنی تہذیب و تمدن کے نام پر اپنی اس مخصوص تہذیب و معاشرت کا احیاء سیکولرزم کے نعرہ کے ساتھ ساتھ سرکاری وسائل سے کیا جاسکے۔ بہرحال وجہ جو کچھ بھی ہو اور اس احیائی ذہنیت کے وجود کا سلسلہ ماقبل آزادی تک دراز ہو یا نہ ہو، واقعہ جس کے نتائج سے بحث ہو وہ یہی ہو کہ ہندو تہذیب، ہندوستانی تہذیب کے نام پر سرکاری تہذیب بنتی جارہی ہو۔ اور سرکاری وسائل و اثرات اس تہذیب کو فروغ دینے کے لیے پوری آزادی سے استعمال کیے جارہے ہیں۔ ابھی گذشتہ جنوری کی بات ہو کہ ۲۶ر جنوری کے جشن کے لیے یو۔پی کے وزیر اعلیٰ نے ہدایت فرمائی تھی کہ اسے دسہرا اور دیوالی کی طرح منایا جائے، چنانچہ اس دن کا جشن ٹھیک اسی انداز پر منایا گیا۔ اس دن کے جلوس اور دسہرے کے جلوس میں بس اتنا ہی فرق تھا کہ اس میں کچھ چیزیں زیادہ تھیں، ورنہ دسہرے کے قریب قریب تمام ہی اجزاء اس میں شامل تھے، اور یہ کوئی ایک ہی سال کی بات نہیں۔ ہر سال یہی ہوتا ہے، پھر یہ بات صوبائی حدود تک بھی محدود نہیں ہو بلکہ عین ملک کی راجدھانی میں خود صدر جمہوریہ کے زیر سایہ بھی یہی سب ہوتا ہے۔ اسی ۲۶ر جنوری کی رپورٹ ہو جس کا ایک ٹکڑا معاصر صدق جدید لکھنؤ نے دہلی کے ایک روزنامہ کے حوالے سے اپنی یکم مارچ ۶۰ء کی اشاعت میں نقل کیا ہے، لکھا ہے کہ

"یوم جمہوریہ کی پر مسرت تقریب پر ....... راشٹرپتی بھون کا ہر گوشہ اپنے اندر کشش کا سامان رکھتا تھا۔ مگر خصوصیت کے ساتھ بڑے بڑے تیرتے ہوئے مصنوعی کنول کے پھول اور اس کے اندر سے برقی قمقمہ کی پھوٹتی ہوئی کرن اور خود بخود ان پھولوں کا

کھلنا اور سمٹنا سب سے زیادہ جاذب نظر تھا، مگر ...... ایک بات بری طرح محسوس ہوئی وہ یہ کہ جب یہ کنول کے مصنوعی پھول کھلتے تھے تو اس میں لکشمی دیوی کی مورتی نمودار ہوتی تھی۔ حالانکہ اسی پھول سے آزاد ہندوستان کا نقشہ، تاج محل کا نقشہ یا مہاتما گاندھی کی مورتی بھی آسانی سے نمودار ہو سکتی تھی۔"

یہ دو مثالیں تو قومی تقریبات کے مواقع پر خالص سرکاری طرزِ عمل کی تھیں۔ سرکاری دائرے سے باہر پبلک کاموں میں بھی آئے دن بڑی بڑی ذمہ دار شخصیتیں خالص ہندوانہ رسوم و رواج کا مظاہرہ کرتی اور اس طریقہ سے ہندو تہذیب و تمدن کی احیائی کوششوں کو سرکاری اثرات سے مدد پہونچاتی رہتی ہیں۔ معاصر صدق جدید ہی نے اپنی ۱۱ مئی ۵۶ء کی اشاعت میں یکم مئی کے اسٹیٹسمین (دہلی) کی ایک تصویر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"وسط صفحہ کی ایک نمایاں تصویر میں نائب صدر جمہوریہ ایک بڑے جٹا دھاری کے ساتھ کھڑے ہوئے پوجا کر رہے ہیں اور غالباً منتر پڑھتے ہوئے آگ میں کچھ ڈال رہے ہیں، فوٹو کے نیچے یہ درج ہو کہ یہ پوجا ۲۹ اپریل کو نئی دہلی میں نئے پبلک اسکول کے افتتاح کے موقع پر ہو رہی ہو۔"

یہ تو تھے نائب صدر جمہوریہ، اور بالکل اسی قسم کا واقعہ ایک صوبائی چیف منسٹر سے متعلق ملاحظہ ہو۔

"بمبئی کے ایک انگریزی معاصر "جام جمشید" مورخہ ۱۷ جون کے صفحہ ۵ پر ایک تصویر ہو جس میں صوبہ کے وزیر اعلیٰ شری ڈیسائی اپنے ہاتھ سے ایک دیا (چراغ) جلاتے ہوئے دکھائے گئے ہیں اور سامنے یہ عبارت درج ہو۔

"احمد آباد کے بی۔ آئی زنانہ کالج کا افتتاح چیف منسٹر صاحب علم کی دیوی "سرسوتی جی" کے آگے دیا جلا کر رہے ہیں۔"

(صدق ۱۳ جولائی ۵۶ء)

قومی تقریبات کے مواقع پر سرکاری دائرہ میں "ہندو تہذیب" نوازی کا ذکر تو اوپر آچکا، ایک مثال سرکاری کاروبار میں بھی اس تہذیب کے عمل دخل کی سن لیجئے۔ ۵ ستمبر ۵۶ء کی خبر ہے کہ

"بمبئی کی دو لسانی ریاست کی وزارت جو یکم نومبر سے قائم ہونے والی تھی اب اسکی

تاریخ ایک دن پہلے ہی مقرر کر دی گئی ہے یعنی ۳۱ اکتوبر کی رات، اس لیے کہ کالی چودس یکم نومبر کو پڑتی ہے اور نجومیوں کے نزدیک وہ ایک منحوس تاریخ ہے۔"

(صدق ۱۲ اکتوبر ۵۶ء)

جوتشیوں (نجومیوں) کے کہنے پر اعتماد اور تاریخوں میں نحوست و سعادت کا اعتقاد اور اس کی بنیاد پر کسی کام کے لیے کسی تاریخ کا ترک اور کسی کا اختیار و انتخاب یہ خاص ہند و تہذیب کا امتیاز اور اس کی قدیم روایت ہے۔ مگر سیکولرزم کی قرارداد کے باوجود وزارت کی تشکیل جیسے خالص ریاستی مسئلہ میں اس روایت کا بالکل اسی طرح پاس کیا گیا جس طرح ہندوؤں میں شادی بیاہ کی تاریخ رکھنے میں اس کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

بہر حال یہ واقعہ ہے کہ ہندوستانی تہذیب کے نام پر ہند و تہذیب کے احیاء کے لیے سرکاری وسائل و اثرات بے دریغ استعمال ہو رہے ہیں اور ایوان حکومت تک میں اس کو نہایت آزادی کے ساتھ عمل دخل کا موقع مل رہا ہے۔

اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کسی قوم (خصوصاً ایک مذہبی قوم) کی تہذیب اس کے مذہبی عقائد و خیالات کے اثرات سے نہ صرف آزاد نہیں ہوتی بلکہ اسکی تشکیل میں مذہب کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے، تہذیبی اطوار و روایات کے سلسلہ میں ایک خیال (جس کا متحدہ قومیت کے سلسلہ میں برابر پروپگنڈہ کیا جا رہا ہے) یہ ہے کہ یہ چیزیں کسی سرزمین کے خاص جغرافیائی اور فطری ماحول کی بالواسطہ پیداوار ہوتی ہیں مذہبی اصول و عقائد سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، مگر اس پروپگنڈے میں صداقت صرف اتنی ہے کہ جب تک کوئی قوم مذہب سے آشنا نہ ہوئی ہو اُس وقت تک وہ تمدنی تقاضوں کے ماتحت جو رنگ ڈھنگ اور زندگی کے طور طریق اختیار کرتی ہے وہ بیشک اس کے خاص جغرافیائی اور فطری ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں اور اُن کی تشکیل میں اس ماحول کے خواص و تقاضات اور اس کے پیدا کردہ احساسات و رجحانات اور اندرونی کیفیات و جذبات ہی کا اصل ہاتھ ہوتا ہے، مگر کسی مذہب سے وابستگی کے بعد انسانی افکار، اس کے خوب و ناخوب کے معیارات اور زندگی کے بارے میں اس کے نقطۂ نظر میں جو تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اُن کے اثر سے اسکے تہذیبی نقشے میں قطع و برید اور تغیر و ترمیم نہ صرف ایک لازمی منطقی تقاضہ بلکہ ایک ناقابل انکار واقعہ ہے۔ کسی قوم کے بارے میں بھی آپ جستجو کیجیے اس کی تاریخ اگر ابتداء سے محفوظ ہو تو لازمی طور پر اسکی تہذیب کے

دور آپ کے سامنے آئیں گے۔ ایک مذہب سے بیگانگی کے دور کی تہذیب اور دوسری کسی مذہب سے وابستگی کے بعد کی تہذیب، اور دونوں حالتوں کے تہذیبی نقشوں میں، خواہ کوئی بنیادی فرق نہ ہو مگر دونوں کے رنگ یقیناً جا بجا ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتے ہیں، تہذیب کا بنیادی خاکہ بیشک وہی رہتا ہو جس کے خطوط کسی انسانی گروہ کی تمدنی زندگی کی ابتدا ہی میں اس کے ماحول کے فطری تقاضے اور اس سے پیدا ہونے والے احساسات و رجحانات وغیرہ ابھار دیتے ہیں، مگر مذہب اگر اس خاکے میں نئے رنگ بھرتا ہو۔ اور انسان اس خاکے پر جو تہذیبی عمارت پہلے از خود (اپنی محدود نظر اور اپنی خواہشات کے مطابق) قائم کر چکا ہوتا ہو، مذہب سے آشنائی کے بعد جب اس کے افکار و تصورات کی دنیا بدلتی ہے اور وہ ایک نیا نقطۂ نظر اپنا لیتا ہے تو وہ اس عمارت کے صرف ان اجزاء کو علیٰ حالہا باقی رکھتا ہو جو ان جدید تصورات و نظریات سے میل کھاتے ہیں، باقی جن کا کوئی جوڑ ان تصورات کے ساتھ نہیں بیٹھتا، انہیں یا تو منہدم کر دیا جاتا ہے یا تھوڑی بہت ترمیم کے بعد انھیں باقی رکھنے کے لائق بنا لیا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہو کہ اگر کوئی قوم اپنے مذہب کی اصلیت کو بھول کر اپنے مذہبی عقائد و تصورات کا سانچہ بدل ڈالتی ہو تو اس تغیر کا اثر بھی اس کے تہذیبی ڈھانچہ میں رونما ہوئے بغیر نہیں رہتا، اور تہذیب کا نقشہ ایک بار پھر تغیر پذیر ہو کر اپنے آپ کو قوم کے مسخ شدہ عقائد و تصورات سے ہم آہنگ کر لیتا ہے، اس کے لیے ہمیں تاریخ کے مطالعہ کی بھی ضرورت نہیں، ہم آج بھی دنیا کی مختلف قوموں کے احوال میں اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

الغرض کہنا صرف یہ ہو کہ کسی بھی مذہبی قوم کی تہذیب اس کے مذہب کی چھاپ سے خالی نہیں ہوتی اور وہ قوم جس طرح کے بھی مذہبی افکار و تصورات رکھتی ہو وہ اس کی تہذیب میں رچے بسے رہتے ہیں، چنانچہ حکومت کی طرف سے ہندوستانی تہذیب کے نام پر ہندو تہذیب کو نوازنے کی جو پالیسی سامنے آ رہی ہو اس نے جہاں مسلمانوں کے ایک طبقہ پر یہ اثر ڈالا ہے کہ وہ اس پالیسی کے قدرتی اثرات سے اپنے گھروں اور اپنی نوخیز نسل کی حفاظت کے لیے اپنے مذہبی حدود کی حفاظت میں سخت ہو گیا ہو وہیں ایک طبقہ پر یہ اثر پڑ رہا ہے کہ ہندو دھرم کے عقائد و تصورات سے اس کا وہ بُعد ختم ہوتا جا رہا ہو جو آزادی سے پہلے باوجود ساری آزاد خیالیوں کے پایا جاتا تھا، کسی ملک کا حکمراں طبقہ اگر کسی تہذیب کے ساتھ سرکاری یا غیر سرکاری طور پر نوازنے اور اپنانے کا معاملہ کرنے لگے تو "الناس علیٰ

دین ملوکہم" کے اُصول پر یہ قدرتی بات ہو کہ جو لوگ پہلے اس تہذیب سے مانوس نہیں تھے اُن کی نامانوسیت رفتہ رفتہ ختم یا کم ہو جائے اور جن باتوں سے قریب ہونے میں انھیں طبعی رکاوٹ پیش آتی تھی ملک کا عام سرکاری اور غیر سرکاری فیشن بنتا ہوا دیکھ کر وہ ان سے مانوس ہونے لگیں چنانچہ ہندوستان میں مسلمانوں کا وہ طبقہ جو غیر شعوری طور پر فیشن اور عام رواج کے رُخ پر چلنے کا مزاج رکھتا ہو اس کو اس وقت یہی صورت حال درپیش ہو، پہلے وہ دسہرے کے جلوس کے جن مشتملات کو ہندو مذہب کے تہذیبی مظاہر سمجھ کر صرف ایک اجنبی تماشائی کی طرح دور سے دیکھتا تھا، اب انھیں اجزا کو جب وہ عام ملکی تقریبات میں سرکاری اور غیر سرکاری دائروں میں اس پروپگنڈے کے ساتھ شامل دیکھتا ہو کہ یہ کسی خاص مذہبی تہذیب کے شعائر نہیں بلکہ مشترک وطنی تہذیب کے رسوم ہیں تو پھر ان چیزوں سے مانوسیت غیر شعوری طور پر اس کے ذہن میں راہ پانے لگتی ہے اور اس طرح تہذیبی حدود و فاصل کو بھلا دینا شروع کر دینے کی بنا پر ہندو مذہب کی رُوح سے اس طبقہ کا وہ ذہنی بُعد کم ہونے لگتا ہو جو پہلے تھا۔

ایک طبقہ اور ہو جس کا حال بھی کم و بیش کے فرق کے ساتھ یہی ہے مگر وہ عام رواج اور فیشن کے رُخ پر چل کھڑے ہونے کی نفسیاتی کمزوری کی بنا پر اس حال میں مبتلا نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس کے حق میں ایک دوسری چیز سبب بن رہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ عام ملکی زندگی سے انقطاع کو خلاف مصلحت سمجھتا ہے، نیز ہندو مسلمانوں کے اتحاد اور اُن کے بہتر باہمی تعلقات کو مسلمانوں کے بہتر مستقبل کے لیے ضروری خیال کرتا ہے، چنانچہ وہ اس قسم کی تقریبات میں شریک ہونے اور اُن کے مذکورۂ بالا قسم کے اجزاء کو ہندو تہذیب کے رسوم و رواج کہہ کر اُن سے بیزاری ظاہر نہ کرنے کے لیے تاویلات کرتا ہو کہ یہ وقتی جنون ہو۔ رفتہ رفتہ سیکولرزم کا صحیح ماحول پیدا ہو کر یہ باتیں خود ختم ہو جائیں گی۔ مگر اس قُرب اور مُسلسل ان چیزوں کو انگیز کرنے کی کوشش نے اُس کے ذہن پر بھی یہ غیر شعوری اثر ڈال دیا ہے کہ اب ان چیزوں سے وہ وحشت باقی نہیں رہی جو اسلامی اُصول و عقائد کا تقاضا ہے چنانچہ یہ کہنا شاید بیجا نہ ہوگا کہ ایسے لوگ جس قسم کے سیکولر ماحول کی توقع میں ان چیزوں کو انگیز کر رہے ہیں، کچھ دن اور گزرنے پر شاید خود ان میں بھی اس کا تقاضہ باقی نہ رہے گا۔

یہ ہو وہ سب سے بڑا تغیر جو اس دس سال کے عرصہ میں مسلمانوں میں بتدریج رونما ہو رہا ہے اور جس سے کم از کم مسلمانوں کی نوخیز نسل کے حق میں بڑے سنگین نتائج کا خطرہ ہے۔ (باقی مضمون صفحہ [illegible] پر)

# معارف الحدیث

## ریا ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا نفاق ہے :-

اخلاص و للٰہیت (یعنی ہر نیک عمل کا اللہ کی رضا اور رحمت کی طلب میں کرنا) جس طرح ایمان و توحید کا تقاضا اور عمل کی جان ہے اسی طرح ریاء و سمعۃ یعنی مخلوق کے دکھاوے اور دنیا میں شہرت اور ناموری کے لیے نیک عمل کرنا ایمان و توحید کے منافی اور ایک قسم کا شرک ہے۔

عَنْ شَدَّادِ ابْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ

(رواہ احمد)

(ترجمہ) شداد ابن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا. آپ فرماتے تھے کہ جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ خیرات کیا اس نے شرک کیا۔

(مسند احمد)

(تشریح) حقیقی شرک تو یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات یا اس کے افعال اور اس کے خاص حقوق میں کسی دوسرے کو شریک کیا جائے یا اللہ کے سوا کسی اور کی بھی عبادت کی جائے، یہ شرک حقیقی" اور "شرک جلی" اور "شرک اکبر" ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں اعلان فرمایا گیا" اور ہم مسلمانوں

کا بنیادی عقیدہ ہو کہ اس کا کرنے والا ہرگز ہرگز نہیں بخشا جائے گا ــــــ لیکن بعض اعمال و اخلاق ایسے بھی ہیں جو اگرچہ اس معنی میں شرک نہیں ہیں لیکن اُن میں شرک کا تھوڑا بہت شائبہ ہو، اُن میں سے ایک یہ بھی ہو کہ کوئی شخص اللہ کی عبادت یا کوئی اور نیک کام اللہ کی رضاجوئی اور اس کی رحمت طلبی کے بجائے لوگوں کے دکھاوے کے لیے کرے، یعنی اس غرض سے کرے کہ لوگ اس کو عبادت گزار اور نیکوکار سمجھیں اور اس کے معتقد ہو جائیں۔ اسی کو ریا کہا جاتا ہو، یہ اگرچہ حقیقی شرک نہیں ہو لیکن ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا نفاق اور سخت درجہ کا گناہ ہو۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو "شرکِ خفی" اور ایک اور حدیث میں "شرکِ اصغر" کہا گیا ہو۔ (یہ دونوں حدیثیں آگے درج کی جارہی ہیں۔)

واضح رہے کہ اس حدیث میں نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات کا ذکر صرف مثال کے طور پر کیا گیا ہو، ورنہ ان کے علاوہ بھی جو نیک عمل لوگوں کے دکھاوے کے لیے اور ان کی نظروں میں معزز و محترم بننے کے لیے یا ان سے کوئی دنیوی فائدہ اُٹھانے کے لیے کیا جائے گا وہ بھی ایک درجہ کا شرک ہوگا۔ اور اس کا کرنے والا بجائے ثواب کے خدا کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَذَاکَرُ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِمَا ھُوَ اَخْوَفُ عَلَیْکُمْ عِنْدِیْ مِنَ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ فَقُلْنَا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ الشِّرْکُ الْخَفِیُّ اَنْ یَّقُوْمَ الرَّجُلُ یُصَلِّیْ فَیُزَیِّنُ صَلٰوتَہٗ لِمَا یَرٰی مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ ــــــ (رواہ ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے حجرۂ مبارک سے نکل کر) ہمارے پاس تشریف لائے، اُس وقت ہم لوگ آپس میں مسیح دجال کا کچھ تذکرہ کر رہے تھے، تو آپ نے ہم سے فرمایا کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمھارے لیے دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہو۔ ہم نے عرض کیا حضور ضرور بتلائیں وہ کیا چیز ہے! آپ نے فرمایا وہ شرکِ خفی ہو (جس کی ایک مثال یہ ہے) کہ آدمی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو پھر اپنی نماز کو اس لیے

لمبا کر دے کہ کوئی آدمی اس کو نماز پڑھتا دیکھ رہا ہے۔

(سنن ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب غالباً یہ تھا کہ دجّال جس کھلے شرک وکفر کی دعوت دے گا اور جس کے لیے وہ لوگوں کو مجبور کرے گا، مجھے اس کا زیادہ خطرہ نہیں ہے کہ میرا کوئی سچا امتی اس کی بات ماننے کے لیے آمادہ ہوگا، لیکن مجھے اس کا خطرہ ضرور ہے کہ شیطان تم کو کسی ایسے شرک میں مبتلا نہ کر دے جو بالکل کھلا ہوا شرک نہ ہو بلکہ خفی قسم کا شرک ہو جس کی مثال آپ نے یہ دی کہ نماز اس لیے لمبی اور بہتر پڑھی جائے کہ دیکھنے والے معتقد ہو جائیں۔

سنن ابن ماجہ ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا خطرہ ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ایسا ہوگا کہ آپ کے بعد آپ کی امت شرک میں مبتلا ہو جائے؟ آپ نے فرمایا یہ تو اطمینان ہے کہ میرے امتی چاند سورج کو اور پتھروں اور بتوں کو نہیں پوجیں گے، لیکن یہ ہو سکتا ہے اور ہوگا کہ ریا کے شرک میں وہ مبتلا ہوں۔

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالَ الرِّيَاءُ۔ (رواہ احمد)

(ترجمہ) محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ "شرک اصغر" کا ہے، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ "شرک اصغر" کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ریا (یعنی کوئی نیک کام لوگوں کے دکھاوے کے لیے کرنا)۔

(مسند احمد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کا اصل مقصد ومنشا اپنے امتیوں کو اس خطرہ سے خبردار کرنا ہے تاکہ وہ ہوشیار رہیں اور اس خفی قسم کے شرک سے بھی اپنے دلوں کی حفاظت کرتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ شیطان ان کو اس خفی قسم کے شرک میں مبتلا کر کے تباہ کر دے۔

## جس عمل میں شرک کی ذرا بھی آمیزش ہوگی وہ قبول نہ ہوگا:-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ فَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَکَ فِیْهِ مَعِیَ غَیْرِیْ تَرَکْتُهٗ وَشِرْکَهٗ ـــ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاَنَا مِنْهُ بَرِیْءٌ هُوَ لِلَّذِیْ عَمِلَهٗ۔ ـــــــــ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو کہ میں شرک اور شرکت سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں (یعنی جس طرح اور شرکا، شرکت پر راضی ہو جاتے ہیں، اور اپنے ساتھ کسی کی شرکت منظور کر لیتے ہیں، اس طرح میں راضی نہیں ہوتا۔ اور کسی کی ادنیٰ شرکت گوارا نہیں کر سکتا، ہر قسم کی شرکت سے بالکل بے نیاز اور بالکل بیزار ہوں) پس جو شخص کوئی عمل (عبادات وغیرہ) کرے جس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کرے (یعنی اس سے اس کی غرض میری رضا اور رحمت کے علاوہ کسی اور سے بھی کچھ حاصل کرنا یا اس کو معتقد بنانا ہو) تو میں اس کو اور اس کے شرک کو دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں ـــ ـــ اور ایک روایت میں ہو کہ میں اس سے بیزار اور بے تعلق ہوں، وہ عمل میرے لیے بالکل نہیں بلکہ صرف اسی دوسرے کے لیے ہے جس کے لیے اس نے کیا (یعنی جس کو اس نے شریک کیا) ـــــــــ (صحیح مسلم)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ فَضَالَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَمَعَ اللّٰهُ النَّاسَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لِیَوْمٍ لَا رَیْبَ فِیْهِ نَادٰی مُنَادٍ مَنْ کَانَ اَشْرَکَ فِیْ عَمَلٍ عَمِلَهٗ لِلّٰهِ اَحَدًا فَلْیَطْلُبْ ثَوَابَهٗ مِنْ عِنْدِ غَیْرِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ ـــ (رواہ احمد)

(ترجمہ) ابوسعید بن ابی فضالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے،

سب آدمیوں (اولین و آخرین) کو جمع کرے گا تو ایک منادی یہ اعلان کرے گا کہ جس شخص نے اپنے کسی ایسے عمل میں جو اس نے اللہ کے لیے کیا کسی اور کو بھی شریک کیا تھا، وہ اس کا ثواب اسی دوسرے سے جا کر طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سب شرکاء سے زیادہ بے نیاز ہے ——— (مسند احمد)

(تشریح) دونوں حدیثوں کا حاصل اور پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اس نیک عمل کو قبول کرتا ہے اور اسی پر ثواب دے گا جو اخلاص کی کیفیت کے ساتھ صرف اس کی رضا اور رحمت کی طلب میں کیا گیا ہو اور اس کے سوا کسی کو بھی اس میں شریک نہ کیا گیا ہو، اور اس کے برخلاف جس عمل سے اللہ کے سوا کسی اور کی بھی خوشنودی یا اس سے کسی قسم کی نفع اندوزی مطلوب و مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو بالکل قبول نہ کرے گا، وہ نہایت بے نیاز اور شرک کی لگاوٹ سے بھی بیزار ہے۔

یہ انجام تو ان اعمال کا ہے جو اللہ کے لیے کیے جائیں لیکن نیت میں پورا اخلاص نہ ہو، بلکہ کسی طور پر اللہ کے سوا کسی اور کی بھی لگاوٹ ہو، لیکن جو نیک اعمال "محض ریاکارانہ طور پر کیے جائیں، جن سے صرف نام و نمود، دکھاوا اور شہرت اور لوگوں سے خراج عقیدت وصول کرنا ہی مقصود ہو، تو وہ نہ صرف یہ کہ مردود قرار دے کر ان عمل کرنے والوں کے منہ پر مار دیے جائیں گے، بلکہ یہ ریاکار اپنے ان ہی اعمال کی وجہ سے جہنم میں بھی ڈالے جائیں گے۔

## ریاکاروں کو فضیحت اور رسوائی کی سزا:-

عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ يُرَائِيْ يُرَائِي اللّٰهُ بِهٖ ——— (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی عمل سنانے یا شہرت دینے کے لیے کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو شہرت دے گا اور جو کوئی دکھاوے کے لیے کوئی نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دکھلائے گا۔ ——— (صحیح بخاری ومسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دکھاوے اور شہرت کی غرض سے نیک اعمال کرنے والوں کو ایک سزا

اُن کے اس عمل کی مناسبت سے یہ بھی دی جائے گی کہ ان کی اس ریاکاری اور منافقت کو خوب مشہور کیا جائے گا اور سب کو مشاہدہ کرا دیا جائے گا کہ یہ بدبخت لوگ یہ نیک اعمال اللہ کے لیے نہیں کرتے تھے بلکہ نام و نمود اور دکھاوے اور شہرت کے لیے کیا کرتے تھے، الغرض جہنم کے عذاب سے پہلے ان کو ایک سزا یہ ملے گی کہ سرِ محشر ان کی ریاکاری اور منافقت کا پردہ چاک کر کے سب کو ان کی بدباطنی دکھائی جائے گی۔ اللّٰھم احفظنا!

## دین کے نام پر دنیا کمانے والے ریاکاروں کو سخت تنبیہ :-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ یَخْتِلُوْنَ الدُّنْیَا بِالدِّیْنِ یَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّاْنِ مِنَ اللِّیْنِ اَلْسِنَتُهُمْ اَحْلٰی مِنَ السُّکَّرِ وَقُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ یَقُوْلُ اللّٰهُ اَبِیْ یَغْتَرُّوْنَ اَمْ عَلَیَّ یَجْتَرِءُوْنَ فَبِیْ حَلَفْتُ لَاَبْعَثَنَّ عَلٰی اُولٰئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِیْمَ فِیْهِمْ حَیْرَانَ ــــــ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آخری زمانہ میں کچھ ایسے مکار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے، لوگوں پر اپنی درویشی اور مسکینی ظاہر کرنے اور ان کو متاثر کرنے کے لیے بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے، ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی، مگر ان کے سینوں میں بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے، (ان کے بارہ میں) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو "کیا یہ لوگ میرے ڈھیل دینے سے دھوکہ کھا رہے ہیں، یا مجھ سے نڈر ہو کر میرے مقابلہ میں جرأت کر رہے ہیں، پس مجھے اپنی قسم ہو کہ میں ان مکاروں پر اُنھی میں سے ایسا فتنہ کھڑا کروں گا جو ان میں کے عقل مندوں اور داناؤں کو بھی حیران بنا کے چھوڑے گا۔ ــــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریاکاری کی یہ خاص قسم کہ عابدوں زاہدوں کی صورت بنا کر اور اپنے اندرونی حال کے بالکل برعکس خاصانِ خدا کی سی نرم و شیریں باتیں کر کر کے اللہ

کے سادہ لوح بندوں کو اپنی عقیدت کے جال میں پھانسا جائے اور اُن سے دُنیا کمائی جائے بدترین قسم کی ریاکاری ہے۔ اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تنبیہ ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اس دُنیا میں بھی سخت فتنوں میں مبتلا کیے جائیں گے۔

---

## ریاکار عابدوں اور عالموں کو سخت ترین عذاب :-

• عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ! قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ وَادٍ فِیْ جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ یَوْمٍ اَرْبَعَ مِائَةِ مَرَّةٍ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ یَدْخُلُهَا؟ قَالَ الْقُرَّاءُ الْمُرَاءُوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ.

(رواہ الترمذی)

• (ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ "جُبُّ الحُزن" (غم کے کنوئیں یا غم کے خندق) سے پناہ مانگا کرو، بعض صحابہ نے عرض کیا حضرت جُبُّ الحُزن کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا جہنم میں ایک وادی (یا خندق) ہے (جس کا حال اتنا بُرا ہے کہ) خود جہنم ہر دن میں چار سو مرتبہ اس سے پناہ مانگتی ہے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ اس میں کون لوگ جائیں گے؟ آپ نے فرمایا وہ بڑے عبادت گذار، یا زیادہ زیادہ قرآن پڑھنے والے جو دوسروں کو دکھانے کے لیے اپنے اعمال کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) جہنم کے اس خندق "جُبُّ الحزن" میں ڈالے جانے والوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "القُرّاء" کا لفظ بولا ہے، اس کے معنی زیادہ عبادت کرنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں، اور قرآن کے علم اور قرآن پڑھنے میں خصوصیت اور امتیاز رکھنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں ــ پس حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے اس خاص کنوئیں یا خندق میں وہ لوگ جھونکے جائیں گے جو بظاہر اعلیٰ درجہ کے دیندار، علم قرآن کے سرمایہ دار اور بڑے عبادت گزار ہوں گے، لیکن

حقیقت میں اور باطن کے لحاظ سے ان کی یہ ساری دینداری اور عبادت گذاری ریاکارانہ ہوگی۔

## قیامت کے دن دوزخ میں ڈالے جانے کا پہلا فیصلہ ریاکار عالم و عابد ریاکار مجاہد و شہید اور ریاکار سخی کے بارہ میں کیا جائے گا:-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یُقْضٰی عَلَیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِیْكَ حَتّٰی اسْتُشْهِدْتُ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ یُّقَالَ جَرِیْءٌ فَقَدْ قِیْلَ، ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا؟ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَأْتُ فِیْكَ الْقُرْاٰنَ، قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِیُقَالَ اِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ لِیُقَالَ هُوَ قَارِیٌٔ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِیْلٍ تُحِبُّ اَنْ یُّنْفَقَ فِیْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِیْهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِیُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ بِهٖ عَلٰی وَجْهِهٖ ثُمَّ اُلْقِیَ فِی النَّارِ۔ ——— (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے پہلا شخص جس کے خلاف قیامت کے دن (دوزخ میں ڈالے جانے کا) فیصلہ عدالت خداوندی کی طرف سے کیا جائے گا، ایک ایسا آدمی ہوگا جو (میدان جہاد میں) شہید کیا گیا ہوگا، یہ شخص خدا کے سامنے لایا

جائے گا. پھر خداوند تعالیٰ اس کو بتلائے گا کہ میں نے تجھے کیا کیا نعمتیں دی تھیں وہ اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا، بتا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کے لیے ان کو استعمال کیا) وہ کہے گا (میں نے آخری عمل یہ کیا ہے) کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ میں شہید کردیا گیا (اور اس طرح میں نے سب سے عزیز اور قیمتی چیز اپنی جان بھی تیری راہ میں قربان کردی) اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے، تو نے تو جہاد میں حصہ اس لیے اور اس نیت سے لیا تھا کہ تیری بہادری کے چرچے ہوں، سو (تیرا یہ مقصد حاصل ہوچکا اور دنیا میں) تیری بہادری کے چرچے ہولیے، پھر اس کے لیے خداوندی حکم ہوگا اور وہ اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، —— اور اسی کے ساتھ ایک دوسرا شخص ہوگا جس نے علم دین حاصل کیا ہوگا اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دی ہوگی اور قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا، اس کو بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی بخشی ہوئی نعمتیں بتائے گا، وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا، بتا تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور ان کو کن مقاصد کے لیے استعمال کیا) وہ کہے گا خداوندا میں نے آپ کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور آپ ہی کی رضا کے لیے آپ کی کتاب پاک قرآن میں مشغول رہا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ بات جھوٹ کہی، تو نے تو علم دین اسلیے حاصل کیا تھا اور قرآن تو اس لیے پڑھتا تھا کہ تجھ کو عالم و قاری اور عابد کہا جائے. سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہوچکا اور دنیا میں) تیرے عالم و عابد اور قاری قرآن ہونے کا چرچا خوب ہولیا، پھر اس کے لیے بھی خدا تعالیٰ کا حکم ہوگا اور وہ اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا. اور اسی کے ساتھ ایک تیسرا شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھرپور دولت دی ہوگی اور ہر طرح کا مال اس کو عطا فرمایا ہوگا، وہ بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں بتلائے گا (کہ میں نے دنیا میں تجھے یہ یہ نعمتیں دی تھیں) وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے

بھی پوچھے گا کہ تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد میں ان کو استعمال کیا)، وہ عرض کرے گا، خداوندا جس جس راستہ میں اور جن جن کاموں میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے، میں نے تیرا دیا ہوا مال اُن سب ہی میں خرچ کیا ہے۔ اور صرف تیری رضا جوئی کے لیے خرچ کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ جھوٹ کہا درحقیقت یہ سب کچھ تو نے اس لیے کیا تھا کہ دنیا میں تو سخی مشہور ہو (اور تیری فیاضی اور داد و دہش کے چرچے ہوں، سو تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو گیا اور دنیا میں) تیری فیاضی اور داد و دہش کے چرچے خوب ہو لیے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے بھی حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم)

---

(تشریح) العظمۃ للہ! کس قدر لرزا دینے والی ہے یہ حدیث، اسی کی بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرتے وقت کبھی کبھی بیہوش ہو جاتے تھے — اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ اُن کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی تو وہ بہت روئے اور روتے روتے بے حال ہو گئے۔ اس حدیث میں جن تین اعمال کا ذکر ہے یعنی علم دین کی تحصیل و تعلیم، قرآن مجید میں مشغولیت اور راہ خدا میں جانی اور مالی قربانی۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ میں سے ہیں، اور اگر اخلاص کے ساتھ یہ عمل ہوں تو پھر ان کا صلہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے اعلیٰ درجات ہیں، لیکن یہی اعمال جب دکھاوے اور شہرت کے لیے یا اسی قسم کے دوسرے دنیوی مقاصد کے لیے کیے جائیں تو اللہ کے نزدیک یہ اس درجہ کے گناہ ہیں کہ دوسرے سب گنہگاروں (چوروں، ڈاکوؤں اور زناکاروں) سے بھی پہلے جہنم کا فیصلہ ان ہی کے لیے کیا جائے گا اور یہی سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ اللّٰھم احفظنا! ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

---

مسلسل　　　　قسط ۱۵

# ارشادات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ
## مکتوبات کے پیرائے میں

مترجمہ ——— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

اللہ کا شکر ہے کہ مروج الشریعۃ خواجہ عبید اللہ بن خواجہ محمد معصومؒ کی مرتب کی ہوئی مکتوبات کے کام سے بھی فارغ ہوگیا اور اب مکتوبات معصومیہ[1] مرتبہ حاجی محمد عاشور بخاری میرے پیش نظر ہے اس میں دو سو چھپن مکتوبات ہیں یہ تمام مکتوبات، معارف و حقائق سے لبریز اور نکات و دقائق سے پر ہیں لیکن اونچے اونچے مضامین کی بلندی تک مجھ کم فہم کی رسائی بھی مشکل تھی اور متوسط اذہان و افہام کی رعایت بھی ضروری تھی بنا بریں ان میں سے استی نوئے مکتوبات کا ترجمہ پیش کرنے کا ارادہ ہے۔ جہاں جہاں ضرورت داعی ہوگی ان مکتوبات منتخبہ میں بھی تلخیص و اقتباس کو بروئے کار لایا جائے گا ——— اللہ تعالےٰ اس جلد کے کام کو بھی بخیر و خوبی اختتام تک پہونچائے اور مجھے اور تمام ناظرین کو ان ارشادات کی برکت سے راہ مستقیم پر چلنے اور دین مبین پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔۔۔

---

[1] روضۃ القیومیہ میں اس جلد کو جلد دوم بتایا ہے اور بعض جگہ اسی کتاب میں اس کو جلد سوم لکھا ہے اور یہی صحیح ہے۔ مطبوعہ نسخے میں بھی اس کو جلد ثالث قرار دیا ہے۔ یہ جلد ثالث جو کہ مجھے دفتری نور الحق صاحب عثمانی دیوبندی مدظلہ سے عاریتہً حاصل ہوئی ہو، مطبع روز بازار امرتسر میں نور احمد صاحب سپروردی ثم امرتسری کے اہتمام و تصحیح سے شائع ہوئی تھی۔۔۔ (فریدی)

مکتوب (۱) حضرت شیخ محمد سعید سرہندیؒ برادر کلاں کے نام —— در ذکر لوازم شوق و محبت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصرعہ —— آمد ازاں جناب صحیفہ بسوئے من

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ —— بعد از تقدیم مراسم عقیدت و نیاز مندی عرض ہے —— کہ —— عنایت نامہ گرامی کے ورود سے، جو کہ ملا طاہر کی معرفت "اس مسکین بے تسکین" کے نام روانہ تھا —— سعادت مند ہوا —— اس مکتوب میں ازراہِ تلطف و مخلص پروری "مقدمات شوق آمیز" اور "فقرہ ہائے عشق انگیز" مندرج تھے اس کے مطالعے نے "آتش اشتیاقان" کو دو چند اور "شعلۂ فراق" کو سربلند کر دیا...... بیشک لطف محبوب (حقیقی) بھی اُس کے استغنار کی طرح سے عشق افزا اور آتش انگیز ہے۔ مشتاقوں کی حالت سوختہ کو، ہندی کا یہ مصرعہ خوب بیان کرتا ہے۔

—— چونے کی سی کانکری جب چھڑکوں تب آگ ——

(یعنی دلِ عاشق چونے کی ڈلی کی طرح ہے کہ جب اُس پر پانی چھڑکا جاتا ہے مثل آگ کے ہو جاتی ہے) عاشقِ مسکین کو نہ تاب عتاب ہے نہ طاقت عنایت، نہ برداشت قہر ہے نہ یارائے مہر کہ وصل از ہجر باشد جاں ستاں تر —— لو کشفہٗ(۱) لاحرقت سبحاتُ وجھہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ —— یہ حدیث میرے بیان کی گواہ ہے۔

گیرم کہ بغنیم خانۂ ما یار خرامد
کو (کہاں) حوصلہ و طاقت دیدار کہ (کون) دارد

بخششہائے شاہ کو اُس کے شتران بار بردار ہی اُٹھایا کرتے ہیں —— ہستی عاشق جب تک درمیان میں ہے مورد صد بلا ہے۔ اُس کی درستی نیستی میں اور اس کی فلاح ترک ہستی میں ہے .... ممکن کا کمال، نفیٔ کمال میں پوشیدہ ہے اور اس کی خیریت، سلب خیریت میں مضمر ہے —— بھلا ایسا شخص جس کی نفیٔ کمال میں کمال چھپا ہوا ہو اور جس کی "نیستی" میں

(۱) یعنی پردۂ حق تعالیٰ ایک نور ہے اگر وہ اس پردے کو اٹھا دے تو یقیناً اُس کے انوار ذات تمام مخلوق کو جلا کر خاکستر کر دیں۔ (یہ حدیث، مسلم شریف کی ایک حدیث طویل کا جز ہے اسکے اول ہے حجابہ النور۔)

بشری ہو — اپنے مولا و آقا کے کمال و جمال سے کس طرح خبردار ہو سکتا ہے ؟ مگر ہاں وہ شخص جو "دامِ نیستی" سے "صید ہستی" کرے اور وجود موہوب کے ساتھ موجود ہو (خبردار ہو سکتا ہے)

..... بات طویل ہوگئی۔

ع بندہ باید کہ حد خود داند ———— آپ نے اس مسکین کی آمد کا انتظار ظاہر کیا ہے ع از دوست یک اشارہ از ما بسر دویدن ، یہ تو عین سعادت فقیر ہے کہ خدمت والا میں پہنچے اور برکات صحبت سے مستفیض ہو۔

---

**مکتوب (۳) شیخ محمد خلیل اللہ کے نام (اپنے برادر کلاں شیخ محمد سعیدؒ کے مناقب و مآثر میں)**

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِہٖ وَاٰلِہٖ وَنُسَلِّمُ

(برادرم شیخ محمد سعیدؒ کے اندر) بچپن ہی سے آثار قبول و کرامت ظاہر اور اطوار ولایت و نجابت ہویدا تھے۔ حضرت قطب الولایۃ خواجہ محمد باقیؒ کے زمانۂ حیات میں آپ چونکہ خورد سال تھے اس لئے ان کی خدمت میں نہیں پہنچ سکے تھے لیکن خواجہؒ نے ان کے حق میں فرمایا تھا کہ محمد سعید[1] ہمارا ہم پیشہ و ہمکار ہے، اس نے غائبانہ ہم سے نسبت حاصل کرلی ہے۔ ع فی المھد[2] ینطق عن سعادۃ جدہٖ ، آپ نے ظاہری و باطنی کمالات اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاصل کئے ہیں — سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہرہ، معقول و منقول کی تحصیل کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا تھا — والد بزرگوار کی طرح کمال تقویٰ سے آراستہ، متابعت سنت اور "عمل بعزیمت" سے پیراستہ ہیں۔ نرمیٔ کلام، تواضع تمام، مہمانوں کی خبرگیری کا اہتمام، بذلِ موجود اور نفی وجود اُن کا شیوہ اور طریقہ ہے — قرآن مجید کو سند عالی کے ساتھ تجویداً سیکھا ہے۔

---

(۱) آپ ماہ شعبان ۱۰۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے صلاح و تقویٰ کا پیکر تھے، زبدۃ المقامات میں لکھا ہو کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے تھے کہ محمد سعید چار پانچ سال کے ہوں گے کہ بیمار پڑگئے، میں نے اُن کے غلبۂ ضعف کی حالت میں دریافت کیا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ بے اختیار جواب دیا حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) کو چاہتا ہوں، میں نے یہ کلمات حضرت خواجہؒ کو لکھ بھیجے، حضرت قدس سرہ نے تحریر فرمایا کہ تمہارے محمد سعید نے ہماری نسبت غائبانہ طور پر اُچک لی ہے — ۲۷ جمادی الاخری ۱۰۷۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ مزار مبارک سرہند میں ہے۔ (فریدی)

(۲) یہ لڑکا اپنے گہوارے میں اپنی سعادت بخت کو بیان کر رہا ہے۔

حدیث نبوی (علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام) میں سند جید اور رتبۂ اعلیٰ رکھتے ہیں۔ فقہ میں بھی اونچی استعداد ہے۔ حضرت ایشاں (مجدد صاحبؒ) کو اکثر اوقات جب کسی فقہی مسئلے کی تحقیق کرنی ہوتی تھی تو اُن سے اس مسئلے کی وضاحت طلب کرتے تھے ۔۔۔ جب "یہ حل مشکلات مسائل" کر دیتے تھے اور بعض پیچیدہ مسئلوں میں راہ خلاصی نکال دیتے تھے تو حضرت والا بہت خوش ہوا کرتے تھے اور ان کے حق میں دعائیں کیا کرتے تھے۔ حضرت والا کی زندگی ہی میں یہ مراتب کمال وتکمیل کو پہونچ گئے تھے ۔۔۔ اور ان کی موجودگی ہی میں خلافت حاصل کر کے تعلیم طریقہ اور ارشادِ طلبہ کا کام انجام دینے لگے تھے۔ کمالِ عقل معاد" کے ساتھ ساتھ "عقل معاش" میں بھی درجۂ کامل رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ایشاںؒ اکثر امور میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور ان کی رائے کو پسند فرماتے تھے۔ امور باطن میں بھی یہ حضرت والا کے رازدار تھے۔ حضرت مجددؒ جو اسرار ان کے درمیان رکھتے تھے ان اسرار میں دوسرا کم شریک ہوتا تھا۔ ان کو حضرت مجددؒ کے اسرار غامضہ اور معاملات خاصہ کے ذریعے بشارت دی گئی ہے۔ امراض ظاہری والے انکی توجہ سے شفا پاتے ہیں اور امراض باطنی والے ان کے تصرف سے جمیعت قلب کی راہ اختیار کرتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔

---

مکتوب (۶) سلطان وقت حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ کے نام (در ذکر مواعظ واداے شکر نعمت امن وامان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔۔ بعد حمد وصلوٰۃ ۔۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور کچھ دور چلے اور یوں فرمایا کہ اے معاذ! میں تجھے تقوی اللہ، صدق کلام، وفائے عہد، ادائے امانت، ترک خیانت، رحم یتیم، حفاظت ہمسایہ، ضبط غصہ، نرمی کلام بذل سلام، لزوم امام، تفقہ فی القرآن، حُبّ آخرت، خوف حساب آخرت، کوتاہی آرزو اور حُسن عمل کی وصیت کرتا ہوں اور منع کرتا ہوں اس بات سے کہ کسی مسلم کو برا بھلا کہے یا کسی کاذب کی تصدیق اور صادق کی تکذیب کرے یا امام عادل کی نافرمانی کرے اور فساد فی الارض میں

حسنہ ہے — اے معاذ! اللہ کا ذکر کر ہر شجر و حجر کے قریب اور ہر گناہ کی توبہ کر۔ پوشیدہ گناہ کی پوشیدہ طور پر اور علانیہ کی علانیہ طور پر[1] (رواہ البیہقی فی کتاب الزہد)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں خادم کو کتنی مرتبہ معاف کروں؟ بس سکوت فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، پھر اُس شخص نے عرض کیا کہ کتنی مرتبہ معاف کروں؟ تو فرمایا کہ ایک دن میں ستّر مرتبہ (رواہ مسلم فی صحیحہ)

کمترین دعا گویاں نیاز مند — حضرت سلطان الاسلام، ظل اللہ تعالیٰ علی الانام، باسط مہاد العدل والانصاف ہادم اساس الجور والاعتساف، امیر المومنین انار اللہ برہانہٗ، کی خدمت میں لکھتا ہے اور اظہار نیاز مندی و خاکساری کرتے ہوئے نعمت امن و امان، رونق اسلام اور قوت شعائر اسلام کے ظہور پر شکر و ثنا کرتا ہے، نیز آپ کے لیے درازیٔ عمر، شوکت و ظفر اور نصرت کی دُعا اپنے زاویۂ نامرادی اور گوشۂ شکستگی میں درویشوں کے ساتھ کرتا رہتا ہے۔ چونکہ یہ دعا خلوص دل سے ہے اور پس پشت ہے اس لئے اُمید ہے کہ قرین قبولیت ہوگی۔ آفتاب دولت و سلطنت بر افق مجد و علیٰ تاباں باد — بالنبی الاُمی وآلہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات۔

---

## مکتوب (۹) قاضی عنایت اللہ کے نام (نصائح ضروریہ میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — الحمد للہ العلی الاعلیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہ کما یحری

اما بعد — صحیفۂ گرامی جو اس مسکین کے نامزد تھا اُس کے ورود سے خوش اور مشرف ہوا۔ مخدوما! ماسوی اللہ میں گرفتار ہونا امراض قلبیہ میں سے شدید ترین مرض ہے اس کے ازالہ کی فکر کرنا بہت ضروری ہے۔ ع در خانہ اگر کس ست یکحرف بس ست

---

(۱) ظاہر حدیث سے تمسک کر کے بعض نے فرمایا ہے کہ علانیہ گناہ کی توبہ علانیہ کرنا ضروری ہے اور محققین کے نزدیک یہ امر استحبابی ہے۔ (حاشیۂ حصن حصین)

مکتوب گرامی پہونچنے اور مطالعہ کرنے کے بعد گم ہوگیا، جواب میں توقف اس وجہ سے ہوا کہ وہ خط مل جائے تو دوبارہ اُس کو دیکھ کر جواب لکھا جائے لیکن ابھی تک وہ خط نہیں مل سکا۔ ناچار چند کلمات لکھتا ہوں ـــــ تم نے اظہار شوق کیا تھا اور اپنے درد دل کی خبر دی تھی اس شوق کو نعمتِ عظمیٰ اور اس درد کو سرمایۂ سعادت تصور کرو ـــــ ایک درویش نے فرمایا ہے کہ ـــــ اگر شخواستے (دشرہ) داد ـــــ نداوے (حبزا) خواست

یعنی اگر اللہ تعالیٰ دینا نہ چاہتا تو طلب کا مادہ نہ عطا کرتا ـــــ اللہ تعالےٰ آتش شوق کو مشتعل اور شعلۂ طلب کو سربلند کردے۔ یہاں تک کہ اپنے ماسوا سے بیگانہ بنادے اور بے فائدہ کشمکش سے رہائی بخشے ...... بزرگوں کا مقولہ ہے "دست بکار، دل بیار" ـــــ حضرت حق کا محل نظر دل ہے ـــــ دل کو پاک صاف رکھا جائے اور اُسے ماسوائے حق۔ کے التفات سے یکسو کردینا چاہیئے ؎

ذکر گو ذکر، تا ترا جان ست
پاکیٔ دل ز ذکر رحمان ست

والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الھدیٰ ـــــ

---

مکتوب (۱۱) محمد باقر لاہوری کے نام (نصائح ضروریہ میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـ

صحیفۂ گرامی جو از راہ محبت ارسال کیا تھا ـــــ پہنچا ـــــ خوش وقت کیا۔ اسی طریقے سے اپنے حالات لکھتے رہا کرو کہ یہ توجہ غائبانہ کا ذریعہ ہے ـــــ جو کچھ اپنی سرگزشت لکھی تھی اور مقدمات طلب کا ذکر کیا تھا کہ اولاً وساوس کا ہجوم ہوا پھر وساوس میں قلت ہوگئی نیز حلاوت ذکر اور ظہور شوق و ذوق کے متعلق جو کچھ لکھا تھا یہ سب باتیں معلوم ہوئیں ـــــ کسی نے خوب کہا ہے ؎

بوصلش تا رسم صد بار از پا افگند شوقم
کہ نو پروازم و شاخ بلند سے آشیاں دارم

جب تم اس راستے میں آئے ہو تو مردانہ وار آؤ اور طلبگاری کے جو جو لوازم ہیں اُن کو پورا کرو۔ شریعت غرّا کے "عروۂ وثقیٰ" کو ہاتھ سے نہ دو۔ سُنن نبویہ کو دانتوں سے مضبوط پکڑو ــــ بدعت سے اور صحبت بدعتی سے بچتے رہو۔ کمر ہمت کو خدمتِ مولائے حقیقی جل سلطانہ میں کس کر باندھ لو۔ درگاہ قدس کی جانب کمال توجہ کو بڑی نعمت سمجھو...... اور جو چیز بھی اس دولت معنوی کی مانع اور منافی ہو اس سے سیکڑوں کوس دور بھاگو، محبت و اطاعت شیوخ پر مستقیم رہو کہ اس راہ کا مدار ان کی محبت و اطاعت پر ہے...... جس قسم کی اجازت تم کو دیدی گئی ہے اس کے موافق عمل کرو ــــ یہ اجازت اس لئے دی گئی ہو تاکہ چند آدمی یکجا مشغول ذکر رہیں ــــ ہمارے طریقے میں تنہا بیٹھنے سے یہ روش بہتر ہو (کہ یکجا کئی اشخاص مشغول ذکر ہوں) تاکہ ایک دوسرے کا فیض ایک دوسرے پر منعکس ہو ــــ یہ بات مُجازلہٗ (جس کو اجازت دی گئی ہو) کے کمال پر موقوف نہیں ہو ہاں یہ ضرور ہو کہ وہ "سر حلقہ" ہوتا ہو اس ضمن میں خود اس کی تربیت بھی ہے اور اس کے مسترشدین کی تربیت بھی ــــ حق سبحانہٗ درجات کمال و اکمال میں ترقی عطا کرے اور خود بینی و پندار سے چھٹکارا دے ــــ والسّلامُ علیکم وعلی سائرمن اتبع الھُدیٰ والتزم متابعۃ المصطفی علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات والبرکاتُ العُلیٰ۔

---

## مکتوب (۱۴) اسلام خاں کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــ الحمد للہ العلی الاعلیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ المجتبیٰ وعلی سائر عبادہ الذین اصطفیٰ۔

التفات نامہ گرامی، جو بذریعہ ڈاک چوکی بھیجا تھا ــــ پہونچا ــــ چونکہ اس خط سے آں مشفق اور اُس کے متعلقین کی سلامتی کی اطلاع ملی اس لئے سبب فرحتِ فراواں ہوا۔

میری طرف سے کم کم خط پہنچنے کی تم نے شکایت لکھی ہے ــــ مکرما! فقیر اس معاملے میں بہت کاہل واقع ہوا ہے ــــ علاوہ ازیں اس طرف کے جانے والے بھی کم ملتے ہیں ــــ امید کہ مجھے معذور رکھو گے ــــ خدا نہ کرے کہ تمہاری نسبت میں کوئی فتور

اور محبت میں کوئی قصور آئے بلکہ امید ہے کہ جتنا زمانہ بڑھتا جائے گا نسبت معنوی بڑھتی جائیگی اور جتنے ایام گزریں گے آتش شوق، مشتعل ہوتی جائیگی اور بادۂ محبت جوش میں آجائے گا۔

ع شراب کہنہ، نالذت دگر دارد۔ ہرچند کہ کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ مشہور بات ہے لیکن محبت جس قدر کہنہ اور دیرینہ ہوتی ہے نشۂ دیگر لاتی ہے اور ثمرات بے اندازہ بخشتی ہے....

---

## مکتوب (۱۵) اسلام خاں کے نام ـــ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بعد حمد وصلوٰۃ

احوال واوضاع فقرائے ایں حدود مستوجب حمد ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے تمھاری ظاہری وباطنی سلامتی واستقامت چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ۔[1] پس ضروری ہے کہ انسان اپنے حاصل کار اور نقد روزگار میں تامل کرے اور خوب اچھی طرح دیکھے کہ روز موعود (قیامت) کے لئے جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی۔ اُس نے کیا مہیا کیا ہے؟ اور یہ بھی دیکھے کہ اُس کے حسنات میں سے کون سا عمل قابل قبول ہے اور کونسا لائق رد ہے اللہ تعالیٰ نے آدمی کو عبث اور مہمل نہیں پیدا کیا ہے اور نہ اُسکو بے نکیل چھوڑ دیا ہے کہ جو جی چاہے کرے اور جس طرح چاہے زندگی گزارے۔ انسان کی تخلیق کا مقصد، وظائف بندگی کی ادائیگی اور تحصیل فنا ونیستی ہے جو کہ حاصل معرفت ہے...... حق تعالیٰ "دین خالص" چاہتے ہیں، شرکت پر راضی نہیں ہیں وہ مخالفت نفس کا بھی مطالبہ کرتے ہیں ـــ اور ہم بوالہوس ہیں کہ مراد نفس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور لذت عاجلہ کی تحصیل میں کوشاں ہیں وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰہُ وَلٰکِنْ کَانُوْا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ (اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا خود انھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے) ـــــــ دوستوں سے دعائے سلامتی، خاتمہ کی امید ہے۔

---

[1] اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اُس نے کل (قیامت کے لئے کیا آگے بھیجا ہے۔

# آزادی کے دس سال اور مسلمان

از

(ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی، ایم اے پی ایچ ڈی)

۱۵ اگست سنہ ۱۹۵۷ء کو ہماری آزادی کے دس سال پورے ہو جائیں گے۔ اس عرصہ میں ملک میں اطمینان و بہتری کی بلاشبہ بہت سی صورتیں پیدا ہوئیں۔ مختلف دشواریوں پر فتح پائی گئی اور تعمیر و ترقی کے بیج بوئے گئے۔ برطانوی راج کے یکایک ختم ہو جانے سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا اسے پر کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، تقسیم نے اور بھی پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں، نفرت و عداوت کا کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا تھا۔ لیکن قوم کے قائد اس آزمائش میں پورے اترے۔ دوسرا مرحلہ سیاسی استحکام کا تھا۔ اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ دیسی ریاستیں تھیں۔ سردار پٹیل کی جرأت و فراست نے یہ مشکل بھی آسان کر دی، جنگ عظیم نے ملک کی اقتصادیات کو درہم برہم کر دیا تھا۔ اس پر بھی ایک حد تک قابو پا لیا گیا۔ انقلابی طرز کی زرعی اصلاحات جاری کی گئیں، ریاستی تنظیم عمل میں آئی۔ نئے دستور کے ماتحت دو الکشن ہو چکے ہیں۔ پہلے پنج سالہ منصوبہ کی تکمیل ہوئی۔ دوسرے کی ابتدا کی گئی۔ بین الاقوامی سطح پر ہندوستان عام اندازہ سے کہیں زیادہ ابھرا۔ مادی وسائل کی کمی اور دوسری کمزوریوں کے باوجود نیویارک، لندن اور ماسکو کی طرح دہلی بھی عالمی ڈپلومیسی کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ پنڈت نہرو نے مغربی اور اشتراکی بلاکوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور ہندوستان کو ان کے درمیان کا پل بنا دینے کی جو کوششیں کیں وہ تاریخ میں یادگار رہیں گی۔

دوسری طرف بعض مشکلوں اور پریشانیوں میں بھی اضافہ ہوا، اور کچھ بدنما باتیں سامنے آئیں۔ بہت سے کام جو کرنے کے تھے وہ نہیں کیے گئے یا نہیں ہو سکے۔ غلہ کی کمی، ضرورت کی اشیاء

کی مہنگائی، جرائم کی زیادتی، رشوت کی گرم بازاری، حکام کی خویش پروری، سرکاری اسراف، نظم ونسق کا ڈھیلاپن ـــــ یہ اور اسی قبیل کے دوسرے مصائب پچھلے دور سے بھی بڑھ گئے ہیں اور انھوں نے زندگی کو اجیرن بنا دیا ہو۔ لسانی عصبیت، اکثریت کی تمدنی جارحیت، اخلاقی گراوٹ مصیبت بالائے مصیبت ہیں۔ اجتماعی امور میں علاقائی طرز فکر جو برابر قوت پکڑتا جا رہا ہو ملک کے لیے ایک بڑے خطرہ کا پیش خیمہ ہو سکتا ہو۔ گذشتہ الکشن نے کانگرس کی بنیادیں ہلادیں، جمہوری نظام میں کسی سیاسی پارٹی کا تنزل وانحطاط ویسے تو کوئی غیر معمولی اہمیت نہیں رکھتا، لیکن ہندستان کے مخصوص حالات میں کانگرس کا اسٹیج پر سے ہٹ جانا اور وہ بھی اس صورت سے کہ کوئی دوسری پارٹی اس کی جگہ لینے کی طاقت واہلیت نہ رکھتی ہو، ممکن ہو کہ یہاں جمہوریت کی بنی بنائی عمارت ہی کو منہدم کر دے۔

مگر یہ سب وہ باتیں ہیں جن کا تعلق ملک کی پوری آبادی سے ہو اور بلاشبہ اس آبادی کا ایک اہم جز ہونے کی حیثیت سے بہتری اور ابتری کے ان سب پہلوؤں میں مسلمانوں کا بھی حصہ ہو لیکن اس وقت یہ ہمارا اصل موضوع نہیں ہو۔ اسی لیے ان کا تذکرہ محض اجمالاً کیا گیا ہو۔ یہاں ہم صرف اُن امور سے بحث کرنا چاہتے ہیں جو خاص کر مسلمانوں ہی کے بُرے بھلے سے تعلق رکھتے ہیں اور اُن سے غور وفکر اور جدوجہد کا مطالبہ کرتے ہیں۔

## مسلمانوں کے لیے اطمینان اور بہتری کے پہلو

آزادی فرقہ وارانہ منافرت کا ایک ہولناک سیلاب ساتھ لائی تھی، یہ دور ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بڑا پُر آشوب تھا، ان کے جان ومال، عزت وآبرو اور دینی وتہذیبی خصائل کی ملک میں بہت ارزانی ہوگئی تھی۔ خوف ودہراس میں بہت سے مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ ایک کروڑ کے قریب اپنا وطن ترک کرکے پاکستان چلے گئے، جو نہیں گئے تھے وہ بھی اپنے کو پابہ رکاب ہی سمجھتے تھے۔ وطن میں رہتے ہوئے بے وطن ہو جانے کی بیسویں صدی میں ایسی مثال کا تصور ذرا مشکل ہو۔ بالآخر گاندھی جی نے اپنی جان کی قربانی دے کر وقت کے رُخ کو موڑا، رفتہ رفتہ حالات اعتدال پر آگئے، اور مسلم بیزاری اور مسلم آزاری کا جنون ختم ہوگیا، اب مسلمانوں کو جان ومال کا اطمینان ہو وہ حفاظت سے رہتے ہیں۔ پہلے ان کے لیے انصاف کا کلمہ کہنے کے لیے بڑی جرأت کی ضرورت تھی، اب کوئی

شخص ان کو آزادانہ برا بھلا کہنے کی آسانی سے جرأت نہیں کر سکتا، مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہونچانا ان کے ملی احساسات کو مجروح کرنا، ان کی تہذیبی و معاشرتی خصوصیتوں کا مذاق اڑانا اور ان سے ان کو ترک کر دینے کا مطالبہ کرنا ہندو عوام میں مقبولیت کے بڑے مؤثر ذرائع بن گئے تھے، اب معاملہ اسکے برعکس ہو، اور ان کی دلجوئی و حمایت اور ان کے حقوق کی وکالت، فراخ دلی، وسیع النظری، حق پرستی اور انصاف پسندی کی علامتیں سمجھی جانے لگی ہیں، پچھلے الکشن میں مختلف پارٹیوں نے مسلمانوں کی اہمیت کا اعتراف کیا، درانحالیکہ اس سے پہلے وہ پرانے جوتے کی طرح پاؤں سے نکال کر پھینک دیے گئے تھے، اردو، جو اگرچہ ملک کی ایک مشترکہ زبان ہو لیکن مختلف اسباب کے باعث مسلمانوں کو اس سے ایک خاص لگاؤ ہو، اب اس کا مستقبل بھی اتنا تاریک نہیں رہا ہو جتنا کہ تقسیم کے فوراً بعد نظر آنے لگا تھا۔ تب تو معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان میں اس کی کشتی ڈوبے بغیر نہ بچے گی۔ لیکن ایک جاندار زبان کی طرح اس نے خود اپنی حفاظت کے وسائل پیدا کیے، اور پھر ان کو یکجا کر کے صحیح سمت کی طرف ان کی رہنمائی کی۔ کوئی زبان حکومت کے شانہ پر سوار ہو کر بام عروج تک نہیں پہونچ سکتی، خوش قسمتی سے اردو کے حیات و قوت کے سرچشمے دفتروں میں نہیں، گھروں اور بازاروں میں ہیں، اور اسی چیز نے اس کو مٹنے سے بچا لیا۔ اگرچہ ابھی تک صرف کاغذ ہی پر سہی تاہم اس کا قانونی حق بھی کسی درجہ میں تسلیم کر لیا گیا ہو۔ ملک کے دستور میں اسے دوسری قومی زبانوں کے برابر کی جگہ دی گئی ہو، اور ایسی صورت پیدا ہو گئی ہو کہ جو لوگ فی الواقع چاہیں اپنی اولاد کو اردو پڑھوا سکتے ہیں۔ اطمینان کی انہی صورتوں کی بنا پر ہندوستانی مسلمانوں کا بدحواسی اور سراسیمگی کے عالم میں پاکستان ہجرت کر جانے کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا ہے، اب انھوں نے یہ طے کر لیا ہو کہ ہندوستان ہی ان کا وطن ہو اور یہیں ان کو جینا اور مرنا ہے، ملازمت اور دوسری ذاتی ضرورتوں کی بات اور ہو، مگر اجتماعی طور پر مسلمانوں کا فیصلہ یہی ہو کہ ترک وطن ان کے مسائل کا حل نہیں ہو۔ یہ بات ان کے ذہن میں اچھی طرح اتر گئی ہو کہ دنیا کا کوئی ملک ان کی چار کروڑ آبادی کے لیے اپنے یہاں جگہ نہیں نکال سکتا ہو، اور ساتھ ہی یہ احساس بھی کہ نئے ہندوستان کے متعلق جو خطرے ابتدا میں ان کے اندر پیدا ہو گئے تھے ان میں سے اکثر کو وقت نے پیچھے ڈھکیل دیا ہو اور ان کے لیے پُرامن اور باعزت زندگی بسر کرنے کے امکانات پہلے سے کہیں زیادہ روشن ہیں۔

**فکر و تشویش کے پہلو**

لیکن اسی کے ساتھ یہ کھٹک بھی روز بروز بڑھتی جاتی ہو کہ کہیں جسم و

جان کی اس عافیت کے عوض ان کو اپنی اس متاع سے رفتہ رفتہ دست بردار نہ ہو جانا پڑے جسے وہ جسم و جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے آئے ہیں، اس اندیشے کے پیچھے ان کا یہ مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ ملک کی اکثریت نے (بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کے برسراقتدار طبقہ کی اکثریت نے) سیکولرزم کے نصب العین کو خلوصِ نیت سے نہیں اپنایا ہے، اور اسے بس ایک نعرے کے طور پر استعمال کرنا چاہا ہے۔ سیکولرزم کے معنی تو یہ ہیں کہ جہاں تک دین اور دینی تہذیب کا سوال ہے ملک کی کل جماعتوں اور فرقوں کو مساوات اور یکساں آزادی حاصل ہو، ریاست کو قومیت سے الگ رکھا جائے، ریاستی اور سیاسی امور کو مذہب و معاشرت کے دائروں میں نہ داخل کیا جائے اور ان سب کا نتیجہ یہ ہو کہ سیاست و حکومت پر کسی قوم یا جماعت کے مذہبی عقیدوں اور معاشرتی رجحانوں کا سایہ نہ پڑنے پائے، اکثریت کے قومی عزائم ملک کے سیاسی عزائم نہ بنیں، اور حکومت کی قوتیں اور اس کے وسائل اکثریت کے دین و ثقافت کی اشاعت کے لیے کام میں نہ لائے جائیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہو رہا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کل کے ہندوستان کا نقشہ جیسے جیسے سامنے آتا جاتا ہے مسلمانوں میں اپنی دینی تہذیب و ملّی معاشرت کے بارہ میں فکر و تشویش اور افسردگی بڑھتی جاتی ہے۔

گذشتہ دس برسوں میں مسلمانوں کی دینی خودداری کو متعدد بار صدمہ پہونچایا گیا، ان کے نازک ترین احساسات انتہائی ذلیل اور اشتعال انگیز طریقوں سے چھیڑے گئے۔ ناموسِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملے کیے گئے۔ اتنی کم مدت میں اس طرح کے اتنے زیادہ واقعات کبھی نہیں پیش آئے تھے، مسلمانوں کو اصل شکایت اُن سے نہیں ہے جو ان رکیک باتوں کے مرتکب ہوئے۔ ہر ملک اور ہر قوم میں کچھ خبیث الفطرت، دل کے گندے، اور باطن کے اندھے افراد ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو شکایت اس کی ہے کہ حکومت نے اس سلسلہ میں ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ وہ سوچتے ہیں ـــــ اور صحیح سوچتے ہیں کہ خدانخواستہ اگر ان کی طرف سے کوئی ایسی حرکت ہو گئی ہوتی تو حکومت اتنا نرم رویہ نہ اختیار کرتی۔ پھر ان واقعات پر مسلمانوں کے احتجاج کے ساتھ جو سرکاری سلوک ہوا اس نے تو "مرے کو ماریں شاہ مدار" کی مثل کو عملی جامہ پہنا ہی دیا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمانوں کے احتجاج کا طریقہ کہیں غلط نہیں تھا۔ لیکن حکومتوں کے ذمہ دار اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہیں کہ جذباتی اور اضطراری حالتوں میں ہوش کا دامن چھوٹ جانا کوئی ایسی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اگر لسانی اور علاقائی جوش و خروش بڑھ کر غدر کی سی صورت پیدا کر سکتا ہے اور

اس سلسلہ میں قومی جھنڈے تک کی علانیہ توہین کی جاسکتی ہو اور مسلم لیڈروں کے پتلے جلائے جاسکتے ہیں، تو پھر مذہب تو اس سے کہیں زیادہ نازک چیز ہے ۔ ورنہ کیا یوں کہا جائے کہ "بجملہ حقوق وطن دشمنی بحق اکثریت محفوظ" والا نکتہ مسلمانوں کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے۔

---

جمہوریت کا سب سے بڑا ستون شخصی آزادی ہے جسے اگر ہٹا دیا جائے تو جمہوریت اور آمریت میں کوئی فرق نہیں رہتا، مسلمانوں میں شخصی آزادی کا ایک خاص مفہوم ہے یعنی اسلامی طریق کار پر عمل کرنے کی آزادی، یا دوسرے لفظوں میں ان کے "پرسنل لا" کا تحفظ مسلمانوں کی بقا و ترقی کا انحصار اسی پرسنل لا پر ہے، اس کے بغیر ان کا مسلمان کی حیثیت سے جینا ناممکن ہے ۔ کیونکہ اسلام عقائد و عبادات کا ایک مخصوص نظام ہونے کے علاوہ ایک اخلاقی اور عملی اور انفرادی و اجتماعی ضابطہ بھی ہے اور اس کی اس حیثیت کا محور شریعت ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہے وہ اس حقیقت سے یقیناً ناواقف نہ ہوں گے، کیونکہ تمام مسلمان خواہ ان کا تعلق کسی بھی پولیٹیکل پارٹی اور کسی بھی سیاسی مکتب فکر سے کیوں نہ رہا ہو، شروع سے اس پر زور دیتے رہے ہیں، مثلاً ۱۹۲۹ء کی آل انڈیا مسلم کانفرنس کی قرارداد کی ایک اہم دفعہ یہ تھی کہ "ہندوستان کے سیاسی حالات کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ ہندوستانی دستور میں مسلمانوں کی تعلیم، زبان، مذہب، پرسنل لا، اور فی سبیل اللہ اداروں کے تحفظ و ترقی کا معقول انتظام کیا جائے اور سرکاری امداد و عطایا میں ان کے واجبی حصہ کا بھی۔"

خود کانگرس کے بنیادی حقوق کے مشہور و معروف کراچی رزولیوشن (سنہ ۱۹۳۱ء) میں یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ مسلمانوں کو شخصی یعنی دینی و تہذیبی سطح پر پوری آزادی ہو گی، اور سنہ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کو پاکستان کو اپنا نصب العین قرار دینے کے بعد مسلمانوں کے مسئلہ کا پاکستان سے بہتر حل کے طور پر جب "کلچرل آٹانومی" کی کانگرسی مسلمان اور ان کے دوسرے ہم خیال حلقوں کی طرف سے مسلسل پیشکش ہوتی رہتی تھی، وہ اس کا اصل الاصول بھی نجی معاملات میں اپنے مخصوص عقائد و اصول پر عمل کرنے کا اختیار ہی تو تھا۔

مگر حکومت کے موجودہ ماحول میں مسلمانوں کے شخصی مسائل میں برابر بالواسطہ اور بلاواسطہ

مداخلت ہو رہی ہے اور رفتہ رفتہ اُن کی رہنمائی غیر اسلامی طریق کار کی طرف کی جا رہی ہو، ایک شادی ہی کے مسئلہ کو لیجئے۔ سرکاری ملازمین کے لیے نکاح ثانی کی ممانعت کے جو احکام جاری ہوئے ہیں چاہئے تھا کہ مسلمان اس سے مستثنیٰ کر دیے جاتے۔ یا جن جانوروں کے ذبیحہ کا حق مسلمانوں کو حاصل تھا اکثریتی فرقہ کی رضا کے لیے پوچ معاشی دلیلوں کی آڑ لے کر ان کو اس سے محروم کرنا اور اُن کی شرعاً جائز غذا کو قانوناً ناجائز قرار دے دینا مسلمانوں کے مخصوص مسائل میں دخل اندازی نہیں تو اور کیا ہو؟ حد یہ ہو کہ با اثر شخصیتوں اور حلقوں کی طرف سے آئے دن سننے میں آتا رہتا ہو کہ شخصی قانون میں ہندو مسلمان کی تخصیص غلط ہو اور کل باشندوں کے لیے ایک ہی پرسنل لا ہونا چاہیے، ہندو عوام کی شدید مخالفت کے باعث حکومت کو اگر ہندو کوڈ بل کے بہت سے اجزاء سے دست کش نہ ہو جانا پڑتا اور اس کے مصالحانہ جذبہ میں سردی نہ آگئی ہوتی تو کیا عجب تھا کہ یہی بل قانون بننے کے بعد دھیرے دھیرے ملک کی ساری مذہبی جماعتوں پر چھا جاتا۔

مسلمانوں کو تہذیبی طور پر نگل جانے کی کوشش درحقیقت اسی رویہ کو ایک بار اور بر سر کار لانے کی کوشش ہی جو اب سے بہت قبل بدھوں اور جینیوں کے سلسلہ میں سو فی صدی کامیابی کے ساتھ استعمال کیا گیا تھا، اور سابق میں کئی مرتبہ مسلمانوں پر بھی آزمایا جا چکا ہو لیکن تب حالات مختلف تھے، چنانچہ اسلام اتنا سخت اور ثقیل ثابت ہوا کہ اسے ہضم نہ کیا جا سکا اور گھبرا کے اُگل دینا پڑا۔ اب حالات دوسرے ہیں، مسلمانوں کی افسردہ حالی، احساس دینی کی کمزوری، جمود اور مرعوبیت اور برسر اقتدار طبقہ کے سیاسی و تہذیبی وحدت کے قدامت زدہ تصور اور دوسرے تاریخی عناصر نے اس خطرہ کو بہت قریب لا کے کھڑا کر دیا ہو۔

مسلم پرسنل لا اگر محفوظ نہ رہے تو مسلمانوں کے لیے شخصی آزادی کا تخیل بے معنی ہو جاتا ہو۔ کمیونسٹ عہد سے پہلے یوگوسلیویا میں اس کا اتنا اہتمام تھا کہ اس کے لیے حکومت میں ایک مستقل شعبہ تھا جس کا سارا دروبست مسلمانوں کے ہاتھ میں رہتا تھا اور مسلمانوں کی شرعی ضروریات کے انصرام کے لیے مسلمان عوام پر ٹیکس تک لگانے کا اس کو حق حاصل تھا، یہ مثال تو ایک ایسے ملک کی ہوئی جہاں مسلمانوں کی اقلیت تھی، جمہوری ممالک میں ویسے بھی اقلیتوں کی ثقافتی انفرادیت کا قانون کے ذریعہ تحفظ کیا جاتا ہو۔ گذشتہ جنگ سے قبل لیٹویا، استھونیا، جیسی جیسی چھوٹی بالٹک ریاستوں میں

اقلیتوں کے شخصی امور قانون ساز اسمبلیوں کے دائرۂ اختیار سے باہر تصور کیے جاتے تھے، ان کا انتظام اقلیتی کمیٹیوں کے سپرد تھا جو حکومت کی سرپرستی میں قائم ہوتی تھیں اور اپنی علیحدہ قانونی حیثیت رکھتی تھیں۔ ہندوستان جیسے ممالک میں پرسنل لا کے مسئلہ کا دراصل یہی حل ہے اور یہ مسئلہ فوری توجہ کا طالب ہے۔ افسوس ہے کہ اس بارہ میں مسلمانوں کی حس بہت کمزور ہو گئی ہے۔ حالانکہ پہلے وہ بہت قوی تھی، اس حس کو بیدار کر کے اس کی صحیح تربیت کرنا اور اس سے کام لینا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

---

حکومت کی تعلیمی پالیسی بھی اب خوب واضح ہو گئی ہے۔ اس کا اندازہ ہر اس مسلمان کو ہو گا یا ہو سکتا ہے جس کے بچے سرکاری یا نیم سرکاری اسکولوں میں جاتے ہیں۔ یہاں بھی وہی مقصد کارفرما ہے جس کا ابھی تذکرہ کیا جا چکا ہے یعنی مسلمانوں کی آنے والی نسلوں کے طبائع و رجحانات کا رخ موڑ کر ان کو اکثریت کی تہذیب میں جذب کر لینا اور مسلمانوں کے دینی و تہذیبی وجود کو ختم کر دینا۔ یہ بات کچھ ڈھکی چھپی ویسے بھی نہ تھی۔ اب ماسٹر تارا سنگھ نے اس پر سے باقاعدہ پردہ اٹھا دیا ہے۔ انھوں نے ۱۲ر جولائی کے "پربھات" میں لکھا ہے کہ "لکھنؤ میں ۱۹۳۲ء میں کل پارٹیوں کی ایک کانفرنس بلائی گئی۔ گفتگو کے دوران سکھوں اور مسلمانوں میں تن گئی۔ اور کانفرنس کے فیل ہو جانے کا امکان پیدا ہو گیا۔ مگر ایک بڑے ہندو لیڈر نے سکھ لیڈروں کو علیحدہ لے جا کر کہا، جانے دو اس بات کو۔ ایک دفعہ طاقت ہمارے ہاتھ آنے دو پھر میں تعلیم کے راستہ ان کی مسلمانی نکال دوں گا۔"

(الجمعیۃ، ۲۲ر جولائی ۱۹۵۷ء)

مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ صرف ان کی تہذیب و معاشرت کے بقا کا نہیں، ایک طرح سے ان کے دین و ایمان کے تحفظ کا مسئلہ ہے، اور اگر انھوں نے اس مسموم ذہنی فضا کے تدارک کیلئے جلد ہی کوئی مؤثر قدم نہ اٹھایا جو نام نہاد سیکولر تعلیم کے ذریعہ پیدا کی جا رہی ہے تو سخت وبال اور اُن سے باز پرس کا خطرہ ہے۔ (العیاذ باللہ)۔

---

زیر بحث عرصہ میں مسلمانوں کی معاشی حالت بھی برابر گرتی گئی ہے۔ زمینداری جو تقسیم سے پہلے شمالی ہند میں مسلمانوں کی آمدنی کا شاید سب سے بڑا ذریعہ تھی ختم ہو چکی ہے۔ دوسرا ذریعہ سرکاری

ملازمتیں تھیں سو اُن میں مسلمانوں کو شکایت ہو کہ اب ان کو کوئی نہیں پوچھتا ہے، پرانی ملازمتوں میں بھی ان کے لیے ترقی کی راہیں اس طرح کھلی ہوئی نہیں ہیں جیسی کہ اکثریت کے لیے ہیں۔ تجارت کے لیے نہ ان کے پاس سرمایہ ہو نہ تجربہ، الغرض مسلمانوں کا اقتصادی نظام درہم برہم ہو گیا ہو اور ہو رہا ہو۔ اس سلسلہ میں اصل کام تو مسلمانوں ہی کے کرنے کا ہو لیکن حکومت کو بھی ان کی اقتصادی بحالی کی طرف خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہو، جیسا کہ میں نے ایک پچھلے مضمون میں لکھا تھا۔ "اتنی بڑی تعداد کی معاشی بے اطمینانی ملک کی ترقی میں بڑا رخنہ ڈال سکتی ہو۔ بقول ڈاکٹر عابد حسین اس کا تو کوئی امکان نہیں ہو کہ مسلمان رزقی تنگی سے عاجز آکر پاکستان یا کسی دوسرے ملک سے سازش کرنے لگیں گے لیکن یہ ضرور ہو سکتا ہو کہ وہ ایک بھاری پتھر بن کر ہندوستان کی گردن میں لٹک جائیں جس سے اس کا آگے بڑھنا دشوار ہو جائے۔" (الفرقان مارچ ۵۰ء)

---

مسلمانوں کی سب سے بڑی بدقسمتی ایسی قیادت کا فقدان ہو جس میں واقعی قیادت کی اہلیت ہو اور جس پر انھیں اعتماد ہو، ان میں صحیح اور صالح شعور پیدا کرانے کی کوشش نہیں کی جا رہی ہو۔ نہ ان کے پاس لیڈر ہیں، نہ پروگرام، نہ پلیٹ فارم، وہ یتیم بچہ کی طرح سب کی طرف آنکھیں اٹھا اٹھا کر دیکھتے ہیں، اور ان کی طرف کوئی نہیں دیکھتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ بہت سے موقعوں پر وہ خود غرض، مطلب پرست، پیشہ وران کو اپنے پیچھے لگانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جو ہنگامی صورتیں پیدا کر کے ان کے خون سے اپنی لیڈری کے چراغ جلاتے ہیں۔ ان ہنگاموں میں پڑنے کا لازمی انجام یہ ہوتا ہو کہ مسلمان زک اٹھاتے ہیں، ان کی ذلت و رسوائی ہوتی ہو اور ان کی افسردگی اور شکست خوردگی میں اور اضافہ ہو جاتا ہو۔

مسلمانوں کی اجتماعی طور پر سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو گئی ہیں۔ ان کے اندر ایک جامد، تلخ اور منفعل ذہنیت پیدا ہو گئی ہو۔ مگر اس میں خطا ان کی کم اور اُن کے اُن رہنماؤں کی زیادہ ہو جنھوں نے مصیبت کے وقت ان کا ہاتھ نہیں تھاما، اور منھ چھپا کر بھاگ گئے یا گوشوں میں بیٹھ رہے۔

ہندوستان میں مسلمان اگرچہ اب بھی اپنے لیے احترام و اعتماد کی جگہ پیدا کر سکتے ہیں وہ ہندوؤں سے بہت کم ضرور ہیں، مگر اتنے کم بھی نہیں ہیں کہ ان کی عددی طاقت قابل اعتنا نہ ہو، اب بھی وہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت (یا یوں کہیے کہ ثانوی اکثریت) ہیں۔ ان کے پاس دین، تہذیب اور اخلاق کا ایسا عظیم الشان

سرمایہ ہو کہ دنیا کی کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، ان کے پاس جو ہے سارا عالم اس کا محتاج ہے، لیکن پہلے وہ خود اپنی چیز کی قدر کرنا تو سیکھیں۔ ان کو کوئی بتلائے تو کہ ان کا صحیح موقف کیا ہو، اور اس موقف تک پہونچنے کا صحیح راستہ کیا ہے۔

زمانہ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتا، جو اس کے تیور نہیں پہچانتے وہ مٹ جاتے ہیں، سدا سے یہی ہوتا آیا ہے۔ وقت کے تقاضوں کو سمجھنا اور سمجھ کر اپنے حالات اور ماحول کے مطابق اجتماعی جدوجہد کرنا مسلمانوں کی حیات و موت کا مسئلہ ہے، جن کے دلوں میں قوم و ملت کا درد ہو اور جو سنجیدگی سے اس دور کی ضرورتوں پر غور کر سکتے ہوں اُن سے ہماری مخلصانہ استدعا ہے کہ مسلمانوں میں صحیح شعور اور تعمیری ذہنیت پیدا کرنے کے لیے آگے بڑھیں اور اُن کو جہد و عمل کی دعوت دیں۔

---

# حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

## اور

# معاندین اہل بدعت کے الزامات

از افادات ——————— مولانا محمد منظور نعمانی

بہت سے حضرات عرصہ سے اس کتاب کا انتظار بے چینی سے کر رہے تھے، الحمدللہ اب تیار ہو گئی ہے۔

شروع میں (حضرت مؤلف کے دیباچہ کے بعد) جناب مولانا نسیم احمد امروہوی کے قلم سے قریباً ۵۰ صفحے پر حضرت شہیدؒ کی مختصر، جامع اور مستند سوانح حیات ہے۔

اس کے بعد اُن مشہور الزامات اور اعتراضات کے تفصیلی اور تحقیقی جوابات ہیں جو حضرت شہید کی تصانیف تقویۃ الایمان وغیرہ کی عبارتوں پر ہندوستان کے اہل بدعت کی طرف سے قریباً سو برس سے کیے جا رہے ہیں اور جن کو اچھال اچھال کر عام مسلمانوں میں انتشار اور تفرقہ پیدا کرنا بعض پیشہ وروں نے اپنا پیشہ بنا لیا ہے۔ یہ مختصر کتاب اس زہر کا تریاق ہے۔

۱۶۰ صفحات، قیمت ڈیڑھ روپیہ

---

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

## زبان اور بیماری

اُردو کے معاملہ میں ناانصافی کا سلسلہ برابر جاری ہے. جناب حیات اللہ انصاری نے یو. پی کونسل میں بجٹ پر بحث کرتے ہوئے زبان کے بارے میں ایک ایسی بات کہی ہے جسے کامن سنس فوراً قبول کر لیتا ہے آپ نے کہا کہ جب بیماری پھیلتی ہے تو وہ اردو اور ہندی میں کوئی امتیاز نہیں کرتی، جب بیماری کا حملہ ہوتا ہے تو اس میں اردو والے اور ہندی والے دونوں ہی مبتلا ہوتے ہیں، لیکن لکھنؤ میونسپلٹی کے ایڈمنسٹریٹر نے یہ سمجھا کہ انفلوئنزا کا حملہ صرف ہندی والوں ہی پر ہو سکتا ہے. اردو والوں کو وہ چھو بھی نہیں سکتی، اس نئی دریافت کا ثبوت انھوں نے اس طرح دیا کہ انفلوئنزا سے بچاؤ کے لیے جو ہدایتیں لکھ کر لگائیں وہ سب ہندی میں ہیں، اردو میں ایک بھی نہیں، اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہوگا کہ انفلوئنزا صرف ہندی والوں پر دوڑتا ہے، لہذا بورڈ بھی صرف ہندی میں ہونے چاہئیں اور اردو میں اس لیے نہیں کہ یہ بیماری اردو کے نام سے بھاگتی ہے اور کسی اردو والے کو چھو کر بھی نہیں نکلتی. مگر ہندی میں ہدایات جاری کرنے کا ایک مطلب یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ صرف ہندی والے انفلوئنزا سے اپنا بچاؤ کریں اور اردو والوں کی کوئی پرواہ نہ کی جائے، اگر وہ مرتے ہوں تو انھیں مرنے دیا جائے! چنانچہ حیات اللہ انصاری نے کونسل میں کہا "ہم یہ نتیجہ نکالنے کے لیے مجبور ہیں کہ اردو سے اتنی نفرت ہے کہ خواہ لوگ مر جائیں مگر اردو کے بورڈ نہ لگائے جائیں۔"

اس اندھے تعصب کے ساتھ ایک اور خبر سننے میں آئی، حکومت نے مرحوم رفیع احمد قدوائی کی یاد میں ان کے وطن کے قریب ایک اسٹیشن بھی رفیع نگر کے نام سے کھول دیا ہے. مگر پلیٹ فارم پر نام کی جو تختیاں لگائی گئی ہیں اُن پر اسٹیشن کا نام ہندی اور انگریزی میں لکھا ہوا ہے، یعنی رفیع احمد کی

محبوب زبان سے کھلی نفرت اور دشمنی! لطف کی بات یہ ہے کہ پلیٹ فارم کے وسط میں ایک بڑے تختہ پر ایک عبارت ناگری میں بحروف جلی اس طرح لکھی ہے "۔۔۔ سورگیہ رفیع احمد قدوائی کا مزار یہاں سے دو میل ۔" گویا فرض کر لیا گیا کہ اُردو جاننے والا مرحوم قدوائی کے مزار پر ہرگز نہیں جائے گا جو ہندی پڑھ سکے گا اسی کو مزار پر جانے کی سعادت حاصل ہوگی!

الجمعیۃ، دہلی

## سیکولر یا ہندو

ہندوستان میں لادینیت کا مطلب عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس میں ایک مذہب اور دوسرے مذہب کے آدمی میں فرق نہیں کیا جاتا، سب لوگوں کو ایک ہی کھیت کی مولیاں سمجھا جاتا ہے، ہندوستان میں شیر بکری ہر ایک کو ایک گھاٹ پانی پلانے کا بندوبست کر دیا گیا ہے، لیکن ابھی ایک تازہ واقعہ ہوا ہے جس میں لادینیت یا سیکولرزم کا مطلب بدل جاتا ہے۔ حکومت ہند نے اچھوتوں سے کہا ہے کہ انھوں نے اپنا مذہب تبدیل کر دیا تو انھیں ان تمام رعائتوں سے محروم کر دیا جائے گا جو بحیثیت اچھوت (شیڈول کاسٹ) انھیں حاصل ہیں۔

کون آدمی ایسا ہوگا جو اس "اعلان حق" کا مطلب نہ سمجھ سکے، ہندوستان کے چھ کروڑ اچھوت گزشتہ ۵ ہزار یا ڈھائی ہزار سال سے ہندو سوسائٹی میں جوتے کے مقام پر رکھے جاتے تھے' اب انھوں نے بڑے طویل خواب غفلت سے چونک کر اپنے آپ کو نئے سماج ۔۔۔ بدھ سماج ۔۔۔ کا ایک حصہ بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو ہندوستان کی "لادینی حکومت" کو ۔۔۔ جس کے دستور کی رو سے تبدیلیٔ مذہب کی آزادی حاصل ہے غصہ آ گیا ہے۔

جناب عالی یہ غصہ کیوں؟ آپ سیکولر ہیں یا ہندو؟

اگر ہندو ہیں تو آپ کا غصہ بجا ہے، اور واقعہ یہی ہے کہ آپ ہندو ہیں صاف صاف اعلان کر کے اپنے کو دوسروں کو لاتعداد مغالطوں کے چکر سے نکالیے اسی میں ہر ایک کا بھلا ہے!!۔

(دعوت، دہلی)

## خوش نصیب گنگا جل

منگلور ۲۰ جولائی، محکمہ ریلوے نے ایک تازہ انتظام یہ کیا ہے کہ دریائے گنگا کے پانی کو نل کے ذریعہ اسٹیشن پر

لاکر تین برقی مشینوں پر ٹھنڈا کیا جائیگا اور ان مسافروں کے کام آئے گا جو گنگا جل کے مقدس ہونے کے قائل ہیں۔ رہ گئی خوش نصیب اکثریت! جسکے مذہبی جذبات کی رعایت ہرگز "فرقہ پروری" نہیں، عین قوم پروری ہے — "فرقہ پروری" تو یہ ہو کہ ذبیحہ کے اہتمام کے خیال سے اسٹیشن کے ہوٹلوں کا ٹھیکہ مسلمانوں کے ہاتھ رکھا جائے!

اکبر کا طنز تھا تو انگریزی حکومت پر لیکن اتنا پرانا ہو جانے پر بھی اب تک پرانا نہیں ہوا ہے ؎

اگر بندر کی بن آئے تو فیض ارتقاء کہیے ! سرفرازی ہو جو اونٹوں کی تو گردن کاٹئے اُن کی

(صدق جدید۔ لکھنؤ)

## کچھ جنوں میں ابھی آمیزشِ دانائی ہے!

فارموسا میں امریکنوں کے خلاف ہولناک فسادات ہوئے، چیانگ کائی شیک کو معافی مانگنا پڑی اور فسادات کی اصل وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک امریکی سارجنٹ رینالڈز نامی نے ایک چینی افسر کو گولی ماردی تھی جبکہ وہ اس کی بیوی کو جو غسل خانہ میں برہنہ تھی کھڑکی سے جھانک کر دیکھ رہا تھا۔"

لیکن بڑی ہی دقیانوسی روح اس امریکی سارجنٹ کے قالب میں تھی، کسی نے اس کی بیوی کو غسل خانہ کے اندر جھانک کر دیکھ لیا۔ آخر یہ جرم ہی کون سا ہوا؟ —— جسم اور ظاہر خاص فرنگیوں کا سا اور غیرت مشرقیوں کی سی! مقتول اگر زندہ رہتا خدا معلوم بیان کیا دیتا۔ لیکن اس کا اپنی صفائی میں یہ کہہ دینا تو بالکل کفایت کرسکتا تھا کہ یہ سارے سبق تو میں نے آپ ہی کی تہذیب سے حاصل کیے ہیں۔ آخر سزا مجھے کس جرم کی مل رہی ہے! —— لیکن غیرت تو شاید فطری ہے اور فطری تقاضوں کو بالکل مٹا دینا تعلیم اور تہذیب کے لیے بھی بہت آسان نہیں۔

(صدق جدید۔ لکھنؤ)

## ... دیوانوں کے گھر دونوں طرف ہیں

ایک روزنامہ کے اڈیٹوریل سے :-

"صوبہ بہار کے مومن لیڈر اور سابق وزیر جناب عبد القیوم انصاری اپنی سیاسی سرگرمیوں کے لیے ایک نیا میدان تلاش کرنے نکلے ہیں۔ انھوں نے بحیثیت صدر "انڈین مسلم یوتھ کشمیر فرنٹ" ہندستانی

نوجوان مسلم کشمیری محاذ) اعلان کیا ہو کہ چھ مہینے کی مدت میں وہ ایک لاکھ مسلمان رضا کاروں کی بھرتی کریں گے۔ اور پھر اپنے اس جرار لشکر کے ذریعہ پاکستانی مقبوضہ "آزاد کشمیر" کو آزاد کرائیں گے۔ قیوم صاحب نے اپنے مقصد کے لیے ملک گیر مہم شروع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہو۔ دہلی میں وہ کشمیر فرنٹ کا کنونشن بھی کرنے والے ہیں۔ انصاری صاحب نے اپنے مجوزہ اقدام کی وضاحت میں فرمایا ہو کہ کشمیر فرنٹ کے ذریعہ سب سے پہلے ہندوستانی مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہتے ہیں اور انھیں بتانا چاہتے ہیں کہ کشمیر کے سوال پر ان کی خاموشی اور بے عملی سے کیا نقصان عظیم پہونچ رہا ہو۔

افسوس ہو کہ ہندوستان کے ان انصاری صاحب کے منصوبہ نے پاکستان کے مشرقی صاحب کے دعویٰ یکتائی کو خاک میں ملا دیا اور ایسے ہی موقع پر کہا جاتا ہو کہ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہو!۔ پاکستانی دماغ اگر ۱۰ لاکھ رضا کار بھرتی کر کے ہندوستان میں خاموش و پرامن داخلہ کی اسکیم بنا سکتا ہو تو کیا ہندوستانی دماغ اب ایسا گیا گزرا ہو جو ایک لاکھ رضا کاروں کو لے "آزاد کشمیر" میں گھس پڑنے کا منصوبہ نہیں سوچ سکتا؟ خوب ہوا جو پاکستان کا یہ قرض ہندستان نے اپنے اوپر باقی نہ رہنے دیا۔ اور کھلے خزانے ادا کر دیا! کیا اچھا ہو جو دونوں حکومتیں کچھ روز کے لیے اپنے کو معطل کر دیں اور انھیں دونوں سورماؤں کو ایک دوسرے سے نپٹ لینے دیں۔

(صدق جدید۔ لکھنؤ) ________

---

# ایک ضروری اعلان

(منجانب حفیظ الرحمٰن طیب نعمانی، کنٹریکٹر "تنویر پریس، لکھنؤ)

"تنویر پریس" کا کام سنبھالنے کے بعد چونکہ کچھ دن تک کتبخانۂ الفرقان سے میرا ضابطہ تعلق رہا اور اسکے کاموں کا بھی ذمہ دار میں ہی تھا علاوہ ازیں چند ماہ پریس ہی کی عمارت میں الفرقان اور کتبخانۂ الفرقان کا دفتر بھی رہا ہو اور رسالہ اور مطبوعات کتب خانہ کی چھپائی کا کام تو قدرتی طور پر پریس لینے کے پہلے ہی دن سے تنویر پریس ہی میں ہونے لگا تھا اور اب تک ہوتا ہو۔ ان وجوہ سے بہت سے حضرات یہ گمان کرتے ہیں کہ الفرقان، کتب خانہ الفرقان اور تنویر پریس یہ سب ایک ہی ادارہ کی مختلف شاخیں ہیں اور اسی بناء پر بعض خطوط میں اور بعض مواقع پر گفتگو میں یہ غلط فہمی سامنے آتی رہتی ہو اسلیے میں یہ اعلان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ادارۂ الفرقان اور تنویر پریس میں ضابطہ کا کوئی تعلق نہیں ہو۔ "تنویر پریس" کا (کنٹریکٹ کی ابتدا سے) میں تنہا ذاتی طور پر ذمہ دار ہوں اور ادارۂ الفرقان کے شعبہ کتب خانہ سے میرا جو تعلق تھا وہ بھی اب قریباً ڈیڑھ سال سے باقی نہیں رہا ہے، اور اس کی کوئی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔

________ حفیظ الرحمٰن طیب نعمانی

# تعارف و تبصرہ

## زُجاجۃ المصابیح

[اس کتاب کی دو جلدیں (اولؔ، دومؔ) اب سے بہت پہلے تبصرہ کے لیے موصول ہوئی تھیں، کتاب کی اہمیت کے پیش نظر یہ مناسب سمجھا گیا کہ اس پر تبصرہ کسی صاحب فن بزرگ کے قلم سے ہو۔ چنانچہ اس کے لیے استاذ حدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ سے گزارش کی گئی، ذیل میں مولانا ہی کا تبصرہ درج کیا جارہا ہے۔ اس غیر معمولی تاخیر کے لیے ہم کتاب کے ناشرین سے معذرت خواہ ہیں۔]

حدیث کی درسی کتابوں میں سب سے پہلی کتاب مشکوٰۃ المصابیح ہے۔ کچھ شبہ نہیں کہ یہ کتاب جامعیت اور استناد کے لحاظ سے تقریباً بے نظیر ہے، اور اس بنا پر جو پذیرائی اس کو حاصل ہوئی ہے وہ بجا طور پر اسکی مستحق ہے، لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں مسلم آبادی کی غالب اکثریت کا فقہی مسلک حنفی ہے اور مشکوٰۃ کے مصنف شافعی المذہب ہیں اور انھوں نے فقہی ابواب میں زیادہ تر انھیں حدیثوں کا انتخاب کیا ہے جن سے شافعی فقہ مرتب ہوتی ہے، اس لیے ہندوستانی مدارس کا ایک طالب علم جب پہلی دفعہ حدیث کا درس لینا شروع کرتا ہے اور ابواب فقہ میں زیادہ تر اس کو شافعی مذہب کی مؤید حدیثیں ملتی ہیں تو قدرتی طور پر اس کے ذہن پر یہ اثر پڑتا ہے کہ شاید حنفی مسلک کی بنیاد احادیث پر نہیں ہے۔ اور اس خیال کو اس پروپیگنڈے سے مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔ جو ہندوستان میں بعض مذہبی حلقوں کی طرف سے مسلسل ہوتا رہتا ہے۔ حالانکہ واقعہ اس کے بالکل برخلاف ہے، اور حنفی مسلک کی بنیاد بھی دوسرے مسالک فقہیہ کی طرح کتاب اللہ کے بعد تمام تر حدیث و سنت ہی پر ہے۔

اس لیے ہندوستان کے علماء کو ایک مدت سے اس ضرورت کا شدید احساس تھا کہ حدیث کا کوئی ایسا مستند مجموعہ مرتب ہونا چاہیے جس میں حنفی مذہب کی مؤید حدیثیں یکجا کی جائیں اور وہ مجموعہ مشکوٰۃ کی جگہ یا مشکوٰۃ کے بعد داخل درس ہو، چنانچہ اسی خیال کے ماتحت محدث محقق مولانا ظہیر حسن شوق نیموی نے نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ محدثانہ رنگ میں آثار السنن لکھنا شروع کی مگر ابھی یہ کتاب پوری ہونے پائی تھی کہ ان کی مدت حیات پوری ہو گئی۔ یہ کتاب کتاب الطہارۃ سے ابواب الجنائز کے آخر تک دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، اور اس کی مقبولیت و اعتبار کا یہ عالم ہے کہ بعد کے تمام ہندوستانی علمائے اعلام و محدثین و احناف نے اس سے استفادہ کیا اور حدیثوں کے باب میں علامہ نیموی کی تحقیق کو اپنی تصنیفات میں آخری تحقیق کے طور پر نقل کیا، کاش کتاب مکمل ہو گئی ہوتی تو اپنی نوعیت کی ایک بے نظیر چیز ہوتی، اور اس نوع کی دوسری تصنیفات سے بے نیاز کر دیتی۔

اس کے بعد حضرت حکیم الامۃ تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے جامع الآثار نام کا ایک رسالہ تصنیف فرمایا اور آخر میں انھیں کے زیر سرپرستی احیاء السنن پھر اعلاء السنن و اطفاء الفتن کی تالیف کا کام شروع ہوا اور اتنے بڑے پیمانہ پر شروع ہوا کہ اب تک غالباً اس کے گیارہ حصے شائع ہو چکے ہیں پھر بھی کتاب ابھی پوری نہیں ہوئی ہے، میں نے اس کے شائع شدہ حصے دیکھے ہیں، اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ سلسلہ بھی بہت مفید و نافع ہے اور حاشیہ میں اپنے دلائل کی توثیق اور مخالفین کے دلائل کی تزئیف کا کام بہت شرح و بسط کے ساتھ انجام دیا گیا ہے، مگر یہ حواشی بہت طویل ہیں اس لیے کتاب کی ضخامت اور جلدوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے، اس لحاظ سے درس میں داخل ہونے کے لیے وہ کچھ زیادہ موزوں نہیں ہے، نیز یہ کتاب بالکل مشکوٰۃ کے نہج پر نہیں ہے۔ مثلاً ابتداء میں کتاب الایمان و کتاب العلم کے عنوانات اس میں نہیں ہیں۔

ان مساعی جمیلہ کے بعد مطلوبہ نوعیت کا ایک مجموعہ مرتب کرنے کی آخری کوشش مولانا ابو الحسنات محمد عبد اللہ شاہ حیدر آبادی نے کی۔ اور بالکل مشکوٰۃ کے ڈھنگ پر زجاجۃ المصابیح نام کی ایک کتاب چار جلدوں میں تصنیف فرمائی ہے، اب تک اس کی دو جلدیں حیدر آباد سے شائع ہوئی ہیں، پہلی جلد کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الصوم پر مشتمل ہے اور دوسری جلد میں کتاب الحج، کتاب الدعوات، کتاب البیوع، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب العتاق کے ابواب ہیں۔

امید کی جاتی ہے کہ انشاء اللہ بہت جلد اس کی باقی جلدیں بھی منظر عام پر آ جائیں گی، میرا اندازہ ہے کہ

اگر اس کو بھی مشکوٰۃ کی تقطیع پر طبع کرایا جائے تو پوری کتاب کی ضخامت مشکوٰۃ کی ضخامت سے شاید ہی زیادہ ہو، اس کتاب پر بھی مصنف کے حواشی ہیں، مگر ہر جگہ نہیں ہیں اور بہت زیادہ طویل بھی نہیں ہیں، بہرحال میرے نزدیک اس کی نوعیت درسی کتاب کی ہے، اور اس مقصد کے لیے وہ بہت مناسب ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ عرض کرنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ اختلافی مسائل میں احادیث کے انتخاب کے وقت مزید تدقیق نظر سے کام لینے کی ضرورت تھی۔ اور اس قسم کی احادیث پر حواشی، محدثانہ نقطۂ نظر سے لکھے جانے چاہیئے تھے، نیز اس کا التزام کیا جاتا تو اچھا ہوتا کہ اپنے دلائل کی اسانید پر مخالفین نے جو اعتراضات کیے ہیں ان کے مختصر جوابات حواشی میں دے دیے جائیں اور مخالفین کے دلائل میں جو واقعی کمزوریاں ہوں ان کی طرف بھی اختصار کے ساتھ اشارہ کر دیا جائے۔

مثال کے طور پر عرض کروں کہ زجاجۃ المصابیح جلد اول صفحہ ۳۹۲ میں دار قطنی سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے عن انس قال دخل رجل المسجد ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قم فارکع رکعتین وامسک عن الخطبۃ حتی فرغ من صلاتہ۔ اس پر دار قطنی نے اعتراض کر دیا ہے کہ اس کو مسنداً روایت کرنا عبید بن محمد کا وہم ہے۔ دراصل یہ روایت مرسل ہے اور اس دعوے کے ثبوت میں دار قطنی نے وہ روایت نقل کی ہے جسکو مصنف نے متصلاً اس کے بعد لکھا ہے، یہاں پر حاشیہ میں دار قطنی کا اعتراض نقل کر کے جواب دینے کی ضرورت تھی، اسی طرح اسی صفحہ میں محمد بن قیس کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس پر بھی دار قطنی نے اعتراض کیا ہے، حاشیہ میں اس پر توجہ کرنا چاہیے تھی۔

یا مثلاً صفحہ ۳۶۶ میں مصنف نے لکھا ہے وفی روایۃ للبیہقی وعلی عہد عثمان وعلی مثلہ اس پر خود علامہ نیموی نے تعلیق آثار السنن میں کلام کر دیا ہے، لہذا یا تو نیموی کا جواب دینا چاہیے تھا ورنہ اس حصہ کو حذف کر دینا مناسب ہے۔

علیٰ ہٰذا کتاب کی ترتیب کی یہ صورت شاید زیادہ بہتر تھی کہ متن کا حصہ صرف احادیث و آثار اور ان کی تصحیح و تحسین یا تضعیف نقل کرنے کیلئے مخصوص ہوتا، باقی چیزیں مثلاً وجہ استنباط مسئلہ یا معترضین کے جوابات یا بیان مذاہب وغیرہ کو حاشیہ میں جگہ دی جاتی۔

اس خیال کے پیش نظر میرے نزدیک یہ مناسب ہے کہ صفحہ ۱۲۳ کی وہ عبارت جو اختلف العلماء سے شروع ہوتی ہے اور صفحہ ۱۲۵ کی عبارت قال صدر الشریعۃ الخ اور صفحہ ۱۲۴ کی عبارت والجواب عندنا الخ اور صفحہ ۲۹ کی عبارت وقال الحلبی الخ اور صفحہ ۱۳۵ میں وقال ابن الملک الخ اور صفحہ ۱۲۹ میں قال علماءنا الخ اور

صفحہ ۲۰۶/۱ میں وفی الذخیرۃ الخ اور صفحہ ۲۲۴/۱ میں وقال ابن عابدین الخ اور صفحہ ۲۷۶ کی عبارت وفی السعایۃ الخ اور صفحہ ۲۸۷ کی عبارت وقال الشافعی الخ اور صفحہ ۳۲۹ کی عبارت وقال ابن الہمام الخ وغیرہ کو حاشیہ میں منتقل ہونا چاہیے۔

نیز جس حدیث کے لیے کسی غیر مطبوعہ کتاب کا حوالہ دیا گیا ہو وہاں یہ ظاہر کر دینا بھی مناسب ہو کہ یہ حوالہ کس نے دیا ہے۔

ان چند باتوں سے غض بصر کرنے کے بعد مجموعی حیثیت سے مصنف کی محنت لائق صد ستائش ہو، اور ان کی یہ تصنیف اس قابل ہو کہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے۔

جیسا کہ اوپر بتلایا گیا اب تک دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں، پہلی جلد ۵۹۰ صفحات پر ختم ہوئی ہو دوسری جلد کے صفحات ۶۱۰ ہیں، ہر جلد کی قیمت چھ روپے ہو، —— ملنے کا پتہ یہ ہے:-

مجلس نشر و اشاعت کتاب زجاجۃ المصابیح، محلہ حسینی علم
جوبلی پوسٹ آفس ۲/۲۰ حیدر آباد، دکن

---

## سیرت اشرف

از منشی عبدالرحمٰن خاں صاحب، ناشر۔ ادارۂ نشر المعارف، چہلیک، ملتان شہر، پاکستان۔ ضخامت ۵۱۰ صفحات، تقریباً الفرقان جیسا سائز۔ کاغذ و کتابت و طباعت بہتر —— مجلد قیمت —— بارہ روپے

ہندوستانی خریدار۔ مولانا نصیر احمد صاحب ناظم یحیوی بکڈپو۔ سہارن پور کو کتاب کی قیمت اور محصول ڈاک روانہ کر کے، کتاب ملتان سے منگا سکتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ذات گرامی اپنی غیر معمولی شہرت کی بنا پر ادنیٰ تعارف سے بے نیاز ہے، یہ کتاب اسی ذات گرامی کی سوانح عمری ہے۔ مؤلف سیرت نے، صاحب سیرت کو خود دیکھا نہیں، لیکن ان کی سیرت کو پڑھا ہے، اور مختلف کتابوں میں جو کچھ پڑھا اس کو ایک خاص ترتیب سے اس کتاب میں جمع کر دیا، گویا اب تک کی ساری محنتوں اور کاوشوں کا یہ نچوڑ ہے۔

مؤلف نے اس سیرت کو چار حصوں میں منقسم کیا ہے، حصۂ اوّل آغاز زندگی، حصۂ دوم، بہار زندگی حصۂ سوم، حصول زندگی، اور حصۂ چہارم، انجام زندگی۔ اور ان چاروں حصوں میں مختلف مناسبتوں سے

عہد طفولیت سے سفرِ آخرت تک کے سوانح حیات کی تمام تفصیلات کو سمیٹ لیا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ کتاب بڑی جامع ہے، مگر مؤلف جگہ جگہ جو اپنے تاثرات ظاہر کرتے چلے گئے ہیں ان میں ایک گونہ سطحی عقیدت کا سا رنگ نمایاں ہے اس سے احتیاط کی جاتی تو اچھا تھا۔ یہ چیز آج کے دور میں کتاب کا وزن گھٹا دیتی ہے، علیٰ ہذا حضرت تھانویؒ کے بعض متوسلین کے ذکر پر (اُن کا فضل مسلّم ہونے کے باوجود) بار بار ان کی عظمت کا اظہار بھی کچھ عامیانہ ہی سی بات محسوس ہوتی ہے۔

لیکن کتاب کی مجموعی قدر و قیمت متعین کرنے میں اُن ذوقی امور کا لحاظ کرنا یقیناً مؤلف کی محنت کے ساتھ زیادتی ہوگی، مؤلف کا اصل مقصد حضرت تھانویؒ کی سیرت اور اُصولِ تزکیہ و تربیت کو اُجاگر کرنا ہو اور وہ اس میں پوری طرح کامیاب ہیں۔

---

**فاروق العزیز** — از مولانا عبید اللہ صاحب عثمانی۔ کاغذ سفید عمدہ، کتابت، طباعت روشن۔ صفحات ۴۷۳۔ مجلد قیمت چھ روپے۔ ملنے کا پتہ:۔ مکتبۂ مدرسۃ البنات جناح چوک، کراچی ۳

فاروق العزیز، مولانا عبید اللہ صاحب عثمانی کے جوان عمر صاحبزادے، زراعتی کالج سکرنڈ (سندھ) کے ایک ہونہار طالبعلم تھے، اپنی فطری سعادت کی بنا پر تبلیغی جماعت کی دعوت پر لبیک کہا۔ اور اس کے کام میں حصہ لینے لگے۔ اس سلسلہ میں مرکز تبلیغ نظام الدین (دہلی) کا سفر کیا اور اللہ کی مرضی کہ وہیں سے سفرِ آخرت پر روانہ ہوگئے۔ نوعمر، ہونہار بیٹے کی غریب الوطنی کی حالت میں موت نے باپ کے دل پر جو داغ دیا ہوگا وہ ظاہر ہے۔ مگر صالح باپ نے بیٹے کی یاد میں صرف آنسو بہانے کے بجائے دعوت و تبلیغ کا ایک تذکرہ تیار کر دیا جس کی ابتدا نوح علیہ السلام سے کرکے اختتام انبیائے دعوت کے جاں نثار خادم اپنے صاحبزادے کے حالات پر کیا، اور اس طرح غم غلط کرنے کا ایک قابلِ تقلید نمونہ پیش کر دیا۔ صاحبزادے کے حالات تو صرف آخر کے تھوڑے سے حصہ میں ہیں۔ باقی تمام تر تذکرہ (مختصر طور پر) انبیاء علیہم السلام اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، تابعین و تبع تابعین۔ اور اس وقت تک کے مجدّدین و مصلحین کا ہے ——— کتاب کی افادیت کا ضامن خود اس کا موضوع ہے۔

## سالنامہ "دور جدید" رنگون

زیر ادارت مولانا ابراہیم احمد مظاہری، پتہ:۔ دفتر دور جدید نمبر ۲۵۱ ۔ ۲۵۳ گلی نمبر ۲۹ ریلوے بلاک، رنگون۔ برما۔ قیمت نامعلوم۔

یہ سالنامہ روزنامہ دور جدید کا گیارھویں سال گرہ نمبر ہے۔ سال گذشتہ دور جدید نے دسویں سال گرہ نمبر شائع کیا تھا جس کا ذکر ان صفحات میں صوری اور معنوی تحسین کے ساتھ آچکا ہے۔ تازہ نمبر اس سے بھی کہیں بڑھا ہوا ہے۔ پورے اخباری سائز کے ۴۰ صفحات۔ اشتہارات کے ۲۰۔۲۵ صفحے ان کے علاوہ۔ آرٹ پیپر کا جاذب نظر رنگین سرورق۔ رنگون میں ہندوستان کی مغل سلطنت کی آخری یادگار بہادر شاہ ظفر کی قبر اور اس کے متعلقات کے پانچ فوٹو بلاکوں سے مزین۔ ۴۰ صفحات کے وسیع دامن میں ۱۲ چھوٹے بڑے سیاسی، تاریخی اور دوسرے معلوماتی مقالے۔ ۸ ادبی و افسانوی نگارشات، ۲ دینی و اصلاحی مضامین اور ۸ منظومات۔

نمبر چونکہ ۱۹۵۶ء کی ابتدا کے لگ بھگ شائع ہوا ہے جس پر ہندوستان کی پہلی عظیم جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو سو برس ہوتے ہیں۔ اور اس جنگ آزادی کے سلسلہ میں شاہ ہند بہادر شاہ ظفر کی رنگون کو جلاوطنی اور وہاں نظر بندی نے چونکہ اس کا سلسلہ ہندوستان سے برما تک پہونچا دیا ہے۔ غالباً اسی مناسبت سے اس نمبر میں شاہ ظفر اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی پر کئی مقالے ہیں، علی ہذا استخلاص وطن کی دوسری جدوجہد جو ہندوستان کے فرزندوں نے برما ہی کی سرزمین سے سبھاش چندر بوس کی قیادت میں آزاد ہند فوج کی تنظیم قائم کر کے شروع کی تھی۔ اس کی داستان بھی پوری تفصیل سے اس میں موجود ہے۔ "برما میں اسلام اور مسلمانوں کی آمد کے تاریخی سوال سے متعلق بھی ایک مقالہ شامل اشاعت ہے۔ اسکے علاوہ آزاد برما میں مسلمان، اسلام کی خدمت کے سلسلہ میں بعض کیا خاص کام کر رہے ہیں؟ اور اپنے ملی وجود کے تحفظ کیلئے کس طور پر سوچ رہے ہیں؟ نمبر کی بعض نگارشات ان سوالات کے جوابات بھی پیش کرتی ہیں۔

اس نمبر میں کوئی خاص چیز نہ ہو تب بھی یہی بات اس سے مسرور ہونے کے لیے کیا کم ہے کہ یہ ظاہری حیثیت سے اتنا شاندار اور معیاری صحیفہ ہند و پاک کے نہیں، بلکہ ارض برما کے ایک اردو روزنامہ کا نمبر ہے ——— آفرین! اس شخص کی ہمت کو جس نے اپنے استقلال اور محنت سے اردو صحافت کو ایک غیر دیس میں اس معیار پر پہونچایا، اور پھر اشتہارات کے باب میں اپنی اسلامیت کا معیار بھی قائم رکھا۔

## ماہنامہ "تجلّی" خاص نمبر

ایڈیٹر۔ جناب عامر عثمانی (فاضل دیوبند) صفحات ۱۵۰،
قیمت ١/٨، پتہ :- دفتر ماہنامہ تجلّی دیوبند

"تجلّی" کا یہ خاص نمبر مارچ ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا ہے۔ اور از اوّل تا آخر جماعت اسلامی کی حمایت اور مخالفین کی مخالفت کے لئے وقف ہے، پہلا اداریٰ مقالہ فاضل ایڈیٹر کے قلم سے ۴۰ صفحات پر حاوی ہے، باقی حصہ میں ایک مضمون جناب حافظ ابو محمد صاحب رام نگری کا ہے، جس میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی کتاب "ایمان و عمل" پر مفصل تنقید کی گئی ہے اور دوسرا مضمون "مولانا مودودی اور تصوف" کے عنوان سے شیخ احمد صاحب کا ہے۔ یہ عنوان بظاہر بہت پامال اور فرسودہ نظر آتا ہے مگر مضمون نگار کی جودت طبع کہ انھوں نے اسی فرسودہ عنوان میں طبع آزمائی کا ایک نیا پہلو نکال لیا اور پھر اس نئی زمین پر فکر کے وہ جوہر دکھائے کہ مولانا مودودی کہاں تو تصوف سے بیزار یا کم از کم دور دور نظر آتے تھے اور کہاں اس مضمون کی برکت سے ایک "صوفی صافی" اور "پیر روشن ضمیر" صاحب کشف و کرامات" دکھائی دینے لگے۔ جودت فکر کا یہ مرقع بجائے خود یقیناً قابل داد ہے ـــــ یہ اور بات ہے کہ جماعت اسلامی کے ذمہ دار حلقے اسے دیکھ کر اپنا سر پیٹ لیں اور کہیں کہ

"یہ تصوف کے ساتھ" مولانا مودودی پر بھی ظلم ہے"۔

یا یہ کہ :-

"یا تو مقالہ نگار تصوف کی ... اصطلاحوں سے واقف نہیں ہیں یا انھوں نے جماعت اسلامی کو نہیں سمجھا ہے"[1]۔

قصہ کوتاہ اس مضمون کے بعد کچھ صفحات سوال و جواب کے ہیں اور سب سے آخر میں "مسجد سے میخانہ تک" کے مستقل عنوان کے تحت ناظرین تجلی کی ضیافت طبع کے لئے ایک "مناظرانہ" دنگل کا منظر پیش کیا گیا ہے جس میں پوری دھما چوکڑی کے ساتھ صوفی اور ملّا کی "فری اسٹائل کشتی" دکھائی گئی ہے ("فری اسٹائل کشتی" کی تعبیر اس خاص نمبر کے ایڈورٹائزمنٹ سے ماخوذ ہے)۔ ہو سکتا ہے یہ صفحات کچھ پہلوان قسم کے لوگوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہوں مگر ہم جیسے بدذوق

(۱) اس مقالہ پر مرکز جماعت اسلامی ہند کے ماہنامہ "زندگی" کا تبصرہ۔ مئی، جون ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں۔

تو شاید "سنجیدگی میں مزاجات و نکاہیات کا ایک مقام تسلیم کرنے کے باوجود بھی ان سے لطف اندوزی کی صلاحیت اپنے اندر نہ پاسکیں گے۔ بہرحال یہ اپنے اپنے مذاق کی بات ہے، اس میں کچھ کہنے کی گنجائش نہیں

تجلی کے اس نمبر میں یوں تو یہ متعدد چیزیں ہیں، جن کا اجمالی تعارف اور اس ذیل میں کچھ ہلکے پھلکے سخن گسترانہ تاثرات بھی پیش خدمت ہوئے مگر معرکہ کی چیز اس کا ادارتی مقالہ ہے جس میں دیکھنے والا بڑی حیرانی کے ساتھ یہ دیکھتا ہے کہ ایک شخص اپنے کو مولانا حسین احمد مدنی کا شاگرد بتاکر اس بے تکلفی کے ساتھ ان کی دستار فضیلت اور ان کی قبائے مشیخت سے کھیل رہا ہے، کہ کیا کوئی جماعت اسلامی کا رکن بھی اس صراحت کے ساتھ کھیلے گا —— ہمارے خیال میں تو اس کا عنوان بھی "مولانا مدنی سے علامہ عامر عثمانی کی "فری اسٹائل کشتی" ہی ہونا چاہیے تھا۔

اگر کسی کو یہ دیکھنا ہو کہ دیوبند کا ایک فاضل اپنے اساتذہ خصوصاً اپنے استاذ حدیث کے مقابلہ میں کس حد تک جا سکتا ہے تو اس کے لئے یہ مقالہ اس وقت تک کے اعتبار سے ایک اولین و آخری ریکارڈ کا کام دے سکتا ہے اور یہی اسکی اصل قدر و قیمت ہے۔ اگر جی چاہے تو اسکی چند جھلکیاں یہیں ملاحظہ فرما لیجئے۔

سب سے پہلے موجودہ علماء و اساتذۂ دیوبند کی صحیح پوزیشن اس طور پر ظاہر کی گئی ہے کہ

> "صورت حال یہ ہے کہ دور موجودہ میں جن لوگوں کو علمائے دیوبند کہلانے کا شرف حاصل ہو گیا ہے وہ صرف اس معنی میں تو "علماء دیوبند" ہیں کہ دیوبند کی سرزمین پر واقع مدرسۃ العلوم کی مسند اقتدار ان کے ہاتھوں میں آگئی ہے ...... لیکن حقیقتاً وہ اُن علمائے دیوبند کے مخالف اور حریف ہیں جنھوں نے مدتوں کی کاوش و کاہش کے بعد دیوبندی مکتب فکر تخلیق کیا تھا، جن کا سلسلۃ الذہب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے لیکر مولانا محمد قاسم ...... مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہم رحمہم اللہ تک ہے"

پھر اس صحیح پوزیشن کی مزید وضاحت اس مثال سے کی گئی ہے کہ:۔

> "آپ دیکھتے ہیں کہ آج کل جمہوریت کے نام پر طرح طرح کی دھاندلے بازیوں سے ...... لوگ عوام کے ووٹوں سے امارت و وزارت کے عہدوں پر جاتے ہیں اور عہدے

حاصل ہوجانے کے بعد اگر وہ ...... عوام کی خواہش و منفعت کا بالکل لحاظ نہ کریں رکھتے، لیکن اس کے باوجود انھیں عوام کا نمائندہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح حالات اور قسمت نے ہمارے اصلی علمائے دیوبند کی سندوں پر جن لوگوں کو تسلط عطا کردیا ہے وہ ضابطہ کی حد تک تو علمائے دیوبند ہی کہے جاتے ہیں لیکن ......" الخ

مولانا مدنی وغیرہ موجودہ علمائے دیوبند کی یہ حقیقی پوزیشن واضح کرنے کے بعد چند صفحات میں ان کی "ذہنی اور قلبی حالت" منکشف کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔

"اب یہ بھی سن لیجئے کہ متعدد جزئیات مثلاً پیدائش حوا یا کیف ظہور مہدی یا معیاریت صحابہ وغیرہ پر جو اختلافات علماء کی طرف سے بڑے شد و مد کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں وہ درحقیقت بنیاد اختلاف نہیں ہیں بلکہ کدورت قلبی نکالنے کا محض بہانہ ...."

کچھ اور آگے چل کر:۔

"میں نے دونوں طرف کی تحریریں خوب خوب پڑھیں اور اپنے ماحول میں مخالفین و معترضین کے فعل و عمل کو بھی جانچا، آخر کار مجھے میرے اللہ نے اس نتیجہ پر پہنچایا کہ مخالفت اللہ کے لئے نہیں ہوائے نفس کی پیروی میں کی جارہی ہے اور دعوتِ حق کی راہ میں حائل ہونے کی شیطانی سنت کا ظہور اس متعصبانہ و عامیانہ مخالفت کی شکل میں ہو رہا ہے۔"

قطع نظر اس سے کہ ایک شاگرد کے لئے اپنے اساتذہ پر یہ "فری اسٹائل" حملے کہاں تک مناسب ہیں؟ عامر صاحب قبلہ کے ان الفاظ کے پیش نظر کہ:۔

"معاملہ کسی مولانا مودودی یا مولانا مدنی کا نہیں ہے۔ جائدادیں اور مسندیں نہیں بٹ رہی ہیں کہ اشخاص کی بحث بیچ میں آئے بلکہ سوال تو اصل میں دو نظریوں کا ہے۔"

ان حملوں کے متعلق ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آخر جب زیر بحث معاملہ خالص نظریاتی ہے نہ کسی مسند و جائداد کا جھگڑا ہے اور نہ کسی کی ذاتی مخالفت کا سوال۔ تو پھر یہ قلم کی نوک نظریات سے گزر کر، بلکہ نظریات سے بھی پہلے شخصی احوال اور باطنی نیات تک کیوں پہونچ رہی ہے؟ اور اس عالمانہ و فاضلانہ گفتگو میں "کدورت قلبی" جیسے اسفلیات تک کا ذکر کیونکر راہ پا گیا ہے؟

ـــــ کیا حقیقت میں جھگڑا کسی مسئلہ ہی کا تو نہیں ہے؟ اور جماعت اسلامی کی موقف کی حمایت میں یہ رزم آرائی فی الواقع کبھی کی کوئی قلبی کدورت نکالنے کا بہانہ تو نہیں؟ یہ ایک سوال ہے جو مذکورہ بالا امور کی بنا پر لازماً پیدا ہوتا ہے اور اوپر جو اقتباسات دیے گئے ہیں ان میں کا پہلا اقتباس اسے مزید تقویت پہنچاتا ہے۔ مگر اس سوال کا جواب دینا ہمارا کام نہیں۔ یہ کام کسی ماہر نفسیات کے لئے مناسب ہے۔

اس طول طویل مقالہ افتتاحیہ کا ایک پہلو اور قابل نظر ہے۔ فاضل مقالہ نگار ایک طرف تو مولانا مدنی سے اپنے رشتۂ تلمذ کا اظہار کرتے ہوئے زہد و اتقا میں ان کی بلند مقامی کی شہادت دیتے ہیں اور جماعت اسلامی کی مخالفت میں انھیں "نیت و ارادے کے اعتبار سے مخلص" بتاتے ہیں مگر ذرا ہی دور چل کر وہ سب کچھ کہنے لگتے ہیں جو اوپر اقتباسات کی شکل میں گزرا۔ (یعنی ان کے اختلافات صرف قلبی کدورت نکالنے کا بہانہ ہیں۔ مخالفت اللہ کے لئے نہیں ہوائے نفس کی پیروی میں کی جارہی ہے اور یہ مخالفت دعوت حق کی راہ میں حائل ہونے کی "شیطانی سنت" کی ایک شکل ہے) یہ دوسری قسم کی باتیں مولانا موصوف کے نام کی صراحت کے ساتھ نہیں کہی گئی ہیں، مگر جن "علمائے موجود" و "مخالفین جماعت اسلامی" کی طرف بلا استثناء ان کی نسبت کی گئی ہے، مولانا مدنی کو پوری صراحت کے ساتھ ان کا "امام" قرار دینے اور یہ لکھنے کے بعد کہ اصلاً مخالف صرف مولانا ہیں باقی لوگ مجبوراً یا خوشامد میں مخالفت کر رہے ہیں، قدرتی طور پر ان باتوں کا اصل مسند الیہ مولانا ہی کی ذات بنتی ہے۔ بہر حال یہ ایک دلچسپ تضاد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ طوالت کی وجہ سے ایک جگہ کی بات دوسری جگہ مستحضر نہ رہی ہو اور جیسا کہ مقالہ نگار کا بیان ہے، تھوڑا تھوڑا لکھ لکھ کر کاتب کے حوالہ کرتے رہنے کی وجہ سے نظر ثانی کا موقع نہ مل سکا ہو۔

چند مہینے ہوئے عامر صاحب کی اسی قسم کی ایک تحریر پر الفرقان میں تبصرہ نکلا تھا جس میں تبصرہ نگار نے (جسے دار العلوم دیوبند کے رشتے سے عامر صاحب کی علمی اُخوت اور ہم استادی کا شرف حاصل ہو) عامر صاحب کے مقابلہ میں اپنے جونیر ہونے کی رعایت سے خود کو ان کے "چھوٹے بھائی" سے تعبیر کر دیا تھا، عامر صاحب نے تجلی میں اس تبصرہ کا

جواب تحریر فرمایا تھا۔ اس جواب سے تو یہاں کوئی بحث نہیں۔ البتہ اسکی یہ بات اس موقع پر یاد آرہی ہے کہ اُس میں اِس کا بڑا شکوہ کیا گیا تھا کہ الفرقان کے تبصرہ نگار نے تنقید میں وہ ادب ملحوظ نہیں رکھا جو ایک چھوٹے بھائی کو رکھنا چاہیے تھا۔

"چھوٹے بھائی کا لفظ لکھتے ہوئے آپ کو کم سے کم اتنا تو لحاظ رکھنا چاہیے تھا کہ ٹھیک اسی تبصرہ میں جس میں یہ لفظ لایا گیا ہے اس مظلوم لفظ کی مٹی پلید نہ ہو۔"

نیز مشفقانہ انداز میں نصیحت کی گئی تھی کہ:۔

"عزیزی! جذبات اور الفاظ میں جب تضاد و نفاق ہو تو اظہار مطالب میں بڑے سلیقے اور رکھ رکھاؤ سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ نے اس پر ذرا بھی توجہ نہ دے کر لفظی بازی گری کا بڑا برا نمونہ پیش کیا ہے۔ خیر علیک ما علیک۔"

خیال تھا کہ عامر صاحب اس رکھ رکھاؤ میں کافی ماہر ہوں گے مگر حیرت ہو کہ اس مقالہ میں تو وہ جذبات و الفاظ کے تضاد و نفاق کو نباہنے میں اپنے "چھوٹے بھائی" سے بھی گئے گزرے ثابت ہوئے

این خانہ ہمہ آفتاب است؟

پورے مقالہ کے مختلف حصوں کے درمیان تو تضاد و نفاق کی یہ نسبت نمایاں ہے ہی جسکی بعض مثالوں کی طرف اوپر اشارہ بھی کیا گیا۔ مگر اس سے بھی زیادہ غضب کی بات یہ ہے کہ ٹھیک اس جگہ بھی جہاں مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی "معصیت پروری" اور "منکرات نوازی" کا ماتم کیا گیا ہے، مولانا کے نام کے ساتھ "مدظلہ العالی" لگایا گیا ہے، اول تو جس مقالہ میں صفحہ کے صفحہ کسی شخص کی انانیت، ہوی پرستی، مزاحمت حق اور تعاون بالطاغوت ثابت کرنے میں صرف کئے گئے ہوں اس میں کسی بھی مقام پر اس کے نام کے ساتھ "مدظلہ العالی" کے تکلف کی کوئی تک نہیں بیٹھتی، مگر خاص کر جن جملوں میں اسکی کھلی معصیت نوازی اور منکرات پروری بیان کی گئی ہو وہاں تو اس تکلف میں "جذبات و الفاظ کے تضاد و نفاق" کی بہت ہی بھونڈی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ بھلا جس کے سایہ میں معصیت پھل پھول رہی ہو اور بدعات

منکرات پروان چڑھ رہے ہوں، اس کے لئے عامر صاحب جیسے بے لاگ مجاہد حق کے دل کے کس گوشہ سے درازیٔ عمر اور "مدظلہ" کی دعا نکل سکتی ہے؟ اس کے لئے تو حق پرستی کا تقاضہ کسی اور ہی دعا کا ہے۔

---

یہ تبصرہ بھی زیر تبصرہ مقالہ کی طرح طویل ہوتا جا رہا ہے، مگر کیا کیا جائے، باتیں پے بہ پے قابل ذکر قسم کی سامنے آتی چلی جا رہی ہیں۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

عامر صاحب ماشاء اللہ "فاضل دیوبند" ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ۔ پس کیا شبہ ہے کہ وہ علم و فضل کے بلند درجات پر فائز ہوں گے اور یہ حیثیت رکھتے ہوں گے کہ بڑے بڑے دعویداروں کو علمی مباحث میں نیچا دکھا دیں۔ مگر علم و فضل کا ایک خاص مزاج ہو اور وہ ہے تعلّی سے دوری اور فروتنی، بالفاظ دیگر ارباب علم و فضل خواہ مخواہ کے دعوے نہیں کیا کرتے ہاں وقت پر اُن کی بلندی خود بخود آشکارا ہو جاتی ہے مگر پتہ نہیں کہ عامر صاحب کے علم و فضل نے کیسے ان تعلّیوں اور خواہ مخواہ کی ڈینگوں کی اجازت دیدی کہ فلاں مسئلہ پر

"میں خود کو برسر عام پیش کرتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ عصر حاضر کے تمام اساطین علم و تقوےٰ اور رجال دین و دانش قرآن و سنت کو بنیاد تسلیم کرکے یہ مقدمہ لڑلیں — انشاء اللہ ثم انشاء اللہ ایک ہی دو پیشیوں میں انکی زبانیں گنگ اور قلم شکستہ ہو جائیں گے۔"

کیا یہ ارباب علم و فضل کی زبان ہے؟ یا نشۂ قوت میں سرمست کسی کشور کشا کی؟ اور لطف یہ ہو کہ یہ ادّعا تو خود کو "نا بیچ مدعی علم" لکھنے کے بعد ہے۔ پتہ نہیں کہ اگر اولا اس حد تک ہیچمیرزی پر نہ اتر آتے تو اس ادّعا کے الفاظ اور کیا ہوتے! شاید اس کا بھی چیلنج دیدیتے کہ یہ لوگ اپنے اساتذہ اور عصور سابقہ کے اساطین علم و تقویٰ میں سے بھی جن کو چاہیں قبروں سے نکال کر اپنے ساتھ لے آئیں؟

مذکورہ بالا چیلنج تو عام اساطین علم و تقویٰ وغیر ذالک کے لئے تھا۔ اب ایک نیاز مندانہ"

چیلنج خاص اپنے "استاد المکرم" (یعنی مولانا مدنی) کی خدمت میں ملاحظہ فرمائیے۔ "استاد المکرم" کی کتاب "نقش حیات" کے ایک مقام پر محدثانہ نقطۂ نظر سے کلام کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے

> "اور یہ معاملہ تو علم الحدیث کے باب میں ہے کہ جس کے آپ امام و شیخ ہیں اور فدوی بالکل تہی دامن۔ اگر بات نقش حیات کے عرانی سیاسی اور اقتصادی گوشوں پر پھیل جائے تب حضور اندازہ فرمائیں کہ نکتہ چیں اور عیب جو، قلم کی جولانی کیا کیا گل نہیں کتر سکتی، نعوذ باللہ یہ کوئی دھمکی نہیں ہے۔ ایک سیدھی نیاز مندانہ بات ہے جس کے وزن کو آپ جب چاہیں "اذن تنقید" دے کر آزما سکتے ہیں"۔

اس چیلنج میں خاکساری کے ساتھ نیاز مندی بھی شامل ہے۔ تب ہی اس کی یہ صورت! ورنہ شاید الفاظ کے رکھ رکھاؤ کے بغیر، بات سیدھی سیدھی یوں ہوتی کہ یہ تو علم حدیث کے باب میں ہے کہ جس کا، لوگ آپ کو امام و شیخ سمجھتے ہیں اور فدوی کو کچھ نہیں جانتے۔ اور اگر بات نقش حیات کے خلاں خلاں گوشوں پر پھیل جائے تب تو آپ پر چودہ طبق روشن ہو جائیں۔ یقین نہ ہو تو آئیے آزما کے دیکھ لیجئے۔

اور یہ "اذن تنقید" کی بھی خوب رہی، معلوم ہوتا ہے کہ اب تک "استاد المکرم" کی جتنی کتابوں پر تنقید فرمائی گئی ہے ان سب کے لئے اجازت لے لی گئی تھی اور پھر "اذن تنقید" کو کوبوں ( [illegible] ) میں لکھنے کا کیا مطلب ہے؟ شاید لفظی بازیگری کا کوئی خاص نمونہ ہے۔

بہر حال تجلی کا یہ اداراتی مقالہ جرأت حق کا ایک نادر نمونہ ہے جس میں استاذ غیر استاذ سب کو ایک ڈنڈے سے ہانکا گیا ہے اور حمایت حق کی تڑپ میں پاس مراتب کی ساری فرسودہ روایات کو بھسم کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ فضلاء دار العلوم کو خوش ہونا چاہیئے کہ ان کی برادری میں کوئی تو مرد حق آگاہ نکلا جس نے ان کی معصیتوں کا کفارہ ادا کر دیا ——— افسوس! جماعت اسلامی نے عامر صاحب کی قدر نہیں جانی ——— اور خلاف توقع کچھ بے رخی سی شروع کر دی ——— ایسے "شیر" نی اللہ حامی و حق گو اس زمانہ میں کہاں ملتے ہیں۔

(ع۔ س)

(بقیہ نگاہِ اوّلیں)

حکومت کی جس تہذیبی پالیسی کا ذکر اوپر ہوا اسی کا ایک جزو اس کی بیسک تعلیمی پالیسی ہو. بیسک تعلیم کی نصابی کتابیں ہندو دیومالا، ہندو سماج کے رسوم و رواج، ہندوؤں کی مذہبی و تہذیبی اصطلاحات اور ہندوؤں کے مذہبی و سماجی بزرگوں کے تذکرہ سے اس طرح بھری ہوئی ہیں کہ نوعمر سادہ ذہن بچوں کے دل و دماغ کا ان سے متاثر ہونا ناگزیر ہے. انھیں میں مسلمان بچے بھی ہوتے ہیں، اور وہ بھی ان ابتدائی اسباق کا اثر تیزی سے قبول کر رہے ہیں.

انھیں کتابوں کا اثر ہے کہ دس گیارہ برس کے مسلمان بچوں کا بکثرت یہ ذہن بن چکا ہے کہ ہولی دیوالی وغیرہ ہندو سماج کے تہوار گویا اب ہی ہندوستانیوں کی تفریحی تقریبات ہیں، چنانچہ کئی سال سے ان بچوں میں ان تقریبات کو تفریحی طور پر اپنانے کی وبا پھیل گئی ہو.

انھیں کتابوں کا اثر ہے کہ ہندو دیومالا کے قصص و حکایات اور اپنے بزرگوں کے بارے میں ہندوؤں کے مزعومات سے یہ بچے مانوس ہو رہے ہیں اور اس طرح توحید کی امانت اس نئی نسل کے سینوں سے نکلتی جا رہی ہے.

انھیں کتابوں کا اثر ہے کہ آج بہت سے مسلمان بچے مسجد کو مندر پر قیاس کرتے ہیں، نماز کا مطلب پوجا پاٹ سمجھتے ہیں. اس ذیل کا کبھی کبھی کوئی عبرت انگیز واقعہ اخبارات میں بھی آجاتا ہو جس سے ان لوگوں کو بھی ہوا کا رُخ اور تغیر کی رفتار معلوم ہوتی رہتی ہے. جن کے سامنے خود ایسے واقعات نہیں گزرتے. ۲۶ اکتوبر ۵۶ء کا صدق (لکھنؤ) راقم کے پیش نظر ہے جس میں لکھنؤ کے ایک شیعہ ہفتہ وار کے کالموں سے ذیل کا اقتباس درج کیا گیا ہے.

"شاید آپ حیرت سے انگشت بدنداں ہو جائیں جس وقت یہ سنیں کہ ایک شیعہ خاندان کا لڑکا جس نے صوبۂ متوسط کے کسی قصبہ یا دیہات میں پرورش پائی اور وہ آج نویں درجہ میں ہو، اُس کا الٰہ آباد آنے کا اتفاق ہوا، اس سے پوچھا گیا کہ مسجد چلوگے تو اس نے جواب دیا ہاں، جہاں پوجا ہوتی ہے، اُس کے عزیز ماسٹر صاحب نے کہا، اچھا بتاؤ مسجد میں کس کی مورتی ہوتی ہے. شیو جی کی یا وشنو جی کی؟ اُس نے جواب دیا کہ میں نے مسجد دیکھی نہیں ہو ابھی، اس لیے کیا بتاؤں، دیکھ کر بتا سکتا ہوں، بس کتاب میں پڑھا ہو کہ مسلمان لوگ اس میں بھگوان کی پوجا کرتے ہیں."

اور بات صرف سمجھنے سمجھانے پر رُکی ہوئی نہیں ہے بلکہ ہندو عقائد و اوہام کے مطابق عمل تک ان مسلمان بچوں میں سرایت کر چکا ہے۔ آج کی نہیں کئی برس کی بات ہے ایک صاحب جو دفتر الفرقان میں محرر کی حیثیت سے کام کرتے تھے انھوں نے ایک دن اپنے ایک عزیز بچے کا یہ واقعہ مجھے خود سنایا کہ ایک دن گھر میں دیکھا گیا کہ بچہ ایک گوشہ میں ہندوانہ طرز پر ہاتھ جوڑ کر پیشانی کے سامنے کیے ہوئے کہہ رہا ہے کہ "کرشن جی مہاراج ہماری پنسل دلوا دیجئے" گھر والوں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس کی پنسل گھر کے کسی بچے نے چرالی تھی یا گم ہو گئی تھی، اور ایک دن اسکول میں ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا تو اس کے ماسٹر صاحب (گرو جی) نے بازیابی کی یہی تدبیر بتا کر اور عمل کرا کر گم شدہ پنسل یا قلم واپس دلا دیا تھا۔

بہر حال دس سال پہلے جو باتیں مسلمان بچوں کے متعلق سوچی نہیں جا سکتی تھیں وہ آج اس حد تک سامنے آ چکی ہیں[۱]۔ اور حاصل ان سب کا بھی وہی ہے کہ توحید اور شرک کا امتیاز مٹ رہا ہے اور شرک سے نہ صرف بُعد گھٹ رہا ہے بلکہ اس کے حدود میں داخلہ تک کی نوبت پہونچ گئی ہے۔ تغیرات اور بھی بہت سے ہو چکے ہیں، مگر یہ سب سے زیادہ سنگین تغیر ہے جو رونما ہو رہا ہے، اور آزادی کے دس سال کا سب سے بڑا اثر جو مسلمانوں پر پڑا ہے۔

اس عرصہ کے حالات کا ایک اور قابل ذکر اثر احساس کمتری اور مستقبل سے ناامیدی ہے۔ ۴۷ء کے بعد سے کچھ ایسا ہو گیا جیسے مسلمانوں کے قوائے عمل شل ہو گئے ہوں اور رشتہ امید اُن کے ہاتھ سے ہمیشہ کے لیے چھوٹ گیا ہو۔ حالات کی ناساعدت سے گھبرا کر انھوں نے اپنے آپ کو ایک کمزور اور تیرہ بخت گروہ تصور کر لیا ہے۔ اب عموماً وہ یا تو شکوہ و شکایت میں زندگی بسر کرتے ہیں یا مخالف ماحول سے نہایت نامناسب اور معیوب انداز میں صلح کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں، لیکن شکوہ و شکایت یا "زمانہ سے ساز کرنے" کے بجائے ہمت و حکمت کے ساتھ خود زمانہ کو ساز گار بنانے اور حالات کی ناساعدت کے علی الرغم مستقبل کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھالنے کی لگن اور کوشش ان میں اس طرح مفقود ہے جیسے اُن کی تاریخ میں اس کی نظیر ہی نہ ملتی ہو، یا وہ ایک مرتبہ زوال کے بعد عروج کا امکان ہی نہ تسلیم کرتے ہوں۔ ایک دو نہیں پورے دس سال

(۱) اور بات اگرچہ ہمارے اس وقت کے موضوع سے خارج ہو مگر بے ساختہ قلم پر آ رہی ہے کہ جبکہ اسکولوں کا نصاب تعلیم اور اسکے یہ اثرات نیز اسکولوں میں برار کھنا کا پروگرام اور "سرسوتی پوجا" وغیرہ کی تقریبات کا دور دورہ سکھ لیڈر ماسٹر تارا سنگھ کے اس انکشاف کی پوری پوری تصدیق کر رہے ہیں جو حال ہی میں انھوں نے ۱۹۴۷ء کا ایک واقعہ ۱۲ جولائی کے پرتاپ میں لکھ کر کیا ہے کہ بعض ہندو لیڈروں نے درپردہ یہ منصوبہ بنا رکھا تھا کہ حکومت ہاتھ میں آنے کے بعد وہ تعلیم کے ذریعہ مسلمانوں کی ساری مسلمانی نکال دیں گے

اس حالت کو ہوئے جا رہے ہیں ـــــ افسردگی اور سرد مہری کا اتنا طویل عرصہ ان کی تاریخ میں شاید ہی کبھی گزرا ہو!

بہرحال یہ تغیرات بھی ہیں اور اس لحاظ سے مسائل بھی کہ ان کو کیسے روکا جائے؟

---

اوپر برسر اقتدار طبقہ کے بعض خاص نظریات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، اس سے مراد مذہب کے بارے میں ان کا محدود تصور ہے۔ یعنی یوں تو دستور میں مذاہب کی آزادی اور اُن میں حکومت کی عدم مداخلت کا اصول تسلیم کیا گیا ہے اور ارباب حکومت ان دستوری تحفظات کے احترام کا یقین دلاتے رہتے ہیں مگر مذہب کا لفظ وہ اپنی ایک خاص اصطلاح کے طور پر بولتے ہیں جس کے مفہوم میں کم از کم اسلام کا تو ایک چوتھائی حصہ بھی نہیں آتا۔ چنانچہ وہ "سماجی اصلاح" کے نام سے سرکاری اور غیر سرکاری طور پر مسلسل ایسے اقدامات کر رہے ہیں جن سے اسلامی زندگی کے حصار میں شگاف پڑتے جا رہے ہیں، سرکاری اقدامات کی مثال معاشرتی زندگی سے تعلق رکھنے والے وہ قوانین ہیں جو گزشتہ چند برسوں میں پاس کئے گئے ہیں جن کی زد میں مسلم پرسنل لا کی متعدد دفعات آچکی ہیں۔ اس رُخ پر اقدامات کی یہ ابھی ابتدا ہو۔ لیکن قانون سازی کے جس جدید اصولی رجحان کے ماتحت یہ ابتدا ہوئی ہے اس کو دیکھتے ہوئے اس میں ذرا شبہ کی گنجائش نہیں ہو کہ کچھ عرصہ بعد پرسنل لا نام کی کوئی چیز اس ملک میں باقی نہیں رہ جائے گی۔

غیر سرکاری اقدامات کی سب سے بڑی مثال وزیر اعظم پنڈت نہرو کی وہ متعدد پبلک تقریریں ہیں جن میں انھوں نے برقع پوش مسلم خواتین کو دیکھ کر پردہ کے خلاف سخت لیکچر دیئے ہیں اور پوری قوت سے مسلم خواتین کو بے پردگی پر آمادہ کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔

پردہ اسلامی معاشرت میں کیا اہمیت رکھتا ہے، وہ مسلم سوسائٹی کے کن مصالح کا ضامن ہے اور اُس کا خاتمہ اسلامی نقطۂ نظر سے کن مفاسد اور معائب کا پیش خیمہ بنے گا اور پھر اس کے نتیجہ میں عملی طور پر مجموعی اسلامی زندگی (جو خود ہی کافی ضعیف ہے) کن کن پہلوؤں سے مجروح ہوگی، ان سب باتوں کا جو لوگ کچھ اندازہ رکھتے ہیں وہی محسوس کر سکتے ہیں کہ یہ بات کتنی دور رس ہے۔

بہرحال یہ بڑے اہم مسائل ہیں، اور مسلمانوں کو سوچنا ہے کہ وہ کس طرح ان مسائل سے عہدہ برآ ہوں ـــــ اور سوچنے کا وقت اگر نکل نہیں گیا ہے تو یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس کی آخری

گھڑیاں ہیں، دیکھا تو بعد میں بھی جا سکتا ہے مگر اس سے فائدہ اٹھانا کسی کے بس کی بات نہیں، بعد از وقت سوچنے کا مآل بجز حسرت کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

ALFURQAN (Regd. No. A-353) LUCKNOW.

جلد ۲۵
شمارہ ۲

ستمبر ۱۹۵۷ء
صفر ۱۳۷۷ھ


مدیر مسئول
محمد منظور نعمانی

مرتب
عتیق الرحمن سنبھلی

| جلد ۲۵ | بابت ماہ صفر ۱۳۷۷ھ مطابق ستمبر ۱۹۵۷ء | شمارہ ۲ |
|---|---|---|



## اگر اس دائرہ میں سُرخ نشان لگا ہے

تو اس کا مطلب ہو کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہو۔ براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی پی ارسال کیا جائے گا، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۱۲؍ تاریخ تک پہونچ جانی چاہیے۔

**پاکستان کے خریدار:۔** اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

**تاریخ اشاعت:۔** رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۵؍ تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۲۵ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیجدیا جائے گا۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اوّلیں

گزشتہ اشاعت میں اُن مسائل پر کچھ روشنی ڈالی گئی تھی جو ملک کی آزادی کے دس سالہ دور میں مسلمانوں کے حق میں پیدا ہوگئے ہیں۔ اس تحریر کے حروف کی روشنائی شاید ابھی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ۱۷ اگست کے اخبارات میں ذیل کی خبر نمایاں طور پر شائع ہو کر سامنے آئی۔

"نئی دہلی۔ ۱۶ اگست۔ آج رام لیلا کے میدان میں ۵۷ء کی تقریبات کے سلسلہ میں پنڈت نہرو نے اپنی تقریر کے دوران میں حاضرین سے سوال کیا کہ آپ کی وفاداریاں کس سے ہیں؟ اپنے ذاتی مفاد سے؟۔ زبان سے؟ مذہب سے؟ صوبہ سے؟ یا اس عظیم ملک ہندوستان سے؟

اس کے جواب میں ہزاروں حاضرین جلسہ نے یک زبان ہو کر نعرہ لگایا کہ "ہم ملک کے وفادار ہیں"۔ ——— (قومی آواز، ۱۷ اگست ۵۷ء)

ہمارے خیال میں یہ سوال وجواب ان مسائل کی فہرست میں جن کا تذکرہ گزشتہ اشاعت میں کیا گیا تھا، ایک اور اہم مسئلہ کا اضافہ کرتا ہے ——— یا یوں کہیے کہ اس سوال وجواب نے ایک اور اہم مسئلہ کی موجودگی کی طرف اشارہ کیا ہے! ——— اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ملک کی تعمیرِ نو کا جو نقشہ اربابِ حل وعقد کے سامنے ہے وہ اپنی تکمیل میں جس طرح افراد کے ذاتی اور کسی محدود علاقہ کے علاقائی مفادات سے متصادم ہو سکتا ہے اُسی طرح کسی مذہب کے تقاضوں سے بھی اس کا تصادم بعید نہیں ہے، بلکہ جس طرح اول الذکر امور سے اس کا تصادم ناگزیر ہے اسی طرح ثانی الذکر سے بھی ناگزیر ہی ہے، اور ایسی صورت میں باشندگانِ ملک سے (جن میں مسلمان بھی داخل ہیں) برسرِ اقتدار طبقہ کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ مذہب سے وفاداری پر ملک سے وفاداری کو ترجیح دیں ——— یہ مطالبہ حکماً نہ سہی، کہ نظامِ جمہوریت میں حکمراں طبقہ کو عوام پر ان کی مرضی کے خلاف کوئی چیز لادنے کا اختیار نہیں ہے، لیکن اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ملک کی باگ ڈور اس وقت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے

اُن کا اندرونی رجحان یہی ہو، اور وہ ہر ممکن کوشش کے ذریعہ ایسی ذہنی فضا پیدا کر دینے کے درپے میں جب میں "ملک یا مذہب؟" کے سوال کا جواب بے تکلّف "ہم ملک کے وفادار ہیں" کے نعرے سے دیا جائے۔

ہو سکتا ہے کہ کسی کو یہ خیال ہو کہ ملک کی وفاداری کا سوال اصل مذہب کے تقاضوں کے مقابلہ میں نہیں اٹھایا گیا ہو بلکہ مذہبی تعصب کے تقاضوں کے مقابلہ میں اُٹھایا گیا ہو جو ملک کی یکجہتی کے لیے لسانی اور علاقائی تعصب کی طرح خطرناک ہو اور اسی طرح قابلِ مذمت ہے جس طرح یہ دوسرے تعصبات!

اگر ویسا ہے تو مذکورۂ بالا سوال و جواب واقعۃً کسی قابلِ غور مسئلہ کی نشاندہی نہیں کرتا، لیکن کیا ہم اس حقیقت کو نظر انداز کر سکتے ہیں کہ جو لوگ ملک کی نئی تعمیر کا نقشہ بنا رہے ہیں اور ملکی زندگی کے ہر شعبہ کا پرانا ڈھانچہ بدل کر نیا ڈھانچہ قائم کرنا چاہتے ہیں اُن کے ذہن میں مذہب کا تصور صرف چند مابعد الطبعیاتی اعتقادات، اصطلاحی عبادات اور چند نجی رسوم تک محدود ہو۔ جہاں سے اجتماعیت کی حد شروع ہو جاتی ہو وہاں سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب کا تعلق انسانی زندگی سے ختم ہو گیا، چنانچہ لابدی ہو کہ ملکی زندگی کا جو نیا نقشہ بھی وہ اپنے اصلاحی تخیل کے مطابق بنائیں، ملکی زندگی کے کسی شعبہ کے بارے میں کسی مذہب کی دی ہوئی ہدایات سے بالکل خالی الذہن ہو کر بنائیں۔ اور اس صورت میں ایسے مواقع بار بار آ سکتے ہیں کہ کسی مذہب کی ہدایات کے تقاضے اس نئے نقشے کے کسی حصہ سے متصادم ہوں، جس کی تکمیل کو ملک کی مجموعی فلاح و بہبود کا ضامن ٹھہرایا جا رہا ہو۔

سوچئے! کیا یہ کوئی فرضی بات ہے؟ کیا ایسے مواقع پیش نہیں آ سکتے؟

مثال کے طور پر لیجیے! ملک کے یہ لیڈر جو محولہ بالا قسم کے سوال و جواب کرتے ہیں وہ ملک کی ترقی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ عورتیں اور لڑکیاں پردہ کا رواج چھوڑ کر ملک کی تعمیری سرگرمیوں میں مردوں کے دوش بدوش حصہ لیں۔ علیٰ ہذا اور بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں جن کا تعلق واقعی امور سے ہے، فرضی باتوں سے نہیں، لیس اُن کے لیے ضروری ہو کہ جب وہ اپنے تعمیر و ترقی کے پروگرام میں لوگوں کے مذہبی خیالات کو حائل پائیں تو ایسی ذہنی فضا پیدا کرنے کی کوشش کریں جس کے زیر اثر ملک کی نام نہاد فلاح و بہبود کو مذہبی تقاضوں پر بے تکلّف ترجیح دی جا سکے ــــــــ اس لیے ضروری ہے کہ "ملک یا مذہب؟" کا سوال جس مسئلہ کی نشاندہی کر رہا ہو ہم اُسے فی الحقیقت ایک مسئلہ سمجھیں اور قبل اس کے کہ مسلمانوں کے اندر نام نہاد ملکی مفادات کو مذہب کے تقاضوں پر ترجیح دینے کی فضا پیدا ہو، اس کے سدباب کی فکر کریں۔

ـــــــ اس لیے کہ

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

---

سرکاری اسکولوں کے کورس کی کتابوں میں سیکولرزم کے دعوے کے باوجود اکثریتی فرقہ کے مذہب اور اس کی تہذیب کو جس طرح سمویا جا رہا ہو، اب تک اُس پر احتجاج کرنے والے غالباً صرف مسلمان ہی تھے کیونکہ اس کارروائی کی زد عموماً انھیں کے مذہب پر پڑتی ہے، مگر خدا کا شکر ہے کہ یو۔پی جس میں یہ اندھیر نگری تمام دوسرے صوبوں سے زیادہ ہو رہی ہے، اس کی اسمبلی میں ایک ہندو ممبر شری چندرجیت یادو (کمیونسٹ) کی زبان سے بھی کلمۂ حق ادا ہوا، انھوں نے ایوان کے اجلاس میں

"سخت شکایت کی کہ اگرچہ ہندوستان ایک سیکولر اسٹیٹ ہے، لیکن نصاب کی کتابوں میں ایسے اسباق شامل ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک خاص مذہب دوسرے مذاہب سے زیادہ اہم ہے۔ انھوں نے کہا "ایسی باتوں کی کورس کی کتابوں میں ہرگز اجازت نہ دینا چاہیے۔" ــــــــ (قومی آواز۔ ۲۵ر اگست ۸۸ء)

کاش یہ توفیق کچھ اور لوگوں کو بھی ارزانی ہو۔ ایسی کھلی ہوئی دھاندلی پر، اتنی بڑی قوم میں اِس سرے سے اُس سرے تک سکوت خود اس قوم کے حق میں بڑی مایوس کن علامت ہے، قوموں کی زندگی کا اصل راز مادی سرگرمیوں میں نہیں، اخلاقی ضمیر کی بیداری میں ہے، اور اس بیداری کی اصل علامت یہی ہو کہ قوم خود اپنا احتساب کرے۔

---

افسوس سیکولرزم کی یہ پامالی صرف اسکولوں ہی تک محدود نہیں، شہری زندگی کے دوسرے دائروں میں بھی دن رات یہی ہو رہا ہے، کتنی مثالیں تھیں جو گزشتہ اشاعت میں پیش کی گئی تھیں، اب کتنی ہی مثالیں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی تقریبات کے سلسلہ میں تازہ بتازہ سامنے آئی ہیں، ایک یو۔پی کی راجدھانی ہی کی مثال لیجیے۔ پہلی جنگ آزادی کے گمنام مجاہدین کی یادگار میں دریائے گومتی کے کنارے جو ایک مینار تعمیر کیا گیا ہے اس کی تقریب افتتاح کی شان سنئے!

"مقدس وید کے منتروں اور سنکھ کی صداؤں کے درمیان گورنر صاحب نے

اس یادگار کا...... افتتاح...... کیا"

(قومی آواز۔ ۱۷ اگست ۵۷ء)

مگر کوئی نہیں نکلا جو گورنر صاحب سے پوچھتا کہ وید کے ان منتروں اور سنکھ کی صداؤں کا سیکولرزم کے ساتھ آخر کیا جوڑ ہے؟

بہر حال یہ پوچھنا نہ پوچھنا تو اکثریتی فرقہ کے لوگوں کا کام تھا۔ ہمارے لیے تو نکتہ چینی سے زیادہ قابل توجہ یہ چیز ہے کہ حکومت کے اس طرز عمل کے کیا اثرات ہمارے اوپر پڑتے ہیں۔ ہماری نئی نسل اس فضا میں اپنی دینی و تہذیبی خصوصیات کس طرح برقرار رکھ سکتی ہے؟ حکومت نے تو غالباً یہ طے کر لیا ہے کہ وہ سیکولرزم کے نعرہ کے ساتھ ساتھ عملاً یہی سب کچھ کرتی رہے گی۔ اور اکثریت کے افراد میں بھی ایک آدھ "چندر جیت" کے سوا ابھی کوئی نہیں نظر آتا جو اس دھاندلی کے خلاف زبان کھولے، ہمیں اگر یہیں رہنا ہے، اور اپنی دینی و تہذیبی خصوصیات بھی ہمیں عزیز ہیں تو اب اس فضا میں اس کا طریقہ سوچنا ہے۔ بلا سوچے سمجھے اور بغیر کوئی لائحہ عمل متعین کیے زندگی گزارنے کا مطلب یہ ہوگا کہ حالات اپنے فطری نتائج کے مطابق ہمیں جس منزل پر پہونچا دیں۔ مستقبل کے لیے ہم اس منزل پر راضی ہیں۔

مسلسل　　قسط ۱۶

# ارشاداتِ خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

## مکتوبات کے پیرائے میں

(ترجمہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

**مکتوب (۱۶)** محمد صادق پسر نصیر خاں کے نام ——— (ان لوگوں کے رد میں جو مسندِ مشیخت پر بیٹھ کر خلافِ شریعت اور گمراہ کن باتیں کرتے ہیں اور سوالات کے جواب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— (بعد حمد و صلوٰۃ)

مکتوبِ مرغوب جو از راہِ محبت بھیجا تھا، پہنچا۔ خوش وقت کیا اور چونکہ وہ عافیت اور استقامت پر مشتمل تھا اس لیے اس نے فرحت پر فرحت بڑھائی۔ شکرِ خدا کہ محبت فقرا سے خالی نہیں ہو اور کسی نہ کسی طریقے سے یاد کر لیتے ہو ——— تم نے اپنے علاقے کے بعض گمراہ کن لوگوں کے حالات لکھے ہیں اور ان کے کچھ معتقدات بھی بیان کیے ہیں . . . . . . . . . . . . . .

تم نے لکھا ہے کہ وہ گمراہ لوگ بعث بعد الموت اس طریقے پر مانتے ہیں کہ یہ جسم خاک سے پیدا ہوا ہے پھر خاک ہو جائے گا اور خاک سے گھاس اُگے گی اور گھاس کو حیوانات کھائیں گے، حیوانات کا گوشت انسان کھائے گا اس سے نطفہ بنے گا اور نطفے سے پھر آدمی پیدا ہوگا، وہ قیامت بھی اسی (چکر) کو قرار دیتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ یہ قولِ مذکور، حشر و نشر اور روزِ قیامت کا صریح انکار ہے جو کہ عین کفر و زندقہ ہے ـــ اور یہ قول اُن احادیث اور نصوصِ قرآنیہ کا انکار ہے جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت آئے گی۔ مُردے گور سے اٹھیں گے، اوّلین و آخرین ایک جگہ جمع ہوں گے، حساب و کتاب درمیان میں آئے گا، میزان برپا ہوگی، پُل صراط نصب

کیا جائے گا، مومنانِ تقویٰ شعار پل صراط سے گزر کر بہشت میں جائیں گے، کافر دوزخ میں گر پڑیں گے اور عذابِ دائمی میں گرفتار ہوں گے۔ روزِ قیامت کا انکار، کفرِ صریح ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ وَّانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝[1] (الیٰ آخر الآیات) [سورہ الحاقہ]

---

تم نے یہ بھی لکھا تھا کہ گمراہ لوگ کہتے ہیں کہ "نماز مردم ظاہر بیں کے واسطے ہو، ذکر قلبی وغیرہ خواص کے لیے ہیں، تمام انسان اور جمیع اشیاء ایسی عبادت میں مشغول ہیں جو عبادت ظاہری کے علاوہ ہے اگرچہ وہ خود واقف نہ ہوں کہ ہم عبادت کر رہے ہیں اور شریعت کو آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقص العقل آدمیوں کے لیے مقرر کیا ہے تاکہ کوئی فساد اور خرابی برپا نہ ہونے پائے" (نعوذ باللہ)

مخدوما! جو شخص نماز اور سائر احکام شرعیہ کو ایسا کہتا ہے انتہائی جہالت اور نقصانِ عقل کی بات ہے۔ نماز تو وہ ہے جس کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ستونِ دین فرمایا ہے جس نے نماز کو قائم کیا دین کو قائم کیا، جس نے نماز کو چھوڑا اپنے دین کو ڈھایا۔ نماز کو معراجِ مومن فرمایا ہے۔ اور آپؐ نے اپنی راحت نماز میں محسوس فرمائی ہے اور آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں پائی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:-

---

[1] پھر جب صور میں یکبارگی پھونک ماری جاوے گی (مراد نفخہ اولیٰ ہے) اور (اس وقت) زمین اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) اٹھائے جائیں گے پھر دونوں ایک ہی دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیے جاویں گے تو اس روز ہونے والی ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جاوے گا اور وہ (آسمان) اس روز بالکل بودا ہوگا اور فرشتے (جو آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں) اس کے کنارے پر آجاویں گے اور آپ کے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے۔ (بیان القرآن)

## اَرِحْنی یا بلال ـــــ قُرّۃُ عینی فی الصلوٰۃ ـــــ

[اے بلال مجھے راحت دو (اذان دیکر)] [نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ ہے]

جو قرب ادائے نماز کے وقت ہوتا ہے وہ نماز کے باہر نہیں۔ حدیث میں آیا ہے۔ اقرب مایکون العبد الی الرب فی الصلوٰۃ (بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب نماز میں ہوتا ہے) اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ درمیانِ بندہ و خدا جو حجاب ہے وہ نماز میں اٹھا دیا جاتا ہے ـــــ نیز وارد ہوا ہے۔ الساجد یَسْجُدُ علی قدمی اللہِ فَلْیَسْجُدْ وَلْیَرْغَبْ۔ (سجدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے قدموں پر سجدہ کرتا ہے پس چاہیئے کہ سجدہ کرے اور رغبت کے ساتھ سجدہ کرے) الغرض جو کمال بھی ہے وہ احکامِ شرعیہ کی ادائیگی سے وابستہ ہے۔ شریعت سے علیحدہ ہو کر کوئی کمال، کمال نہیں، ضلالت و گمراہی ہے۔ فماذا بعد الحق اِلّا الضلال ـــــ قرآن مجید اور احادیث نبویہ سب کے سب ادائیگی احکامِ شرعیہ کی دعوت دیتے ہیں۔ صراط مستقیم یہی ہے اس کے علاوہ سب راستے شیاطین کے راستے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن ہمارے سمجھانے کے لیے) ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے پھر کئی خط اس کے دائیں بائیں کھینچے اور یوں فرمایا کہ یہ شیاطین کے راستے ہیں ان میں سے ہر ایک راستے پر ایک شیطان بیٹھا ہوا ہے جو اپنی طرف بلا رہا ہے اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

وانّ ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ الآیۃ (رواہ احمد والنسائی والدارمی)

ـــــ اس قول کو جو جمیع انبیاء کا متفق علیہ قول ہے اور جس پر تمام علماءِ حق کا اجماع ہے کسی کے خیالاتِ باطلہ کی بنا پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ شریعت کو ناقص العقل لوگوں کے لیے بتانا یہ عین کفر و الحاد ہے۔ اعاذنا اللہ سبحانہٗ وایاکم من ھذا الاعتقاد......

...... تم نے یہ بھی (بطور سوال) لکھا تھا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے انّ اللہ خلق آدم علی صورتہٖ (یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا) ـــــ پھر خدا کو بیچون و بے نظیر اور بے نمونہ بھی کہتے ہیں ـــــ یہ عجیب حیرانی کی بات ہے۔"

مخدوما! کوئی حیرانی کا موقع نہیں ہے۔ دین کی جو بات یقین و تواتر سے ثابت ہوئی ہے اس پر

اعتقادِ راسخ رکھنا چاہیئے۔ البتہ اس قسم کے الفاظ کو ظاہری معنیٰ سے ہٹا دیا جائے یا اس کا علم حق سبحانہ کے حوالے کر دینا چاہیئے ——— (درحقیقت) حق تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے کمالات سے آراستہ اور اپنے صفات سے موصوف کیا اور اُن کو ایک کامل تر آئینہ بنا دیا پس جو مشارکت و مشابہت حضرت حق جل شانہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا ہوئی وہ مشارکت و مشابہت محض صورت میں ہے نہ کہ حقیقت میں۔ مثلاً علمِ ممکن کو دیکھ لو کہ وہ علمِ واجب کے مقابلے میں کیا حقیقت رکھتا ہے (کچھ بھی نہیں) ممکن کی قدرت، واجب کی قدرت کے آگے کیا اعتبار رکھتی ہے؟ اسی پر تمام صفات کو قیاس کر لو ——— پس کہا جا سکتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ علیٰ صورتہٖ ——— مشابہتِ صوری اور مناسبتِ اسمی کا اعتبار کر کے مجازی طور پر فرمایا گیا ہے ——— لفظ علیٰ صورتہٖ میں خود یہ نکتہ اور اشارہ موجود ہے کہ یہ مشارکت و مناسبت صورت واسم میں ہے حقیقت میں نہیں ہے۔ اس لیے کہ ممکن والے کمالات و اوصاف، واجب کے صفات و کمالات کے آگے، اختلافِ آثار کے اعتبار سے حقیقت دیگر رکھتے ہیں ——— سوائے نام اور صورت کے کوئی شرکت نہیں ہے ——— ما للتراب و رب الارباب (چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک) ......... تم نے یہ بھی لکھا تھا کہ "قرآن میں آیا ہے اَلَا اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْط (اللہ تعالےٰ ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے) ——— وہ کس طرح اور کس طریقے سے محیط ہے"۔ ———

واضح ہو کہ احاطہ دو۲ قسم پر ہے اگر احاطے کو احاطۂ علمی قرار دیا جائے جیسا کہ محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے اور خود قرآن بھی اس احاطۂ علمی کو بیان کر رہا ہے۔ وَاِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْماً ——— تب تو کچھ بھی جائے تحیّر اور محلِ شبہ نہیں ہے اور اگر علاوہ احاطۂ علمی کوئی اور احاطہ ثابت کیا جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ احاطہ، "احاطۂ جسم بجسم" کے قبیل سے ہے جو کہ تنزیہ و تقدیس کے منافی ہے لہٰذا یہ منجملہ متشابہات ہوگا جیسا کہ قرآن میں ید اور وجہ (اللہ تعالےٰ کے لیے) آیا ہے ——— ہم اس بات پر ایمان لائیں کہ اللہ تعالےٰ محیط ہے اور ہمارے ساتھ ہے اور اس احاطے کی کیفیت معلوم کرنے میں ہرگز مشغول نہ ہوں اور جو کچھ معلوم و مکشوف ہو اللہ تعالےٰ کو اس سے منزہ و مبرا جانیں۔ متشابہات میں یہی طریقہ اسلم ہے ——— اگر ہمارے پاس ہوتے تو اس سے زائد اور کچھ بیان کیا جاتا انشاء اللہ تعالےٰ ——— فی الحال اسی پر اکتفا کرو......

مخدوما! اس قسم کے گمراہ کن لوگ جو ایسے معتقدات رکھتے ہوں (جن کا ذکر شروع میں آیا ہے) اور پھر اپنے آپ کو مسندِ مشیخت پر فائز کئے ہوئے ہوں، دین کے چور ہیں ان کی صحبت سے دور رہنا چاہیئے۔ یہ لوگ دین سے بالکل بیگانہ ہیں۔ ربقۂ اسلام سے باہر ہیں، دریائے ضلالت میں غرق ہیں۔ دوسروں کو بھی سیدھے راستے سے ہٹاتے ہیں۔ ضلّوا فاضلّوا (یہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا) ـــــ ان لوگوں سے بچو ان کی صحبت کو سمِ قاتل سمجھو جو ابدی موت تک پہونچاتی ہے ـ شیر سے جتنا بھاگتے ہو اس سے زیادہ ان کی صحبت و رویت سے بھاگو ـــــ تمہارے بھائیوں سے تعجب ہے کہ اس قسم کے لوگوں کے معتقد ہو گئے ہیں اور اپنے دین و ایمان کو برباد کر رہے ہیں۔ عجب تر یہ ہے کہ تم نے لکھا ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے تربیت پا رہے ہیں، جس کے دین و ایمان میں کلام ہو وہ دوسرے کی تربیت کیا خاک کرے گا۔ ع

او خویشتن گم ست کرا رہبری کند

ابھی کچھ نہیں گیا ہے جب تک موت کے غرغرے کا وقت نہ آئے دَرہائے توبہ کھلے ہوئے ہیں۔ (تمھارے بھائی) ایمان کو ہرگز برباد نہ کریں ـ خبر کردن شرط است ـــ

**مکتوب (۱۷) مرزا ابو المعالی کے نام (نصائحِ ضروریہ)**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــ بعد حمد و صلوٰۃ ـــــ صحیفۂ گرامی کے مطالعے سے مشرف و مفتخر ہوا۔ اللہ تعالیٰ سلامت رکھے اور جادۂ شریعت و طریقت پر استقامت بخشے ......... تم نے لکھا تھا کہ نفحات الانس (مولفۂ مولانا جامیؒ) سے بزرگوں کے حالات دیکھ کر اُن حالات کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن چوں کہ وہ کوشش بغیر رہنمائی سالک تھی اس لیے اس کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوا اور کچھ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ مکرما! ـــ جو کچھ تم نے لکھا ہے ٹھیک ہے واقعی اِس راہِ غیب الغیب میں، مرشدِ کامل کی دستگیری کے بغیر راستہ چلنا اور سلوک طے کرنا بہت مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وابتغوا الیہ الوسیلۃ۔ جب کہ سلاطین مجازی کی بارگاہ میں بے وسیلہ باریابی نہیں ہوسکتی تو سلطان حقیقی، شہنشاہ حقیقی کی درگاہ میں تو وسیلہ بہت ہی ضروری ہو۔ مجھ مسکین کے بارے میں ازراہِ حُسن ظن جو کچھ لکھا ہو وہ خود تمھاری بزرگی کی بات ہے اور تم نے

اپنے ہی آئینے میں مجھ دور از کار کو دیکھ لیا ہے ورنہ ؎

من ہیچم و کم ز ہیچ بسیارے　　وز ہیچ کم از ہیچ نیاید کارے

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ جو کچھ بزرگوں سے اس ہیچمدان کو پہونچا ہے وہ طلباء کے درمیان لے آتا ہے۔ بعض کو فائدہ بھی ہو جاتا ہے اور اکابر کے انفاس نفیس کی برکت سے اُن کے کمالات سے کچھ حصہ مل جاتا ہے ...... یہ مسکین تمہاری خدمت کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہے لیکن کیا کیا جائے کہ طریقۂ نقشبندیہ کا دار و مدار شیخ مقتدیٰ کی صحبت اور رابطۂ محبت پر ہے کشودگیٔ کار اور ترقی اسی سے متعلق ہے ـــــ ہمارے بزرگوں کا طریقہ اتباع سنت و اجتناب از بدعت ہے ـــ لہٰذا صحبت شیخ کامل میسر آنے تک متابعتِ سنت پر مستقیم رہو اور سُننِ متروکہ کو زندہ کرتے رہو ـــ حدیث میں آیا ہے من احییٰ سُنّتی بعد ما اُمیتت فلہٗ اجرُ مأتہِ شہید یعنی جو میری مردہ سنت کو زندہ کرے گا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا ـــــــــ سنتِ متروکہ کا احیاء یہ ہے کہ خود عمل میں لائے اور اس کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ دوسروں کو بھی اس کی دلالت کرے تاکہ دوسرے لوگ بھی اس پر عمل کریں ـــ ترقی اور حصولِ مراتب قُرب تمام تر اتباع سنت ہی سے وابستہ ہے ـــ آیۂ کریمہ ـــ قل اِن کنتم تُحبون اللّٰہَ فاتبعونی یُحببکُمُ اللّٰہُ ـــــــــ اس حقیقت کی گواہ ہے ـــــ

بدعت سے دور رہو، بدعتی کی صحبت میں نہ بیٹھو بلکہ اپنی مجلس میں بھی اس کو جگہ نہ دو ـــ حدیث شریف میں آیا ہے اہلُ البدعۃِ کلابُ اہلِ النّارِ[لہ] ـــ اپنے اوقات کو اُن طاعات واذکار اور دعاؤں سے معمور رکھو جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اور کتب حدیث میں مذکور ہیں ـــ تکرار کلمۂ طیبہ ............ جس قدر بھی ہو سکے کرو ......

تمام صوفیاء اس بات پر متفق ہیں کہ باطن کے روشن کرنے میں یہ کلمہ ذکر قلبی کی مانند بے حد مفید ہے ........ حقائق آگاہ مولانا عبد الخالق جو کہ اسی جگہ کے باشندے ہیں اور مدت تک ہماری صحبت میں رہے ہیں، صاحب حال و کمال شخص ہیں کچھ عرصے سے ملاقاتِ فقیر کی غرض سے (سرہند) آئے ہوئے ہیں اگر دل چاہے تو لکھو تاکہ ان کو یہاں سے رخصت کر کے ان کے وطن مالوف بھیجدیا جائے اور وہ فقیر کی جانب سے سفارت کے طور پر تم کو

لہ اہل بدعت اہل جہنم کے کتے ہیں۔

شغل و مراقبہ کی تعلیم دیں۔ شاید اس طریقے سے راہِ ترقی کشادہ ہو جائے۔ چوں کہ بالفعل فقیر سے ملاقات بے مشقت میسر نہ آسکے گی اس لئے یہ طریقہ دل میں آیا ہے۔ آگے تم کو اختیار ہے۔

والسلام علیکم ........

## مکتوب (۱۹) ملا پایندہ محمد کابلی کے نام (اُن کے سوالوں کے جواب میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ بعد حمد و صلوٰۃ

......... تم نے جو خط فرزندی محمد عبداللہ کے نام لکھا تھا ـــ پہونچا ـــ اس میں چند سوالات درج تھے اور فقیر سے جواب کی درخواست کی تھی لہٰذا جوابات لکھے جاتے ہیں غور سے پڑھنا۔

پہلا سوال ـــــ یہ تھا کہ قرآن مجید اور حدیث قدسی میں صراحۃً آیا ہے کہ حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ـــــ ید اللّٰہ سے پیدا کئے گئے۔ اگر ید سے مراد قدرت لیں تو آدمؑ کی اس میں تخصیص کی وجہ کیا ہے؟ اس لئے کہ دوسری مخلوقات بھی قدرتِ خدا ہی سے مخلوق ہوئی ہے اور اگر ید سے مراد 'قدرت' نہ لیں (اور ہاتھ ہی مراد لیں) تو جو جماعت 'جسمیتِ حق تعالےٰ' کی قائل ہیں اس کا مذہب تقویت پاتا ہے۔" اس کا جواب یہ ہے ـــــ کہ جائز ہے کہ ید سے مراد قدرت لیں۔ جیسا کہ متشابہات کی تاویل کرنے والوں کا مذہب یہی ہو۔ اور آدم علیہ السلام کی تخصیص اُن کی تعظیم و تکریم کی بنا پر ہے، حصر کے لئے نہیں ہے۔ جیسا کہ اس آیۃ ـــ اِنَّ عِبَادِی لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ میں ہے (کہ خاص بندوں کی نسبت اللہ تعالےٰ کی طرف اُن کی تکریم کے سبب ہے ورنہ سارے بندے نیک و بد اللہ ہی کے بندے ہیں) ایسی ایسی مثالیں قرآن مجید میں بہت سی ہیں ـــ تخصیص در ذکر، نفس الامر میں تخصیص پر دلالت نہیں کرتی ـــــ اور اگر ید سے قدرت مراد نہ بھی لیں تو پھر حق تعالےٰ کے لئے ہاتھ کی صفت بے کیفیت ثابت کریں گے جیسا کہ دوسری متشابہات میں ایسا کیا جاتا ہے۔ "مذہبِ مجسّمہ" کو تقویت تو اس صورت میں ہوگی جب کہ اپنا جیسا جسمانی ہاتھ ثابت کیا جائے۔ اللہ تعالےٰ اس سے وراء الوراء ہے۔

سوال دوم ـــــــ یہ تھا کہ خیر التابعین حضرت اُویس قرنیؒ سے منقول ہے ـــ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْئٌ ـــــ اس مقولے کے کیا معنی ہیں ـــ جواب یہ ہے کہ

اس مقولے کی صحتِ نقل میں تردد و شک ہو۔ اس لئے کہ اگر شے کو عموم پر چھوڑیں تو لازم آتا ہے کہ عارف سے کوئی چیز بھی خواہ معارف وجوبی ہوں خواہ حوادث کونی ـــــ مخفی نہیں رہتی حالاں کہ یہ بات خلافِ واقع ہے۔ جب کہ سیدِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے کہ قُل لو کنت اَعْلَمُ الغیب لاستکثرتُ من الخیر وما مسّنی السّوء۔ (یعنی اے نبی کہدیجیے کہ اگر میں غیب کا علم جانتا ہوتا تو تمام خیر جمع کر لیتا اور کوئی تکلیف مجھے نہ چھوتی) ـــــ تو پھر دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

اور اگر شے کو معارفِ باطنی کے ساتھ خاص کریں تو بھی مشکل ہے اس لیے کہ صوفیاء کرام کے یہاں یہ بات مسلم ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک ولی اپنی ولایت و قرب سے خود آگاہ نہ ہو چنانچہ بعض بزرگوں کا مقولہ ہو فمنّا من علم ومنّا من جهل ـــــ جب یہ بات ہو تو جمیع معارف تو درکنار رہے ـــــ صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں جو حضرات طبقۂ ولایت میں اعلیٰ ہیں اُن میں سے اکثر کے شہود و مشاہدہ کے واقعات منقول نہیں ہیں...... اگر حضرت اویس قرنیؒ سے اس جملے کی نقل صحیح مان لی جائے تو پھر عبارت کو ظاہر سے موڑ لینا چاہیئے ـــــ بالفعل میرے دل میں یہ آیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ لا یخفیٰ علیہ شئیٌ مما یحتاج الیہ فی المعرفۃ بالفاظ دگر جس کسی نے خدا کو پہچان لیا وہ مقبولانِ خدا میں سے ہو گیا اور مقبول کو ضایع نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا اس کو جو کچھ راہ معرفت میں درکار ہوتا ہے اس کی اطلاع کر دی جاتی ہے یا تو بے واسطہ بطریقِ الہام وکشف یا بواسطہ پیر و مرشد ـــ واللہ اعلمُ بحقیقۃ الحال۔

جواب سوالِ سوم یہ ہے کہ اکابر طریق نے جو فرمایا ہے۔ الطریقۃ کلہا ادبٌ۔ اس میں ادب سے مراد ادبِ شریعت ہے اور آدابِ طریقت، جو کہ رعایت و متابعت شیوخ کا دوسرا نام ہے۔ سب کے سب آدابِ شریعت میں مندرج ہیں۔

شریعت بیانِ شافی و کافی رکھتی ہے۔

---

# عصرِ حاضر کا بنیادی مسئلہ

(مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی ایک عربی تقریر کا ترجمہ جو بغداد میں نوجوانوں اور طالبعلموں کے ایک اجتماع میں کی گئی تھی۔

---

سوچتا ہوں کہ کس موضوع پر گفتگو کروں؟ مسائل و موضوعات کا تو ایک دفتر پھیلا پڑا ہے، اور ایسی صورت میں یہ سوال قدرتی ہے کہ آدمی کس کو لے اور کس کو چھوڑے ـــــــ لیکن آئیے میں سب کچھ چھوڑ کر اپنے ایمان و ضمیر کی بات کہوں۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں کہ آپ کی دلچسپی کی فکر کروں، میرے لئے یہ بس ہو کہ اپنے ضمیر اور اپنے ایمان کو مطمئن کروں۔ اگر میں نے اپنے ضمیر کو مطمئن کر دیا تو میں سمجھوں گا کہ میں نے آپکے اطمینان کا سامان بھی فراہم کر دیا۔

مجھے آپ سے کوئی علمی اور تاریخی بات نہیں کہنا ہے۔ اس لئے کہ یہ علمی اور تاریخی باتیں اتنی کہی گئی ہیں کہ ہم سب اکتا گئے ہیں اور پھر آپ میں خود ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو آپ کی علمی پیاس بجھا سکتے ہیں۔

## ایمان و اخلاق

آج کا دور گونا گوں مسائل اور پیچیدگیوں کا دور ہے۔ ہر طرف انہیں عصری مسائل اور الجھنوں کا تذکرہ ہے، جدھر دیکھئے، کہیں اقتصادی مسئلہ پر گفتگو ہو رہی ہے، کہیں سیاست کی گتھیوں پر زورِ فکر صرف کیا جا رہا ہے، غرض یہی اجتماعی مسائل ہیں جو ہر جگہ موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔ لیکن میری نظر میں اس زمانہ کا اصل مسئلہ ایمان و اخلاق کا مسئلہ ہے۔ اس سے زیادہ اہم مسئلہ حقیقت میں کوئی نہیں ہے۔

مجھے امید ہے کہ میری معروضات کے بعد آپ پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ نوعِ انسانی

دنیا کے ہر خطے میں، ایک ہی گتھی میں الجھی ہوئی ہے اور وہ "ایمان و اخلاق کی گتھی" ہے۔ یہی سارے آلام کی جڑ اور سارے مصائب کی اصل ہے۔ اور ہر وہ پیچیدگی جو آج باعث پریشانی نظر آتی ہے اس کا سلسلہ اسی سے جاکے ملتا ہے۔ آج جو چیز کھوئی گئی ہے، اور جس کے کھو جانے نے ہم پر یہ عالمگیر مصیبت ڈالدی ہے، وہ تنہا "ایمان" ہے، اور وہ چیز جسے روگ لگ گیا ہے، اور جس کے روگ نے ہمیں، انفرادی و اجتماعی دائروں اور ملکی و بین الاقوامی معاملوں میں موجودہ تہ بہ تہ الجھنوں سے دوچار کر دیا ہے، وہ بس "اخلاق" ہے۔

## نفس پرستی

انسان تو سب یکساں ہیں، اور ہمیشہ رہے ہیں۔ ہم بھی بشر ہیں اور حکمراں طبقہ بھی بشر ہے، لہٰذا محض کسی کے برسر حکومت آجانے اور کسی کے ہٹائے جانے سے کوئی بڑا فرق نہیں پڑتا۔ فسادِ حال کا اصل سبب تو ایمان و اخلاق کا فقدان ہے۔ لوگ عموماً سمجھتے ہیں کہ صلاح و فساد کا دار و مدار حکومتوں اور پارٹیوں پر ہے، فلاں پارٹی اور فلاں وزارت مثلاً اگر چلی جائے اور اسکی جگہ فلاں وزارت اور فلاں پارٹی برسر اقتدار ہو جائے تو سب گتھی سلجھ جائے گی اور مسئلہ حل ہو جائے گا، لیکن یہ خیال غلط ہے، جلد بازی اور قلت فکر کا نتیجہ ہے۔ مسئلہ کا تعلق حکومتوں اور پارٹیوں اور کچھ خارجی اصلاحات سے نہیں ہے۔ مسئلہ اصل میں ذہن اور خیالات کا ہے، مسئلہ نفس اور قلب کا ہے! جب تک موجودہ ذہنیت تبدیل نہیں ہوگی، خیالات کا رُخ نہیں بدلے گا اور نفس و قلب میں تغیر نہیں رونما ہوگا اسوقت تک یہ اوپری تبیرات بے معنیٰ ہیں ——— مسئلہ بالکل جوں کا توں رہے گا، خواہ کتنی ہی حکومتیں بدلیں اور کتنی ہی پارٹیاں آئیں جائیں۔ آج حال یہ ہے کہ افراد اپنے تمام اختلافات کے باوجود مادہ پرستی، خود غرضی اور نفس پروری کی صفات میں پورا اشتراک رکھتے ہیں۔ نفس پرستی سب کی مشترک صفت ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ کہیں یہ نفس سکڑتا ہے تو انفرادی نفس رہجاتا ہے اور کہیں ذرا پھیلتا ہے تو اجتماعی نفس بنجاتا ہے۔ بس یہی ذہنیت آج سارے عالم پر مستولی ہے، اور خارجی حالات و اطوار کی خرابی کی تمامتر ذمہ داری انہیں نفوس کی خرابی، اور اسی مادہ پرست، خود غرض اور منفعت بین ذہنیت کے غلبہ پر ہے۔

دوستو! مرض بس یہی ہے، اپنے آپ کو دھوکے میں نہ رکھیے! آپ اپنے طور پر خود غور کیجیے۔ جب بھی آپ خالی الذہن ہو کر غور کریں گے اور حقائق کی گہرائی میں اتریں گے تو آپ خود اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ اصل مصیبت ایک ہے۔ اور وہ ہے "نفس پرستی" بس جب تک دلوں کے اندر سے مادہ پرستی نہیں نکلے گی خارجی حالات کی درستی کی کوئی سبیل نہیں نکل سکتی۔

## بین الاقوامی کشمکش کی حقیقت

مختلف قوموں کے درمیان یہ مسابقت اور مقابلہ جس کی خبریں ہمیں روزانہ اخبارات میں نظر آتی ہیں۔ اور جس کا نتیجہ کبھی کبھی طویل اور ہلاکت خیز جنگوں کی شکل میں رونما ہوتا ہے۔ یہ مقابلہ اور مسابقت خیر وشر میں نہیں صرف اغراض میں ہے۔ یورپین اقوام میں جو کشمکش چل رہی ہو اس کی حقیقت یہ نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی قوم موجودہ مفاسد کے انسداد، قوانین آلہی کے نفاذ اور انسانیت کی خدمت کے لیے غالب ہونا چاہتی ہے اور اس کے پیش نظر مساوات انسانی، قیام قسط وعدل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقدس مقاصد ہیں۔ ــــــ نہیں دوستو! ایسا نہیں ہے اس کشمکش کا مقصد صرف قیادت ہے۔ ہر قوم یہ چاہتی ہے کہ اُسے حکومت وقیادت حاصل ہو تاکہ اپنی خواہشات آزادی سے پوری کرسکے۔ الغرض سارا جھگڑا اسی کا ہو کہ کون صاحب امر ونہی ہو اور کس کو خواہشات کی تکمیل اور ذاتی وجماعتی مفادات کی تحصیل کی قوت حاصل ہو۔

مثال کے طور پر برطانیہ اور اسکے اتحادی، اشتراکی کیمپ سے اس لیے نبرد آزما نہیں ہیں کہ حق وانصاف قائم ہو۔ اسی طرح کمیونسٹ کیمپ کا مغربی اتحادیوں سے نزاع بھی کبھی اس مقصد کے لیے نہیں رہا۔ انکی جنگ اور کشمکش تو صرف اس لئے ہے کہ دنیا میں تنہا وہی کیمپ ہو جو تمام وسائل وذرائع پر قابض رہے، اور عالمی تجارت اس کے ہاتھ میں آئے۔ عام نوع انسانی کی بھلائی کے لیے نہیں۔ صرف اپنے ہم ملکوں کی فلاح وبہبود کے لیے!

الغرض ان تمام بین الاقوامی تنازعات کا مبنیٰ صرف نفس پرستی ہے۔ اور جب تک موجودہ انسان کے اس متعفن اور سراپا شر وفساد جذبہ کی اصلاح نہ ہوگی عالم کے صلاح وفلاح کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی۔

دوستو! اس وقت کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ انسان بدلے۔ اس دنیا میں ہر شے انسان کے تابع ہے۔ اور انسان اپنے نفس، ضمیر اور عقیدے کا تابع ہے۔ پس اگر انسان کے نفس اور ضمیر میں صلاح ہے تو انسان صالح ہوگا اور جب انسان صالح ہو گا تو نظام عالم درست ہوجائے گا۔ حدیث نبوی ہے۔

الا ان فی الجسد مضغة      یاد رکھو! کہ جسم انسانی میں ایک لوتھڑا

اذا صلحت صلح الجسدُ
کلہ و اذا فسدت فسد
الجسدُ کلہ الا وھی القلب

ہے جب وہ ٹھیک ہوتا ہے تو پورا جسم
ٹھیک ہوجاتا ہے اور جب اس میں خرابی
آجاتی ہے تو پورے جسم میں فساد رونما ہوجاتا
ہے، وہ کیا ہے؟ وہ دل ہے!

سطحی النظر لوگوں کی تحریروں اور تقریروں سے عام لوگوں میں یہ خیال پھیل گیا ہے کہ اگر فلاں فلاں بنیادوں پر کوئی حکومت قائم ہو تو نظام عالم درست ہوجائے گا۔ یا فلاں شخص اور فلاں جماعت کے برسر اقتدار آنے سے ایسا ہوجائے گا۔ لیکن انھیں یہ معلوم نہیں کہ سوسائٹی کا فساد قلب و نظر کے فساد پر مبنی ہے۔ اور جب تک یہ اصل سبب دور نہ ہو مرض کیسے دور ہو سکتا ہے؟ —

دوستو! یہ کسی گوشہ نشیں کی بات نہیں، ایک تجربہ کار اور باخبر کی بات ہے۔ یہ ایک ایسا شخص کہہ رہا ہے جسے، بحمد اللہ، گہرے مطالعہ کے مواقع حاصل رہے ہیں۔

ایک اجنبی اور ناواقف شخص اگر کسی اندھیرے کمرہ میں داخل ہو تو جب تک بجلی کا سوئچ نہ کھولا جائے اُسے وہاں کسی چیز کا پتہ نہیں چل سکتا۔ لیکن ایک باخبر کمرہ میں داخل ہوتے ہی سوئچ کی جگہ کا پتہ چلا لیتا ہے اور اُسے کھول دیتا ہے۔ دم کے دم میں سارا کمرہ روشن ہوجاتا ہے اور وہ انسان اپنی ضرورت بآسانی پوری کر لیتا ہے۔ اللہ کے پیغمبروں اور اُن کے متبعین کی یہی شان ہے۔ اس مثال سے یوں سمجھئے کہ یہ دنیا ایک اندھیری کوٹھری ہے۔ جس میں روشنی کا سوئچ ایمان ہے، ادھر سوئچ پر ہاتھ پہونچا اور اُدھر روشنی کی شعاع نکلی۔ جس سے یہ تیرہ و تار عالم دم کے دم میں بقعہ نور بن جاتا ہے۔

مجھے حیرت ہوتی ہے، جب یہ دیکھتا ہوں کہ دنیا کے تمام ملکوں میں، چاہے وہ اسلامی ہوں یا غیر اسلامی، جو لوگ چوٹی کے ارباب علم و دانش اور بڑے صاحب تجربہ سمجھے جاتے ہیں۔ اس معاملہ میں اُن کا فکر کس قدر ناپختہ ہے، موجودہ مسائل پر وہ بالکل اُس شخص کی سی گفتگو کرتے ہیں جس کی نظر میں نہ کوئی گہرائی ہے اور نہ فکر میں کوئی پختگی۔ سیاست و اجتماعیات کی عصری پیچیدگیوں کا حل وہ یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں پارٹی کو اقتدار حاصل ہوجائے۔ اور اس طرز فکر کا نتیجہ یہ ہے کہ جب اس پارٹی کے اقتدار سے بھی مسائل حل نہیں

ہوتے بلکہ پیچیدگیاں کچھ بڑھ ہی جاتی ہیں، تو پھر کسی دوسری پارٹی کے تجربہ کی سوجھتی ہے۔ اور تجربہ بتا دیتا ہے کہ یہ تو پہلی سے بھی بدتر ہے، سچ کہا ہے کہنے والے نے :-

أَلَا إِنَّمَا الْأَيَّامُ أَبْنَاءُ وَاحِدٍ　　وَهَذِي اللَّيَالِي كُلُّهَا أَخَوَاتُ

یہ دن سارے کے سارے بھائی بھائی ہیں۔ اور راتیں سب آپس میں بہنیں ہیں (یعنی یکساں ہیں)

فَلَا تَطْلُبَنَّ مِنْ عِنْدِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ　　خِلَافَ الَّذِي مَرَّتْ بِهِ السَّنَوَاتُ

پس کسی دن اور کسی رات سے اس کے علاوہ توقع مت رکھو جو برسوں سے پیش آرہا ہے۔

آخر غریب انسان کی جان پر کب تک یہ تجربے کیے جائیں گے؟ اور کب تک ہم اس لاطائل تلاش و جستجو کا سلسلہ جاری رکھیں گے؟ انبیاء علیہم السلام کا دامن کیوں نہ پکڑا جائے، جو ہمیں یقینی علم عطا کرتے ہیں اور ہمارے سارے دکھوں کے لیے تیر بہدف نسخہ رکھتے ہیں۔

## سوسائٹی سے پہلے افراد

بہرحال یہ حقیقت ہے کہ مسئلہ دراصل افراد کا ہے۔ ہم جب تک بھی اس حقیقت سے اعراض کرتے رہیں گے ہمارے مسائل کی ڈور الجھتی ہی رہے گی اور گتھیوں پر گتھیاں پڑتی رہیں گی۔ موجودہ تہذیب اور فلسفۂ تمدن کی لائی ہوئی مصیبتوں میں سے یہ بھی ایک بڑی مصیبت ہے کہ افراد سے بالکل صرفِ نظر کر لیا گیا ہے، عمرانی و اجتماعی علوم نے ذہنوں پر کچھ ایسا اثر ڈالا ہے کہ فرد بالکل نظر انداز ہو گیا اور مسائل کے سلجھاؤ اور فلاح و ترقی کے لئے تمام تر اعتماد حکومتوں، جماعتوں اور اداروں پر کیا جانے لگا، حالانکہ ان سب چیزوں کی بنیاد فرد ہی پر ہو۔ کہا جاتا ہے کہ جناب! پہلے افراد پر توجہ فرمایئے ان کو سنواریئے اور اجتماعی ڈھانچہ کے قابل بنایئے! جواب ملتا ہے کہ ہمیں افراد سے کیا سروکار۔ ہمارا دور اجتماعی دور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مجموعہ کی اہمیت برحق! لیکن افراد ہی سے تو مجموعہ بنتا ہے۔ افراد ہی تو ایک نظریہ اور ایک مقصد پر جمع ہو کر اجتماعی شکل پیدا کرتے ہیں۔ پس جب افراد نہ ہوں گے تو مجموعہ کہاں سے بنے گا؟ لیکن کہا جاتا ہے کہ افراد کی اصلاح اجتماع اور سوسائٹی کی اصلاح سے وابستہ ہے!

یہ لوگ جو افراد کو چھوڑ کر از اول تا آخر مجموعوں پر نظر جمائے ہوئے ہیں، ان کی مثال حقیقت میں ویسی ہے جیسے کوئی شخص ایک بڑی جمعیت اور بھاری سازوسامان کے نقل و حمل کے لیے ایک کشتی بنانا چاہتا ہے۔ مگر جو تختے اس کے لیے جمع کر رہا ہے گلے سڑے اور گھُنے ہوئے ہیں۔ ایک واقف کار شخص

یہ دیکھ کر اس سے کہتا ہے کہ میاں! یہ تختے ایسی مضبوط کشتی کے کام کے نہیں ہیں۔ ان تختوں سے جو کشتی تیار ہوگی وہ کسی بڑی جماعت اور بھاری اسباب کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گی۔ مگر اُسے جواب ملتا ہے کہ ان تختوں سے کوئی سروکار نہیں، اصل چیز تو کشتی ہے۔ جب ان تختوں سے کشتی بن جائے گی تو اِن تختوں کی خصوصیات اس مجموعہ میں گم ہو جائیں گی، اور ان کی کمزوریوں اور نقائص کا خود بخود خاتمہ ہو جائے گا۔ پس تختوں کی کمزوری سے کشتی کے بارے میں کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں! ــــــ حالانکہ بدیہی بات ہے کہ خراب چیز بہرحال خراب ہے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ بہت سی خراب چیزیں مل کر اچھی بن جائیں ــــــ چور تو چور ہی ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ جب بہت سے چور جمع ہو جائیں تو ان کا مجموعہ چور نہ رہے بلکہ شہر کا محافظ دستہ بن جائے؟ ــــــ

لیکن کیا کیجئے کہ مغرب کی عقلیت یہی کہتی ہے، وہ کہتی ہے کہ چور اپنی اپنی انفرادی حیثیت میں چور ہوتے ہیں مگر اجتماعی شکل میں وہ چور نہیں پاسبان بن جاتے ہیں ــــــ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا منطق ہے؟

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ بھیڑیا بھیڑیا ہے لیکن جب چند بھیڑیے جمع ہو جائیں تو وہ رکھوالے بن جاتے ہیں۔

چنگاری گھر جلاتی ضرور ہے لیکن جب چند چنگاریاں یکجا ہو جائیں تو وہ آگ کے بجائے "برداً وسلاماً" (سراپا خنکی اور سلامتی) بن جاتی ہیں۔

ہر چند کہ یہ صد درجہ مضحکہ خیز منطق ہے۔ لیکن کیا آج یہی وہ بنیادی نظریہ نہیں ہے جو تعلیم گاہوں، حکومتوں اور حکومت کے محکموں میں کارفرما ہے؟

یہ اراکین حکومت، عدالتوں کے جج اور فوج کے سپاہی کہاں سے آئے ہیں؟ کیا ان کی اکثریت خراب اور ضروری معیار کے لحاظ سے ناقص نہیں ہے؟ پس یہ مجرم افراد کیسے ایک صالح، بلند معیار اور عالی اخلاق مجموعہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں؟

افسوس کی پوری دنیا آج اس منطق کے آگے سرنگوں ہے۔ حتیٰ کہ علمی سطحوں پر بھی اسی منطق کا ڈنکا بج رہا ہے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ آج جن لوگوں کے ہاتھ میں شہروں کا نظم ونسق ہے۔ آج جو حکام

دانشوران بنے ہوئے ہیں۔ یا یونیورسٹیوں اور دوسرے علمی اداروں میں جنھیں اعلیٰ مناصب حاصل ہیں وہ اگر اگلے زمانہ میں ہوتے تو برخاستگی سے کم کسی چیز کے مستحق نہ ٹھہرتے۔ بلکہ ان کی جگہ جیل خانہ میں ہوتی اور نہایت گری پڑی ملازمت کے بھی اگر خواہاں ہوتے تو وہ انھیں نہ دی جاتی۔ لیکن میں جس منطق اور طرزِ فکر کا ذکر کر رہا ہوں اس نے عقلوں پر ایسا سحر کر دیا ہے کہ اب جو شخص افراد کا مسئلہ اٹھاتا ہے۔ وہ رجعت پسند گردانا جاتا ہے۔

## طریقِ اصلاح

اے اصحابِ قلوبِ مومنہ! تم سوسائٹی کا جوہر اور جانِ معاشرہ ہو۔ تمھاری پیشانی کی لکیروں میں انسانیت کا روشن مستقبل سویا ہوا ہے، اور تمھارے ہی فکر و ضمیر سے اسکی امید وابستہ ہے۔ اٹھو! اور اپنے آپ کو روحانی، اخلاقی اور علمی ایمانی پہلوؤں سے اس کارِ عظیم کے لیے تیار کرو۔ یہی وقت کی پکار ہے، یہی آج کا فرض اور سب سے بڑا جہاد ہے!۔

میں جس ملک میں بھی گیا اور جہاں بھی اپنے بھائیوں سے ملا، ہر جگہ دنیائے اسلام کے بارے میں گفتگو پائی۔ ہر مجلس میں یہی دیکھا کہ دنیائے اسلام پر آنسو بہائے جا رہے ہیں۔ دنیائے اسلام ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے۔ اس کے مقام کا اگر کوئی انکار کرتا ہے تو وہ جاہل ہے یا احمق۔ یہ میرا عقیدہ ہے۔ اور اس کا مشاہدہ میں نے ہند و پاکستان میں بھی کیا، ترکی میں بھی گیا اور مصر و شام میں بھی۔ اور دوستو! تم اس دنیائے اسلام کا ایک جزو ہو۔ تم اگر یہ سمجھتے ہو۔ کہ اس کی زندگی تمھارے بغیر ہو سکتی ہے اور تم پر اس بارے میں کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ تو یہ غلط ہے! لیکن اس وقت صورتِ واقعہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو عالمِ اسلامی کی فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں، انھیں عموماً اور توسب باتوں کی فکر ہے، اگر نہیں ہے تو بس اپنی فکر نہیں۔ ع

سارے جہاں کا جائزہ اپنے جہاں سے بے خبر

حالانکہ قاعدے کی بات یہ ہے کہ جب مجھے اس دنیا کی اصلاح کی فکر ہے، اور میں خود بھی اسکا ایک جزو ہوں تو مجھے اس جزو کی (یعنی اپنی) اصلاح سے بھی دلچسپی ہونی چاہیئے۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا عام طور پر ہمارے بھائیوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی ذات پر کوئی توجہ نہیں

کرتے۔ گویا کہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی ذات "عالم اسلامی" میں داخل نہیں ہے۔

دوستو! ہم پر لازم ہے کہ سب سے پہلے اپنی ذات اور اپنے آپ کی خبر لیں۔ اس بارے میں اپنے کو پوری طرح ذمہ دار سمجھیں۔ کہ عالم اسلامی کی درستی انھیں اجزا کی درستی پر موقوف ہے۔ برادران کرام! ہماری مثال اس وقت کچھ ایسی ہے، جیسے کہ ایک قصہ آپ نے سنا ہوگا، کہ کسی بادشاہ نے اعلان کیا کہ وہ ایک دودھ سے بھرا ہوا حوض چاہتا ہے۔ اور جو شخص جتنا دودھ اس میں ڈالے گا اس کی قیمت اسے دیجائے گی۔ اس اعلان پر ایک دودھ والے نے اپنے دل میں سوچا کہ اور سب تو دودھ ڈالیں گے ہی، میں اگر بجائے دودھ کے ایک بالٹی پانی ڈال دوں تو اتنے بہت سے دودھ میں کیا پتہ چلے گا۔ چنانچہ وہ بجائے دودھ کے حوض میں پانی چھوڑ آیا، لیکن یہ سوچنے والا وہ تنہا نہیں تھا ہر شخص نے اپنی جگہ پر یہی سوچا۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہ جب صبح کو حوض پر پہونچا تو دیکھا کہ حوض تمامتر پانی سے بھرا ہوا ہے۔

بعینہ یہی ہمارا قصہ ہے۔ ہم میں سے ہر فرد بجائے خود یہی سوچتا ہے کہ ایک میں اگر بگڑا ہوا ہوں تو اس سے عالم اسلامی کی مجموعی حالت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پورے عالم اسلامی پر فساد طاری ہو چکا ہے ـــــــ آپ جائزہ لے کر دیکھئے ہماری ساری گفتگوؤں کا محور اپنے ذات کے ماسوا ہوتا ہے!

دوستو! اپنے ساتھ انصاف کرو۔ اُن معاملات کے ذکر و فکر سے آخر کیا فائدہ، جن میں آپ کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتے؟ ـــ اپنے ماسوا میں اشتغال و انہماک بہت آسان ہے۔ اور اس کے برعکس اپنے نفس میں اشتغال، اپنا جائزہ، اور اپنی فکر، بڑا تلخ اور بڑا کٹھن کام ہے۔ انسان چونکہ سہولت پسند واقع ہوا ہے، اس لیے سارا کا سارا عالم اسلامی اپنی ذات کو نظر انداز کر کے دوسروں کے معاملات میں مشغول ہو گیا ہے، یہ انداز فکر بڑا خطرناک اور قابل علاج ہے۔

ہم میں سے ہر ایک کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی فکر کرے، اپنی ذات کو سنوارے تاکہ عالم اسلامی کی تعمیر میں وہ ایک کارآمد اینٹ ثابت ہو سکے۔ ہمیں چاہئیے کہ ہم ایک مومن و مجاہد اور صادق القلب گروہ بنیں۔ ایسا گروہ جو پاک نفس اور صاف ذہن ہو، ایسا گروہ جس کی جڑیں گہرائی میں اتری ہوئی ہوں، جس کے جذبات میں قوت اور قلب میں زندگی ہو۔ اگر یہ بات پیدا ہو جائے تو یقین مانئیے کہ

ہم فساد کا سیلاب روک کر اسکی جگہ خیر و صلاح کا سیلاب لاسکتے ہیں۔

سارا مسئلہ در اصل آدمیوں کا ہے، اور آدمی ہی نہیں! کتنے لوگ ہیں جو یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ حکومت اصلاح کی کنجی ہے۔ بس اس پر قبضہ کر لینے سے اصلاحی انقلاب آجائے گا۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ حکومت کون چلاتا ہے؟ آدمی ہی تو چلاتے ہیں، آپ کی حکومت کے لیے وہ "آدمی" کون سے ہیں۔ اور کیسے ہیں؟ —— بس یہی عالم اسلامی کی اصل گتھی ہے، اگر اس گتھی کو حل کرنا ہے تو اپنے آپ کو تیار کیجئے اور اخلاق و اخلاص اور ایثار و قربانی کے معرکہ میں اُتریئے۔ مستقبل کا معرکہ در اصل اخلاق و اخلاص ہی کا معرکہ ہے۔ کسی مقام پر اگر ایک شخص بھی ایسا پیدا ہو جائے جو ملک و قوم کے مفاد پر اپنے ذاتی، خاندانی، اور گروہی مفادات کو بے تکلف قربان کر سکے، تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ تنہا ایک انقلاب برپا کر سکتا ہے!

## زندہ مثالیں

یہ میں کوئی فرضی اور خیالی بات نہیں کہہ رہا ہوں۔ اسلامی تاریخ میں اس ایثار و اخلاص کی زندہ جاوید مثالیں موجود ہیں۔ دنیائے اسلام پر ایک دور گیا کہ فضا بالکل تاریک ہو گئی، روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی تھی، عالم اسلام پر بڑا سخت وقت پڑا تھا، ارباب حکومت ظلم کی راہ پر پڑ گیے، نظام حکومت فساد سے بھر گیا تھا۔ مظالم کا دور دورہ تھا، حقوق پامال ہو رہے تھے، لوگوں کے امن و اطمینان کے سارے سہارے ٹوٹ چکے تھے۔ مختصراً یوں کہیئے کہ عالم اسلام مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک، ایک جاں سوز مرض کی گرفت میں تھا، کہ ایک مرد خدا اٹھا۔ وہ کون؟ عمر بن عبد العزیز! اس نے اپنے آپ کو پہچانا، آخرت کے دن کو جانا اور اپنے نفس کو انجانا کر دیا۔ یہ ایسی قوت تھی جس کے بل پر وہ تن تنہا بدی کا سیلاب روکنے اور عالم اسلامی کا رُخ صلاح کی طرف موڑنے میں کامیاب ہوا! —— آج ایسے افراد کہاں ہیں؟ بلکہ ایسے افراد پیدا کرنے والے کہاں ہیں؟ کیا آج کے کالج اور تعلیمی ادارے اس قسم کے افراد پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں! افراد کی ایسی تربیت ایمان کرتا ہے —— یہ نتائج عقیدے اور اخلاق کی قوت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور بس!

پس میری گزارش آپ سے یہی ہے کہ اپنی سیرت کی تعمیر کیجئے —— اپنے دلوں میں ایمان و اخلاق کی پرورش کیجئے —— اللہ اور یوم آخرت پر سچے دل سے ایمان لایئے، اور اسلام کی بہبودی

کو اپنا نصب العین بنائیے! ــــــ آپ سیرت و کردار کی مضبوطی کا وہ مقام پیدا کیجیے کہ اگر ناک کے ملک مسخر ہو جائیں اور مملکتوں کی زمام کار ہاتھ میں آجائے تو حرص و ہوس کا کوئی ادنیٰ دھبہ دامن کو نہ چھو سکے! ــــــ صحابہ کرام کی یہی شان تھی۔ وہ خستہ حال اور تہی دست تھے، تن ڈھکنے اور پیٹ بھرنے کے پورے وسائل بھی انھیں مہیا نہ تھے۔ اس احتیاج کے عالم میں دنیا ان کے قدموں سے آکر لگی، قیصر و کسریٰ کے خزانے اُن کے لیے فرش راہ ہو گئے۔ مگر سیم و زر کی یہ ریل پیل اُن کی وضع نہ بدل سکی۔ ابو عبیدہ اور سعد (رضی اللہ عنہما) کو دیکھئے جیسے تھے ویسے ہی رہے ــــــ حضرت سلمان فارسیؓ کو دیکھئے، عراق کے گورنر بنا کر بھیجے گئے۔ لوگ اپنے گورنر کے استقبال کے لیے نکلے۔ لیکن وہ کیا دیکھتے ہیں؟ کہ بجائے کسی کرّ و فر کے کسی شخص کا کچھ سامان، بحیثیت مزدور کے، سر پر لادے لیے چلے آ رہے ہیں!

## گراوٹ کا سبب

دوستو! دنیا کی یہ گراوٹ اور پستی دراصل اُس وقت سے شروع ہوتی ہے جب سے امتِ محمدیہ میں بگاڑ آگیا اور وہ شیوۂ زندگی ترک ہو گیا جس کی تعلیم مدرسۂ "محمدی" سے ملی تھی۔ ہمیں آج اُسی طرزِ زندگی اور اسی وضعِ قلندرانہ کی ضرورت ہے، اور اس کا سزاوار، ظاہر ہیں آپ جیسے نوجوانوں سے زیادہ کون ہو سکتا ہے، جو اپنے نفس کو تنگیٔ معاش میں ڈالیں اور بے تکلف زندگی اختیار کریں ــــــ افسوس! آج کی عرب اقوام کو عیش و عشرت اور فضول خرچی کا مرض بری طرح لاحق ہو چکا ہے۔ آج ان میں کوئی شخص بغیر کار، کوٹھی اور بڑی آمدنی کے زندگی نہیں گزار سکتا۔ یہ مرض ہمیں لے بیٹھا۔ اور یہی مرض تھا جو رومیوں اور ایرانیوں کے خاتمہ کا باعث ہوا تھا۔ انھیں یہ مرض جس حد تک لاحق ہو گیا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ مدائن پر جب مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور شاہ ایران یزدگرد وہاں سے نکلا تو اس کے ساتھ ایک ہزار باورچی تھے اور اتنے ہی اُس کے باز اور شکروں کی دیکھ بھال کرنے والے۔ مگر اس پر بھی اس کا کہنا یہ تھا کہ ہائے افسوس! میری کیا حالت ہو گئی۔ صرف اتنے سے خدام میں ساتھ لے سکا۔

یہ تھی تعیش و تنعم کی وہ انتہا جس پر ان قوموں کا تمدن پہونچ گیا تھا۔ اور یہی ان کے عبرتناک زوال کا باعث ہوا۔ پچاس ہزار سے کم کی ٹوپی پہننا، اس سوسائٹی میں موجب عار تھا۔ اُمراء ۲۵ ہزار

(باقی ص ۵۴ پر)

# رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کے چند خاص گوشے

(از محمد منظور نعمانی)

[مدیر الفرقان کی ایک تقریر جو گزشتہ سال ایک جلسۂ سیرت میں کی گئی تھی، جس میں مسلمانوں کے علاوہ کچھ تعلیم یافتہ غیر مسلم حضرات بھی شریک تھے۔]

(بعد خطبۂ مسنونہ)

حضرات! پچھلے چند برسوں میں ہمارے ملک میں میلاد النبی اور سیرت النبی کے نام سے اس قسم کے جلسوں کا رواج بہت بڑھ گیا ہے، میں اپنی بات شروع کرنے سے پہلے آپ سب حضرات پر یہ بات واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اس قسم کے جلسوں کی افادیت کا قائل نہیں ہوں بلکہ ان کو اُمت کے زوال و انحطاط کی علامت سمجھتا ہوں، اور یہ کوئی گہرا اور باریک علمی مسئلہ نہیں ہو بلکہ بہت موٹی سی بات ہو جس کو اگر سمجھنا چاہیں تو آپ بھی میری طرح آسانی سے سمجھ سکتے ہیں —— اصل بات یہ ہو کہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں کی اُمتوں کے دو دور ہوتے ہیں۔ ایک وہ جبکہ وہ ان کے راستہ پر چلتی ہیں اور اُن کی تعلیم وہدایت کے مطابق زندگی گزارتی ہیں اس وقت ان کو اس کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ مصنوعی اور بناوٹی طریقوں سے اپنے اُس نبی اور ہادی کے ساتھ اپنی عقیدت اور اپنا تعلق ظاہر کریں کیونکہ اس دور میں ان کا ہر عمل بلکہ ان کا اٹھنا بیٹھنا اور رہنا جاگنا اس تعلق کو ظاہر کرتا ہو۔

دوسرا دور ان اُمتوں اور قوموں کا وہ ہوتا ہو جبکہ یہ اپنے ہادی اور پیغمبر کے طریقہ پر چلنا چھوڑ دیتی ہیں اور اس کی تعلیم وہدایت کے بجائے اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگتی ہیں، مگر اس حالت میں بھی اُس نبی اور ہادی کے ساتھ ان کا اعتقادی اور جذباتی تعلق باقی رہتا ہے، اس دور میں وہ اس کی ضرورت محسوس کرتی ہیں کہ اپنے اس جذباتی و اعتقادی تعلق کا کسی طرح مظاہرہ کریں۔ اس کے لیے سب آسان راستہ ان کے نزدیک یہی ہوتا ہے کہ خاص خاص دنوں میں وہ ان کی یاد منائیں۔

جلسے کریں، اُن کے فضائل و مناقب اور کارنامے بیان کریں اور نظم و نثر میں گویا ان کو خراجِ تحسین ادا کریں

——— آپ سب بھائی میری صاف گوئی معاف کریں، میرے نزدیک ہمارے ان سیرتی اور میلادی جلسوں اور جلوسوں کی اصل حیثیت بس یہی ہے۔

اس وقت ہم مسلمانوں کا حال یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی گزارنے کے بارے میں جو احکام اور قوانین ہمارے لیے لائے تھے، جو قرآن و حدیث میں آج بھی جوں کے توں محفوظ ہیں ان کی پیروی اور پابندی تو ہم کرتے نہیں، یعنی آپ کی بات ماننے اور آپ کی ہدایت پر چلنے کے لیے تو ہم تیار نہیں لیکن آپ کے ساتھ جو جذباتی اور اعتقادی تعلق باقی ہے اس کے مظاہرہ کے لیے ہم نے یہ جلسے اور جلوس ایجاد کر لیے ہیں۔ اس میں تفریح بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے تعلق کا ایک سستا اور دل خوش کن مظاہرہ بھی ہے۔ گویا اس وقت ہم مسلمانوں کی پوزیشن یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفوظ تعلیم اور آپ کی مقدس رُوح ہم کو پکار رہی ہو کہ اے میرا نام لینے والو، مجھ سے تعلق اور محبت کا دعویٰ کرنے والو! ایماندار بنو، اللہ کے عبادت گذار بنو، معاملات میں سچے اور دیانتدار بنو، ہر قسم کے فسق و فجور اور فواحش و منکرات سے بچو، اور پرہیزگار بنو ——— اور ہم مسلمانوں کا جواب اپنے طرزِ عمل اور اپنے حال سے یہ ہو کہ حضور یہ سب تو بہت مشکل ہو، ہاں ہم آپ کے یوم ولادت کا جشن منائیں گے، شاندار جلسے کریں گے، کبھی کبھی میل لمبے جلوس نکالیں گے اور آپ کے پاک نام کے خوب زور زور سے نعرے لگائیں گے اور عیسائیوں، ہندوؤں وغیرہ دنیا کی ساری قوموں کو اس میدان میں مات دیدیں گے ——— میں خوب سمجھتا ہوں کہ میری اس بات پر آپ میں سے بہت سے بھائیوں کو سخت غصہ آیا ہوگا، لیکن خدا کے لیے سوچیے کہ ہماری موجودہ زندگی کے ساتھ ہمارے یہ جلسے اور مظاہرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے صحیح ایمانی تعلق کی نشانی ہیں یا ان کے ذریعہ ہم دنیا کو اور خود اپنے نفسوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔

آپ میں سے جو پڑھے لکھے بھائی اپنی تاریخ کے بارے میں کچھ بھی جانتے ہوں گے وہ اس سے ناواقف نہ ہوں گے کہ جب تک مسلمان اپنی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے پابند تھے، اور سچے مسلمانوں کی طرح آپ کے طریقہ پر چلتے تھے۔ انھوں نے کبھی اس قسم کے شاندار جلسوں اور جلوسوں کی ضرورت نہیں سمجھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا تعلق، اُن کے عمل اور اُن کی زندگی سے

ظاہر ہوتا تھا اور اس وقت دنیا ان کو دیکھ کر اور برت کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھیک ٹھیک پہچانتی تھی، مگر ہم چاہتے ہیں کہ عمل اور زندگی کے بجائے بس زبانی جمع خرچ سے اپنی اسلامیت کا ثبوت دیں اور اسلام کے مجاہدوں میں اپنے نام لکھوائیں۔

میرے محترم بزرگو اور بھائیو! میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ پوری صفائی سے یہ بات آپ کے سامنے کہہ دوں کہ اللہ کے نزدیک اور دنیا والوں کے نزدیک بھی اصل چیز عمل اور زندگی ہے اور ہمارا آپ کا یہ زبانی جمع خرچ، یہ جلسے جلوس، اپنے اندر کوئی قیمت اور کوئی طاقت اور افادیت نہیں رکھتے، اور یہ کسی طرح بھی ہماری گنہگارانہ زندگی کا کفارہ نہیں بن سکتے ——— یہ بھی سراسر دھوکا ہو کہ ان طریقوں سے ہم دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح تعارف کرا سکتے ہیں ——— آپ کے صحیح تعارف کی صورت صرف یہ ہو کہ آپ کے نام لیوا آپ کے طریقہ پر چل کر اور آپ کی تعلیم اور ہدایت کے مطابق ایمانداری اور راستبازی عبادت گزاری اور پاکبازی کی زندگی کا نمونہ بن کر دنیا کے سامنے آئیں اور دکھائیں کہ ہمارے ہادی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس پاک اور حسین زندگی کا پیغام لے کر آئے تھے ——— میرے بھائیو! عمل اور زندگی کے بغیر زبان اور قلم کی ہماری ساری اشتہار بازی اور سارے یہ مظاہرے بالکل بے اثر ہیں۔

میری یہ بات آپ میں سے بہت سوں کو یقیناً ناگوار بھی ہوئی ہوگی، لیکن میں اس پر کسی معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتا، میں نے خوب سوچ سمجھ کر اور اپنی ذمہ داری محسوس کر کے یہ بات کہی ہو، اگر میں یہ بات نہ کہتا تو خیانت کا مجرم ہوتا ——— خدا کرے آپ حضرات میری اس بات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔

اب میں اس موضوع پر کچھ کہنا چاہتا ہوں جو دراصل آپ کے اس جلسہ کا موضوع ہے اور جس پر سننے کے آپ منتظر ہوں گے۔

---

اس وقت کے مجمع کی خاص نوعیت کے لحاظ سے میں یہ زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح پر کوئی مسلسل اور مرتب تقریر کرنے کے بجائے آپ کی تعلیم اور زندگی کے بعض خاص اور اہم شعبوں سے متعلق کچھ متفرق باتیں عرض کر دوں، گویا اس وقت کی میری تقریر کی حیثیت ایک مسلسل اور مرتب مضمون کی نہیں ہوگی بلکہ "شذرات" کی سی ہوگی ——— مجھے امید ہو کہ اگر آپ حضرات

میری ان باتوں کو غور سے سنیں گے تو اُن سے فائدہ اُٹھا سکیں گے۔

---

حضرات! کسی نبی اور ہادی کی زندگی میں سب سے اہم چیز اس کی تعلیم اور ہدایت ہوتی ہے، اس لیے میں سب سے پہلے آپ کی تعلیم اور ہدایت ہی کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔

آپ کی تعلیم کو اصولی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جس کا تعلق اللہ سے یعنی ہمارے آپ کے خالق سے ہے اور دوسرا وہ جس کا تعلق اللہ کے بندوں اور اس کی عام مخلوق سے ہے۔

حضرات! اللہ تعالیٰ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اللہ کے دوسرے نبیوں رسولوں نے جو کچھ دنیا کو بتلایا ہے اس میں توحید کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے، اور جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کا تعلق انسان کی زندگی سے بہت گہرا ہے، اس لیے میں سب سے پہلے اس مسئلہ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے بارہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اتنی بات تو غالباً آپ سب ہی حضرات جانتے ہوں گے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی تعلیم یہ کہہ کر ختم نہیں کر دی کہ خدا ایک ہے یا اس کائنات کا پیدا کرنے والا بس ایک ہے، بلکہ آپ نے بتایا کہ سب کا پالنے والا اور سب کے لیے روزی اور زندگی کی دوسری ضروریات مہیا کرنے والا بھی وہی ایک ہے۔ ہر ایک کا اور ہر قسم کا بناؤ بگاڑ، نفع نقصان، تندرستی اور بیماری، موت اور حیات سب اسی کے قبضہ میں ہے، اس کے سوا کسی کے قبضہ و اختیار میں کچھ نہیں ہے، سب اس کے محتاج ہیں اور صرف وہی ایک ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں ہے کائنات کے اس سارے کارخانے کو وہ اکیلا ہی چلا رہا ہے، زمین و آسمان پر صرف اسی کی فرمانروائی ہے اور صرف اسی کا حکم چلتا ہے، وہ اپنی ذات میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے اپنی صفات میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے، اپنے افعال میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے، لہٰذا عبادت اور بندگی بھی صرف اُسی کا حق ہے اور جو لوگ عبادت اور بندگی میں یا اس کی صفات اور اس کے افعال میں کسی اور کی بھی شرکت مانتے ہیں وہ بڑے ظالم اور بڑے پاپی ہیں، اسی طرح جو لوگ اس کے در کو چھوڑ کے کسی اور در کے بھکاری بنتے ہیں اور اپنی حاجتوں اور ضرورتوں میں کسی اور سے دُعائیں کرتے ہیں وہ بڑے گمراہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم اتنی مشہور و معروف ہے کہ مسلمان تو مسلمان میرا خیال ہے کہ جن غیر مسلم حضرات کو آپ کی تعلیم کے بارے میں کچھ بھی واقفیت ہے وہ بھی اتنی بات ضرور جانتے ہوں گے کہ آپ نے

خدا کی توحید کے بارے میں یہ سب کچھ بتایا ہو۔ اس لیے میں اس سلسلہ میں کچھ زیادہ تفصیل سے عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا، ہاں مسئلہ توحید کے ایک خاص گوشہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کو آپ غور اور توجہ سے سنیں۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہو کہ پیغمبروں کی امتوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ ہوتا ہو کہ وہ اپنے پیغمبر ہی کے بارہ میں غلو میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو جائیں۔ اور اس کو خدائی اختیارات کا مالک اور خداوندی صفات میں شریک ماننے لگیں۔ میرے نزدیک یہ بات تو عقل سے بہت بعید ہو کہ ذرا سی بھی سمجھ بوجھ رکھنے والا کوئی آدمی پتھر کے بتوں کو یا زمین سے اُگنے والے درختوں یا زمین میں بہنے والے دریاؤں کو پوجنے لگے یا گائے بیل، بندر، لنگور جیسے کسی جانور کی پرستش کرنے لگے۔ لیکن یہ بات کچھ زیادہ مستبعد نہیں ہو کہ اللہ کے کسی پیغمبر کے معجزات اور اس کے دوسرے محیر العقول کمالات دیکھ کر اس کے امتی اس پیغمبر ہی کے بارہ میں گمراہ ہو جائیں، اور اسکو خدا کی صفات میں شریک اور خدائی اختیارات کا مالک سمجھنے لگیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ——— ہمارے ہادیٔ برحق اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطرہ کی بندش کے لیے جو کچھ فرمایا، اور جو کچھ کیا اور اپنے بندہ ہونے کو جس جس طرح سے ظاہر کیا میرے نزدیک توحید کے سلسلہ میں وہ ایسی خاص الخاص چیز ہے جس کا حق ہے کہ اس کو جانا جائے، اس کو یاد رکھا جائے، اس پر غور کیا جائے اور اس سے آپ کی صداقت اور آپکے کمال کو سمجھا جائے ——— میں اس صحبت میں اسی سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات آپ حضرات کو سنانا چاہتا ہوں۔

ہمارے جو غیر مسلم بھائی اس وقت تشریف فرما ہیں میں ان سے گذارش کروں گا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے اس گوشہ پر خاص طور سے غور فرمائیں!

ایک موقع پر ارشاد فرمایا اور امت کو تنبیہ کی

"لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ اِنَّمَا اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

(یعنی جس طرح حضرت عیسیٰ کی امت نے ان کو حد سے بڑھا کر خدا کا بیٹا اور خدائی کا شریک بنایا، تم اس طرح مجھے حد سے نہ بڑھانا، میری حیثیت بس یہ ہو کہ میں اللہ کا بندہ اور اُس کا پیغمبر ہوں لہذا مجھے بندہ اور پیغمبر ہی کہو اور بندہ اور پیغمبر ہی کہو۔)

ایک دفعہ آپ کے سامنے آپ کے ایک صحابی کی زبان سے نکلا کہ "اگر اللہ نے چاہا اور آپ نے چاہا تو یہ کام ہو جائے گا۔" آپ نے برہم ہو کر اُن صحابی سے فرمایا۔

"جَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا قُلْ مَاشَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ"

(یعنی تم نے مجھے خدا کے برابر کر دیا، یوں کہو جو تنہا خدا چاہے گا وہ ہوگا) ۔۔۔ گویا آپ نے ان صحابی کو بتایا کہ اس کائنات پر میری فرمانروائی نہیں ہو کہ جو میں چاہوں وہ ہو جائے، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی فرمانروائی ہو۔ اور صرف اسی کی یہ شان ہو کہ جو وہ چاہے اور جس چیز کا حکم دے وہ ہو جائے۔

"اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ o"

اس سلسلہ میں ایک واقعہ خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادہ تھے جن کا نام آپ نے ابراہیم رکھا تھا، قریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں اُن کا انتقال ہو گیا، اتفاق سے اُسی دن سورج کو گہن لگا، آپ کو خیال ہوا کہ شاید کسی کو یہ غلط فہمی ہو کہ میرے گھر کی اس غمی اور اس حادثہ کی وجہ سے یہ گہن لگا ہو، آپ نے فوراً اعلان کے ذریعہ لوگوں کو مسجد میں جمع کرایا اُن کے سامنے خطبہ دیا جس کے یہ الفاظ آج تک حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں، حمد و صلوٰۃ کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا ۔۔۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ لَا یَنْکَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَیَاتِہٖ فَاِذَا رَاَیْتُمْ ذٰلِکَ فَافْزَعُوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ۔" (یعنی آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ چاند سورج اللہ کی مخلوق اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کے مرنے جینے سے ان کو گہن نہیں لگتا اور ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لہٰذا جب کبھی تم دیکھو کہ ان کو گہن لگا تو سمجھو کہ اللہ کے حکم اور اس کی قدرت سے ایسا ہوا اور جلدی سے اس کی عبادت اور نماز میں لگ جاؤ اور اس کے قہر و غضب سے پناہ مانگو۔)

اس واقعہ سے اس بات کا پورا پورا اندازہ کیا جا سکتا ہو کہ آپ کو اپنے بارہ میں غلو کی گمراہی کی کتنی فکر تھی اور آپ نے اس خطرہ کی کیسی پیش بندی کی ہو اور توحید کو کس قدر مستحکم اور محفوظ کیا ہو۔

ایک آخری بات اس سلسلہ کی اور سنیے!

جب آپ آخری مرض میں مبتلا ہوئے اور اس دُنیا سے رخصتی کا وقت قریب آیا تو آپ کو اس کی فکر اور زیادہ ہوئی، چنانچہ انھیں دنوں میں آپ نے گمراہ ہو جانے والی بعض اگلی امتوں کا ذکر کیا اور

فرمایا کہ ان اُمتوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا، اور اس مشرکانہ عمل کی وجہ سے ان پر خدا کی لعنت ہوئی، خبردار خبردار تم ہرگز ایسا نہ کرنا ـــــ اسی کے ساتھ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ (اے میرے اللہ ایسا نہ ہو کہ دنیا سے میرے جانے کے بعد میری قبر بُت بنالی جائے اور اس کی پوجا کی جائے۔)

ایک طرف تو آپ نے اُمت کو شرک کے اس خاص خطرہ سے بچانے کے لیے یہ واضح ہدایتیں دیں ـــــ اور دوسری طرف اپنے طرزِ عمل سے بھی انھیں یہ بتایا اور سکھایا کہ معبود اور مالک اور فرمانروا، اور کارساز صرف اللہ ہی ہو اور میں بھی اس کا ایک محتاج بندہ ہوں اور اپنی ضرورتیں اُسی سے مانگتا ہوں، اور اُس کے در کا ایک بھکاری ہوں، صحابۂ کرام خود ہی اس کے راوی ہیں کہ جب کوئی اہم پیش آتی اور کوئی فکر آپ کو ہوتی تو آپ دعا اور نماز میں مشغول ہو جاتے اللہ کے حضور میں سر رکھ کے پڑ جاتے، حضور کی جو سیکڑوں دعائیں حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں اُن میں سے ہر دعا آپ کی عبدیت اور بندگی کا ایسا مظاہرہ اور ایسا اعلانیہ ہو جس کے بعد کسی شخص کے لیے اس بارے میں کسی اشتباہ، کسی غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

آپ کی ایک دُعا کے تمہیدی الفاظ سُنیے!

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ اَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الخ (اے میرے اللہ میں آپ کا ایک بندہ ہوں، میرا باپ بھی آپ کا بندہ تھا، میری ماں بھی آپ کی ایک بندی تھی (یعنی میں پشتینی بندہ ہوں، غلام ابن غلام ہوں) میری پیشانی آپ کے قبضہ میں ہو (یعنی میں بالکل آپ کے بس میں ہوں اور آپ کا تابع فرمان ہوں) آپ کا جو حکم میرے بارہ میں ہوگا وہ نافذ ہوگا، آپ کا جو بھی فیصلہ میرے لیے ہوگا وہ سراسر انصاف ہوگا، میں آپ سے آپ کے ہی پاک نام پر یہ مانگتا ہوں)

بعض صحابۂ کرام نے آپ کے آخری حج کی عرفات کے میدان کی ایک دُعا نقل کی ہو جو حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہو سُنیے! اس میں آپ کے الفاظ ہیں۔

- اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِيْ وَتَرٰى مَكَانِيْ وَتَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ — اے میرے اللہ تو میری بات سنتا ہو اور میرا مقام تیری نگاہ میں ہے اور میرے

وَلَا يَخْفٰى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِّنْ اَمْرِيْ
وَاَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ
الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِيْ
اَسْاَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمِسْكِيْنِ وَاَبْتَهِلُ
اِلَيْكَ اِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ
وَاَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ
وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهٗ وَ
فَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهٗ
وَرَغِمَ لَكَ اَنْفُهٗ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِيْ
بِدُعَائِكَ شَقِيًّا وَّكُنْ لِيْ رَءُوْفًا
رَّحِيْمًا يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَيَا خَيْرَ
الْمُعْطِيْنَ ۝

ظاہر و باطن کا تجھ کو پورا علم ہے اور میری
کوئی بات بھی تجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے
اور میں ایک دُکھی فقیر ہوں، فریادی ہوں
پناہ کا متلاشی ہوں، لرزاں و ترساں ہوں
اپنے قصور کا اقراری ہیں آپ سے ایک
عاجز مسکین کی طرح بھیک مانگتا ہوں اور
ایک ذلیل خطاکار کی طرح گڑگڑاتا ہوں، اور
ایک خوف زدہ دُکھیارے کی طرح آپ سے دُعا
کرتا ہوں اور اس بندہ کی طرح دعا کرتا ہوں
جس کی گردن آپ کے سامنے جھکی ہو، جس کے
آنسو آپ کے حضور میں بہہ رہے ہوں اور
آپ کے لیے وہ فروتنی کر رہا ہو اور ناک
رگڑ رہا ہو ـــــ اے میرے اللہ مجھے ایسا نہ کر کہ میں آپ سے دُعا کر کے بے نصیب رہوں،
مجھ پر مہربانی فرما، رحمت فرما، اے سب سے اچھے مسئول اے سب سے اچھے داتا!

حضرات! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس توحید کا دنیا کو پیغام دیا اور شرک کے راستوں کو جس طرح بند کیا اس کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے بس آپ کی یہ دُعائیں اور آپ کے وہ ارشادات کافی ہیں جو ابھی میں نے آپ کے سامنے ذکر کیے۔ یہ تو آپ کی اس تعلیم کا ایک نمونہ ہوا جو آپ نے اللہ تعالیٰ کے متعلق دی ہے ـــ اس کے بعد صرف نمونے ہی کے طور پر آپ کے بعض وہ ارشادات بھی سُن لیجیے جن میں آپ نے بندوں کے اور مخلوق کے حقوق کے بارہ میں اُمّت کو ہدایات دی ہیں۔

آپ نے ماں باپ، اولاد، بہن بھائی اور عزیزوں قریبوں کے متعلق حسنِ سلوک، اور ادائے حقوق کی جو سخت تاکیدیں فرمائی ہیں میں اس وقت ان کا ذکر نہیں کرتا، بلکہ اللہ کی عام مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور اُن کے حقوق کی ادائیگی کے بارہ میں آپ کے چند ارشادات سُناتا ہوں ـــــ ایک حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا۔

"الخلق کلهم عیال الله فاحب الناس الی الله انفعهم لعیاله
اوکما قال صلی الله علیه وسلم ۔

(یعنی ساری مخلوق اللہ کی عیال اور اُس کا کنبہ ہے، اس لیے اللہ کو اپنے بندوں میں
وہ بندہ زیادہ پیارا ہے جو اس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہونچائے۔)

ایک اور حدیث میں ہے، آپ نے اپنے اُمتیوں کو ہدایت فرمائی۔

"ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" (یعنی تم زمین میں بسنے والی اللہ
کی مخلوق پر رحم کرو، آسمان والا شہنشاہ تم پر رحمت کرے گا)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ "من لا یرحم لا یرحم" (یعنی جو دوسرے پر رحم
نہیں کھائے گا وہ خدا کی رحمت سے محروم رہے گا) بعض حدیثوں میں آپ نے خاص طور سے کمزور اور پسماندہ
طبقوں کی خبر گیری اور خدمت کی ہدایت و تلقین فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ "الساعی علی
الارملة والمسکین کالمجاهد فی سبیل الله" (یعنی کسی حاجت مند، مسکین اور کسی بیچاری بے سہارا
اور لاوارث عورت کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ اجر و ثواب میں خدا کی راہ میں جہاد کرنے
والے بندہ کے برابر ہے۔

ایسے ہی یتیموں کی کفالت اور پرورش کی ترغیب دیتے ہوئے آپ نے ایک موقع پر فرمایا "انا و
کافل الیتیم فی الجنة کهاتین اوکما قال صلی الله علیه وسلم ۔ (یعنی کسی یتیم بچہ کو اپنے سایۂ
عاطفت میں لے کر اس کی کفالت اور پرورش کرنے والا بندہ جنت میں بالکل میرے ساتھ ہوگا)

اور یہ تو عام مخلوق اور خاص طور سے کمزور طبقوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ہمدردی کے بارہ میں
آپ کی تعلیم تھی، اس سے آگے سنیئے کہ آپ نے ستانے والوں اور دشمنی کرنے والوں کے لیے بھی یہ تعلیم دی،
کہ ان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کیا جائے، ارشاد فرمایا۔ صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَ
اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَيْكَ" (یعنی جو شخص تم سے تعلق توڑے (یا قطع رحمی کرے) تم اُس سے بھی
جوڑنے کی کوشش کرو جو تم پر ظلم و زیادتی کرے تم اس کو معاف کردو، جو تمھارے ساتھ برائی کرے تم
اُس کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو اور اس کی بدی کا بدلہ نیکی سے دو)

آپ نے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب اللہ قرآن پاک نے دنیا کو بتایا کہ بڑے سے بڑے

دشمن کے ساتھ بھی انصاف ہی کیا جائے، بے انصافی اور ظلم و زیادتی جان و ایمان کے دشمنوں کے ساتھ بھی جائز نہیں۔ "وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ" (کسی قوم کی دشمنی تم سے کوئی بے انصافی نہ کرا دے، سب کے ساتھ انصاف کرو، یہ پرہیزگاری کا قریبی تقاضہ ہے)۔

---

حضرات! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو چند ارشادات اس وقت ذکر کیے ہیں اُن کو آپ کی اس تعلیم و ہدایت کا صرف نمونہ کہا جا سکتا ہے جو آپ نے اللہ کے بندوں اور اس کی عام مخلوق کے ساتھ تعلق اور سلوک کے بارہ میں اپنی اُمّت کو دی ہے، میں وقت کی تنگی کی وجہ سے اس سلسلہ میں اس وقت بس اتنے ہی پر اکتفا کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ حضرات اسی سے آپ کی تعلیم کے اس شعبہ کے متعلق ایک عام اندازہ کر سکیں گے ـــــ اب میں ایک دوسرے موضوع پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے شروع میں آپ حضرات سے عرض کیا تھا کہ اس وقت آپ کے سامنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و سیرت کے چند متفرق گوشوں کے بارے میں کچھ عرض کروں گا، اور میری اس وقت کی گفتگو کی حیثیت مجلسی شذرات کی سی ہوگی، اب تک میں نے آپ کی تعلیم کے دو گوشوں کے بارہ میں کچھ عرض کیا ہے، (ایک خدا کی توحید اور دوسرے اس کی عام مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک)

اب میں آپ کی سیرت کے بھی ایک خاص گوشہ پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانتداری، راستبازی، حسنِ اخلاق، رحمدلی، تحمل، و بردباری، غریبوں اور بیکسوں کی خدمت اعانت اور شجاعت اور شفقت یہ سب آپ کی زندگی کے وہ پہلو ہیں جن کا اقرار آپ کے دشمنوں کو بھی ہے، اور جس شخص کو آپ کے حالاتِ زندگی سے ذرا سی بھی واقفیت ہے وہ ان سب باتوں کو خوب جانتا ہے اس لیے میں آپ کی زندگی کے ان پہلوؤں کے بارہ میں کچھ عرض نہیں کروں گا، اس وقت آپ کی سیرت کے جس گوشہ کے بارہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ آپ نے اس دُنیا سے یعنی دُنیا کی دولت اور اس کی لذتوں اور راحتوں سے کتنا حصہ لیا اور آیا نبوت کی وجہ سے آپ نے دُنیا میں کوئی آرام اُٹھایا، عیش کیا، یا مصیبتیں جھیلیں اور تکلیفیں اُٹھائیں ـــــ اور جب آپ کو حکومتی اقتدار حاصل ہوا تو آپ نے حکومت کس طریقہ پر کی اور اس حکومت سے آپ نے اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے

کمایا اور کتنا فائدہ اُٹھایا؟۔

آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ نبوت کے بعد تیرہ سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی وطن مکہ میں رہے، یہ بھی آپ کو معلوم ہوگا کہ دعوئ نبوت کے بعد آپ کی قوم آپ کی سخت مخالف بلکہ آپ کی جانی دشمن ہوگئی تھی۔ آپ کو طرح طرح سے ستایا گیا اور ہر ممکن طریقہ سے آپ کو تنگ کیا گیا، آپ کا اور آپ کے گھر والوں کا بائی کاٹ بھی کیا گیا، کھانے پینے کی چیزوں کی بندش بھی کی گئی، الغرض مکہ کا یہ پورا زمانہ آپ کی انتہائی مظلومی اور بظاہر بے بسی کا زمانہ تھا، اس کے بعد جب آپ گھر بار چھوڑ کر مکہ سے نکل جانے پر مجبور ہوئے اور مدینہ ہجرت فرمائی تو ابتداء میں یہاں بھی کئی سال تک تنگی اور کمزوری ہی کا دور دورہ رہا، اور معاشی خوشحالی اور ترقی کی راہیں نہیں کھلیں۔ بہر حال نبوت کے بعد قریباً ۱۵-۲۰ سال تک حالات کچھ ایسے ہی رہے کہ دنیا کے عیش و آرام کا بظاہر کوئی امکان بھی نہ تھا ——— لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس کے بعد حالات بدل گئے، عرب کا خاصا وسیع رقبہ آپ کے زیر اقتدار آگیا، ملکی فتوحات سے اور دوسری راہوں سے دولت کے ڈھیر کے ڈھیر آنے لگے، لیکن اس کے بعد بھی آپ کے طرز زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا، وہی غریبانہ اور فقیرانہ زندگی اس دور میں بھی رہی جو کہ پہلے دور میں تھی۔ آپ کے خادم خاص ابوہریرہ جو آپ کی زندگی کے انھیں آخری چار سالوں میں آپ کے ساتھ رہے ہیں جو فتوحات کے سال ہیں، اور جب آپ کو حکومتی اقتدار بھی حاصل ہوگیا ہو، وہ بیان فرماتے ہیں کہ "توفی عنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یشبع من خبز الشعیر" کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور کبھی جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کے آپ نے نہیں کھائی۔

اسی طرح آپ کی رفیقۂ حیات اور محرم راز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہو جو حدیث کی مستند کتابوں میں محفوظ ہے۔

| | |
|---|---|
| واللہ ما شبع آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم مذ یومین متتابعین من خبز الشعیر۔ | خدا کی قسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گھر والوں نے کبھی دو دن متواتر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ |

ایک اور موقع پر انہی حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے بھانجے حضرت عروہ سے بیان کیا کہ ——— کبھی کبھی

ایسا ہوتا تھا کہ ہم لگاتار تین تین چاند دیکھ لیتے تھے (یعنی دو دو مہینے گزر جاتے تھے) اور ہمارے گھروں میں چولھا گرم ہونے کی نوبت نہیں آتی تھی ــــــ انھوں نے حیرت سے پوچھا کہ خالہ جان! پھر آپ لوگ زندہ کس چیز سے رہتے تھے، انھوں نے کہا کہ بس پانی اور کھجور کے دانوں پر زندگی کے دن کٹتے تھے۔

حد یہ ہے کہ جو رات آپ کی زندگی کی آخری رات تھی اس رات میں بھی چراغ جلانے کے لیے تیل پڑوس کے گھر سے لینا پڑا تھا، اور آپ کی زرہ اس وقت ایک یہودی کے یہاں گروی رکھی تھی جس سے آپ نے کچھ جو قرض منگوائے تھے۔

یہ غریبی اور معیشت کی یہ تنگی اس وقت تھی جبکہ آپ عرب کے بڑے حصے کے فرمانروا بھی ہو چکے تھے اور غنیمت اور خمس اور جزیہ وغیرہ مختلف مدوں سے ہزاروں لاکھوں روپیہ آنے لگا تھا، اور خود آپ اپنے ہاتھ سے اس کو تقسیم فرماتے تھے۔

اس سلسلہ میں آپ کی زندگی کا ایک واقعہ خاص طور سے قابل ذکر ہے جس کو قرآن مجید میں بھی محفوظ کر دیا گیا ہے ــــــ واقعہ یہ ہے کہ جب عرب کے ایک حصہ پر آپ کا حکومتی اقتدار بھی قائم ہو گیا اور مختلف علاقوں میں پیدا ہونے والی چیزیں مدینۂ طیبہ میں سرکاری طور پر درآمد ہونے لگیں اور خوشحالی والی زندگی گزارنے کے سامان اطراف واکناف سے کھنچ کھنچ کے آنے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات یعنی آپ کی گھر والیوں نے باہم مشورہ کر کے آپ سے درخواست کی کہ اب پہلی سی مجبوری نہیں رہی ہے، اللہ کا فضل ہے۔ اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں کہ گھر کے گزارہ میں بھی اب کچھ آسانی کی صورت ہو جائے، کم سے کم صرف اتنا ہو جائے کہ ایک فصل پر گھر کے خرچ کے لیے اتنا محفوظ کر دیا جایا کرے جو دوسری فصل تک گزارہ کے لیے کافی ہو جایا کرے۔ تاکہ آئے دن مہمانوں کے آنے جانے پر یا ایسی ہی کوئی ضرورت پڑ جانے پر پڑوسیوں کے گھروں سے جو قرض ادھار منگانا پڑ جاتا ہے، یہ صورت نہ رہے اور روزمرہ کی ضرورتیں آسانی سے پوری ہوتی رہیں۔

ــــــ آپ کی ان پاک بیویوں نے نہ تو اپنے لیے زیورات کی فرمائش کی تھی نہ قیمتی کپڑوں کی بس گھر میں اتنا محفوظ کرنے کی درخواست کی تھی جس سے دال روٹی کا مسئلہ آسان ہو جائے اور آئے دن قرض مانگنے کی ضرورت نہ پڑے ــــــ پھر آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کیا جواب دیا؟ــ آپ نے اس درخواست کو اپنی گھر والیوں کا اتنا بڑا قصور قرار دیا کہ ان سے بات کرنی بھی چھوڑ دی اور سب سے الگ تنہا ایک حجرہ میں رہنے لگے ــــــ (کوئی محبوب شوہر سب سے بڑی سزا اپنی بیویوں کو یہی دے سکتا ہے)

پورا ایک مہینہ گزر گیا، پھر اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی اور آپ کو حکم ہوا کہ اپنی بیویوں سے اس معاملہ میں آپ صاف بات کریں، اور اُن سے کہیں کہ اگر تم میرے گھر کے اس فقر و فاقہ کو اب برداشت نہیں کر سکتیں اور دنیا کا عیش و آرام اور یہاں کی آسائش و زیبائش تم کو مطلوب ہو تو میں تم کو آزادی دے سکتا ہوں، اور اگر تمہیں اللہ کی رضا اور اللہ کے رسول کی رفاقت اور آخرت کا عیش و آرام مطلوب ہے تو پھر اسی حال میں میرے ساتھ رہو، اور آخرت کے اس اجر و ثواب پر نظر رکھو جو اللہ تعالیٰ نے نیک بیویوں کے لیے تیار کیا ہو ۔۔۔ (قرآن مجید کے الفاظ اس موقع پر یہ ہیں۔) اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے سامنے اسی طرح یہ دونوں باتیں رکھیں اور ان سے کہا کہ تم ان دونوں میں سے کسی ایک کا اپنے لیے فیصلہ کر لو، اگر دُنیا کا عیش و آرام چاہتی ہو تو خوشی سے آزادی لے لو، میرے گھر میں دنیا کا عیش نہیں مل سکے گا، اور اگر جُدائی پر راضی نہیں ہو بلکہ میرے ساتھ ہی رہنا چاہتی ہو تو پھر دنیا کا اور اس کے عیش و آرام کا خیال چھوڑ دو اور جس طرح فقر و فاقہ کی زندگی گزر رہی ہو، ہمیشہ کے لیے اپنے کو اس پر تیار کر لو، ۔۔۔۔ چنانچہ اللہ کی وہ نیک بندیاں اپنی اس درخواست پر نادم ہوئیں اور انھوں نے عرض کیا کہ ہماری توبہ! ہم تو ہر حال میں آپ ہی کے قدموں میں رہیں گے۔

حضرات! بس یہی ایک واقعہ اس بات کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا سے کتنا حصہ لیا اور آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے حکومت سے کتنا نفع اُٹھایا ۔۔۔ اور سنیے۔

آپ کی اولاد میں سے اس آخری زمانہ میں ایک صاحبزادی صرف حضرت فاطمہ رہ گئی تھیں جو قدرتی طور پر آپ کو بہت عزیز اور بہت پیاری تھیں، اُن کا حال یہ تھا کہ آٹا خود پیستی تھیں جس سے اُن کی ہتھیلیوں میں گٹے پڑ گئے تھے، پانی مشکیزہ بھر کے کنوئیں سے خود لاتی تھیں جسکی وجہ سے گردن کے پاس نیلے نشان ہو گئے تھے، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے کچھ غلام اور کچھ کنیزیں آئیں جنھیں آپ کو کام کاج کرنے کے لیے مختلف گھرانوں میں تقسیم ہی کرنا تھا، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو انھوں نے بھی استدعا کی کہ گھر کے کاموں میں اُن کی مدد کے لیے اُن کو بھی ان میں سے کوئی دے دیا جائے، لیکن آپ نے ایک ایک کر کے وہ سب دوسرے لوگوں کو دے دیئے اور چہیتی صاحبزادی سے

فرمایا، پیاری بیٹی میں تم کو خادم سے اچھی چیز بتاتا ہوں اور وہ یہ ہو کہ رات کو سونے سے پہلے اللہ کو اس طرح یاد کر لیا کرو کہ ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کہہ لیا کرو، یہ تمھارے لیے غلام اور کنیز سے بہتر ہے، بیٹی نے پوری خوشدلی کے ساتھ اس کو منظور کر لیا۔ اور اسی طرح محنت و مشقت کی زندگی گزارتی رہیں۔

اور سنیے! ساری دُنیا کا مسلمہ قانون ہے اور اسلام کا بھی عام قانون ہے کہ مرنے والا جو کچھ چھوڑے وہ حصہ رسدی اس کی اولاد کا یا دوسرے اہلِ خاندان کا اور گھر والوں کا ہوتا ہو — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اگرچہ فقر و فاقہ کی تھی، لیکن قانونی طور پر کچھ جائداد آپ کی ملکیت میں تھی، جس کی آمدنی آپ مختلف مدوں میں صرف فرما دیتے تھے، لیکن دُنیا سے جاتے وقت اس کے بارہ میں بھی آپ فرما گئے، کہ میری یہ جائداد اور جو کچھ بھی میں ترکہ چھوڑوں وہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، میرے وارثوں کا اور میرے گھر والوں کا اس میں حق نہیں ہے (مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ)۔

اور سُنیئے! اسلامی حکومت کی آمدنی کی سب سے بڑی مد زکوٰۃ ہے۔ ہر مسلمان کو اپنے سرمایہ کا پورا چالیسواں حصہ ہر سال اس میں دینا پڑتا ہو، زکوٰۃ کی اس مد سے ہر ضرورت مند مسلمان فائدہ اُٹھا سکتا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد اور اپنے خاندان والوں کو اس فائدہ سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا، اور اعلان فرما دیا کہ میرے خاندان والوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں — اب اسلامی شریعت کا قانون یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والے اگر پیسے والے ہوں تو اُن سے زکوٰۃ وصول تو کی جائے گی لیکن اگر وہ مفلس اور نادار ہوں تو زکوٰۃ سے اُن کی مدد نہیں کی جائے گی اور آج تک اس قانون پر عمل ہو رہا ہے۔

حضرات! دُنیا میں آپ سے پہلے بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر آئے، ان کی پیغمبری پر ہمارا ایمان ہو بڑے بڑے رشی اور منی پیدا ہوئے جن کا نام عزت و احترام سے لیا جاتا ہو، لیکن ایمان دھرم سے بتائیے اور خدا لگتی کہئے کہ کسی نے بھی یہ نمونہ چھوڑا ہے ؎

آفاقہا گردیدہ اَم ، مہرِ بتاں ورزیدہ اَم
بسیار خوباں دیدہ اَم ، لیکن تو چیزے دیگری

پھر آپ کے اسی نمونہ اور اسی تعلیم نے ابوبکر و عمر جیسے حکمراں پیدا کیے، یہ اپنے زمانہ کی

وسیع اور مضبوط ترین حکومت کے پورے بااختیار فرمانروا تھے، خاص کر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تو اس وقت کی سب سے بڑی دو شہنشاہیوں (رومی حکومت اور ایرانی حکومت) کے علاقے بھی ان کے زیر اقتدار آگئے تھے اور وہ اپنے دور کے سب سے بڑے طاقتور فرمانروا تھے، لیکن تاریخ گواہ ہو کہ انھوں نے بالکل فقیروں اور مسکینوں کی سی زندگی گزاری، اور حکومت سے نہ اپنی ذات کے لیے کوئی فائدہ اٹھایا اور نہ اپنی اولاد اور اپنے خاندان والوں کو نفع اُٹھانے کا کوئی موقع دیا۔

شاید آپ میں سے بہت سوں کو گاندھی جی کی یہ بات یاد ہو کہ ۳۶ئہ کے جنرل الکشن کے بعد جب پہلی دفعہ سات صوبوں میں کانگریسی حکومتیں قائم ہوئیں تو انھوں نے اپنے اخبار ہریجن میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں وزارتوں کو نصیحت کی تھی کہ وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کو بطور نمونہ کے اپنے سامنے رکھیں اور صاف لفظوں میں کہا تھا کہ میں نے یہ دو نام اس لیے لکھے ہیں کہ مجھے تاریخ میں ان دو کے سوا کوئی حکمراں ایسا نہیں ملا جس نے خود فقیر رہ کر ایسی حکومت کی ہو۔

بلاشبہ گاندھی جی نے یہ بات بالکل صحیح کہی تھی، لیکن گاندھی جی بھی جانتے تھے اور آپ سب حضرات بھی جانتے ہوں گے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ میں یہ بات اُن کے اور ہمارے ہادیٔ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم و تربیت سے آئی تھی۔

اگر ہمارے ارباب حکومت گاندھی جی کی اس نصیحت پر صرف پانچ فیصدی بھی عمل کرتے تو میں خدا کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت ہمارا یہ ملک ساری دنیا کی حکومتوں کے لیے ایک مثال ہوتا، اور سارے مشرق اور مغرب کی رہنمائی کرتا ـــــ

خیر! یہ بات تو اس وقت یوں ہی زبان پر آگئی ورنہ مجھے آخری بات آپ حضرات سے یہ کہنی تھی، کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور سیرت کے متعلق جو کچھ میں نے اس وقت عرض کیا ہو یہ بلا مبالغہ سمندر میں ایک قطرہ ہو اور ایک گھنٹہ کی تقریر میں اس سے زیادہ کہا بھی نہیں جا سکتا ـــــ اب آپ سب حضرات سے میری مخلصانہ درخواست ہو کہ جلسوں کی اس قسم کی تقریروں ہی پر آپ قناعت نہ کریں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور سیرت سے واقفیت حاصل کرنے کو زندگی کا ایک ضروری کام سمجھیں، انشاء اللہ اس سے آپ کو وہ روشنی حاصل ہوگی جس سے آپ زندگی کے اس سفر میں اور دُنیا کے اُلجھے ہوئے مسئلوں میں بہت کچھ روشنی حاصل کر سکیں گے، آفتاب کے ہوتے ہوئے اُس سے فائدہ نہ اٹھانا خود اپنے پر بہت بڑا ظلم ہو۔ آپ کے ملک کی

عام چالو زبان اُردو میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور تعلیم پر کافی لٹریچر موجود ہے، اور تھوڑا بہت تو دوسری ملکی زبانوں میں بھی مل جاتا ہے۔

میرے دوستو اور بھائیو! اللہ کے پیغمبروں اور دُنیا کے روحانی ہادیوں میں صرف آپ کی ایک شخصیت ایسی ہے کہ آپ کی زندگی کے چھوٹے بڑے واقعات اور آپ کی تعلیم کو اتنی تفصیل سے اور ایسے مستند طریقہ سے تاریخ میں محفوظ کیا گیا ہو اور ایسا ریکارڈ کیا گیا کہ میرے اور آپ کے لیے آج یہ بالکل ممکن ہے کہ ہم بالکل اس طرح آپ کی زندگی کا مطالعہ کریں جس طرح آپ کے پڑوسیوں اور آپ کے سنگ ساتھ والوں نے آپ کی زندگی میں کیا تھا۔

میں اس وقت بغیر کسی پردہ کے صاف کہنا ہی بہتر سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی تعلیم سے متعلق جو مستند تاریخی ذخیرہ موجود ہے میں خود جب اس کا مطالعہ کرتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ گویا میں آپ کو اور آپ کے مشاغل اور آپ کے پورے ماحول کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور آپ کے ارشادات گویا اپنے کانوں سے سُن رہا ہوں، میں قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ اپنے بہت سے اُن بزرگوں اور دوستوں کو جن کے ساتھ میرا رہنا سہنا ہوا ہے، اتنا میں نہیں جانتا جتنا کہ مستند تاریخ کے ذریعہ اپنے ہادی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتا ہوں ——— اور اس میں میری کوئی خصوصیت نہیں ہے، آپ میں سے جو شخص بھی نیک نیتی کے ساتھ آپ کی تعلیم و سیرت کا مطالعہ کرے گا انشاءاللہ وہ ایسا ہی محسوس کرے گا ——— یہ بات میں اپنے مسلمان بھائیوں سے بھی کہتا ہوں اور غیر مسلم بھائیوں سے بھی کہتا ہوں۔ دنیا کی بہت بڑی محرومی ہے کہ ایسی اعلیٰ رہنمائی کا سامان موجود ہوتے ہوئے اس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہ آنکھیں، وہ کان اور وہ دل نصیب فرمائے جس سے ہم حقیقتوں کو صحیح طور پر دیکھ سکیں، سُن سکیں اور سمجھ کے اُن سے فائدہ اُٹھا سکیں۔

وَاٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العالمین وصلی اللہ وسلم علیٰ رسولہ سیدنا محمد وّاٰلہ واصحابہ اجمعین

---

خریداران کرام خط وکتابت اور ترسیل زر کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ دینا ضروری سمجھیں، اور منی آرڈر کے کوپن پر مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں۔

# مکتوب لندن

تبلیغی جماعت کے ایک نوجوان رفیق اپنی تعلیم کی تکمیل کے سلسلہ میں لندن گئے تھے انھوں نے جماعت کے ایک رفیق کے نام جو خط لکھا ہے وہ یہاں شائع کیا جا رہا ہے اس خط میں انگلستان میں مسلمانوں کی تعداد، ان کے خیالات، دینی جذبات و تاثرات اور ان کی دینی ضرورتوں کا تذکرہ ہے۔ یہ خط اپنی تبلیغی روح، دینی جذبہ اور بیش قیمت معلومات کے لحاظ سے اس کا مستحق ہے کہ ناظرین الفرقان کے سامنے پیش کیا جائے۔

—————— ادارہ

میں ۷۔ اگست کی رات کو روانہ ہو کر ۲۱ کی شام کو تقریباً دو ہفتہ بعد واپس آیا، یہ سفر تقریباً ایک ہزار میل سے زیادہ کا رہا۔ گلاسگو، اڈنبرا، مانچسٹر، شیفلڈ، برمنگھم، کیمبرج اور آکسفورڈ قیام کرتا ہوا واپس آیا، اس سفر سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ اس تہذیب کے صحیح خد و خال دیکھے اور مسلمانوں کے صحیح حالات معلوم ہوگئے —— یہاں مسلمان اسی طرح آئے جس طرح کسی زمانہ میں لوگ آسٹریلیا کے متعلق یہ سن کر کہ سونا زمین پر پڑا ہے، بھاگ بھاگ کر پہنچ گئے تھے،

گلاسگو میں تین ہزار سے زیادہ مسلمان ہیں، ایک مسجد ہے اس سے متعلق مدرسہ ہے جہاں ہفتہ میں تین روز دو گھنٹے بچوں کو قرآن شریف اور نماز وغیرہ کے متعلق پڑھایا اور سکھایا جاتا ہے، وہاں دو حافظ ہیں (پہلے حافظ شاید ہوا ۱۵ سال سے ہیں اور اب داڑھی صاف کر دی ہے اور نماز جمعہ میں بھی شریک نہیں ہوئے، ایک بچے کو نماز سکھانے اور اس کے پڑھنے کی آواز آتی رہی۔ بعد میں جب نے پیش امام صاحب سے دریافت کیا تو صاف نہ بتا سکے، غالباً کچھ امامت کی بات تھی پہلے وہی پڑھاتے تھے اب الگ کر دئے گئے ہیں۔) موجودہ پیش امام جو حافظ ہیں، اور فاضل بھی ان کے ذریعہ کچھ دوسرے لوگوں سے ملاقات ہوئی، کئی بہت اچھے ذہن کے لوگ ملے اور رونے والی

آنکھ بھی، اس ظلمت کدہ میں اللہ نے جگہ جگہ ایمان ویقین کے دیئے روشن کر رکھے ہیں، اس سرزمین پر رونے والی آنکھیں، دہلنے والے دل، آگے بڑھنے والے ہاتھ اور مستقیم رہنے والے پاؤں ہیں، جب تک لوگوں کا دین سے یہ تعلق باقی ہے مایوسی کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ میں تمام مایوس کن حالات کے باوجود بہت پُرامید واپس آیا ہوں، اگر آپس میں ربط پیدا ہوجائے اور کچھ احساس جاگ جائے تو انشاء اللہ جلد حالات بدل سکتے ہیں۔ لوگوں میں بڑی مایوسی ہے جن میں تھوڑی بہت تڑپ ہے بھی وہ بھی اس ماحول میں آکر بے حس وبیجان ہوجاتے ہیں۔

مانچسٹر میں ایک ہزار سے زیادہ مسلمان ہیں، عرب اور مشرق وسطیٰ کے لوگ بھی کافی ہیں۔ ایک مسجد ہے، ایک طالب علم نثار احمد اور ان کے کچھ رفقا بڑے پُرجوش ہیں اور ایک جماعت لے کر برمنگھم بھی گئے تھے۔

شیفلڈ میں دو ہزار عرب اور ایک ہزار سے زائد پاکستانی مسلمان ہیں۔ کوئی مسجد نہیں ہے اور نہ ابھی اس کے لئے کوئی باقاعدہ کوشش ہے، عید میں غالباً کسی گرجے کی عمارت مانگ لی تھی اور اس میں بھی کافی اُلجھن رہی، عربوں کے دماغ میں یہ بات کچھ ایسی بس گئی ہے کہ وہ بالکل بے نیاز ہیں دینی اور دنیوی دونوں حیثیتوں سے اللہ رحم فرمائے۔ تبلیغی جماعت کے ایک پُرانے کام کرنے والے شاہ منظور صاحب ہیں، وہ بھی بیچارے بے کار ہورہے ہیں، پھر بھی کچھ نہ کچھ سلسلہ چلنے ہی جاتا ہو حکیم الدین اور نور محمد اور ان کے بھائی دینی حمیت رکھتے ہیں۔ کچھ دن اگر جم کر کام ہو تو وہاں بڑی گنجائش ہے، میں نے ان تمام حضرات سے ربط قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔

برمنگھم میں دس ہزار سے زیادہ مسلمان ہیں، چھ حلال گوشت کی دوکانیں ہیں، یہاں دو مسجدیں ہیں، ایک عربوں کی اور ایک پاکستانی مسلمانوں کی لیکن اس میں عرب بھی آتے ہیں، یہاں کافی جاندار لوگ ہیں، یہیں دو چار انگریز بھی ہیں جو مسلمان ہوئے ہیں، یہاں قلندر خاں اور ان کی انگریز بیوی دونوں ملنے ہیں، ان کی بیوی حیرت انگیز ایمان اور عمل رکھتی ہے۔ ہم جیسوں کا ایمان اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور اس کا دوسرے میں تو اس کا پلڑا بھاری ہوگا، اس سلسلہ کی تفصیل سناؤں گا۔ میں نے جب اس انگریز خاتون کی کتابیں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو سب سے پہلے قرآن شریف بڑے احترام سے دکھایا پھر انگریزی ترجمے کی بات آئی، میرے سامنے لاہور کے یوسف علی صاحب کے انگریزی ترجمہ کے

ایک ورجن نسخوں کا آرڈر دیا، ان لوگوں کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے ہیں، برابر آنکھ میں آنسو دیکھے۔ موجودہ مسلمانوں سے سخت شکایت ہے، دوسروں کی مدد کرتے کرتے یہ غریب ہوگئے ہیں، عجیب غریب لوگ ہیں، چلتے وقت قلندر خاں جو پشاوری پٹھان ہیں، رو کر کہنے لگے کہ میں آپ سے صرف ایک سوال کرتا ہوں کہ کسی ایسے آدمی کا انتظام جو یہاں اسپتالوں میں لوگوں کے بستر مرگ پر پہنچ سکے، اور عیسائی مذہب پر مرنے سے بچائے۔ آخر وقت میں ایسے مسلمانوں کو کلمہ کی تلقین کرے اس کا خرچ میں برداشت کروں گا۔ ان دونوں کی جدوجہد سے اب برمنگھم میں ایک مسلمانوں کا قبرستان ہو گیا ہے ایک میت پر تقریباً ساٹھ پونڈ یعنی تقریباً آٹھ سو ہندستانی سکہ خرچ ہوتا ہے، ایک سوڈانی محمد احمد ابوبکر سے ملاقات ہوئی، یہ وہاں کی حکومت میں اچھے عہدے پر ہیں، آج کل یہ جمعہ کی نماز بھی پڑھاتے ہیں اور اتوار کے دن بچوں کو بھی پڑھاتے ہیں، بہت صالح اور نیک طبیعت کے ہیں، مجھ سے جماعت کے کام کے متعلق بہت تفصیل سے بات ہوئی اور ان کے تمام شکوک رفع ہو گئے، ان کے پاس "ماذا خسر" کا ایک نسخہ تھا وہ میں لیتا آیا شاید کام آئے۔ (ابھی تک آپ کا بھیجا ہوا نسخہ نہیں پہونچا، بیحد حیرت اور افسوس ہے۔)

کچھ لوگ جمع ہو گئے تھے، انگریزی میں بات کہی اور عربوں کی خاطر سے ابوبکر صاحب نے عربی میں ترجمہ کیا۔ عرب تو بیحد ہی متاثر تھے، بہت دعائیں دیں، بہت پیار کیا۔ محمد صالح عرب ہیں اور عرصے سے ہیں، وہ کہنے لگے میں لرز رہا تھا اور اس شخص کی آنکھ میں آنسو تھے، میں کیا اور میری بات کیا، دراصل یہ ان لوگوں کے اللہ سے تعلق کا نتیجہ ہے۔ حافظ یعقوب صاحب جو ان نومسلم انگریزوں کو پڑھانے جاتے ہیں، کہنے لگے ایک دن میں گیا تو انھوں نے کہا پہلے نماز پڑھ لیں۔ میں نے کہا کہ کچھ دیر میں پڑھ لیں گے، کہنے لگے آپ تو کہتے تھے اول وقت پڑھنی چاہیئے، اس بات پر یہ بہت شرمندہ ہوئے پھر کہنے لگے میں نے اذان کہنی شروع کی لیکن آہستہ تو کہنے لگے مسجد میں تو دولے دیتے ہیں یہاں آہستہ؟ میں نے کہا اس خیال سے کہ محلے والوں کا DISTURB نہ ہو۔ انھوں نے کہا ہم یہی تو چاہتے ہیں کہ محلے والوں کا DISTURB ہو تاکہ ہم سے پوچھیں۔ آخر زبردستی دوبارہ آواز بلند اذان کہلوائی، دوسرے دن جب یہ گئے تو کہنے لگے معلوم ہے کیا ہوا؟ محلے والوں نے پوچھا کیا ہو رہا تھا، انھوں نے پھر ان سے تفصیل سے بات کہی اور مزید اس کے متعلق معلوم کرنے کی دلچسپی

اور خواہش کا اظہار کیا۔

اور بہت سی باتیں انشاء اللہ حاضر خدمت ہو کر عرض کروں گا، دراصل ہم نے خود اپنے کو گھٹا دیا ہے، آپ کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ زبردست INFERIORITY COMPLEX ہے لوگ اپنے کو مسلمان بتاتے شرماتے ہیں، حالانکہ اگر صحیح زندگی کا مظاہرہ ہو تو لوگ خود بخود متاثر ہوتے ہیں اور بڑا احترام کرتے ہیں، بعض واقعات بڑے عبرت ناک ہیں، اللہ ہمیں ہدایت دے اور ہمیں ہلاکت و بربادی سے بچائے۔

آج حاجی عبداللہ صاحب اور یوسف صاحب کا خط آیا ہے ادھر الکشن کے سلسلہ میں وہ مصروف تھے اس لئے خط نہ لکھ سکے MUSLIM ASSOCIATION کی طرف سے ان کے نمائندے چودھری صاحب تھے جن سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ کامیاب ہو گئے، دونوں نے مجھے خاص طور سے لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ پھر زنجبار اور مشرقی افریقہ کے کام میں کچھ وقت گذاروں بلکہ میرے کام کے متعلق بھی ہمت افزائی کی ہے اور بڑا زور دیا ہو لیکن اپنی حالت کیا عرض کروں، کاش ایسا ممکن ہوتا (اپنی مجبوریوں کا کبھی آپ سے تذکرہ نہیں کیا، خصوصیت سے اس وقت باواجان کی جو کیفیت ہو آجکل والدین بالکل تنہا ہیں اور میرے لئے بیحد بے چین ہیں، اللہ ان دونوں کو اپنی رحمت سے نوازے انھوں نے مجھ پر بہت ہی احسان کیا ہے، میں ان کی کوئی خدمت نہ کر سکا، اللہ تعالیٰ کسی درجہ میں بھی مجھ سے یہ فرض ادا کرا دے) میرے جواب کے بعد غالباً آپ کو لکھیں یا شاید لکھ چکے ہوں، پھر پوچھا ہے کہ آپ وقت دے سکیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں مشرقی افریقہ میں اس وقت سخت ضرورت ہے اور لوگوں سے بھی حالات معلوم ہوئے، اور اس موقع سے عیسائی مشنری خاص طور پر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس علاقہ کے مسلمانوں کو اپنی مسلکی حلقہ بندیوں اور بعض قسم کی فرقہ واریت سے فرصت نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق میں نے بتا دیا، وہ الفرقان نمبر چاہتے ہیں، اگر ممکن ہو سکے تو ایک نسخہ میرے ہی پتہ پر روانہ کر دیں (بحری جہاز سے) وہ ان کو مل جائے گا اور قیمت بھی تحریر کر دیں، آدمی وہ بہت کام کے ہیں اور امید ہے کہ آہستہ آہستہ اپنے کام کے ہو جائیں گے۔

---

# تعارف و تبصرہ

**ترجمان السُّنۃ جلد سوم** تالیف استاذ الحدیث مولانا بدر عالم صاحب - کتابت طباعت اور کاغذ بہتر، صفحات ۶۱۵، مجلد قیمت ۱۲/۸ - پتہ ندوۃ المصنفین دہلی،

اس کتاب کی دو جلدیں کئی سال پیشتر چھپ چکی ہیں - بڑے انتظار کے بعد اب تیسری جلد منظر عام پر آئی ہے - جن لوگوں کی نظر سے پہلی جلدیں گزر چکی ہیں اُن پر اسکی اہمیت واضح کرنے کی ضرورت نہیں، وہ تو گویا اس کے لئے گوش بر آواز ہوں گے، حق یہ ہے کہ "ترجمان السنۃ" اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے جو ہند و پاکستان کے مسلمانوں کو عطا ہوئی ہے، اس کے ذریعہ حدیث نبوی کا ضروری اور مستند ذخیرہ ایک نئی ترتیب اور بالکل نئے عنوانات کے تحت اردو زبان میں منتقل ہو رہا ہے اور صرف یہ ذخیرہ ہی منتقل نہیں ہو رہا ہے کہ یہ کام تو کسی نہ کسی شکل میں پہلے بھی ہوتا رہا ہے، بلکہ اس ذخیرہ سے متعلق جو جو مباحث پیدا ہوتے ہیں اور اس سے مستفید ہونے کے لئے جن تشریحات کی ضرورت ہے وہ سب نہایت اچھے پیرایہ میں، اور جدید اذہان کی پوری رعایت کے ساتھ، اس کتاب کا جزء بنی ہوئی ہیں، علاوہ ازیں ایک بڑی اہم خصوصیت اس کتاب کی یہ بھی ہے کہ علمائے سلف کے افادات اور ان کی تحقیقات جن سے محض اُردو اور انگریزی خواں اصحاب کے لئے تو استفادہ ممکن ہی نہیں اور عربی و فارسی جاننے والے عام علماء وطلباء بھی کچھ اپنی سہولت پسندی اور ذوق علمی کی کمی اور کچھ قدیم کتب کی کمیابی کی وجہ سے ان سے مستفید نہیں ہو رہے ہیں، وہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس کتاب کے مباحث میں ٹانک دئے گئے ہیں، اس طور پر گویا یہ نہ صرف حدیث کی بلند پایہ خدمت ہے بلکہ اسلاف کے علوم کو زندہ کرنے کی بھی ایک حکیمانہ کوشش ہے۔

یہ تیسری جلد پہلی دو جلدوں کی طرح "کتاب الایمان" ہی کا ایک حصہ ہے اور یہ حصہ ایمانیات کے دو ابواب پر مشتمل ہے - ایک قضاء و قدر - دوسرا انبیاء علیہم السلام - قضاء و قدر کا

مسئلہ بڑا نازک اور پیچیدہ ہے، چنانچہ مؤلف نے حسب معمول، اس باب کی احادیث پیش کرنے سے پہلے ایک بسیط مقالہ لکھ کر اس مسئلہ کی پیچیدگیوں سے عہدہ برا ہونے کی کوشش کی ہے، اس سلسلہ میں مسئلہ کے ہر ہر گوشہ پر نظر ڈالی گئی ہے اور پھر خود اپنے نتائج فکر اور اسلاف کے افادات کے ذریعہ جس حد تک بھی فاضل مؤلف سے ممکن ہوا تمام الجھنوں کو صاف کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ یہ باب مؤلف کے پیش نظر ترتیب کے لحاظ سے دراصل دوسرے نمبر پر تھا مگر بعض مجبوریوں نے ترتیب اُلٹ دی اور دوسرے نمبر پر انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہو گیا۔ اس باب میں مؤلف مدظلہ کے پیش نظر خاص مقصد یہ ہے کہ حدیث اور تاریخ کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کا صحیح مقام واضح ہو جائے۔ کیونکہ بقول مؤلف "مذہب کی بنیاد اسی مقدس جماعت کے ذریعہ سے قائم ہوتی ہے اور اُن ہی کی حیثیت سمجھنے میں عقلاء اور خود اہل مذہب کو بہت غلطیاں لگی ہیں"۔ چنانچہ اس باب کو اس طور پر مرتب کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حالات کے ضمن میں ان کا صحیح صحیح مقام بغیر کسی تکلف کے خود بخود واضح ہوتا چلا جائے اور اس بارے میں تمام غلط خیالات کی تصحیح ہو جائے ——— یہ مقصد کہنے میں تو ایک جملہ میں سمٹ گیا مگر اس کو بروئے کار لانے کے لئے تو دو سو نہیں، کتاب کے پورے پانسو صفحے صرف میں آئے ہیں۔ یہاں بھی حسب دستور سابق اولاً نبوت کی حقیقت پر ایک بسیط مضمون سپرد قلم کیا گیا ہے، پھر اسی ذیل میں ایک مختصر مضمون نبوت کی ضرورت پر ہے، اس کے بعد سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک تذکرہ ہے جو سب سے زیادہ مفصل ہو، اس تذکرہ میں جہاں آنحضرتؐ کی شان عصمت کے متعلق احادیث شروع ہوتی ہیں، وہاں پھر ایک تمہیدی مقالہ عصمت انبیاء کی حقیقت اور اسکی ضرورت پر لکھا گیا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ کے بعد حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم وغیرہ اولو العزم انبیاء علیہم السلام کے تذکرے ہیں سب سے آخری تذکرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے جس میں رفع و نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بڑی تفصیل سے کلام کیا گیا ہے۔

خدا کرے یہ کتاب مؤلف مدظلہ کے نقشہ کے مطابق بخیر و خوبی مکمل ہو جائے تو واقعہ

یہ ہے کہ اُردو کے اسلامی لٹریچر میں یہ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایک عظیم اضافہ ہوگا۔

---

| کتاب | ضخامت / قیمت | ناشر |
|---|---|---|
| (۱) خلفائے راشدین اور اہلبیت کے باہمی تعلقات | ضخامت ۱۴۶ - مجلد قیمت ۱/۱۲ | ناشر |
| (۲) سدرۂ وطوبےٰ | ضخامت ۱۹۸ ″ ″ ۲/۸ | مکتبہ برہان |
| (۳) جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات | ضخامت ۵۰۴ ″ ″ ۵/۸ | اُردو بازار، جامع مسجد دہلی |

(۱) "الموافقة بين اهل البيت والصحابه" کے نام سے علامہ زمخشری، "صاحب کشاف" کا ایک رسالہ عربی میں تھا، یہ کتاب مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی کے قلم سے اسی کا اُردو ترجمہ ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ خلفائے ثلٰثہ اور اہل بیت کرام" کے باہمی تعلقات کی نوعیت، اُنس و مودت اور توقیر و تعظیم کی تھی، نہ کہ اس مناقشت و مخاصمت کی جس کا صدیوں سے پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے، یہ نہ ایک دوسرے کے خلاف بغض و کینہ رکھتے تھے نہ آپس میں مکر و فریب اور تذلیل و توہین کا معاملہ کرتے تھے، بلکہ ان کا باہمی تعلق ٹھیک اسی کے مطابق تھا جو ان کی بزرگی اور اسلامی شان کا مقتضٰی ہے، ترجمہ شستہ اور رواں ہے۔

اس کتاب میں بہت سی روایات بالکل بے اصل اور خرافات کے قبیل سے ہیں، اس کا مترجم کو بھی احساس ہے، مگر وہ اپنی مسلسل علالت کے باعث روایات کی چھان بین سے معذور رہے اور کتاب کے افادی پہلو پر نظر کرتے ہوئے انھوں نے اسی حالت میں اسکی اشاعت مناسب سمجھی، نفس مضمون بیشک تاریخی اعتبار سے مستند اور مفید ہے مگر اچھا ہوتا کم از کم اُن روایات کے متعلق فٹ نوٹس میں مختصر اتنبیہ کردی جاتی جو صاف طور پر شیعی اختراع معلوم ہوتی ہیں۔

(۲) "سدرۂ وطوبیٰ" حضرت اکم مظفر نگری کا تیسرا مجموعۂ کلام ہے جو نظموں، غزلوں اور قطعات پر مشتمل ہے۔ اکم صاحب ایک صاحب فکر، کہنہ مشق اور پُرگو شاعر ہیں اُن کے فکر میں حکمت و گہرائی اور زبان میں پختگی اور روانی ہے، ان کی شاعری فسانہائے وصل و فراق کی حکایت نہیں، حقائق و معارف کا بیان ہے، ان کے فکر کا محرک غم جاناں نہیں غم دوراں یا غم انساں ہے

اور اسی لئے ہو سکتا ہے کہ مذاق عام کو اپیل نہ کرسکے۔ مگر اہل نظر سے داد پائے بغیر نہیں رہ سکتی۔

(۳) "جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات"۔ جناب اسرار احمد آزاد کی لکھی ہوئی ہے، اس کی جلد اول بہت عرصہ ہوا شائع ہو چکی ہے، زیر تبصرہ کتاب اسکی جلد دوم ہے اس میں بین الاقوامی اوارت، تحریکات و نظریات، معاہدات اصطلاحات، اعلانات اور بین الاقوامی مسائل و تنازعات کے متعلق بہت دیدہ ریزی اور محنت سے مفصل معلومات فراہم کی گئی ہیں، بین الاقوامی امور کے بارے میں جو لوگ گہری واقفیت اور بصیرت حاصل کرنا چاہیں اُن کیلئے یہ سلسلہ نہایت کارآمد ہے۔

---

**اُسوۂ حسنہ** از جناب صفوۃ الرحمٰن صابر مدیر "الحق"۔ ملنے کا پتہ:- ادارہ اہل سنت و جماعت کمان سلطان شاہی۔ حیدرآباد دکن ۲ کاغذ چکنا، سائز بڑا، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۴۴ قیمت۔ ۲/۴

جیسا کہ کچھ نام سے بھی ظاہر ہے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہے، جس میں اختصار کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے متعلقہ حالات و واقعات کو سبق آموز انداز میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اصل موضوع سے پہلے تیس بتیس صفحے میں رسالت و نبوت سے متعلق چند ضروری مباحث و مسائل پر بھی مختصراً کلام کیا گیا ہے۔

سیرت جیسے موضوع پر جس پر چھوٹی بڑی کتابوں کی کوئی گنتی نہیں، جب کوئی لکھنے والا کسی نئی کتاب کا اضافہ کرتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس اضافہ کے لئے کوئی خاص وجہ بیان کرے، غالباً اسی خیال سے "اُسوۂ حسنہ" کے مؤلف نے بھی چند سطریں اس سلسلہ میں لکھی ہیں، جس میں سیرت کے چند معروف عنوانات کی طرف اشارہ کر کے کہا گیا ہے کہ عموماً سیرت کی کتابوں میں ان پر روشنی نہیں ڈالی گئی مگر ہمارے خیال میں یہ بات کچھ عجیب سی ہے۔ یہ تو بنیادی عنوانات ہیں، ان سے تعرض نہ کر کے کوئی کتاب سیرت کی کتاب ہو ہی کب سکتی ہے!

—— بہر حال مؤلف نے کتب سیرۃ کے ذخیرہ میں اس نئی کتاب کا اضافہ جس خیال کے ماتحت بھی کیا ہو، یہ اُن کے ذخیرۂ آخرت میں ایک قیمتی اضافہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمت قبول فرمائے

اور مسلمانوں کو اُسوۂ حسنہ سے قریب کرنے کا ذریعہ بنائے۔

---

| | | |
|---|---|---|
| (۱) مؤطا امام محمدؒ (مترجم اُردو) | ضخامت ۴۹۴ صفحات، مجلد- قیمت - ۱۰/ روپیہ | شائع کردہ محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ - کراچی |
| (۲) کتاب الآثار (مترجم اُردو) | ۳۲۶ " " " " " " | |

موٴطا امام محمدؒ:- حدیث کی مشہور کتاب ہے۔ محمد سعید اینڈ سنز نے اس کو خواجہ عبد الوحید صاحب کے اردو ترجمے اور ضروری تشریحات (فوائد) کے ساتھ شائع کیا ہے۔ موطا میں وہ حدیثیں جمع کی گئی ہیں جو احکام سے تعلق رکھتی ہیں، حدیث کی روایت کے بعد، جو زیادہ تر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ہے، امام محمدؒ خود اپنا مسلک بھی بیان کرتے ہیں اور ساتھ ہی اپنے استاذ امام اعظم حضرت ابو حنیفہ النعمان (علیہ الرحمۃ والرضوان) کے قول کی تصریح کا بھی التزام فرماتے ہیں۔ ترجمہ اور فوائد کے ساتھ یہ کتاب عوام کے لئے بھی قابل استفادہ ہوگئی ہے، ترجمہ تحت اللفظ ہے، اگر با محاورہ ہوتا تو افادہ عام کے نقطۂ نظر سے زیادہ بہتر تھا۔

دوسری کتاب "کتاب الآثار":- یہ دراصل امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے جس میں امام صاحبؒ نے احکام سے تعلق رکھنے والی تو سو احادیث کو روایات کے ایک بڑے ذخیرہ میں سے انتخاب کر کے جمع فرمایا تھا، اُس وقت کے طرز کے مطابق آپ کے مختلف شاگردوں نے مختلف اوقات میں آپ سے اس مجموعہ کی روایات کو سُن کر خود قلمبند کیا، جس کی وجہ سے موٴطا (امام مالک) کی طرح اس کے بھی مختلف نسخے ہوگئے، ان میں سب سے زیادہ شہرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نسخہ کو حاصل ہوئی۔ محمد سعید اینڈ سنز نے موٴطا امام محمدؒ کی طرح کتاب الآثار کے اس نسخہ کو بھی اُردو ترجمہ اور فوائد کے ساتھ شائع کیا ہے، ترجمہ اور فوائد مولانا ابو الفتح محمد صغیر الدین صاحب کے قلم سے ہیں اور ترجمہ اس میں بھی تحت اللفظ ہے۔

| | |
|---|---|
| (۱) بھارت کے الیکشن اور مسلمان | از محمد اعظم صاحب (عثمانیہ) ۴۲ صفحات، قیمت ۵۰ نیا پیسہ<br>ناشر:- مکتبہ نشاۃ ثانیہ - معظم جاہی مارکیٹ حیدرآباد دکن |

(۲) کیا دین قائم ہے؟ از جناب شیدا قادری، ۳۰ صفحات، قیمت ۵؍

ناشر:۔ مکتبہ نشاۃ ثانیہ، معظم جاہی مارکیٹ حیدر آباد دکن

(۱) بھارت کے الیکشن اور مسلمان:۔ ہندستانی مسلمانوں میں ایسے تو بہت سے حلقے اور افراد ملیں گے جو الیکشن کے مفاسد اور قانون ساز اداروں میں شرکت کے بعض شرعاً قبیح اور کافرانہ لوازم کے پیش نظر الیکشن کی امیدواری یا امیدواروں کی معاونت کو روا نہیں رکھتے مگر ان سے الگ ایک مخصوص حلقۂ فکر ہے، جو موجودہ نظام کے ماتحت الیکشن میں کسی حیثیت سے بھی حصہ لینے کو اسلام کے بنیادی عقائد سے متصادم سمجھتا ہے۔ "بھارت کے الیکشن اور مسلمان" نامی پمفلٹ میں اسی حلقۂ فکر کی ترجمانی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ انتخابات میں امیدوار بننا یا ووٹ دینا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ——— اس ذیل میں اُن علماء پر حجت قائم کرنے کے لئے جو الیکشن میں حصہ لیتے ہیں اور اس کو جائز بتاتے ہیں، ترک موالات کے زمانہ کے فتوے کا جو ذکر کیا گیا ہے ہمارے خیال میں یہ کچھ بے محل ہے اور اس قسم کے لٹریچر میں اس غلطی کا اعادہ بار بار ہوتا رہتا ہے، اس فتوے کے جو الفاظ اس پمفلٹ میں نقل کئے گئے ہیں اُن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کونسل اور اسمبلی کی ممبری کو فی نفسہ ناجائز نہیں قرار دیا گیا ہے بلکہ بعض عوارض کی بنا پر اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا گیا تھا، اس فتوے سے احتجاج کے وقت اس نکتہ پر غور کر لینا ضروری ہے۔

(۲) "کیا دین قائم ہے؟" نامی پمفلٹ میں دکھایا گیا ہے کہ جب "دین قائم تھا" تو مسلمانوں کے احوال و افعال کی صورت کیا تھی اور اب اُن کا حال و کردار کیا ہے اور موجودہ حال کے پیش نظر مسلمانوں کا سب سے اہم فریضہ کیا ہے؟ رسالہ جوش اور دینی جذبہ کے ساتھ لکھا گیا ہے، اور مسلمانوں کو "اقامت دین" کی طرف متوجہ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

**چوہدری علی احمد خاں** مرتبہ جناب اسعد گیلانی، کاغذ اور کتابت و طباعت معیاری، صفحات ۳۰۰، مجلد قیمت چار روپئے۔ ناشر:۔ مکتبہ تعمیر انسانیت، موچی دروازہ۔ لاہور۔

چوہدری علی احمد خاں صاحب مرحوم۔ جماعت اسلامی (پاکستان) کے ایک پُرجوش

کارکن تھے جن کا حال ہی میں انتقال ہوا، اُن کی غیر معمولی تنظیمی صلاحیت نے جماعت کے اندر ان کا ایک اہم مقام بنا دیا تھا، جس کی بنا پر جماعت کے ہر چھوٹے بڑے نے اُن کی جدائی کو بہت محسوس کیا اور اسی احساس کے نتیجہ میں اُن پر یہ ایک تین سو صفحے کی کتاب تیار ہو گئی، جس میں جماعت اسلامی پاکستان کے اکثر اہل قلم نے ان پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے اور اُن کے خاص دوستوں نے ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو محنت اور محبت کے ساتھ اُجاگر کیا ہے امید ہے کہ اس کا مطالعہ دلچسپی اور افادیت سے خالی نہ ہوگا۔

## تصویریں

از جناب اسعد گیلانی، صفحات ۲۹۴، قیمت ۳/۱۲ مجلد۔
ناشر:۔ مکتبہ تعمیر انسانیت، موچی دروازہ، لاہور۔

اسعد گیلانی حلقۂ جماعت اسلامی کے صف اول کے ادیب ہیں اور جماعت کے عملی میدان کے تیز گام سپاہی بھی۔ یہ کتاب اُن کے انیس مضامین کا مجموعہ ہے، جن میں زیادہ تر رودادیں ہیں، باقی چند تاثراتی خاکے اور مصنف کی داخلی کیفیات پر مشتمل مضامین اور ایک تمثیلی نگارش ہے، ان سب مضامین کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے ان کی تحریکی زندگی سے ہے، ان میں سے بعض مضامین مصنف کی ادبی مہارت اور فنی چابکدستی کا اچھا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ایک خاص جماعتی مزاج اور اس کا فکر دل و دماغ پر حاوی ہونے کی وجہ سے غالباً بعض مضامین بیرونی حلقوں میں دلچسپی کا باعث نہ ہوسکیں گے، یا کسی درجہ میں تکلیف دہ ہوں گے۔

---

## اصلاح و ترقی اقوام کا ایک اچھوتا پروگرام

از مولانا عبد الغفار صاحب لکھوی۔ ملنے کا پتہ:۔ ناظم جامعہ محمدیہ، اوکاڑہ، ضلع منٹگمری (مغربی پاکستان) صفحات ۳۸۰ سائز ۲۰×۲۶ قیمت کاغذ قسم اول پانچ روپے، قسم دوم چار روپے۔

یہ کتاب حسب تصریح مصنف خاصان بارگاہ الٰہی، حد درجہ ذکی و عقابی النظر شخصیتوں کے لئے لکھی گئی ہے اور وہ بھی اس کی افادیت کو تین بار پڑھے بغیر نہیں پا سکتے، پس ہم جیسے عوام کو شاید دس بار پڑھ کر بھی یہی کہنا پڑے گا کہ

"کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی"

پس مذکورہ صفات کی حامل شخصیتیں اگر کہیں پائی جاتی ہوں اور وہ اس چار سو صفحے کے دفتر کو مین مرتبہ مسلسل پڑھنے پر کمربستہ بھی ہوں تب اس کتاب کے منگانے کا ارادہ کرنا چاہیئے۔ بہرحال ہم تو اسے نہیں پڑھ سکے، تاہم اگر کوئی مفید ان اوراق میں ہے تو اللہ تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر دے۔

---

**الاعتصام**
**تحریک آزادی نمبر**

مدیر:- مولانا محمد اسحٰق ۔ ضخامت ۳۱ صفحات، قیمت ۸ر
پتہ:- دفتر "الاعتصام" شیش محل روڈ، لاہور۔

الاعتصام، جماعت اہل حدیث کا ہفت روزہ ترجمان ہے، جو فقہی مسائل میں اپنے خاص مسلک کی نشر و اشاعت کے ساتھ ساتھ سیاسی اور اجتماعی مسائل میں عام اسلامی نقطۂ نظر کے ماتحت قابل قدر خدمات صحافتی انجام دے رہا ہے، تحریک آزادی ۱۸۵۷ء جو ۱۸۵۷ء میں برپا ہوئی تھی، الاعتصام کا یہ خاص نمبر اسکی یاد میں ہے، جس نے اپنی محدود ضخامت کے ساتھ تحریک آزادی کے متعلق قابل مطالعہ مواد فراہم کیا ہے، لکھنے والوں میں مولانا غلام رسول مہر، مولانا سید داؤد غزنوی، مولانا محمد اسمٰعیل، پروفیسر سلیم چشتی، مولانا عبدالمجید سالک اور مولانا رئیس احمد جعفری قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے تحریک جہاد میں علمائے اہل حدیث کا حصہ دکھاتے ہوئے خدا معلوم کیوں اسکی ضرورت سمجھی کہ تقابلاً علمائے دیوبند کا بھی تذکرہ کیا جائے، غالباً علمائے اہل حدیث کا حصہ اس کے بغیر بھی واضح ہو سکتا تھا۔ اس سے اُسی عصبیت کی بو آتی ہے جس کے شاکی وہ علمائے دیوبند سے رہیں۔

**ماہنامہ "صبح صادق"**
**حدیث نمبر**

مرتبہ:- مولانا محمد اویس ندوی و ارشد حسین صاحب ندوی۔
ضخامت ۲۰۰ صفحات، قیمت -/۲
پتہ:- دفتر صبح صادق - مکارم نگر - لکھنؤ

ہم ادارہ "صبح صادق" سے معذرت خواہ ہیں کہ اس نمبر پر تبصرہ غیر معمولی تاخیر سے پیش کیا جا رہا ہے۔

صبح صادق ایک دینی اور علمی ماہنامہ ہے، جس نے اپنے اس عنوان کے مطابق قابل قدر

خدمات انجام دی ہیں، غالباً دسمبر ۱۹۵۵ء یا جنوری ۱۹۵۶ء میں اُس نے قرآن نمبر پیش کیا تھا جو قرآن سے متعلق موضوعات پر نہایت جامع اور بیش قیمت چیز تھی اور ایک سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ یہ دوسرا خاص نمبر اس نے حدیث نمبر کے عنوان سے پیش کر دیا، جس کی ترتیب میں حصہ لینے والے فاضل مدیر مولانا محمد اویس صاحب ندوی کے علاوہ مولانا عبدالباری ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا عبدالسلام ندوی اور مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی جیسے مشاہیر اہل علم و قلم بھی ہیں، نمبر کا نصف سے زائد حصہ ارباب صحاح ستہ کے تذکروں پر مشتمل ہے۔

فتنۂ انکار حدیث کے اس دور میں ادارۂ صبح صادق نے حدیث کی تائید و نصرت کا فرض انجام دیگر وقت کی ایک اہم دینی ضرورت کو پورا کرنے میں حصہ لیا ہے اور وہ اس پر ہر طرح ہمت افزائی کا مستحق ہے ــــ افسوس ہے کہ ادھر چند ماہ سے "صبح صادق" کی اشاعت معرض التوا میں ہو، بظاہر اس کا سبب مالی مشکلات ہیں، اگر ایسا ہے تو یہ بڑے افسوس کی بات ہوگی کہ ایک مفید دینی پرچہ اپنی ضرورت کے بقدر مالی تعاون قوم سے نہ حاصل کر سکے۔

---

# حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

اور

# معاندین اہل بدعت کے الزامات

از افادات ــــــــ مولانا محمد منظور نعمانی

بہت سے حضرات عرصہ سے اس کتاب کا انتظار بےچینی سے کر رہے تھے، الحمدللہ اب تیار ہو گئی ہے۔ شروع میں (حضرت مؤلف کے دیباچہ کے بعد) جناب مولانا نسیم احمد امروہوی کے قلم سے تقریباً پچاس صفحے پر حضرت شہیدؒ کی مختصر جامع اور مستند سوانح حیات ہے۔

اس کے بعد اُن مشہور الزامات اور اعتراضات کے تفصیلی اور تحقیقی جوابات ہیں جو حضرت شہیدؒ کی تصانیف تقویۃ الایمان وغیرہ کی عبارتوں پر ہندستان کے اہل بدعت کی طرف سے قریباً سو برس سے کئے جا رہے ہیں اور جن کو اُچھال اُچھال کر عام مسلمانوں میں انتشار اور تفرقہ پیدا کرنا بعض پیشہ وروں نے اپنا پیشہ بنا لیا ہے، یہ مختصر کتاب اس زہر کا تریاق ہے ــــ ۱۲۰ صفحات ــــ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)

(صفحہ ۴۴ کا بقیہ) سے ۵۰ ہزار تک کا پٹکا باندھتے تھے، جو جواہر و یاقوت سے ملبس ہوتا تھا۔ ان تکلفات بیجا کا نتیجہ کیا ہوا، سلطنت اور عزت سب خاک میں مل گئی۔

**پکار** پس دوستو! دعوت و جہد و جہد کے لیے خود کو تیار کرو۔ بار امانت جو تم نے اٹھایا ہو اس کا حق ادا کرو۔ یہ میری وصیت ہے۔ ہو سکتا ہے آج آپ اس کا وزن نہ محسوس کریں۔ لیکن مستقبل میں آپ اسے یاد کیے بغیر نہ رہیں گے۔ فَسَتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ۔

یاد رکھیے کہ بنیادی مسئلہ آدمیوں کا اور ایمان و اخلاق کا ہے! اور کم از کم میں تو اس نقطۂ نظر سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ صرف وزارتوں اور جماعتوں کی تبدیلی سے حالات بدل سکتے ہیں۔ لیکن

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ۔

وہ مسلمان جنھوں نے قتال کے لیے ہاتھ اٹھایا ہو۔ انھیں اس کی اجازت اس وجہ سے دی گئی کہ اُن پر ظلم ہوا تھا۔ اور بیشک اللہ ان کی مدد پر قادر ہو۔ یہ اجازت اُن لوگوں کو دی گئی جنھیں ناحق ان کے گھروں سے نکالا گیا تھا۔ ان کا جرم بجز اس کے کچھ نہیں تھا کہ انھوں نے ایک اللہ کو اپنا رب ٹھہرایا۔

اسی سلسلۂ کلام میں آگے ارشاد ہوتا ہے:۔

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ۔

وہ لوگ کہ اگر ہم اُن کو دنیا میں غلبہ عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں۔ معروف کا حکم دیں اور منکر سے منع کریں۔

دیکھیے اس آیت میں کیسے بلیغ انداز میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ سونا آگ میں تپائے

جانے کے بعد ہی زیر بحث بنتا ہے۔ پہلے مرحلہ "ناحق گھروں سے نکالے جانے" کا آتا ہے۔ اور اس مرحلہ کو طے کر کے ہی انسان ایسا بنتا ہے کہ اگر اس کے ہاتھ میں اقتدار آجائے تو وہ بجائے شہوات نفس کی تکمیل کے اس سے اقامت صلوٰۃ، اشاعت خیر اور استیصال شر کا کام لے —— جب تک دعوت کی راہ میں مصائب اٹھانے کا مرحلہ اپنی انتہا کو نہیں پہونچ جاتا "الذین ان مکناھم الخ" کا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

| | |
|---|---|
| اَلَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ | وہ لوگ جن سے کہا گیا کہ ہاتھ روکو اور بس نماز کی فکر کرو۔ |

دیکھئے سیاست و اقتدار اور آخری درجات کا کوئی ذکر نہیں۔ ابتداء میں سارا زور افراد کی دینی تربیت اور ذہن و اخلاق کی درستی پر دیا جا رہا ہے۔ جب تربیت اور تزکیہ نفس کا مرحلہ پوری طرح طے ہو گیا۔ تب وہ سب کچھ ہوا جو بعد میں ہوا۔

بہرحال میری اس وقت کی گزارش کا ماحصل یہی ہے کہ اپنے آپ پر توجہ دیجئے۔ اپنی دینی اخلاقی اور فکری تربیت کی فکر کیجئے اور یہ سمجھ لیجئے کہ "عالم اسلامی" نام آپ ہی کا ہے۔ جب ہم اپنی اصلاح کر لیں گے تو عالم اسلامی کی اصلاح ہو جائے گی۔ جب اجزاء ٹھیک ہوں گے تو مجموعہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔

(Regd. No. A-353)

## کلمۂ طیبہ کی حقیقت

از افادات مولانا محمد منظور نعمانی

اس رسالہ میں اسلام کے کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح پوری تحقیق کے ساتھ دلنشین اور موثر انداز میں کی گئی ہے، کہ سطر سطر کے مطالعہ سے نور یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور ایمان تازہ ہوتا ہے، اردو زبان میں کم از کم ہمارے علم میں توحید و رسالت کے متعلق کوئی اور ایسا محققانہ اور عارفانہ رسالہ موجود نہیں ہے جس سے عقل اور جذبات اور دل و دماغ یکساں طور پر متاثر ہوں ـــ تازہ اڈیشن ـ قیمت ۱۰؍

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

## اسلام کیا ہے

تالیف مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ

مصنف نے ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کی دینی ضرورت اور خاص وقتی تقاضوں کو سامنے رکھ کر توجہ اور محنت سے یہ کتاب لکھی ہے، اسلامی تعلیمات پر ایسی مفید اور جامع کتاب اردو زبان میں کم از کم ہمارے علم میں نہیں ہے، اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کیلئے ہی نہیں، بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لیے بھی اس کتاب کا مطالعہ اور اس پر عمل انشاء اللہ کافی ہے، اسلام کی ضروری تعلیمات کو چند سبقوں کی شکل میں مرتب کر کے اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے، ہر سبق اپنے موضوع پر ایک مستقل مضمون اور موثر خطبہ ہے، زبان کو آسان بنانے کی خاص کوشش کی گئی ہے کہ بے پڑھے لوگ اور کم عمر بچے بھی آسانی سے سمجھ سکیں، خود پڑھ کر ایمان تازہ کیجئے، بیوی بچوں کو پڑھا کر انھیں پکا اور کامل مسلمان بنائیے، مسجدوں اور مجمعوں میں سنا کر تبلیغ کا حق ادا کیجئے، اور مسلمانوں میں ایمانی روح اور دینی زندگی پیدا کرنے کا بے انتہا ثواب حاصل کیجئے، اور اگر آپ کا کوئی غیر مسلم دوست اسلام کو جاننا اور سمجھنا چاہے تو اس کے ہاتھ میں بھی بے تکلف یہی کتاب دیجئے...... کاغذ و طباعت اعلیٰ ـــ

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان، گوئن روڈ لکھنؤ

## نماز کی حقیقت

از افادات مولانا محمد منظور نعمانی

ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ نماز کے مقام اور اس کی روح و حقیقت سے واقف ہونے کے لیے اور اپنی نمازوں میں جان اور نورانیت پیدا کرنے کے لیے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور فرمائیں، نماز کے متعلق کتاب و سنت کے لطیف اشارات اور ائمہ دین و عارفین خصوصاً امام غزالی، حضرت مجدد الف ثانی حضرت شاہ ولی اللہ کے عارفانہ افادات کا عطر کھینچ کر اس رسالہ کی صورت میں پیش کر دیا گیا ہے

کلمۂ طیبہ کی طرح یہ بھی عقل و جذبات اور دل و دماغ کو یکساں طور پر متاثر کرتا ہے

تازہ اڈیشن ...... کاغذ و طباعت اعلیٰ ...... قیمت ۱۰؍

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنے
اور بلا جلد کاغذ معمولی- ۱/۱۲/

لکھنؤ

# الفرقان

ماہنامہ

## ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے
لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، وہ عہد ہے
اس بات کا عہد کہ ہم صرف اللہ کی عبادت و بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی
اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت و شریعت کی پیروی کریں گے، اور اسی حال پر جئیں گے اور مریں گے۔
جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی
زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم اس کا
عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ
توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

ادارۂ الفرقان


مسئول
محمد منظور نعمانی

مرتب
عتیق الرحمٰن سنبھلی

ہندوستان و پاکستان سے
سالانہ چندہ (بسکۂ ہندوستان) ۵؍
سالانہ چندہ (بسکۂ پاکستان) ۶؍
ششماہی ۳؍

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ ــــــ ۱۰ شلنگ
اعزازی خریداروں سے
سالانہ ۱۵؍

قیمت فی کاپی آٹھ آنے (۸؍)

| شمارہ ۳ | بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ مطابق اکتوبر ۱۹۵۷ء | جلد ۲۵ |
|---|---|---|




اگر اس ◯ دائرہ میں ـــــ سُرخ نشان ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہو گئی ہے، براہِ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی پی ارسال کیا جائے گا، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۱۲ تاریخ تک پہونچ جانی چاہیے۔

**پاکستان کے خریدار:۔** اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیج دیں ــــ **تاریخ اشاعت:۔** رسالہ ہر مہینے کی ۱۵ تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہے ــــ اگر ۲۵ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیج دیا جائیگا۔ اگر جلدی ہو تو ۲؍ کے ٹکٹ ارسال فرمائیں۔


**مقام اشاعت:۔ دفتر الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ**

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

# خریداران کرام سے چند ضروری باتیں

(۱) محرم مطابق اگست سنہ ۵۷ء کے الفرقان پر اتنا زبردست ڈاکہ پڑا ہے کہ اسکی نظیر ملنا مشکل ہے۔ تقریباً پچاس خریداروں کی شکایتیں ابتک آچکی ہیں کہ انھیں مذکورہ شمارہ نہیں ملا علاوہ ازیں دو ایجنسیوں کے بنڈل نہیں پہونچے جن میں مجموعی طور پر ۷۴ پرچے تھے، اور جو انڈر سرٹیفکٹ پوسٹ کیے گیے تھے۔ ابتک کی موصول شدہ شکایات پر اکثر و بیشتر خریداروں کو محرم کا الفرقان دوبارہ بھیج دیا گیا ہے۔ حالانکہ اکثر شکایات بعد از وقت موصول ہوئی تھیں۔ اب دفتر میں اس شمارہ کی کوئی کاپی فاضل نہیں ہے۔ لہٰذا اب کوئی صاحب اس سلسلہ میں خط و کتابت نہ فرمائیں۔

(۲) الفرقان کے ہر پرچے میں پہلے صفحہ پر فہرست مضامین کے نیچے یہ لکھا رہتا ہے کہ رسالہ نہ پہونچنے کی شکایات پر مکرر پرچہ اگلے مہینے کی تاریخ اشاعت پر بھیجا جائے گا۔ اگر کسی صاحب کو عجلت مقصود ہو تو وہ شکایت کے ساتھ ۲ آنے کے ٹکٹ ارسال فرمائیں۔ مگر بعض حضرات اس پر بالکل توجہ نہیں فرماتے اور بغیر ۲ کا ٹکٹ بھیجے ہوئے اس بات کے متوقع ہوتے ہیں کہ ان کو خط پہونچتے ہی دفتر سے مکرر رسالہ روانہ کر دیا جائیگا۔ اور جب ایسا نہیں ہوتا تو دفتر کی بے توجہی اور لاپروائی کی شکایت فرمانے لگتے ہیں تاریخ اشاعت کے علاوہ تاریخوں میں پرچہ اگر روانہ کیا جاتا ہے تو اس پر نئے دو پیسے کے بجائے نئے نو پیسے کا ٹکٹ لگتا ہے۔ اور مکرر رسالہ چونکہ ہم انڈر سرٹیفکٹ بھیجتے ہیں اس لیے تین نئے پیسے مزید صرف ہوتے ہیں۔ دفتر کے لیے یہ مشکل ہے کہ وہ مکرر رسالہ کے علاوہ چھ گنے محصول ڈاک کا بار بھی برداشت کرے۔ اس لئے براہ کرم اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ اگر مکرر رسالہ آپ فوراً چاہتے ہیں تو شکایت کے ساتھ دو آنے کا ٹکٹ بھی آنا چاہیے۔

(۳) رسالہ کے پہلے ہی صفحہ پر یہ بھی لکھا رہتا ہے کہ ۲۵ تاریخ تک رسالہ کا انتظار فرمایا جائے۔ اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نہ تو ۲۵ سے پہلے شکایتی خط لکھا جائے اور نہ ۲۵ کے بعد زیادہ دیر کیجائے۔ مگر جس طرح بعض حضرات ۲۵ سے پہلے ہی شکایتی خط روانہ فرما دیتے ہیں اسی طرح بہت سے حضرات دوسرے مہینے کا رسالہ پہونچنے کے بعد اطلاع دیتے ہیں کہ اس سے پہلے والا رسالہ نہیں پہونچا۔ بلکہ بعض حضرات تو غضب ہی کر دیتے ہیں کہ اکٹھے سال چھ مہینے کی شکایت ایک ہی بار کر دیتے ہیں۔ براہ کرم رسالہ نہ پہونچنے کی شکایت قاعدہ کے مطابق فرمائیں، ورنہ دفتر اگر اسکا تدارک نہ کر سکے تو پھر اسے معذور تصور فرمائیں — منیجر الفرقان

# نگاہِ اوّلیں

کیسی مایوس کن اور اضطراب انگیز صورت حال ہے کہ ایک طرف تو ہندوستان میں ہمارے دینی مستقبل کا مسئلہ روز بروز قابل فکر بنتا جا رہا ہے۔ اور دوسری طرف ہماری زندگی اس طرح گزر رہی ہے، جیسے اس قسم کا کوئی قابل فکر مسئلہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔

دینی مستقبل کے بارے میں فکر کے دو پہلو ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ آیا مستقبل میں بھی دین سے دلچسپی رہ سکے گی یا نہیں۔ دوسرا یہ کہ اگر دلچسپی رہی تو دین ہمارے اندر اپنی صحیح شکل میں قائم رہے گا یا اس سے مختلف کوئی نئی شکل اختیار کرے گا۔ اگر غور کیجیے تو مسئلہ ان دونوں ہی پہلوؤں سے قابل فکر بنا ہوا ہے۔

دین سے دلچسپی کا انحصار فکرِ آخرت پر ہے۔ اگر آخرت کا مسئلہ سامنے سے ہٹ جائے تو پھر دین کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن دین کی دعوت آخرت ہی کی بنیاد پر دیتا ہے، اور یہ عام شاہدہ ہو کہ دین سے دلچسپی اور وابستگی بقدرِ فکرِ آخرت ہوتی ہے۔ جتنی آخرت کی فکر ہو گی اتنی ہی دین سے دلچسپی ہو گی۔ رہا دین کا اپنی صحیح شکل پر رہنا یا بگڑ جانا، تو اس کا انحصار اسلام کے حق میں جن چیزوں پر ہو ان میں سے ایک توحید ہے۔ اور وہ اتنی اہم ہے کہ اس کے اندر کوئی خامی یا فتور رونما ہو جانے کا جتنا اثر اسلام پر پڑتا ہے اتنا کسی اور چیز کا نہیں پڑتا۔ اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں توحید کی حیثیت روح کی سی ہے جس شخص کے اندر اسلام کی یہ روح اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ موجود نہیں ہے، اور وہ شرک کے لیے کوئی گنجائش اپنے پہلو میں رکھتا ہے وہ اسلام کے نظامِ اعتقاد و عمل کو صحیح شکل میں کبھی قائم نہیں رکھ سکتا۔ اور اس شخص کی یہ کمزوری اُسے ایسے حدود تک بھی لیجا سکتی ہی جہاں پہونچنے کے بعد اسلام اُسے اپنے دائرہ میں رکھنے سے انکار کر دے۔

ہندوستان کی موجودہ فضا میں فکر آخرت اور توحیدی مزاج کی پختگی، دونوں ہی کے لیے خطرہ کا سامان موجود ہے۔ فکر آخرت کو تو اس زمانہ کے بہت سے عوامل نے یونہی بہت عرصہ سے کمزور کر رکھا ہے۔ اور اس میں کسی جگہ کی تخصیص نہیں، پوری دنیا کا عام حال یہی ہے۔ مگر ادھر کچھ عرصہ سے سیاست کا جو ایک نیا دور شروع ہوا ہے اور اسٹیٹ کے دائرۂ اختیار و عمل میں کلیت پسندی کے رجحان کے ساتھ ساتھ حکومتوں کا واحد نصب العین روٹی کپڑے کی فراوانی اور ملک کی مادی قوت و ترقی بن گیا ہے اس کا اثر یہ ہے کہ جن جن ملکوں میں حکومت کے اس جدید نظریہ کو اپنایا جاتا ہے وہاں ملک کی پوری زندگی کو گرفت میں لے کر ایک ایسے نظام کے سانچے میں ڈھالا جاتا ہے، جس کی تمام تر گردش اسی جدید نصب العین کے محور پر ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگرچہ مذہب پر کوئی قدغن نہ ہو اور نہ لوگوں کو فکر آخرت سے آزاد کرنے کی کوشش کی جائے۔ مگر اس ملک کی فضا ایسی بن جاتی ہے کہ اس فضا میں جنم لینے اور پرورش پانے والی کسی نسل کے ذہن میں فکر آخرت کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ سکتی۔ وہاں ملک کی دولت میں اضافہ اور اسکی قوت و ترقی کی فکر اس طرح مستولی ہو جاتی ہے کہ ساری دوسری فکریں تحت الشعور میں بیٹھ کر رہ جاتی ہیں۔ وہاں انسان کا نقطۂ نظر یہ ہو جاتا ہے کہ کرنے کا کام وہ ہے جس سے ملک کی دولت میں اضافہ اور اسکی قوت میں ترقی ہو، غرض ملک و وطن کی حیثیت ایک "دیوتا" کی ہو جاتی ہے جس پر انسان کی ساری توانائیاں بھینٹ چڑھتی رہتی ہیں۔

ہندوستان حکومت کے اسی نئے نظریہ کو قبول کر چکا ہے اور حکمراں طبقہ اقتصادی خوشحالی اور مادی ترقی کو نصب العین قرار دے کر ملک کی پوری زندگی کو ایک ایسے ہی نظام کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے سرگرم عمل ہے جس کی گردش تمام تر اسی نصب العین کے محور پر ہو۔ اور یہ کام جب تکمیل کو پہونچ جائے گا تو اس کا نتیجہ یہاں بھی وہی نکلے گا جو بعض دوسرے ملکوں میں نکل چکا ہے ـــــ بلاشبہ ابھی اس نتیجہ تک رسائی میں بہت دیر ہے، مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ یہاں کی حکومت اگر اسی نظریہ اور نصب العین کے ماتحت کام کرتی رہی تو اس ملک میں بھی ایسی فضا لازماً پیدا ہوگی۔

---

توحیدی مزاج کی پختگی کو خطرہ کا ایک پہلو تو اسی طرح خارجی ہے جس کی وضاحت ہم گذشتہ ایک اشاعت میں کر چکے ہیں، دوسرا پہلو جس کا اظہار اس وقت مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ہم میں کے بعض

(باقی صفحہ پر)

# قرآنی دعوت

اس عنوان کے تحت مضامین کا ایک سلسلہ "الفرقان" میں اب سے ۵ سال پہلے محرم ۱۳۷۲ھ سے شروع کیا گیا تھا جو قریباً ڈھائی سال تک جاری رہا تھا، اس عرصہ میں اُس کی ۱۹ قسطیں شائع ہو چکی تھیں ان قسطوں میں قرآن مجید کی دعوت و تعلیم کا اصولی اور بنیادی حصہ قریب قریب پورا آگیا تھا، میرے سوچے ہوئے نقشہ کے لحاظ سے چند عنوانات باقی رہ گئے تھے، اُن کے متعلق اُس وقت یہ مناسب سمجھا گیا کہ یہ پورا سلسلہ جب کتابی شکل میں شائع ہو گا اُس وقت اُن باقی عنوانات پر بھی لکھ کر اس میں شامل کر دیا جائے گا۔ اسی خیال کے تحت الفرقان میں اس سلسلہ کی اشاعت رُک گئی تھی، لیکن کتابی اشاعت کا انتظام اب تک بھی نہیں کیا جا سکا، اور معلوم نہیں کب تک نہ ہو سکے گا، اس لیے اب یہی مناسب سمجھا گیا کہ جو حصہ باقی رہ گیا ہے اس کو بھی "الفرقان" ہی میں قسط وار لکھا جاتا رہے۔ آج بنام خدا اُس کو شروع کیا جا رہا ہے۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ ۱۲ ربیع ۲

## خدا کی عبادت

تمام ادیان و مذاہب کا جن چند بنیادی باتوں پر اتفاق ہو اُن میں سے ایک یہ بھی ہو کہ انسان کو خدا کی عبادت کرنی چاہیے ـــــ عبادت سے مراد خاص وہ اعمال ہوتے ہیں جن کو بندہ اللہ کے حضور میں اس کی رضا اور رحمت کا طالب بن کر اپنی بندگی اور سرافگندگی ظاہر کرنے کے لیے اور اپنے عمل سے اس کی معبودیت اور عظمت و کبریائی کی شہادت ادا کرنے کے لیے کرتا ہے ـــــ جیسے اسلام میں نماز، روزہ، حج زکوٰۃ، صدقات، ذکر، تلاوت اور قربانی وغیرہ ـــــ یہ سارے عبادتی اعمال بندہ صرف اس لیے

کرتا ہو کہ اس کا معبود اس سے راضی ہو، اس پر رحمت فرمائے اور ان کے ذریعہ اس کی روح کو پاکیزگی اور خدا کا تقرب حاصل ہو۔

انسان کے اچھے اعمال میں صرف عبادت ہی کی یہ خصوصیت ہو کہ اس کا تعلق براہ راست صرف اللہ سے ہوتا ہو، یعنی عبادت صرف اس کی رضا و رحمت حاصل کرنے اور اس کے سامنے اپنی بندگی کے اظہار اور رشتۂ عبودیت کو استوار کرنے ہی کے لیے کی جاتی ہو، اور مٹی سے بننے والے اور گندہ پانی کے ناپاک قطرہ سے پیدا ہونے والے انسان کو اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا وہ تقرب، وہ رابطہ اور وہ حضوری حاصل ہوتی ہے جو دراصل ساکنین ملاء اعلیٰ کا حصہ ہے، اسی لیے تمام ادیان نے اپنے ماننے والوں سے خدا کی عبادت کا مطالبہ کیا ہو اور اس کو انسان کا مقدس ترین عمل قرار دیا ہے۔

عبادت کی تین قسمیں کی جا سکتی ہیں۔ خالص جسمانی، خالص مالی، یا دونوں سے مرکب۔

خالص جسمانی وہ عبادات ہیں جن میں روپیہ پیسہ خرچ نہیں ہوتا بلکہ ان کا تعلق صرف انسان کے جسم سے ہوتا ہے جیسے اللہ کے حضور میں سجدہ کرنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، اللہ کے گھر کا طواف کرنا۔

اور خالص مالی سے مراد وہ عبادات ہیں جو اللہ کی راہ میں صرف مال خرچ کر کے ادا کی جاتی ہیں اور ان میں کوئی خاص جسمانی عمل نہیں کرنا پڑتا، جیسے صدقہ و خیرات کرنا، اللہ کے لیے کوئی نذر مان کر اس کو ادا کرنا قربانی کرنا وغیرہ وغیرہ

اور مرکب وہ عبادات ہیں جن کی ادائیگی میں جسم اور مال دونوں کا استعمال ہوتا ہو جیسے کہ حج اور عمرہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں جتنے پیغمبر مختلف زمانوں میں آئے اور جتنی کتابیں بھی نازل ہوئیں اُن سب کے ذریعہ بندوں کو ان عبادات کا حکم دیا گیا ہو، زمانہ کے حالات اور امتوں کے احوال کے مطابق اگرچہ عبادات کے نظام اور اُن کے مقررہ شکلوں میں کچھ اختلاف رہا ہو لیکن قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہو کہ اصل عبادت کا حکم اور مطالبہ ہمیشہ رہا ہے، خصوصیت سے نماز اور زکوٰۃ (یعنی اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات) ہر شریعت کے اہم اجزاء رہے ہیں۔

"سورۂ انبیاء" میں بہت سے اگلے نبیوں کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا | اور ہم نے بنایا ان کو راہبر، وہ رہنمائی |
| وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ | کرتے تھے اپنی امتوں کی، ہمارے حکم سے |

وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ○
(الانبیاء ع ۵)

اور ہم نے پیغام دیا اُن کو نیکیوں کے کرنے کا اور (خاص کر) نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا، اور وہ سب ہمارے عبادت گذار بندے تھے۔

اور "سورہ مائدہ" میں بنی اسرائیل کے عہد کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا گیا ہے۔

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ
(مائدہ ع ۳)

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے (اُن سے) کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے قائم رکھی نماز اور دیتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لاتے رہے تم میرے رسولوں پر (جو بعد میں میری طرف سے آئیں گے) اور (اُن کی دینی جد و جہد میں) تم اُن کی مدد کرتے رہے اور خدا کے کام میں اپنی دولت اچھی طرح صرف کرتے رہے تو (تمہارے ان نیک اعمال کی وجہ) ضرور بالضرور مٹا دونگا تمہارے گناہوں کو (یعنی وہ معاف کر دیے جائیں گے) اور بساؤں گا تمہیں اُن جنتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

اور سورۂ بینہ" میں اہل کتاب کے اختلاف و انکار کا ذکر کر کے فرمایا گیا ہو۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڏ حُنَفَاۗءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ○
(البینہ)

اور ان کو صرف یہی حکم تو دیا گیا تھا کہ وہ عبادت اور بندگی کریں، اللہ کی پورے اخلاص کے ساتھ صرف اسی کے بندے ہو کر، اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ اور وہ بھی جانتے ہیں کہ یہی دین قیم ہے (جس کی دعوت اللہ کے سب پیغمبروں نے دی ہو)

بہر حال قرآن مجید نے جابجا یہ بتایا ہے کہ عبادت دین کا اہم رکن ہو اور پیغمبروں کے ذریعہ ہر اُمت سے اس کا مطالبہ کیا گیا ہے ـــــ اور یہ اس لیے نہیں کہ اللہ کو ہماری عبادت کی کوئی ضرورت ہے، یا

اس کی شان میں ہماری عبادت سے کوئی اضافہ ہوتا ہے یا ہمارے رکوع سجدے اور ہمارے صدقہ خیرات سے اُس کو کوئی نفع پہونچتا ہے، بلکہ صرف اس لیے بندوں کو عبادت کا حکم دیا گیا ہو کہ عبادت ہی کے ذریعہ ہماری روحوں کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہو اور اپنے مالک و معبود سے ہمارا رابطہ قائم ہوتا ہے۔

سورۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے چند باتوں کی خاص نصیحت اور تاکید فرمائی گئی ہو، اور اس نصیحت کو ان لفظوں پر ختم کیا گیا ہو۔

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۝

(احزاب ع ۴)

اور اے نبی کی گھر والیو) اچھی طرح ادا کرتی رہو نماز، اور دیتی رہو زکوٰۃ اور فرمانبرداری کرتی رہو اللہ ورسول کے سب احکام کی (اس نصیحت اور ان احکام سے) اللہ تعالیٰ کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ اے نبی کے گھر والو تم سے ہر قسم کی آلائش اور گندگی دور ہو، اور تم کو کامل طریقہ سے پاک کر دیا جائے۔

الغرض عبادت کا حکم اگلی امتوں کو بھی اسی لیے دیا گیا تھا اور ہم کو بھی اسی لیے دیا گیا ہو کہ اس کے ذریعہ بندوں کی روحوں کو پاکیزگی حاصل ہو، اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا مقام حاصل کرنے کے قابل بنیں۔

اس تمہید کے بعد قرآن مجید کی چند وہ آیتیں پڑھیے جن میں ہم کو عبادت کا حکم دیا گیا ہو۔

"سورۂ حج" میں ارشاد ہے۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(الحج ع ۱۰)

اے ایمان والو اللہ کے لیے رکوع کرو، اور سجدہ کرو (یعنی نماز پڑھو) اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو، تاکہ تمھارا بھلا ہو۔

اس آیت میں بھی یہ بات واضح کر دی گئی ہو کہ عبادت کا حکم صرف بندوں کی بھلائی کے لیے دیا گیا ہے، خدا کو ان کی عبادت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ | اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور |
| وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○ (بقرہ ع ۵) | رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ |

پھر اسی سورہ بقرہ میں آگے ارشاد ہو

| | |
|---|---|
| وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ | اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، |
| مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ | اور جو نیکی بھی اپنے لیے آگے بھیجو گے |
| تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا | اس کو خدا کے پاس پالوگے، اللہ تعالیٰ |
| تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ (البقرہ ع ۱۳) | تمہارے سب اعمال کو دیکھتا ہے |

یہی مضمون قریب قریب ان ہی الفاظ میں سورہ مزمل وغیرہ کئی اور سورتوں میں بھی ہو۔

اور سورہ ابراہیم میں ارشاد ہے

| | |
|---|---|
| قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا | اے پیغمبر! میرے جو بندے ایمان لے |
| يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا | آئے ہیں ان کو پیغام دیجئے کہ وہ |
| رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً | نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو |
| مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ | دیا ہو اس میں سے پوشیدہ طور سے یا |
| فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ | علانیہ طور سے (جیسا موقع ہو، ہماری |
| (ابراہیم ع ۵) | راہ میں) خرچ کریں (اور نیکی کے یہ |

سارے کام قیامت کے) اس دن کے آنے سے پہلے کرلیں جس دن میں نہ خرید و فروخت ہوگی، نہ دوستی۔

یعنی اس دن نیک اعمال ہی پر نجات کا دار و مدار ہوگا اور نیک عمل اگر بندہ خود اپنے ساتھ نہیں لے گیا ہو تو نہ وہاں وہ کہیں سے خرید سکے گا نہ کوئی ایسا دوست وہاں ہوگا جو اس کو اپنے نیک اعمال بخش دے لہذا بندوں کو چاہیے کہ جو وقت ملا ہوا ہو اس کو غنیمت سمجھیں اور نماز اور صدقہ و خیرات وغیرہ عبادات کا ذخیرہ جمع کرکے اپنی نجات کا سامان کریں۔

اس کے بعد چند وہ آیتیں پڑھیے جن میں عبادت گزار بندوں کو بشارتیں سنائی گئی ہیں، اور

اللہ تعالیٰ نے پیار و محبت سے ان کا ذکر فرمایا ہو۔

سورۂ حج میں ایک جگہ ارشاد ہے۔

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○

اور اے پیغمبر بشارت دیجئے اور خوشخبری سنایئے ہمارے اُن نیاز شعار اور عبادت گذار بندوں کو جن کا حال یہ ہو کہ جب ذکر کیا جائے اللہ کا تو خوفزدہ ہو جاتے ہیں اُن کے دل، اور جو صبر کرتے ہیں اس پر جو اُن پر پڑتی ہے، اور جو قائم کرنے والے ہیں نماز کے اور (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں اُس میں سے جو ہم نے اُن کو دیا ہو

اور سورۂ رعد میں ارشاد ہے

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ○ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ○ (الرعد ع ۳)

اور ہمارے جن بندوں نے اپنے نفس کو تھامے رکھا (اُس کی بُری خواہشوں سے) اپنے رب کی رضا جوئی میں، اور قائم کی انھوں نے نماز اور خرچ کیا، انھوں نے اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا تھا (موقع کے مطابق) پوشیدہ اور علانیہ، اور کرتے ہیں وہ برائی کے مقابلہ میں بھلائی، اُن بندوں کے لیے آخرت کا اچھا گھر ہے، باغ ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں رہیں گے اور اُن کے ساتھ اُن کے باپ دادوں اور اُن کی بیویوں اور اُن کی اولاد میں سے جو نیک ہوئے ہوں گے، اور فرشتے آئیں گے اُن کے پاس ہر دروازہ سے اور کہیں گے سلام ہو تم پر اے اللہ کے بندو، بدلہ اُس کا جو تم نے صبر کیا، خوب ہی اور مبارک ہو

## تمہارا آخرت کا یہ گھر

اور سورۂ نور میں ارشاد ہے

يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۝
رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ
عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَ
إِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا
تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝
لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا
وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ
مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝
(النور ع ۵)

اُن عبادت خانوں میں اس کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں صبح و شام وہ بندے (جن کے تعلق باللہ کا حال یہ ہو) کہ اُن کو غافل نہیں کر سکتا کوئی تجارتی مشغلہ اور نہ کوئی خرید و فروخت کا کام اللہ کی یاد سے، اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے، وہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں اس دن کی فکر سے جس میں کہ اُلٹ جائیں گے دل اور آنکھیں تاکہ بدلہ دے اُن کو اللہ اُن کے بہترین اعمال کا اور مزید عطا فرمائے ان کو اپنے فضل خاص سے، اور اللہ تعالیٰ دیوے گا جس کو چاہے گا بے حساب۔

اور سورۂ توبہ میں ایک جگہ ان بندوں کا ذکر فرماتے ہوئے جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا خاص وعدہ ہو اُن کے خاص اوصاف یہ بیان فرمائے گئے ہیں۔

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ
السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ
الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ
عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ
وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (التوبہ ع ۱۴)

وہ توبہ کرنے والے ہیں، عبادت گزار ہیں، اللہ کی حمد کرنے والے ہیں روزے رکھنے والے ہیں، رکوع سجود کرنے والے (یعنی نمازیں پڑھنے والے) ہیں، اچھے کاموں کے لیے کہنے والے اور برائیوں سے منع کرنے والے ہیں اور اللہ کی باندھی ہوئی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اے رسول (ان صفات کے رکھنے والے) مومنین کو آپ (ہماری رحمت اور جنت کی) خوشخبری سنا دیجیے۔

اور سورۂ مومنون میں ارشاد فرمایا گیا ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ
هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝

یقیناً فلاح پالی اُن ایمان والوں نے
(اور اپنی مراد کو پہونچکر وہ کامیاب ہوگئے)
جو اپنی نماز میں خشوع کی صفت کے ساتھ
ادا کرنے والے ہیں اور جو لغو و فضول
باتوں اور شغلوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔

اس کے بعد اُن کی پاک دامنی اور امانت داری وغیرہ بعض اخلاقی محاسن کا ذکر فرماکر آخر میں ارشاد فرمایا۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ الَّذِيْنَ
يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ
فِيْهَا خَالِدُوْنَ۔ (المؤمنون ع ۱)

یہی وراثت پانے والے ہیں جو وراثت
پائیں گے "جنت الفردوس" کی وہ
ہمیشہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔

اور سورہ فاطر میں ارشاد ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً
يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝
لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ
مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝
(الفاطر ع ۴)

جن بندوں کا حال یہ ہو کہ وہ پڑھتے
ہیں اللہ کی کتاب اور قائم کرتے ہیں نماز
اور خرچ کرتے ہیں ہمارا دیا ہوا پوشیدہ
اور علانیہ، وہ اُمید رکھتے ہیں ایسی
سوداگری کی جس میں ہرگز ٹوٹا نہیں،
اُن کا انجام یہ ہو کہ پورا دے گا اللہ اُن
کو اُن کا ثواب اور مزید بخشش دے گا اُن
کو اپنے خاص فضل سے، وہ اللہ بہت بخشنے والا اپنے بندوں کی عبادت گزاری
اور نیک کرداری کی بڑی قدر فرمانے والا ہے

اور سورہ سجدہ میں ان ہی عبادت گزار بندوں کے متعلق ارشاد ہے

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ
يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا

اُن کی کروٹیں اپنی خوابگاہوں سے الگ
رہتی ہیں (یعنی جب سونے والے آرام

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (السجدہ رع ۲)

کی میٹھی نیند سوتے ہیں تو ہمارے یہ خاص عبادت گزار بندے بستروں سے الگ، ہماری عبادت میں مشغول ہوتے ہیں اُس کے عذاب کے خوف سے، اور اس کی رحمت کی طمع میں اُس سے دعائیں کرتے ہیں، اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں، پس کوئی نفس نہیں جانتا اُن کی آنکھ کی ٹھنڈک کے ان سامانوں کو جو ان بندوں کے لیے چھپا کے رکھے گئے ہیں بدلے میں اُن اچھے اعمال کے جو وہ کرتے تھے۔

اور سورہ ذاریٰت میں ایسے ہی بندوں کو جنت اور اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص نعمتیں عطا فرمائے جانے کا ذکر کرنے کے بعد اُن کا حال خود اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ (ذاریٰت رع ۱)

ہمارے یہ بندے راتوں میں بہت کم سوتے تھے (بلکہ رات کے بڑے حصہ میں عبادت کرتے تھے)، اور (رات اس طرح گزار کے) سحر کے اوقات میں مغفرت چاہتے اور معافی مانگتے تھے، اور اُن کے مالوں میں ایسے لوگوں کا حق تھا جو (ضرورت سے مجبور ہو کر) سوال کرتے تھے یا جن پر کوئی آفت آپڑتی تھی۔

اس سلسلہ میں ایک آیت سورہ احزاب کی اور پڑھ لیجئے ـــــ ارشاد ہے

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ

بلاشبہ اللہ و رسول کا حکم ماننے والے مرد اور ماننے والی عورتیں اور دل سے ایمان لانیوالے مرد اور ایمان لانیوالی عورتیں اور بندگی کرنیوالے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں، اور سدا سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں، اور نفس کی غلط خواہشوں کے

وَالصّٰٓئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب ع ۵)

مقابلہ میں اللہ کے حکم پر مضبوطی سے جمے رہنے والے مرد اور جمی رہنے والی عورتیں اور عاجزی و مسکنت اختیار کرنے والے مرد اور اسی صفت کی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور ایسے ہی اس کو یاد کرنے والی عورتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان سب بندوں اور بندیوں کے لیے رکھی ہو خاص بخشش اور بڑا اجر۔

یہ چند آیتیں اس کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہیں کہ قرآن مجید نے خدا کی عبادت پر کتنا زور دیا ہو اور عبادت کے ذریعہ بندہ کیا کچھ پا سکتا ہو۔ قرآن مجید کی بعض آیتوں میں خصوصیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے عبادت یا کثرت عبادت کا حکم دیا گیا ہو ان میں سے بھی دو چار آیتیں یہاں پڑھ لیجیے!

سورہ حج میں ارشاد ہے

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ (الحجر ع ۶)

آپ اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ اُس کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہیے، اور اُس کے حضور میں سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیے۔ اور موت کی گھڑی تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے!

اور سورہ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا گیا ہو

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝ (طٰہٰ ع ۸)

یہ منکر لوگ جو تکلیف دہ باتیں کرتے رہتے ہیں آپ اُن پر صبر کیجیے اور اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کرتے رہیے، صبح طلوع آفتاب سے پہلے اور شام کو غروب

آفتاب سے پہلے اور رات کی گھڑیوں میں بھی خدا کی تسبیح کیجیے اور دن کے حصوں میں بھی

— شاید کہ آپ راضی ہوں۔

چونکہ نماز میں خاص عنصر اللہ کی حمد و تسبیح ہے۔ یہاں تک کہ قیام، قعود، رکوع، سجود، غرض نماز کا کوئی حصہ بھی حمد و تسبیح سے خالی نہیں ہوتا اس لیے قرآن مجید کی بعض آیات میں حمد و تسبیح ہی کے عنوان سے نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ اس آیت کا مطلب بھی یہی ہے کہ اے پیغمبر آپ صبح و شام اور دن رات کے مختلف حصوں میں نماز پڑھنے کا اپنا طریقہ جاری رکھئے اور امید رکھئے کہ آپ کی دن رات کی اس عبادت گزاری کے وہ نتائج دنیا اور آخرت میں ظاہر ہوں گے کہ آپ کا جی خوش ہو جائے گا۔

اور سورۂ مزمل میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا | اے کمبل پوش کھڑے ہوا کرو (رہا کرو عبادت |
| قَلِيلًا نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ | میں) رات کو (یعنی رات کو نماز میں مشغول |
| قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ | رہا کرو) سوائے تھوڑے سے حصہ کے، |
| الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ٥ | (یعنی رات کو بس تھوڑے سے حصہ میں |
| (المزمل ع ۱) | آرام کر لیا کرو) آدھی رات (نماز میں |

گزارا کرو) یا اس میں سے تھوڑا کم کر دو یا اس پر اضافہ کر لو اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھا کرو۔

اور سورۂ دہر میں فرمایا گیا ہے

| | |
|---|---|
| وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ٥ | اور صبح شام اپنے پروردگار کا نام لیا |
| وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ | کیجیے اور اس کو یاد کیا کیجیے، اور رات |
| لَيْلًا طَوِيلًا ٥ (الدھر ع ۲) | میں اس کے حضور سجدے کیا کیجیے، اور |

اس کی تسبیح کیا کیجیے رات کے بڑے حصہ میں

ان آیتوں میں لفظوں کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ دن میں بھی اور خصوصیت سے صبح و شام اور رات کے اوقات میں آپ نماز اور اللہ کی حمد و تسبیح میں زیادہ مشغول رہا کریں۔

ان آیتوں میں بظاہر خطاب اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہو لیکن ظاہر ہے کہ یہی حکم بالواسطہ اور ثانوی درجہ میں آپ کی اُمت کو بھی ہو۔

آخر میں سورۂ کوثر اس سلسلہ میں اور پڑھ لیجیے۔

| | |
|---|---|
| اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۝ (الکوثر) | ہم نے آپ کو عطا کیا کوثر، پس آپ نماز پڑھیے اپنے پروردگار کے لیے اور قربانی کیجیے۔ بلاشبہ آپ کے دشمن ہی بے نام ونشان ہوں گے |

اس سورت میں یہ اشارہ کھلا ہوا ہو کہ اللہ کی عبادت (نماز و قربانی)، دُنیا میں بھی سرفرازی لاتی ہے، بشرطیکہ حقیقی نماز اور حقیقی قربانی ہو، صرف صورت نہ ہو۔

مسلسل

قسط ۱۷

# ارشادات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

## مکتوبات کے پیرائے میں

مترجمہ ——— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

مکتوب (۴۳) ملا مشتاق برکی کے نام ———

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ——— جو خط از راہِ محبت ارسال کیا تھا۔ پہونچا۔ مسرت بخش ہوا۔ اس میں چند سوالات کیے تھے ...... ان میں سے پہلا سوال یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں فرمایا ہے۔ اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَاماً[1] ——— نیز ایک جگہ فرمایا ہے:۔ اِتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفاً[2]۔ پس ان دونوں آیتوں کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مقتدیٰ و متبوع قرار دیے جائیں اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تابع ہوں۔ حالاں کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بالیقین افضل و اعلیٰ ہیں یہی اشکال حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃ[3]" اس سے بھی وہی بات لازم آتی ہے جو آیت سابقہ سے لازم آئی تھی (یعنی افضلیت آدمؑ)"

جواب ——— آیۂ ——— اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خلیفہ ——— میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ حکم نوعِ انسان کی خلافت کا ہے۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام

---

[1] میں آپ کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ [2] اتباع کیجیے آپ ملت ابراہیم کی یکسو ہو کر۔ [3] میں زمین میں ایک جانشین پیدا کرنے والا ہوں۔

کی خصوصیت نہیں ہے چنانچہ جواب ملائکہ سے اس کا پتہ چل رہا ہے۔ انھوں نے کہا اَتَجعلُ فیھا
من یفسد فیھا ویسفك الدماءَ۔ "فساد" اور "سفک دماء" (خوں ریزی) نوعِ انسان میں
ہے آدم علیہ السلام میں نہیں ـــــ اور اگر خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام ہی کو مانا جائے تو یہ خلافت
زمانہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ خاص تھی، "خلافت موبدہ" (ابدی) نہ تھی ـ خلافت موبدہ
ماننے میں البتہ اشکال وارد ہوتا ہے ـــــ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی شان میں فرمایا ہے
یا داؤدُ اِنا جعلناك خلیفةً فی الارض ـــــ اور حضرت مہدی علیہ الرضوان
کی شان میں حدیث کے اندر وارد ہوا ہے ـــ فانّ فیھم خلیفةَ اللهِ المھدی ـــــ
اور اسی قبیل سے قطب ارشاد، غوث اور قطب مدار ہیں جو ہر زمانے میں ہوتے ہیں، انکی قطبیت
اور تمام مناصب انھیں کے زمانے کے ساتھ خاص ہوتے ہیں ........

ہاں ـــ اِنّی جاعلك للناسِ اِماماً ـــــ یہ حکم عام اور موبد ہے۔ قاضی بیضاویؒ
نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے ـــ واِمامتہ عامّةٌ موبّدةٌ اِذلم یبعث نبیٌ بعدہٗ اِلاکان
من ذُرِّیتہٖ مامورًا باتباعہٖ ـــــ چنانچہ آیۃ ـــ اِتّبعْ مِلّةَ اِبراھیم ـــ
اسی پر دلالت کر رہی ہے ـــــ لیکن اِن آیات کی رُو سے افضلیتِ آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم
میں کوئی کمی نہیں آتی ـــــ مفسرین نے کہا ہے کہ اِتّبع مِلّةَ ابراھیم کا مطلب ومقصد یہ ہے
کہ آپ حضرت ابراہیمؑ کی پیروی کیجئے، توحید میں یا دعوت اِلی الحق کی روش اور طور طریقے میں ـــ
جیساکہ حضرت ابراہیمؑ نرمی ومدارات کے ساتھ، پے درپے دلائل پیش کر کے اور بقدرِ فہم مخاطب،
مناظرہ کر کے دعوت دیتے تھے آپ بھی ایسا ہی کیجئے۔

صاحب تیسیر نے بیان کیا ہے کہ اتباع نام ہے اُس راہ پر چلنے کا جس پر متبوع چلا ہو۔
پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ابراہیمؑ ـــ اس بنا پر تھی کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام

---

[1] تو پیدا کرتا ہو زمین میں اس کو جو کہ زمین میں فساد کریگا اور خونریزی کریگا۔ [2] داؤد ہم نے تم کو بنایا بادشاہ زمین میں۔
[3] مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ میں ـ فان فیھم کی بجائے فان فیھا ـ ہے۔ [4] حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت
عام اور موبد ہو اسلئے کہ کوئی نبی ان کے بعد ایسا مبعوث نہیں ہوا جو انکی ذریت میں سے نہ ہو اور انکی اتباع کا مامور نہ ہو۔ (اگرچہ
وہ اتباع فی الجملہ ہو فی جمیع الاحکام نہ ہو)

کے بعد مبعوث ہوئے تھے۔ اس وجہ سے نہیں کہ آپ اُن سے مرتبے میں کم ہیں ——

ارشاد — انا اکرم الاولین والآخرین علی اللّٰہ[1] —— کی رو سے یہ بات مُسَلَّم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے اکرم و افضل ہیں اور فضیلت کے اندر آپ کا حصہ تمام انبیاء و اصفیاء سے زیادہ ہے —— اسی قبیل سے ہے یہ امر کہ وارد ہوا ہے فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ[2]۔ اس سے بھی آپ کی افضلیت میں کوئی نقصان لازم نہیں آتا —— ان سب باتوں کے باوجود میں کہتا ہوں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فاضل کو متابعتِ مفضول کا حکم کرتے ہیں اور اس سے فاضل کی فاضلیت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالےٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے:۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ —— دیکھو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب کرامؓ سے مشورے کا حکم ہو رہا ہے۔ جس میں ضمنی طور پر امرِ متابعت اصحاب کرامؓ —— بھی پایا جاتا ہے۔ ورنہ مشورے کا فائدہ ہی کیا ہوا؟ (باوجود اس کے یہ بات مُسَلَّم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں اور صحابۂ کرام مفضول ہیں) —— اس مقام کی تحقیق اور اس معاملے کی حقیقت، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ازراہِ کشف وعرفان اپنے مکاتیب میں بیان کی ہے وہاں مطالعہ کرلیں......

مکتوب (۴۳) خواجہ عبداللہ کولابی کے نام۔ (آخری حصہ)

.......تم نے لکھا تھا کہ اگر کسی طالب کو یہ بات حاصل ہو جائے کہ وہ ارواحِ طیبہ کا مشاہدہ، بچشمِ ظاہر کرنے لگے اس کے بارے میں کیا حکم ہے" —— مخدوما! مشاہدہ ارواح، خواہ بچشم سر ہو خواہ بچشم باطن، کوئی کمال کی بات نہیں ہے اور منازلِ قرب کی کوئی منزل اس سے وابستہ نہیں ہے —— کمال تو یہ ہے کہ باطن —— ماسواء کی "دید و دانش" سے آزاد ہو جائے۔

غیر کا نام و نشاں، دیدۂ باطن میں باقی نہ رہے

تو مباش اصلا کمال ایں ست و بس

اس قسم کی چیزیں جو سالکوں کو اثناءِ راہ میں ظاہر ہوا کرتی ہیں بالکل ایسی ہیں جیسا کہ علمِ بلاغت میں "محسنات بدیعی" ہوتے ہیں کہ وہ تحسین کلام کا فائدہ تو بخشتے ہیں لیکن بلاغت

---

[1] میں اللہ کے نزدیک اولین و آخرین میں اکرم ہوں۔ [2] پس روشِ انبیاء کی اقتداء کیجیے۔

میں اُن کو کوئی دخل نہیں ہوتا ــــــ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ ارواح کا مشاہدہ، "محنات" سے بھی کم درجہ رکھتا ہے اس لیے کہ بسا اوقات اس قسم کے مشاہدات، طلب سے باز رکھتے ہیں ــــ اور (سالک کے اندر) کمال کا وہم پیدا کر دیتے ہیں ــــ اِن اُمور (مشاہدات ارواح) کا فائدہ، اگر مضرات سے خالی ہوں ــــ تو زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ طلبِ سالک میں معاونت کرتے ہیں اور ممد کار ہو جاتے ہیں (ادریس) ــــــ تم نے لکھا ہے کہ میں نے کچھ سوالات عریضہ سابق میں کیے تھے اُن کے جواب کا منتظر ہوں" ــــ مخدوما! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا وہ خط فقیر کی علالت کے زمانے میں آیا تھا اس وقت جواب لکھنے کی طاقت نہ تھی بلکہ پڑھنے اور غور کرنے کی بھی ہمت نہ تھی ــ اب وہ خط ملا نہیں ــ معذور رکھیں ــــــ والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم ــــ

مکتوب (۳۴) شیخ امان اللہ نبیرۂ شیخ حمید بنگالیؒ کے نام (آخری حصہ)

........ تم نے بعض ظاہری پریشانیوں کا ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ ان پریشانیوں کو جمعیت قلبی کے ساتھ تبدیل فرما دے اور ماسوا کی کشاکش سے رہائی بخشے ــــ اس طرف سے (بنگال سے) جو مسلمان آتے ہیں اُن میں کے اکثر وہاں کے حاکم کی شکایت کرتے ہیں اور اس کی بیدینی اور بدعملی سے نالاں ہوتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اہل اسلام اس کے شر سے خلاصی اور اس کی سختی سے رہائی پا گیے (یہ بات یاد رکھو کہ) ظلم حکام ہماری شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے اَعمالُکم عُمّالُکم ــ (تمہارے اعمال تمہارے حاکم ہیں) بس اپنی اصلاح کرنا چاہیئے اور تقویٰ میں مشغول رہنا چاہیئے ــ وَمَن یَتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَل لَّہٗ مَخْرَجاً وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَن یَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ[1] ــــــ

احباب سے دعائے سلامتی خاتمہ کی اُمید ہے ــ والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب (۴۰) مُلّا ابو محمد لاہوری کے نام ــــ (آخری حصہ)

......... تم نے سرہند آنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے (بہت اچھی بات ہو)

ع کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

اس دور از کار سے جو درخواست کی ہے وہ تمہارے حُسنِ ظن کی بات ہے ورنہ یہ فقیر

[1] اور جو شخص ڈرا اللہ سے اسکے لیے چھٹکارے کی سبیل نکال دیتا ہے اور رزق دیتا ہے اسکو اس جگہ سے کہ جہاں گمان نہ ہو، اور جو شخص توکل کرتا ہے اللہ پر بس اللہ اسکے لیے کافی ہے۔

اپنے آپ کو کسی قابل نہیں سمجھتا ـــــ منازلِ قرب تک پہونچانا ایک کارِ عظیم ہے ـــــ البتہ انا عند ظنِّ عبدی بی۔ کی رُو سے ممکن ہے کہ تمھارے حسن ظن کے موافق تمھارے ساتھ معاملہ کیا جائے۔ ۱؎

می تواند کہ دہد اشکِ مرا حسنِ قبول
آنکہ دُر ساختہ است قطرۂ بارانی را

والسلام اولاً و آخراً ـــــ

**مکتوب (۴۳) خواجہ محمد حنیف کابلی کے نام ـــ**

........گردشِ زمانہ اور انقلاب اہلِ زمانہ سے رنجیدہ و ملول نہ ہوں اور زمانے کے پست و بلند کرنے سے متغیر نہ ہوں بلکہ عبرت حاصل کریں، ترساں و لرزاں رہیں ـــ "تمام قلوب، اللہ تعالٰی کے قبضے میں ہیں وہی جس طرح چاہتا ہے قلوب کو گھماتا ہے" ـــ

ع ـــ چو بید بر سرِ ایمان خویش می لرزم

اللہ کی خفیہ تدابیر اور اُس کے استدراج سے بھی ڈرتے رہنا چاہیئے ـــ علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم ـــــ سب باتوں کو اللہ کی طرف سے سمجھنا چاہیئے اور سب کاموں کو اُسی کے سپرد کرنا چاہیئے۔ ۱؎

از خدا داں خلافِ دشمن و دوست
کہ دلِ ہر دو در تصرف اوست

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ـــ

**مکتوب (۵۱) مرزا احمد ہادی کے نام ـــ**

بسم اللہ الرحمن الرحیم ـــ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ قل اللہ ثم ذرھم ـــ

مخدوما! وحدت و کثرت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ طالبِ وحدت کو ترکِ کثرت ضروری و لابدی ہے۔ جس قدر اسبابِ کثرت اپنے ساتھ رکھے گا اُسی قدر وحدتِ حقیقی سے دور

---

۱؎ میں بندے کے گمان کے قریب ہوں (حدیث قدسی) ۲؎ اے مسلمانوں اپنے نفسوں کی محافظت کرو تم کو کسی کا گمراہ ہونا ضرر نہیں پہونچائے گا اگر تم راہ یاب ہوگے۔

مجبور رہے گا "وحدانی" ہونا چاہیئے طلب و محبت کی حیثیت سے بھی اور علم و ارادہ کے لحاظ سے بھی ـــ تاکہ مناسبت پیدا ہو........ اور توحید حقیقی تک پہونچے۔ (بزرگوں کا مقولہ ہے) (التوحید اسقاط الاضافات ـــ یعنی توحید نسبتوں کے ساقط کرنے کا نام ہے) ـــ اوقات کو ذکر و فکر میں معمور رکھو۔ "تنویر باطن" میں کوشش کرو اس لیے کہ باطن، محلِ نظر مولیٰ ہے۔ تنویرِ باطن، دوام ذکر و مراقبہ سے متعلق ہے نیز وظائف بندگی کی بجا آوری، فرائض، سنن اور واجبات کی ادائیگی اور بدعت و محرمات و مکروہات سے بچنے کے ساتھ مربوط ہے۔ جس قدر بھی اتباع شریعت اور اجتناب از بدعت میں کوشش ہوگی اُسی قدر نورِ باطن بڑھے گا اور "جناب قدس" کی طرف راستہ کشادہ ہوگا ـــ اتباع سنت، یقینی طور پر نجات دہندہ، نتیجہ بخش اور رافع درجات ہے احتمالِ تخلف نہیں رکھتی، اور اسکے ماوراء، خطر در خطر ہے اور رہِ شیطان ہے ـــ فالحذر کل الحذر ـــ فماذا بعد الحق اِلّا الضلال ـــ دین قویم (اسلام)، کو جوکہ وحی قطعی سے ثابت ہوا ہے سخنہائے باطل اور اوہام و خیالات کی بنا پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ـــ ما علی الرسول اِلّا البلاغ والسّلام علیکم و علیٰ سائر من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات والبرکات العلیٰ۔

**مکتوب (۵۲) رفعت بیگ کے نام ـــ (آخری سطریں)**

........ اپنے فرزند کے انتقال کو لکھا تھا اور اس کی جدائی کی وجہ سے طرح طرح کا غم و الم ظاہر کیا تھا ـــ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ـــ تقدیر و ارادۂ الٰہی پر رضامندی ضروری ہے۔ مصائب ظاہریہ طراوت معنویہ کے وسائل اور ترقیات اُخرویہ کے سبب بن جایا کرتے ہیں ـــ اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا کرے ـــ راہ ترقی کو کشادہ کرے اور نعم البدل عنایت فرمائے ـــ اِنّہٗ قریبٌ مجیب ـــ

**مکتوب (۵۸) مُلّا قاسم ساکن روپڑ کے نام ـــ (آخری حصّہ)**

........ مخدوما! نماز معراجِ مومن ہے جو حالت اس کی ادائیگی کے وقت رونما ہوگی وہ "حالتِ معراجیہ" کے ساتھ مناسبت رکھے گی اور تمام دیگر حالات سے ممتاز ہوگی ـــ تمام احوال کو نماز کے مقابلے میں وہ نسبت حاصل ہے جو صورت کو حقیقت کے مقابلے میں ـــ

مثال کے طور پر دیکھو جو صورت آئینے میں نظر آرہی ہے اس کو اپنی اصل سے کیا مساوات حاصل ہے؟ سوائے مماثلت صوری و مشارکت رسمی کے اور کچھ بھی نہیں، کسی نے خوب کہا ہے:۔

گر مصور صورتِ آں دلستاں خواہد کشید

حیرتے دارم کہ نازش راچساں خواہد کشید

جس قدر بھی تکمیلِ نماز میں کوشش، رعایت سنن و آداب سنن میں جد وجہد اور تطویل قرأت در رکوع و سجود میں سنت کی موافقت کروگے، فیوض و برکاتِ نماز اسی قدر وارد ہوں گے۔ نماز کا حسن و جمال اور کمال زیادہ سے زیادہ ظہور پذیر ہوگا ___ ترقیات نمودار ہوں گی اور "لطف خاص" اور زیادہ تجلی ریز ہوگا ___ ...... دوستوں سے دعا کی اُمید ہے۔ والسلام

## مکتوب (۶۴) خواجہ محمد صادق بخاری مدنی کے نام ___

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ___ بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التحیات۔

...... مخدوما! فقراء دور افتادہ و دور از کار امیدوار ہیں کہ روضۂ مقدسہ (گنبد خضراء) کے مجاور، اور اس آستانۂ عالیہ کے جاروب کش نیز اس "دیارِ پرانوار" کے معتکف اور "اذہمانی الغار" کے زائرین ___ اس شکستہ، دل افگار کو بھی اس "بارگاہِ سراسر اسرار" میں یاد رکھیں گے اور انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ اس کا "سلام فقیرانہ" پیش کریں گے، گاہے گاہے ایک "نگاہ کرم" کی درخواست بھی اس مشتاق سرگشتہ کے لیے کردیا کریں اس لیے کہ اس عاجز کے تمام کاموں کی درستگی موقوف "بہ نیم نگاہ" ہے کسی نے (اپنے محبوب سے مخاطب ہوکر) خوب کہا ہے ؎

از دردِ سرِ خمارِ ہستی رستن موقوف بیک نگاہِ مستانۂ تست

تمہارے سب خطوط پہونچے ___ مسرت بخشی ___ لیکن ہماری طرف سے ارسالِ جواب میں کوتاہی ہوئی۔ بعد مسافت (خود) عذر خواہ ہے ___ اس وقت آپ کے خطوط میں سے کوئی خط سامنے نہیں ہے جو اُن کو دیکھ کر ان کے مطابق کچھ لکھا جائے ___ بس ضبط اوقات میں کوشش کرو، موافق وقت و حال، اعمال و طاعات میں مشغول رہو اور طالب ترقی رہتے ہوئے اس بات کی کوشش ہو کہ آگے کو جو دن آئے وہ بہتر حالت میں آئے ___ "من استوی یوماہ فھو مغبون" (جس کے دو دن یکساں گذرے اور آگے کو ترقی نہ کی وہ ٹوٹے میں ہے) ___

...... والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الھدیٰ ـــ

**مکتوب (۱۷) سید علی (بارہہ) کے نام۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــ اللہ تعالےٰ مدارج قرب عنایت فرمائے ـــ

صحیفہ گرامی پہونچا۔ چونکہ "سلامتی دوستاں" پر مشتمل تھا اس لیے بہجت و مسرت کا باعث ہوا۔ تم نے توجہ کی درخواست کی ہے ـــ مخدوما! ـــ جس شخص میں نشۂ محبت موجود ہے وہ (خود) "معانی مکنونہ" جذب کرلیتا ہے اور باطنِ فیض دہندہ سے باندازۂ محبت اخذِ فیوض کرتا ہو اور موقعِ توجہ کا خیال رکھتا ہے۔ اگر (مرشد کی) توجہ بھی اِس محبت کے ساتھ جمع ہو جائے تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ اِس کام (سلوک) میں سب سے اعلیٰ، محبت ہے۔ توجہ، محبت کے بغیر کارگر نہیں اور محبت بے توجہ بھی کام کرجاتی ہے۔ المرءُ مع من احبّ ـ حدیث نبویؐ ہے ـــ محبت سلسلۂ وجود و ایجاد کو جنبش میں لائی ہے، اسی محبت نے گنجِ پنہاں کو ظاہر کیا ہے۔ اسی نے حُسنِ پوشیدہ کو بے پردہ کر دیا ہے۔ بیشک حُسن، بے پردگی کا خواہاں ہے اور جمال، تاب مستوری نہیں رکھتا ـــ ع پری رو تابِ مستوری ندارد ـــ یہ محبت، صفتِ محبوب کا مظہر ہے جو کہ "حسن نظارگی" چاہتا ہے، محبوب کو ایک محب چاہیئے تاکہ اس کی صفتِ محبوبی آشکارا ہو جائے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

منم کاستاد را استاد کردم    غلامم خواجہ را آزاد کردم

جو محبت عاشق کی صفت ہے وہ اُسی محبت کا عکس ہے جو معشوق کے ساتھ قائم ہے۔ کیونکہ عاشق کا جو کمال ہے وہ کمالات معشوق کا سایہ ہے۔ پس یہ اسی محبت کا ظہور ہے جو اس آئینے کے اندر اس لباس میں جلوہ گر ہے۔ ع یک نشّہ دوجا ظہور کردہ

عاشق، "دقائق حسن" کو جتنا زیادہ سمجھے گا اور جمال وکمالِ معشوق کی معرفت میں جتنی زیادہ "چشم دوربیں" رکھتا ہوگا، صفتِ عشق اس میں اتنی ہی زیادہ بڑھی ہوئی ہوگی اور وہ اتنا ہی زیادہ فریفتہ وشیفتہ ہو جائے گا۔ ؎

آنراکہ بحسن دیدہ تیز است    ایں عشق، بلائے خانہ خیز است

والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الھدیٰ۔

## مکتوب (۷۲) میاں معقول کے نام (زیارتِ حرمین کی ترغیب وتشویق میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التحیات......

جو مراسلہ محمد عارف اور صوفی پائندہ کے ہاتھ بھیجا تھا۔ پہونچا۔ مسرت بخش ہوا۔ اظہارِ اشتیاق ملاقات کیا تھا۔ فقیر کو بھی مشتاقِ ملاقات جانیں...... اللہ تعالےٰ آتشِ شوق کو مشتعل اور نارِ محبت کو سربلند کرے۔ تاکہ ماسوا سے پورے طریقے سے رہائی دے اور مطلبِ اعلیٰ تک پہونچائے۔ اِنَّہٗ قَرِیْبٌ مُجِیْبٌ ـــ مخدوما! تم نے شوقِ زیارتِ بیت اللہ کا اظہار کیا ہے۔ اس کے مطالعہ نے لذت اندوز کیا اور شوق کو برانگیختہ کر دیا۔ ہاں کسی مسلمان کو سفر کا ارادہ ہو تو وہ ایسا ہی (متبرک) سفر اختیار کرے اور کوئی شوق، دامن گیر ہو تو اسی دیار کا شوق ہو اسلئے کہ یہ بہترین جگہ ہے اور "مطلوب بے نشان" کا نشان رکھتا ہے۔ ؎

گفت معشوقے بعاشق کاے فتا ۔۔۔ تو بغربت دیدۂ بس شہرہا

بس کدامیں شہر ازانہا خوشتر ست؟ ۔۔۔ گفت آں شہرے کہ دروے دلبر ست

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِیْ ھٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی[1]۔

تم نے اس سفر کے بارے میں لکھا تھا کہ باعتبارِ مصلحتِ ظاہری کوئی اشارہ ہو نیز اس بارے میں توجہ باطنی بھی فرمائیں (تو بہتر ہے) مخدوما! مصلحتِ ظاہری کو تو تم ہی بہتر جانتے ہو۔ اور مزاجِ سلاطین...... کو اچھی طرح سمجھتے ہو ورنہ اس اعتبار سے کہ امر خیر ہے عینِ مصلحت ہے۔ توجہ باطنی...... جو کی گئی تو اس سفر کا کرنا قوت کے ساتھ نہیں معلوم ہوا اور منع بھی مفہوم نہیں ہوا۔ الغرض اگر تم پر حج فرض ہو گیا ہے اور علماء قطعی طور پر تمہارے لیے اسکی فرضیت کا حکم کرتے ہیں تو دریافت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر نہیں تو توقف ہے اور علماء بھی فرضیت کا قطعی حکم نہیں کر رہے ہیں پس مختار ہو مشورہ اور استخارہ کر دو۔

وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّآخِرًا

[1] ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کے لیے شدِ رحال (سفر) نہ کیا جائے۔ (۱) مسجد الحرام (۲) مسجد نبوی (۳) مسجد اقصیٰ

**مکتوب (۴۷)** محمد سعید سارنگ پوری کے نام۔ (درمیان سے)

.........جس راہ پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم چلے ہیں وہی راہِ "اجتبا" ہے جو محبوبیت ذاتیہ سے نکلی ہے۔ اس راہ پر چلنا ہی راہِ شریعت پر چلنا ہے۔ جو شخص چاہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلے وہ راہِ شریعت کو پورے طریقے سے اختیار کرے اتباع سنت واجتناب از بدعت پر راسخ ہو اور کتاب وسنت کی دو شمعوں کے درمیان چلے تاکہ بدعت کی تاریکیوں اور شیاطین کی راہوں میں مبتلا نہ ہونے پائے الخ.........

**مکتوب (۸۴)** سید محمد بیگ بلخی کے نام۔۔۔۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اللہ تعالیٰ جادۂ شریعت غرا و سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مستقیم رکھے مکتوب مرغوب پہونچا، مسرت بخش ہوا۔۔۔ شکر خدا کہ مطالبہ پادشاہی سے نجات حاصل ہو گئی۔ امیدوار رہو کہ قرض سے بھی نجات مل جائے گی۔

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِىْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِىْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ[1] (الحدیث)

اس دعا کو قرض سے نجات پانے کے لیے تضرع وزاری کے ساتھ اکثر پڑھتے رہا کرو۔۔۔۔۔
اپنے اوقات کو ذکر وفکر سے معمور رکھو۔ طاعات وعبادات کی طرف راغب رہو۔ اخیر شب کی بیداری کو عزائم امور میں سے سمجھو۔۔۔ کلمۂ طیبہ کی تکرار کر کے اپنے مرادات ومقاصد کی نفی کرو تاکہ صحن سینہ میں کوئی مراد ومقصود سوائے حق جل مجدہٗ کے باقی نہ رہے.........ع

ایں کار دولت ست کنوں تا کرا دہند

والسلام۔۔۔۔

**مکتوب (۸۷)** رعایت خاں کے نام (رضا بقضا کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التحیات.........

.........صحیفۂ گرامی نے مشرف کیا جو کچھ درد ومحن وآلام، برادر دینی نور محمد کی زبانی، مجھ تک پہونچائے تھے وہ سب معلوم ہو گیے اور احباب کے صدمے کا سبب ہوئے۔ اشفاق پناہا! جو کچھ بندے پر گذرتی ہے سب تقدیر خداوندی اور ارادۂ ازلی سے ہے۔

---

[1] اے اللہ حلال کے ذریعے مجھے حرام کی روزی سے بچا اور مجھے اپنے فضل کے ذریعے اپنے غیر سے مستغنی و بے پرواہ کر دے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا۔[1]

اس حقیقت پر دلالت کر رہی ہے۔ سوائے رضا و تسلیم کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ بلکہ چونکہ وہ فعل محبوب ہے اس لیے محب کو چاہیئے کہ اُس سے لذت اندوز ہو اور کشادہ پیشانی کے ساتھ اُس کا استقبال کرے اور اس ضمن میں الطافِ ربانی کا منتظر رہے۔ فقیر کو دعا و توجہ سے فارغ نہ جانیں اور لوازم دوستی سے بیکار تصور نہ فرمائیں ــــ کشودِ کار کے منتظر رہیں اور رحیم کارساز کی رحمت کے امیدوار۔ اوقات کو ذکر و فکر سے معمور رکھیں توشۂ گور و قیامت کو مہیا کریں۔ جو گھڑی گذر رہی ہے اتنی ہی عمر میں کمی آ رہی ہے اور "اجلِ مسمیٰ" نزدیک ہوتی جا رہی ہے۔ اس فرصتِ قلیل میں ذکرِ کثیر کے ساتھ مشغول رہنا چاہیئے اور مولائے حقیقی کو راضی کر لینا چاہیئے۔ اس کی معرفت حاصل کی جائے' اس دنیائے فانی میں یہی مطلوب ہے ــــ تمھارے خط میں ازراہ شکایت لکھا ہوا تھا۔

از رفتارِ فلکِ واژگون ناہنجار ــــ مہربان من! خالق خیر و شر بے واسطہ، حق تعالےٰ ہے اور تمام حوادث اس کی قضا و قدر سے تعلق رکھتے ہیں ــــ فلک اور غیر فلک کو ان حوادث میں کوئی دخل نہیں ہے ــــ مذہب حکماء یہ ہے کہ وہ حوادث کو عقلِ فعّال کے ساتھ ــ جس کا نام انھوں نے عقل فلک نہم رکھا ہے ــــ منسوب کرتے ہیں ــــ اہلِ اسلام سرے سے "عقل فعّال" ہی کے قائل نہیں ہیں اور اس عقیدے کے ماننے والوں کو گمراہ بتاتے ہیں ــــ فلک بیچارہ ــــ جو خود اپنے کام میں حیران و سرگرداں ہے ــــــــ کیا حیثیت رکھتا ہے کہ حوادث اس کی عقل یا اُس کی حرکات سے منسوب کیے جائیں۔

والسّلام اوّلاً و آخراً ــــــــ

---

[1] نہیں پہونچی کوئی مصیبت زمین میں یا تمھاری جانوں میں مگر لکھی ہوئی ہے وہ ایک کتاب میں (لوح محفوظ میں) اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں۔

# اسلامی زندگی کی تشکیل میں

## حدیث وسنت کا مقام

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

[مدیر الفرقان کی تالیف "معارف الحدیث" کی جلد دوم جو حال ہی میں کتب خانہ الفرقان سے شائع ہوئی ہو اس کا مقدمہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے ہو۔ حدیث وسنت کی ضرورت کے انکار کے اس دور میں ضروری ہے کہ یہ مضمون زیادہ سے زیادہ لوگوں کی نظر سے گزرے۔ اس مقصد کے لیے مفید معلوم ہوا کہ اس کو الفرقان میں شائع کر دیا جائے۔ چنانچہ ذیل میں اس کا وہ حصہ شائع کیا جا رہا ہے جو خاص طور سے کتاب سے متعلق نہیں ہو ـــــ امید ہے کہ اس کا مطالعہ حدیث وسنت کی ضرورت کے مسئلہ پر نہایت تشفی بخش ثابت ہوگا۔ ـــــــــ مرتب]

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت وتعلیم کے مقاصد ونتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں وہاں صراحۃً ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہو (۱) تلاوت (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیۂ نفوس۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (الجمعہ ع ۱)

وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انھیں میں مبعوث فرمایا، جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہو اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہو۔ اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝

(البقرہ ع ۱۸)

جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے، اور تمھیں پاک کرتا ہے اور تمھیں کتاب و دانائی سکھاتا ہے، اور تمھیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

درحقیقت بعثت محمدی ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، نیا علم و حکمت عطا کیا، اسی طرح نئے اخلاق، نئے جذبات و کیفیات، نیا یقین و ایمان نیا ذوق و شوق، نئی بلند نظری، نیا جذبۂ ایثار، نیا شوق آخرت، نیا جذبۂ زہد و قناعت، دنیا کی متاع حقیر اور دولت فانی کی تحقیر، نئی محبت و الفت، حسن سلوک و ہمدردی، برّ و مواسات، مکارم اخلاق، اسی طرح سے نیا ذوق عبادت، خوف و خشیت، توبہ و انابت، دعا و تضرع کی دولت عطا فرمائی، اور انھیں خصوصیتوں کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا جس کو عہد رسالت اور عہد صحابہ کے لفظ سے عام طور پر تعبیر کیا جاتا ہے، صحابۂ کرام ان مقاصد و نتائج بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے۔ اگر ان شعبہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گر دیکھنا ہو تو صحابۂ کرام کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، رسالت، تعلیم ان تمام سعادتوں کا سرچشمہ تھی، اور اسی سے یہ پوری زندگی اور قرن اول کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا لیکن اگر اسکے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع و وسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس محیر العقول انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر و ارکان یہ تین چیزیں تھیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، آپ کی زندگی، سیرت و اخلاق۔

(۲) قرآن مجید

(۳) آپ کے ارشادات و ہدایات، مواعظ و نصائح اور تعلیم و تلقین۔

اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبوی کے مقاصد و نتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر و تشکیل میں ان تینوں عناصر و ارکان کا دخل ہے، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک

مکمل معاشرہ، مکمل زندگی اور ایک ایسی ہیئت اجتماعی جس میں عقائد، اعمال، اخلاق، جذبات، اذواق رجحانات، تعلقات، سب ہی ہوں وجود میں نہیں آسکتی، زندگی کے لیے زندگی شرط ہے، یہاں دیئے سے دیا جلتا ہے، صحابہ کرام اور اُن کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد و اعمال کے ساتھ جو خالص اسلامی اخلاق اور اس سب کے ساتھ جو اعلیٰ اذواق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں وہ تنہا تلاوتِ کتاب کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کامل ترین، مؤثر ترین، محبوب ترین زندگی کا بھی اثر ہو جو شب و روز ان کے سامنے رہتی تھی، اس سیرت و اخلاق کا بھی نتیجہ ہو جو ان کی آنکھوں کے سامنے تھے اور ان مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہو اور ان ارشادات و نصائح و تلقین کا بھی جس سے وہ حیاتِ طیبہ میں برابر مستفید ہوتے تھے، اس سب کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاج خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد و ضوابط اور اُن کی قانونی پابندی نہ تھی، بلکہ ان پر عمل کرنے کے محرکات و ترغیبات اور عمل کی صحیح کیفیات اور روح بھی تھی، حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے دقائق بھی تھے۔

انھوں نے قرآن مجید سے "اقامت صلوٰۃ" کا حکم پایا تھا اور "الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ" کی تعریف بھی سُنی تھی۔ مگر انھوں نے اس کی صحیح کیفیت اسی وقت معلوم کی جب آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں، اور آپ کے رکوع و سجود کی کیفیت دیکھی جس کو انھوں نے "تَسْمَعُ لَهُ أَزِيزًا كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ" (ہم آپ کے سینے کی آواز اس طرح سنتے تھے جیسے ہانڈی میں اُبال آتا ہے) کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے، انھوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مومن کا ایک محبوب فعل ہے، لیکن جب تک انھوں نے زبانِ نبوی سے "قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ" (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہو) اور بے قراری اور انتہائے شوق و اضطراب کے ساتھ "أَرِحْنِي يَا بِلَال" (بلال اذان دے کر مجھے آرام پہونچاؤ) نہیں سُنا۔ ان کو نماز کے ساتھ اس عشق و شغف کا اندازہ نہیں ہوا، اسی طرح جب تک انھوں نے خاصانِ اُمت کے سلسلہ میں "وَقَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَعُوْدَ إِلَيْهِ" (ان کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہو، مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد نہیں آتے ان کو چین نہیں آتا) کے الفاظ نہیں سُنے، ان کو مسجد اور قلبِ مومن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہو سکا، انھوں نے قرآن مجید میں بار بار دعا کی ترغیب دیکھی تھی، دعا نہ کرنے والوں پر عتاب بھی سنا تھا، اور تضرع و ابتہال (گریہ وزاری) و الحاح و اصرار) کے الفاظ و مفہوم سے بھی وہ آشنا تھے، لیکن اس کی حقیقت انھوں نے اس وقت جانی جب انھوں نے میدانِ بدر میں آپ کو خاک سر پر رکھے یہ الفاظ کہتے سُنا کہ اللّٰھُمَّ أَنْشُدُكَ

عہدک ووعدک اللّٰھم ان شئت لم تعبد[1] (اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں، اے اللہ اگر تو چاہے (اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کرنا) تو تیری عبادت نہ ہو) اور بے قراری کی وہ کیفیت دیکھی جو ابو بکرؓ سے نہ دیکھی جا سکی یہاں تک کہ انھوں نے عرض کیا حسبک (یا رسول اللہ کافی ہے) ان کو معلوم تھا کہ دعا کی روح، بندگی اور اپنی عجز و درماندگی کا اظہار ہے، اور جس دعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو اسی قدر وہ دعا قیمتی ہے لیکن بندگی اور عجز و درماندگی کی حقیقت ان کو جب معلوم ہوئی جب انھوں نے عرفات میں آپ کو یہ کہتے سنا:۔

| | |
|---|---|
| اللّٰھم انک تسمع کلامی وتری | اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ |
| مکانی وتعلم سری وعلانیتی | کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو |
| لایخفی علیک شیٔ من أمری | جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں |
| وانا البائس الفقیر المستغیث المستجیر | رہ سکتی، میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں |
| الوجل المشفق المقر المعترف | فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں |
| بذنبی أسألک مسألۃ المسکین | ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے |
| وابتھل الیک ابتھال المذنب | والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے |
| الذلیل وأدعوک دعاء الخائف | آگے سوال کرتا ہوں جیسے بیکس سوال کرتے |
| الضریر، ودعاء من خضعت | ہیں، تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار و |
| لک رقبتہ و فاضت لک عبرتہ | ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہو، اور تجھ سے طلب |
| و ذل لک جسمہ ورغم لک | کرتا ہوں جیسے خوف زدہ، آفت رسیدہ |
| انفہ اللّٰھم لا تجعلنی بدعائک | طلب کرتا ہے، اور جیسے وہ شخص طلب کرتا |
| شقیا وکن لی رؤفا رحیما، | ہو جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو، اور |
| یا خیر المسئولین ویا خیر | اس کے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے |
| المعطین[2]۔ | وہ تیرے آگے فروتنی کیے ہوئے ہو، اور اپنی |

---

[1] بخاری جلد ثانی کتاب المغازی۔ [2] کنز العمال عن ابن عباس۔

ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو، اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہو جا، اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر، اے سب دینے والوں سے اچھے۔

انھوں نے قرآن مجید میں دُنیا کی بے حقیقتی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا اور مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَّاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ ہے اور آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے) کے الفاظ ان کو یاد تھے، مگر اس کی حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی اور آپ کے طرز زندگی اور گھر کے نقشے کو دیکھ کر ہی وہ سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے۔[1] اس عملی نقشے اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشادات نبویؐ میں جہنم کے شدائد و مصائب اور جنت کے انعامات اور لذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو ان کے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی اور ان دونوں کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت کھنچا رہتا۔

اسی طرح وہ رحمت، تواضع، خلق، رفق، جیسے اخلاق و تعلیمات کے مفہوم سے آشنا تھے صاحبِ زبان بھی تھے اور قرآن مجید میں صاحبِ نظر بھی تھے، لیکن ان الفاظ کی وسعت عملی زندگی میں ان کی تطبیق، نیز صحیح عمل، ان کو صرف اس وقت معلوم ہوا جب انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمزوروں، عورتوں، بچوں، یتیموں، غریبوں، بوڑھوں اور اپنے عام رفقاء و اصحاب، اہلِ خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا اور آپ کے اس بارے میں ہدایات، وصیتیں، اور ارشادات سُنے اُن کو عامۃ المسلمین کے حقوق کے ادا کرنے کی اجمالی ہدایت قرآن سے مل چکی تھی مگر اس کی بہت سی صورتیں (مثلاً عیادتِ مریض، اتباعِ جنائز، تشمیتِ عاطس وغیرہ وغیرہ) ایسی تھیں جو شاید لاکھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں، اور اگر آتیں تو ان کی اہمیت نہ معلوم ہوتی، اسی طرح والدین اور اہلِ حقوق کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد و مد کے ساتھ ہے، مگر کتنے معلمینِ اخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے ساتھ حسنِ سلوک و ادائے حقوق کے اس رفیع و بدیع مقام تک پہونچا جس کا اظہار حدیثِ نبویؐ اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ بِرَّ الرَّجُلِ

---

[1] ملاحظہ ہو معارف الحدیث جلد دوم حصہ کتاب الرقاق زیرِ عنوان "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقر پسندی"۔

اَهْلَ وُدِّ اَبِيهِ بَعْدَ اَنْ يُّوَلِّيَ (لڑکے کا باپ کے ساتھ حسنِ سلوک و وفاداری کا بہترین درجہ یہ ہو کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں اور اہلِ محبت کے ساتھ سلوک کرے) اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس مقامِ بلند تک پہونچ سکتے، جس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يُقَطِّعُهَا اَعْضَاءً ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِي صَدَائِقِ خَدِيجَةَ (اور بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں بکری ذبح ہوتی تو آپ اس کے پارچے الگ الگ کراتے، پھر وہ ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے)

حدیث کے شعبۂ معاشرت و اخلاق کی یہ دو تین مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے، اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہو، اور وہ انسانیت کے لیے کیسا بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہب و ادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہو کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کے لیے کافی نہیں ہوتا اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو مؤثر اور منتج بنانے کے لیے درکار ہو، مثال کے طور پر اقامت صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت، ماحول اور فضا نہیں پیدا کر سکتا جو نماز کی روح و جسم کی حفاظت، اس کی پابندی اور اس کے صحیح روحانی، ذہنی، قلبی، اجتماعی اور اخلاقی نتائج و اثرات کے بروئے کار آنے کے لیے معاون و مددگار ہے، اس کے لیے ان مبادی و مقدمات، آداب و ہدایات کی ضرورت ہو جو اس عمل کو مہتم بالشان، وقیع و مؤثر بنائیں، اسی بنا پر نماز کے لیے خود قرآن مجید میں وضو، طہارت، شعور و تعقل، خشوع و خضوع، سکوت و قنوت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہو، لیکن اہلِ نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری اور قابلِ عمل حد تک جس قدر آداب و فضائل اور خارجی انتظامات کا اضافہ ہوگا وہ فضا اور ماحول تیار ہوگا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات اور روحانی و اجتماعی و اخلاقی اثرات ظاہر کرے گی، اور حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے والے اور ان پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کے ارشادات و ہدایات نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہو جس سے نماز تزکیۂ نفس، تربیتِ اخلاق اور توجہ الی اللہ و انقطاع عن الخلق نیز امت کی تعلیم و تربیت اور نظم و وحدت کا مؤثر ترین ذریعہ بن گئی ہے، مثلاً وضو کی نیت و فضیلت اور اس کا استحضار، مساجد کی طرف جانے اور اس کے راستے میں پڑنے والے قدموں کی فضیلت

راستہ کی دعا، مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر، تحیۃ المسجد یا سنن راتبہ، نماز کے انتظار کی فضیلت، اور بیٹھنے کا ادب، جماعت کا ثواب، اذان واقامت کا ثواب، امامت کی فضیلت و منصب اور اس کے احکام امام کے اتباع کی تاکید، صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والے آدمیوں کی ترتیب، مساجد میں تعلیم و تعلم کے حلقوں کی فضیلت، ذکر کے حلقوں کی فضیلت، مسجد سے نکلنے کا ادب اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب و ہدایات کے علم و عمل سے نماز کتنی مہتم بالشان چیز اور تزکیہ و اصلاح تعلیم و تربیت اور انابت و توجہ الی اللہ کا کیسا مؤثر ذریعہ بن جاتی ہے، پھر اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کی کیفیت، نوافل کے ذوق، قرآن مجید پڑھنے میں رقت و محویت کے واقعات کا (جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں) اضافہ کیجئے۔ اس مجموعہ سے امت کی نماز کس مقام پر پہونچ جاتی ہے، اور اس کے لیے کیسا ذہنی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے، صوم و زکوٰۃ و حج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے، اور حدیث سے ان کے آداب و فضائل، معمولات نبوی، اور واقعات زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہیے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب و فضائل اور واقعات سے مجرد و منقطع کر لیا جائے اور ان کو اس ماحول سے جدا کر لیا جائے جو حدیث ان کے لیے مہیا کرتی ہے اور جو اب حدیث کی بنا پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہو تو ان کی تاثیر کہاں تک باقی رہتی ہے، اور ان میں جذبات کو ابھارنے، ذوق و شوق پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب و دماغ کو غذا اور جلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرہ کی تعمیر کی (جس کے اندر عبادت و تقویٰ و انابت کی روح سرایت کیے ہوئے ہو) کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے۔

در حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور ارشادات و ہدایات (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث و سنت ہے) دین کے لیے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں جس میں دین کا پودہ سرسبز و بارآور ہوتا ہے۔ دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں ہے، وہ جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، ان جذبات و واقعات اور عملی مثالوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر کی ذات سے متعلق اور اس کے حالات زندگی سے ماخوذ ہو، یہودی اور عیسائی نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اس لیے بہت جلد مفلوج ہو کر رہ گئے کہ ان کے پاس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ محفوظ نہیں تھا، اور ان مذاہب کو وہ ذہنی ماحول اور فضا میسر نہیں تھی جس میں پیروان مذہب دینی نشو و نما و ترقی حاصل کرتے اور مادیت و الحاد کے حملوں سے محفوظ رہتے۔ انھوں نے بالآخر اس کی ضرورت

تسلیم کرکے اس خلا کو "پیروانِ مذاہب و پیروانِ طریقت" کے واقعات و ملفوظات سے پُر کیا، مگر "مشغلہ پرستی" نے رفتہ رفتہ مذاہب کو بدعات و رسوم اور نئی نئی تفسیروں کا ایسا مجموعہ بنا دیا جس میں اصل مذہب کی تعلیم گم ہو کر رہ گئی، ان مذاہب و اقوام کی اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعاتِ زندگی کے بارے میں بے بضاعتی و تہی دامنی اب ایک مسلمہ تاریخی حقیقت بن گئی ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے[1]۔ اسلام کے آخری اور دائمی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا، جس ذہنی و روحانی ماحول میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابۂ کرام نے زندگی گزاری، حدیث کے ذریعہ اس پورے ماحول کو قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا گیا، بعد کی نسلوں اور صدیوں کے ایک آدمی کے لیے بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے ماحول سے اپنا رشتہ منقطع کر کے دفعتہً اس ماحول میں پہونچ جائے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود ہیں، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصروفِ تکلم اور صحابۂ کرام گوش بر آواز ہیں جہاں احکام کے ساتھ عمل کی شکلیں اور عمل کی شکلوں کے ساتھ جذبات و کیفیات کے مناظر بھی نظر کے سامنے ہیں، جہاں اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایمان کس طرح کے اعمال و اخلاق، اور یقینِ آخرت کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے، یہ ایک دریچہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی، آپ کے گھر کا نقشہ، آپکے رات کے معمولات، آپکے گھر والوں کی معاشرت و معیشت اپنی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے، آپکے سجود کی کیفیت آنکھوں سے، آپ کی دعا و مناجات کا زمزمہ کانوں سے سنا جا سکتا ہے، پھر جو آنکھیں آپ کی آنکھوں کو اشکبار اور قدم مبارک کو متورم دیکھیں، جو کان پوچھنے اور سوال کرنے پر یہ آواز سنیں کہ اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا (کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟) وہ غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں، جن آنکھوں نے کاشانۂ نبوت میں دو دو مہینے چولھا گرم ہوتے نہیں دیکھا، جنھوں نے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا اور پشت مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے، جس نے سونے سے پہلے بیقراری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہِ خدا میں خرچ ہوتے دیکھا، جس نے مرض وفات میں چراغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے ہوئے دیکھا اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے۔ اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے ابھر نہیں سکتا؟ جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت، اپنے بچوں کے ساتھ محبت، اپنے خادموں کے ساتھ رعایت اور اپنے رفقاء کے ساتھ عنایت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا وہ مکارمِ

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "خطبات مدراس" خطبہ تاریخیت۔

اخلاق اور انسانیت کاملہ کا درس اس در کو چھوڑ کر اور کہاں سے لینے جائے گا۔

پھر اس ماحول میں صرف کاشانۂ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا ہے جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہو، بلکہ صحابۂ کرام کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں۔ اور ان کے گھروں کی زندگی و معاشرت ان کے دنوں کی تپش، ان کی شبوں کا گداز، ان کی بازاروں کی مصروفیت اور مسجدوں کی فراغت، ان کی بے نفسی و للّٰہیت اور ان پر نفس انسانی کے حملے ان کا انقیادِ کامل، اور ان کی بشری لغزشیں سب عیاں ہیں، یہاں ابو طلحہ انصاری کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گزرتا ہے اور حضرت کعب بن مالک کے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے، غرض یہ ایک ایسا طبعی و قدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات و حقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کے ساتھ موجود ہے، اور حدیث نے اس کا پورا عکس لے کر قیامت تک کے لیے دورِ نبوی کو محفوظ کر دیا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ عہدِ نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا، اور نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا، اسلام کا ایک اعجاز اور اس کا ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی اُمت اور کوئی مذہب اس کی شریک و سہیم نہیں، ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ، اور عمل کے جذبات و محرکات اور قلب و دماغ کو غذا فراہم کرنا ہے، ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے، تدوینِ حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر اور دورِ متاخر کی کوئی "جدت" نہیں ہے، صحابۂ کرام کا عہدِ نبوی ہی میں کتابتِ حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کر لینا، پھر انھیں کے آخر دور میں تابعین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ایران و خراسان و ترکستان کے طالبینِ علم کے سمندر کا اُمڈ آنا، ان کا جمع و حفظ حدیث سے عشق و شغف، ان کا غیر معمولی حافظہ ان کا عزم و عالی ہمتی، پھر اسماء رجال و فنِ روایت کے مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو اس کا ملکۂ راسخہ اور بصیرتِ کاملہ حاصل تھی، پھر ان کا انہماک و خود فراموشی، پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ اور اس کی عالمِ اسلام میں مقبولیت اور اشاعت[1] یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس "صحیفۂ زندگی" کو محفوظ کرنا مقصود تھا۔ اسی کی بدولت حیاتِ طیبہ کا امتداد و تسلسل باقی رہا اور اُمت کو اپنے ہر دور میں وہ

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی فاضلانہ تصنیف "تدوینِ حدیث" شائع کردہ مجلس علمی کراچی۔

(تدوینِ حدیث کتب خانۂ الفرقان میں بھی آگئی ہے۔ قیمت مجلد چھ روپے ہے) منیجر

روحانی، ذوقی، علمی و ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابۂ کرام کو براہ راست حاصل ہوئی تھی، اس طرح صرف عقائد و احکام ہی میں "توارث" کا سلسلہ جاری نہیں رہا بلکہ ذوق و مزاج میں بھی توارث کا سلسلہ جاری رہا، حدیث کے اثر سے عہد صحابہ کا "مزاج و مذاق" ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا، اور امت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں آنے پایا جب وہ "مزاج و مذاق" یکسر ناپید اور معدوم ہوگیا ہو، ہر دور میں ایسے افراد رہے جو صحابۂ کرام کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جا سکتے ہیں، وہی عبادت کا ذوق، وہی تقویٰ و خشیت، وہی استقامت و عزیمت، وہی تواضع و احتساب نفس، وہی شوقِ آخرت، وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی جذبۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، وہی بدعات سے نفرت اور جذبۂ اتباع سنت، جو حدیث کے مطالعہ اور شغف کا نتیجہ ہو یا ان لوگوں کی صحبت و تربیت کا فیض ہے جنھوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کی ہو، اور اس میراث نبوی سے حصہ پایا ہو، امت کا یہ ذہنی و مزاجی توارث قرن اول سے اس چودھویں صدی ہجری کے عہد انحطاط و مادیت تک برابر قائم ہے، اور ابو سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور امام احمد بن حنبل سے لے کر مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، مولانا رشید احمد گنگوہی، اور مولانا سید عبد اللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہم تک کی زندگی اور سیرت و اخلاق میں ان کا پرتو صاف نظر آتا ہے، اور جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی، اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری، اور اس کے ذریعہ عہد صحابہ کا ماحول محفوظ ہے، دین کا یہ صحیح مزاج و مذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر، سنت کا اثر رسوم و رواج پر، روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہو باقی رہے گا، اور کبھی اس امت کو دنیا پرستی، سرتاپا مادیت، انکار آخرت، اور بدعات و تحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دے گا، بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس امت میں، اصلاحی و تجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گی اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علمبردار اور سنت و شریعت کے فروغ کے لیے کفن بر دوش رہے گی، جو لوگ امت کو زندگی، ہدایت اور قوت کے اس سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس بیش بہا ذخیرہ کی طرف سے بے اعتمادی اور شک و ارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہونچا رہے ہیں، اور اس کو کس عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کر رہے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ وہ اس امت کو اسی طرح سے "محروم الارث" "منقطع الاصل" اور آوارہ کر دینا چاہتے ہیں، جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں یا حوادث روزگار نے ان عظیم مذاہب کو کر دیا، اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہو سکتا،

اس لیے کہ پھر اس "مزاج و مذاق" کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابۂ کرام کا امتیاز تھا اور جو یا تو کامل طور پر براہ راست صحبت نبوی سے پیدا ہو سکتا ہے، یا بالواسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیات نبوی کا بولتا چالتا روزنامچہ ہو اور جس میں عہد نبوی کی کیفیات بسی ہوئی ہیں۔

# فتح قسطنطنیہ

## عزم و استقلال کی ایک عجیب و غریب مثال

---

قسطنطنیہ (جو مملکت ترکیہ کا ایک بڑا شہر ہے اور آجکل استنبول کہلاتا ہے) دنیا کے نقشہ میں ایک غیر معمولی اہمیت کا مقام ہے۔ یہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے یورپ اور ایشیا کا سنگم ہے۔ فرانس کے نپولین بونا پارٹ کا کہنا تھا کہ "اگر پوری دنیا ایک مملکت ہوتی تو اس کے دار السلطنت کے لیے قسطنطنیہ سے زیادہ موزوں کوئی مقام نہ تھا"۔ نپولین کی نظر میں اس کی اہمیت اس درجہ تھی کہ روس سے کشمکش کے دوران میں اس نے بارہا چاہا کہ مملکت ترکیہ کی باہم تقسیم کے معاہدہ پر روس سے صلح کر لے۔ مگر بات ہمیشہ قسطنطنیہ پر آکر اٹک گئی۔ روسی حکومت کا اصرار تھا کہ قسطنطنیہ اسے ملے مگر نپولین صلح کی انتہائی ضرورت کے باوجود صلح کی یہ قیمت ادا کرنے پر کبھی تیار نہ ہو سکا۔ اس کی نظر میں قسطنطنیہ کی قیمت ترکی کی پوری مملکت سے زیادہ تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ قسطنطنیہ پوری دنیا کی کنجی ہے، اگر اس پر قبضہ رہا تو سارا عالم فتح کیا جا سکتا ہے۔

اپنی اس غیر معمولی اہمیت کی بنا پر یہ شہر ہمیشہ اولو العزم فاتحین و سلاطین کا مرکز نظر بنا رہا۔ کتنی ہی قوموں نے اس پر یورشیں کیں طویل طویل محاصرے ہوئے۔ مگر اپنے خاص قسم کے محل وقوع اور اپنی شہر پناہوں کی بے پناہ مضبوطی کی بنا پر عرصہ تک یہ حملہ آوروں کی دستبرد سے بچا ہی رہا۔

مسلمانوں نے بھی اس کو فتح کرنے کی متعدد کوششیں کیں۔ بعض احادیث میں چونکہ اس کی فتح کی بشارت وارد ہوئی تھی اس لیے اس کی فتح کی کوششوں کا سلسلہ پہلی ہی صدی ہجری سے

شروع ہو گیا تھا۔ پہلی صدی ہجری میں دو بڑی کوششیں اس سلسلہ میں ہوئیں۔ ایک امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے عہد میں اور دوسری سلیمان بن عبد الملک کے عہد میں، مگر ہر قسم کی زبردست جنگی تیاریوں اور بے پناہ ہمت و شجاعت کے مظاہروں کے باوجود مسلمان فوجیں اس مہم کے سر کرنے میں ناکام رہیں۔

اس بشارت کی تکمیل کی سعادت عثمانی ترکوں کے لیے مقدر تھی۔ عثمانی سلطنت کی داغ بیل ساتویں صدی ہجری میں ایشیائے کوچک کے علاقہ میں پڑی جس کا دائرہ عثمانی سلاطین کی اولو العزمی سے تھوڑے ہی عرصہ میں جنوب مشرقی یورپ تک پھیل گیا۔ عثمانی سلطنت کا یہ حصہ جو جنوب مشرقی یورپ میں واقع تھا، قسطنطنیہ سے ملا ہوا تھا۔ قسطنطنیہ رومی سلطنت کے مشرقی بازو کا پایۂ تخت تھا۔ رومی حکومت نے اس نوخیز طاقت سے خطرہ محسوس کیا اور اس کے خلاف طرح طرح کی ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔

تختِ قسطنطنیہ کی ان حرکتوں نے عثمانی سلاطین کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ قسطنطنیہ کو زیر کیے بغیر انھیں اطمینان نہیں نصیب ہو سکتا۔ چنانچہ بعض سلاطین نے اسے فتح کرنے کی کوشش کی مگر اس میں کامیابی نہ ہو سکی، اور تختِ قسطنطنیہ کی حرکتیں برابر بڑھتی گئیں۔

نویں صدی ہجری کے اواخر (یعنی ۸۵۵ھ مطابق ۱۴۵۱ء) میں سلطان مراد ثانی کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا جس کی عمر اس وقت ۲۱ سال تھی۔ اس نے اپنے باپ کے زمانہ میں اچھی طرح اندازہ کر لیا تھا کہ قسطنطنیہ کی حکومت عثمانی سلطنت کے پہلو میں ایک کانٹا ہے جسے نکالے بغیر اطمینان حاصل کرنا مشکل ہے۔ علاوہ ازیں تخت پر بیٹھتے ہی اسے قسطنطنیہ کی حکومت کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا ذاتی طور پر بھی تجربہ ہو گیا۔ اس لیے لابدی ہوا کہ وہ قسطنطنیہ پر ایک فیصلہ کن حملہ کرے اور اس کے خرخشوں سے ہمیشہ کے لیے نجات پا لے۔ چنانچہ اس نے تیاریاں شروع کر دیں۔ اور تقریباً دس ماہ کی لگاتار تیاریوں کے بعد ۲۶ ربیع الاول ۸۵۷ھ مطابق ۵ اپریل ۱۴۵۳ء کو ایک جرار لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ کے سامنے پہونچ کر اس کا محاصرہ شروع کر دیا۔

یہ محاصرہ کوئی سات ہفتے یعنی تقریباً پچاس دن تک جاری رہا۔ اس پورے عرصہ میں سلطان کی فوج کو پیہم ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا، غیر معمولی نقصانات ہوئے اور کوئی تدبیر شہر میں داخل

ہونے کی کارگر نہ ہو سکی۔ مگر بایں ہمہ نہ سلطان کی فوج میں ایک لمحہ کے لیے بھی بددلی پیدا ہوئی اور نہ سلطان کے پائے ثبات کو کوئی لغزش۔ بلکہ اس کے برعکس بالکل یہ حال رہا کہ جیسے

بڑھتا ہے یہاں ذوقِ گنہ ہر سزا کے بعد

اور آخر کار آئے وہ فتح نصیب ہوئی جس کے بعد اس کا نام ہی "محمد فاتح" پڑ گیا۔

عزیمت و استقلال کی یہ مثال آج پانچ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اپنے اندر بڑی تازگی رکھتی ہے اور اس سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مخدوم و محترم جناب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کو کہ ان کے توسط سے انڈونیشی فاضل ڈاکٹر سالم الرشیدی (فاضل ازہر) کی کتاب محمد الفاتح ہمارے مطالعہ میں آئی۔ جو سلطان موصوف پر ایک تحقیقی کتاب ہے ——

فتح قسطنطنیہ کی یہ داستان جو ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔ اسی کتاب کی دو فصلوں کی تلخیص ہے اور اس کے پیش کرنے کا مقصد یہی دکھانا ہے کہ عزم و استقلال کے آگے کیسی کیسی مشکلات پانی ہو جاتی رہیں۔]

ع۔س

---

قسطنطنیہ یورپ کے جنوب مشرقی گوشہ کا آخری ساحلی مقام ہے۔ جسے تین طرف سے سمندر نے گھیر کر مثلث بنا دیا ہے۔ اس مثلث کا ایک زاویہ مشرق میں ہے۔ دوسرا جنوب مغرب میں اور تیسرا شمال مغرب میں۔ جنوب میں (جنوب مغربی زاویہ سے مشرقی زاویہ تک) بحر مرمرہ ہے۔ شمال میں (شمال مغربی زاویہ سے مشرقی زاویہ تک) "القرن الذہبی" (GOLDEN HORN) نامی ایک خلیج ہے جو آبنائے باسفورس سے نکلتی ہے۔ شمال اور جنوب کے دونوں ساحلی خط مشرق میں آبنائے باسفورس پر جا کر مل جاتے ہیں — اس طرح قسطنطنیہ تین طرف سے سمندر سے گھر جاتا ہے جو ان سمتوں سے اسکی حفاظت کا ایک قدرتی انتظام ہے۔ باقی رہی مغربی سمت تو ادھر خشکی ہے اور قسطنطنیہ اسی سمت سے یورپ کے باقی حصہ سے ملتا ہے، شمال اور جنوب میں خلیج قرن ذہبی اور بحر مرمرہ کے کنارے کنارے ابنائے باسفورس تک اکہری شہر پناہ ہے۔ مغربی سمت میں چونکہ حفاظت کا کوئی قدرتی انتظام نہیں تھا اس لیے ادھر شہر پناہ کی یکے بعد دیگرے تین دیواریں تعمیر کی گئی تھیں جو جنوبی دیوار سے شمالی دیوار تک، کوئی چار میل کی لمبائی میں تھیں۔ پہلی (یعنی اندرونی) شہر پناہ تقریباً چالیس فٹ بلند تھی، اور اس

میں مناسب فاصلے سے بڑے بڑے، زبردست برج بنے ہوئے تھے۔ علیٰ ہذا دوسری (یعنی بیرونی) شہر پناہ تقریباً پچیس فٹ اونچی تھی اور اس میں بھی اسی طرح کے برج تھے۔ ان دونوں لائنوں میں کوئی پچاس ساٹھ قدم کا فاصلہ تھا۔ دفاعی نقطۂ نظر سے ازمنۂ وسطیٰ میں کسی شہر کی حفاظت کے لیے یہ دوسری دفاعی لائن بجائے خود بہت کافی تھی۔ مگر نہ صرف اس سے بھی زیادہ مستحکم ایک شہر پناہ اس سے پہلے تھی (جسے اندرونی شہر پناہ سے تعبیر کیا گیا) بلکہ اس کے بعد تھوڑا سا میدان چھوڑ کر ایک تیسری شہر پناہ اور تھی۔ جو اگرچہ پہلی دو کی طرح مضبوط اور اونچی نہیں مگر بہر حال تھی۔ اور پھر اس کے آگے ایک وسیع خندق تھی جس کا عرض تقریباً ساٹھ قدم تھا۔

اس طور پر گویا قسطنطنیہ کی مغربی سمت میں جو خشکی کی سمت تھی چار دفاعی خطوط تھے۔ ایک خندق۔ اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے تین شہر پناہیں۔

خارجی شہر پناہ کے اندر متعدد دروازے تھے جن میں سے تین کا ذکر محاصرہ اور حملہ کی کیفیت سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ (۱) باب ادرنہ (۲) باب القدیس رومان۔ یا توپ دروازہ (۳) باب العسکری۔

یہ ہے اُس وقت کے قسطنطنیہ کا نقشہ اور اس کے دفاعی استحکامات کی مختصر کیفیت، اب محاصرہ کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے۔

---

سلطان محمد فاتح ۵ اپریل ۱۴۵۳ء کو اپنے لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ کی مغربی سمت میں اُترا اور اس جانب کی زبردست دفاعی لائنوں کے مقابلہ میں مورچہ جمایا۔

سلطان نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ (۱) میمنہ۔ لشکر کا یہ حصہ (یعنی داہنا بازو) قسطنطنیہ کی بیرونی شہر پناہ کے سامنے بحر مرمرہ کے کنارے سے توپ دروازہ تک پھیلا ہوا تھا۔

(۲) میسرہ (یعنی بایاں بازو) یہ حصہ قرن ذہبی کے کنارے سے باب ادرنہ تک تھا۔

(۳) قلب لشکر۔ جس میں بہت چیدہ سپاہی تھے اور جس کی کمان محمد فاتح نے خود اپنے ہاتھ میں رکھی تھی۔ یہ حصہ توپ دروازہ سے باب ادرنہ تک کے درمیانی حصہ میں جما ہوا تھا۔ لشکر کا ایک ٹکڑا بعض مصالح کے پیش نظر قرن الذہبی کے اُس پار یعنی شمالی جانب میں بھی متعین کیا

گیا تھا۔

یہ خشکی کی سمت سے محاصرہ کی کیفیت تھی۔ بحری راستے روکنے کے لیے یہ صورت کی گئی کہ آبنائے باسفورس جس کے ذریعہ بحر اسود (Black Sea) سے کوئی مدد قسطنطنیہ کو پہونچ سکتی تھی اس کے ایشیائی ساحل پر تو پہلے ہی سے عثمانیوں کا ایک قلعہ (اناطولی حصار) بنا ہوا تھا۔ دوسری سمت یورپی ساحل بھی چونکہ عثمانی سلطنت کے قبضہ میں تھا اس لیے محمد فاتح نے جب قسطنطنیہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا تھا تو پہلا کام اس سلسلہ میں یہ کیا تھا کہ ٹھیک "اناطولی حصار" کے سامنے یورپی کنارے پر ایک دوسرا نہایت مستحکم قلعہ "روملی حصار" کے نام سے تعمیر کرلیا تھا اور دونوں طرف قلعوں میں توپیں نصب کرکے نگراں دستے متعین کردیے گیے تھے اس طرح شمال مشرقی سمندر بحر اسود کی طرف سے آبنائے باسفورس میں داخلہ اور قسطنطنیہ سے اُس طرف جانے کا راستہ تو قطعی طور پر بند ہوگیا۔ البتہ اسکے مقابل سمت جنوب مغربی سمندر سے آنے والی امداد کے راستہ میں اس قسم کی کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اگر ادھر سے کوئی امداد آتی تو دردانیال سے گزر کر بآسانی بحر مرمرہ میں ہوتی ہوئی باسفورس میں داخل ہوکر قسطنطنیہ تک پہونچ سکتی تھی۔ اس راستہ کی ناکہ بندی کے لیے محمد فاتح نے تقریباً چار سو کشتیوں کا ایک بیڑا تیار کرایا، اور اُسے بحر مرمرہ میں پھیلا دیا گیا تاکہ دردانیال سے آنے والی کوئی امداد آگے نہ بڑھ سکے۔

ان تمام انتظامات کی تکمیل کے بعد مغربی مورچوں سے شہر پناہ پر گولہ باری شروع کی گئی — جنگ کا اصل مورچہ چونکہ مغربی شہر پناہ ہی تھی۔ ترکوں کا سارا لشکر تقریباً ادھر ہی تھا۔ اس لیے قسطنطنیہ کے فرمانروا شہنشاہ قسطنطین نے بھی اپنی زیادہ تر فوجی طاقت اسی طرف لگا رکھی تھی۔ خود اپنا مستقر اس نے عثمانی جیش کے ٹھیک "قلب" کے مقابلہ میں باب ادرنہ اور توپ دروازہ کے مابین بنایا تھا۔ رومیوں کے سپہ سالار جان جسٹنیان (JEAN JUSTINIAN) کا ہیڈ کوارٹر بھی اسی حصہ میں تھا۔ ترکی توپ خانوں کی گولہ باری سے جیسے جیسے شہر پناہ کو نقصان پہونچتا تھا رومی پناہ دیے دیے اسکی مرمت کرتی جاتی تھی اور ترکوں کو اس نقصان سے فائدہ اٹھانے کا کوئی موقع نہ دیتی تھی۔ مگر شہر پناہ کا وسطی حصہ جس پر طرفین کی زیادہ توجہ تھی اور جو ایک نہر کی وادی میں واقع ہونے کی وجہ سے نسبتاً کمزور تھا، ۱۸ اپریل کو، دن رات کی مسلسل گولہ باری سے اس میں ایک بڑا شگاف پڑ گیا۔ اور بیچ میں جو خندق حائل تھی وہ بھی ملبہ سے اتنی بھر گئی کہ عبور کی جا سکتی تھی۔

**پہلی ناکامی**

عثمانی جیش نے اس موقع فائدہ اٹھاتے ہوئے شگاف پر زبردست ہجوم کیا، سیڑھیاں لگا لگا کر کچھ سپاہی شہر پناہ کے اوپر بھی چڑھ گئے۔ رومی سپہ سالار جستینان نے جب یہ صورت دیکھی تو وہ اپنی ساری قوت سمیٹ کر ادھر ہی لے آیا۔ اور شدید جنگ شروع ہو گئی۔ عثمانی فوج نے شام کے وقت یہ حملہ شروع کیا تھا جب اندھیرا چھانے لگا اور کامیابی کی صورت پیدا نہ ہو سکی تو مجبوراً محمد فاتح نے فوج کو پلٹ آنے کا حکم دیدیا۔

**دوسری ناکامی**

اسی دن (۲۰ اپریل کو) عثمانیوں کی ناکامی کا ایک دوسرا واقعہ پیش آیا۔ قسطنطنیہ کے شمال میں "القرن الذہبی" (GOLDEN HORN) نامی جو خلیج تھی، جس کا ذکر شروع میں آچکا ہے یہ قسطنطنیہ کی بندرگاہ تھی۔ رومی کشتیوں کا بیڑا اور اطالوی کشتیاں جو ان کی مدد کے لیے آئی تھیں وہ اس میں مقیم تھیں۔ بندرگاہ کی حفاظت کے لیے ان لوگوں نے خلیج کے دہانہ پر فولادی زنجیروں سے رکاوٹ قائم کر دی تھی تاکہ آبنائے باسفورس سے عثمانی بیڑا اس میں نہ داخل ہو سکے۔ اس دن عثمانی بیڑے کی کچھ کشتیوں نے اس رکاوٹ کو توڑنے کی کوشش کی۔ مگر رومی کشتیوں نے سخت مقابلہ کر کے اس کوشش کو ناکام بنا دیا۔

**تیسری زبردست ناکامی**

۲۰ اپریل کی صبح کو سلطان کو اطلاع ملی کہ عیسائیوں کی پانچ جنگی کشتیاں رسد اور فوجی کمک لے کر دردانیال سے بحر مرمرہ میں داخل ہوئی ہیں اور قسطنطنیہ کی طرف بڑھ رہی ہیں، جوں ہی یہ اطلاع ملی سلطان فوراً اپنے ہیڈ کوارٹر سے نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر نہایت سرعت کے ساتھ باسفورس کے ساحل غلطہ پر پہونچا جہاں بحری کمانڈر بالطہ اوغلی کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ اور بالطہ اوغلی کو یہ حکم دیتے ہوئے کہ فوراً جا کر بحر مرمرہ میں ان کشتیوں سے مڈبھیڑ کرے، کہا کہ اگر تم ان کشتیوں کو گرفتار یا غرق نہ کر سکو تو زندہ واپس نہ آنا۔

بالطہ اوغلی کشتیوں کا ایک دستہ لے کر ان کشتیوں کی طرف روانہ ہوا۔ ہوا ان کشتیوں کے موافق تھی اور وہ نہایت تیزی سے بڑھتی چلی آ رہی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں دونوں طرف کی کشتیاں آمنے سامنے ہو گئیں اور جنگ شروع ہو گئی۔ اس بحری معرکہ کو دیکھنے کے لیے ایک طرف شہنشاہ قسطنطین اور بہت سے اہل قسطنطنیہ شہر پناہ کے جھروکوں میں کھڑے ہوئے تھے۔ دوسری طرف محمد فاتح اپنے افسروں کے ساتھ ساحل غلطہ سے اس معرکہ پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ ترکوں کو امید تھی کہ

اُن کی کشتیاں فتحیاب ہوں گی، لیکن مقابل کشتیاں اگرچہ تعداد میں کم، مگر بہت مضبوط، بڑی اور اعلیٰ درجہ کی تھیں۔ اور اسکے برعکس ترکی کشتیاں اگرچہ کثرت میں تھیں، مگر چھوٹی، کمزور اور معمولی قسم کی تھیں۔ اسلئے کہ محاصرہ شروع کرنے سے کچھ ہی پیشتر بیحد عجلت میں بنائی گئی تھیں۔ پھر مقابلہ اطالوی کشتیوں سے تھا جنھیں اس دور میں بحری لڑائی میں مسلّمہ فوقیت حاصل تھی۔ ترک بحری فنون جنگ کے مبتدی تھے جبکہ اطالوی اس فن کے مانے ہوئے اُستاد اور ماہر۔ پھر ہوا بھی اطالویوں کے موافق۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان پانچ کشتیوں نے دیکھتے دیکھتے ترکی کشتیوں کے ٹکڑے اُڑا دیئے، اور یہ خلیج القرن الذہبی کے قریب جا پہونچیں۔ لیکن ابھی کچھ فاصلہ تھا کہ یکایک ہوا رُک گئی اور ساتھ ہی ان پانچوں کشتیوں کو بھی رُک جانا پڑا۔ اس قدرتی امداد نے ترکوں میں پھر ایک امید کی لہر دوڑا دی۔ بالطہ اوغلی نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی پراگندہ قوت کو جمع کیا اور ایک بار پھر پوری شدت کے ساتھ ان کشتیوں پر حملہ آور ہوا۔ ترک سپاہیوں نے اس حملہ میں اپنی جان کی بازی لگا دی۔ اور ہر قیمت پر اس بات کی کوشش کی کہ قبل اس کے کہ دوبارہ ہوا چلے ان کشتیوں کو سمندر کی تہہ میں پہونچا دیں، مگر وہ اس کوشش میں ناکام رہے۔ بالطہ اوغلی پلٹ پلٹ کر حملے کرتا تھا، حتیٰ کہ اس کی ایک آنکھ بھی اس معرکہ میں کام آگئی۔ ترک سپاہی بری طرح زخمی ہو رہے تھے۔ پانی میں گر رہے تھے، مگر سود و زیاں سے تمامتر بے خبر ہو کر ایک ہی بات اُن سب کی زبان پر تھی کہ بڑھو! آگے بڑھو!!

سلطان فاتح کنارے پر کھڑا جنگ کا یہ ہولناک منظر دیکھ رہا تھا۔ اپنے آدمیوں اور کشتیوں کی اس بے پناہ تباہی کی وہ تاب نہ لا سکا۔ بے چین ہو کر اپنی جگہ سے بڑھا اور پانی میں اتنی دور تک گھستا چلا گیا کہ گھوڑا سینے تک پانی میں ڈوب گیا، اب لڑائی کی جگہ کے اور اسکے درمیان مشکل سے گولی کی زد کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ یہاں سے اس نے اپنے کمانڈر کو زور سے للکارا۔ ہاتھ ہلا ہلا کر سپاہیوں کا جوش بڑھایا۔ ترک سپاہی اپنے بادشاہ کے اشارہ پر پروانہ وار نثار ہونے لگے اور قریب تھا کہ غنیم ہتھیار ڈالدے کہ یکایک ہوا حرکت میں آئی اور اتنی تیزی کے ساتھ آئی کہ پانچوں اطالوی کشتیاں تیر کی طرح ترکی کشتیوں کے درمیان سے نکل کر خلیج میں داخل ہو گئیں۔ اور خلیج کا دہانہ پھر سے بند کر دیا گیا۔

(باقی)

# انتخاب

**نیک نام جمہوریت!** اعداد شائع ہوئے ہیں :-

"صدر امریکہ کے لئے ہوائی جہازوں اور موٹروں کی کمی نہیں۔ دو سو موٹر اس کے لئے ہر وقت حاضر رہتے ہیں، ان کے علاوہ ہیلی کاپٹر ایک کیبن کروزر، اور ایک پرائیویٹ ریل روڈ کار ہیں۔ اس کے ہوائی جہازوں کے چلانے والوں پر چالیس ہزار ڈالر سالانہ خرچ ہوتے ہیں اور ساتھ ہی وہائٹ ہاؤس کی موٹروں پر دس ہزار ڈالر سالانہ۔"

یہ صرف ایک مد سواری کی ہوئی، اس پر اضافہ ابھی متعدد مدوں کا اور ہوتا ہے، صدر کی سالانہ تنخواہ، سالانہ بھتّا، تار ڈاک، ٹیلیفون وغیرہ پر خرچ، عمارت کی حفاظت اور اسکی آرائش و زینت پر خرچ، پولیس، خفیہ پولیس پر خرچ، کھیل کود پر خرچ وغیرہا۔ جن کی میزان اس فرد واحد کی ذات کے لئے لکھو کھا ڈالر سالانہ تک پہنچتی ہے! اور یہ صدر نمائندہ شخصی اور نسلی بادشاہت کا نہیں، آزاد جمہوریت اور دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا ہے! آہ بدنام و رسوا بادشاہت!

---

**ہائی کورٹ سے ڈانٹ۔** "اس عدالت کو یہ دیکھ کر تشویش ہو رہی ہے کہ ماتحت عدالتیں بے خیالی کے ساتھ ان لوگوں کو سزائیں دے رہی ہیں جو یو۔پی کے قانون امتناع ذبح گاؤ ۵۶ء کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان کی سزاؤں کو برابر گھٹا کر صرف اس میعاد تک لا رہی ہے جو وہ پہلے ہی بھگت چکے ہیں۔ سزا کی تعداد ہمیشہ نوعیت جرم کی مناسبت سے ہونا چاہئے، اور فوجداری عدالتوں کو فرق و امتیاز کرنا بھی لازم ہے، ان اعمال کے درمیان جو مسلمہ طور پر جرائم ہیں اور ان کے جو ابھی کل تک جائز تھے اور اب انھیں تازہ قانون نے ویلفیر اسٹیٹ کی منزل کی جانب کسی سماجی یا معاشی مقصد کے پیش نظر ناجائز قرار دیدیا ہو عدالتوں کو

برابر یہ مدنظر رکھنا چاہیے کہ کون فعل کتنے دنوں سے برابر چلا آیا ہے اور ابھی ناجائز قرار پایا ہے نیز یہ کہ آیا یہ ملک کے دوسرے حصوں میں اب بھی جرم ہے؟ عدالتوں کو جرم اور تعداد سزا کا تناسب بھی ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیئے، انتہائی سزا صرف بدترین مجرموں کے لئے ہوتی ہے"

یہ سب کچھ ۱۰ ستمبر کو الہ آباد ہائی کورٹ کے ایک انگریز جج جسٹس جیمس نے بدایوں کے پانچ مسلمانوں کی اپیل کا فیصلہ سناتے وقت کہا، جن کو سزا ڈیڑھ ڈیڑھ سال کی قید سخت کی ذبیحۂ گاؤ کے جرم میں ہوئی تھی، جسٹس موصوف نے ان مجرموں کو جتنی سزا یہ بھگت چکے تھے اسی کو بہت سمجھ کر رہا کرتے ہوئے کہا کہ ماتحت عدالتوں کو فیصلہ کرتے وقت ہر سیاسی، جذباتی، مذہبی عصبیت سے بالکل الگ ہونا چاہیئے! —— سیکولرزم کا بھرم اگر ہندستان میں اب بھی کچھ قائم ہے تو ایسے ہی حاکموں، ججوں اور جسٹسوں کے دم سے۔ کاش ایسی ہی مثالیں کثرت سے ہوتیں اور چھوٹا بڑا ہر حاکم ملحوظ اس کلمہ کو رکھتا کہ ہر حکم اور ہر فیصلہ رو رعایت سے بلند اور ہر سیاسی و مذہبی تعصب سے بالاتر ہونا چاہیئے۔

---

**نیا پروپیگنڈا** حکومت ہند جنگلی جانوروں کی حفاظت کا ہفتہ منا رہی ہے جو یکم اکتوبر سے شروع ہوگا، تجویز یہ ہے کہ طلباء اور عام لوگ اس بات کا عہد کریں کہ وہ حتی المقدور جنگلی جانوروں کی حفاظت کریں گے۔ عہد یا حلف نامہ کے الفاظ یہ ہیں:۔ "مہاتما بدھ اور گاندھی جی کے اس ملک میں اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ میں ملک کے جنگلات اور ان میں رہنے والے بے زبان جانوروں کی حفاظت کروں گا اور انھیں برباد ہونے سے بچاؤں گا" (الجمعیۃ دہلی)

اور ایسی جماعت اہیں بن بھی سکتی ہے —— ملک اگر گاندھی جی کا واقعی ہوتا تو شیر اور گینڈے، ریچھ اور بھیڑیے سے زیادہ، کہیں زیادہ، ہزارہا درجہ زیادہ یہاں کی انسانی اقلیت عزیز ہوتی اور جنگلی جانوروں سے کہیں پہلے فکر ان انسانوں کے جان و مال و عزت کے تحفظ کی ہوتی! —— سچ کہا تھا امام مالک نے جب ان سے ایک کوفی نے سوال کیا تھا کہ مچھر کا خون اگر جسم پر لگ جائے تو نماز کیسے پڑھی جائے کہ ایسا سوال ایک کوفی ہی کر سکتا ہے، جس نے پروا حضرت حسینؓ کے خون کی نہ کی اور اتنی اہمیت مچھر کے خون کو دے رہا ہے!

اور پھر سرکار ہند سے بصد ادب گزارش ہے کہ اس ملک کو آخر کس تاریخ کی رو سے ملک انھیں دو مشاہیر ہند کی قرار دے لیا گیا ہے اور گویا شنکر آچاریہ اور رامانج، ارجن اور بھیم، رام چندر جی اور سری کرشن جی، جہانگیر اور شاہجہاں، گرونانک اور بابا فرید، امیر خسرو اور کبیر داس، سرسید اور اقبال، مسز نائیڈو اور ٹیگور اس سرزمین پر کبھی آباد ہی نہیں ہوئے ہیں!

---

**سیکولرزم کا ایک اور نمونہ!** بندرگاہ نفری اسکاٹ لینڈ ۲۸ ستمبر "ہندستان کے لئے ۲ ½ ہزار ٹن کا جو نیا جہاز یہاں کی ایک مشہور جہاز ساز کمپنی نے تیار کیا ہے، اس کا نام رکھنے اور اسے پانی میں تیرانے کی رسم آج یہاں ہائی کمشنر برائے ہند کے بحری مشیر کیپٹن کوہلی کی بیوی مسز کوہلی نے جہاز کے اوپر ناریل توڑ کر ادا کی"

اور دنیا کو ایک بار پھر دکھا دیا کہ بھارت ورش بانگ دہل سے اپنی سیکولرزم کے اعلان کے باوجود سرکاری تقریبات میں ویدک دھرم کے رسوم کا کس درجہ پابند ہے!

---

**معراجِ فسق** - رویٹر اور یو۔ پی۔ اے اور اے۔ ایف۔ سی کی دی ہوئی ایک بڑی لمبی خبر کا خلاصہ :-

لندن ۵ ستمبر - پندرہ ممبروں کی کمیٹی نے جس میں بیرسٹر، ڈاکٹر، پادری ۱۰ اور تین خاتونیں بھی شامل تھیں اور جس کے صدر ریڈنگ یونیورسٹی کے وائس چانسلر سر جان وُلفنڈن تھے، تین سال کے بعد بالآخر کل اس نے اپنی ضخیم رپورٹ برطانیہ کی اخلاقی حالت پر شائع کر دی

بیسوائی اس کے نزدیک ایک ناگزیر ضرورت ہے اور بیسوائیں صرف ایک طبعی مانگ یا طلب کو پورا کر رہی ہیں۔ بیسوائی کی سزا اب تک چالیس شلنگ جرمانہ تھی، کمیٹی کی رائے میں اب پہلی مرتبہ کی سزا عورت کو دس پونڈ جرمانہ کی ملنا چاہیئے اور دوسری بار کی ۲۵ پونڈ اور اس کے بعد پھر تین ماہ جیل کی!

بیسوائی کے محرکات میں طمع زر بھی یقیناً شامل ہے لیکن بہر حال لڑکیاں اور عورتیں اس پیشے میں اپنے پورے ارادہ ہی سے داخل ہوتی ہیں، مردوں کے باہمی شہوانی تعلقات کی

کثرت دیکھ کر کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ بالغ مردوں کے درمیان لواطت اگر باہمی رضامندی سے ہو تو اسے کوئی جرم نہ قرار دیا جائے، اس لئے کہ شہریوں کی نجی زندگی میں قانون کو دخل دینے کی کوئی حاجت نہیں"۔

چلئے زنا بالرضا تو پہلے ہی سے کوئی جرم نہ تھا اب لواطت بھی باہمی رضامندی کے بعد روا! "جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج!" ــــ اتنی کھلی ہوئی آزادی آج سے قبل کب اور کس دور میں انسان کو حاصل رہی اور شیطان کو کب اپنی فتحمندیوں پر داد ملی ہے!

"بیسوائی مرد کے حق میں ایک طبعی ضرورت ہے" لیکن اس طبعی حقیقت کے اعتراف کے بعد اس کا علاج یہ نہیں کہ تعداد ازواج میں کچھ آسانیاں پیدا کر دی جائیں بلکہ صرف یہ کہ مرد کو یکسر چھوڑ کر عورت پر جرمانہ زیادہ کر دیا جائے اور آخر میں اسے جیل کی ہوا بھی کچھ تھوڑی سی مدت کے لئے کھلا دی جائے! ــــ اس فرنگیانہ خوش دماغی اور منطق کی داد کوئی فرسودہ دماغ مشرقی کہاں سے دے سکتا ہے!

لیکن حیرت ہے کہ بیسوائی کی حمایت اور جواز میں جو دلیل اب تک ہندوستان میں بار بار سننے میں آئی تھی کہ عورتیں رزقی مشکلات اور معاشی دشواریوں سے مجبور ہو کر اس پیشہ میں آتی ہیں۔ اس کی کوئی جھلک رپورٹ کے صفحات میں دیکھنے میں نہ آئی!

کس حسرت کے ساتھ قوم لوط والے آج کہہ رہے ہوں گے کہ کاش ہم دنیا میں تین چار ہزار سال بعد کو بھیجے گئے ہوتے تو کس مزہ سے جو چاہے کرتے رہتے۔ کسی کی کیا مجال تھی جو ہماری طرف کڑی نگاہوں سے بھی دیکھ سکتا!

ہاں خدایان کہن وقت ست وقت!

(صدق جدید)

---

**صاف گوئی** ماسٹر تارا سنگھ نے زبان کے مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے گول میز کانفرنس کی تجویز رد کر دی ہے، انھوں نے کہا کہ بہت سے لوگ ہندو سکھ اتحاد کے نام پر اپیل کر رہے ہیں کہ گول میز کانفرنس کی تجویز قبول کر لی جائے مگر ــــ میں ہندو سکھ اتحاد یا امن کے نام پر مذہب کو قربان نہیں کر سکتا۔ ہم سے کوئی شخص توقع نہ رکھے کہ وطن کی حفاظت میں بھی ہم مذہب کو

قربان کر سکیں گے، میرے نزدیک مذہب سب سے پہلی چیز ہے اور میں کسی چیز پر بھی اس کی قربانی دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ (الجمعیۃ)

# (بقیہ نگاہ اوّلیں)

ناعاقبت اندیش، مصلحت پرست اور عافیت جو لوگوں نے خود اپنے طرز عمل سے ملت کے توحیدی مزاج کو خطرہ لاحق کر دیا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ملک کی اکثریت جو توحید سے بے گانہ اور غیر اللہ کی پرستش کی قائل ہے، ماضی قریب میں ہمارے اور اس کے درمیان جو ایک غلط حد تک بُعد اور کھنچاؤ پیدا ہو گیا تھا، آج ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ وہ ختم ہو۔ اور دونوں کے تعلقات اس سطح پر آ جائیں کہ وہ اشتراک کے ساتھ ایک ملک میں زندگی گزار سکیں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں مل جل کر کام کر سکیں۔ اس ضرورت کے لیے ہمارے ایک طبقہ نے عجیب و غریب طرز عمل اختیار کیا ہے، وہ یہ کہ اکثریت کے مخصوص مذہبی (وتہذیبی) رسوم میں دلچسپی کا اظہار کیا جائے۔ اس طرز عمل کے بتحت ابتک جہاں تک بات پہونچی تھی وہ یہ تھی کہ میلوں، ٹھیلوں اور تہواروں وغیرہ میں اشتراک و تعاون کیا جانے لگا تھا، مگر اب یہ بات غیر اللہ کی پرستش اور "شرک اکبر" میں اشتراک و تعاون تک پہونچ گئی ہے۔ گذشتہ مہینے کی بات ہے کہ بریلی کے ایک "مسلمان" تاجر نے ایک مندر کی تعمیر کے لیے ہزاروں کی ایک رقم عنایت فرمائی ہے اور خاص مورتی نصب کرنے کی رسم کے لیے ایک مزید رقم کا اعلان فرمایا ہے۔

اس قسم کی باتیں شروع شروع میں انوکھی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر جب بار بار ہونے لگتی ہیں تو پھر ان کی شناعت کا احساس کم ہونے لگتا ہے اور اسی قسم کی ہوا چل پڑتی ہے ـــــ خصوصاً جبکہ ان باتوں پر داد و تحسین ہو، اور نفرین کرنا لوگوں کو خلاف مصلحت معلوم ہو ـــــ چنانچہ مذکورہ بالا واقعہ کے علاوہ اسی قبیل کی کتنی ہی باتیں ہیں جو بے تکلفی کے ساتھ چلتی جا رہی ہیں۔

اگر یہ ہوا اسی طرح چلتی رہی اور شرک سے اہل توحید کی پینگیں ازراہ مصلحت اسی طرح بڑھتی رہیں تو (خاکم بدہن) وہ دن دور نہیں، جب ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک ایسی نسل جنم لے جس کا ذہن شرک و توحید کی اُس تفریق سے بالکل نا آشنا ہو جو اسلام کی روح اور جان ہے، اور جس کے بغیر انسان سب کچھ ہو سکتا ہو مسلمان نہیں ہو سکتا۔

ذرا سوچیے کہ ہم مستقبل میں ان خطرات سے دین کے تحفظ کے لیے کیا کر رہے ہیں؟

# تعارف و تبصرہ

**سرگزشت مجاہدین** از جناب غلام رسول مہر۔ ضخامت ۶۸۰ صفحات، مجلد، قیمت درج نہیں، غالباً ۱۲ روپے، ناشر:- کتاب منزل، لاہور، پاکستان۔

مولانا غلام رسول مہر نے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک جہاد کی مفصل تاریخ ترتیب کرنے کا جو کام شروع کیا تھا وہ اس کتاب پر تمام ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے اس سلسلہ کی دو کتابیں شائع ہوئی تھیں اور اُن کا ذکر الفرقان کے ان صفحات میں آچکا ہے، پہلی کتاب "سید احمد شہید" میں ابتدائے تحریک سے حضرت سید صاحب کی شہادت تک کے حالات و واقعات تھے، پیش نظر کتاب حضرت سید صاحب کی شہادت کے بعد سے اختتام تحریک تک کی مفصل سرگزشت پر مشتمل ہے۔

تحریک کا جو دور حضرت سید صاحب کی شہادت تک کا ہے اس دور کے بارے میں اگرچہ کافی معلومات پہلے سے عام ہیں پھر بھی مہر صاحب نے ان معلومات کو جس قدر مکمل اور مفصل شکل میں پیش کیا تھا اُس نے ان معلومات میں ایک نیا پن پیدا کر دیا تھا۔ اور مہر صاحب کی پہلی کتاب اس دور کے متعلق تاریخی حیثیت سے ایک نادر پیش کش تھی۔ مگر سید صاحب کے بعد کا دور، جو عام طور پر بالکل تاریکی میں ہے اور جس کے متعلق بہت کم لوگوں کو کچھ معلومات ہیں، اس دور پر جب مہر صاحب کی یہ تازہ کتاب سامنے آتی ہے تب تو انکے اس سلسلہ کار کا شاہکار اسی کو قرار دینا پڑتا ہے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ سید صاحب کی تحریک بالاکوٹ کے میدان میں سید صاحب کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ اور جو لوگ اجمالی طور پر یہ جانتے ہیں (جیسا کہ خود راقم الحروف) کہ سلسلۂ جہاد سید صاحب کے بعد بھی قائم رہا۔ وہ بھی غالباً یہ تو سمجھتے ہی ہیں کہ تحریک کا اصل زور سید صاحب ہی پر ختم ہو گیا، مگر سرگزشت

مجاہدین" پڑھ کر معلوم ہوتا ہو کہ یہ بڑی ناواقفی ہو۔ سید صاحب کی شہادت کے دھکے سے تحریک تھوڑے دن کے لیے مضمحل ضرور ہوگئی تھی، مگر مجاہدین برابر مصروف جدوجہد رہے حتیٰ کہ ان کی تنظیم میں استحکام پیدا ہوا اور اس دور میں بعض مواقع پر تحریک نے وہ زور دکھلائے کہ سید صاحب کے دور سے بھی آگے بڑھ گئی۔

مہر صاحب اسلامیان ہند و پاک کے بیش از بیش شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس دور کے حالات و واقعات کو بھی پوری تفصیل اور پوری تاریخی روشنی کے ساتھ مرتب کر دیا ہے۔ ہماری نظر میں یہ کتاب اس سال کی سب سے قیمتی کتاب ہو۔ اور ہر اردو خواں مسلمان کو اسے ہر قیمت پر پڑھنا چاہیے۔

(۱) ۱۸۵۷ء ۔۔۔ از جناب غلام رسول مہر۔ ضخامت ۳۶۴ صفحات۔ مجلد قیمت ۸/۸

(۲) ۱۸۵۷ء کے مجاہد ۔۔۔ " " " ۲۱۱ " " " ۴/۸

ناشر: ـــــــــــ کتاب منزل، لاہور

ہندوستان و پاکستان میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی صد سالہ یادگار کے طور پر اس سال مختلف تقریبات منعقد ہوئیں، یادگاریں قائم ہوئیں۔ مہر صاحب نے اس کی یاد میں یہ دو کتابیں مرتب کیں جو کتاب منزل نے بالکل بروقت شائع کیں۔

پہلی کتاب میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مفصل حالات و واقعات پیش کیے گئے ہیں اس کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے اور غدر اور جنگ آزادی کا فرق واضح کر کے بتایا ہے کہ یہ غدر نہیں جنگ آزادی تھی ـــــ واقعات کی جزئی تفصیلات اور ایک ایک جزئیہ پر بحث، جو مہر صاحب کی کتابوں کا خاصہ ہو۔ وہ اس کتاب میں بھی پوری طرح موجود ہے۔

دوسری کتاب میں جنگ آزادی کے نامور قائدین کے سوانح حیات ہیں جن کا تعلق زیادہ تر اسی جنگ آزادی کے دور سے ہے، اس ذیل میں جن لوگوں کا تذکرہ آیا ہے اُن کے اسما حسب ذیل ہیں۔

حضرت محل۔ رانی لکشمی بائی۔ عظیم اللہ خاں۔ سید احمد اللہ شاہ مدراسی۔ ڈھونڈو پنت نانا۔ جنرل بخت خاں۔ شہزادہ فیروز شاہ۔ مولانا فضل حق خیرآبادی۔ مولانا لیاقت علی الہ آبادی۔ تانتیا ٹوپے۔ مولانا رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خاں۔ بزرگان دیوبند۔ نواب علی بہادر اور

نواب تفضل حسین۔ خان[14] بہادر خاں۔ نواب[15] محمود خاں۔ کنور سنگھ[16] اور امر سنگھ۔ نواب[17] مموخان۔ مولانا[18] اکبر علی اور سید اکبر زماں۔ اور ان کے علاوہ بھی چند اور اشخاص۔

مہر صاحب کی یہ فراخ حوصلگی اور انصاف پسندی قابل داد ہے کہ اس باب میں انھوں نے مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق روا نہیں رکھا ہے۔ ہر ایک کے کارناموں کو پوری تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے اور پوری وسیع القلبی کے ساتھ انھیں سراہا ہے، حتیٰ کہ ترتیب میں بھی سر فہرست اگر حضرت محل ہیں تو دوسرے نمبر پر نام رانی لکشمی بائی کا ہے۔ ــــ کاش یہ کتاب کسی طرح ہمارے ملک کے اُن سیکولر لیڈروں کی نظر سے بھی گزرتی جو اودھ کی راجدھانی لکھنؤ میں بھی اگر جنگ آزادی کے سورماؤں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو حضرت محل اور سید احمد اللہ شاہ مدراسی کا نام تک زبان پر نہیں لاتے، جو اودھ کی جنگ آزادی کے اصل ہیرو تھے۔

---

## فاران "توحید نمبر"

ایڈیٹر:۔ جناب ماہر القادری، ضخامت ۴۰۰ صفحات، قیمت ۳/۸
پتہ:۔ دفتر فاران، کیمبل اسٹریٹ، کراچی ۱

اسلام کا دار و مدار عقیدہ توحید پر ہے مگر اس بنیادی عقیدے ہی میں آج سب سے زیادہ فتور آگیا ہے، صحیح اسلامی توحید کے معیار پر اگر مسلمان قوم کو پرکھا جائے تو سچی بات یہ ہے کہ بہت تھوڑے سے افراد اس معیار پر پورے اتریں گے، بڑی ضرورت ہے کہ اس بنیادی کمزوری پر ہر وقت نظر رکھی جائے اور اس کے ازالہ کے لئے جو کچھ ہو سکے کیا جاتا رہے۔

ایڈیٹر "فاران" کو اللہ تعالیٰ نے توحید و شرک کے معاملہ میں بڑی تیز حس دی ہے، جس کا اندازہ ان کی تحریروں سے بار بار ہوتا رہتا ہے۔ ان کے اداریہ کے دو ہی خاص موضوع ہیں، ایک بے حیائی و بد اخلاقی، دوسرے توحید کے تقاضوں سے مسلم عوام کی بے خبری اور لاپروائی۔ وہ ان موضوعات پر بڑے سوز سے لکھتے ہیں اور بار بار لکھتے ہیں، ان کا مرتب کیا ہوا یہ توحید نمبر ان کے درد دل کی داستان بھی ہے اور دوا بھی، اسکی ترتیب ہند و پاکستان کے مشہور و معروف اہل علم و قلم کے مضامین سے ہوئی ہے، بلکہ ایک مضمون الجزائر کے مشہور عالم علامہ محمد البشیر الابراہیمی کے قلم سے بھی اس نمبر کی زینت ہے، چار سو صفحے کے اس ضخیم نمبر کے خاص

خاص مضامین کا بھی اگر تعارف کرایا جائے تو کئی صفحے چاہئیں، بس مختصراً یوں سمجھئے کہ توحید کے موضوع پر اس نمبر میں جتنا مواد آگیا ہے اتنا شاید کہیں اور یکجا نہ مل سکے گا۔ ہر ہر مضمون مفید اور بصیرت افروز ہے۔ ہم مدیر "فاران" کو اس شاندار نمبر پر مبارکباد پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی یہ گراں قدر خدمت دین قبول فرمائے۔

---

**عفت (سالگرہ نمبر)** مدیر اعلیٰ عبدالوحید خاں صاحب، صفحات ۱۲۰۔ قیمت ایک روپیہ۔
پتہ: ادارۂ خواتین۔ اچھرہ۔ لاہور۔

عفت خواتین کا ایک معیاری ماہنامہ ہے، جو دو سال سے شائع ہو رہا ہے۔ زیر تبصرہ نمبر اس کا دوسرا سالنامہ ہے جو عام نمبروں کی طرح پوری طرح اسلامی رجحانات کا حامل اور خواتین کے لیے مفید ہے۔ عفت کے عام نمبروں میں بھی زیادہ تر افسانے ہی ہوتے ہیں اور اس نمبر میں بھی ایسا ہی ہے۔ مگر یہ افسانے سب سبق آموز، پاکیزہ اور دینی مقاصد کے حامل ہیں۔

---

**ضروری تصحیح۔** صفر کے الفرقان صفحہ ۵۱ پر سطر ۱ میں قرآنی آیت کے ایک لفظ "یقاتلون" پر اعراب غلط لگ گیا ہے اور اسکی وجہ سے آیت کے ترجمہ کا ابتدائی حصہ بھی غلط ہو گیا ہے۔ صحیح اعراب یہ ہیں۔ "یُقَاتَلُوْنَ" اور اب ترجمہ یہ ہوگا۔ "وہ مسلمان جن سے قتال کیا جاتا ہے۔ انھیں بھی جواب دینے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ اس وجہ سے کہ" الخ ——— (محمد منظور)

---

## اَنیسُ نِسواں

از
بیگم سید اصغر حسین

مسلم خواتین میں، خاص کر تعلیم یافتہ بہنوں میں اپنے دین و مذہب کی طرف سے جو بے فکری اور آخرت کی طرف سے جو غفلت اور بے پروائی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، بیگم صاحبہ سید اصغر حسین نے اسی کے علاج اور انسداد کے لیے یہ کتاب اپنی بہنوں کی خدمت میں پیش کی ہے۔

صفحات ۹۶ ——— کاغذ عمدہ ——— قیمت ۱۰ر آنے

ملنے کا پتہ:- کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

## کتب متعلقہ قرآن مجید

تفسیر ربہ تفسیر (ترجمہ اردو) ۵ جلد
مکمل مجلد -/۵۵
تفسیر بیان القرآن مکمل ۱۲ جلد -/۶۰
تفسیر ماجدی جلد اول مجلد -/۱۳
" " دوم " -/۱۳
" " سوم " -/۱۳
" " چہارم " -/۱۲
انبیوا اے فی القرآن -/۲
قرآنی جغرافیہ -/۱/۴
قصص القرآن مکمل ۴ جلد -/۲۱
قرآن اور تصوف -/۲
قرآن اور تعمیر سیرت -/۵
رہنمائے قرآن -/۱
لغات القرآن جلد اول -/۴
" جلد دوم -/۴
جلد سوم -/۴ جلد چہارم -/۵
قاموس القرآن -/۷
ترجمہ قرآن کا مکمل نصاب از مولانا
محفوظ الرحمن صاحب -/۸/۲

## حدیث شریف سے متعلق کتابیں

ترجمہ صحیح بخاری شریف مکمل
۳ جلد، مجلد، -/۴۲
ترجمہ جامع ترمذی مکمل ۲ جلد
مجلد -/۱۸
ترجمہ مشکوٰۃ شریف مکمل
۴ جلد، مجلد -/۱۶
ترجمہ موطا امام مالک مع عربی متن
مجلد -/۱۲
مشارق الانوار اردو ترجمہ و تشریح
کے ساتھ، مجلد -/۱۲
حصن حصین مع ترجمہ اردو مجلد -/۸
ترجمان السنہ از مولانا بدر عالم صاحب
جلد اول -/۱۰ جلد دوم -/۱۰ جلد سوم -/۱۴

## تالیفات مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی

تاریخ دعوت و عزیمت ۸/۵
جلد اول -/۶
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج
و زوال کا اثر ۸/۴
اصلاحیات -/۱۲ دو ہفتے ترکی میں ۸/۱
پیام انسانیت -/۱۰/-

## ہر مسلمان کے گھر میں یہ کتابیں ضرور رہنی چاہئیں
## زبان آسان، شیریں، معلومات مستند

سرایائے رسولؐ -/۱۲/-
رسول پاکؐ کی صاحبزادیاں -/۱۲/-
ہمارے نبیؐ کے صحابہ -/۶/۱
رسول اللہؐ کے دو محبوب -/۸/-
عہد نبویؐ کے دو بچے -/۱/۱
درسگاہ نبویؐ کے دو طالب علم -/۱
امام حسن -/۱۲/-

## تالیفات مولانا عبد الباری صاحب ندوی

جامع المجددین مجلد -/۵
تجدید تصوف و سلوک " -/۵
تجدید تعلیم و تبلیغ -/۳
تجدید معاشیات -/۵

## تالیفات حضرت شیخ الحدیث مدظلہ

حکایات صحابہ -/۳ فضائل نماز -/۱۲/-
فضائل تبلیغ -/۶/- فضائل قرآن -/۱۲/-
فضائل رمضان -/۱۲/- فضائل حج -/۳
فضائل صدقات اول ۸/۲ دوم -/۱۴/۲

## تالیفات مولانا احتشام الحسن صاحب

حقیقت ذکر مجلد ۱۲/۲ دین خالص -/۸/-
تجلیات کعبہ -/۲ تجلیات مدینہ ۸/۲
ارکان اسلام -/۴/۱ اسلامی زندگی -/۱۲/-
شاہراہ ترقی -/۱۲ مسلمانوں کی پستی کا واحد علاج -/۳/-
اصلاح معاشرت -/۵/۱ حیات فخر -/۴/-

## ایمان اور ایمانی سیرت پیدا کرنے والا سات بچوں کا نصاب

اللہ کے رسول -/۶/- حضرت ابوبکرؓ -/۶/- حضرت عمرؓ -/۶/- حضرت عثمانؓ -/۶/-
حضرت علیؓ -/۶/- اچھا قاعدہ -/۲/- اچھے قصے -/۶/- اچھی باتیں
-/۱۲/- ۔۔۔ -/۸/- ۔۔۔ -/۶/- ۔۔۔ -/۸/- ۔۔۔ -/۸/-

## کتب خانہ الفرقان کی مطبوعات ایک نظر میں

معارف الحدیث جلد اول مجلد ۸/۲ | سوانح حضرت مولانا محمد الیاسؒ ۸/۲
" " غیر مجلد ۱۲/۲ | ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ۸/۱
اسلام کیا ہے مجلد کاغذ قسم اعلیٰ ۸/۲ | امام ولی اللہ دہلوی از مولانا سندھی مرحوم -/۶/-
اسلام کیا ہے غیر مجلد " " دوم ۱۲/۱ | اسلام اور نظام سرمایہ داری -/۸/-
کلمہ طیبہ کی حقیقت -/۸/- | بوارق الغیب حصہ دوم -/۱/-
نماز کی حقیقت -/۱۲/- | معرکۃ القلم (فیصلہ کن مناظرہ) -/۱/-
آسان حج -/۶/- | قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ -/۶/-

**ارشاد السالکین** ہر دیندار طالب خدا کے پاس رہنے کے لائق یہ
نہایت مفید اور موثر کتاب ہے اس چھوٹی سی کتاب کو اصلاح و تزکیہ
اور تصوف کے گنجینہ کا عطر کہا جا سکتا ہے۔ قیمت مجلد -/۸/۱

## مختلف موضوعات پر منتخب کتابیں

عہد نبوی میں نظام حکمرانی
(از ڈاکٹر حمید اللہ) -/۸/۴
سلسلۂ تاریخ ملت مکمل سٹ
(دس حصے مجلد) -/-/۲۱
تاریخ اسلام پر ایک نظر -/-/۶
قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی
خدمات حصہ اول مجلد ۱۲/۲
حصہ دوم مجلد ۸/۲
رسول اللہؐ کے مکتوبات و معاہدات
مجلد -/۴/۲
حضرت خالد بن ولیدؓ -/۱۲/-
تاریخ مشائخ چشت -/۱۲/-
حیات شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ
مجلد -/-/۷
سوانح قاسمی (از مولانا گیلانیؒ)
جلد اول -/۶/- جلد دوم -/۶/-
حیات انور مجلد -/-/۴
تاریخ دیوبند (از سید محبوب
رضوی) -/-/۲
ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ۸/۲
ایک مظلوم اور بدنام مصلح
(محمد بن عبد الوہاب) ۸/۲
سد باب ذریعہ (ابن القیمؒ کی
ایک اہم کتاب کا اردو ترجمہ) -/۱۲/-
معارف القرآن اسلامی تعلیمات کا
فلسفہ، قیمت ۸/۱
دین و دانش (از پروفیسر
محمود علی) بے نظیر کتاب جو اب
نایاب ہے۔ قیمت -/-/۵
الجواب المتین (ڈیڑھ سو فقہی سوالات
کا جواب صرف احادیث نبویؐ سے
دیا گیا ہے۔ قیمت -/۸/-
فتاویٰ دار العلوم دیوبند
۸ جلد -/-/۲۰

## الفرقان کا

# افاداتِ گیلانی نمبر

- یادگاری نمبروں کی عام شاہراہ سے ہٹ کر ایک نیا تجربہ ــــ جسے اہلِ نظر نے قابلِ تقلید ٹھہرایا!
- مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے چار بیش قیمت مضامین کا مجموعہ ــــ جو علم و دین کا ایک انمول خزانہ ہے۔

**مولانا گیلانیؒ** ــــ فکر و نظر کی وسعت، علمی جامعیت اور ذہانت میں اپنی مثال آپ تھے

ــــ ان کی ژرف نگاہی اور نکتہ رسی نے نکات و تحقیقات کے وہ گل کھلائے جو سدا بہار ہیں۔

ــــ انھوں نے تنہا تحقیق و تصنیف کا اتنا کام کیا جتنا یورپ میں ادارے اور انجمنیں کرتی ہیں

**غرض** ــــ وہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔

اس نمبر میں مولانا مرحوم کے چار اہم مضامین کو جمع کر دیا گیا ہے، ان میں مولانا کا وہ مضمون بھی شامل ہے جو سورہ کہف سے متعلق تفسیری انداز میں اکیس ۲۱ قسطوں میں شائع ہوا تھا اور بالاقساط شائع ہونے کی وجہ سے اس کی قدر نہیں پہچانی جا سکی تھی ــــ اب یکجا شائع ہونے پر لوگ محسوس کر سکے ہیں کہ وہ کس قدر

ــــ بلند پایہ اور معرکۃ الآرا چیز ہے ــــ

یہ مضمون مولانا کی ژرف نگاہی اور نکتہ رسی کا ایک نادر نمونہ ہے جس میں سورۂ کہف کے ایک ایک لفظ سے حقائق و معانی کے بلا مبالغہ دریا بہا دیے گئے ہیں ــــ اس مضمون میں دکھایا گیا ہے کہ مغربی علوم و افکار اور تہذیب و تمدن سے (جو دجالی فتنہ کا پیش خیمہ ہے) سورہ کہف کا کتنا قریبی تعلق ہے۔ سورۃ کے الفاظ میں اس تہذیب و تمدن اور ان علوم و افکار کی طرف کیا کیا تنقیدی اشارات پوشیدہ ہیں، اس تہذیب و تمدن اور ان علوم و افکار کے جو بھیانک نتائج آج سامنے آ رہے ہیں، قرآن اُن پر کس انداز میں ۱۴ سو برس پہلے تنبیہ کر چکا ہے۔ اور ان نتائج کا مقابلہ کرنے کے لیے اس نے اہلِ ایمان کو کیسے کیسے لطیف انداز میں کیا کیا

ــــ ہدایات دی ہیں ــــ

**نمبر کی قیمت دو روپیہ دس آنے مع محصول ڈاک، ضخامت ۲۱۵ صفحات**

## نوٹ

گیلانی نمبر اب سالانہ خریداری میں نہیں دیا جا سکتا ہے۔

ماہنامہ

# الفرقان لکھنؤ


## ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے، بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، وہ فیصلہ ہے

اس بات کا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی

[illegible] ہدایت و شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔

[illegible] زندگی اسی عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی

[illegible] ایمان [illegible] ان کا فرض ہے [illegible] ہم اس کا

[illegible] کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں

[illegible] دنیا میں [illegible] اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

[illegible] یہی ہماری دعوت ہے [illegible]

فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرة

توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

ادارہ الفرقان


مرتب

عتیق الرحمٰن سنبھلی

مسئول

محمد منظور نعمانی

اسلام کیا ہے

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ہندوستان و پاکستان سے
سالانہ چندہ (سکہ ہندستان) ۵
سالانہ چندہ (سکہ پاکستان) ۶
ششماہی ۳

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ ۱۰ شلنگ
اعزازی خریداروں سے
سالانہ ۱۵

فی کاپی آٹھ آنے (۸)

جلد ۲۵ | بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ مطابق نومبر ۱۹۵۷ء | شمارہ ۴۵




اگر اس ◯ دائرہ میں ——— سرخ نشان ہے تو اسکا مطلب یہ ہوکہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔ براہِ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی پی ارسال کیا جائے گا۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۲۳ تاریخ تک پہنچ جانی چاہیے۔

**پاکستان کے خریدار:-** اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔ ———

**تاریخ اشاعت:-** رسالہ ہر مہینے کی ۵ تاریخ کو روانہ کردیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔ اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیجدیا جائے گا۔ اگر جلدی ہو تو ۲ کے ٹکٹ ارسال فرمائیں۔

**مقامِ اشاعت:-** دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ


(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

اب سے ۲۰-۲۱ سال پہلے، جب ہمارے ملک میں پہلی دفعہ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت قومی حکومتیں قائم ہوئی تھیں تو اس کے آثار پوری طرح ظاہر ہو گئے تھے کہ آزاد ہندوستان میں قومیت اور وطنیت کے نام پر اس مقصد کے لیے بڑی ٹھوس کوششیں کی جائیں گی کہ مسلمانوں کے عقیدہ اور ان کے دینی مزاج میں ایسی تبدیلی ہو جائے جس کے بعد ان میں اپنے دین اور اپنی دینی تہذیب یعنی اسلامی شریعت کے بارہ میں وہ صلابت نہ رہے جو دنیا کی امتوں میں آج بھی ان کا طرۂ امتیاز ہے اور جو ان کے مستقل وجود کی ضمانت ہو۔۔۔ اس زمانہ میں الفرقان میں اس بارہ میں بہت کچھ اور بار بار لکھا گیا تھا اور ۱۳۵۷ھ (م ۱۹۳۸ء) میں الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر کی اشاعت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان نے مکمل آزادی حاصل کر لی، لیکن تقسیم کے فیصلہ نے ایک ملک کے دو ملک بنا دیئے۔

پاکستان جو اسلام ہی کے نام پر بنا تھا وہاں محمد رسول اللہ والا اسلام جیسا مظلوم اور جس کس مپرسی کی حالت میں ہے اور وہاں کا حکمراں طبقہ (جو اب بھی اپنے خاص مقاصد کے لیے اسلام کے نام کو خوب استعمال کرتا ہے) اس کے ساتھ جو سلوک کر رہا ہے اور "طلوع اسلام" اور "ثقافت" جیسے اداروں کے ذریعہ اس میں ترمیم و تحریف کی جو کوششیں وہاں ہو رہی ہیں ان کو ہر وہ شخص جانتا ہے جو اسلام کو بھی جانتا ہو اور پاکستان کے حالات سے بھی باخبر ہو۔ ؎

گلۂ جفائے وفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدہ میں بیاں کروں، تو کہے صنم بھی ہری ہری

ادھر ہمارے ہندوستان میں نظام تعلیم اور دوسرے تمام طاقتور ذرائع سے یہ کوشش کیجارہی ہو کہ مسلمانوں کے دینی مزاج میں یہ تبدیلی ہو جائے کہ قرآن مجید اور محمد رسول اللہ کی تعلیم نے کفر و شرک سے (کفر و شرک میں مبتلا ہونے والے نادان انسانوں سے نہیں بلکہ کافرانہ اور مشرکانہ عقائد اور طور طریقوں سے) — جو نفرت اور بیزاری مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کر دی ہے وہ ختم ہو جائے اور وہ کفر و شرک کو بھی ہضم کرنے کے قابل ہو جائیں، اسی طرح یہ کہ اللہ و رسول سے اور ان کے دین سے مسلمانوں کے تعلق کی یہ نوعیت کہ ان کی وفاداری ہر چیز پر اور ہر مادی تعلق پر مقدم رہے، اس کو وطن اور قوم کی وفاداری سے بدل دیا جائے۔

ہم میں سے جو شخص یہاں کے حالات کو کھلی آنکھوں دیکھتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ یہ کوشش ہو رہی ہو اور نہایت ٹھوس طریقہ سے ہو رہی ہے اور مسلمانوں پر اس کے اثرات بھی پڑ رہے ہیں —

راقم سطور کو یہ بھی اندازہ ہے کہ حکمراں طبقہ میں سے جو لوگ اس پالیسی کو چلا رہے ہیں ان میں ایسے بدنیت بہت کم ہوں گے جو اسلام دشمنی کے جذبہ کے تحت یہ چاہتے ہوں، بلکہ زیادہ تر قوم و وطن کے وہی "مخلصین" ہیں جو ملک میں قومیت و وطنیت کی حقیقی روح پیدا کرنے کے لئے مسلمانوں کے دینی مزاج میں یہ تبدیلی ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ عجب نہیں کہ ان میں سے بعض یہ بھی سمجھتے ہوں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ایک بڑا احسان کر رہے ہیں، کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ اس تبدیلی کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل زیادہ محفوظ اور روشن ہو جائے گا۔

لیکن مسلمانوں میں سے جو شخص اسلام سے بالکل جاہل نہیں ہے وہ جانتا ہے کہ یہ کوشش مسلمانوں کو نامسلمان بنانے کے مرادف ہے اور جن مسلمانوں پر یہ کوشش کامیاب ہوگی خواہ ان کے نام مسلمانوں ہی کے سے رہیں اور وہ مسلمان سوسائٹی کا جز بھی بنے رہیں لیکن از روئے دین وہ مسلمان نہیں رہیں گے۔

ہندوستانی مسلمانوں کا یہ مسئلہ بالکل اصولی اور تمام دوسرے مسائل سے مقدم ہے، اس کی ذمہ داری تمام مسلمانوں پر اور خاص کر ان کے علماء پر ہے، اس سلسلہ میں جو کام مسلمانوں میں کرنے کے ہیں ان کی طرف بار بار ان صفحات میں بھی توجہ دلائی جاتی رہی ہے اور کچھ نہ کچھ ہو بھی رہا ہے۔ لیکن ایک نہایت ضروری کام اس سلسلہ میں یہ بھی کرنے کا ہے کہ مناسب انداز میں

مگر نہایت صفائی اور پوری صراحت کے ساتھ یہ بات پورے ملک اور خاص کر حکمراں طبقہ پر واضح کر دی جائے کہ یہ مسئلہ مسلمانوں کے دین وایمان کا مسئلہ ہے، اور اس سلسلہ کی وہ کوششیں جن کا اوپر کی سطروں میں حوالہ دیا گیا ہے۔ خواہ کیسی ہی "مخلصانہ" اور آپ کے نزدیک خیر خواہانہ ہوں لیکن اسلام کے نقطۂ نظر سے دراصل وہ مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کی کوششیں ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ کسی وقت ان کا ردعمل ایسا ہو جو ملک کے لئے خطرناک اور سخت نقصان دہ ثابت ہو ـــــ

• اس کے ساتھ قوم و وطن کے یہ مخلصین اگر چاہیں تو ان کے سامنے ملکی اتحاد واستحکام پیدا کرنے کا دوسرا صحیح اور اس سے بہتر اور پائیدار طریقہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔

• آخر میں حضرات علماء کرام واکابر دین کا یہ حقیر نیازمند اور کفش بردار ایک گزارش خصوصیت کے ساتھ ان کی خدمت میں یہ کرنا چاہتا ہے کہ اس وقت اس معاملہ میں آپ کی ذراسی غلطی اور چوک اور طرز عمل میں ذراسی مداہنت (اگرچہ مصلحت سمجھ کر اور رواداری کی نیت سے کی گئی ہو اور اللہ کے نزدیک قابل معافی بھی ہو) امت کے دین وایمان کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ آپ دین کے امین اور پاسبان ہیں، آپ ہی کا حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے آپ کے امام شریعت وطریقت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ سے جو کام عہد اکبری میں لیا تھا، اس دور میں آپ اپنے کو اس کے لیے خلوص کے ساتھ پیش کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کی توفیق لے لیں۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو پھر اللہ کو اگر اس ملک میں اپنے دین کو باقی رکھنا ہے تو وہ اس کی حفاظت کا کام جس طبقہ سے چاہے گا لے لے گا۔ ان تتولوا یستبدل قوما غیرکم

## مقام انسانیت

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی مخلوط اجتماعات کی پانچ تقریریں پہلے "پیام انسانیت" کے نام سے شائع ہو چکی تھیں اب انکی ایسی ہی پانچ اور تقریروں کا دوسرا مجموعہ "مقام انسانیت" کے نام سے شایع ہوا ہے قیمت ۱۰/

## انیس نسواں

طبقہ خواتین خاص کر جدید تعلیمیافتہ خواتین کی ذہنی اور عملی اصلاح کے لیے یہ رسالہ محترمہ بیگم سیدہ آفرین صاحبہ (لیڈی ریڈنگ کیٹ لکھنؤ) نے حال میں لکھا ہے جو اپنے مقصد میں نہایت کامیاب ہے شروع میں پیش لفظ مدیر الفرقان کے قلم سے ہے قیمت ۱۰/

کتب خانۂ الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ

# قرآنی دعوت

(مسلسل)

## بندوں کی خدمت اور حسنِ سلوک

قرآن مجید جس طرح خدا کے متعلق صحیح عقیدہ رکھنے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی عبادت کرنے کی زور و قوت کے ساتھ دعوت و تعلیم دیتا ہے اسی طرح وہ بندوں کے حقوق ادا کرنے اور علی قدر مراتب ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی بھی سخت تاکید کرتا ہے۔ بلکہ اس میں بہت سے مقامات پر تو ان دونوں مطالبوں کو ایک ہی سلسلۂ بیان میں ایسے انداز سے ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا مطالبہ بھی گویا خدائی توحید اور اسکی عبادت کے مطالبہ کی طرح قرآن مجید کے اوّلی اور بنیادی مطالبات میں سے ہے ——— مثلاً سورہ نساء میں ارشاد ہے:۔

| | |
|---|---|
| وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ | اور عبادت کرو اللہ کی اور اس کے ساتھ کسی |
| شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا | کو شریک نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی |
| وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى | کرو، اور دوسرے قرابتداروں کے ساتھ بھی |
| وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي | (اچھا سلوک کرو) اور (اسی طرح) یتیموں مسکینوں |
| الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ | کے ساتھ بھی، اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ |
| وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ | بھی جو قرابتدار ہوں اور اُن پڑوسیوں کے |
| وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ | ساتھ بھی جو اجنبی ہوں (جن سے کوئی رشتہ |

(النساء ع ۶)

ناتا نہ ہو صرف پڑوس کا تعلق ہو) اور ان
کے ساتھ بھی (اچھا سلوک کرو) جن کا کہیں
سنگ ساتھ ہو، اور مسافروں پردیسیوں کے
ساتھ، اور ان کے ساتھ جو تمھارے قبضہ میں
اور تمھارے زیر دست ہوں۔

• اس آیت میں خدا کی عبادت کے ساتھ ساتھ سب سے پہلے ماں باپ اور پھر عام قرابتداروں اور ہر طرح کے پڑوسیوں، سنگ ساتھ والوں، اور یتیموں مسکینوں اور پردیسیوں اور ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے:۔

اسی طرح سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝

اور تیرے رب نے حتمی حکم دیا ہو کہ اسکے سوا تم کسی کی عبادت اور بندگی نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمھارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو اونھ بھی نہ کہو اور ان سے خفگی کی بات نہ کرو، اور ان سے ادب و تمیز سے بولو اور خاکساری و نیاز مندی کے ساتھ ان کی اطاعت کرو اور ان کے حق میں خدا سے اس طرح دعا بھی کرتے رہو کہ اے پروردگار تو میرے ماں باپ پر رحمت فرما جس طرح انھوں نے مجھے بچپن میں شفقت سے پالا، پرورش کیا۔

اسی سلسلہ بیان میں ایک آیت کے بعد ارشاد ہے:۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ

اور اپنے قرابتداروں کا حق ادا کرو اور مسکینوں

وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝

اور پردیسیوں، مسافروں کو بھی ان کا حق دو، اور اللہ کا دیا ہوا مال فضولیات میں مت اڑاؤ۔

(بنی اسرائیل ۳۶)

اور سورۂ روم میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

پس اداکرو قرابتداروں کو ان کا حق اور (اسی طرح دو) مسکینوں حاجتمندوں کو اور پردیسیوں مسافروں کو (جو اُن کا حق ہے) یہی (طریقہ) بہتر ہے ان بندوں کے لیے جو اللہ کو چاہتے ہیں (یعنی اسکی رضامندی کے طالب ہیں) اور یہی بندے فلاح یاب ہونے والے ہیں۔

(الروم ۴۶)

مذکورہ بالا آیتوں میں ہمدردی اور اعانت کے مستحق کمزور طبقوں میں سے، یتیموں، مسکینوں غلاموں ماتحتوں اور مسافروں، پردیسیوں کا ذکر آیا ہے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے اور ان کی اعانت وخدمت کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، بعض دوسری آیتوں میں اسیروں یعنی قیدیوں کی بھی اسی قسم کی خدمت کی ترغیب دی گئی ہے ——— سورۂ دہر میں جنتیوں کے اوصاف اور اعمال بیان کرتے ہوئے جن کے بدلہ میں ان کو جنت اور جنت کی نعمتیں ملیں گی، ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝

اور وہ بندگان خدا کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت کی بنا پر مسکینوں کو اور یتیموں کو اور قیدیوں کو۔

(الدہر ۱۶)

ان کمزور طبقوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے سلسلہ میں قرآن مجید کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ جو بچہ باپ کی سرپرستی سے محروم ہو کر یتیم ہو گیا ہو اس سے شفقت کا برتاؤ کرو اور جو کوئی بیچارہ لاچاری ناداری سے مجبور ہو کر تم سے سوال کرے اس کے ساتھ رحمدلی اور نرمی کا معاملہ کرو اس کو کبھی نہ جھڑکو۔ ارشاد ہے:۔

فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (الضحیٰ)

پس جو یتیم ہو اسے مت ڈانٹو، مت دباؤ، اور جو بے مانگنے والے کو مت جھڑکو۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ مذکورہ بالا آیتوں میں والدین، اور دوسرے اعزہ و اقارب اور یتامیٰ و مساکین اور مسافرین و سائلین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اعانت و خدمت کرنے کی جو تعلیم دی گئی ہے، اس میں مسلم اور غیر مسلم کی بھی تفریق نہیں ہے، اگر بالفرض کسی مسلمان کے والدین یا اہل قرابت غیر مسلم ہوں یا اس کے سامنے کوئی غیر مسلم یتیم یا غیر مسلم مسکین یا غیر مسلم سائل یا غیر مسلم ضرورتمند پردیسی آئے تو قرآن مجید کا حکم اس مسلمان کو ان سب کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کا اور اپنی استطاعت کے بقدر ان کی خدمت کرنے کا ہے ــــــــ

خاص کر والدین کے بارہ میں تو قرآن مجید میں یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی کے ماں باپ بالفرض مشرک ہوں اور وہ اپنی مسلمان اولاد پر زور ڈالیں کہ وہ بھی اسلام اور توحید کو چھوڑ کر کفر و شرک اختیار کرلے، تو مسلمان اولاد کا فرض ہے کہ ان کی یہ بات تو نہ مانے، یعنی ان کے کہنے سے اسلام اور توحید کو تو نہ چھوڑے، لیکن دنیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ ہی کرتا رہے ــــــــ

سورۂ لقمان میں اولاد پر والدین کا حق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا (لقمان ع ۲)

اور اگر تمھارے ماں باپ تم پر زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ (یعنی اللہ کے ساتھ) کسی ایسی ہستی کو شریک کرو جس کا تمھیں کوئی علم اور پتہ نہیں ہو (بلکہ وہ بالکل بے حقیقت محض فرضی اور وہمی ہے جیسے کہ شرکوں کے سارے معبودوں کا حال ہے) تو تم ان کی یہ بات تو نہ مانو، (لیکن اس کے باوجود) تم دنیا میں ان کے ساتھ اچھا معاملہ اور برتاؤ جاری رکھو (اور ان کی خدمت کرتے رہو۔

## اہل وعیال :۔

ماں باپ کے بعد انسان کا سب سے بڑا تعلق بیوی بچوں سے ہوتا ہے اور انسانوں کی یہ عام فطرت ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو آرام ہی سے رکھنا چاہتے ہیں، بلکہ اس بارہ میں تو بہت سے لوگ اپنی حد سے بڑھ جاتے ہیں، اس لئے قرآن مجید میں اس پر زیادہ زور نہیں دیا گیا ہے کہ اہل وعیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور ان کا حق ادا کیا جائے — البتہ چونکہ بہت سے لوگوں سے اہل وعیال کی دینی اصلاح و تربیت کے بارہ میں کوتاہی ہوتی ہے اس لیے قرآن مجید نے اہل وعیال کے اس حق کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی ہے کہ ان کو دیندار بنانے کی اور اللہ کی رضا کے راستہ پر چلانے کی اسی طرح فکر اور کوشش کی جائے جس طرح کہ ہر صاحب ایمان کو اپنی جان دوزخ سے بچانے کی فکر کرنی چاہیئے۔

سورہ تحریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

| | |
|---|---|
| یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۝ (التحریم ع ۱) | اے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اس پر (عذاب دینے کے لیے) وہ فرشتے مقرر ہیں جو بڑے سخت دل (بنائے گئے ہیں اور) بڑے مضبوط ہیں۔ اللہ نے ان کو جو حکم دیدیا ہو وہ (ذرا بھی) اسکی خلاف ورزی نہیں کرینگے اور جس کام کے لیے وہ مامور کئے گئے ہیں وہ اسکو (پورا پورا) انجام دیں گے۔ |

البتہ بیویوں کے معاملہ میں چونکہ بہت سوں سے کوتاہیاں ہوتی ہیں اس لیے ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے بارہ میں قرآن مجید نے خاص تاکید فرمائی ہے۔

سورہ بقرہ ہی میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

| | |
|---|---|
| وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۝ (بقرہ ع ۲۸) | اور عورتوں کے مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے کہ مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں دستور کے مطابق |

اور سورہ نساء میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ (النساء ع ۳)

اور ان کے ساتھ (یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ) دستور کے مطابق اچھے طریقہ پر گزر بسر کرو۔

اگر اللہ کے کسی بندہ کے بیوی بچے اپنی بدطبیعتی یا بے دینی کی وجہ سے اس کے خلاف اور اس کو دکھ دینے والے ہوں اور اس کو ان کی طرف سے خطرہ ہو تو قرآن مجید کی ہدایت ہے کہ وہ ان کے شر سے تو اپنے کو بچاتا رہے اور ان کی طرف سے ہوشیار رہے، لیکن جہاں تک گنجائش ہو انتقام اور سختی کی کوئی کارروائی نہ کرے، بلکہ معاف کرے اور نظر انداز کرتا رہے، انشاء اللہ یہ طرز عمل ان کی اصلاح کا باعث ہو گا۔

سورہ تغابن میں ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (التغابن ع ۲)

اے ایمان والو تمہاری بعض بیویاں اور تمہاری بعض اولاد تمہاری دشمن ہیں، پس تم ان کے شر سے بچے رہو، اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو یہ تمہارے لئے بہتر اور خوش انجام ہو گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

## مکتوب (۹۱)[۱]

خواجہ محمد صدیق بدخشی کے نام (در اظہار فراق حضرت مجدد الف ثانیؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

خدام حقائق آگاہ، معارف انتباہ، دعا و نیاز مندی، اس عاصی و مہجور کی قبول فرمائیں ــ چند سطریں سوزش سینہ اور غم دیرینہ سے متعلق، صفحۂ قرطاس پر لکھی ہیں اس مضمون کو بطور ہدیہ آں عزیز الوجود کو ارسال کیا جا رہا ہے۔

مخدوما! حضرت قطب الاقطاب، زبدۃ المحققین، وارث المرسلین ......... کے فراق کا غم، جتنا زمانہ گذرتا جاتا ہے اور زیادہ قوی ہوتا جاتا ہے اور جتنا زیادہ پرانا ہو رہا ہے، تازہ ہو رہا ہے ــ خصوصاً اس زمانے میں اس مشتاق پر اس یگانۂ آفاق کے فراق سے عجیب انتشار رونما ہو گیا ہے، اس مجلس بہشت آئین کی یاد سے جگر کباب اور دیدہ پُر آب ہوا جاتا ہے ــ اگر تمام عالم میں گشت لگائیں تو اس للہ، فی اللہ اجتماع کو کہاں دیکھیں گے؟ وہ فیوض و برکات کہاں پائیں گے؟ وہ معارف و حقائق اور وہ نزاکتیں جو ذات و صفات باری تعالےٰ کے بارے میں وہ بیان فرمایا کرتے تھے اور ہر شخص ان کو سنتا تھا اب کس سے سنیں گے؟ وہ اسرار جو "محرمان خاص" سے بیان ہوتے تھے اب کہاں سے ظہور پذیر ہوں گے؟ وہ "معاملات مخصوصہ" کہ محرمان راز میں سے بھی ایک یا دو سے زیادہ آدمیوں کو ان کے سننے کی گنجائش نہ تھی، کس سے مسموع ہوں گے؟ وہ اسرار و معاملات کہ کوئی فرد ان کا محرم نہ تھا اور "سربمہر" مدفون ہو گئے وہ جدا رہے ــ ...... بہت مرتبہ ایسا ہوا ہے کوئی درویش حضرت والا کی خدمت میں، کچھ دریافت کرنے یا احوال باطنی بیان کرنے آیا ہے اور ان کی حضوری میں پہونچکر تمام استفسارات اُس کے صحن سینہ سے چلے گئے اور احوال و مواجید میں سے کچھ بھی نہ رہا جس طرح طلوع آفتاب، ظلمت شب کو ختم کر دیتا ہے اسی طریقے سے حضرت والا کا دیدار تمام امور مذکورہ کو ختم کر دیتا تھا۔ اس اثناء میں بعض اوقات، حضرت والا اس درویش سے دریافت فرماتے تھے کہ ہاں میاں بیان کرو کیا حال ہے؟ یا کوئی بات دریافت کر لو؟ لیکن وہ بیچارہ

---

[۱] اس مکتوب کے متعلق جامع مکتوبات نے لکھا ہے کہ یہ مکتوب دراصل بہت طویل تھا لیکن اس کے کچھ اوراق گم ہو گئے جو حصہ دستیاب ہوا اس کو نقل کر لیا گیا۔

# ارشاداتِ خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

## مکتوبات کے پیرایے میں

مترجمہ ـــــ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

(۱۸)

**مکتوب (۸۹) بیکے از نساءِ صالحات (ایک نیک بی بی کے نام)** (آخری حصہ)

........ جو کچھ خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت خواجہ بزرگؒ درویشوں کی ایک جماعت کے ہمراہ تشریف لائے ـــ اور تم اس وجہ سے کہ قلعۂ "فرنگیان" میں محبوس ہوگئی تھیں اور دروازۂ قلعہ کو تم پر بند کر دیا گیا تھا۔ گریہ و زاری کر رہی تھیں۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کیوں گریہ و زاری کر رہی ہو؟ میں آگیا ہوں تاکہ تم کو فرنگیوں کی قید سے آزاد کر دوں ـــ (چنانچہ) دروازۂ قلعہ کھولا اور فرمایا کہ جہاں جی چاہے جاؤ" ـــ

یہ خواب بشارت ہے۔ شرِ اعدائے آفاقی و انفسی سے چھٹکارے کی ـــ جس طرح حضرت خواجہؒ کے قدوم کی برکت سے مفسدوں کی شرارت سے خلاصی ملی، امید ہے کہ اُن کے انفاسِ نفیسہ کی برکت سے "اعداءِ انفسی" سے بھی چھٹکارا ملے گا ـــ اور بغیر مزاحمتِ اعداءِ انفسی، ترقی نصیب ہوگی نیز مراتبِ قرب سے نزدیکی ہوگی ـــ لکھا تھا کہ "الحمد للہ ...... دو حصے غفلت چلی گئی ہے اور ایک حصہ باقی ہے"۔ جس قدر بھی غفلت زائل ہو جائے اور حضوری نمودار ہو نعمت ہی نعمت ہے ـــ کوشش کرو کہ تمام غفلت، باطن سے چلی جائے اور ایسی حضوریٔ تام حاصل ہو جس کے بعد غیبت نہ ہو ........

خود رفتہ ہو جاتا تھا، اس کی زبان بند ہو جاتی تھی اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کہے۔ ؎

خرد از دیدنش تسبیح خواناں ۔۔۔ گریزد ہمچو قمریات از جواناں

بس وہ شخص ہاں یا نہیں کچھ نہیں بول سکتا تھا اور اپنے حال کی نفی و اثبات کے متعلق کچھ بھی لب کشائی نہیں کر سکتا تھا........

## مکتوب (۹۲) شیخ امام الدین پنجابی کے نام ـــــ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــ بعد الحمد و الصلوٰۃ و ارسال التحیات ـــــ احوال و اوضاع یہاں کے فقراء کے مستوجب حمد ہیں ـــ مکتوب مرغوب جو کہ برسوں کے بعد آیا اور وہ بھی بتقریب سفارش ـــ مسرت بخش ثابت ہوا ـــ عدم ملاقات اور عدم حاضری کے عذر بھی لکھے تھے وہ بھی معلوم ہوئے۔

مخدوما! ........ حق اللہ، تمام حقوق پر غالب ہے، اور معرفۃ اللہ، اہم مقاصد میں سے ہے۔ ایمان حقیقی، معرفت ہی سے متعلق ہے ........ یہ وہ ایمان ہے جو کہ خلل سے محفوظ ہوتا ہے اور زوال سے مصئون ـــ اور جو ایمان، معرفت سے پہلے حاصل ہے، وہ ایمانِ مجازی ہے کہ زوال سے محفوظ نہیں ہے ـــ آیت قرآنی میں جو آیا ہے یٰایھا الذین آمنوا آمنوا باللہ و رسولہ ۱؎ اور ادعیۂ ماثورہ میں جو وارد ہوا ہے اللّٰھم انی اسئلک ایماناً لیس بعدہٗ کفر ۲؎ ـــــ گویا اسی ایمان حقیقی کی طرف اشارہ ہے ـــ حاصل کلام یہ ہے کہ طالبِ معرفت ہونا چاہیے اور جہاں کہیں اس معرفت کی خوشبو مشامِ جان میں پہونچے اس کے درپے ہونا چاہیے ـــ اس کے لیے اس (کچھ عرصہ کے لیے) خانماں چھوڑنا چاہیے اور "خویش و فرزنداں" کو الوداع کہنا چاہیے اس لیے اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ محبوب و مرغوب ہیں اُن کا حق سب کے حقوق پر غالب ہو۔ آیۂ کریمہ ۳؎ قُل اِن کان آباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا و مساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جھاد فی سبیلہ فتربصوا الآیۃ (سورہ توبہ)

---

۱؎ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ ۲؎ اے اللہ میں آپ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جس کے بعد کفر نہ ہو۔ ۳؎ کہہ دیجیے اگر تم کو اپنے آباء، اپنی اولاد، اپنے بھائی، بیویاں، رشتے دار اور وہ مال جو کہ تم نے کمایا ہوا اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو (اگر تم کو) یہ سب چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہیں تو تم منتظر رہو ـــــ تا آنکہ اللہ تعالیٰ اپنی عقوبت نازل کرے۔

اسی حقیقت پر دلالت کر رہی ہے۔

عذر وبا! عذر آمیز باتیں اسی وقت تک ہیں جب تک آتشِ شوق اور جنونِ طلب، دل میں پیدا نہ ہو۔ جب یہ آگ بھڑکتی ہے اور جنونِ طلب شعلہ زن ہوتا ہے سب باتیں ختم ہو جاتی ہیں اور زبانِ عذر بند ہو جاتی ہے تو پھر جذبۂ الٰہی، پیشانی کے بال پکڑ کر بوئے معشوق لے جاتا ہے اور کوئے محبوب میں پہونچا دیتا ہے۔ بیشک راہِ عشق میں کچھ جنون بھی درکار ہے اور قیدِ عقل سے کچھ کچھ رہائی بھی ضروری ہے۔

دل اندر زلفِ لیلیٰ بند و کار از عقل مجنوں کن ؎ کہ عاشق را زیاں دارد مقالاتِ خرد مندی

ہاں پیری و ضعفِ بدنی اور ضعفِ بصری البتہ صحیح اور مقبول عذر ہو سکتے ہیں ......

**مکتوب (۹۴) خواجہ امان اللہ قاضی زادہ برہان پور کے نام۔**

بسم اللہ الرحیم الرحیم ـــ بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات.... تم نے لکھا تھا کہ "بعض دفعہ نماز میں ایسی حالت نمودار ہوتی ہے کہ گویا میں حضرت صمدیت سے تکلم کر رہا ہوں اور کوئی حجاب و پردہ درمیان میں نہیں رہا ہے اور اپا امست وجود ہو جاتا ہوں کہ نماز بھی فراموش ہو جاتی ہے ...... پھر اپنے آپ کو قابو میں لا کر ہوش میں آتا ہوں۔ ناگاہ رقت و عجز کا غلبہ ہو جاتا ہے ـــ یہی حالت تلاوت قرآن وغیرہ میں ظاہر ہوتی ہے" ـــ سعادت آثارا! یہ جو کچھ بھی وارد ہوتا ہے بلند و مبارک حالت ہے۔ نماز معراجِ مومن ہے جو کیفیت نماز میں پیدا ہوتی ہے وہ تمام اذواق وکیفیات سے ممتاز ہے اور چونکہ نماز میں تلاوتِ قرآن مجید بھی ہے اور حدیث میں آیا ہے مَنْ اَرَادَ اَنْ یُّحَدِّثَ رَبَّہٗ فَلْیَقْرَءِ الْقُرْاٰنَ[1]۔ اس لیے تلاوتِ قرآن گویا کہ اپنے پروردگار سے کلام کرنا ہوا۔ وہ تلاوت جو نماز میں واقع ہو وہ تو خصوصیت کے ساتھ بڑا درجہ اور بہتر نتیجہ رکھتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے ـــ قراٰن فی صلوٰۃ[2] خیر من قراٰن فی غیر صلوٰۃ (الحدیث) پس اگر یہ حقیقت (جو تم نے بیان کی ہے) نماز میں ـــ جس کی شان میں

---

[1] جو شخص یہ چاہے کہ اپنے رب سے گفتگو کرے پس وہ قرآن پڑھے، [2] نماز میں قرآن پڑھنا خارج نماز پڑھنے کے مقابلے زیادہ افضل ہے ـــ روایت بیہقی کے لفظ یہ ہیں قراءۃ القرآن فی الصلوٰۃ افضل من قراءۃ القرآن فی غیر الصلوٰۃ الخ (مشکوٰۃ)

حدیث میں آیا ہے اقربُ ما یکون العبد من الرّب فی الصلوٰۃ[1] ــــ جلوہ گرہو اور تکلم کی کیفیت ظاہر ہو تو گنجائش ہے ــــ اور اگر مُصلّی رفع حجاب محسوس کر رہا ہے تو بالکل ٹھیک ہے۔
حدیث میں وارد ہوا ہے کہ نماز میں وہ حجاب جو بندہ و پروردگار کے درمیان ہے اٹھا لیا جاتا ہے نماز ایک محبوب دلربا ہے، جب باطنِ مُصلّی پر اس کے جمالِ باکمال کا پرتو پڑتا ہے اور اس کے حسن وخوبی کا ظہور ہوتا ہے تو مُصلّی کو مست و بے شعور اور از خود رفتہ کر دیتی ہے ........

کہتے ہیں کہ حضرت جعفر صادقؓ ایک مرتبہ نماز میں تھے کہ بیہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش میں آئے اُن سے دریافت کیا گیا انھوں نے فرمایا کہ ایک آیتِ قرآنی کی تکرار کر رہا تھا حتیٰ کہ اس آیت کو اس کے متکلم سے میں نے سُنا ــــ تم نے لکھا تھا کہ "میں رمضان میں معتکف تھا کہ ۲۷ کی شب میں چیزہائے گوناگوں" میں نے مشاہدہ کیں وہ رات بڑی روشن و پرنور تھی، ناگاہ مجھ پر ایک حالت اور کیفیت ظاہر ہوئی اور ایسا محسوس ہوا کہ گویا یہ شب، شبِ قدر ہے"۔

مخدوما! اس فقیر نے بھی اور "یاران دیگر" نے بھی اسی ۲۷ رمضان کی شب میں "انوار و برکات بیحد" مشاہدہ کیے اور شب قدر کا گمان کیا ــــ والغیب عند اللہ ـ

خوابیں جو لکھی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رویاء میں جو تم کو پیرہن مبارک عطا فرمایا ہے یہ سب خوابیں اعلیٰ درجے کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مراتب کمال و اکمال میں ترقی عنایت فرمائے۔

## مکتوب (۹۷) شیخ نقیراللہ بنگالی کے نام (نصیحت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــ بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ......
جہاں آباد سے جو خط از راہ محبت روانہ کیا تھا۔ پہونچا۔ اور پٹنہ سے جو خط بھیجا تھا وہ بھی مل گیا ــ اوقات کو طاعات وعبادات اور ذکر وفکر میں صرف کرو ــ سفر طویل کے لیے زاد راہ مہیا کرو ــ آیۂ کریمہ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ[2] ــ کے مضمون پر خوب غور کرو ــ "گوشۂ نامرادی اور نماز بہ مسجد کو نہ چھوڑ و مساکین اور اہل جمعیت کے ساتھ رہو، اہلِ تفرقہ اور اُمراء سے دور رہو

---

[1] نماز میں بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد (مشکوٰۃ) [2] ہر نفس کو غور کرنا چاہیئے کہ اس نے کل (قیامت) کیلئے کیا آگے بھیجا۔

اور بے ضرورت ان کے پاس نہ بیٹھو۔ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ[1] ۔۔۔ کو پڑھو۔ طالبانِ حق جل مجدہٗ کی خدمت اور دلجوئی کرو، اپنی توجہات کو ان سے نہ ہٹاؤ۔ دوستانِ دور افتادہ کو دعائے خیر و سلامتی ایمان سے یاد رکھو۔

والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب (۹۸) خواجہ مکی کے نام ۔۔۔۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بعد الحمد والصلوٰۃ ۔۔۔۔ جو مکتوب بھیجا تھا پہونچا مسرت بخشی ۔۔۔ نسبتِ باطن کو عزیز رکھو اور اس کی محافظت اچھی طرح کرو۔ ممکن ہے کوئی پھول کھلے معرفت میں سے تمھارے باطن میں بھی شگفتہ ہو جائے اور وہ نوید قرب اور بوئے وصال لائے...... اور ہستی موہوم کو درمیان سے اٹھا دے نیز "عدمیت ذاتی" کو دکھلا دے اور حضوری خود بخود جلوہ گر ہو جائے۔ کوشش کرو کہ وقت، بیکاری میں ضائع نہ ہو، "باطلِ حق نما" اپنا فریفتہ نہ کرے اور یہ بھی کوشش کرو کہ قل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا[2] ۔ کا حاکم ممالک بشریت پر فتح و غلبہ پالے اور اپنے تصرف میں لے آئے ...... والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب (۹۹) شیخ حسین منصور جالندھری کے نام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔۔۔ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ صحیفہ پہونچا۔ مسرت بخشی ۔۔۔ الحمد للہ ۔۔۔ کہ فقیر کو ان دنوں صحتِ کلی حاصل ہے۔ اگرچہ ابھی پیدل نہیں چل سکتا ہوں لیکن پالکی میں بیٹھ کر (فقط) چار نمازوں کے لیے مسجد میں پہونچ جاتا ہوں ۔۔۔ تم نے لکھا تھا کہ "اگر جناب قدس میں متوجہ ہو کر بعض حالات کا انکشاف کرتا ہوں تو بطورِ الہام، کشف ہو جاتا ہے" اِس نعمت کا شکریہ ادا کرو۔ اللہ تعالےٰ خطا و غلطی سے محفوظ رکھے اس لیے کہ کشف میں خطا و غلطی کا واقع ہونا ثابت ہے۔ "امورِ کونیہ" (حوادثِ یومیہ دنیاویہ) کے کشف میں اگر خطا ہو جائے تو کوئی بات نہیں لیکن اسرارِ الٰہیہ اور اعتقادات و عبادات کے کشف کی کسوٹی شریعت حقہ ہے جو کشف، توانین

---

[1] اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھئے جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اور اس کی مرضی چاہتے ہیں۔

[2] کہدیجئے حق آگیا اور باطل چلا گیا اور باطل تو جانے ہی والا ہوتا ہے۔

شرعیہ کے موافق ہو اور اس سے متصادم نہ ہو وہ اعتماد کے قابل ہے اور اگر متصادم ہے تو قابل اعتماد نہیں ......

**مکتوب (۱۰۸) سیادت مآب سید اسرائیل کے نام۔ (آخری حصہ)**

...... نفی و اثبات کے شہسوار، حضرتِ خلیل اور حضرت حبیب علیہما الصلوات والتسلیمات ہیں اس کلمے (لا الٰہ الا اللہ) کے جزءِ اوّل کو جو کہ نفی سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرتِ خلیل علیہ السلام نے پورا کیا اور کوئی دروازہ درہائے شرک میں سے ایسا نہ چھوڑا جس کو بند نہ کر دیا ہو اور انھوں نے "لا اُحِبُّ الآفِلِین" کا نعرہ لگا کر دقائقِ شرک سے بھی کنارہ کشی کی ...... کلمے کا جزءِ ثانی (الا اللہ) جو کہ مرتبۂ اثبات میں ہے اور در اصل نفی کا نتیجہ اور غایت یہی ہے۔ ...... اس کو اصالۃً حضرت حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بقدر طاقتِ بشری پورا کیا۔ لہٰذا اسکا اختتام آپ کے ہی نام کا رہا اور محبوبیت ذاتیہ (جو کہ منتہائے کمالات ہے) کا قرعہ آپ ہی کے اسم گرامی پر نکلا۔ پس آپ امام النبیین، صاحبِ شفاعت اور سید الاولین والآخرین قرار پائے ......

**مکتوب (۱۱۰) خواجہ محمد صادق البخاری ثم المدنی کے نام۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بعد حمد وصلوٰۃ ـــــ تمھارے بہت سے خطوط پہونچے، مطالعے میں آئے اور انھوں نے خوش کیا۔ چونکہ فقیر خط لکھنے میں بہت کاہل واقع ہوا ہے نیز کبھی صحت ہے اور کبھی مرض اس لیے جواب میں کوتاہی ہوئی۔ معذور رکھنا ـــــ اپنے اوقات کو وظائف اذکار و طاعات سے معمور رکھو۔ مرضیات مولائے حقیقی کے حاصل کرنے میں جان و دل سے کوشش کرو اور توشۂ گور و قیامت کو مہیا کرو ......

**مکتوب (۱۱۱) خواجہ مکی جعفر خاں کے نام۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ حامداً و مصلیاً ـــــ صحیفۂ گرامی نے مشرف کیا۔ درویشوں سے محبت اور ان سے اخلاص کا معاملہ رکھنا یہ اللہ کی بڑی نعمت اور عظیم الشان دولت ہے۔ "دردِ نایافت" کے متعلق جو تم نے لکھا ہے یہ بھی امر عظیم اور "مقدمۂ یافت" ہے۔ (بزرگوں نے) کہا ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ کچھ دینا نہ چاہتا تو طلب کا مادہ ہی نہ رکھتا" ـــــ انسان کی قدر و قیمت محبت کی وجہ سے ہے اسکی بزرگی اور اس کا امتیاز، تمام موجودات کے مقابلے میں اسی

درد کی بنا پر ہے۔

۵ قدریاں را عشق ہست و درد نیست درد را جز آدمی درخور نیست

لیکن درد و محبت کے مراتب و درجات مختلف ہیں، ہر ایک اپنے ظرف کے مطابق (لائق) درد و محبت کے انوار و برکات کا امیدوار ہے۔......

مکتوب (۱۱۵) ملاحسن پشاوری کے نام (فضیلت استقامت میں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ــــ بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ــــ

احوال الحمد و مستوجب حمد ہیں ــــ اللہ تعالیٰ دوستوں کو جمعیت قلب اور استقامت ظاہر و باطن کے ساتھ محفوظ رکھے ــــ مدارِ کار استقامت پر ہے الاستقامۃ فوق الکرامۃ (بزرگوں کا قول ہے) ــــ

شَیَّبَتْنِی[۱] سورۃ ھود ــــ حدیث معروف ہے ــــ جب کہ سید انبیاء سرور اتقیاء صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرمائیں اور امر استقامت[۲] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوڑھا کر دے تو ہم جیسے بوالہوس اگر ہوس استقامت کریں اور استقامت کا دم بھریں تو محض ہوس وخیال ہے۔ بہر کیف ہاتھ پاؤں مارنے چاہئیں اور سعی کرنا چاہیئے ممکن ہے اس بحر بیکراں سے کوئی چُلّو مل جائے اور حلق جان تک پہونچ جائے مالا یدرک کلہ لا یترک کلہٗ ــــ تمہاری استقامت کا جو حال سنا جاتا ہے اس سے دل بہت خوش ہوتا ہے۔ اللھم زد ــــ منتظر نتائج رہو.......... دوستوں سے دعا کی امید ہے۔ (والسلام)

مکتوب (۱۱۶) اپنے صاحبزادے خواجہ عبید اللہ رح کے نام ــ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ــــ بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ــــ

یہاں کے احوال ہر طرح مستوجب حمد ہیں ــــ تمہارے جانے کے بعد ان دنوں شیخ عبد الاحد[۳]

---

[۱] مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا۔ [۲] سورہ ہود میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استقامت کا حکم ان الفاظ میں فرماتا ہے فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ۔ [۳] آپ حضرت مجدد الف ثانی رح کے پوتے اور صاحب مکتوبات کے بھتیجے ہیں۔

فقیر کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے ہیں اپنے کام میں بہت سرگرم ہیں، شب و روز خدمت میں حاضر ہیں، خانقاہ میں ایک حجرہ لے کر بسر اوقات کرتے ہیں، نشۂ عجیب رکھتے ہیں، بہت ترقی کرلی ہے، شیخ بدیع الدین اور میر محمد باقر بھی عزیز مذکور کے ساتھ موافقت کر کے لوازم طلبگاری کو حسب طاقت انجام دے رہے ہیں، الغرض ان تینوں کا معاملہ روز بروز رو بہ ترقی ہے۔ "یاران دیگر" بھی ترقی کی طرف جا رہے ہیں۔ طالبین، "قطع علائق و اسباب" کر کے اطراف و اکناف سے (جوق در جوق) یہاں پہونچ رہے ہیں اور سرگرم کار ہیں، فیض مند ہوتے ہیں اول قدم میں "تخلص و آزادی" حاصل کرتے ہیں۔ "سردی و گرفتاری" تو اس بے حاصل کے حصے میں آئی ہے اور "قرعۂ تجرد و دوری" اس فقیر کے نام نکلا ہے۔ شرم آتی ہے کہ اس "گرفتاری" کے باوجود "آزاد" لوگوں کے ساتھ مصاحبت رکھتا ہوں۔ اپنے آپ کو میں کسی طرح ان لوگوں کی مجلس کے قابل نہیں دیکھتا۔ یہ بیت اپنے اور ان دوستوں کے حال کے موافق پاتا ہوں۔

ما گرفتاریم بر ما ناوک بیداد ریز — سنبل و گل در کنار مردم آزاد ریز

قدرت خدا کا مطالعہ و مشاہدہ کرو کہ میری اس "سردی و افسردگی" کے باوجود وہ جماعت جو میرے ساتھ نشست و برخاست رکھتی ہے، اس میں شعلۂ شوق پیدا ہو رہا ہے اور ان کی آتش محبت ترقی پر ہے جس کی وجہ سے وہ ماسوا سے رہائی حاصل کر رہے ہیں اور ترقیات کے میدان میں گامزن ہیں ——— الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارا[1] ——— (یٰسٓ)

——— وہی "قصۂ حجر و شجر حضرت موسیٰ" ہے کہ درخت سبز سے آتش خالص بے دھوئیں کی انھوں نے دیکھی، پھر انھوں نے سنا جو کچھ سنا۔ اور رنگ خارا سے اتنے چشمہ ہائے آب برآمد کیے کہ جماعت کثیر کے انتفاع کا سبب بن گئے ——— واضح رہے کہ "مربی حقیقی" اور "مرشد علی الاطلاق" اللہ تعالیٰ ہے

ع ——— از ما و شما بہانہ برساختہ اند

کسی نے خوب کہا ہے ع ایشاں نیند (نے اند) ایں ہمہ الحان زمطرب ست

از تست طلسم ایں حسن زانہ — من ہیچ نیم درین میانہ

(والسلام)

---

[1] وہ ذات جس نے پیدا کیا تمھارے واسطے درخت سبز سے آگ کو۔

## مکتوب (۱۱۹) حافظ ابو اسحٰق کے نام ۔ (آخری حصہ)

......تم نے لکھا تھا کہ رسالہ یاقوتیہ کے پڑھنے سے دل میں ایسا شوق غالب ہوا کہ "ترک نوکری وخانماں" کرکے (کسی طرح) صحبتِ عالی میں پہونچ جاؤں" — مکرما! یہ شوق، نعمتِ عظمیٰ ہے۔ مدارِ کار، شوق ومحبت پر ہے اور معاملۂ ترقی وقرب اسی سے وابستہ ہے۔ جتنا "دیدۂ حسن بین"..... زیادہ روشن اور تیز ہوگا اتنا ہی شوق وعشق کو بڑھائے گا، ماسوائے محبوب سے منقطع وبیگانہ کرے گا اور "دریچۂ معرفت" اس کے باطن میں کھولے گا۔

ے آنرا کہ حُسن، دیدہ تیز ست ایں عشق، بلائے خانہ خیز ست

مخدوما! چونکہ تمہارے ساتھ ایک پورا کنبہ وابستہ ہے، تم اُن کے کفیل ہو اور تمہارے اوپر قرض بھی ہے لہٰذا ترکِ ملازمت میں توقف وتامّل درکار ہے، "ترکِ حقیقی" کے حصول تک "ترکِ حکمی" پر قائم رہو اور "ترکِ صوری" کے مقابلے میں "ترکِ معنوی" پر اکتفا کرو — الصُّوفِی کائنٌ بائنٌ۔ یہ مقولہ تم نے سنا ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ صوفی خلق کے ساتھ بھی رہتا ہے، صورتاً۔ اور خلق سے جُدا بھی رہتا ہے، حقیقتہً ومعنیً — والسلام اوّلاً وآخراً۔

## مکتوب (۱۲۱) شیخ عبدالعلیم جلال آبادی کے نام ۔

بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التحیات — تمام احوال مستوجب حمد ہیں...... مکاتیبِ شریفہ یکے بعد دیگرے پہونچے، مسرت بخش ثابت ہوئے — چونکہ فقیر کو درد کا عارضہ لاحق تھا اور قلم پکڑنے اور لکھنے کی بھی طاقت نہیں تھی اس لیے جواب میں توقف واقع ہوا اس ماہ مبارک (رمضان) میں مسجد کی حاضری، تراویح اور ختم قرآن سے محروم رہا الحمد للہ کہ ماہ شوال میں ماہِ سابق کی بہ نسبت تخفیف ہوگئی ۔ الحال کہ ۶ ذی قعدہ ہے چند روز سے پالکی میں بیٹھ کر مہمان خانے میں آتا ہوں اور چند گھڑی درویشوں کے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں۔ ابھی مسجد تک نہیں گیا ہوں کیونکہ وہ فاصلہ رکھتی ہے اور دوزانو یا چہار زانو بیٹھنے کی طاقت بھی ابھی نہیں آئی ہے ۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

فلیتک تحلو والحیوٰۃ مریرۃ[1] ولیتک ترضی والانام غضاب

---

[1] کاش کہ آپ میرے حق میں شیریں ہوجائیں چاہے زندگی تلخ رہے کاش آپ مجھ سے راضی ہوجائیں خواہ تمام مخلوق ناراض ہو۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ "محبت ذاتیہ" کی علامت یہ ہے کہ "انعامِ محبوب" اور "ایلامِ محبوب" دونوں مساوی ہو جائیں یعنی محب' ایلامِ محبوب سے بھی لذت یاب ہو جس طرح اس کے انعام سے لذت یاب ہوتا ہے ــــ ہمارے حضرت (مجدد صاحبؒ) نے تحریر فرمایا ہو کہ ایلامِ محبوب اس کے انعام کے مقابلے میں زیادہ لذت بخش ہے، اس لیے کہ انعام میں تو مرادِ محبوب' اپنی مرادِ نفس کے ساتھ مخلوط ہو اور ایلام میں خالص مرادِ محبوب ہی ہے اور مرادِ نفس کی مخالفت ہے ـ دونوں میں بڑا فرق ہو گیا ــــ یہ شعر منجملہ' غرائب ہو ـ

اگر مرادِ تو اے دوست نامرادیٔ ماست  مرادِ خویش دگر بار من نخواہم خواست

**مکتوب (۱۲۲) شاہ وقت سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کے نام ـ**

بسم اللہ الرحمن الرحیم ــــ الحمد للہ العلی الاعلیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ محمدن المصطفیٰ خیر الوریٰ صاحب قاب قوسین او ادنیٰ وعلیٰ آلہ البررۃ التقی واصحابہ اصحاب المقامات والدرجات العلیٰ (اس کے بعد چند احادیث فضائل سجدہ میں درج کی ہیں)

کمترین دعا گویاں، حضرت ناصر الملۃ والدین، مرجع الاسلام، موید المسلمین، خلیفۃ اللہ تعالیٰ فی الارضین' کی خدمت میں لکھتا ہو کہ یہ مسکین با وجود بے بضاعتی و دور از کاری' آنجناب کے لیے دعائے سلامتی جان و ایمان" سے فارغ اور "طلب ترقیٔ درجات و استقامتِ صوری و معنوی" سے غافل نہیں ہو ـ ع  ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

برادر دینی شیخ عبد العلیم نے ایک خط' فقیر کو تحریر کیا تھا جس میں آنجناب کی "جمعیت باطنی" اور اس "امر جلیل القدر" کے "تقید" کے بارے میں لکھا تھا ـ (اس کو پڑھ کر) شکرِ خداوندی بجالایا کہ باوجود اِن "اشغال صوریہ" کے آپ کے دلِ حقیقت بیں کو مطلوب حقیقی کے ساتھ ایک خاص تعلق اور مقصودِ تحقیقی کے ساتھ ایک مخصوص شوق ہے ــــ امید ہے کہ یہ تعلق روز بروز زیادہ ہوگا اور آتشِ اشتیاق قوت پذیر ہو گی حتیٰ کہ ذکر سے مذکور' دال سے مدلول اور لفظ سے معنیٰ تک معاملہ پہونچ جائے گا ـ

؎ قومے ز وجودِ خویش فانی  رفتہ ز حروف در معانی

اسم و معنی وغیرہ کا اطلاق، حضرت حق جل مجدہ کے بارے میں اس بنا پر ہے کہ میدان عبارت تنگ ہے،

ورنہ ع — آنجا ہمہ آنست کہ برتر زبیاں ست

اللہ تعالیٰ کو لفظ و معنی سے ماوراء طلب کرنا چاہیئے اور اس کو "وراءِ آفاق و انفس" "وراءِ تجلیات و ظہورات"، "وراءِ توحید و اتحاد" اور "وراءِ مشاہدات و مکاشفات" ڈھونڈھنا چاہیئے

تو از خوبی نمی گنجی بعالم — مرا ہرگز کجا گنجی در آغوش

و نیز سلوک سے مقصود، رفع حجابات ہے خواہ حجابات وجوبی ہوں یا حجاباتِ امکانی۔ یہ بات نہیں ہے کہ مطلوب کو دام میں لے آئیں گے اور عنقا کا شکار کرلیں گے

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں — کاینجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

یہ کمال، مشکوٰۃِ نبوت سے ماخوذ ہے اور یہ "دید" نتیجۂ ولایت انبیاء ہے علیہم الصلوات والتسلیمات۔

........ وہ اکابر جو کمالات وراثتِ انبیاء کے ساتھ آراستہ ہوئے ہیں ........

وہ تجلیات و ظہورات سے بالا ہو کر اور شہود و مشاہدہ سے آگے بڑھ کر تمام حجابوں (ظلمانی و نورانی) سے باہر آگئے ہیں اور یقین کے ساتھ جان گئے ہیں کہ یہ شہود، حضرت حق سبحانہٗ کا شہود نہیں ہے اور یہ تجلی، ذاتِ مقدس کی تجلی نہیں ہے بلکہ اس کے صفات و کمالات میں سے ایک صفت کا ظہور ہے جو کہ حجابِ ذات ہے ——— طالبِ ذات اقدس، "شہود صفات و کمالات" سے خوش اور آرام گیر نہیں ہوتا وہ تو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِین اور اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِیَ ——— پڑھتا ہوا اس شہود کے ماوراء کی طرف دوڑتا ہے "اسم و صفت" سے سوائے ذات کے اور کچھ نہیں چاہتا، تعالیٰ و تبارک و تقدس ———

بو سلش تا رسم صد بار از پا افگند شوقم — کہ نو پروازم و شاخ بلندے آشیاں دارم

رزقنا اللہ سبحانہٗ ایماناً بھٰذہ المعانی وشرباً من ھٰذا المشرب ———

——— انوارِ آفتاب جہانداری و سلطنت و آثار برکات و استقامت و ترویج ملت، روز افزوں باد۔ الحمد للہ اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ دائماً و سرمداً و علیٰ آلہ الکرام و صحبہ العظام ———

# فسق و تقویٰ کی کشمکش

اور

# دین کے خادموں کو دعوت فکر

از جناب مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی، ندوی

(استاذ حدیث و معاشیات دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

[اس مضمون کے خاص مخاطب وہ بندگان خدا ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے دین کا درد و فکر اور دین کی خدمت و نصرت کا جذبہ عطا فرمایا ہو اور وہ بد دینی کے مقابلہ میں دینداری کو اس دنیا میں غالب دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور اس مقصد کے لیے کچھ کرتے رہتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں —— مضمون اگرچہ خاصا طویل ہے لیکن اپنے مشتملات اور صاحب مضمون کے اخلاص کی وجہ سے اس کا مستحق ہو کر دین کا ہر سچا اور مخلص خادم اس کو پڑھے —— ضروری نہیں ہے کہ اس میں پیش کیے ہوئے سارے نقاط اور دیے ہوئے سب مشوروں پر غور کرنے والا اتفاق ہی کرے۔ لیکن کھلے دماغ سے اگر غور کیا جائے گا تو اس کا بہت بڑا حصہ ہر ناظر کو قابل قبول ہی نظر آئے گا ——]

ادارہ

دیندار اور دنیادار یہ دو طبقے ہیں جن میں مسلم معاشرہ تقسیم ہو چکا ہے، تقسیم کی تاریخ سے ہمیں بحث نہیں، لیکن اتنی بات کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اس کی ابتدا ہماری شامت اعمال سے وابستہ ہو۔ دینی حس پر یہ تقسیم بہت گراں ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ اسلام کے نزدیک لفظ "دنیادار مسلمان" بالکل بے معنی ہے۔ نہ اس کے نزدیک دین و دنیا کی ایسی تفریق روا ہے جس سے ان دو طبقوں کا ظہور ہو، لیکن ہزار تلخ ہونے کے باوجود یہ تقسیم ایک حقیقت بن چکی ہے اور امت کے دینی مسائل پر غور و فکر کرتے وقت اسے نظر انداز کر دینا کسی طرح صحیح نہیں کہا جا سکتا۔

اس وقت میرا مخاطب مسلمانوں کا دیندار طبقہ ہے۔ یعنی وہ طبقہ جو دین کو دنیا پر مقدم رکھتا ہو۔ خواہ اس کے افراد عالم ہوں یا عامی، روئے سخن مخصوص طور پر علماء و مشائخ کی طرف ہرگز نہ سمجھا جائے۔ اس لیے کہ جس کشمکش پر یہاں بحث کرنا ہے اس میں صرف علماء و مشائخ ہی مبتلا

نہیں ہیں بلکہ فسق و تقویٰ کی کشمکش ایک ہمہ گیر کشمکش ہے جس میں ہر دیندار مسلمان شعوری یا غیر شعوری طور پر حصہ دار ہے۔

یہ ایک اندرونی جنگ یا نفسی معرکہ آرائی ہے جو خود امت کے اندر جاری ہے۔ اور کفر و اسلام کی کشمکش سے مختلف مگر اس سے زیادہ خطرناک ہو۔ یہ ایسی عجیب جنگ ہو جو خود اپنے خلاف لڑنا پڑتی ہو۔ اور ہمہ وقت جاری رہتی ہے۔

یہ معرکہ صدیوں سے جاری ہو۔ ایک طرف امت کا وہ طبقہ ہے جو حق تعالیٰ کا فرمانبردار ہے اور یہ چاہتا ہے کہ سارے عالم میں نہ سہی تو کم از کم مسلمان نام کی امت میں اس اطاعت الٰہی کا رواج عام ہو جائے اور مسلمانوں کی زندگی کا ہر شعبہ اسلامی بن جائے۔ اس کے مقابلہ میں وہ طبقہ ہے جو حق تعالیٰ جل شانہٗ سے بغاوت کا اعلان تو نہیں کرتا، مگر عملی زندگی کو کلیۃً احکام الٰہی سے آزاد رکھنا چاہتا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ مسلم سوسائٹی کو ایک ایسی آزاد سوسائٹی بنا دینا چاہتا ہے جس کا شعار "فسق" اور حق تعالیٰ کی نافرمانی ہو۔

صدیوں کی بات تو چھوڑیئے، صرف ایک آدھ صدی پر غور کر کے معرکہ کارزار کا جائزہ لیجئے اور سوچئے کہ اس کشمکش اور تصادم میں کون ہار رہا ہو اور کس کی جیت ہو رہی ہے؟

غلبۂ تقویٰ کے لیے ہم نے کیا کیا؟ اس کے جواب میں ان سب دینی تحریکوں، جماعتوں، اور اکابر علماء کی کوششوں کو پیش کر سکتے ہیں، جو اس صدی میں موجود رہیں اور آج بھی بہت کچھ موجود ہیں۔ جہاں تک اشاعت تقویٰ کے تدابیر و مساعی کا تعلق ہو یہ صدی شاید ایک امتیازی شان رکھتی ہو اور بہت سی صدیوں کے سامنے سر افتخار بلند کر سکتی ہے۔ نظام الدین دہلی کی تبلیغی تحریک کی ایسی وسیع، عام پسند اور کثیر التعداد مخلصین کی کمیاب، بلکہ نایاب دولت سے مالامال کوئی تحریک شاید ہی کوئی صدی پیش کر سکے، جماعت اسلامی سے کوئی شخص ہزار اختلاف کرے مگر یہ ماننا پڑے گا کہ متکلمانہ انداز پر اس نے بھی اسلام کی اچھی خاصی خدمت انجام دی ہے اور دے رہی ہو۔ ممالک اسلامیہ میں اخوان المسلمین کی عظیم الشان تحریک بھی اپنے خصوصیات کے لحاظ سے اس صدی کی امتیازی شان میں اچھا خاصہ اضافہ کرتی ہے، اس کے بانی نے کلام و تصوف کی جیسی اچھی اور متناسب آمیزش کی تھی وہ شاید ہی کہیں مل سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تحریک نے دل و دماغ

دونوں محاذوں پر فسق کا مقابلہ کیا۔

ان تحریکوں اور جماعتوں کے علاوہ بھی دنیائے اسلام میں بہت سی دینی تحریکیں اور جماعتیں پیدا ہوئیں، بعض باقی ہیں بعض ختم ہوگئیں لیکن ان کی خدمات کا اعتراف نہ کرنا کتمان حق بھی ہے اور ایک قسم کی ناشکری بھی، جماعتوں سے قطع نظر اس صدی کے سرمایۂ افتخار اور علم وتقویٰ کے خزینہ دار ایسے علماء و مشائخ ہیں جن میں سے ہر فرد اپنی جگہ پر ایک اُمت اور جماعت تھا بہت سی اچھی خاصی بڑی اور مشہور و مقبول جماعتوں نے دین متین کی اس قدر خدمت نہیں انجام دی ہو جس قدر ان میں سے بعض حضرات نے تنہا انجام دی، اور آج بھی بعض علماء و صلحا ایسے موجود ہیں جو تنہا ایک بڑی جماعت کی قائم مقامی کر رہے ہیں۔ جہاں تک دینی لٹریچر کا تعلق ہے، اس دور میں اشاعت دین کے سلسلہ میں جیسی بلند پایہ تصنیفات و مضامین شائع ہوئے ہیں اس کی نظیر بہت کم ملے گی۔ قدامت پسندی کی تو بات ہی دوسری ہے مگر سچی بات یہی ہے کہ اس صدی کی بعض تالیفات کے مقابلہ میں ماضی کی چار چھ صدیوں کے اندر کوئی چیز نہیں مل سکتی۔ بلکہ ممکن ہے کہ سلسلہ اس سے بھی کچھ آگے پہونچ جائے۔

یہاں جماعتوں، تحریکوں وغیرہ کا استقصار مطلوب نہیں ہو، بلکہ اجمالی طور پر اس محاذ کا ایک نقشہ سامنے لانا ہے، جہاں تقویٰ فسق سے دست وگریبان ہے۔ نقشہ نامکمل رہے گا اگر مخالف کیمپ پر بھی ایک اجمالی نظر نہ ڈال لی جائے۔

تقویٰ اور اطاعتِ الٰہی جس طرح مختلف طریقوں سے فسق و فجور کو مٹانے کی کوشش میں مصروف ہے اسی طرح فسق و فجور بھی مختلف طریقوں اور متعدد ذرائع سے اسے ختم کر دینے کی جدوجہد کر رہا ہو۔ آج کی دنیا میں جتنے وسائل و ذرائع کسی چیز کی اشاعت کے ہو سکتے ہیں اُن سب کا استعمال شریعت کے باغی کر رہے ہیں۔ اور اس بغاوت کو مقبول بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ مزید برآں کفر بھی فسق کی پشت پناہی کر رہا ہے اور اپنی پوری قوت اس کی اشاعت و ترویج کے لیے صرف کر رہا ہو گویا کہ کفر کا مقصد ہی اشاعت فجور ہے۔ اور زمانہ آیۂ کریمہ

| | |
|---|---|
| بل یرید الانسان لیفجر امامہ۔ | بلکہ انسان فسق و فجور میں مبتلا رہنا چاہتا ہے۔ |

کی عملی تفسیر پیش کر رہا ہے۔

یہ اس میدانِ جنگ کا اجمالی نقشہ ہے جس کی وسعت تقریباً پورے کرۂ ارض کو گھیرے ہوئے ہے اور نہ صرف سطح ارض بلکہ ہمارے دل و دماغ کو بھی اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہو، آئیے اسی نقشہ پر ایک گہری نظر ڈال کر معلوم کریں کہ فریقین میں سے کس کا پلہ بھاری ہے، کسے فتح ہو رہی ہے اور کسے شکست ؟

صحیح نتائج اخذ کرنے کے لیے ان دیواروں کو گرا دینا ضروری ہے جو ہمارے اور حقیقت حال کے درمیان حائل ہو جاتی ہیں۔ پہلی چیز فریب ماحول کے مختصر عنوان سے ظاہر کی جا سکتی ہے۔ جو دیندار حضرات دیندار ماحول میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ایسے خوش نصیب بکثرت ہیں (خصوصاً علماء و مشائخ) وہ اُمت کی صحیح حالت کا اندازہ بہ مشکل کر سکتے ہیں۔ موجود پر غائب کو قیاس کرنا انسان کا فطری طریق استدلال ہے۔ ایسے حضرات عموماً غیر شعوری طریقہ سے اس راستہ پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ اور ماحول کی "رونق" کو دیکھ کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ "اُمتِ بیمار" کا حال اچھا ہے، ممکن ہے کہ بہت سے لوگ میری اس تشخیص کا انکار کر دیں۔ لیکن میں ان سے پوچھوں گا کہ اگر آپ کو واقعی اُمت کی حالت کا صحیح اندازہ ہو تو آپ اپنی روش اور کدو کاوش پر مطمئن کیوں ہیں؟ کیا کسی دشمن کے مقابلہ کے لیے ایک بندھے ٹکے طریقہ پر عمل کرنا ہمیشہ کافی ہوتا ہے۔ خصوصاً جب دشمن نت نئی تدبیروں سے مقابلہ کر رہا ہو؟۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کی تدبیر بالکل صحیح ہو، لیکن اس کی صحت کے متعلق اس قدر یقین کہ اس پر نظر ثانی کی ضرورت کبھی نہ محسوس ہو اس بات کی کھلی ہوئی علامت ہو کہ آپ غیر شعوری طور پر اپنے ماحول سے متاثر ہیں اور ایک خاص حلقہ میں کامیابی یا ایک خاص طرز کی کامیابی کو آپ نے فسق کی پسپائی سمجھ لیا ہے۔

اس دھوکے میں وہ لوگ خصوصیت کے ساتھ مبتلا ہیں جو کسی خاص تحریک یا کسی خاص طرز خدمت دین سے وابستہ ہیں، حد یہ ہے کہ بعض حضرات تو اپنے طرز کار کو اس قدر یقینی سمجھتے ہیں گویا کہ وہ کوئی منصوص شے ہے جس میں ترمیم و تنسیخ نہ صرف بے ضرورت بلکہ ایک درجہ میں ناجائز ہے۔

عسکری تربیت کا ایک بہت بڑا جزء اجتماعی کام (ٹیم ورک) کی تربیت ہوتی ہے۔ اس فوج کی شکست و ناکامی یقینی ہے جس کا ہر سپاہی اپنے رفقاء سے بے خبر اور بے پرواہ ہو کر صرف اپنی مدافعت کی فکر میں رہے۔ یہ ایک مثال ہے جس سے انفرادیت پسندی کی مضرت عیاں ہے، جس شخص کا نظریہ یہ ہو کہ مجھے صرف اپنی طرف نظر کرنے کی حاجت ہو خواہ ساری اُمت فسق و فجور کے جنگل میں پھنس جائے۔ اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اُمت کی صحیح حالت کا اندازہ کر سکے گا بالکل نادانی ہے۔ تاریخ بتاتی ہو کہ

اقوام و ملل کے عہد زوال میں یہ چیزیں ان میں پیدا ہو جاتی ہیں اور ان کے جسم کے جوڑ جوڑ کو الگ کر دیتی ہیں، خیر تو ان پردوں کو ہٹا کر زیادہ نہیں صرف ایک صدی کا جائزہ لے لیجئے کہ اس عرصہ کی باہم کشمکش میں آپ نے کیا پایا اور کیا کھویا؟

اتنی بات کہنے میں مجھے کوئی باک نہیں ہے کہ دیندار طبقہ کی اکثریت نہیں تو کم از کم ایک کثیر تعداد مندرجہ بالا دونوں غلطیوں (یعنی فریب ماحول اور انفرادیت) میں سے کسی میں مبتلا ہے تاہم ایسے حضرات بھی ابھی خاصی تعداد میں موجود ہیں جو ان سے محفوظ ہیں۔ ایسے لوگ اس تلخ و ناگوار حقیقت کا احساس بہت آسانی سے کر سکتے ہیں کہ فسق و تقویٰ کی اس کشمکش میں ہر محاذ پر فسق کو فتح اور تقویٰ کو مسلسل شکست ہو رہی ہے۔

سب سے پہلے اس چیز کو لیجئے جو کسی قوم کی عملی زندگی کی بنیاد ہوتی ہے، میری مراد دینی شعور ہے۔ ہر منصف مزاج صاحب بصیرت اس کا اعتراف کرے گا کہ اُمت مسلمہ میں بحیثیت مجموعی یہ جوہر روز بروز کم ہوتا جاتا ہے۔ جس کا اثر یہ ہے کہ باوجود بہم اور قوی تحریک کے اُمت میں حرکت نہیں پیدا ہوتی۔ اور عالم میں اپنے صحیح مقام کو حاصل کرنے کی اُمنگ دلوں کو نہیں گدگداتی۔ بلکہ ہر شعبۂ زندگی سے دین کا اخراج ان کا محبوب مشغلہ بنتا جاتا ہے۔ عقل معاد تیزی کے ساتھ انحطاط پذیر ہے اور فہم دین روز بروز اسقدر گھٹتی جاتی ہے کہ معمولی عام فہم دینی مسائل میں اچھے خاصے پڑھے لکھے اس طرح اُلجھتے ہیں کہ شاید اب سے صدی دو صدی پیشتر جہلا بھی نہ اُلجھتے ہوں۔

دینی شعور کے اس انحطاط کا سب سے بڑا اثر اسلامی تہذیب و ثقافت پر پڑا ہے۔ اگرچہ صحیح معنی میں اسلامی تہذیب تو بحیثیت مجموعی اُمت سے اب سے بہت پہلے رخصت ہو چکی تھی۔ مگر "مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت" کے نام سے ایک چیز موجود تھی جو بحیثیت مجموعی غیر اسلامی ہونے کے باوجود اپنے اندر کچھ کیا اچھے خاصے اسلامی عناصر و اجزا رکھتی تھی، یہ بیچاری مغربی تہذیب کے سیلاب عظیم کا کیا مقابلہ کرتی۔ اس کے غیر اسلامی اجزاء رسمی اور فرسودہ ہونے کی وجہ سے بہہ گئے۔ اور اپنے ساتھ اسلامی اجزاء کو بھی بہا لے گئے۔ افسوس جس چیز نے سیل تاتار کا رُخ بدل دیا تھا وہ سیل مغرب کے سامنے بالکل نہ ٹھہر سکی۔ غیر اسلامی ممالک کو جانے دیجئے، اسلامی ممالک کا حال دیکھئے، مغربیت کس طرح ان کے دل و دماغ پر مسلط ہے۔ اور اچھے اچھے دیندار اور عالی دماغ

اس مغربی کابوس کا شکار ہیں۔ جو ابھی تک اس دجّالی جنت سے باہر ہیں وہ اپنی آبلہ پائی کے شاکی اور رسائی کے متمنی ہیں۔ مستثنیات سے انکار نہیں مگر وقلیل ماھم۔

مسلم معاشرے کے ان پھوڑوں کو چھیڑنا بہت تکلیف دہ ہے۔ مگر کیا کیا جائے اس کے سوا کوئی علاج نہیں۔ ثقافت کا دائرہ معاشرت کو بھی گھیرے ہوئے ہے۔ اس لیے اس پر علیحدہ گفتگو کی حاجت نہیں ہے۔ مگر اخلاق بنیادِ ثقافت ہونے اور ایک مستقل حیثیت رکھنے کی وجہ سے مستقل نظر کے مستحق ہیں۔ نظریہ ناگوار منظر پیش کرتی ہے کہ اخلاق کے اسلامی تصورات ہی تقریباً مفقود ہو چکے ہیں مثلاً جاہ پسندی شہرت پسندی کو معائب کی فہرست سے خارج کر کے محاسن یا کم از کم مباحات کے رجسٹر میں جگہ دی گئی ہے۔ خودداری کے حدود وسیع کر کے "تکبر" تک پہونچا دیے گئے ہیں۔ میں نے بعض اچھے خاصے اہلِ علم کو دیکھا ہے کہ تکبر و خودداری اور تواضع و تذلل کے حدود سے بالکل ناواقف ہیں۔ تا بجاہلان چہ رسد۔ یہ چند مثالیں ہیں جن سے دوسرے اخلاق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ للّٰہیت، اخلاص، صدق، مروت، ایثار، اسی قسم کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے والے تو اب آسانی سے گنے جا سکتے ہیں۔ انفرادی حیثیت کو چھوڑ کر اب اجتماعیات کی طرف آئیے۔

سیاسی اقتدار گویا فساق و فجار کا حصہ بن چکا ہے۔ یہاں مستثنیات کی تلاش میں آپ کو بہت زحمت اٹھانا پڑے گی اور اس کد و کاوش کے بعد جو مستثنیات ملیں گے وہ ناقابلِ اعتنا ہوں گے یقین نہ ہو تو اسلامی دنیا کا جائزہ لے لیجیے، معاشی زندگی کی تنظیم اور اس کی قیادت بھی اسی طبقہ کے ہاتھ میں پہونچ چکی ہے۔ اور دیندار طبقہ وہاں سے بھی نکالا جا چکا ہے۔ جب وہ آپ کو حرام کھلانا چاہتے ہیں تو پیٹ بھر کر کھلا دیتے ہیں اور آپ اس میں ایک لقمہ کی بھی کمی نہیں کر سکتے۔

جسم ہی نہیں بلکہ آپکے ذہن و دماغ کی غذا بھی عموماً فاسقوں ہی کے اختیار میں ہے۔ تھوڑے سے عربی مدارس کو مستثنیٰ کر کے پورے نظامِ تعلیم پر اسی قسم کے اشخاص چھائے ہوئے ہیں۔ اور سیرت سازی کے ان کارخانوں میں دیندار انجینیر شاذ و نادر ہی ملیں گے۔ اور جو ملیں گے وہ بھی بے اثر ہونگے۔ خلاصہ یہ کہ ہماری اجتماعی زندگی کلیۃً فساق و فجار کے قبضہ میں پہونچ چکی ہے۔ اس میں مستثنیات کی حیثیت طوفانی سمندر میں چھوٹے جزیروں کی ہے۔ انھیں دیکھ کر مطمئن ہو جانا بلاشبہ نادانی ہو اگر طوفان کی رفتار و شدت یہی رہی تو کچھ عرصہ کے بعد ان جزائر کی غرقابی بھی یقینی نظر آتی ہے۔

اجتماعی قیادتوں میں صرف ایک قیادت ابھی تک دیندار طبقہ کے ہاتھ میں ہے۔ یعنی دینی قیادت۔ مگر وہ دینی قیادت جو صرف مسلمان کی انفرادی زندگی تک محدود ہو۔ اس کے لیے آپ اجتماع کی دعوت دے سکتے ہیں۔ اور ان کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ مگر اب "کوتہ آستینوں" کی "درازدستیاں" اس کی پگڑی بھی دیندار طبقہ کے سر سے اتار لینا چاہتی ہے۔ "برقی فتنہ" "پرویزی بدعت" "وحدت ادیان" کی تحریک اور اس قسم کی دوسری گمراہ کن تحریکیں اس رجحان کا پتہ دیتی ہیں جو طبقہ فساق میں پیدا ہو رہا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسجد کے گوشے یا خانقاہ و مدرسہ کے حجرے میں بھی دین کی موجودگی گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور اس شجرۂ طیبہ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینا چاہتے ہیں۔

حالات کی اس تصویر میں طوالت کا اعتراف تو کر سکتا ہوں مگر رنگ آمیزی اور مبالغہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں، میں نے قلم سے کیمرہ کا کام لیا ہو نہ کہ مو قلم کا۔ کشمکش کے صحیح نقشہ کی عکاسی کر دی ہے۔ اس میں رنگ نہیں بھرا ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ مجھے خوف ہے کہ کوئی صاحب بصیرت میرے اوپر کمی کرنے کا الزام نہ لگائے۔ اور اگر یہ الزام مجھ پر لگایا جائے گا تو غالباً میں اس کے اعتراف پر مجبور ہوں گا۔

ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا یہ ضروری نہیں ہو جاتا کہ ہم فسق کے مقابلہ اور تقویٰ کے فروغ کے لیے اب تک جو تدابیر کرتے رہے ہیں ان پر نظر ثانی کریں؟ ہو سکتا ہے کہ اس مغلوبیت کا سبب فسق کی طاقت اور اس کے ذرائع کی فراوانی ہو، لیکن کیا اس کا احتمال بھی نہیں نکلتا کہ اس سبب کے ساتھ خود ہمارے اندر بھی بعض کمزوریاں ہوں، یا ہماری کسی تدبیر میں کوئی غلطی ہو، جو اس شکست نصیبی میں حصہ دار ہو؟ میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ اشاعت تقویٰ کی جو مختلف کوششیں ہو رہی ہیں وہ غلط ہیں یا ہر ایک میں یقیناً کوئی نہ کوئی غلطی ہے، حاشا و کلا۔ نہ مجھے اپنی بصیرت کے متعلق ایسی خوش فہمی ہو۔ نہ دین کے خدام کے متعلق اس قسم کی غلط فہمی، میں تو صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ ہم میں سے کوئی بھی معصوم نہیں ہو اور خدمت دین کے جتنے طریقے مختلف افراد اور جماعتوں نے اختیار کیے ہیں۔ ان میں سے کوئی منصوص نہیں ہے، ان کا درجہ تدبیر سے آگے نہیں بڑھتا۔ حالات کی تبدیلی بسا اوقات ایک مفید طریقے کو کچھ عرصہ کے بعد قدامت کا لباس پہنا دیتی ہے اور اس کی افادیت میں کمی پیدا کر دیتی ہے۔

بلکہ بعض اوقات اس کی افادیت کو بالکل ختم کر دیتی ہے۔ اس لیے جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے اس پر مناسب وقفوں کے ساتھ دوبارہ غور و فکر کرنا لازم ہے۔ میری عرضداشت صرف تجدید فکر کی دعوت ہے، نہ کہ تجدید طریق کی۔ اجتماعی نفسیات میں غور کرنے سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ جماعت جب کسی سوچے سمجھے ہوئے طریق پر عرصۂ دراز تک عمل پیرا رہتی ہے تو اس میں فکر کا عنصر کم ہو جاتا ہے اور رسم و عادت کا عنصر بڑھ جاتا ہے۔ افراد بھی اس قانون سے متاثر ہوتے ہیں۔ مگر جماعتوں میں اس کا اثر زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عالم کی تغیر پذیری کی پیاس محض رسم سے نہیں بجھائی جا سکتی۔ خصوصاً ایسے دین کے فروغ کے لیے محض رسمی طرزِ عمل کیسے کافی ہو سکتا ہے جو قیامت تک پورے عالم انسانیت کی رہنمائی کرنے کے لیے آیا ہے۔ اس حقیقت کو سامنے رکھنے کے بعد تجدید فکر کی احتیاج اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ اس دعوت تجدید فکر کا مجھے حق ہے یا نہیں؟ دیندار طبقہ سے حسن ظن کی بنیاد پر مجھے یقین ہے کہ وہ یہ حق تسلیم کرے گا۔ اس کے بعد اتمام سخن کی درخواست بے جا نہ ہوگی۔ اور بات پوری کیسے ہو سکتی ہے جب تک میں دیندار طبقہ کی ان کمزوریوں کی طرف اشارہ نہ کروں جو اس دعوت کی محرک اور موضوع فکر بننے کی طالب ہیں۔ مگر اس سے پہلے چند باتیں عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) خطاب عام دیندار طبقہ سے ہے یعنی ہر اُس شخص سے جو دین کو دُنیا پر ترجیح دیتا ہو اور اُس کے فروغ و غلبہ کا خواہشمند ہو۔ خواہ عالم ہو یا عامی۔ مخصوص طور پر علما یا مشائخ ہی مخاطب نہیں ہیں۔

(۲) کسی فرد یا جماعت پر طعن و تعریض ہرگز مقصود نہیں۔ جن افراد یا جماعتوں کو اپنے اندر ان کمزوریوں میں سے کوئی کمزوری محسوس ہو وہ اس کا ازالہ کریں۔ اگر نہ محسوس ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور آئندہ اس سے بچنے کی کوشش کریں۔ اظہار براءت بالکل غیر ضروری چیز ہے۔

(۳) جن غلطیوں کا میں تذکرہ کروں گا اُن کی کلیت کا مدعی نہیں ہوں۔ مقصد عام حالت کا اظہار ہے۔ مستثنیات کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔

## اجتماعیت کا فقدان

اسباب ناکامی میں سرفہرست جس چیز کا نام آنا چاہیے وہ قوم میں اجتماعیت کا فقدان ہے۔ دو صالح اور دیندار افراد اپنے اپنے

مقام پر بہت اچھے خادمِ دین و ملت ثابت ہوتے ہیں۔ مگر جب ان دونوں کی اجتماعی قوت سے فائدہ اٹھانے کا قصد کیا جائے تو بجائے مفید ہونے کے مضرت رساں بن جاتے ہیں۔ جماعتوں کے تفرقے روزمرہ کا مشاہدہ ہو۔ اس کے علاوہ سب سے زیادہ مضر چیز یہ ہے کہ مختلف جماعتوں اور افراد میں باہم تعاون بالکل مفقود ہے۔

ذہین افراد میں اختلاف خیالات ایک ناگزیر شے ہو۔ لیکن ہر اختلاف کا انشقاق و تفرقہ تک پہونچ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ حدود شناسی کا جوہر اُمت میں نہیں باقی رہا ہے۔ پوری اُمت ایک جسم کی طرح ہے۔ کسی جسم کے ہر عضو کا الگ الگ ہو کر باہمی تعاون سے دست بردار ہو جانا اس کی ہلاکت کے مرادف ہو یا نہیں؟

حالت یہ ہو کہ جو فرد یا گروہ جس طرز پر دینی خدمت انجام دے رہا ہے صرف اسی کو حق سمجھتا ہو اور اپنے علاوہ دوسرے خادمانِ دین کو جن کا طرز اس سے مختلف ہو غلط راستہ پر سمجھتا ہے اور نہ صرف سمجھتا ہے بلکہ اس کی تبلیغ بھی کرتا ہے۔

جس طرح جسم انسانی میں مختلف اعضا مختلف کام انجام دیتے ہیں اور ان میں سے ہر کام اپنی جگہ پر ضروری ہوتا ہو۔ اسی طرح اُمّت مسلمہ کے جسم کو مختلف اعضا اور مختلف خدمات کی حاجت ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ اس کی بھی شدید حاجت ہو کہ اس کثرت میں روح تعاون سرایت کر کے وحدت پیدا کر دے۔ یہی وحدت اسے کامیابی سے ہمکنار کر سکتی ہو۔ اسی چیز کا نام اجتماعیت ہو۔ لیکن یہ روح تعاون و اجتماعیت اُمّت میں کہاں ہے؟ نہ ہم اختلافات کے حدود سمجھتے ہیں نہ باوجود اختلافات مشترک مقاصد کے لیے باہم تعاون کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ ایسی صورت میں فتن کے متحدہ حملہ کا مقابلہ ہماری کامیابی پر کیسے ختم ہو سکتا ہے۔

## فرد و جماعت کے ارتباط سے غفلت

اچھا اجتماع اچھے ہی افراد سے وجود میں آ سکتا ہے اور اچھے افراد اچھے ہی اجتماع میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ فرد و جماعت کا یہ باہمی ربط اکثر و بیشتر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بعض حضرات کا نظریہ یہ ہو کہ اجتماع اصل ہے۔ اس کی اصلاح اچھے افراد کو وجود میں لائے گی۔ اور بحیثیت مجموعی اُمت میں تقویٰ غالب ہو جائے گا۔ ان لوگوں نے "فرد" بحیثیت "فرد" کی اہمیت کو قولاً نہیں تو عملاً نظر انداز کر دیا ہے اور

ساری توجہات کا محور جماعت کو بنا دیا ہو، انفرادی اصلاح کے معنی سے نہ یہ حضرات خود واقف ہیں نہ اس کے ماہرین سے مشورہ لیتے ہیں۔ اس شدید غلطی کا اثر یہ ہے کہ افراد کی انفرادی کمزوریاں اجتماعی تقویٰ کے محاذ کو بھی کمزور کر دیتی ہیں۔ اکثر تو یہ جمع تفریق پر ختم ہوتی ہو۔ اور اگر جماعت قائم بھی رہے تو ضعف کی وجہ سے عموماً شکست نصیب ہوتی ہو۔ فتح ہوئی بھی تو وہ فیصلہ کن نہیں ہوتی۔ اور اس سے شکست کی تلافی کا ہونا بہت دشوار ہوتا ہے۔

ایک ماہر جنرل کی طرح شیطان ہماری اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے میں پوری مستعدی و بیدار مغزی کا ثبوت دیتا ہے۔ اس اجتماعی مقابلہ میں وہ کمزور افراد پر حملہ کرتا ہو اور آہستہ آہستہ انھیں شکست دیتا ہو۔ اس طرح ایک پانچواں کالم وجود میں آجاتا ہے جو غیر شعوری طور پر فسق کی فتح اور تقویٰ کی شکست کے لیے کوشاں ہو جاتا ہو۔ ماضی اور حال دونوں میں دینداروں کی ایسی جماعتیں کثیر تعداد میں مل سکتی ہیں جو اشاعتِ تقویٰ کے لیے وجود میں آئیں اور کچھ عرصہ کے بعد اس کے ارکان و اجزا، خود انھیں عیوب میں مبتلا ہو گئے۔

اس گروہ کی غلطی یہ ہو کہ اس نے حقیقت کے صرف ایک جزو کو لے لیا اسی طرح اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا گروہ ہو۔ اس نے بھی حقیقت کے ایک جزو کو چھوڑ دیا یعنی وہ اس کا تو قائل ہو کہ اچھے افراد سے اچھا اجتماع وجود میں آتا ہو مگر خود اجتماع کی خوبی و برائی کو فرد کی اچھائی برائی میں جو دخل ہو اُس سے غفلت برتی۔ ان حضرات کی توجہات اور کوششوں کا محور صرف انفرادی زندگی ہو اجتماعی مسائل و حالات بالکل ان کے موضوع سے غیر متعلق ہیں۔

یہ نظریہ غلط بھی ہے اور مضرت رساں بھی۔ افراد کے شخصی مزاج کے علاوہ اجتماع کا ایک مخصوص مزاج بھی ہوتا ہے۔ اور اس کا صالح یا فاسد ہونا افراد پر بہت قوی اثر ڈالتا ہو، اس کی قوت کا مقابلہ بسا اوقات بڑے بڑے اتقیا نہیں کر سکتے۔ بلکہ مقابلہ کرنے میں خود اپنے تقوے کا سرمایہ کھو بیٹھتے ہیں۔ ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں اسی قسم کی پیش کی جا سکتی ہیں کہ متقی افراد جب اجتماعیات کے سنگلاخ میدان میں گامزن ہوئے تو زہد و ورع و تقویٰ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہی دیکھ لیجئے کہ آج اچھے خاصے اتقیا کو یکجا کر کے کسی اجتماع کو ترتیب دینے کی کوشش اکثر و بیشتر ناکامیابی پر ختم ہوتی ہیں۔ ہر فرد اپنی جگہ پر بہت صالح مگر اجتماع میں آتے ہی ان میں سے

• سب میں یا بعض میں ایسی چیزیں ابھر آتی ہیں جو اجتماع کا مزاج فاسد کر دیتی ہیں۔ انجام تفرقہ ہوتا ہے یا اجتماعی تقویٰ کے فقدان کے ساتھ خود افراد کے صحیح مزاج کا فساد۔ وجہ یہی ہے کہ ان افراد کی اجتماعی زندگی بالکل غیر تربیت یافتہ ہوتی ہے۔ اجتماع کی اہمیت کو یہ لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہر موقع پر انفرادی نقطۂ نظر سے کام لیتے ہیں اور روح تعاون سے خالی ہوتے ہیں۔

---

انفرادیت پسند حضرات میں ایک جماعت انتہا پسندوں کی ہے جن کے نزدیک اجتماعیات • شجرہ ممنوعہ ہے۔ دین و شریعت صرف انسان کی انفرادی زندگی کے لیے ہے۔ اور سیاسی، معاشی وغیرہ زندگی کے اجتماعی شعبے دین سے خارج اور دنیا میں داخل ہیں۔ غیر اسلامی ممالک کو چھوڑیئے، خود • اسلامی ممالک کے متعلق بھی ان حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ خواہ زمام حکومت فاسقوں فاجروں بلکہ بد دینوں اور گمراہوں مثلاً شیعوں، قادیانیوں وغیرہ میں سے کسی کے ہاتھ میں آ جائے مگر دینداری کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنا حجرہ اور معمولی کام نہ چھوڑا جائے اور اصلاح حال کی کوئی کوشش نہ کی جائے۔ ان بد دینوں کو صدارت یا وزارت کی کرسی سے اتار کر ان کی جگہ دینداروں کو بٹھانے کی کوشش کرنا دین کے حدود سے تجاوز اور پکّی دنیاداری ہے۔ مسلمانوں کے معاشی مسائل کا کوئی حل تلاش کرنے کی کوشش توکل کے خلاف اور حرام۔ فاسقوں اور فاجروں کے زیر اہتمام چلنے والے کالج اور اسکول مسلم نوجوانوں کی روحانی قتل گاہ، لیکن دینداروں کا خود انھیں قائم کرنا یا ان میں دخیل ہو کر اصلاح کی کوشش کرنا دینداری کے خلاف، ورنہ کم از کم فضول اور اضاعت وقت۔ خلاصہ یہ کہ اجتماعیات وہ شجرۂ ممنوعہ ہے جس کے قریب جانا بھی دینی ہبوط و زوال کا موجب ہے۔ اسلام صرف انفرادی زندگی تک محدود ہے۔ اجتماعیات کے متعلق وہ بالکل ساکت ہے۔ زندگی کے اس اہم اور عظیم حصہ پر اگر شیطان کا تسلط ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

یہ اس نظریہ کا خلاصہ ہے جو صریح اسلامی تعلیمات کے خلاف ہمارے دیندار طبقہ کے ایک بہت بڑے حصے نے اختراع کر لیا ہے اور سچ یہ ہے کہ اجتماعی محاذ پر تقوے کی شکست کامل میں جس قدر • اس نظریہ کو دخل ہے اتنا کسی دوسری چیز کو نہیں ہے۔ اگر امت میں اور کوئی کمزوری نہ بھی ہوتی تو یہ نظریہ ہی اسے تباہ کن شکست دلانے کے لیے کافی تھا۔

یہ طبقہ آج بھی اچھا خاصا اثر رکھتا ہے، اسلامی ممالک میں اگر یہ طبقہ اپنے حجروں میں بیٹھا بیٹھا بھی اجتماعیات کے محاذ پر فسق کو شکست دینے کی کوشش کرے تو انشاء اللہ قلیل ہی عرصہ میں ان ممالک کی کایا پلٹ جائے۔

موجودہ دور میں جبکہ مختلف اسباب نے اجتماعیات کو اسقدر غالب کر دیا ہو کہ گوشۂ تنہائی کی جستجو حمام باد گرد کی جستجو سے کم نہیں ہے صرف "خلوت در انجمن" کا طریقہ راہ صواب ہو۔ اجتماعیات کو نظرانداز کرنا ایک لفظ بے معنی ہے۔ جب آپ ان سے ترک تعلق کرتے ہیں تو اسوقت بھی آپ ان میں حصہ لیتے ہیں۔ لیکن اس قسم کا سلبی حصہ لینا بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً ممکن ہو کہ تنہا ایک شخص کے ووٹ نہ دینے کی وجہ سے ایک دیندار ناکام اور ایک فاسق یا بددین کامیاب ہو جائے۔ کیا ایسی صورت میں یہ دیندار اس ذمہ داری سے بری ہو سکتا ہے؟

خلاصہ یہ کہ صحیح راستہ یہ ہو کہ فرد و اجتماع دونوں کی طرف ساتھ ساتھ توجہ کی جائے اور دونوں محاذوں پر ایک ساتھ فسق کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ نظریہ کہ فرد کی اصلاح سے فراغت ہو تو اجتماع کی اصلاح کی طرف توجہ کی جائے یا اجتماع کی اصلاح ہو جائے تو افراد کو صالح بنانے کی کوشش کی جائے۔ نظری اعتبار سے خواہ کتنا ہی مدلل کیوں نہ ہو عملی اعتبار سے بالکل ناکام ثابت ہو چکا ہے۔ دشمن کے داخلہ کے لیے قلعہ میں ایک رخنہ بھی غیر محفوظ چھوڑ دینا شکست کا پیش خیمہ ہو نہ کہ ایک پوری دیوار کو منہدم ہوتے دیکھنا اور اس کی حفاظت سے غفلت برتنا۔

ان دونوں محاذوں پر جنگ کرنے میں سب سے بڑی مشکل میرے نزدیک یہ ہو کہ قوم میں ایسی جامع شخصیتوں کا تقریباً فقدان ہے جو دونوں کام انجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ لیکن بحمداللہ ایسے اشخاص بکثرت موجود ہیں جو انفرادی زندگی میں تقویٰ کو رچا دینے کی خوب صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح ایسے اشخاص بھی اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں جو اس صلاحیت سے محروم ہیں لیکن اجتماعی اصلاح کا کام خوب انجام دے سکتے ہیں۔ اگر دونوں میں تعاون کا تعلق ہو جائے تو مسئلہ سہولت سے حل ہو سکتا ہے۔ افسوس ہو کہ اجتماعیت کے فقدان نے اس تعاون کو خواب و خیال بنا دیا ہے۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو واقعات کی روشنی میں اس حقیقت کو دکھاتا کہ امت کے زمانۂ عروج میں یہ تعاون کس قدر زیادہ اور کیسی عمدہ شکل میں پایا جاتا تھا۔

## اجتماعی تقویٰ کا فقدان

یہ واقعہ بالکل روشن ہو کہ دینداری کی سب سے بڑی شکست اجتماعیات میں ہوئی ہے۔ فہرست اسباب میں ایک شے کا اور اضافہ کیجئے۔ یعنی خود دینداروں میں اجتماعی تقویٰ کا فقدان۔ استثناء کا چھوٹا سا حاشیہ نکال دینے کے بعد یہ کہنا کچھ مشکل نہیں کہ ہم اپنی انفرادی زندگی میں دینداری و تقویٰ کے باوجود جب اجتماعیات میں داخل ہوتے ہیں تو "جامۂ تقویٰ" اُتار کر الگ رکھ دیتے ہیں۔ عارف شیرازی کو تو ان واعظوں سے شکایت تھی جو "محراب و منبر" پر "جلوہ" کرتے ہیں مگر "خلوت" میں ہو بچ کہ "کار دیگر" میں مصروف ہوتے ہیں مگر میری شکایت اس کے برعکس ہو۔ زمانہ کے انقلاب نے بکثرت اشخاص کے "جلوے" کو "خلوت" کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ اور جب وہ میدان اجتماعیت میں آتے ہیں تو وہ دنیاداروں کی طرح "کار دیگر" میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ان کو صرف واعظوں سے شکوہ ہو اور مجھے عام دینداروں سے۔ جن میں وہ بھی داخل ہیں، یقین نہ ہو تو ان اجتماعی اداروں کو دیکھ لیجئے جو دیندار افراد کے ہاتھ میں ہیں، مدارس، مکاتب، اسکول، کالج، انجمنیں، ہر جگہ آپ دیکھیں گے کہ دیندار اور تہجد گذار حضرات بھی انھیں اصول کار پر عمل پیرا ہیں جو پکے دنیاداروں اور فساق و فجار کے رہنما ہیں یہ حقیقت بہت تلخ ہے جس کا حلق سے اُتارنا بہت دشوار ہے، لیکن جو شخص بھی عقیدت و محبت کے جذبات ایک طرف رکھ کر اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نیز صحابۂ کرام کے اجتماعی طرز عمل کو نمونہ بنا کر اس قسم کے اداروں کے حالات غور اور تعمق سے دیکھے گا اُسے اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا۔

اصلاح اجتماعیات میں ناکامی کی بہت بڑی وجہ یہی ہو کہ ہماری دینداری محض انفرادی ہے۔ اجتماعی زندگی میں تقویٰ سے ہم اسی طرح محروم ہیں جس طرح ہمارے حریف۔ ہماری نصیحت کا ان پر اثر ہو تو کیسے ہو، اس کمزوری کا ایک اثر یہ ہوا کہ عوام الناس دیندار طبقہ کو اہم اور وسیع تر اجتماعی معاملات میں قیادت و رہنمائی کا اہل نہیں سمجھتے۔ خصوصاً سیاسی قیادت اور دینداری میں تو بالکل منافات سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فاسق سیاسی قائدین سے نالاں ہونے کے باوجود اتقیا کے مقابلہ میں انکی رہنمائی کو ترجیح دیتے ہیں، بلکہ بہت سے کم فہم تو سیاست نام ہی جھوٹ و فریب، دھوکہ بازی اور ابن الوقتی کا رکھتے ہیں۔ اور اس کا اہل اُن ہی لوگوں کو سمجھتے ہیں جن میں یہ اوصاف زیادہ پائے جائیں۔

## طریق اجتماع

کسی دینی خدمت کے لیے تعاون و اجتماع کے دو طریقے رائج ہیں۔

(۱) انجمن سازی۔ یہ طریقہ زمانہ کے جمہوری مزاج سے مناسبت رکھتا ہے۔ یہ اس کی خوبی ہو گر دیکھا یہ جاتا ہو کہ کچھ عرصہ کے بعد اس میں عہدوں کے لیے کشمکش ہونے لگتی ہو اور پارٹی بندیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ نتیجہ منافع کی کمی بلکہ بعض مضرتوں کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ سبب وہی اجتماعی تقویٰ کا فقدان ہے۔

(۲) کسی خاص شخصیت کی دینی عظمت دیندار کارکنوں کو اس کے گرد جمع کر دیتی ہے۔ اس کی دو شکلیں ہوتی ہیں۔

(الف) روحانی تعلق اور عقیدت اس حاشیہ نشینی کی تحریک کرے۔ جیسے مرید اپنے شیخ کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔

(ب) فکری بلندی اور قیادت کی قابلیت اس عقیدت کا باعث ہو، جیسے بعض سیاسی یا معاشرتی رہنماؤں کا حلقہ اثر قائم ہو جاتا ہے۔

ان دونوں صورتوں میں اس طریق اجتماع کی امتیازی خوبی یہ ہے کہ اس میں قوت جامعہ بہت قوی ہوتی ہو۔ اسی طرح کارکنوں کی قوت کارکردگی بھی اس میں ترقی کرتی ہے، عہدوں کی کشمکش کی نحوست بھی یہاں نہیں ہوتی، یہ سب اس طریق کی خوبیاں ہیں، مگر اس کی کمزوریوں کی طرف سے چشم پوشی بھی ایک طرح کی ناانصافی ہے۔ اس کی پہلی کمزوری تو یہی ہے کہ موجودہ زمانے کے جمہوری مزاج سے مناسب مطابقت نہیں رکھتا۔ اس لیے اس کا پیمانہ محدود ہوتا ہو۔ صرف وہ اشخاص اس سلسلہ میں منسلک ہونے کے لیے تیار ہوتے ہیں جو مرکزی شخصیت سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ (یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہو، اس کے بالکل برعکس اس نوع کے بعض ایسے اجتماع بھی دکھائی دیتے ہیں جن کا حلقۂ اثر بہت وسیع ہے، دکھانا درحقیقت یہ ہو کہ اس طرز اجتماع کی ساخت میں فی نفسہ وہ لچک نہیں ہوتی جو اسے دور تک پھیلنے دے۔ یہ دوسری بات ہو کہ کسی خاص شخصیت کی قوت دعوت یا حالات کی سازگاری اسے وسیع کر دے۔ اور ظاہر ہو کہ ایسی شخصیتیں بہت کم ہوتی ہیں۔)

عمر کی کوتاہی بھی اس طریق کی ایک کمزوری ہو، مرکزی شخصیت کے خاتمہ کے ساتھ حرکت بھی عموماً ختم ہو جاتی ہو۔ اس طرز خدمت کی ایک اور کمزوری کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری سمجھتا ہوں جس نے اس کی افادیت کو محدود اور کم کر دیا ہے۔ دیکھا یہ جاتا ہو کہ اس حلقۂ عقیدتمندان کے افراد باہر کے

لوگوں کو کام سے زیادہ مرکزی شخصیت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص محض اصولی اتفاق کی بنا پر اشتراکِ عمل کرنا چاہے مگر مرکزی شخصیت کا عقیدتمند نہ ہو تو اس کے لیے ان حضرات سے نباہ کرنا مشکل ہوتا ہے اور بالآخر وہ اس حلقہ سے باہر نکل جانے پر مجبور ہو جاتا ہے، جزئی تعاون یا جزئی عقیدت بھی ان لوگوں کے نزدیک کافی نہیں ہوتی، قابلِ قبول عقیدت کا صرف وہ درجہ ہے جو خود ان کے دل میں ہوتا ہے اور اس حد تک جانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے کہ اس کا عنوان عصمتِ مافوق الفطرت مقرر کرنا لغوی حیثیت سے ان کے مافی الضمیر کی صحیح تعبیر ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ ان الفاظ کا اعلان کرتے ہوئے جھجکتے ہیں۔

قوم کا اجتماعی زوال بڑی بڑی شخصیتوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتا ہے۔ آج دنیائے اسلام کی مرکزی شخصیتوں کو دیکھو ان میں سے بکثرت باوجود دینداری، تقویٰ اور خلوص کے خوشامد پسندی کے مرض میں گرفتار ملیں گی۔ یہاں تک کہ خانقاہیں بھی اس سے محفوظ نہیں رہیں۔ حالانکہ ان کی وضع ہی اصلاحِ اخلاق کے لیے ہوتی ہے۔ یہ عادت حاشیہ نشینوں اور متوسلین میں سے ایک حلقہ مقربین وجود میں لاتی ہے اور یہ لوگ مرکزی شخصیت پر اس طرح حاوی ہو جاتے ہیں کہ اپنی مقصد برآری کے لیے اسے جس طرح چاہتے ہیں استعمال کرتے ہیں۔ یہ چیز بھی افادیت کی وسعت کے لیے ایک آہنی دیوار بن جاتی ہے، اصول ختم ہو جاتے ہیں، شخصیت سامنے رہ جاتی ہے۔ کام کے بجائے تقرب کی کوشش اصل قرار پاتی ہے۔ اور اصل کام ٹھٹھر کر رہ جاتا ہے۔

میں نے خدمتِ ملت کے دونوں مروجہ طریقوں کے عیب و ہنر واضح کر دیے۔ اب غالباً ناظرین کسی نئے طریقِ کار کے متعلق سننے کے منتظر ہوں گے۔ لیکن میں نے نہ تو کوئی نیا راستہ دریافت کیا ہے اور نہ کسی نئے راستے کی طرف دعوت دینا اس وقت مناسب سمجھتا ہوں۔ صحیح صورت یہ ہے کہ ان ہی دونوں طریقوں کی اصلاح کر کے ان کی افادیت میں اضافہ کیا جائے۔ موخر الذکر طریقہ کے بارے میں دو باتیں اور سن لیجیے۔

وہ شخصیتیں جن کی صلاحیتیں ان میں قوتِ جاذبہ پیدا کر دیتی ہیں، اگر اس قوت کے خرچ کرنے میں کفایت شعاری سے کام لیں تو ان کی افادیت کہیں گنی زیادہ ہو سکتی ہے۔ اپنے خدمات کا محور ایک محدود اور چھوٹے حلقہ کو بنا لینا محدود زمین میں زیادہ محنت کر کے کاشت کرنا ہے۔ اچھی پیداوار کی توقع

اسی صورت میں کی جا سکتی ہو۔ اس درجہ کی قوت جاذبہ رکھنے والی شخصیتیں بھی بکثرت ہوتی ہیں اور آسانی سے تیار بھی کی جا سکتی ہیں۔ اگر چھوٹے چھوٹے حلقوں میں یہ قوتیں صرف کی جائیں اور ان میں آپس میں تعاون ہو تو انشاء اللہ حالات بہت تیزی سے تبدیل ہوں گے۔

لیکن یہ ایک بڑا سانحہ ہے کہ ہمارے اندر جب کوئی شخصیت اُبھرتی ہے اور خدمت دین وملت کا بیڑا اُٹھاتی ہے تو اس کا عقاب ہمت کم از کم پورے ایک ملک کو اپنی شکارگاہ بنانا چاہتا ہے۔ جس کے پر پرواز یاوری نہیں کرتے وہ تھک کر ایسا بیٹھتا ہے کہ کبھی اُٹھنے کا نام نہیں لیتا۔ اور جسے مقبولیت کی قلیل غذا بھی مل جاتی ہے وہ بڑی آزمائش میں پڑ جاتا ہے۔ حُبِّ جاہ، حُبِّ شہرت، عُجب و پندار اس کی متاعِ اخلاص پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو اس حملہ سے اس متاعِ بے بہا کو بچا سکیں۔ اخلاص باقی بھی رہا تو قوت تاثیر اس وسیع فضا میں پھیل کر کمزور ہو جاتی ہے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اسے خود احساس ہوتا ہے کہ اس کی باتیں فضا میں گم ہو جاتی ہیں یا صرف کانوں تک پہونچ کر اور دل میں اُترنے کی راہ نہ پا کر، زبانوں کے راستہ تحسین و آفرین، یا تنقید و تبصرے کی صورت میں واپس آ جاتی ہیں۔ افادیت کی کمی اور مقصد میں ناکامی دونوں صورتوں میں لازم ہیں۔ یہ عام حالت ہے۔ مخصوص اور نادر حالات و اشخاص سے یہاں بحث نہیں، اگر خوفِ طوالت نہ ہوتا تو اسلاف کے واقعات کو شہادت میں پیش کر کے دکھاتا کہ انھوں نے قوت کی اس کفایت شعاری اور حلقۂ خدمت کی اس تحدید کو کس طرح ملحوظ رکھا اور اس سے کس قدر عظیم الشان فائدہ پہونچایا، اس وقت ہمارے اندر بڑے قائدین کی کمی نہیں ہے۔ قلت درحقیقت چھوٹے قائدین کی ہے۔ اور یہی اُمت کی تعمیر میں بنیاد کا کام دیتے ہیں۔

اس سلسلہ کی دوسری بات یہ ہے کہ ہر زمانہ کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے جس کی رعایت شریعت اسلامیہ نے بھی کی ہے اور یہ اسی ابدی شریعت کی خصوصیت ہے کہ اس نے قیامت تک ہر زمانہ کے مخصوص مزاج کا لحاظ رکھا ہے۔ موخر الذکر طریقہ عموماً مرکزی شخصیت کی آمرانہ مطلق العنانی پر مبنی ہوتا ہے۔ لیکن اس جمہوری دور میں سمجھ دار لوگوں میں ایسے اشخاص بہت کم ہوں گے جو اسے برداشت کر سکیں۔ ایسی اطاعت صرف غیر معمولی عقیدت رکھنے والے ہی کر سکتے ہیں۔ معمولی معتقدین بھی اس زمانہ میں اس حد تک جانے پر تیار نہیں ہوتے۔ اگر یہ حضرات اپنے رویہ میں ذرا اعتدال پیدا کر لیں اور کم از کم فرعی مجتہد فیہ مسائل میں اختلاف

رائے کو برداشت کر لیا کریں اور سنت شوریٰ کو زندہ کریں۔ تو اس کی افادیت کا دائرہ بہت وسیع ہو جائے گو یا اس سے زیر بحث دونوں طریقوں کا ایک مرکب تیار ہو جائیگا۔ جو دونوں کے فوائد کا جامع ہو گا۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہو کہ بقول ایک بزرگ کے بہت سے ایسے مسلمان حکمراں جنھیں ہم ظالم و جابر کہتے ہیں جسقدر شدید اختلاف و تنقید کو برداشت کر لیتے تھے آج بہت سے مبلغین اصلاح بلکہ خانقاہ نشین حضرات بھی اس سے خفیف تر اختلاف و تنقید کو نہیں برداشت کر سکتے۔

**اختلاف طرق کی قدر** کروڑوں افراد پر مشتمل امت، پوری زندگی پر چھایا ہوا دین تحفظ جماعت سے فسق کا حملہ، ان سب باتوں کو پیش نظر رکھ کر غور کیجئے تو خدام دین کے طرز خدمات و خدمات کا اختلاف بالکل طبعی اور مناسب نظر آئے گا، کسی شخصیت یا جماعت کا یہ دعویٰ کہ جو خدمت وہ انجام دے رہی ہو یا جس طرز پر وہ خدمت دین کر رہی ہو صرف وہی صحیح ہو۔ ایک غلط اور بے دلیل دعویٰ ہو جس کی تائید نہ عقل کر سکتی ہو نہ نقل۔ علیٰ ہذا کسی فرد یا جماعت کا یہ دعویٰ کہ اس کے خدمات کا دائرہ پورے دین پر حاوی ہو اور دوسرے اشخاص کے خدمات جزئی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح غلط اور حدود سے متجاوز ہے۔ اپنی خدمت کو اہم اور دوسرے کی خدمت کو غیر اہم اور حقیر سمجھنا بھی اسی قسم کی غلط فہمی ہے۔ ان غلطیوں کا سبب درحقیقت "تفرد" کا شوق فراواں ہوتا ہو جسے دینی محرک نہیں کہا جا سکتا۔ اس قسم کے دعاوی اور خیالات باہمی تعاون اور اجتماعیت کے دشمن اور خادمان دین کے درمیان افتراق کا بیج بونے والے ہیں۔ دین کی جتنی خدمات ہو رہی ہیں وہ سب اپنی جگہ ضروری اور مفید ہیں، ان کے اقسام و انواع میں کمی کے بجائے اضافہ کی گنجائش اور حاجت ہو۔ ہر خادم دین کا (خواہ وہ فرد ہو یا جماعت) اصول یہ ہونا چاہیے کہ جو خدمت اور طرز خدمت شرعی حدود جواز میں داخل ہو۔ اس کی ہمت افزائی اور قدر کی جائے۔ اس سے جزئی تعاون کیا جائے۔ اور اپنی خدمت کو جاری رکھتے ہوئے جتنی اعانت و امداد ممکن ہو اس سے دریغ نہ کیا جائے۔ اگر خود اپنے یا اپنے رفقاء کے اندر کوئی ایسا نقص موجود ہو جسے مذکورہ بالا شخص (یا جماعت) کی امداد سے دور کیا جا سکتا ہے تو استعانت کی راہ میں وقار و پندار کو نہ حائل ہونا چاہیے۔ مختلف خدام دین اگر اس اصول پر عمل پیرا ہوں اور ایک دوسرے کے نقائص و مشکلات کو دور کرنے میں باہمی تعاون سے کام لیں تو انشاء اللہ ہر محاذ پر "تقویٰ" کو تقویت حاصل ہو گی۔

ہمہ گیری کی خواہش بھی اس جزئی تعاون سے مانع ہوتی ہو۔ یہ خواہش فی نفسہ کیسے ہی اخلاص پر کیوں نہ مبنی ہو اور کتنی ہی مستحسن کیوں نہ کہی جائے مگر کامیابی کو برات عاشقاں بر شاخ آہو کا مصداق بنا دیتی ہو، فتنوں کے ٹڈی دل کا مقابلہ اس قدر طویل محاذ پر ایک ہی فوج کیسے کر سکتی ہے؟ اور ایک ہی سپہ سالار ان سب کی قیادت کا فرض کیسے انجام دے سکتا ہے؛ خصوصاً جب جنگ میں مختلف اقسام کے تدابیر اور متنوع سامان حرب استعمال ہو رہا ہو۔ اور ہر محاذ ماہرین خصوصی کا طلب گار ہو۔ خدمات کے ساتھ فطری مناسبتوں اور خود خدمات میں باہم مناسبتوں کے اختلاف، نیز اصول کفایت قوت پر بھی نظر کیجئے تو تقسیم کار کے ساتھ جزئی تعاون ہی ایک ایسا راستہ دکھائی دیتا ہے جو منزل مقصود تک پہونچا سکتا ہے۔

**مدافعت کے بجائے حملہ** "فسق" کے مقابلہ میں "تقویٰ" کی شکست کے اسباب میں، یہ سبب بھی بہت اہمیت رکھتا ہو کہ دیندار طبقہ کی کوششوں کا خاص مقصد اکثر مدافعت ہوتا ہو۔ تاریخ حروب شاہد ہو کہ وہ فوج کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس کا منتہائے نظر محض مدافعت اور بچاؤ ہو۔ غیر اسلامی ممالک میں تو اقدام کی راہ میں بہت سے موانع ہیں۔ لیکن اسلامی ممالک میں یہ کام اس قدر مشکل نہیں، اسلام تو دنیا کی ہر قوت کو رضائے الٰہی کے لیے استعمال کرنے کا مطالبہ کرتا ہو۔ ان عظیم الشان قوتوں کو فاسقوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دینے کے کیا معنی؟ وقت کا تقاضا ہے کہ دیندار ان سب قوتوں کو بقدر امکان اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کریں جو دین کے فروغ میں معاون ہو سکتی ہیں بشرطیکہ ان کے استعمال میں کوئی شرعی مانع نہ ہو۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے تعلیمی نظام پر نظر پڑتی ہے۔ اگر دیندار طبقہ اس میں دخیل ہو جائے تو نتائج بہت ہی قابل قدر ہوں گے۔ اگر دینی اصول پر علوم جدیدہ کے مستقل ادارے (اسکول کالج وغیرہ) قائم کیے جائیں جو کلیتہً دینداروں کے قبضہ میں ہوں تو نور علیٰ نور کا مصداق ہو۔ اسلامی حکومتوں کی انتظامی، دفاعی، تعلیمی اور مختلف شعبوں کی اعلیٰ خدمت کے لیے دیندار اور قابل امیدوار تیار کرنا اور انھیں ان سروسوں کے امتحانات میں کامیاب بنانے کی کوشش کرنا بھی بہت مفید اور ضروری خدمت ہو۔ اسی طرح عوام کی قیادت اور سیاسی خدمات کے لیے متقی اور فہیم اشخاص کی تربیت اپنی افادیت و حاجت کے لیے محتاج بیان نہیں اگر دیندار طبقہ "فسق" کے خلاف یہ حملہ آورانہ پوزیشن اختیار کرے اور باصطلاح حربیات ابتدا،

اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرے تو جنگ کا پانسہ پلٹ سکتا ہو اور فسق و فجور کو پسپائی و شکست کا مزہ چکھایا جا سکتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ کمزوریوں کی تشخیص میں مجھ سے غلطی ہوئی ہو، لیکن یہ غلطی قابل عفو ہے اس لیے مجھے امید ہو کہ ہمارا دیندار طبقہ میرے ان معروضات پر غور کرے گا۔ میری گزارش صرف اتنی ہے کہ ان معروضات کو مخلصانہ اور خیر خواہانہ سمجھ کر ان پر غور ضرور فرمایا جائے۔ حل تو پھر بھی اپنے اختیار ہی میں رہے گا۔ مسئلہ بہت اہم ہے۔ سوال اُمت کی موت و زیست کا ہے۔ اس کا شدید تقاضہ ہے کہ فکر کے اولیں موقع کو بھی نہ ضائع کیا جائے۔ فقط

وما ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ۔

# فتح قسطنطنیہ

## عزم و استقلال کی ایک عجیب و غریب مثال

(۲)

(گزشتہ سے پیوستہ)

کتنی حوصلہ شکن ناکامی تھی۔ اہلِ قسطنطنیہ اپنی اس فتح پر جتنی خوشی منا سکتے تھے، انھوں نے منائی اور انھیں پورا وثوق ہو گیا کہ ترکوں کو اب مایوس ہو کر واپسی کا فیصلہ کرنا پڑے گا۔ مگر سلطان فاتح اتنی زبردست شکست کھا کر بھی، ایک لمحہ کے لیے بھی یہ سوچنے کو تیار نہیں تھا کہ محاصرہ چھوڑ دے اور قسطنطین کی طرف سے صلح کی جو پیشکش شروع میں آ چکی تھی اس پر راضی ہو جائے۔ سلطان فاتح کا ایک وزیر جو اندرونی طور پر قسطنطین سے ساز باز رکھتا تھا اور اس فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح سلطان کو فتح کے خیال سے دست بردار کرا دے، اُس نے بھی اس موقع کو غنیمت جانا، اور یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ وقت اس مقصد میں کامیابی کے لیے نہایت موزوں ہے اس نے سلطان سے کہا کہ مناسب ہوگا کہ آپ قسطنطین کی صلح کی پیش کش پر غور فرمائیں اس لیے کہ جب ہم یورپ سے آنے والی اس معمولی سی مدد کا مقابلہ نہ کر سکے تو اگر کوئی بڑی مدد آ گئی (جیسا کہ سنتے ہیں) تو ہم بڑی آزمائش میں پڑ جائیں گے اور پھر صلح کا موقع بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔

مگر سلطان تو جیسے قسم کھائے ہوئے تھا کہ قسطنطنیہ فتح کیے بغیر یہاں سے نہ ہٹے گا چنانچہ اُس نے اس مشورہ پر مطلق کان نہیں دھرا اور اب اُس نے ساری فکر اس پہلو پر مرکوز کر دی کہ اپنی کشتیاں کس طرح قرن ذہبی (Golden Horn) میں پہونچائی جائیں۔ کیونکہ اس ایک کام سے

بہت سے فائدے تھے۔ ایک طرف تو قسطنطنیہ کی یہ بندرگاہ قبضہ میں آتی تھی۔ دوسری طرف قسطنطنیہ پر اس کی کمزور ترین جانب سے حملہ کرنے کا موقع ملتا تھا۔ کیونکہ شہر پناہ کی جو دیوار اس جانب تھی وہ سب سے زیادہ کمزور تھی، تیسرا فائدہ یہ تھا کہ رومیوں نے اور تمام جوانب کے محفوظ ہونے کی وجہ سے اپنی ساری دفاعی طاقت خشکی کی سمت جو لگا رکھی تھی، ترکوں کے خلیج میں پہونچ جانے پر اس کا منتشر ہونا یقینی تھا۔ اور اس طرح لڑائی کا فیصلہ جلد ہو جانے کی توقع تھی۔ مگر یہ کام ہو تو کیسے ہو۔ خلیج میں داخلہ کا راستہ رومی بیڑے کے قبضہ میں تھا اور عثمانی بیڑا اس کو شکست دینے سے قاصر تھا۔ سلطان نے ایک عجیب وغریب تدبیر سوچی اور ایک رات کے اندر اس پر عمل بھی ہو گیا۔ تدبیر یہ تھی کہ بندرگاہ قرن ذہبی سے تین میل شمال میں اور آگے بڑھ کر آبنائے باسفورس کی ایک دوسری بندرگاہ بشکطاش تھی (جو عثمانیوں کے قبضہ میں تھی، اور عثمانی بیڑا یہیں لنگر انداز رہتا تھا) اس بندرگاہ کے اور قرن ذہبی کے درمیان جو تین میل کی خشکی ہو اس پر لکڑی کے تختے بچھوائے جائیں اور ان پر روغن اور چربی مل دی جائے اور اس کے بعد بشکطاش سے کشتیاں اٹھوا کر ان تختوں پر ڈال دی جائیں اور انھیں پھسلاتے ہوئے قرن ذہبی میں پہونچا دیا جائے۔

تین میل کا یہ درمیانی راستہ کوئی ہموار راستہ نہیں تھا، کافی نشیب وفراز اس راستہ میں تھے، مگر حوصلہ مند ترکوں نے ایک ہی رات کے اندر راستہ کو ہموار بھی بنایا، اس پر تختے بھی بچھائے، اور ان پر تیل اور چربی کی مالش بھی کی اور صبح ہونے سے پہلے ستر کشتیاں، اسی تدبیر سے قرن ذہبی کے عقبی حصہ میں پہونچا دیں۔ یہ سارا کام ۲۱ اور ۲۲ اپریل کی درمیانی شب میں راتوں رات ہوا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ رات کے سکون میں اس لمبی نقل وحرکت کا کم ازکم احساس رومیوں کو ضرور ہو جاتا، خصوصاً رومی بیڑے کو جو اسی خلیج میں موجود تھا، مگر اس کے سدباب کے لیے فاتح نے دوسری تدبیریں کر لی تھیں جو پوری طرح کارگر ہوئیں، الغرض کشتیوں کو منتقل کرنے کا کام بالکل خفیہ طریق پر انجام پا گیا اور کوئی مزاحمت پیش نہ آئی۔

ان کشتیوں کے خلیج میں پہونچ جانے کے بعد فاتح نے ایک پل بنوایا جس پر توپیں نصب کی گئیں اور اب خشکی کی سمت کے ساتھ ساتھ اس سمت کی فصیل بھی عثمانی توپوں کی زد میں آگئی۔

## چوتھی ناکامی

عثمانی توپوں نے جس دن سے گولہ باری شروع کی تھی اس دن سے وہ مسلسل

شدید گولہ باری میں مصروف تھیں اور جب کبھی فوج کی پیشقدمی کا موقع مل جاتا تھا وہ کبھی حملہ آور ہوتی تھی مگر تقریباً سوا مہینہ اس جد و جہد میں گزر جانے کے باوجود کوئی کامیابی نہ ہو سکی تھی، بالآخر فاتح نے ایک اور صورت سوچی اور ۱۶ مئی کی رات میں اہل قسطنطنیہ نے محسوس کیا کہ زمین کے اندر کھدائی ہو رہی ہے۔ یہ سُرنگ کی تدبیر تھی اور سوچا گیا تھا کہ فوج اس طریقہ سے شہر میں داخل ہو جائے، مگر اہل قسطنطنیہ اس چال کو سمجھ گئے اور جہاں کھدائی محسوس ہو رہی تھی، اُس کے سامنے زمین کو دور تک خود ہی کھود ڈالا اور پھر اوپر گھات لگا کر بیٹھ گئے اور جیسے ہی ترک نمودار ہوئے اُن پر آگ اور آتشیں مادوں کی بارش شروع کر دی۔ جس میں بہت سے ترکوں کی جانیں گئیں۔ کچھ گرفتار ہوئے اور باقی جو لوٹ سکے وہ لوٹ گئے۔ گرفتار شدہ ترکوں کے سر کاٹ کر رومیوں نے شہر پناہ پر سے عثمانی لشکر میں پھینکے اور اس طرح انھیں پست ہمت کرنے کی کوشش کی، مگر ترک تو جیسے پست ہمتی اور مایوسی کو جانتے ہی نہ تھے۔ وہ ہمت تو کیا ہارتے۔ سُرنگ والی اس تدبیر سے بھی باز نہ آئے اور اس تدبیر کا جو مقصد تھا وہ تو اگرچہ بار بار کے اعادہ سے بھی حاصل نہ ہو سکا، مگر اس کا اثر یہ ضرور ہوا کہ قسطنطنیہ والوں کی جان ضیق میں آگئی اور انھیں ہر وقت یہ دھڑکا رہنے لگا کہ پتہ نہیں کب اور کہاں سے ترک نمودار ہو جائیں۔ دہشت و ہراس کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ رومیوں کو چلتے پھرتے اور سوتے جاگتے یہ وہم ہوتا تھا کہ ترک سُرنگ لگا رہے ہیں اور بس اب ہمارے پاؤں کے نیچے سے نمودار ہوئے۔

## پانچویں ناکامی

سُرنگ والی تدبیر بھی جب مقصد برآری میں ناکام ہوئی تو فاتح کو ایک اور تدبیر سوجھی، اور وہ اس شکل میں ظاہر ہوئی کہ ۲۱ مئی کی صبح کو جب اہل قسطنطنیہ نیند سے بیدار ہوئے تو انھوں نے اچانک دیکھا کہ خارجی فصیل کے سامنے ایک زبردست قلعہ موجود ہے جو اس فصیل سے بھی اونچا ہے۔ یہ پورا قلعہ لکڑی کا تھا اور اس پر موٹی موٹی کھالیں چڑھائی گئی تھیں جنھیں پانی سے تر کر دیا گیا تھا، تاکہ آگ اثر نہ کر سکے۔ اس قلعہ میں اوپر نیچے تین خانے تھے ہر خانہ میں پورے ساز و سامان کے ساتھ سپاہی تھے۔ نیچے کے خانہ میں خاص طور سے مٹی، پتھر اور لکڑی کا ایک بڑا ذخیرہ تھا، جو خندقیں بھرنے کے لیے جمع کیا گیا تھا، اوپر کے خانہ میں خاص طور پر رسی کی سیڑھیاں تھیں جن کے سروں پر آنکڑے لگے ہوئے تھے تاکہ یہ سیڑھیاں فصیل پر ڈالی جائیں تو آنکڑے دیوار کو پکڑ لیں اور ان کے ذریعہ ترک سپاہی فصیل پر پہونچ جائیں۔

ایک عیسائی جو اس قلعہ کا عینی شاہد ہو وہ لکھتا ہے کہ "ترکوں نے جیسا قلعہ ایک رات، بلکہ چار گھنٹے سے بھی کم مدت میں بنا کر کھڑا کر دیا۔ قسطنطنیہ کے سارے عیسائی بھی مل کر ایک مہینے میں بھی ایسا زبردست قلعہ تیار نہیں کر سکتے تھے" اسے جب اہل قسطنطنیہ نے دیکھا تو اُن کے اوسان خطا ہو گئے۔

بہرحال یہ قلعہ توپ دروازہ کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ مسلسل گولہ باری سے شہر پناہ میں یوں ہی اسقدر شگاف پڑ چکے تھے کہ اب انھیں بھرنا رومیوں کے بس میں نہ رہا تھا، مزید براں اس قلعہ نے بھی پتھر برسانے والے آلات کے ذریعہ سنگ اندازی کی گئی جس کے نتیجہ میں فصیل کا ایک بڑا برج ڈھیر ہو گیا اور اس طرح ایک نیا شگاف پیدا ہو گیا، قلعہ کو سنگ باری کے ساتھ ساتھ آگے بڑھاتے ہوئے بیرونی فصیل تک پہونچا دیا گیا، اور برج کے گرنے سے جو نیا شگاف پڑا تھا، اس پر دھاوا بولنے کے لیے باقی لشکر بھی آگے بڑھا، الغرض ادھر نیچے سے بھی یورش ہوئی اور ادھر قلعہ پر جو سپاہی تھے وہ رسیوں کے ذریعہ شہر پناہ پر پہونچنے لگے۔ دوسری طرف رومی بھی مدافعت پر کمربستہ تھے، انھوں نے ایک طرف پوری طاقت سے مدافعت کی اور دوسری طرف قلعہ پر ایسے آتش گیر مادے پھینکے کہ قلعہ پر جو بھیگی ہوئی دبیز کھالیں چڑھی ہوئی تھیں وہ بھی جل اٹھیں اور پورا قلعہ راکھ کا ایک ڈھیر بن گیا۔

یہ جنگ صبح سے شروع ہوئی تھی، رات تک جاری رہی۔ اور کوئی کامیابی ترکوں کو نہ ہوئی، مگر محمد فاتح کے عزم کا حال اس کے باوجود یہ تھا کہ اس نے جب صبح کو وہ عظیم الشان قلعہ راکھ کا ڈھیر بنا ہوا دیکھا تو مسکرایا اور اپنے ماہرین سے مخاطب ہو کر بولا "کل ہم اس ایک کی جگہ چار قلعے بنا کر کھڑے کریں گے۔"

## عام حملہ کا فیصلہ

رومیوں نے مدافعت میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی تھی اور ان کا عزم بھی ترکوں سے اب تک مات نہیں کھا سکا تھا۔ مگر سلطان فاتح نے ہار نہ مان کر بالآخر انھیں تھکا دیا، اور اب تک شہر پناہ کے نقصانات کی وہ جس تیزی سے مرمت کرتے رہے تھے، وہ بات اب باقی نہ رہی۔ اور عثمانی لشکر کے تینوں حصوں (میمنہ، میسرہ، قلب) کے سامنے، شہر پناہ میں اب ایسی مستقل جگہیں بن گئیں جن پر عام حملہ کر کے شہر میں داخلہ ممکن تھا، سلطان نے جب یہ صورت حال دیکھی تو سمجھ لیا کہ اب فیصلہ کن معرکہ کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ اس نے مناسب سمجھا کہ قسطنطین کو ایک آخری پیغام ہتھیار ڈالنے کے لیے بھیجے تاکہ مزید کشت و خون نہ ہو، مگر قسطنطین نے اس کا جواب دیا کہ

جزیہ پر صلح کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن قسطنطنیہ دے کر صلح نہیں کر سکتا ہوں۔ اس کے لیے تو میں عہد کر چکا ہوں کہ یا قسطنطنیہ کے تخت پر میں رہوں گا یا قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے دفن ہو جاؤں گا۔

سلطان نے بھی جب اس جواب کو سنا تو یہی کہا کہ میں بھی قسطنطنیہ کو نہیں چھوڑ سکتا ہوں اب یا تو قسطنطنیہ کا تخت میرے قدموں کے نیچے آئے گا یا وہاں میری قبر بنے گی۔

سلطان کے ساتھ ساتھ اس کے لشکر کے عزم و حوصلہ کا بھی یہی حال تھا۔ چنانچہ جب سلطان نے اپنی جنگی کونسل کا اجلاس منعقد کر کے عام حملہ کا فیصلہ کیا اور پھر اپنے سپہ سالار کو ہدایت کی کہ وہ اس فیصلہ پر فوج کا ردعمل معلوم کرے۔ تو سپہ سالار نے جونہی لشکر میں اس بات کا اظہار کیا کہ سلطان معظم عام حملے کا حکم دینے والے ہیں، ان کی زبانوں سے مارے خوشی کے نعرے بلند ہونے لگے۔

یہ فیصلہ غالباً ۲۵ مئی کو ہوا، سلطان نے طے کر لیا کہ اب اس فیصلہ کو بلا تاخیر عملی جامہ پہنانا ہے۔ چنانچہ منجملہ دیگر تیاریوں کے حکم ہوا کہ ۲۷ مئی کو پورا لشکر روزہ رکھے۔ ۲۸ تک حملہ کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے۔ ۲۹ کی شب میں سلطان نے اپنے افسران کو جمع کر کے ضروری ہدایات دیں، جہاد کے سلسلہ کے لیے مخصوص احکام یاد دلائے کہ شریعت نے اس باب میں کیا کیا پابندیاں عاید کی ہیں نیز فتح قسطنطنیہ کی اہمیت بیان کی کہ دنیوی نقطۂ نظر سے سلطنت عثمانیہ کے حق میں اس کے کیا فوائد ہیں، اور دینی نقطۂ نظر سے یہ کتنا بڑا اعزاز ہے اور اس کے بعد پورا لشکر صبح کو تازہ دم ہو کر اٹھنے کے لیے آرام میں مصروف ہو گیا۔

رومیوں کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ ترک اب کسی بڑے حملہ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ چنانچہ وہاں بھی مدافعت کے لیے ہر ممکن تیاری کی جانے لگی۔ ۲۹ کی شب میں قسطنطین نے بھی اہل قسطنطنیہ کے سامنے ایک پر جوش تقریر کی اور انھیں فوج کے شانہ بشانہ جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔

**فیصلہ کن حملہ اور فتح**

۲۹ مئی (۱۴۵۳ء) مطابق ۲۰ جمادی الاول (۸۵۷ھ) کی صبح ہوتے ہی عثمانی لشکر میں طبل جنگ بجا اور لشکر تیار ہو کر قسطنطنیہ کی فصیل کی طرف بڑھنا شروع ہوا، حملہ کی ابتدا عثمانی لشکر کے میسرہ (بائیں بازو) نے کی۔ یہ حصہ جب فصیل شہر سے ایک تیر کی زد پر پہونچ گیا تو رک کر تیر اندازی شروع کی۔ مدافعین نے بھی جواب میں تیر چلائے۔ طرفین سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی کہ ترکوں کی ایک جماعت تیروں کے سایہ میں بڑھ کر فصیل کے نیچے پہونچ گئی

اور آن کی آن میں سینکڑوں کمندیں ڈال کر فصیل پر چڑھنے لگے۔ رومی پوری طاقت سے مزاحم ہوئے۔ ترک مع کمندوں کے زمین پر آرہے۔ بار بار کی کوشش میں کچھ اوپر چڑھنے میں کامیاب بھی ہوگئے، مگر رومی انھیں برابر نیچے ڈھکیلتے رہے۔ یہ جنگ کوئی دو گھنٹے تک جاری رہی اور اس کے بعد محمد فاتح نے میسرہ کو واپس بلالیا۔

رومی خوش ہوئے کہ انھوں نے ترکوں کو پسپا کردیا۔ مگر فوراً ہی عثمانی میمنہ (دایاں بازو) حرکت میں آیا اور بڑی شدت کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ اب رومیوں نے اپنی پوری طاقت اس کے مقابلہ میں جھونک دی۔ یہاں بھی کچھ ترک فصیل پر پہونچ جانے میں کامیاب ہوگئے۔ مگر ترک سپاہیوں کا نقصان زیادہ ہورہا تھا، فاتح نے جب یہ صورت دیکھی تو فوج کو واپس بلالیا اور توپ خانہ کو حکم دیا کہ بہت قریب سے فصیل کے اس حصہ پر گولہ باری کی جائے۔ اور شدید گولہ باری کے بعد جب دھواں چھا گیا تو میمنہ کو پھر بڑھنے کا حکم دیا۔ لیکن رومی اس دوسرے حملہ کو بھی جھیل لے گئے۔ اور کافی دیر کی جنگ کے بعد محمد فاتح کو پھر میمنہ کی واپسی کا حکم دینا پڑا۔

اب کی تو گویا، رومیوں کو، ترکوں کی پسپائی کا بالکل یقین ہوگیا۔ رومی لشکر میں فتح و ظفر کے نعرے بلند ہونے لگے، رومی سپہ سالار جان جسٹینیان جو اس مدافعت کے ہیرو، اور اس کی کامیابی کا اصل باعث تھا۔ اس نے بڑے فخر کے ساتھ شہنشاہ قسطنطین سے کہا عالیجاہ آپ مطمئن ہوجائیے، ہماری تلواروں نے دشمن کو پسپا کردیا ہو۔ لیکن اس غلط فہمی کے ماتحت انھوں نے ذرا سستانے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ترکوں نے توپوں کے منھ کھول دیے، اور اب قلب لشکر نے بڑھنا شروع کیا، قلب لشکر بنفس نفیس سلطان کی قیادت میں بڑھا۔ خندق پر پہونچ کر سلطان نے لشکر کو ذرا روکا اور تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ تیر برسائیں اور شدت سے برسائیں کہ رومی فصیل سے اوپر سر نہ نکال سکیں۔ اور پھر لشکر کو تیروں کی حفاظت میں آگے بڑھایا جو غضب کی پھرتی سے فصیل کے نیچے جا پہونچا، اور کمندیں ڈال کر آن کی آن میں ترک سپاہی فصیل کے اوپر جا پہونچے اور ایک بار پھر زور و شور سے جنگ چھڑ گئی۔ فریقین نے سمجھ لیا کہ بس یہ آخری معرکہ ہے۔ اس میں جو جیتا وہ جیتا اور جو ہارا سو ہارا۔ رومیوں کی ہمتیں بلند تھیں کہ وہ ایسے دو حملے پسپا کرچکے تھے۔ رومی سپہ سالار جو غضب کا لڑاکا اور جانباز تھا وہ صبح سے بذاتِ خود ہر ہر محاذ پر لڑ رہا تھا بجلی کی طرح کبھی یہاں کودتا تھا کبھی وہاں، یہ چیز رومیوں کی ہمت اور بڑھائے ہوئے تھی مگر ترکوں نے

بھی یہ آخری حملہ بڑی بے جگری کے ساتھ کیا تھا، بعض ترک سپاہیوں نے اس حملہ میں جاں سپاری کے عجیب عجیب نمونے پیش کیے اور بالآخر اُن کا یہ عزم و استقلال رنگ لایا، رومی سپہ سالار شدید طور پر زخمی ہوگیا۔ اس کا میدان سے ہٹنا تھا کہ رومی فوج بھی چھوٹ گئی۔ اور اب اگرچہ لشکر کی قیادت قسطنطین نے خود اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مگر رومیوں کے حوصلہ پر ایک زبردست ضرب پڑ چکی تھی اور اُدھر ترکوں کے حوصلے بڑھ چکے تھے۔ اب ترکوں کے حملے اور تیز ہو گئے، اور پھر سلطان بھی یہ محسوس کرکے کہ اب فیصلہ کی گھڑی آپہونچی اور ضرورت ہو کہ فوج کے جوش کو آخری نقطہ تک پہونچا دیا جائے بذات خود حملہ میں شریک ہوگیا سلطان کو اپنے دوش بدوش دیکھ کر تو پھر فوج کے جوش کا کوئی ٹھکانا نہ رہا، اور آخر کار وہ لمحہ آگیا کہ باب ادرنہ کے قریب ایک بُرج پر عثمانی جھنڈا بلند ہوگیا

قسطنطین یہ دیکھ کر اس طرف کی خبر لینے کے لیے جھپٹا، مگر اس وقت شہر میں ترکوں کا داخلہ شروع ہو چکا تھا۔ قسطنطین گھوڑے سے اُتر پڑا، شاہی لباس جسم سے الگ کر دیا۔ اور تلوار سونت کر ترکوں پر حملہ آور ہوا، یہاں تک کہ ایک ترک کی تلوار نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور اسی دم اس بچاس روزہ صبر آزما جنگ کا فیصلہ ترکوں کے حق میں ہوگیا۔

# انتخاب

## اپنوں کی فسق نوازیاں

علی گڑھ سے ایک مکتوب :-

صدق میں آپ کا نوٹ علی گڑھ کی ناچتی ہوئی "کلچر" پر پڑھا۔ اب اس پر توجہ دلانے والے بھی خال خال ہی رہ گئے ہیں۔ قرب قیامت کی جو علامتیں حدیث میں پڑھی تھیں وہ ایک ایک کرکے سامنے آرہی ہیں، اور واقعی بات ہے کہ ہم ایسے معمولی ایمان والوں کو اب ایمان سلامت رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ تین ہی چار سال کے اندر یونیورسٹی کے حدود کے اندر ناچ گانا اتنا بڑھ گیا ہے کہ اب اس میں کوئی بات ہی نہیں رہ گئی ہے، اور اسے مسلمات میں سمجھا جانے لگا ہے۔ یعنی بغیر اس کے یونیورسٹی چل ہی نہیں سکتی۔ زیادہ نہیں چند ہی سال پہلے کوئی خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ گانا بجانا جیسی غیر اسلامی چیز اس حلقہ میں یوں بار پا جائے گی اور اس کی حوصلہ افزائی سرکاری طور پر ہوتی رہے گی۔ اسے برا سمجھنے والے الحمد للہ اب بھی یہاں بہت سے ہیں جیسا کہ نجی صحبتوں اور گفتگوؤں سے بالکل ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ لیکن اسے کیا کیجیے کہ کھل کر کہنے کی ہمت کسی کی نہیں ہوتی۔"

اور کمال یہ ہے کہ اس فسق نوازی کی عین ترویج کے وقت بھی یونیورسٹی کی جماعت انتظامی میں ... ... ... ... ... ... ... ... ... ... ... ... ... ... ... جیسے عالم و فاضل موجود ہیں۔ اور انتظامیہ میں اور بھی صحیح عقائد کے مسلمان شامل ہیں۔ اور یونیورسٹی کے چانسلر شیخ الجمہر ملا طاہر سیف الدین جیسے دیندار اور دینی خیال کے بزرگ ہیں ـــــ جس قوم کا سب سے بڑا تعلیمی ادارہ خود اپنی تفضیح اور فسق نوازی پر آجائے اس کی عزت، عصمت و شرافت کا احترام بیرونی دنیا میں کس کے دل میں باقی رہ سکتا ہے ؟۔

ـــــــــــــ (صدق جدید۔ لکھنؤ)

## اپنوں کے کرتوت

لاہور سے ایک ذمہ دار صاحب ایمان اہل قلم کا مکتوب :-

.... "گردوپیش بے ایمانیوں اور غداریوں کی کوئی انتہا نہیں رہی ہے۔ صرف ایک مثال سُنیے جناب [ ہندوستان کی ایک بڑی دینی اور روحانی نسبت رکھنے والی شخصیت کا نام ہے ] ..... نے ۵ کروڑ کی بڑی جائداد کا کلیم داخل کیا ہے۔ میں اپنے علم و یقین کے ذریعہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر اسے قطعاً دروغ اور باطل جانتا ہوں، خیال فرمائیں۔ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ جب ایسے ایسے لوگ یہ کچھ کرنے پر اُتر آئیں تو زمین و آسمان کس کے سہارے ٹکیں گے ..... خدا کی قسم اندھیرا ہو رہا ہے۔ سچ بولنا تو خودکشی کے مرادف ہو گیا ہے۔ دروغ و کذب میں فلاح ہی فلاح ہے۔"

اور یہ پہلی آواز نہیں ہے۔ جو پاکستان سے اس نوعیت کی بلند ہوئی ہے۔ غلطی ابتداء سے انھیں لوگوں کی ہے جو پاکستان کسی دینی عقیدہ کی حمایت میں ہجرت کر کے نہیں گئے، بلکہ محض یہ فرض کر کے کہ وہ کوئی ایسا ملک ہے جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ چلے گئے۔ ایسے حضرات کا جانا پاکستان کے حق میں ذرا بھی مفید نہ ہوا۔ الٹا اس پر بار ہر طرح کا پڑ گیا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر وہ کروڑوں کے معاوضے افراد کو دینا شروع کر دے، تو چند ہی روز کے اندر اس کا دیوالہ نکل جائے ـــــ بدقسمتی اور انتہائی بدقسمتی کی بات ہے کہ پاکستان کے بدترین دشمن خود پاکستان کے اندر موجود ہیں، باہر نہیں۔ اور بات کچھ انفرادیا ایک آدھ طبقہ تک محدود نہیں، عالم و عامی، حاکم و محکوم کہنا چاہیے کہ سب ہی ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

ـــــــ (صدق جدید۔ لکھنؤ)

## نامذہبی حکومت

مذاہب کی عالمی کانفرنس (ورلڈ کانفرنس آف ریلیجنس) کے نام سے دہلی میں جو جلسہ عظیم جین مذہب کے ایک مقتدا جین منی شری سوشل کمار ۱۸ ار ۱۹ ار نومبر کو کر رہے ہیں اور جس کے مقاصد میں وحدت دین اور اہسا یعنی غذائے حیوانی سے پرہیز بھی ہے۔ اس کے لیے اسٹیٹسمین کے اسٹاف رپورٹر کی اطلاع ہے کہ "اس کا افتتاح صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کریں گے اور اس کی صدارت نائب صدر جمہوریہ سر رادھا کرشنن"۔

اور یہ صدر جمہوریہ اور نائب صدر جمہوریہ دونوں کرتا دھرتا اس سرکار کے ہیں جو "سیکولر" یا "نامذہبی" ہے! ـــ خوشا نصیب اس جین مت کے جس کو سرپرست ایسے ایسے میسر آجائیں۔

ـــــــ (صدق جدید۔ لکھنؤ)

**بلا تبصرہ**

نرسنگ ڈیل نیویارک، ۲۰ اکتوبر۔ ایک حسین ترین خاتون مسز ماریتا کل جو مسز لاگ آئی لینڈ ابھی ابھی منتخب ہوئی تھیں، اور جن کی تاج پوشی ملکۂ حسن کی حیثیت سے ابھی کل ہی ہونے والی تھی، ہیلی کاپٹر کے حادثہ میں عین اس مجمع کے سامنے جو ان کے کمال حسن و جمال پر انھیں مبارکباد پیش کرنے کو اکٹھا ہوا تھا، ہیلی کاپٹر سے گر کر معاً ہلاک ہو گئیں۔ وہ اپنے پبلسٹی ایجنٹ کے ساتھ مصروف پرواز تھیں کہ اچانک ان کا جہاز ایک ستون سے ٹکرایا اور وہ فی الفور ختم ہو گئیں۔

(صدق جدید۔ لکھنؤ)

**موسیقی اور عبادت**

ریڈیو موسیقی کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے صدر جمہوریہ ہند نے ملک کے موسیقاروں کو خراج تحسین پیش کیا اور اس فن کی ہمت افزائی فرمائی آپ نے موسیقی کی گہرائیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "— قدیم زمانہ سے موسیقی ہمارے پوجا پاٹھ اور مذہبی زندگی کا جزو رہی ہے —" بلا شبہ ہندو دھرم اور موسیقی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور اسے ہمیشہ مذہبی عبادت کا رکن تسلیم کیا گیا ہے، لیکن خوش قسمتی یا بدقسمتی سے کچھ مذاہب ایسے بھی ہیں جنھوں نے موسیقی کو پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں دی۔ اس کا رجحان اس کی مخالفت میں رہا ہے۔ انفرادی طور پر بہت سے مسلمان موسیقی کے شائق پائے گئے۔ لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ اسے لہو و لعب سے زیادہ وقعت نہیں دیتا۔ صدر جمہوریہ ہند نے بہت اچھا کیا کہ ہندو مذہب کے نقطۂ نظر سے موسیقی کی صحیح پوزیشن واضح کر دی، اور یہ بتا دیا کہ ہندو دھرم میں موسیقی کو ہمیشہ سے عبادت کا درجہ حاصل رہا ہے۔

(الجمعیۃ دہلی)

---

**تعارف و تبصرہ — بقیہ صفحہ ۵۴**

چیزوں کی ضرورت ہے اور یہ چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں کس حد تک پائی جاتی ہیں۔ ان سوالات کو بنیاد بنا کر جناب ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی نے پیش نظر مقالہ تحریر فرمایا ہے، جسے سیرت کمیٹی لال باغ لکھنؤ نے مفت تقسیم کرنے کے لیے شائع کیا ہے — تعلیم یافتہ طبقہ میں آنحضرت کی ذات گرامی کے تعارف کی یہ ایک اچھی کوشش ہے۔

"سیرت کمیٹی لال باغ لکھنؤ" سے مفت طلب کیا جا سکتا ہے۔

# تعارف و تبصرہ

**اسلامی کشکول** از قاضی مظہر الدین احمد صاحب بلگرامی، ضخامت ۲۰۰ صفحات، کتابت طباعت اور کاغذ بہتر ــــــ مجلد قیمت ــــــ تین روپے

ناشر ــــــ کتب خانہ انجمن ترقی اردو ــــــ جامع مسجد، دہلی

قاضی مظہر الدین احمد صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں دینیات کے استاذ ہیں، انگریزی تعلیم کے ماحول میں، نوجوانوں میں مذہب اور مذہبی تعلیمات کے متعلق جو طرز فکر پیدا ہوتا ہے، قدرتی طور سے وہ اس سے واقف ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب قاضی صاحب موصوف نے نوجوانوں کے اسی خاص ذہن کو سامنے رکھ کر لکھی ہے اور کوشش کی ہے کہ مختلف شعبہائے حیات میں اہم اسلامی تعلیمات کو ایسے انداز میں پیش کریں کہ یہ ذہن انھیں آسانی سے قبول کر سکے۔ اس سلسلہ میں ان کے پیش نظر کوئی خاص ترتیب نہیں ہے، اس لحاظ سے کتاب کا نام کشکول بجا ہے۔ مندرجات کا ہلکا سا اندازہ بعض عنوانات سے ہو سکے گا۔

پہلا باب "عقل انسانی کے حدود" دوسرا "مذہب کی ضرورت اور اس کے فوائد" چوتھا "اسلام کا مذہبی تصور"۔ شروع کے چار باب گویا تمہیدی نوعیت کے ہیں۔ اس کے بعد اسلام کے بنیادی عقائد پر روشنی ڈالی گئی ہو۔ پھر دو باب الگ الگ قرآن و حدیث پر ہیں۔ آخر کے تین باب یہ ہیں "اسلامی رواداری" "اسلامی مساوات" "اسلام میں عبادات و اخلاق کا باہمی تعلق"

کتاب کا نام کشکول رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ اس کا ایک بڑا حصہ دوسرے مصنفین کی کتابوں اور مقالوں سے ماخوذ ہو۔ جن کے حوالوں کا التزام کیا گیا ہو۔ ہمیں امید ہو کہ اس کتاب سے معقول قسم کے عقلیت پسند نوجوانوں کو کافی فائدہ پہونچے گا۔ (کتب خانہ الفرقان سے بھی طلب کی جا سکتی ہو)

**مشاہیر جنگ آزادی** از جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی ناشر محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی۔ کاغذ معمولی صفحات ۴۰۰۔ قیمت مجلد ۴/۸

۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۶ء تک ہندوستان کی قومی تحریکات میں جن لوگوں نے حصہ لیا، اس کتاب میں ان سب لوگوں کا مختصر تذکرہ ہے۔ شروع کے چند صفحات میں ۱۸۵۷ء سے پہلے کی بھی بعض شخصیتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے صاحب تذکرہ حضرات کے حالات معلوم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی ہے۔ جس جس کے بارے میں جتنا وہ آسانی سے لکھ سکے لکھدیا ہے، حتیٰ کہ بعض اہم حضرات کا تذکرہ صرف چند سطروں میں ہے، پھر بہت سوں کی نہ تاریخ پیدائش نہ تاریخ وفات، اُن کے کام کے خاص زمانہ کے تعین کا تو سوال ہی کیا۔

**ردِ عقائد بدعیہ حصہ اول** از جناب مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی۔ صفحات ۱۶۰ قیمت ایک روپیہ ملنے کا پتہ۔ مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی دار الاقامہ ۱۶/۵ پانڈے حویلی۔ مدنپورہ۔ بنارس۔

اہل بدعت کے مخصوص عقائد کی تردید مصنف کے پیش نظر ہے۔ اس سلسلہ کا ایک اہم عقیدہ "علم غیب" کا عقیدہ ہے۔ زیر تبصرہ کتاب میں اسی پر کلام کیا گیا ہے۔ اور کلام کی نوعیت یہ ہے کہ صرف اہل بدعت کی دلیلوں کا جائزہ لیا گیا ہے 'اولاً علمی' یا کہئے کہ درسی زبان میں اور ثانیا عام فہم انداز میں۔ امید ہے کہ اس مسئلہ پر یہ کوشش مفید ثابت ہوگی۔ کتاب کے دوسرے حصہ میں مصنف کا ارادہ اس قسم کے دوسرے مسائل پر کلام کرنے کا ہے۔

**(۱) رہبر حج** از سید محمد احمد کاظمی ایڈوکیٹ۔ صفحات ۱۲۳۔ قیمت ۱/۸ ملنے کا پتہ۔ مکتبہ علمیہ، قاضی اسٹریٹ۔ میرٹھ۔

**(۲) کلید روزگار** از کیو۔ ایم۔ اے۔ صدیقی ۹۰ " ۱/- ملنے کا پتہ۔ مکتبہ علمیہ، قاضی اسٹریٹ۔ میرٹھ۔

(۱) جناب سید محمد احمد صاحب کاظمی نے ۵۵ء میں زیارت حرمین کی سعادت حاصل کی۔ اور اپنے تجربات کی بنا پر مفید سمجھا کہ بعد میں آنے والوں کے لئے ایک رہبر (گائڈ) مرتب کی

جائے۔ پیش نظر کتاب "رہبر حج" اسی تقاضہ کی تکمیل ہے۔ جس میں کاظمی صاحب نے اپنے سفر کی روداد بھی بڑے اچھے انداز میں شامل کردی ہے اور حرمین شریفین کی تاریخ اور جغرافیائی حیثیت پر بھی بقدر ضرورت روشنی ڈالی ہے۔ اس سلسلہ میں متعدد نقشے اور فوٹو بھی کتاب میں شامل کئے گئے ہیں ہماری نظر میں یہ سفرنامہ باوجود اختصار کے بہت مفید اور پر از معلومات سفرناموں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے اور حجاج وغیر حجاج سب کے مطالعہ کے لائق ہے۔

(۲) اس کتاب میں ادویات اور بعض دیگر ضروریات کے کچھ نسخے اس مقصد سے درج کئے گئے ہیں کہ ضرورت مند اور بے روزگار لوگ اس ذریعہ سے روزگار حاصل کر سکیں۔

---

**اسلامی عبادات اور اخلاقی تعلیمات**

از مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی۔ صفحات ۹۶۔ قیمت ایک روپیہ
ناشر: آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔ علی گڈھ۔

مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایڈیٹر برہان نے، غالبا آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی فرمائش سے یہ مختصر سا رسالہ بہت آسان اور واضح انداز میں مرتب فرمایا ہے۔ پہلے عبادات کا حصہ ہے جس میں نماز روزہ وغیرہ تمام اسلامی عبادات کا طریقہ، فرائض و سنن وغیرہ کی تفصیل اور متعلقہ احکام بیان کیے گئے ہیں۔ دوسرے حصہ میں اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو سادہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ نو عمر لڑکوں لڑکیوں اور کم پڑھے لکھے مردوں اور عورتوں کے لئے انشاء اللہ یہ رسالہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

**اقامت صلوٰۃ**

مرتبہ مولانا محمد عبد الحلیم صاحب قاسمی۔ صفحات ۸۰۔ قیمت مجلد -/۱
غیر مجلد بارہ آنے۔ ناشر: شعبہ تبلیغ و اشاعت جامعہ حنفیہ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔

اس رسالہ پر پہلے بھی ایک مرتبہ تبصرہ نکل چکا ہے۔ اس میں اقامت صلوٰۃ کی اہمیت، نماز کے شرائط اور فرائض و واجبات وغیرہ اور بعض ضروری مسائل حنفی مسلک کے ماتحت بیان کئے گئے ہیں۔

---

**سرور کائنات**

از ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی ایم اے پی ایچ ڈی۔ شائع کردہ سیرت کمیٹی لال باغ لکھنؤ۔

کائنات کی سروری اور دنیا کی رہنمائی کے منصب پر فائز ہونے کے لئے کن کن

(باقی بر صفحہ ۱۵)

## کتب متعلقہ قرآن مجید

تفسیر ابن کثیر (ترجمہ اردو) ۵ جلد مکمل مجلد ۵۵/-
تفسیر بیان القرآن مکمل ۱۲ جلد ۹۰/-
تفسیر ماجدی جلد اول مجلد ۱۳/-
" " دوم " ۱۳/-
" " سوم " ۱۳/-
" " چہارم " ۱۳/-
الحیوانات فی القرآن ۳/-
قرآنی جغرافیہ ۱/۴/-
قصص القرآن مکمل ۴ جلد ۲۱/-
قرآن اور تصوف ۲/-
قرآن اور تعمیر سیرت ۵/-
رہنمائے قرآن ۱/-
لغات القرآن جلد اول ۴/-
" " دوم ۴/-
جلد سوم ۴/- جلد چہارم ۵/-
قاموس القرآن ۶/-
ترجمہ قرآن کا مکمل نصاب از مولانا محفوظ الرحمن صاحب ۲/۸/-

## حدیث شریف سے متعلق کتابیں

ترجمہ صحیح بخاری شریف مکمل ۳ جلد مجلد ۳۳/-
ترجمہ جامع ترمذی مکمل ۲ جلد مجلد ۱۶/-
ترجمہ مشکوٰۃ شریف مکمل ۴ جلد مجلد ۱۶/-
ترجمہ موطا امام مالک مع عربی متن مجلد ۱۲/-
مشارق الانوار اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ مجلد ۱۲/-
حصن حصین مع ترجمہ اردو مجلد ۴/-
کتاب الصلوٰۃ از امام احمد بن حنبل ۱/۸
ترجمان السنۃ از مولانا بدر عالم صاحب جلد اول ۱۰/- دوم ۹/- سوم ۱۰/-

## تالیفات مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

تاریخ دعوت و عزیمت جلد اول ۶/-
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ۴/۸
اصلاحیات ۱/۴ - دو ہفتے ترکی میں ۱/-
پیام انسانیت -/۱۰/-
مقام انسانیت -/۱۰/-

**ہر مسلمان کے گھر میں یہ کتابیں ضرور رہنی چاہئیں۔ زبان آسان و شیریں معلومات مستند**

سراپائے رسول ﷺ -/۱۳/-
رسول پاک ﷺ کی صاحبزادیاں -/۱۲/-
ہمارے نبی ﷺ کے صحابہ ۱/۱/-
رسول اللہ کے دو محبوب -/۸/-
عہد نبوی ﷺ کے دو بچے ۱/۱/-
درسگاہ نبوی ﷺ کے دو طالب علم ۱/-/-
امام حسن -/۱۲/-

## تالیفات مولانا عبدالباری صاحب ندوی

جامع المجددین مجلد ۵/-/-
تجدید تصوف و سلوک " ۵/-/-
تجدید تعلیم و تبلیغ ۳/-/-
تجدید معاشیات ۵/-/-

## تالیفات حضرت شیخ الحدیث مدظلہ

حکایات صحابہ ۲/- فضائل نماز -/۱۲/-
فضائل تبلیغ -/۶/- فضائل قرآن -/۱۲/-
فضائل رمضان -/۱۲/- فضائل حج ۲/-
فضائل صدقات اول ۲/۸ دوم ۲/۱۲

## تالیفات مولانا احتشام الحسن صاحب

حقیقت ذکر مجلد ۲/۱۲ دینی نظام [illegible]
تجلیات کعبہ ۲/- تجلیات مدینہ ۲/۸
ارکان اسلام ۱/۸ اسلامی زندگی [illegible]
شاہراہ ترقی -/۱۲/- بے بسی کا علاج [illegible]
اصلاح معاشرت -/۵/-
حیات مختصرہ -/۱۰/-

## ایمان اور ایمانی غیرت پیدا کرنے والا ہمارے بچوں کا نصاب

اللہ کے رسول -/۶/- حضرت ابوبکر -/۶/- حضرت عمر -/۶/- حضرت عثمان -/۶/- حضرت علی -/۶/- اچھا قاعدہ -/۲/- اچھے قصے -/۶/- اچھی باتیں [illegible]

## کتبخانہ الفرقان کی مطبوعات ایک نظر میں

معارف الحدیث جلد اول مجلد ۳/۱۲
" " غیر مجلد ۲/۱۲
اسلام کیا ہے؟ مجلد کاغذ قسم اعلیٰ ۳/۸
" غیر مجلد قسم دوم ۱/۱۲
کلمہ طیبہ کی حقیقت -/۶/-
نماز کی حقیقت -/۱۲/-
آسان حج -/۶/-
انیس نسواں -/۱۲/-
قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ -/۶/-

سوانح حضرت مولانا محمد الیاس ۳/۸
ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس ۱/۸
امام ولی اللہ دہلوی از مولانا سندھی مرحوم ۱/۴/-
اسلام اور نظام سرمایہ داری -/۸/-
بوارق الغیب حصہ دوم ۱/۴/-
معرکۃ القلم (فیصلہ کن مناظرہ) ۱/۴/-
شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین کے الزامات ۱/۸/-

## مختلف موضوعات پر منتخب کتابیں

رسول اکرم کی سیاسی زندگی مجلد از ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ۳/۸/-
عہد نبوی میں نظام حکمرانی (از ڈاکٹر حمید اللہ) ۴/۸
امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی مجلد از مولانا گیلانی ۱۲/-
تدوین حدیث مجلد از مولانا گیلانی [illegible]
اسلامی کشکول از جناب نظر الدین بلگرامی (مسلم یونیورسٹی علیگڈھ) مجلد [illegible]
رسول اللہ کے مکتوبات و معاہدات ۳/-/- مجلد ۳/۴/-
حضرت خالد بن ولید -/۱۲/-
تاریخ مشائخ چشت ۱۲/-/-
حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی مجلد ۶/-/-
سوانح قاسمی (از مولانا گیلانی) جلد اول -/۶/- دوم -/۶/-
جلد سوم ۲/۸/-
حیات انور مجلد ۴/-/-
تاریخ دیوبند (از سید محبوب رضوی) ۲/-/-
ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ۸/-
ایک مظلوم اور بدنام مصلح (محمد بن عبدالوہاب) ۲/۸
سد باب ذریعہ (ابن قیم کی ایک اہم کتاب کا اردو ترجمہ) -/۱۶/-
معارف القرآن اسلامی تعلیمات کا خلاصہ قیمت ۱/۸
الجواب المتین (ڈیڑھ سو فقہی سوالات کا جواب صرف احادیث نبوی سے دیا گیا ہے) قیمت -/۸/-
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۸ جلد ۲۰/-
اختری بہشتی زیور ۱۲/-

## الفرقان کا

# افادات گیلانی نمبر

- یادگاری نمبروں کی عام شاہراہ سے ہٹ کر ایک نیا تجربہ۔۔ جسے اہل نظر نے قابل تقلید ٹھہرایا!
- مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے چار بیش قیمت مضامین کا مجموعہ ـــــ جو علم و دین کا ایک انمول خزانہ ہے۔

**مولانا گیلانیؒ** ـــــ فکر و نظر کی وسعت، علمی جامعیت اور ذہانت میں اپنی مثال آپ تھے۔

ان کی ژرف نگاہی اور نکتہ رسی نے نکات و تحقیقات کے وہ گل کھلائے جو سدا بہار ہیں۔

انھوں نے تنہا تحقیق و تصنیف کا اتنا کام کیا جو یورپ میں ادارے اور انجمنیں کرتی ہیں۔

**غرض ـــــ وہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے**

اس نمبر میں مولانا مرحوم کے چار اہم مضامین کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اس میں مولانا کا وہ مضمون بھی شامل ہے جو سورہ کہف سے متعلق تفسیری انداز میں اکیس قسطوں میں شائع ہوا تھا اور بالاقساط شائع ہونے کی وجہ سے اس کی قدر نہیں پہچانی جا سکی تھی ـــــ اب یکجا شائع ہونے پر لوگ محسوس کر سکتے ہیں کہ وہ کس قدر

**بلند پایہ اور معرکۃ الآرا چیز ہے**

یہ مضمون مولانا کی ژرف نگاہی اور نکتہ رسی کا ایک نادر نمونہ ہے جس میں سورہ کہف کے ایک ایک لفظ سے حقائق و معانی کے بلا مبالغہ دریا بہا دیے گئے ہیں ـــــ اس مضمون میں دکھایا گیا ہے کہ مغربی علوم و افکار اور تہذیب و تمدن سے (جو دجالی فتنہ کا پیش خیمہ ہے) سورہ کہف کا کتنا قریبی تعلق ہے۔ سورۃ کے الفاظ میں اس تہذیب و تمدن اور ان علوم و افکار کی طرف کیا کیا تنقیدی اشارات پوشیدہ ہیں۔ اس تہذیب و تمدن اور ان علوم و افکار کے جو بھیانک نتائج آج سامنے آ رہے ہیں، قرآن ان پر کن الفاظ میں ۱۴ سو برس پہلے تنبیہ کر چکا ہے۔ اور ان نتائج کا مقابلہ کرنے کے لیے اس نے اہل ایمان کو کیسے کیسے لطیف انداز میں کیا کیا ہدایات دی ہیں۔

**نمبر کی قیمت دو روپیہ دس آنے مع محصول ڈاک ۔۔۔۔ ضخامت ۲۱۵ صفحات**

## نوٹ

محرم کا شمارہ ختم ہو جانے کی وجہ سے گزشتہ اشاعت میں نوٹ دیا گیا تھا کہ گیلانی نمبر اب سالانہ خریداری میں نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن جو حضرات محرم کے رسالہ کا مطالبہ نہ کریں وہ گیلانی نمبر سالانہ خریداری کے حساب میں بھی لے سکتے ہیں۔

کلمہ طیبہ کی حقیقت
اس رسالہ میں اسلام کے کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد
رسول اللہ کی تشریح پوری تحقیق کے ساتھ دلنشین اور موثر انداز
میں کی گئی ہے اور سطر سطر کے مطالعہ سے نور یقین میں اضافہ
ہوتا ہے اور ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اردو زبان میں کم از کم ہمارے
علم میں توحید و رسالت کے متعلق کوئی اور ایسا محققانہ اور عارفانہ
رسالہ موجود نہیں ہے جس سے عقل اور جذبات اور دل و دماغ
یکساں طور پر متاثر ہوں ـــــ تازہ اڈیشن ـ قیمت
ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

نماز کی حقیقت
ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ نماز کے مقام اور
اس کی روح و حقیقت سے واقف ہونے کے لیے اور اپنی نمازوں میں
روحانیت اور نورانیت پیدا کرنے کے لیے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور
فرمائیں۔ نماز کے متعلق کتاب و سنت کے لطیف اشارات اور
آثار دین، معرفت خصوصاً امام غزالی حضرت مجدد الف ثانی
حضرت شاہ ولی اللہ کے عارفانہ افادات کا عطر کھینچ کر اس رسالہ
کی صورت میں پیش کر دیا گیا ہے
کلمہ طیبہ کی طرح یہ بھی عقل و جذبات اور دل و دماغ کو یکساں
طور پر متاثر کرتا ہے
تازہ اڈیشن ... کاغذ اور طباعت اعلیٰ ... قیمت
ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

دُنیا میں
سب سے بڑا روحانی انقلاب
پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ برپا ہوا تھا
جو لوگ اُردو زبان کے ذریعہ
اُس تعلیم و ہدایت سے واقف ہونا اور فائدہ اٹھانا چاہیں جسنے یہ انقلاب برپا کیا تھا
ہم انکی خدمت میں مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ کی تالیف
معارف الحدیث
اعتماد اور یقین کے ساتھ پیش کرتے ہیں
اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ یہ حدیث نبوی کا ایک جدید مجموعہ ہے جو دورِ حاضر کے مسلمانوں کی ذہنی و فکری
سطح کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ مصنف کی خاص کوشش
پوری کتاب میں یہ رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے جو اثرات صحابہ کرام کے قلوب پر پڑتے تھے
اِس کتاب کے ناظرین کے دلوں پر بھی وہی اثرات کسی درجہ میں پڑیں — (دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں)
جلد اوّل — جس میں ایمان اور آخرت سے متعلق ۱۳۰ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔ قیمت مجلد ۴/۸ غیر مجلد ۳/۱۲
جلد دوم — جس میں تزکیہ روح اور اصلاح اخلاق سے متعلق ۲۶۰ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے جنکے متعلق وثوق سے کہا جا سکتا ہے
کہ قرآن مجید کے بعد تزکیہ نفس اصلاح قلب اور تربیتِ اخلاق کا کوئی موثر ذریعہ ان حدیثوں سے بڑھکر دنیا کے اصلاحی ادب میں موجود نہیں ہے۔ قیمت مجلد ۵/۸ غیر مجلد ۴/۸
ملنے کا پتہ
کتب خانۂ الفرقان کچہری روڈ
لکھنؤ

# ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

## ی دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، وہ عہد ہے

اس بات کا عہد کہ ہم صرف اللہ کی عبادت و بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسی کی بھیجی ہوئی

اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت و شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی

زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اسی کا

[illegible] جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

[illegible] دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۲۰ تاریخ تک پہنچ جانی چاہیے

**پاکستان کے خریدار:۔** اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

**تاریخ اشاعت:۔** رسالہ ہر مہینے کی ۱۵ تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہے ——— اگر ۲۵ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں اگلے رسالے کے ساتھ کر بھیجدیا جائے گا۔ اگر جلدی ہو تو ۲ کے ٹکٹ ارسال فرمائیں۔

**مقام اشاعت:۔** دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

---

[illegible] تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

| غیر ممالک سے |
| --- |
| سالانہ چندہ ۱۰ شلنگ |
| اعزازی خریداروں سے |
| سالانہ ۱۵ |

فی کاپی آٹھ آنے (۸/)

| ہندوستان پاکستان سے |
| --- |
| سالانہ چندہ (بسکہ ہندوستان) ۵ |
| سالانہ چندہ (بسکہ پاکستان) ۶ |
| ششماہی ۳ |

| جلد ۲۵ | بابتہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۷ عیسوی | شمارہ ۵ |
| --- | --- | --- |




## اگر اس ◯ دائرہ میں

سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ ہو تو مطلع فرمائیں، ورنہ اگلا رسالہ بصیغہ وی پی ارسال کیا جائے گا۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۲۰ تاریخ تک پہنچ جانی چاہیے

**پاکستان کے خریدار:۔** اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

**تاریخ اشاعت:۔** رسالہ ہر مہینے کی ۱۵ تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہے ۔۔۔۔ اگر ۲۵ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں اگلے رسالے کے ساتھ کر بھیجدیا جائے گا۔ اگر جلدی ہو تو ۲ کے ٹکٹ ارسال فرمائیں۔

**مقام اشاعت:۔** دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

---

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

# خریداران الفرقان سے

## دو ضروری باتیں

(۱) گزشتہ چند ماہ سے مدت خریداری کے خاتمہ کی اطلاع پر بہت سے حضرات اس قسم کے خطوط لکھ رہے ہیں کہ ابھی ہمارا سال ختم ہونے میں ایک مہینہ باقی ہے، ابھی سے ہمارا چندہ کیسے ختم ہو گیا۔ مثلاً ہم نے گزشتہ سال جنوری سے رسالہ جاری کرایا تھا تو دسمبر کے رسالہ پر چندہ ختم ہونا چاہیئے۔ یہ نومبر ہی میں کیسے ختم ہو گیا؟ یا ہمارا چندہ کئی سال سے دسمبر میں ختم ہوا کرتا تھا امسال نومبر میں کیسے ختم ہو گیا؟ ایسے تمام حضرات کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ الفرقان کی اشاعت دراصل قمری (عربی) مہینوں کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ شمسی (انگریزی) مہینوں کے اعتبار سے نہیں ہوتی۔ انگریزی مہینہ صرف ڈاکخانہ کے قواعد کی بنا پر رسالہ پر درج کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ بجائے انگریزی مہینوں کے عربی مہینوں کے حساب سے دیکھیں کہ انکا سال کس ماہ سے شروع ہوتا ہے اور کس ماہ پر ختم ہونا چاہیئے۔ انشاء اللہ پھر کوئی خلجان نہ رہے گا۔

دوسری صورت اس خلجان کے رفع ہونے کی یہ ہے کہ انگریزی اور عربی مہینوں کی مطابقت میں ہر چوتھے سال جو ایک مہینہ کا فرق پڑ جاتا ہے خریداران کرام اسکو ملحوظ رکھیں، اسی فرق کا یہ اثر ہے کہ گذشتہ تین سال سے جس عربی مہینے کا الفرقان ستمبر میں شائع ہو رہا تھا امسال اُس مہینہ کا (یعنی محرم کا) الفرقان اگست میں شائع ہوا ہے۔ علیٰ ہذا جمادی الاولیٰ کا الفرقان جو گذشتہ تین سال سے جنوری میں شائع ہو رہا تھا امسال دسمبر میں شائع ہو رہا ہے۔ رجب شعبان سنہ ۷۶ھ کا مشترک شمارہ جس کو اسی فرق کی بنا پر بجائے مارچ اپریل سنہ ۵۷ء کے صرف مارچ کا قرار دیا گیا تھا اس میں اس بارے میں کافی وضاحت سے گزارش کر دی گئی تھی مگر غالباً وہ بات ناظرین کے ذہن سے نکل گئی۔

(۲) جن حضرات نے افادات گیلانی نمبر سے الفرقان کی خریداری شروع کی ہو انھیں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیئے کہ وہ شوال ذیقعدہ اور ذی الحجہ سنہ ۷۶ھ (تین ماہ) کا شمارہ ہے۔ لہٰذا ان حضرات کی خریداری کی مدت شوال سنہ ۷۶ھ تا رمضان سنہ ۷۷ھ ہے۔ اس شمارہ پر چونکہ انگریزی مہینہ صرف "جولائی" درج ہے (جس میں کہ اسکی اشاعت ہوئی تھی) اسلئے خطرہ ہے کہ رمضان سنہ ۷۷ھ مطابق اپریل سنہ ۵۸ء پر جب ان حضرات کو ختم مدت کی اطلاع دی جائے تو انھیں اسی قسم کا اشکال پیش آئے جس کا ازالہ اوپر کی سطروں میں کرنا پڑا ہے۔ (ناظم الفرقان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اوّلیں

آہ کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ۱۲ر جمادی الاولیٰ (مطابق ۵ر دسمبر) کو اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے، اور اپنے پیچھے ہزاروں شاگردوں، لاکھوں ارادتمندوں اور کروڑوں اہلِ عقیدت و اربابِ محبت کی ایک دنیا چھوڑ گئے جو اپنی ویرانی پر اشکبار اور دلفگار ہے اور مدتوں رہے گی۔ قدس اللہ سرہٗ و نوّر ضریحہ

آہ! کہ آج بزمِ عرفان سونی ہے، محرابِ انسانیت بے نور ہے۔ مسندِ علم کی رونق جا چکی ہے، اور محفلِ طریقت جانِ محفل کو رو رہی ہے۔

جو جانتے ہیں انھیں تو بتانا کیا، پر جو نہیں جانتے، آہ! انھیں کیسے بتایا جائے کہ اس ایک ذات سے محروم ہو کر ہم کس دولت سے محروم ہو گئے ہیں! —— آہ! وہ سلفِ صالحین کی چلتی پھرتی یادگار، وہ مجسّم زہد و ایثار، وہ پیکرِ تقدس، وہ کوہِ استقامت وہ جلوہ نمائے خُلقِ احمدؐ، اب ہم کہاں دیکھ پائیں گے؟ —— جسے دیکھ کر ایمان کے بجھے ہوئے ذرات میں تازگی پیدا ہوتی تھی جس کا قرب پا کر دلوں میں ذوقِ عمل اور تعلق باللہ کی امنگ بیدار ہوتی تھی۔ جس نے اس دورِ انحطاط میں ہر طرح کے مواقع کے باوجود زہد و ایثار ہی کو اپنی اصل دولت سمجھا، جس نے گوشۂ خلوت میں بیٹھ کر نہیں کارزارِ حیات کے اُن میدانوں میں رہ کر بھی اپنے دامنِ تقدس کو بے داغ رکھا جہاں دامنِ تقدس سنبھالے نہیں سنبھلتا اور انسان معذرت خواہ ہوتا ہے کہ ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردئی
باز می گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

جس نے چودھویں صدی میں عزیمت و استقامت کی اُن مثالوں کو دُھرایا جو ارباب عزیمت کی تاریخ میں امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے نقش کی ہیں، اور جس نے اپنے روز و شب اپنے عادات و اطوار اور اپنے اخلاق کو اسوۂ حسنہ سے اس قدر قریب کر رکھا تھا کہ بخدا پڑھا اور ناظر رہے مگر آنکھوں سے اسکی مثال نہیں دیکھی!

یہ شاعری اور عقیدت کی کرشمہ کاری نہیں، کہ لکھنے والے کی افتادِ طبع اس قسم کی عقیدتمندی سے کوسوں دور ہے۔ یہ جو کچھ قلم سے نکل رہا ہے حقیقت کا جچا تلا اظہار اور واقعات و مشاہدات کے حقیقی تاثرات ہیں۔ اور جس شخص نے بھی کھلے دل کے ساتھ مولانا کی کتابِ حیات کو دیکھنے کا کچھ موقع پایا وہ خواہ شاگرد نہو، مرید نہو بلکہ بالکل غیر اور کسی مستقل مکتب فکر کا فرد رہا ہو اسکے تاثرات بھی یہی سامنے آئے ہیں۔

سنہ ۴۲ء ۱۹ء کی بات ہے اسی قسم کے ایک صاحب نے اُس وقت کی ایک چڑھتی ہوئی شخصیت اور دین کے ایک پرزور داعی سے ملنے کے بعد ان کے ایک پرجوش رفیق سے جو الفاظ کہے تھے جو انھیں کے واسطہ سے مجھ تک پہونچے وہ آج کانوں میں گونج رہے ہیں، انھوں نے کہا تھا کہ "باتیں سب ٹھیک، مگر اسکو کیا کریں کہ اتنی ساری دیر میں یہ محسوس ہی نہوا کہ کسی دینی شخصیت کے پاس بیٹھے ہیں۔ اسکے برعکس مثلاً مولانا حسین احمد کے پاس بیٹھتے ہیں تو خدا یاد آتا ہے۔"

حقیقت یہی ہے کہ یہ مبارک ہستی جو اپنے تعلق باللہ اور اپنی باطنی کیفیات کو عمر بھر ایک راز کی طرح چھپاتی رہی اس کا چہرہ اس راز کو ہر اس شخص پر فاش کرتا تھا جس کی نظر کی راہ میں کوئی قلبی غبار نہ حائل ہو رہا ہو، اور یہ نظارۂ حالِ دل ہر اس شخص کے دل پر اثر انداز ہوتا تھا جس کے دل پر غفلت کی مہر نہ لگی ہوئی ہو۔

آہ! یہ دولت نایاب اب کہاں؟ —— اب کہاں وہ صحبتیں؟ کہاں وہ مجلسیں؟ جہاں اس آسانی سے دل بیدار ہو جاتا تھا۔ اور مدتوں کی غفلت چند لمحوں کے لئے تو کافور ہی

جاتی تھی!

آہ! کیا خلوص و للّٰہیت کا یہ نمونہ پھر دیکھنے کو ملے گا، جس نے مختلف میدانوں کے صاحبِ کمال کو اپنے کسی کمال کی قیمت وصول کرنے کی اجازت نہیں دی اور وہ اس شان سے دنیا سے گیا کہ اپنا سب کچھ لٹا گیا مگر کسی کے خراج تحسین کا بھی روادار نہوا!

اے خلوص و للّٰہیت اور استقامت کی بے پناہی کے سوا کیا کہیئے کہ تیس برس تک سیاست کی وادیٔ پُرخار میں رہکر بھی اسکی قبائے تقدس اسی طرح سلامت رہی جس طرح مدرسہ و خانقاہ کے گوشۂ عافیت میں محصور رہ کر رہ سکتی تھی۔ نہیں! بلکہ وہ انھیں روز و شب میں تقویٰ و طہارت، خوف و خشیت اور عشق و محبت کی بھی مزید منزلوں پر منزلیں طے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جب اس میدان سے پلٹا تو وہ سراپا سوز و گداز تھا!

اور استقامت کے اس مظاہرہ پر کیوں نہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی یاد آنے لگے کہ ۱۹۲۱ء میں، انگریزی فوج اور پولیس میں مسلمانوں کی ملازمت کی حرمت کا فتویٰ دینے پر جب وہ گرفتار کر کے کراچی کی عدالت میں لایا گیا تو جلال و جبروت کے دم بخود کر دینے والے مظاہروں کے بیچ میں کھڑے ہو کر اس نے ببانگ دہل پکارا کہ

"ہاں میں کہتا ہوں کہ انگریزی فوج اور پولیس میں مسلمانوں کے لئے ملازمت کرنا حرام ہے"۔

اور وہ اخلاق و کردار اور عادات و اطوار میں "خُلق احمدؐ کی جلوہ نمائی" یہ تو اسکی زندگی کا وہ حسین باب ہے کہ جس کی نظر سے اس باب کے کچھ اوراق گزر گیے وہ محبت اور والہانہ محبت کئے بغیر رہ نہ سکا۔ اور حق یہ ہے کہ "اخلاق محمدی" کی تاثیر پہ الحمد للہ ایمان تھا اور شرح صدر کے ساتھ تھا مگر مولاناؒ کو قریب سے دیکھ کر گویا (بلا تشبیہ) اس تاثیر کا مشاہدہ ہو گیا۔

مگر آہ! کیا پتہ تھا کہ یہ سب ایمان پرور اور مسرت بخش مناظر ایک دن دل کے داغ بن جائیں گے، اور پھر ان داغوں کو ہی عزیز رکھنا پڑے گا۔

رفتے گل بسیر ندیدیم و بہار آخر شد!

## صوبائی مسلم کنونشن (لکھنؤ)

ہندوستان کے تمام مسلمان عموماً اور یو،پی کے مسلمان خصوصاً جن دینی اور ثقافتی مسائل سے دوچار ہیں، ان پر ہم پہلے بھی وقتاً فوقتاً لکھتے رہے ہیں اور ادھر چار مہینے سے تو الفرقان کے ادارتی اوراق مسلسل اسی کام کے لیے وقف ہیں۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ مسائل مسلمانوں کی دینی و ثقافتی موت و زیست کے مسائل ہیں۔ اور اُن کو حل کرنے کی جدوجہد آج ہمارا سبسے اہم دینی و ملی فریضہ ہے ہمیں مسرت ہے کہ یو،پی کے کچھ متفکر مسلمانوں نے اس فرض کی ادائیگی کے لیے میدان عمل میں آنے کا ارادہ کیا ہے۔ اور وہ ابتدائے کار کے طور پر لکھنؤ میں صوبہ کے اہل الرائے اور فکرمند مسلمانوں کا ایک کنونشن اسی ماہ منعقد کر رہے ہیں۔ خدا کرے یہ کنونشن مسلمانوں کے لیے خیر کا باعث ہو۔ اور اسکے نتیجہ میں کوئی اچھا لائحہ عمل مرتب ہو جائے۔

ابتک کنونشن کے داعیوں کی طرف سے اغراض و مقاصد کے سلسلہ میں شایع کی ہوئی جو چیزیں نظر سے گزری ہیں ان کے پیش نظر ایک مشورہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ زندگی تو بہت پھیلی ہوئی ہے اور اس پھیلاؤ کی نسبت سے مسلمانوں کے چھوٹے بڑے مسائل کی فہرست کافی طویل ہے۔ کوئی ایک جماعت اگر پہلے ہی دن سے تمام مسائل یا تمام بڑے بڑے مسائل کا بیڑا اٹھا کر چلے گی تو یہ امید کرنا مشکل ہے کہ وہ کچھ بھی کر سکے گی۔ اس لئے کہ ان مسائل میں سے متعدد مسائل اس نوعیت کے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک ایک مستقل محاذ اور ایک مخصوص طریق کار چاہتا ہے — پس اگر کچھ کرنا ہے تو ضروری ہے کہ کنونشن پوری دقت نظر کے ساتھ کام کا سرا تلاش کرے اور دیکھے کہ سب سے اہم، سب سے مقدم اور ملت کی زندگی میں سب سے زیادہ بنیادی حیثیت رکھنے والا مسئلہ کون ہے۔ اور پھر اصل توجہ کا مرکز اسی مسئلہ کو بنایا جائے — بیشک مسائل تمام کے تمام توجہ کے محتاج ہیں، لیکن عمل کے میدان میں الاہم فالاہم کا اصول ناگزیر ہے۔

---

# حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

(از، مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی)

## دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے تعزیتی جلسہ کی تقریر

---

مجھے اپنی اس زندگی میں جس چیز کا بار بار تجربہ اور مشاہدہ ہوا ہے یہ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ نایاب اور مشکل کام انسان کا بر وقت پہچاننا ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے تخیل اور تجربہ کے مطابق اپنے زمانہ کے مشاہیر کا ایک نقشہ اور ایک خیالی تصویر تیار کر لیتا ہے اور اسکو مقام دیتا ہے، یہانتک کہ ایک عارف کو کہنا پڑا ہے ؎

ہر کسے از ظن خود شد یار من
وز درون من نہ جست اسرار من

لیکن بعض صورتوں میں انسان کا پہچاننا اور مشکل ہو جاتا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب اس پر کچھ اس طرح کے حجابات پڑ جاتے ہیں جو عام لوگوں میں معروف ہوں اور رجوع واجی ہوں، جن کا اپنا ایک خاص ڈھانچہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں انسان کا پہچاننا اور مشکل ہو جاتا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص اہل دنیا کے لباس میں رہتا ہے تو اندر سے وہ خواہ کچھ بھی ہو لوگ اسکی اصل حقیقت سمجھنے کے قابل نہیں ہو سکتے، ہماری نگاہیں حجابات سے پار نہیں ہونے پاتیں۔

مولانا مدنی جن کے نام کے ساتھ کل تک زبان مدظلہ العالی کہنے کی عادی تھی اور اس وقت ہم رحمۃ اللہ علیہ کہنے پر مجبور ہو رہے ہیں، کے سمجھنے میں ایک اور آہنی حجاب حائل ہو گیا ہے یہ انکی سیاسی حیثیت تھی، جیسا کہ کہا جاتا ہے اور آئندہ بھی کہا، لکھا اور شایع کیا جاتا رہے گا، مولانا

جنگ آزادی کے بہت بڑے قائد اور رہنما تھے۔ لوگوں کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہوگی اور شاید مولانا کی انتہائی تعریف اور مدح بھی جائے گی، لیکن ایسا نہیں ہے، مولانا کی اصل صورت وحیثیت اس کے پیچھے مستور رہی ہے اور اسی حجاب نے بڑے بڑے لوگوں کی نگاہوں سے انکو اوجھل رکھا ہے۔

اصل تو یہی ہے کہ جس نے پیدا کیا ہے وہ جانتا ہے کہ کون کیا ہے الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنکو دوسری حیثیتوں کے جاننے کا تھوڑا بہت موقع ملتا ہے، ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ان حجابات کو اٹھائیں اور اس شخص کی اصل صورت اور حیثیت کو سامنے لائیں، میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے بھی اس کا تھوڑا بہت موقع ملا ہے اور میں اپنے لیے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ مولانا کی زندگی کے کچھ پوشیدہ گوشے جن کو مجھے دیکھنے، سمجھنے اور جاننے کا موقع ملا ہے ان لوگوں تک پہونچاؤں جو مولانا کو اب تک کچھ اور سمجھتے رہے ہیں، میں اس وقت آپ کو سامنے رکھ کر اپنی اس آواز کو دور دور تک پہونچانا چاہتا ہوں۔

مولانا اس وقت وہاں ہیں جہاں ہماری مدح وستائش کی انکو ضرورت نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انکو اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں اس مقام پر پہونچا دیا تھا جہاں انسان مدح وذم سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اس کا تذکرہ میں اس وقت اس لئے کر رہا ہوں کہ اسکی خود ہمیں ضرورت ہے ہمیں انکی زندگی پر نظر ڈالنی چاہیے اور اسکے مفید پہلوؤں کو اپنانا اور ان سے سبق لینا چاہیے، دوسری بات یہ ہے کہ جو باتیں میں عرض کرونگا یہ وہ ہیں جو میرے ذاتی مشاہدہ میں آئیں، ان میں کوئی مبالغہ نہیں ہے، کوئی رنگ آمیزی نہیں ہے، اسلئے کہ ان واقعات کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

انکی زندگی کا سب سے پہلا، ممتاز اور اعلیٰ وصف اخلاص اور للٰہیت ہے، افسوس یہ ہے کہ الفاظ کثرت استعمال سے اپنی قیمت اور وزن کھو دیتے ہیں، اخلاص بھی انہیں لفظوں میں سے ہے، ہر معمولی دیندار اور ذرا پابند صوم وصلوٰۃ آدمی کو ہم مخلص کہہ دیتے ہیں، ہمارے نزدیک آدمی کی سب سے پہلی تعریف مخلص ہوتی ہے، حالانکہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ

مخلص ہونا انسان کی آخری اور انتہائی تعریف ہے، ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین کے مقام پر پہونچنا آسان نہیں ہے، یہ مقام نبوت کا پرتو ہے، میں نے مولانا کی زندگی میں اس جوہر کو بہت نمایاں دیکھا، ایسا کام جو اخلاص ہی پر مبنی ہو اور جو عام طور پر محض اللہ ہی کے لیے کیا جاتا ہو، اور جس میں کوئی دنیاوی اور مادی نفع نہ ہو مثلاً نماز پڑھنا، اس میں اخلاص کا قائم رکھنا زیادہ مشکل نہیں، اگرچہ یہ بات بھی پورے وثوق سے نہیں کہی جاسکتی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ایسے کاموں میں بھی مخلص خال خال اور چند ہی ایک صحیح معنی میں مخلص کہے جانے کے مستحق ہوتے ہیں، لیکن جو کام اکثر وبیشتر بلکہ تمام تر دنیاوی نفع اور فائدہ کے لیے کیے جاتے ہوں، جہاں غیر مخلصین کا مجمع ہو وہاں اخلاص کا قائم رکھنا بڑا مشکل ہے، نماز اخلاص کے ساتھ پڑھنا آسان ہے، لیکن تجارت، مزدوری، کتابوں کا لکھنا اور شائع کرنا اخلاص کے ساتھ بہت مشکل کام ہے، اور اسی لئے اللہ نے ایسے لوگوں کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے جو ایسے اعمال میں اپنے اخلاص کو قائم رکھتے ہیں، رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله واقام الصلوة

مولانا کی عظمت کا راز یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی بڑے مقرر تھے، میں آپ کے سامنے صاف کہتا ہوں کہ مولانا کوئی جادو بیان اور شعلہ بار مقرر نہیں تھے، بلکہ وہ بقدر ضرورت ہی تقریر کرتے تھے، لوگ مولانا کے سامنے اس لیے نہیں جھکتے تھے کہ وہ کوئی بڑے مصنف تھے، مولانا کا شمار ملک کے نامور وممتاز مصنفین میں نہیں، ہر شخص ان کے سامنے چھوٹا نظر آتا تھا اس لیے نہیں کہ دنیا میں ان کا جیسا کوئی عالم نہیں، میں اسکے کہنے میں کسی معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتا اور نہ اس میں مولانا کی کوئی تنقیص ہے، بہت بڑا عالم ہو جانا کوئی بڑا کمال نہیں، جو ذرا محنتی، ذہین اور فہیم ہو اور اسکو مطالعہ کا موقع ملے ایک بڑا عالم بن سکتا ہو، مولانا کی بڑائی کا راز یہ ہے کہ وہ سرتا پا اخلاص تھے، وہ اپنے ہر کام میں اور ہر وقت مخلص تھے، ان کا ادنیٰ سے ادنیٰ اور معمولی سے معمولی اور غیر دینی سے غیر دینی کام اخلاص کے ساتھ ہوتا تھا، انکی ساری سیاسی جدوجہد محض ابتغاء رضوان اللہ تھی، وہ صرف اس لیے اس میں منہمک رہے کہ وہ اسکو رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے، وہ اس سے قرب الٰہی

چاہتے تھے۔ وہ ان کے لئے "سلوک" بن گیا تھا، یہ ان کے لیے جہاد تھا اور وہ اس میں شرکت سے محض تقرب بالجہاد چاہتے تھے، جس نیت سے وہ رات کو تہجد پڑھتے تھے، آپ یقین کریں کہ اسی نیت سے وہ اسٹیج پر تقریر کرتے تھے، وہ وہاں اس نیت کے ساتھ مشغول رہتے تھے جس نیت سے وہ نوافل پڑھتے تھے، جو ثواب انکو تہجد کی آٹھ یا دس رکعتوں میں ملتا ہوگا وہ انکو رات کے کسی جلسہ کی شرکت میں ملتا ہوگا، جس طرح مجاہد میدان جنگ میں جاتا ہوگا اسی نیت سے وہ جیل خانے جاتے رہے ہوں گے، یہ آسان کام نہیں، یہ مقام وہ ہے جو صرف اہل اللہ کو بھی نہیں، کاملین اولیاء اللہ ہی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک منٹ کے لیے اپنے کو ایسے ماحول میں اللہ کے قریب سمجھنا مشکل ہوتا ہے چہ جائیکہ وہاں انھوں نے گھنٹوں، دنوں، مہینوں اور سالوں اپنے کو اللہ کے ساتھ مشغول رکھا، اسکی علامت یہ ہے کہ انکو انکی یہ سیاسی مشغولیت ان کیفیات سے دور نہیں کرتی تھی جو اس سے علٰحدہ ہوتی تھیں، جس اسٹیج پر وہ ہوتے تھے وہاں اکثر وہ لوگ ہوتے تھے جنھیں نماز کا بالکل خیال بھی نہیں ہوتا تھا اور بعض اوقات اکثریت غیر مسلموں کی ہوتی تھی۔ لیکن وہ جلسہ سے اٹھ کر کسی مسجد میں تشریف لے جاتے، وہاں اگر نماز ہو چکی ہے، کسی دوسری مسجد میں تشریف لے جاتے، جہاں جماعت ملتی وہاں پڑھتے، کہیں نہ ملتی تو اپنی علٰحدہ جماعت کرتے، یہ ایک مثال ہے۔ اس طرح کے سیکڑوں واقعات ہیں جو انکی زندگی میں پھیلے ہوئے ہیں اور انکے اخلاص وللہیت اور اللہ کے ساتھ انتہائی تعلق اور مشغولیت کی دلیل ہیں، اور یہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ آسان کام نہیں ——— یہ انکی زندگی کا پہلا جوہر ہے جس نے انکو وہ بلندی عطا کی جو ان کے سیاسی معاصرین میں سے کسی کو نہیں ملی۔

- اس اخلاص کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی اس سیاسی جد و جہد میں شروع سے حصہ لیا اور اس وقت تک حصہ لیتے رہے جب تک اس کی ضرورت تھی، لیکن جب ضرورت پوری ہوگئی اور وقت اور موقع آیا اس محنت کی قیمت وصول کرنے کا، تو انہوں نے ہاتھ کھینچ لئے، ایک وقت ہوتا ہے مزدوری کا، ایک مزد کا، مزدوری پوری کی، مسلسل کی اور محنت و مشقت سے کی، لیکن اجرت وہاں کے لیے اٹھا رکھی جہاں وہ اب ہیں، جب آزادی کا درخت لگایا جا رہا تھا اور اسکی آبیاری کے لئے خون پسینہ کی ضرورت تھی، وہ پیش پیش تھے، لیکن جب

اس درخت کے پھل کھانے کا وقت آیا اس وقت وہ اللہ کا بندہ اتنی دور جا بیٹھا جہاں اس کی ہوا بھی نہ لگ سکے، وہ آزادی سے پہلے بھی ایک مدرس تھے اب بھی وہی مدرس رہے، پہلے بھی ایک مختصر سی تنخواہ پاتے تھے اب بھی وہی پاتے رہے، آزادی کی جد وجہد کے رفیقوں اور ہم سفروں میں وہی ایک شخص تھے جن کا دامن دنیاوی منفعت کے داغ اور آلودگی سے پاک رہا، اور بلا واسطہ اور بالواسطہ وہ کسی طرح اپنے صاحب اقتدار و با اختیار رفیقوں کے ممنون نہیں ہوئے۔

۲- مولانا کی زندگی میں دوسرا نمایاں وصف انکا عزم و عالی ہمتی تھی، مسلمانوں میں بالعموم اور طبقۂ علماء میں بالخصوص قوت ارادی کی بڑی کمی نظر آتی ہے، دماغی اور ذہنی حیثیت سے بڑے بڑے ممتاز لوگ ہوں گے اور ہیں، لیکن یہ جوہر نایاب ہے، دینی و علمی حلقہ میں مولانا جس چیز میں ممتاز تھے وہ بلند حوصلگی ہے، جس چیز کو رضائے الٰہی کے لیے ضروری سمجھا اس کو انھوں نے بڑی خوش دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلا اور برداشت کیا بلکہ دعوت دی خواہ وہ کیسی ہی تکلیف دہ صبر آزما اور ہمت شکن ہو، انھوں نے اس وقت کئی کئی برس جیل کاٹے ہیں جب جیل جانا آسان کام نہیں تھا، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی بڑی چیز اور بظاہر زیادہ سخت چیز کا مقابلہ کر لیتا ہے، لیکن بعض چھوٹی چھوٹی باتوں سے قدم ڈگمگا جاتے ہیں، حکومت سے ٹکر لینا اور اسکی سختیوں اور مظالم کو برداشت کرنا آسان ہے لیکن بعض گھریلو معاملات اور گھریلو تعلقات کے سامنے پاؤں پھسل جاتے ہیں، لیکن مولانا نے ہر چیز کا مقابلہ کیا، انھوں نے کوئی کام اپنی زندگی میں اس لئے چھوڑنا کیا معنی ملتوی نہیں کیا کہ وہ مشکل ہے، ہم آپ سب جانتے ہیں کہ وہ کثرت سے سفر کرتے تھے، سیاسی وغیر سیاسی، دینی وغیر دینی حلقہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے ان کے برابر سفر کیے ہوں، پھر ان سفروں میں لوگوں سے ملنا، باتیں کرنا، تقریریں کرنا، معمولات کا پورا کرنا، جو لوگ مولانا سے قریب رہے ہیں وہ ان کے اس جوہر سے کسی قدر واقف ہیں۔ لوگوں کی دل جوئی اور محبین کی خوشی کے لیے بڑے بڑے مشکل اور طویل سفر اپنے ذمہ لے لیتے، جگہ جگہ ٹھیرتے اور عزیزوں اور دوستوں کی فرمائشیں پوری کرتے، نہ بڑھاپا ان کے لیے رکاوٹ تھا، نہ بیماری، نہ مصروفیت، پھر مختلف بلکہ متضاد مشاغل اور ذمہ داریوں کا جمع کرنا بغیر اعلیٰ درجہ کے عزم اور قوت ارادی کے ممکن نہ تھا، مولانا کو وہ حزم اور طبیعت کا استقلال ملا تھا جو ملکوں اور قوموں کی زندگی میں بڑے

بڑے تغیرات پیدا کر دیتا ہے، مگر افسوس کہ اس سے پورا فائدہ نہ اٹھایا جا سکا،

۳۔ دینی انہماک اور دینی مصروفیت، اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ان سے کچھ قریب رہے ہیں، ایسا مسلسل اور انتھک کام کرنے والا، اور نہ اکتانے اور نہ گھبرانے والا انسان کم نظر آیا ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ جو مولانا کی مصروفیت کو دیکھتے تھے وہ گھبرا جاتے تھے اور پریشان ہو جاتے تھے کہ مولانا اتنا کام کیسے کرتے ہیں، سیکڑوں آدمیوں سے ملنا، درجنوں مہمانوں کی خاطر مدارات کرنا، ایک ایک سے اس کے مطلب اور ضرورت کی بات کرنا، حتیٰ کہ تعویذ چاہنے والوں کو تعویذ دینا، پھر اسی میں حدیث کے درس کی تیاری کرنا اور کئی کئی وقت، صبح شام، ظہر بعد، عشاء بعد دیر رات تک درس دینا، اور درس بھی ایسا عالمانہ و فاضلانہ جو ان کے منصب کے مطابق تھا، پھر خطوط کا جواب دینا، جب تک خود لکھ سکنے کے قابل رہے خود ہی جواب لکھتے رہے، آخر میں دوسروں سے لکھوانے لگے تھے، لیکن پھر بھی بہت سے خطوط اپنے قلم سے لکھتے، میرا خیال ہے کہ دینی شخصیتوں میں سے کسی کے پاس اتنی ڈاک نہ آتی ہوگی جتنی مولانا کے پاس آتی تھی اسلئے کہ مولانا کی حیثیت سیاسی لیڈر کی بھی تھی، شیخ طریقت کی بھی تھی اور ایک عالم دین کی بھی تھی، مہمانوں کا اکرام کرنا، ایک ایک شخص کی طرف خصوصی توجہ، اسکی ضرورت پوری کرنا اور وہ بھی پوری بشاشت، انبساط و انشراح کے ساتھ، کرامت نہیں تو اور کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ دینی امور میں اتنا انہماک و سرگرمی، یا تو میں نے مولانا الیاس صاحبؒ میں دیکھی یا مولاناؒ میں، مولانا الیاسؒ میں اپنے رنگ میں اور مولاناؒ میں اپنے رنگ میں، رات کو دس بجے کہیں سفر سے واپس آئے، اسی وقت طلبہ کو اطلاع ہوئی کہ درس ہوگا، کیسی نیند، کہاں کا تکان، پورے نشاط کے ساتھ درس دیا، اسی میں طلبہ کے سوالات کے جوابات، اور وہ بھی غیر متعلق سوالات کے جوابات — آپ تعجب سے سنیں گے کہ حج کے سفر سے واپس آئے ہیں جس سفر کے بعد مہینوں لوگ تھکن اتارتے ہیں، اور کس طرح آئے ہیں کہ راستہ میں ہر بڑے اسٹیشن پر متعلقین و محبین سے مصافحہ کرتے، مزاج پوچھتے، ملاقات کرتے آئے ہیں، آتے ہی حکم ہوا کہ سبق ہوگا، بتائیے سیاسی لیڈروں میں یہ واقعہ ہو سکتا ہو کہ مشاہیر عصر میں؟ بغیر انتہائی تعلق مع اللہ کے یہ ممکن نہیں، یہ ہیں وہ کرامتیں جو بڑی بڑی حسی کرامتوں سے بدرجہا بلند ہیں،

مولانا کا چوتھا بڑا وصف انکی آدمیت اور انسانیت ہے، آدمیت ایک خاص لفظ ہے

۔اور خاص معنی میں بولا جاتا ہے، معمولی بات نہیں ع

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ جب کسی کی بڑی تعریف کرتے تو فرماتے "وہ نسخۂ آدمیت ہے"۔
ایک شخص کی وفات ہوئی تو فرمایا "مردند و آدمیت بخاک بردند" آج مولانا کے بارے میں بھی یہی جملہ بجا طور پر دوہرایا جا سکتا ہے، مولانا کی اس صفت و خصوصیت کا اندازہ ان کے مکارم اخلاق سے ہوتا ہے، دوسروں کو حتی کہ معاندین و مخالفین تک کو نفع پہونچانے کی کوشش کرتے، خود تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں لیکن دوسروں کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کی فکر کر رہے ہیں، ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی مہمان تھکا ماندہ کہیں سے آیا ہوا رات کو سو رہا ہے اور مولانا اس کے پیر دبا رہے ہیں، مہمان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ یہ پیر دبانے والے مولانا ہو سکتے ہیں اور یہی نہیں جنھوں نے ان کو تکلیفیں پہونچائیں، مولانا نے ان کے ساتھ سلوک و احسان کیا اور ہمیشہ نفع رسانی اور خدمت کی فکر میں رہتے، اور جب بھی اور جس طرح بھی موقع ملا ہے اس کو آرام و نفع پہونچایا ہے، دوسروں سے اگر اسکو کام پڑا ہے تو سفارش کی ہے، خود جا سکے تو جا کر کی ہے، پیغام کے ذریعہ سے ممکن ہوا تو پیغام بھیجا ہے، جس کے جیسے حقوق ہوتے اور جس کا جیسا مرتبہ ہوا اور جس کو جیسی ضرورت ہوئی اسی کے شایان شان پورا کیا ہے، براہ راست ان مخالفین کو ضرورت پڑی تو انکی ضرورت پوری کی اور اگر ان کے عزیزوں میں سے کسی کو ضرورت ہوئی ہے تو انکی کاربر اری کی اور ان کے واسطے سے اپنے ان معاندین کی راحت رسانی کی، انھوں نے اپنے مخالفین و معاندین کو معاف بھی کیا، ان کے لئے دعائیں بھی کرتے تھے، ان کا عمل وہ تھا جو کسی عارف نے کہا ہے۔

| | |
|---|---|
| ہر کہ مارا یار نہ بود ایزد او را یار باد | ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد |
| ہر کہ در راہ منم خار نہد از دشمنی | ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد گلزار باد |

ہماری آپ کی بد قسمتی تھی کہ ہم نے جانا نہیں کہ وہ کیسے باطنی مراتب پر فائز تھے اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو اس کوچہ سے واقف ہوں، اور جو اس کا احساس رکھتے ہوں، وقت کے عارفین و اہل نظر کی زبان سے میں نے ان کے لئے بڑے بلند کلمات سنے ہیں، اور ان سب کو

انکی عظمت وبلندی کا معترف اور انکی مدح وتوصیف میں رطب اللسان پایا ہے، مولاناؒ اپنے زمانہ میں ڈاکٹر اقبالؒ کے ان اشعار کا کامل نمونہ ومصداق تھے ؎

سر دیں مارا خبر او را نظر ۔۔۔ او درون خانہ ما بیرون در
ما کلیسا دوست ما مسجد فروش ۔۔۔ او ز دست مصطفےٰ پیمانہ نوش
ما ہمہ عبد فرنگ او عبدہ ۔۔۔ او نگنجد در جہان رنگ و بو

ڈاکٹر صاحب نے کبھی کہا تھا ؎

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل ۔۔۔ یا خاک کی آغوش میں تسبیح ومناجات

مولانا کا عمل پہلے مسلک پر تھا، یہ واقعہ ہے کہ وسعت افلاک میں مولانا کی زندگی تکبیر مسلسل تھی۔

یہ میں کہوں گا کہ مولانا معصوم نہیں تھے، ایسا نہیں ہے کہ ان سے کوئی غلطی نہ ہوئی ہو، ضروری نہیں کہ انکی تمام سیاسی اور اجتہادی آراء ونظریات میں ان سے اتفاق کیا جائے، لیکن یہ میں ضرور کہوں گا کہ جو کچھ انھوں نے کہا یا کیا محض رضائے الٰہی اور حمیت دینی میں، ان کے لیے کوئی دنیاوی محرک یا مصلحت نہ تھی؛

مولاناؒ کا چھوٹا بڑا وصف انکا اپنے بزرگوں، اساتذہ اور شیوخ سے عاشقانہ تعلق ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ انکی شخصیت کی کنجی ہے، اور انکی ساری زندگی اور اسکے اہم اور عظیم واقعات کا راز یہ ہے، یہ چیز ایسی تھی جو ان کے رگ وپے میں سرایت کر گئی تھی، ان کا یہ تعلق انکو بعض ایسی چیزوں پر آمادہ کر دیتا تھا جو ان کے عام اخلاق وصفات کے خلاف ہوتیں، اور بعض دفعہ سمجھ میں نہ آتیں کہ یہ کیسے ہوا، یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ مولانا اپنی بڑی سے بڑی توہین اور اذیت برداشت کر سکتے تھے مگر اپنے اکابر واسلاف اور شیوخ و اساتذہ کی تنقیص اور انکا استخفاف برداشت نہ کر سکتے تھے، بعض مرتبہ یہ چیز انکی شدید بیزاری ومخالفت کا سبب بن جاتی، آخر میں اپنے اسلاف کی امانت کی حفاظت اور انکے نقش قدم پر چلنے اور انکے مسلک پر قائم رہنے کا جذبہ بہت شدید ہو گیا تھا، اور وہ اس راستہ سے بال بھر ہٹنا گوارا نہیں کرتے تھے، اسی طرح سے خلاف شریعت فعل کے دیکھنے کا تحمل نہیں

رہا تھا، اور یہ تاثر ان کے عام اخلاق پر بھی غالب آ گیا تھا۔

مولانا کا ایک بہت بڑا کارنامہ جس کی اہمیت کا احساس بہت کم لوگوں کو ہے یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں اور اسکے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کے بقا و قیام کا ایک بڑا ظاہری سبب مولانا ہی کی ہستی تھی، یہ وہ وقت تھا کہ جب بڑے بڑے کوہ استقامت جنبش میں آ گئے، سب یہی سمجھتے تھے کہ اب ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی مستقبل نہیں، مسلمانوں کی تاریخ میں دو ہی چار ایسے دور گذرے ہیں جب مسلمانوں کے اور اسلام کے بقا کا سوال آ گیا ہے، ۱۹۴۷ء کا ہنگامہ ہندوستان کے مسلمانوں کے حق میں اسی نوعیت کا تھا، اصل مسئلہ سہارن پور کے مسلمانوں کا تھا، سارا دارومدار ان پر تھا، یہ اپنی جگہ چھوڑتے تو یوپی کے مسلمانوں کے قدم لغزش میں آ جاتے، اور سہارنپور کے مسلمانوں کا انحصار سارا کا سارا دو ہستیوں حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری مدظلہ اور حضرت مولانا مدنیؒ پر تھا، اس وقت مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ جمنا کے کنارے ہونا تھا لیکن یہ دو صاحب عزم مجاہد بندے وہاں جمے رہے، اور انھوں نے گھٹنے ٹیک دیئے، ایک رائے پور کی نہر کے کنارے بیٹھ گیا اور ایک دیوبند میں، آپ کو معلوم ہوگا یہ رائے پور و دیوبند مشرقی پنجاب کے ان اضلاع سے جہاں کشت وخون کا ہنگامہ گرم تھا، متصل ہیں، لیکن یہ اللہ کے بندے پورے عزم و استقلال کے ساتھ جمے رہے اور انھوں نے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ اسلام کو یہاں رہنا ہے اور رہے گا، انھوں نے کہا مسلمانوں کا یہاں سے نکلنا صحیح نہیں، اگر تم مشورہ چاہتے ہو تو ہم مشورہ دیتے ہیں اور اگر فتوے کی ضرورت ہے تو ہم فتویٰ دینے کو تیار ہیں کہ یہاں سے اس وقت مسلمانوں کا نکلنا درست نہیں، اس وقت جو ہندوستان میں اسلام و مسلمان قائم ہیں یہ انھیں بزرگوں کا احسان ہے، ہندوستان میں اس وقت جو مسجدیں قائم ہیں اور ان میں جو نمازیں پڑھی جا رہی ہیں اور پڑھی جاتی رہیں گی یہ ان کا طفیل ہے، ہندوستان میں جتنے مدرسے اور خانقاہیں قائم ہیں اور ان سے جو فیوض و برکات صادر ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے انھیں کے رہین منت ہوں گے، اور اس سب کا ثواب ان کے اعمال نامے میں لکھا جاتا رہے گا، اسی سلسلہ میں مولانا حسین احمد صاحبؒ نے سارے ملک کا دورہ بھی کیا، ایمان آفریں اور ولولہ انگیز تقریریں کیں، اور اپنے ذاتی اثر و رسوخ، اپنی تقریروں

اور خود اپنے طرز عمل سے مسلمانوں کو اس ملک میں رہنے، اپنے ملک کو اپنا سمجھنے اور حالات کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کیا۔

یہ بات میں اور واضح کردوں کہ مولانا کے بارے میں لوگوں کو یہ بڑا مغالطہ ہے کہ وہ موجودہ حالات سے کلی طور پر مطمئن تھے، قریب کے لوگ جانتے ہیں کہ مولانا کے سینہ کے اندر کیسا درد و سوز کیسے اسلامی جذبات اور کیسی دینی حمیت موجزن تھی، اور ان کے اندرونی احساسات کیا تھے، مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ انکو مولانا کے ان خدمات اور اندرونی احساسات اور امت اسلامیہ اور اسکے مسائل کے ساتھ گہرے تعلق اور درد و سوز کا اندازہ نہ ہوسکا، اور مولانا کی زندگی کا یہ پہلو جتنا روشن اور معروف ہونا چاہیئے تھا روشن اور عام طور پر معروف نہ ہوسکا، آزادی کے بعد جو خلاف توقع حالات و تغیرات اس ملک میں پیش آئے، انھوں نے مولانا کی طبیعت کو بہت افسردہ کر دیا تھا، انکی عمر کا بہترین زمانہ اور انکی بہترین توتیں انگریزی حکومت کا مقابلہ کرنے میں صرف ہو چکی تھیں اور اس معرکہ میں وہ کامیاب ہو چکے تھے، اب انکی ضعیفی افسردگی اور بے تعلقی کا زمانہ تھا، آخر میں انکی تقریروں کا موضوع اور دعوت صرف ذکر کی تلقین کرنا، خاتمہ کی فکر کی طرف متوجہ کرنا، تعلق مع اللہ اور ایمان باللہ کو مضبوط سے مضبوط کرنا دینی شعائر کا احیاء اور سنت نبویہ کی کثرت سے ترویج و اشاعت رہ گئی تھی۔ انھوں نے اپنے عالی مرتبہ شیوخ و اساتذہ سے تعلق مع اللہ، استقامت علی الشریعت اور باطنی مشغولیت کی جو دولت حاصل کی تھی، تمام اسفار و مشاغل و ہجوم خلائق، درس و تدریس کی مصروفیت اور آخر میں علالت کی شدت میں بھی وہ اسی میں مشغول تھے، اور روز بروز وہ ہر چیز پر غالب آتی جارہی تھی، زندگی کے آخری ایام تک نماز کھڑے ہوکر اور باجماعت ادا کی، یہ ناچیز آخری بار ۵ ہر نومبر کو یعنی وفات سے صرف گیارہ روز پہلے حاضر ہوا، سخت تکلیف اور بیحد ضعف تھا، یہ وہی دن تھا جس دن ڈاکٹر صاحب نے تفصیلی معائنہ کرکے یہ کہا تھا کہ مولانا صرف اپنی قوت ارادی سے زندہ ہیں، اور ہمارا فن اس علالت کے سامنے ناکام ہے، اس روز بھی مولانا نے ظہر کی نماز کھڑے ہوکر اور باہر آکر جماعت کے ساتھ ادا کی مولانا کی خدمت میں جب حاضری ہوئی تو پوری بشاشت اور استقلال کے ساتھ گفتگو فرمائی،

بایک کتاب کے پہونچنے کا ذکر کیا، میں نے عرض کیا مجھے معلوم ہوتا کہ علالت وضعف اس درجہ تک پہنچ گیا ہے تو کبھی اسکے پیش کرنے کی جرأت نہ کرتا، فرمایا کیوں؟ میں نے تو کئی صفحات کا مطالعہ کیا، اور نفس کتاب ہی بڑی نعمت ہے، اسی مجلس میں ایک مخلص نے جو باہر سے ملنے آئے تھے روتے ہوئے کہا کہ دنیا خالی ہوتی جا رہی ہے، فرمایا نہیں، دنیا میں بہت لوگ ہیں! انھوں نے عرض کیا کہ ہمیں دوسروں سے کیا تعلق؟ فرمایا ہمیں تو امت محمدی سے تعلق ہے۔

مولانا نے امت محمدی کی خدمت میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، انھوں نے اپنے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اور اپنے اسلاف سے جو امانت، اور ذمہ داری پائی تھی اسکو پورا کر گئے، انکو نہ ستائش کی تمنا ہے، نہ صلہ کی پرواہ نہ مدح و توصیف کا انتظار ہے نہ ناسپاسی اور ناشناسی کا گلہ، وہ مسلمانوں کو خطاب کر کے کہہ سکتے ہیں۔

فقیرانہ آئے صدا کر چلے ۔۔۔ میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم ۔۔۔ سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

# ارشاداتِ خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

## مکتوبات کے پیرائے میں

مترجمہ ــــــ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

(۱۹)

**مکتوب (۱۲۵) شیخ ابو المظفر برہان پوری کے نام ــــــ**

بعد تسمیہ و حمد و صلوٰۃ ــــــ مکتوب مرغوب جو اذواق و اشواق پر مشتمل تھا پہونچا ــــــ خوش کیا اللہ تعالیٰ ابواب ترقیات کشادہ رکھے ــــــ اعلیٰ مرتبۂ کمال پر پہونچائے، حلاوت و رقت، ذکر و تلاوت اور نماز میں بڑھائے اور حقیقت قرآنی اور حقیقت صلوٰۃ سے بہرۂ کامل عطا فرمائے ــــــ نماز، فقط اسی صورت ظاہری ہی میں محدود نہیں ہے (بلکہ) عالمِ غیب میں ایک ایسی حقیقت رکھتی ہے کہ تمام حقائق سے اونچی ہے۔۔۔۔۔۔۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے میں نے سنا ہے کہ مثل علم، کلام کو بھی متکلم سے ایک ایسا اتحاد ہے کہ کسی دوسری صفت کو اتنا نہیں ہے۔ پس اس راہ سے قرب و منزلت کو حاصل کرو ــــــ فَهِمَ مَنْ فَهِمَ ــــــ اسرارِ نماز کہاں تک بیان کروں۔ ع

قلم اینجا رسید و سر بشکست

۔۔۔۔۔۔۔

**مکتوب (۱۲۶) خواجہ مومن قاضی زادہ برہان پور کے نام ــــــ**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــــ بعد الحمد و الصلوٰۃ و ارسال التحیات ــــــ مکتوب شریف پہونچا مسرت بخش ہوا۔ اور چونکہ احوال و اذواق پر مشتمل تھا اس لیے مسرت پر مسرت بڑھائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ترقیات عطا کرے اور تکبر و پندار سے دور رکھے ــــــ لکھا تھا کہ نماز میں ایک ایسی حالت رونما ہوتی ہے

کہ حجاب درمیان سے اٹھ جاتا ہے ...... اور خطرہ غیر بالکل دل میں نہیں گزرتا، اس وقت "خوف بسیار" پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو مثل خس و خاشاک بھی نہیں پاتا ہوں"۔ جاننا چاہیے کہ حدیث شریف میں آیا ہو کہ نماز میں مصلّی و پروردگار کے درمیان جو حجاب ہو وہ اٹھا لیا جاتا ہے۔ ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی) قدس سرہ نے لکھا ہے کہ یہ رفع حجاب منتہی کی نماز کے ساتھ مخصوص ہے۔ شکر خدائے عز و جل اس نعمت عظمیٰ پر بجالاؤ اور اس کی کیفیت کے بڑھانے میں کوشش کرو۔ نیز نماز کو آداب و شرائط اور طول قنوت کے ساتھ پڑھا کرو۔ جو قرب نماز کی ادائگی کے وقت ہوتا ہے وہ اس سے باہر میسر نہیں ــــ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا[1]۔ کچھ تھوڑے سے اسرار نماز عزیزی شیخ ابو المظفر (برہان پوری) کے خط میں بھی لکھے ہیں۔ ان کا بھی مطالعہ کرو گے تو بظاہر لطف اندوز ہو گے۔

## مکتوب (۱۳۲) خواجہ احمد بخاری کے نام۔

اللہ تعالیٰ جادۂ شریعت غرا و سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مستقیم و مستدیم رکھ کر ترقیات صوریہ و معنویہ سے مکرم و ممتاز فرمائے۔ صحیفۂ گرامی نے پہونچ کر مسرت بخشی۔ علالت فقیر کے متعلق دریافت کیا ہو ــــ الحمد للہ ــــ ان دنوں آرام ہے۔ لیکن ابھی تک اٹھنے کی قوت نہیں آئی ہے ــــ مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا[2] ــــ جو کچھ اس طرف سے پہونچتا ہے مرغوب و محبوب ہے۔ کشادہ پیشانی کے ساتھ بغیر ابرو پر بل ڈالے اس کا استقبال کرنا چاہیے یہی راہ بندگی ہے ــــ بعض احباب تنگی روزگار اور قرضداری کی بنا پر اظہار گلہ کیا کرتے ہیں۔ شکایت کا کوئی موقع نہیں۔ رزقِ مقرر میں کسی کمی بیشی کا احتمال نہیں ہو۔ رزق کا تنگ کرنا اور رزق کا کشادہ کرنا بس اللہ کے قبضے میں ہے۔ کسی کو اس میں دخل نہیں ہے۔ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ[3] ــــ طریقہ پسندیدہ یہ ہے کہ بندہ، چہرۂ دل کو تمام سمتوں سے ہٹا کر ذکر و عبادت الٰہی کی طرف متوجہ کر دے اور کلیتہً تعمیر آخرت میں کوشش کرے۔ بندے کا مطمح نظر،

---

[1] اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم کرو، اور نماز کی ادائگی پر جمے رہو۔ [2] نہیں پہونچی کوئی مصیبت زمین اور تمہاری جانوں میں مگر وہ لکھی ہوئی ہو لوح محفوظ میں اس سے پہلے کہ ہم اس مصیبت کو پیدا کریں۔ [3] اللہ کشادہ کرتا ہو رزق جس کے لیے چاہتا ہو اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔

مرضیاتِ الٰہیہ کے سوا اور کچھ نہ ہونا چاہیے ـــــ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔[1] امورِ معاش کو اللہ کے حوالے کرنا چاہیے، کشود کار بھی اسی کی طرف سے جانے اور اسی سے طلب کرے۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا[2] ـــــ حدیث شریف میں آیا ہے۔ تَبًّا لِلذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ قِيلَ فَمَا نَدَّخِرُ قَالَ لِسَانًا ذَاكِرًا وَقَلْبًا شَاكِرًا وَزَوْجَةً تُعِينُ عَلَى الْآخِرَةِ[3] ـــــ نیز حدیث شریف میں آیا ہے۔ مَنْ جَعَلَ الْهُمُومَ هَمًّا وَاحِدًا[4] كَفَاهُ اللّٰهُ تَعَالَى سَائِرَ هُمُومِهِ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُومُ مِنْ أَحْوَالِ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ تَعَالَى فِي أَيِّ أَوْدِيَتِهَا هَلَكَ۔

سید محمد اور ان کے برادر کلاں کے جو کچھ احوال لکھے ہیں وہ بھی معلوم ہوئے۔ تم نے اپنے بھائی کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ پہلے جو کچھ آنکھ بند کر کے دیکھتے تھے اب کھلی آنکھوں دیکھ لیتے ہیں۔ مخدوما! یہ بات ترقیٔ باطن پر دلالت نہیں کرتی، کمال اس بات کے ساتھ وابستہ بھی نہیں ہے۔ ؏ تو مباش اصلا کمال این ست وبس ......... تم نے یہ بھی لکھا تھا کہ "یارانِ طریق جو تم سے وابستہ ہیں جب ان کو (امر باطن میں) کوئی مانع پیش آتا ہے اور توقف واقع ہوتا ہے تو وہ تمھاری طرف توجہ کرتے ہیں۔ تمھاری صورت اُن کو ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور اس جگہ سے گذار دیتی ہے۔ حالانکہ تم کو اس کی کچھ خبر بھی نہیں ہوتی۔"

مخدوما! (بات یہ ہے کہ) "تکمیل وارشاد" "کارخانۂ خداوندی" ہے، مربی حقیقی تو دراصل وہی ہے لیکن باعتبار ظاہر یہ معاملہ پیر و مرشد کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ اس کے ذریعے سے مرید کا کام درجۂ کمال تک پہونچ جاتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہو کہ مرشد کو اس توسط کی اطلاع ہو جاتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی ؏ از ما و شما بہانہ برساختہ اند .........

---

[1] اپنے پروردگار کا ذکر کر اور تمام جہتوں سے ہٹ کر اس کی طرف پوری پوری توجہ کر۔ [2] وہ مشرق و مغرب کا پروردگار ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس اس کو اپنا کارساز بنالے [3] ہلاکت ہو سونے چاندی کی (آنحضرتؐ کے یہ الفاظ سن کر) صحابہ نے عرض کیا پھر ہم کیا جمع کریں۔ فرمایا، زبان ذاکر، قلب شاکر اور ایسی بیوی جو آخرت کے لیے مددگار ہو۔ [4] جس شخص نے اپنے تمام غموں کو ایک غم (غم آخرت) بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ اُسکے تمام غموں کو دور کر دے گا اور جس شخص کو دنیاوی غموں نے گھیر لیا (علاوہ غم آخرت کے) تو اللہ تعالیٰ کو پرواہ نہیں وہ کسی بھی وادیٔ غم میں ہلاک ہو جائے ـــــ مشکوٰۃ شریف میں سائر ھمومہ کی جگہ ھم دنیاہ ـــــ ہے۔

## مکتوب (۱۳۳) شیخ شرف الدین سلطان پوری کے نام۔

بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التحیات ........ صحیفہ گرامی جو بھیجا تھا پہونچا، بہجت افزا ہوا۔ حلقۂ صبح و پیشین کی پابندی، بعد مغرب طریقہ توجہ بیاراں، گرمی مجلس، تاثیر توجہات اور ظہور آثار ورقیاتِ عظیمہ کے متعلق جو کچھ لکھا تھا اس سے بے انتہا مسرت ہوئی۔

اللّٰھُمَّ اکثر اخوانناَ فِی الدین ——— چاہیے کہ اس امر جلیل القدر کا بیش از بیش اہتمام کریں ——— حدیث شریف میں آیا ہے۔

اِنَّ احبَّ عِبادِ اللہِ اِلی اللہِ مَن حَبَّبَ عِبادَ اللہِ الی اللہِ وَحَبَّبَ اللہَ اِلی عِبادِہٖ۔[۵]

تصحیح نیت میں جان و دل کے ساتھ کوشاں ہوں۔ ہمیشہ ملتجی اور تضرع کناں رہیں۔ حقیقت قرآنی کے تحقق اور "عبور بما فوق" کے متعلق جو کچھ لکھا ہے واضح ہوا۔ چونکہ معاملہ نازک ہو۔ اس لیے اس کی تفصیل تمھارے حاضر ہونے پر ہوگی، جو کچھ اپنے اندر پاتے ہو نعمت عظمیٰ ہے، امید ہے کہ یہ بات دو حال سے خالی نہ ہوگی یا تو بالفعل حاصل ہے یا قریب الحصول ہے۔ بہر حال شکر خدا بجالاؤ اور ہمت کرو کہ بحر معرفت سے کوئی موتی ہاتھ لگے تاکہ سات پشت کی سعادت کا سبب بنے اور ہشت بہشت حاصل ہوں۔ دوستوں سے دعا کی امید ہو۔ والسلام اولاً و آخراً۔

## مکتوب (۱۳۷) حاجی محمد شریف کے نام۔ (اول حصہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہٖ الذین اصطفیٰ۔

برادر دینی حاجی محمد شریف نے (تم نے) استفسار کیا ہو کہ قرب نوافل اور قرب فرائض کسے کہتے ہیں؟....

........ جاننا چاہیے کہ قرب نوافل وہ قرب ہو جو عبادات نافلہ پر مرتب ہوتا ہے۔ اور چونکہ نوافل میں وجود عابد درمیان میں ہوتا ہے اس لیے وہ قرب بھی جو ان نوافل پر مرتب ہوتا ہے ایسا قرب ہوتا ہے کہ وجود سالک درمیان میں رہتا ہے۔ پس یہ قرب فنا کنندہ نہیں ہو۔ اس لیے کہ صاحب قرب کا وجود بھی درمیاں میں ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ قرب نوافل وہ ہو کہ بندہ فاعل ہو اور حق تعالیٰ اس کا آلۂ فعل ہو۔

---

[۵] بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہو جو بندوں کو اللہ کا محبوب بنائے اور اللہ کی محبت کو اس کے بندوں کی طرف متوجہ کرے۔

چنانچہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ لَہٗ سَمْعاً وَّ بَصَراً وَّ یَداً وَّ رِجْلاً ــــ[1] اور ایک روایت میں یوں آیا ہے۔ فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ[2] ــــ قرب فرائض میں چوں کہ محض امر الٰہی کی تعمیل ہے۔ وجود عابد درمیان میں نہیں ہوتا پس جو قرب اس پر مرتب ہوتا ہے ایسا قرب ہوتا ہے کہ وجود عارف درمیان میں نہیں رہتا، لہٰذا کہا گیا ہے کہ قرب فرائض وہ ہے کہ حق تعالیٰ فاعل ہو اور بندہ آلۂ فعل ــــ چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اَلْحَقُّ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ ــــ ناطق، حق ہے اور زبانِ عمرؓ آلہ سے زیادہ نہیں ہے۔ نیز وارد ہوا ہے۔ اِتَّقُوْا[3] غَضَبَ عُمَرَ فَاِنَّ اللہَ یَغْضَبُ۔ پس قرب فرائض فنا کنندۂ وجود سالک ہو۔ اور قرب نوافل ایسا نہیں ہے۔

"جمع بین القربین" یہ ہے کہ فاعل و آلہ ہر دو حق تعالیٰ ہوں اور بندہ درمیان میں کچھ نہ ہو۔ آیۂ کریمہ ــــ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللہَ رَمٰی[4] ــــ میں ان ہر سہ قرب کی طرف اشارہ ہے .......

## مکتوب (۱۵۰) شیخ محمد باقر لاہوری کے نام ــــ (آخری حصہ)

....... مخدوما! بعض طالبین، جن کے کمالات ابھی قوت سے فعل میں نہیں آئے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اندراج یا انعکاس یا تخیل کے طور پر وہ کمالات، متصور ہونے لگتے ہیں حالانکہ ہنوز ان کا وقت نہیں پہونچا ہوتا ــــ لہٰذا اس معاملے میں بہت غور و تامل کی ضرورت ہے نیز طالبین کے اوضاع و اطوار اور استقامت و عدم استقامت کو ملاحظہ کر کے اجازت دینا چاہیئے۔ میں ان عزیزوں کے متعلق نہیں کہہ رہا جن کے حالات تم نے لکھے ہیں بلکہ یہ بات بطور قاعدہ کلیہ ہے دوستوں کو ملحوظ رکھنی چاہیئے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْہُدٰی۔

## مکتوب (۱۵۴) فرزندانِ خواجہ محمد حنیف کے نام (در تعزیت وفاتِ خواجہ مرحوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــ الحمد للہ وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی۔

برخوردار سعادت آثار خواجہ عبید اللہ (ابن خواجہ محمد حنیفؒ) مع برادران و ہمشیرگان کمال کو پہونچیں اور ان کی عصمت پناہ والدہ اور تمام اہلِ طریق جو وہاں اقامت گزیں ہیں اس جانب سے سلام عافیت انجام قبول کریں۔ ــــ سب کے سب جادۂ شریعت غرّا اور سنت

[1] میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اس کی آنکھ اور بصر اور ہاتھ اور پیر بن جاتا ہوں [2] پس مجھ ہی سے وہ سنتا ہے اور مجھ ہی سے وہ دیکھتا ہے [3] تم عمر کے غصہ سے بچو اسلئے کہ انکے غصہ کے وقت در اصل اللہ غصہ ہوتا ہوگا [4] اور نہیں پھینکا آپ نے (کنکریوں کو) جبکہ پھینکا، بلکہ اللہ نے ان کو پھینکا۔

مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مستقیم و مستدیم اور متابعت شیوخ پر راسخ رہیں۔

اس حادثہ جانکاہ کو سن کر کیا لکھوں کہ دوستوں پر کیا رنج و غم گذرا اور کیسی جدائی اور مصیبت نمودار ہوئی ــــ لیکن چونکہ بارادہ و تقدیر مولائے حقیقی ہے اس لیے سوائے رضا و تسلیم کے چارہ نہیں ہم نے بھی صبر کیا تم بھی صبر کرو اور اللہ کے فعل کے ساتھ راضی و شاکر رہو ــــ گزرے ہوؤں کو دعا و صدقہ سے یاد کرو۔ فیوض و برکات خواجہ مرحوم سے امیدوار رہو ........

دوستوں کو چاہیے کہ خواجہ مرحوم کی جگہ کو آباد رکھیں اور طریقۂ خواجہ کا اچھی طرح لحاظ رکھیں۔ حلقۂ "ذکر و شغول" بھی قائم رکھیں۔ آنے جانے والوں کی خدمت کریں اور فرزندانِ خواجہ کی رضامندی و خدمتگاری میں دل و جان سے کوشاں ہوں ان کے بچوں کی اچھی تربیت کریں اور تعلیم آداب دیں۔ ان کے بچے پانچوں وقت نماز باجماعت میں حاضر ہوں اور بلاناغہ سبق پڑھیں ــــ کیا کیا جائے ہم ان سے دور ہیں ــــ دل کڑھتا ہے ــــ امید ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کے بچوں کو رائیگاں نہ کرے گا درجۂ کمال تک پہونچائے گا ــــ اِنَّہٗ قریبٌ مُّجیب ــــ

۵ ز ہجرِ دوستاں خوں شد درونِ سینہ جانِ من
فراقِ ہمنشیناں سوخت مغزِ استخوانِ من

والسلام اوّلاً و آخراً

مکتوب (۱۵۶) خواجہ عبدالصمد کابلی کے نام (مواعظ دینی اور بے وفائی دنیائے دنی کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ــــ بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التحیات ....

افسوس کہ عمر ختم ہوگئی اور کوئی عمل نہ ہوسکا ....... بیوفائی دنیا، "بدیہی اوّلی" بن گئی ہے۔ فتن و مصائب پے درپے آرہے ہیں، دوست اور "جگر گوشہا" کوچ کر رہے ہیں پھر بھی کوئی تنبہ و تذکر نہیں، توبہ و انابت بھی نہیں ــــ غفلت بڑھتی جاتی ہے اور معاصی روز افزوں ہیں۔ ۵ اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ

لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ[1] ـــــ یہ کون سا ایمان اور کونسی مسلمانی ہے کہ نہ تو کتاب وسنت سے پند پذیری ہے اور نہ مشاہدۂ آیاتِ بینات سے عبرت حاصل ہورہی ہے ـــــ غور کرنا چاہیئے کہ وہ یار اور ہمنشین جو پارسال اور اس سے گزشتہ سال، یکجا ہم سفر وہم رکاب تھے، مونس وہمدم تھے ـــــ وہ کہاں چلے گئے؟ ع

کجا رفتند آں یاراں کہ بودند مونسِ جانی

کوئی نشان ان کا ظاہر نہیں ہوتا اور کوئی بھی ان کا نشان نہیں دیتا۔

ع چناں خرمنِ عمرِ شاں شد بباد　　　　کہ ہرگز کسے زاں نشانے نداد

اللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ ـــــ پس ہم پر اور ہمارے پسماندوں پر لازم ہے کہ عمر دو روزہ کو غفلت میں نہ گزاریں، خوابِ خرگوش میں مبتلا نہ ہوں۔ اس سرائے فانی سے دل نہ لگائیں اور اِس قحبۂ غدار پر فریفتہ نہ ہوں۔ مرضیاتِ مولائے حقیقی کی موافقت کریں، نفس وشیطاں کے مکر اور گردابِ ہوا وہوس سے کنارہ کشی کریں، گورِ قیامت کو پیشِ نظر رکھ کر اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کریں۔ وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ (الحدیث)[2] "حیات ووجودِ موہوم" سے آزاد ہو کر اس موت میں مشغول ہوں جو "پیش از موت" ہو ـــــ وہ معدوم جو اپنے پر احکامِ موجود جاری کرے اور عنوانِ وجود کے ساتھ ظاہر ہو اور وہ نیست جو خواہ مخواہ ہست بنے ـــــ قابلِ مضحکہ ہے۔

ع دصافی خود بزعم حاسد تاکے　　　　ترویج چنیں متاع کاسد تاکے

ہستی اور اس کے توابع، ہستی والے موجودِ حقیقی کے ہی شایانِ شان ہیں۔ اور وضع شے در محلِ خود ـــــ اسی کو کہتے ہیں ـــــ ممکن کا کمال، نفئ کمال میں مضمر ہے اور اسکی خیریت سلبِ خیریت ہی میں ہے۔

ع درعالمِ ما زماجز نام نماند　　　　واز صبح وجودِ ماجز شام نماند

ع چل خسرو گھر اپنے سانجھ پڑی سب دیش (اے خسرو اپنے گھر چل، سب جگہ شام ہوگئی)

---

[1] وہ غور نہیں کرتے کہ وہ ہرسال ایک مرتبہ یا دو مرتبہ آزمائش میں پڑتے پھر بھی تائب نہیں ہوتے اور نصیحت حاصل نہیں کرتے [2] آنحضرت صلعم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ فرما کر کہ دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرو جس طرح مسافر ہوتا ہو بلکہ پل پر سے گزرنے والا ہوتا ہو" ارشاد فرمایا ـــــ اپنے نفس کو اصحاب قبور میں سے شمار کرو ـــــ مشکوٰۃ باب الامل والحرص)

مامول از دوستاں دعائے سلامتی خاتمہ است

## مکتوب (۱۶۲) شیخ محمد یوسف گردیزی پیرزادہ ملتان کے نام۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ـــ خصوصاً علی سید الوریٰ صاحب قاب قوسین او ادنیٰ وعلیٰ آلہ وصحبہ البررۃ التقیٰ ـــ امابعد۔ تمہارا خط پہنچا جس کی عبارت میں تروتازگی تھی ـــ یہ ذرہ بےمقدار نہ اس خطاب کا سزاوار ہے اور نہ اس مضمونِ مکتوب کا مستحق ـــ وہ مقدمات جو اپنی تواضع کی بنا پر اپنے نامۂ نامی میں مجھ دورافگار کے حق میں لکھے ہیں وہ بھی صحیح و واقعی نہیں ـــ اس مسکین سے نجات کی درخواست کرنا اور رب الارباب کی طرف متوجہ ہونے کو مجھ سے طلب کرنا ایسا ہے جیسا کہ کسی عاریت مانگنے والے سے عاریت چاہنا اور کسی محتاج سے سوال کرنا ـــ فقیر اپنے اندر کوئی مناسبت اس "طائفۂ علیہ" سے نہیں دیکھتا اور کوئی مشارکت اس "طبقۂ سنیہ" کے اسرار میں نہیں پاتا۔ ـــ باوجود اسکے جو طالب، اطراف واکناف سے آتے ہیں بقدرِ استعداد، بہرہ ور ہو جاتے ہیں اور کمال واکمال کا خیال کرتے ہیں ـــ یہ سب برکات، بزرگوں کے انفاسِ نفیسہ کے ہیں ـــ یہ مسکین درمیان میں کچھ نہیں۔ ع

ما خود نیئم ایں ہمہ الحاں ز مطرب ست

بلاشک نیستی وعدمیت، ممکن کے اندر ذاتی ہے باقی تمام کمالات جو توابعِ وجود ہیں سب اسکے اندر "مرتبۂ وجوب" سے مستعار ومستفاد ہیں ـــ ممکن بیچارہ اپنی ذات کو فراموش کر کے اپنے عاریتی کمال کو خیر وکامل تصور کئے ہوئے ہے، اپنے مولا کے مخصوص ترین اوصاف میں شرکت ڈھونڈھ رہا ہے اور رعونت دانانیت ظاہر کر رہا ہے، یہ نہیں جانتا کہ اس کی ذات عدم ہے وہ عدم، جو ہر شر وفساد کا منبع ہے ـــ جیسا کہ وجود، ہر خیر وکمال کا مبداء ہے ـــ ممکن کی جہالت ذاتی کی بات ہے کہ وہ اپنے کو کامل سمجھے ہوئے ہے۔ اس کے حق میں کمال تو انتفائے کمال ہی میں ہے اور اسکی خیریت، سلب خیریت ہی میں ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

وصافیٔ خود بزعمِ حاسد تاکے ترویجِ چنیں متاعِ کاسد تاکے

بات کہیں سے کہیں چلی گئی ـــــ یہ درویش دلریش، توجہ غائبانہ سے اور دعائے ظہر الغیب سے فارغ نہیں ہے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ـــــ اس محبت کی بدولت جو اس طبقۂ علیہ سے رکھتے ہو، بزرگوں کے فیوض و برکات سے فیض مند اور ان کے انوار و اسرار سے بہرہ مند ہو جاؤ گے۔ اس محبت کو سرمایۂ سعادت تصور کرو ـــ حق تعالیٰ اس محبت کی آگ کو سربلند کرے اور شعلۂ شوق کو مشتعل کر دے۔ ماسوا سے پورے طریقے پر رہائی دے اور سراپردۂ قرب و معرفت میں پہونچا دے ـــــ انہٗ قریبٌ مجیب۔

مکرما! معاملۂ افادہ و استفادہ، وابستہ بصحبت ہے خصوصاً ہمارے طریقے میں کہ اس کا دار و مدار صحبت پر ہے ـــ کسی کامل و مکمل کی صحبت میسر آنے تک، اوضاع شرعیہ اور سُننِ مرضیہ پر مستقیم رہو۔ لہو و لعب اور صحبت ناجنس سے بچتے رہو اور وظائف و اذکار ماثورہ کے ساتھ اوقات کو معمور رکھو ـــــ علومِ دینیہ میں مشغول ہونا بھی اعظم عبادات سے ہے۔

(والسّلام)

# سوویت روس کا حالِ زار

## مشاہدات و تاثرات

(از مولانا راغب احسن ایم ۔ اے)

پاکستانی علماء کے ایک وفد نے امسال جولائی میں سوویت یونین کا دورہ کیا تھا۔ ممبرانِ وفد میں جناب مولانا راغب احسن صاحب بھی شامل تھے۔ ذیل کے مضمون میں انھوں نے اپنے اسی سفر کے مشاہدات و تاثرات قلمبند فرمائے ہیں۔ جو کافی غور اور توجہ سے پڑھنے کے لائق ہیں، اور ہم الفرقان میں اسے خاص طور پر اسی لیے شائع کر رہے ہیں کہ اس کے بعض اجزاء خود ہمارے لیے درسِ عبرت ہیں۔ شاید ہم ان سے معلومات کے علاوہ کچھ اور فائدہ بھی اٹھا سکیں۔ (مرتب)

---

ہمارے دورے کا مقصد پانچ چیزوں کا دیکھنا اور معلوم کرنا تھا (۱) کمیونسٹ روس میں مذہب اسلام اور مسلمانوں کی حالت (۲) سوویت یونین کا معاشی و اقتصادی نظام (۳) سوئم سیاسی و قومی حالات (۴) چہارم یہ معلوم کرنا کہ پنج شیلا بمقابلے باہمی قوموں کی خودارادیت اور آزادی انسانوں اور قوموں کی مساوات امن اور جمہوریت کی خود روس کے اندر کیا حقیقت و اصلیت ہو۔ حالانکہ روس آج دنیا میں ان بلند بانگ اصولوں کا علمبردار بنا ہوا ہے ہم اس جمہوری رجحان کی اصلیت بھی معلوم کرنا چاہتے تھے جس کا اسٹالن کے بعد چرچا کیا جا رہا ہے۔

**نتائج تحقیق** میں نے ایک جویائے حق کی حیثیت سے موقع و محل پر حالات کی تحقیق کی، اور ہماری دریافت کے مطابق حقائق یہ ہیں کہ (۱) اولاً سوویت روس کے اندر

مذہب کی مطلق آزادی نہیں ہے اور نہ وہاں مذہبی آزادی قطعاً ممکن ہے جب تک مارکسی دہریت کمیونسٹ روس کا (State Religion) ریاستی مذہب ہے۔ (۲) تاریخ عالم کی سب سے بڑی ہمہ گیر استبدادی سلطنت کی ساری قہرمانی طاقتوں کے ساتھ منظم اور زوردار کوششیں اور کل ممکن تدبیریں مذہب کی بیخ کنی کے لیے کی گئی ہیں لیکن وہ سب ناکام ہو چکی ہیں۔ ایشیائی اور یوروپین روس کے لوگوں کے دلوں میں خدا پر یقین و ایمان زندہ ہے۔ (۳) سوئم یہ کہ روس میں نہ مساوات ہے نہ آزادی۔ نئے اونچ اور نیچ طبقات پیدا ہو گئے ہیں روس میں سوشلزم نہیں بلکہ نئے آقاؤں اور نئے اشرافت و امراء کے ماتحت ریاستی جاگیرداری (State Feudalism) اور (State capitalism) کا دور دورہ ہے۔ فلاح عوام چاہنے والی رفاہی ریاست (Welfare State) کا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔ پیدائش خوشحالی اور معیار زندگی آزاد معیشت کے ممالک سے نہایت پست اور بہت پسماندہ ہے۔ (۵) عوام الناس میں امن کی سچی پیاس ہے۔ کیوں کہ وہ بے جان پرزوں کی مشینی زندگی سے تنگ آ چکے ہیں، اور خوف اور محتاجی سے آزادی، جاننے اور سوچنے اور بولنے کی آزادی، عقیدہ و عبادات کی آزادی حاصل کرنے کے لیے بے چین ہیں۔ (۶) ششم۔ مختلف الاقوام وفاقیہ روس میں قوموں کو نہ آزادی حاصل ہے اور نہ برابری، کیونکہ روسی قوم سامراجی اور استعماری قوم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور مختلف ترکیبوں سے یونین کی سب قوموں پر مسلط ہے۔ وفاقیہ سوفیتائیہ روس کی مختلف قومی جمہوریتوں کو نہ آزادی حاصل ہے اور نہ مساوات وہ محض ماسکو کی کٹھ پتلیاں ہیں۔ سودیت یونین آزاد قوموں کی دولت مشترکہ (کامن ویلتھ) (Commonwealth) نہیں بلکہ قوموں کا قید خانہ ہے۔

روسی عوام سادہ منکسر المزاج اور گرم دل لوگ ہیں، جن کی سیرت پر مشرقیت کی چھاپ نمایاں ہے۔ لیکن روس کی سب قوموں میں تورانی ترکی قوم خوبصورت ترین، شریف ترین، بہادر ترین، پاکیزہ ترین انقلابی قوم ہے جس کا مستقبل روشن اور عظیم الشان ہے۔

مبصر مشرق حکیم الاسلام اقبال کا بیان حقیقت ترجمان ترکستان کے مستقبل کا آئینہ دار ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ترسم کہ دگر خیزد از خاک سمرقندے
آشوب ہلاکوئے ہنگامۂ چنگیزے

میں نے سوویت یونین کا سفر صاف ذہن اور کھلے دماغ کے ساتھ جو پاکستان اور پاکستان کی خیرسگالی اور دوستی کا پیغام پہونچانے والے کی حیثیت سے کیا بطور رہنما ہمارے سامنے ۷ نومبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب روس کا تاریخی اعلان اور مسلمانوں کے نام وہ خاص منشور تھا جس کو لینن اور اسٹالن نے اپنے دستخط سے ۱۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو جاری کیا تھا اور جس میں کہا گیا تھا۔

"روس کے مسلمانو! والگا اور کریمیا کے تاتارو! ترکستان کے کرغیزو اور سارتو! ماورائے قفقاز کے ترکو اور تاتارو اور تمام وہ مسلمانو! جن کی مسجدوں اور عبادت خانوں کو تباہ کیا گیا تھا اور جن کے مذہب اور رسوم کو روس کے زاروں اور جابروں نے پامال کیا تھا سنو! کہ آج کے دن سے تمہارے دین اور تمہارے رسوم تمہارے قومی و ثقافتی ادارات کو آزاد مامون اور ناقابل حملہ قرار دیا جاتا ہے، اپنی قومی زندگی کی آزادانہ اور بلا روک ٹوک تعمیر کرو یہ تمہارا حق ہے (Council of People commissar) کونسل آف پیپلز کا میسار بالشویک حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ مختلف قومیتوں کے متعلق اپنے کام کی بنیاد دو اصولوں پر رکھے گی (۱) اولاً روس کی مختلف قوموں کی برابری اور خود مختاری، حق حاکمیت اور سادرنیٹی کا اصول (۲) دوئم روس کی قوموں کے آزادانہ حق خود ارادیت سلف ڈیٹر مینیشن کا اصول جس میں روس یونین سے علیحدہ ہو جانے کا حق بھی شامل ہے۔"

میں یہ بھی جاننے کا آرزو مند تھا کہ لینن کے اس عہد نامے کو کہاں تک پورا کیا گیا! میں نے اس بلند بانگ اعلان کی روشنی میں چیزوں کو دیکھنے کی کوشش کی۔

میں شروع ہی میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ سوویت روس میں پاکستانی علماء کے وفد کا دورہ آزاد نہیں بلکہ سرکاری نگرانی میں بالکل مقید دورہ تھا۔ روسی سفارت خانے کراچی نے بار بار ہمیں یقین دلایا تھا کہ دورہ بالکل آزاد ہوگا اور وفد کو آزادی ہوگی کہ وہ اپنے دوروں کا خود پروگرام بنائے حکومت کی طرف سے کوئی مداخلت نہیں ہوگی۔ ۲۶ جون ۱۹۵۶ء کو کراچی میں روسی چارج ڈی افیئرس ناظم الامور نے ہمیں بتایا کہ "آہنی پردہ بالکل اٹھا دیا جائے گا"! لیکن عملاً اس وعدے کو کبھی پورا نہیں کیا گیا۔ وفد سے مشورے کے بغیر روسی حکومت نے دورے کے ہر جزوی دکلی پروگرام کی پوری تفصیل

پہلے سے طے کر رکھی تھی جس میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں تھی۔ دراصل وہ ہمیں کم سے کم چیزوں کو دکھانا اور کھیلوں تماشوں اور ضیافتوں میں زیادہ سے زیادہ مصروف رکھنا چاہتے تھے۔

**سوویٹ روس میں مسلمانوں کی خاص ریاستیں اور علاقے** (۱) قازقستان (۲) ازبکستان (۳) ترکستان (۴) تاجکستان (۵) کرغیزستان (۶) تاتارستان (۷) آذربائیجان (۸) قازان (۹) بشکیریا (۱۰) داغستان، فرغانہ مرغینان خوارزم خوقند وغیرہ ہیں۔

ان میں سے ہمیں صرف دو یعنی ازبکستان و تاجکستان کے دارالحکومت اور سمرقند دکھایا گیا۔ انھوں نے دوسری مسلمان ریاستوں علاقوں اور شہروں کو بالکل نظر انداز کر دیا۔

وسط ایشیا میں عام مقولہ ہے:-

سمرقند صیقل روئے زمین است      بخارا قوتِ اسلام دین است

بنا بریں ہم سب سے زیادہ بے چین (اور آرزومند) بخارا کو دیکھنے کے لیے تھے۔ لیکن ہماری ساری کوششوں اور مسلسل پر اصرار درخواستوں کے باوجود روسیوں نے خاص تدبیر کی کہ کسی حالت میں بھی وفد کو وسط ایشیا میں اسلامی دین و تہذیب کے سب سے بڑے مرکز بخارا میں جانے نہیں دیا جائے ہم محسوس کرتے ہیں کہ روسی حکام ہمیں بخارا دکھانے سے بہت ڈرتے تھے، کیونکہ روسیوں نے بخارا کو بالکل تباہ و برباد کر دیا ہو اور اس کی تباہی کا منظر انتہائی دلدوز ہو نیز اسلامی مدافعت Resistance اور اشتراکیت کی مخالفت کا بخارا برابر مرکز رہا ہو۔ (وسط ایشیا کا سفر کرنا اور بخارا نہ دیکھنا ایسا ہی مضحکہ خیز ہو جیسا ہیملٹ کا ڈرامہ ہیملٹ کے بغیر دیکھنا)

حقیقت یہ ہو کہ دورے کے بائیس دنوں میں سے وسط ایشیا کے لیے صرف گیارہ دن رکھے گئے تھے وہ بھی زیادہ تر تاشقند میں ضائع کیے گئے جو اب ترکی سے زیادہ روسی شہر بنا دیا گیا ہو۔ اس وقت کا بھی بیشتر حصہ دس گیارہ پرانی مسجدوں اور قبرستانوں کے دکھانے میں صرف کر دیا گیا۔ حالانکہ ان مسجدوں میں صرف چند سفید ریش نہایت بوڑھے نمازی تھے۔ نوجوان نہ ہونے کے برابر تھے اور لڑکے تو بالکل نہ تھے۔

**سوویٹ روس میں اسلام اور مسلمان** روس میں میرے ذاتی مشاہدات نے مجھ پر یہ بالکل

• ظاہر کردیا کہ دہریت سوویٹ یونین کا ریاستی مذہب ہے۔ تمام خدا پرست مذاہب کے خلاف دائمی جنگ کرنا کمیونسٹ پارٹی کا مقصد ہے۔ مارکسی نظریہ و عمل کے مطابق کمیونسٹ سوسائٹی کے مکمل قیام کے لیے جن میں مذہب، ذاتی ملکیت کا انجام کار مکمل خاتمہ کردیا جائے گا۔ سارے مذہبی نظاموں کو رفتہ رفتہ جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ضروری ہے۔ کامریڈ خروشیف سکریٹری کمیونسٹ پارٹی سوویت روس اعلان کرتا ہے:-

"ہم آج بھی دہریہ ہیں اور ہم لوگوں کے ایک حصہ کو جو مذہبی افیون سے مسحور ہیں آزاد کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مذہبی افیون آج بھی موجود ہے۔"

الما آتا ریڈیو کہتا ہے:-

"سوویٹ یونین سے باہر کے مسلمانوں کے تمام احتجاجوں کے باوجود اسلام سے متعلق سوویٹ روس کی یہ پالیسی بدستور قائم ہے کہ اسلام ایک رجعت پسندانہ تحریک ہے جس کی ایجاد، ترقی اور قیام لوٹ کھسوٹ کرنے والے سرمایہ دار طبقہ کی رہین منت ہے۔"

بڑی سوویٹ انسائیکلوپیڈیا (۱۹۵۳ - ایڈیشن جلد ۱۸) بیان کرتی ہے:-

"سوویٹ یونین کے اندر سوشیلزم کی فتح یابی اور لوٹ کھسوٹ کرنے والے طبقات کے استیصال کے نتیجہ کے طور پر اسلام کی اجتماعی جڑیں کاٹی جاچکی ہیں۔"

سوویٹ یونین کے حقیقی حالات جو میں نے مشاہدہ کیے ہیں ان سے اس سرکاری پالیسی کے بیان کے حرف بحرف تائید ہوتی ہے۔

مسلمان مورخین کے بیان کے مطابق اشتراکی انقلاب کے پہلے ترکستان میں ستائیس ہزار مسجدیں تھیں لیکن ۱۷ر جولائی ۱۹۵۷ء کو مسٹر بوزین وزیر امور مذہبی و صدر کاؤنسل ریلیجس افیرز سوویت یونین ماسکو نے ہمارے سامنے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ آج پورے سوویٹ یونین کے اندر کل ایک سو مسجدیں رہ گئی ہیں۔ ماسکو میں پہلے چار مسجدیں تھیں اب ایک ہی رہ گئی ہے۔ اور وہ بھی ہفتہ میں صرف جمعہ کی نماز کے لیے کھلتی ہے۔ لینن گراڈ کی مسجد کی تعمیر ۱۹۱۰ء میں امیر بخارا نے کی تھی۔ یہ مسجد بھی صرف جمعہ کو کھلتی ہے۔ حالانکہ ماسکو اور لینن گراڈ میں علی الترتیب چالیس اور تیس ہزار مسلمانوں کی آبادی ہے۔ بائیس دن کے دورہ کے درمیان ہمیں کل انیس مسجدوں اور قبرستانوں کو دکھایا گیا۔ دس تاشقند میں چار سمرقند میں تین اسٹالن آباد میں ایک ماسکو میں ایک لینن گراڈ میں۔

جن مسجدوں کو ہمیں دکھایا گیا وہ سب پرانی تھیں جن کی ابھی ابھی مرمت کی گئی تھی۔ صرف تاجکستان میں ہم نے ایک گاؤں میں ایک نئی مسجد دیکھی۔

مسلمان مورخین اور ترکستانی لیڈروں کے بیانات کے مطابق زار کے عہد میں روس میں مسلمانوں کی تعداد پانچ کروڑ سے اوپر تھی۔ خود زار کی حکومت بھی تسلیم کرتی تھی کہ مسلمانوں کی تعداد تین کروڑ سے اوپر ہے۔ لیکن اب کمیونسٹ روسی حکومت کہتی ہے کہ مسلمان صرف ایک کروڑ ہیں۔ سوال ہے کہ ۱۹۱۷ء اور ۱۹۵۷ء کے درمیان باقی چار کروڑ مسلمان کدھر گئے اور کیا ہو گئے جبکہ اس چالیس سالہ دور کے اندر روسیوں کی تعداد بڑھ کر دگنی ہو چکی ہے۔

سمرقند کے عظیم الشان شاہی مدارس عربیہ مثلاً مدرسۂ بی بی خانم، مدرسۂ ریگستان، مدرسۂ شیر در، مدرسۂ الوغ بیگ، مدرسۂ ذہبیہ طلاکار، بند، ویران و خراب پڑے ہیں۔ اور تیزی کے ساتھ گرتے جا رہے ہیں۔ بخارا میں تین سو پچاس (۳۵۰) مدارس اسلامیہ عربیہ تھے، جس میں چالیس ہزار طلبا تعلیم پاتے تھے۔ یہ سارے مدارس برباد اور علماء و طلبا ذبح کر ڈالے گئے۔ اندجان میں پچاس بڑے مدارس اسلامیہ تھے وہ سب مٹا دیے گئے۔ بخارا، خوارزم، اندجان، خجند، صاحب ہدایہ مرغینانی کے شہر مرغینان، خواجہ معین الدین کے آبائی شہر چشت و سنجر، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے شہر اوش اور اسلامی ثقافت و تہذیب کے دوسرے مرکزوں کو خاص طور سے کلی تباہی و بربادی اور انتقامی نسل کشی و قتل عام کا ہدف بنایا گیا۔

وسط ایشیا کی اسلامی زبانیں ترکی، ازبکی، تاتاری، فارسی، وغیرہ سب عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھیں اور قیمتی لٹریچر بھی تھا۔ لیکن روسیوں نے ان کی کتابیں جلا دیں اور عربی رسم الخط کو خلاف قانون قرار دے کر ختم کر دیا اور مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی زبانوں کے لیے صرف روسی رسم الخط اختیار کریں تمام اوقاف کو ضبط کر لیا گیا۔ مختصر یہ کہ سارے کے سارے سوویٹ روس کے اندر مسلمانوں کے پاس ایک بھی چھاپہ خانہ "دار الاشاعت" روزانہ اخبار "جریدہ" رسالہ، جمعیۃ و مجلس، کتب خانہ، یا پرائمری مذہبی تعلیم گاہ اور آمرتی دینے والا دینی وقف نہیں ہے۔

مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کی ریاستوں میں بھی کوئی مذہبی تعطیل نہیں ہو۔ حتیٰ کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی تعطیل بھی نہیں ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو قربانی کرنے کی آزادی نہیں ہو۔ مسلمان نہ مکہ شریف حج کے لیے جانے کی آزادی رکھتے ہیں اور نہ مالی استطاعت۔ جو چند روسی مسلمان حج کے لیے جاتے ہیں ان کو روسی

حکومت پروپیگنڈے کے لیے اپنے خرچ سے بھیجتی ہو۔ مسلمانوں کو مذہب پر کوئی کتاب چھاپنے اور شائع کرنے یا درآمد کرنے کی اجازت نہیں ہو وہ چالیس سال کے اندر آج تک خود قرآن بھی نہیں چھاپ سکے ہیں۔ دینیات کی پہلی اور قاعدہ بغدادی بھی نہیں چھاپ سکتے ہیں۔

۴ر جولائی ۱۹۵۷ء کو تاشقند میں وفد پاکستان نے مسٹر امین جان قادروف وزیر تعلیم ازبکستان سے ملاقات کی۔ انھوں نے ہمیں صاف بتایا کہ ریاست کسی حال میں مذہبی تعلیم کا انتظام نہیں کر سکتی ہو کیونکہ ریاست کی بنیاد مارکسی دہریت پر قائم ہو اور تعلیم ریاست و معیشت ہر چیز مارکسی آئیڈیالوجی کے مطابق ہونا لازمی ہو۔ انھوں نے واضح کیا کہ تعلیم مکمل طور پر لا مذہبی بنا دی گئی ہو۔ ابتدائی درجوں کے لیے یہ تعلیم جو مارکسی اصولوں پر استوار کی گئی ہو لازمی ہو چکی ہو۔

سارے سوویت روس میں ایک عدد قرآنی مکتب یا پرائمری اسکول نہیں ہو جہاں دینیات کی تعلیم دی جاتی ہو۔ تاجکستان کے وزیر اعظم مسٹر ناظر شاہ داد خدایوف نے ہمارے اس معروضے کو پر زور طور پر مسترد کر دیا کہ مسلمانوں کے لیے قرآنی مکتب اور مدرسے کھولے جائیں۔ وزیر اعظم نے اس کو اسٹیٹ کے نظریاتی اصولوں کے خلاف قرار دیا۔

بخارا، فرغانہ، سمرقند، اندجان، مرغینان، خوارزم، خوجند اور دوسرے مرکزوں میں بہت سے شہرۂ آفاق کتب خانے تھے۔ یہ انمول خزانے سب کے سب جلا کر راکھ کر دیے گئے۔

ہماری درخواست پر مرزا محمود نائب وزیر اعظم ازبکستان نے کہا کہ مسلمانوں کو آئندہ آزادی ہوگی کہ وہ اپنے گھروں، اور مسجدوں میں بطور خود مذہبی تعلیم کا انتظام کریں۔ لیکن یہ وعدہ محض سراب اور بالکل فریب باطل ہے۔

(۱) اولاً اس لیے کہ ماسکو کی مرکزی کمیونسٹ پارٹی کبھی اس کی اجازت نہیں دے گی (۲) دوم مسلمانوں کے پاس کوئی اوقاف باقی نہیں رہے جو ان کا خرچ پورا کر سکیں۔ (۳) سوئم بچوں کو مذہبی تعلیم دینے کیلئے نہ ضروری کتابیں ہیں نہ استاد و معلم (۴) چہارم قرآن اور اسلام کے مسلمہ رسم الخط عربی کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا ہو۔ (۵) پنجم والدین کے لیے سرکاری کاموں پر حاضری دینا لازمی ہے۔ اور بچوں کے لیے سرکاری اسکولوں کی حاضری جبری ہو۔ اس طرح والدین اور بچوں میں سے کوئی بھی فاضل وقت مذہبی تعلیم کے لیے نہیں بچا سکتا ہے۔ (۶) ششم زیادہ سے زیادہ بچوں کو ان کے گھروں اور خاندانوں سے

بالکل جدا کر کے ریاستی "کودکستان" کے حوالے کیا جا رہا ہو۔

بنا بریں وزیروں کے زبانی وعدے بالکل بے معنی اور ناقابل عمل رہیں گے جب تک مارکسی تعلیم لازمی ہو اور مسلمانوں کے اوقات مسلمانوں کے حوالے نہیں کیے جائے۔

روس میں مسلمانوں کی تہذیبی نسل کشی سے پہلے علماء و مشائخ، صاحب زمین اور صاحب جائداد کاروباری مسلمانوں اور ان تمام لوگوں کو جو ارباب علم و قیادت تھے من حیث الجماعت سماج دشمن طبقہ مجرمین قرار دیا گیا۔ جن کا استیصال کمیونسٹ سوسائٹی کے قیام کی شرط اول ہو۔ ان کی سیاہ فہرستیں تیار کی گئیں۔ ان کو گرفتار کر کے سائبیریا جزائر بحر منجمد شمالی مثل کیمپی دھوک سیلما، سرحدات چین اور دور دراز علاقوں میں جلاوطن کر دیا گیا جہاں ان کو سڑکوں، ریلوں اور نہروں کے بنانے کے لیے سخت ترین مشقتوں پر مجبور کیا گیا۔ لاکھوں اس طرح مار ڈالے گئے۔ ایک ۸۰ سالہ ازبکی لیڈر اور مورخ مولانا سید قاسم جان اندجانی نے مجھ کو بتایا کہ اٹھارہ لاکھ مسلمانوں کو روسیوں نے قتل کیا۔ اس بیان کی تصدیق دوزلڈرف جرمنی کے جریدہ "ملی ترکستان" نے بھی کی ہو۔

ہر مقام پر ہم دس اور بارہ سال کے لڑکوں اور لڑکیوں سے ملتے اور سوال کرتے رہے کہ آیا وہ کلمہ اور نماز جانتے ہیں جواب ہمیشہ اور ہر مقام پر نفی میں ملا۔ نئی نسل اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتی ہو۔ ۸ر جولائی ۱۹۵۷ء عید الاضحیٰ کے دن ہم مرزا محمود نائب وزیر ازبکستان سے ملے۔ وفد پاکستان نے وزیر موصوف سے احتجاج کیا کہ تعجب ہو کہ آج عید قرباں کے لیے بھی سرکاری تعطیل نہیں دی گئی ہے۔ مرزا محمود نے کہا کہ مسلمانوں کو نماز عید پڑھنے کی اجازت دے دی گئی ہو۔ لیکن حکومت کسی مذہبی تہوار کے لیے تعطیل نہیں دے سکتی ہے۔ ہم نے مسلمانوں کو عید قرباں کے دن تاشقند اور اسٹالن آباد میں دیکھا۔ کوئی مسلمان قربانی نہیں کر سکا۔ البتہ جماعت عید میں ہزاروں مسلمان جمع ہوئے جو پاکستان اور عالم اسلام کی آبادی و فلاح کے لیے رو رو کر دعائیں کر رہے تھے۔

گذشتہ اور موجودہ تاریخ کے واقعات و حقائق کی بنیاد پر پورے یقین سے کہا جا سکتا ہو کہ سوویٹ یونین میں مذہب کی مطلق آزادی حاصل نہیں ہے۔ اور جب تک مارکس ازم کو بالکل ترک نہ کر دیا جائے مذہبی آزادی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ سوویٹ یونین کے اپنے سرکاری بیان کے مطابق یونین کے اندر مذہب تحلیل اور استیصال کی حالت میں ہے۔

تاشقند کی نظامت دینیہ ایک بالکل حکومتی ادارہ ہو جس کا مقصد مذہب اور مذہبی تعلیم کی ہمت افزائی کرنا نہیں ہو۔ بلکہ کمیونسٹ روس کی طرف سے مذہب کی نگرانی کرنا ہو۔ مسلمانان روس مکمل طور پر ذہنی علیحدگی اور تنہائی اور دماغی قید اور حبس کی زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ نہ باہر کے اخبارات پڑھ سکتے ہیں اور نہ باہر کے لوگوں سے مل سکتے ہیں۔

## سیاسی و قومی حالات

میرے ذاتی مشاہدات کے مطابق سوویٹ یونین میں اسٹالن کے بعد جمہوریت نوازی و حریت کے رجحانات حقیقی نہیں بلکہ محض سرابی ہیں۔ مرکزیت، آمریت، تشدد، منافرت انگیزی، طبقاتی جنگ اور دین و مذہب کے خلاف غیر مختتم جنگ۔ مارکس ازم اور لینن ازم کے جوہر اور ریڈیو لائیفنگ ہیں۔ اور اسٹالن ازم ان کا فطری اور جائز بچہ ہو۔ اسٹالن کے بعد داخلی اور خارجی پالیسی میں معمولی تبدیلیاں محض وقتی داؤں پیچ کی تبدیلیاں ہیں اور طریقۂ عمل کے تغیرات، مذہب کی آزادی، کا پروپیگنڈا، امن پسندی اور بقائے باہمی کا پر شور نقارہ، مظلوم و مغلوب قوموں کی طرف کچھ حریت نوازی کے سلوک کا ڈھنڈھورا، اسٹالن ازم اور شخصیت پرستی کی تردید کا اشتہار محض اس اندرونی کمزوری کے باعث جاری کیا گیا ہو جو اسٹالن کی فولادی شخصیت کے اچانک ہٹ جانے کے باعث ظاہر ہو چکی ہو۔ سب سے نمایاں کمزوری مضبوط قیادت کا فقدان اور سوویٹ سامراج کی محکوم اور مظلوم قوموں کی بڑھتی ہوئی بے چینی ہو۔ کیونکہ وہ روسی شہنشاہیت و استعماریت کے خلاف بغاوت کر دینے پر آمادہ ہیں اور ان کو پھسلا کر رام کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

دوسری وجہ آزاد دنیا کی بڑھتی ہوئی تنظیم وحدت اور طاقت ہو۔ جس نے روسی جارحیت کو مشرق و مغرب میں روک دیا ہو۔ تیسری وجہ اسلام اور مسلمان قوموں کے لیے پر فریب ہمدردی دکھا کر مشرق وسط میں روس کو داخل کرنے اور روسی اثر و نفوذ بڑھانے کی تازہ ترین پالیسی ہے۔ چالیس سال کے بعد قرآن کا چھاپنا، مسلمان ممالک سے مختلف وفود کو بار بار بلانا، مذہب کی آزادی اور مختلف نظریات و نظامات کی بقائے باہمی کا پروپیگنڈہ کرنا ...... ان سب کا مقصود عربی، ترکی، ایرانی، افغانی، پاکستانی مسلم دنیا کو رام کرنا اور اپنانا ہے۔ کیونکہ اسلامی دنیا مشرق و مغرب، یورپ و امریکہ اور ایشیا و افریقہ کے درمیان مرکزی اور فیصلہ کن مقام رکھتی ہو۔

سوویٹ یونین کی پندرہ قومی جمہوریتوں میں سے صرف روسی ریاست ہو جس کی حیثیت اور

نام فیڈرل ہے Russian Federal S.S.R محض ایک دھوکہ اور فریب ہے۔ روسی آبادی کو جائز اور باطل طور پر اصل سے بڑھا چڑھا کر دکھانے اور اس کو مختلف الاقوام سوویٹ یونین کی سب سے بڑی اکائی دکھانے کے لیے، روسی حکمراں قوم نے خاص ترکیب سے تاتارستان، بشکیریا، قادان، استراخان، کریمیا، داغستان، بوریت، منقونیہ، سائبیریا جیسے دور دست ملکوں اور علاقوں اور بہت سی دوسری قوموں کو جن کا دور کا واسطہ روسی قوم سے نہیں ہے روسی جمہوریہ کے اندر شامل کر لیا ہے۔ تاکہ روسی ریاست کا رقبہ اور آبادی سب سے بڑھ جائے۔

روسی سامراجیت کا مزید ثبوت تمام قوموں اور اکائیوں کو روسی رنگ میں رنگنے کی تحریک سے ملتا ہے۔ روسی زبان و رسم الخط ابتدائی کلاسوں سے تمام قوموں اور ریاستوں کے لیے لازمی بنا دیے گئے ہیں۔ روسی رسم الخط کے علاوہ تمام دوسرے رسم الخطوں کو تمام تر ممنوع الاستعمال کر دیا گیا ہے، روسی نو آبادکاری کے باعث تاشقند کی تیس فیصدی آبادی اور ریاست قازقستان کی ۵۲ فیصدی اکثریت روسی بنائی جا چکی ہے۔ بہت سے بڑے بڑے علاقے اور خطے جو قدیم زمانے سے مسلمان تھے۔ آج مکمل طور پر روسی بنائے جا چکے ہیں۔

فیض اللہ خواجیوف جمہوریہ ازبکستان کے ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۸ء تک کمیونسٹ وزیر اعظم تھے۔ امیر بخارا کی حکومت کے خاتمہ کرنے اور وسط ایشیا میں کمیونسٹ نظام قائم کرنے کا سہرا فیض اللہ کے سر ہے۔ لیکن فیض اللہ اور دوسرے ازبک لیڈروں نے دیکھا کہ کمیونزم کے ساتھ روسی سامراجیت ان پر مسلط کی جا رہی ہے تو انھوں نے اس کی مخالفت شروع کی، خاص طور سے انھوں نے ازبکستان کو مکمل طور پر روئی کا کھیت بنانے اور ترکستان کو خوراک کے لیے روس کا محتاج محض بنانے کی پالیسی کی مخالفت کی۔

فیض اللہ اور ترکستانی لیڈروں نے ماسکو کے پنجسالہ اقتصادی پلان کی مخالفت کی اور ترکستان کے لیے ایک علیحدہ و مستقل پنجسالہ پلان بنانے کی آزادی پر زور دیا۔ ۱۹۳۸ء میں روسیوں نے فیض اللہ اور کمیونسٹ پارٹی ازبکستان کے سکریٹری اکمل اکراموف اور دوسرے لیڈروں کو قتل کر دیا۔

فیض اللہ و اکمل اکرام اور دوسرے ترکستانی لیڈروں کا اصل قصور یہ تھا کہ وہ روسی سامراجیت کی پالیسی کے خلاف تھے اور ازبکستان اور وسط ایشیا کی سیاسی، معاشی اور تہذیبی آزادی و خودمختاری کے لیے لڑ رہے تھے۔

یہی حشر ۳۸-۱۹۳۷ء میں تاجکستان میں تاجک کمیونسٹ وزیروں اور لیڈروں کا ہوا، کیونکہ انھوں نے کمیونسٹ روس کی اس سامراجی پالیسی کی مخالفت کی کہ تاجکستان اور وسط ایشیا کو روسی نوآبادی بنا دیا جائے۔ عبداللہ رحیم بے وف اور شرقی بے وزیر اعظم و صدر تاجکستان کو دوسرے لیڈروں اور ہزاروں محبان وطن کے ساتھ گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔

ہم نے لینن گراڈ میں سوویٹ یونین کے مرکزی پریس کو دیکھا جو سارے یونین کے کل اسکولوں اور کالجوں کے لیے نصاب کی ساری کتابیں ایک ہی مرکز سے چھاپ کر تقسیم کرتا ہے۔ یہ پریس گویا سارے سوویٹ روس کی دماغ بندی اور ذہن بندی، فکر بندی و فکر سازی کا واحد کارخانہ ہے۔

زمانہ قدیم سے ترکستان تورانی قوموں کا وطن اور نسلی و ثقافتی لحاظ سے ایک ملک رہا ہے۔ وسط ایشیا اور یورپ کے تورانی مسلمانوں کو مغلوب کرنے کے لیے زار کی حکومتوں نے جو مسلسل جنگیں کیں مسلمانوں نے سختی سے ان کا مقابلہ کیا، کئی صدیوں تک تورانیوں اور روسیوں کی یہ کشمکش جاری رہی۔ سوویٹ روس مسٹر کلیمنٹ اٹیلی کے الفاظ میں الٹی ہوئی زاریت ہے۔ کمیونسٹ روس زاریت سے لاکھ درجے بدتر جابریت ہے۔ کمیونسٹ روس نے نہ صرف مسلمانوں کو غلام بنایا بلکہ مسلمانوں کو مسلمانیت اور قومیت سے محروم کرنے اور پوری طرح روسی بنا دینے کے لیے ترکستان کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

کمیونسٹ روس نے ترکستان کو (۱) قازقستان (۲) ازبکستان (۳) تاجکستان (۴) ترکمانستان (۵) کرغیزستان (۶) آذربائیجان اور بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ جس میں سے ہر ایک ماسکو کا محتاج و غلام ہے۔

کاغذ پر اور دستور اساسی کے لحاظ سے یہ سب خودمختار (مستقل) sovereign قومی ریاستیں ہیں۔ قانوناً ان کو ممالک خارجہ میں اپنی جداگانہ سفارتیں قائم کرنے، مجلس اقوام متحدہ کا ممبر بننے اور سوویٹ یونین سے علیحدہ ہو جانے کے اختیارات حاصل ہیں.........

لیکن اصل حقائق اس کے برعکس ہیں۔ روس تضاد و تناقض کا ملک ہے۔ چیزیں حقیقت میں ویسی نہیں ہوتیں جیسی دنیا کو دکھائی جاتی ہیں۔ ازبکستان، قازقستان اور دوسری قومی جمہوریتوں کی خودمختاری ساورنیٹی (حاکمیت) حقیقی نہیں بلکہ محض خیالی و سرابی ہے۔ ان کی ابتدا اور پیدائش طاقت و زندگی کے سرچشمے ان کی قومیں اور عوام نہیں، بلکہ کمیونسٹ پارٹی ماسکو ہے جو سوویٹ یونین کی ہر معمولی

سے معمولی چیز پر حکمرانی کرتی ہو۔ یہ جمہوریتیں اور ریاستیں قومی خواہشات کی نہیں بلکہ کریملین کی مخلوقات اور آڑ کار ہیں، ان کی بقاء و زندگی کمیونسٹ پارٹی کی مرضی و خوشی پر موقوف ہے۔ خود ریاست بھی کمیونسٹ پارٹی کی آڑ کار ہے۔

صرف کٹر کمیونسٹ حکومتی ادارات پر مقرر ہو سکتے ہیں۔ قومی ریاستوں کی آزادی و خود مختاری کس قدر بے اصل ہو ہم پر اس وقت کھلا جبکہ ہماری ملاقات مسٹر عبد الجبار عبد الرحمٰنوف سے ہوئی یہ صاحب وسط ایشیا کی سب سے بڑی جمہوریہ ازبکستان کے وزیر اعظم تھے۔ لیکن ماسکو نے ان کو اس قصور پر برخاست کر دیا کہ وہ ماسکو کی کپاس کی پالیسی پر پوری طرح عمل نہیں کر رہے تھے۔ اب ان کو ماسکو کی زراعتی و صنعتی نمائش ازبک اسٹال کا منیجر بنا دیا گیا ہے۔ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہے کہ نہ صرف کسانوں اور مزدوروں کو بلکہ بڑی بڑی قومی ریاستوں کو بھی حق نہیں ہو کہ وہ اس کا فیصلہ کر سکیں کہ وہ اپنے کھیتوں میں کون سی فصل اگائیں گا۔ ہر شخص کے کام اور ہر کھیت کی فصل کا فیصلہ ماسکو کرتا ہے۔

سوویٹ یونین میں الیکشن محض بوگس اور نمائشی ہوتا ہے، کمیونسٹ پارٹی ماسکو سارے امیدواروں کو نامزد کرتی ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کے علاوہ کسی کو کوئی پارٹی یا جمعیت بنانے کی اجازت نہیں ہے۔ کوئی حزب اختلاف نہیں ہے۔ نہ مخالف اخبار ہے اور نہ کمیونسٹ پارٹی کے امیدوار کے خلاف امیدوار کھڑا کر سکتا ہے نہ خلاف میں ووٹ ڈال سکتا ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کے سارے امیدوار ہمیشہ بالاتفاق منتخب ہوتے ہیں۔ کیونکہ کسی کو ان کے خلاف کھڑا ہونے کی آزادی ہی حاصل نہیں ہے۔ سوویٹ یونین ایک چٹانی سنگین اسٹیٹ (Monolithic State) ہے۔

سوویٹ یونین میں آزادی کو اس لیے قربان کر دیا گیا تھا کہ برابری حاصل ہو۔ لیکن عملاً آزادی و برابری دونوں کمیونسٹ پارٹی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھادی گئی ہیں۔ پرانے امراء و اشراف کی جگہ نئے حکمران اور نئے اونچ و نیچ طبقات پیدا ہو گئے ہیں۔ سوویٹ سوسائٹی میں دوسرے امتیازات کے علاوہ (۱) کمیونسٹ اور غیر کمیونسٹوں، (۲) روسیوں اور غیر روسیوں (۳) شہریوں اور دیہاتیوں (۴) دماغی کام کرنے والوں اور دستی کام کرنے والوں (۵) صنعتی مزدوروں اور زراعتی مزدوروں کے درمیان نمایاں تفریق و نابرابری ہے۔

سوویٹ روس میں مسلمان علاقوں خصوصاً ترکستان کی آزادی و توحید کی تحریکات جاری ہو چکی

ہیں۔ اتحاد سوفیتائیہ اشتراکیہ روس کی سب سے بڑی مظلوم غیر مطمئن اور مضطرب قوم مسلمان ہیں۔ مسلمانوں نے کبھی اپنی شکست تسلیم نہیں کی ہے۔ وہ آج استقلال و اتحاد ترکستان کے داعی اعظم غازی انور پاشا اور مجاہد اعظم ابراہیم بیگ کے زمانہ ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۶ء سے بہت زیادہ خود شعور اور خود شناس منظم و تعلیم یافتہ اور فوجی تربیت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ ترکان ترکستان ایک غیور، جسور بہادر جنگجو اور نہایت مذہبی قوم ہیں جو شاندار روایات و تاریخ اور حیرت انگیز جوش زندگی، قوت کردار اور زبردست احساس قومیت رکھتے ہیں۔ روسی ان کی قومیت کو مٹانے میں پوری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔ ترکان روس بحیثیت قوم زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ وہ فخریہ بتاتے ہیں کہ گزشتہ عالمی جنگ میں جب ہٹلر کے سامنے روسی فوجیں پاش پاش بے بس و سرنگوں ہو چکی تھیں۔ ماسکو اور لینن گراڈ بس ساقط ہونے ہی کو تھے کہ وسط ایشیا کے ترک و تاتار آگے بڑھے، خالی صفوں کو پُر کیا، جرمنوں کے سیل رواں کا منھ پھیر دیا اور نازیت کو شکست فاش دی۔ مارشل زھوخوف اور اسٹالن نے جنگ کے اس نازک ترین مرحلے پر مسلمانوں سے مدد کی بھیک مانگی اور مسلمان قوموں سے وعدہ کیا کہ فتح کے بعد مسلمانوں کو مکمل قومی آزادی اور وحدت قائم کرنے کا موقع دیا جائے گا اور ان کو حق ہوگا کہ وہ روس سے علیحدہ ہو جائیں۔ اسٹالن اور زھوخوف نے ان وعدوں کے لاکھوں مطبوعہ اشتہار ہوائی جہازوں سے مسلمانوں کے درمیان گرائے۔

## معاشی حالات

روس میں تمام زمینیں جائدادیں اور کاروبار ریاست کی ملکیت ہیں اور ریاست کا مطلب کمیونسٹ پارٹی ہے۔ جو در اصل ریاست کی بھی مالک ہونے کی مدعی ہے۔ یہ "زمیندار اعظم" ہے اور باقی سب اس کی رعیت بالمرضی اور غلام و وابستہ جاگیر ہیں۔ معاشی نظام صاف طور پر ریاستی جاگیرداری State Fendalism کا نظام ہے۔ لوگوں کو قطعی اپنے کام اور ذریعۂ زندگی چننے کا اختیار نہیں ہے۔ لوگ فارموں، فیکٹریوں اور آفسوں سے بندھے ہوئے غلام ہیں، نہ وہ استعفےٰ دے سکتے ہیں اور نہ دوسرے مقام پر نئی راہ معاش تلاش کرنے جا سکتے ہیں۔ کام چھوڑ دینے کی سزا موت ہے۔ ہر مرد و عورت اور بچہ کمیونسٹ پارٹی کا سرمایہ ہے جو اس کو جس طرح اور جہاں چاہے استعمال کر سکتی ہے۔ فرد کے لیے کوئی اختیار، کوئی آزادی اور کوئی دوسرا چارۂ کار نہیں ہے۔ والدین کو بچوں پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ بچوں کو

خاندانوں سے جدا کر کے ریاستی کودکستانوں اور نرسری کے حوالے کیا جا رہا ہے۔

مسلم وسط ایشیا میں ریاستی جاگیرداری (State Feudalism) کے ساتھ ساتھ روسی استعماریت و نوآبادی (Colonialism) بھی مسلط کی گئی ہے وہاں روسی تمام کلیدی مقاموں پر قابض ہیں۔ قازقستان، ازبکستان، تاجکستان، ترکمانستان، کرغیزستان، آذربائیجان، تاتارستان داغستان وغیرہ کی ساری معاشیات کی منصوبہ بندی کریملن نے اس طرح کی ہو کر ان کی مکمل اقتصادیات روس کی آلہ کار بن کر رہ گئی ہو۔ ہم نے وہاں کوئی گیہوں اور غلے کا کھیت نہیں دیکھا۔ حکام نے بتایا کہ غلہ روس اور یوکرین سے آتا ہے۔ ازبکستان اور تاجکستان پورا کا پورا کپاس کا کھیت ہے۔ سوویٹ یونین کی اسّی فی صدی سے اوپر روئی ان دو مسلم ریاستوں میں پیدا کی جاتی ہے۔ لیکن ان ملکوں میں ایک ہی کپڑے کا کارخانہ ہے۔ باقی ساری روئی روس کو جاتی ہے۔

تاجکستان میں اسٹالن آباد کے قریب ہم نے لینن کولخوز (مشترکہ کھیت) دیکھا جس کا رقبہ ۹۸۸۰ ہیکڑ ہے۔ یہاں صرف چند چوبی مکان تھے۔ لیکن ۹۵ فی صدی کسان چھوٹے چھوٹے خس پوش مٹی کے نہایت پست مکانوں میں رہتے ہیں۔ یہ مکان یقیناً پنجاب و مشرقی پاکستان کے کسانوں کے مکانات سے بہت زیادہ گھٹیا ہیں۔ ان ترکستانوں کا معیار زندگی ماسکو کے قریب لینن میموریل کولخوز کے روسی کسانوں کے معیار سے بہت زیادہ پست ہے۔ کیونکہ ہم نے روسی کسانوں کو چھ اور آٹھ کمروں کے آراستہ چوبی مکانوں میں رہتے دیکھا جو ریڈیو سٹ ٹیلی وژن سٹ اور میز کرسی سے آراستہ تھے۔

تاشقند میں ہم نے دیکھا کہ شہر کے تمام نئے اور بہتر علاقوں پر روسی قابض ہیں۔ تاشقند آبادی و تمدن میں ایک روسی شہر بنایا جا چکا ہے۔ مسلمان عموماً گندی بستیوں اور مٹی کے جھونپڑوں میں رہتے ہیں۔ پھر بھی مسلمان جھونپڑیوں کو اس لیے ترجیح دیتے ہیں کہ ان کے اپنے گھر ہیں جن کے ساتھ خانہ باغ ہے۔ جہاں پھل اور سبزیاں پیدا کرتے ہیں۔ لیکن اس طرح کی بہت سی آزاد جھونپڑیوں کا صفایا کر کے حکومت فلیٹ بنا چکی ہے جن کو کرایہ پر دیتی ہے۔ اس طرح ذاتی مکانوں اور باغوں کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ آخری منزل ہر قسم کی ذاتی کھیتی، باغبانی اور گھر باڑی کو یکسر مٹا کر ہر انچ زمین اور ہر مکان کو ریاستی ملکیت بنا دینا ہے۔

سوشلزم سے کمیونزم کی طرف مارچ کی راہ میں کولخوز (مشترکہ کھیت) محض ایک عارضی اسٹیج ہے۔

یہ منزل نہیں درمیانی اسٹیشن ہے۔ "کامیونزم" کے مطابق انجام کار سب مشترکہ کھیتوں اور ذاتی مکانوں کو سرکاری مکانوں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اور کسی قسم کی ذاتی ملکیت، مذہب اور نابرابری باقی نہیں رہے گی اور ریاست بھی فنا ہو جائے گی۔

کھیتوں اور کارخانوں کے مزدوروں کا معیار زندگی آزاد معیشتوں کی بہ نسبت بہت پست ہے۔ ہمارے پنجاب کے کسانوں کی خوراک روسی کھیت مزدوروں سے بہت بہتر ہے۔ یقینی طور پر پاکستان اور ہندوستان کی خود کاشتہ زمینوں کے آزاد کسانوں کی زندگیاں روس کے مشترکہ اور سرکاری فارموں کے غلام مزدوروں سے بہت زیادہ خوشتر ہیں۔ کیونکہ روسی کسان اپنی زمینوں سے بندھے ہوتے ہیں اور اپنے کاموں کو چھوڑ کر بہتر کاموں کی تلاش میں دوسری جگہ نہیں جا سکتے۔

سب سے حیرت انگیز بات جو ہم پر ظاہر ہوئی وہ یہ تھی کہ کارخانوں کے مزدوروں، آفس کے کارکنوں فن کاروں، کاریگروں اور دوسرے آزاد آمدنی رکھنے والوں کو ماہانہ انکم ٹیکس، گھر کا کرایہ اور دوسرے قسم کے ٹیکس دینے پڑتے ہیں۔ بے اولاد اور صرف دو بچے رکھنے والے شہریوں پر خاص ٹیکس عاید ہیں۔ مشترکہ فارم کی پیداوار کا ۵۰ فیصدی حصہ اسٹیٹ لیتی ہے۔ بیج کا ذخیرہ، چارہ اور حفاظتی ٹیکس اور دوسرے اخراجات منہا کرنے کے بعد باقی حصہ غریب مزدوروں کو ان کے کام اور حیثیت کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے جو کل سے پیداوار کا پندرہ فیصدی ہوتا ہے۔

صارفین کے سامان کی ہر جگہ خصوصاً ایشیائی ریاستوں میں انتہائی قلت ہے۔ بہت سی ریاستیں اپنے شہریوں کے لیے کافی خوراک بھی نہیں پیدا کر سکتیں۔ ہر ریاست ایک خاص جنس پیدا کرنے کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے۔ اس طرح معاشی اور سیاسی لحاظ سے تمام قومی ریاستوں کو روس کی تابعدار نوآبادیاں بنا دیا گیا ہے۔ مثلاً قازقستان روس کا غلہ خانہ، ازبکستان تاجکستان روئی کا کھیت، آذربائیجان تیل کا خزانہ، اور بشکیریا تاتارستان دوسرا باکو ہے۔

سوویٹ معاشیات کی چند خصوصیات واضح ہیں۔ (۱) اولاً ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۲ء تک پرائیوٹ کھیتوں کو توڑنے اور مشترکہ کھیتوں کے بنانے کا خرچہ انسانوں کے قتل عام اور مادی سامانوں کی بربادی عام کی شکل میں اس قدر بھاری عظیم اور دور رس ہوا ہے کہ سوویٹ نظام آج تک اس کے تباہ کن اثرات سے صحتیاب نہیں ہو سکا۔

۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۷ء کے درمیان اشتمال اراضی یعنی پرائیویٹ کھیتوں کے جبراً ختم کرنے اور شترکہ کھیتوں کے بنانے کی تحریک اس قدر بے رحمانہ ظلم کے ساتھ جاری کی گئی کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ہے۔ سٹالن نے ۱۹۲۹ء میں کسان اور کاشتکاروں کو سماج دشمن اور آخری سرمایہ دار قرار دیا۔ ان کے خلاف مکمل و مسلح جنگ کا اعلان کیا ان کو قابل استیصال قرار دے کر چن چن کر ہلاک کیا گیا۔ اس آٹھ سالہ جنگ استیصال میں دو کروڑ چھیالیس لاکھ چوہتر ہزار پانچسو مردوں اور عورتوں کا قتل عام کیا گیا۔ کسانوں نے اشتمال اراضی کا سخت مقابلہ کیا اور اپنے مویشیوں اور گھوڑوں کو کمیونسٹوں کو حوالے کرنے کے بجائے اپنے ہاتھ سے کروڑوں کی تعداد میں ذبح کر دیا اس ذبح عظیم نے غلہ، کپڑا، جوتے، دودھ، مکھن، گوشت اور چمڑے کی وہ عظیم قلت پیدا کی جو آج تک روس کی مصیبت بنی ہوئی ہے۔ کمیونسٹ اخبارات کے اپنے بیان کے مطابق گھوڑوں کی قلت اس قدر شدید اور نازک ہو گئی کہ ایک ایک جوڑے گھوڑے کی جگہ پر اشتراکیوں نے ایک ہل میں تیئیس مردوں اور عورتوں کو جوت دیا جن سے شبانہ روز کام لیا گیا۔ مشینی زراعت کی ترویج کے باوجود یہ قلت اب تک جاری ہے۔

(۲) دوئم۔ شہری صنعت گری قائم کرنے کے لیے زراعت پیشہ لوگوں کی استعماری لوٹ اور غارت گری سوویٹ نظام کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ سوویٹ صنعت گری کے واسطے سارا سرمایہ کسانوں کے خون سے جمع کیا گیا۔ کمیونسٹ سرکاری سرمایہ کاری اور سرخ صنعت گری کی ساری عمارت کسانوں کی لاشوں ہڈیوں اور کھوپڑیوں پر تعمیر کی گئی ہے۔ کسی زمانے اور کسی ملک میں آزاد کسانوں کو اتنے بے رحمانہ طور پر نہیں لوٹا گیا اور نہ اتنے مکمل طور پر من حیث الجماعت ہلاک اور استیصال کیا گیا۔

(۳) سوئم۔ من مانی قیمتیں حکومت مقرر کرتی ہے۔ اور یہ آزاد معیشت ملکوں سے بہت زیادہ اونچی اور گراں ہیں۔ حکومت اپنے خریدنے کے لیے چیزوں کے دام بہت سستے مقرر کرتی ہے۔ اسی چیز کے دام صارفین کے لیے بہت اونچے رکھتی ہے۔ دیسا ور برآمد کرنے کی چیزوں کے دام بہت کم، مگر اسی کے دام ملک میں بہت اونچے کرتی ہے۔ زراعتی و دیہاتی جنسوں کے دام صنعتی و شہری جنسوں کے مقابلے میں بہت زیادہ کم ہیں۔ دراصل کسانوں کے لوٹنے کا یہ خاص طریقہ ہے۔ شہری صنعتی مزدوروں کے لیے سرکار نے روٹی اور دودھ کے دام قدرے کم رکھے ہیں۔ لیکن دیہات میں ضرورت کی چیزیں سخت کمیاب اور نایاب ہیں۔ ماسکو کی راجدھانی میں بھی قیمتیں بہت اونچی ہیں۔ مثلاً مکھن اٹھائیس روبل پونڈ ہے۔ اور روبل پاکستانی روپیہ کے برابر ہے۔ مچھلی سولہ روبل، چائے گیارہ روبل، گوشت پندرہ روبل پونڈ ہے۔ جوتے کے دام چار سو پانچ روبل ہیں۔ قمیص سو

روبل میں اور سوٹ ڈھائی ہزار سے تین ہزار روبل میں ملتا ہے۔ اور بڑے شہروں سے باہر یہ بھی نہیں ملتے ہیں۔

(۴) چہارم۔ ہمیں ماسکو میں عورتوں کو اونچے اونچے لکڑی کے تختوں اور مچانوں پر کھڑی ہو کر راج مستری کا کام کرتے ہوئے دیکھ کر سخت حیرت ہوئی۔ یہ عورتیں اینٹ ڈھونے، جھاڑو دینے اور انجن اور ٹرام ڈرائیور کا کام کر رہی تھیں۔ بہت سے کارخانوں میں عورتوں کی کثرت ہو۔ لینن گراڈ میں سوویٹ یونین کے سب سے بڑے مرکزی چھاپہ خانہ میں نوے فیصدی کارکن عورتیں تھیں۔ ماسکو اور لینن گراڈ اور یورپی روس میں مردوں سے عورتیں دہ گنی دکھائی دیتی ہیں۔ یہ ایک عظیم معاشرتی مسئلہ ہے۔ لیکن انسانیت کے اصول پر اس کو حل کرنے کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ عالمگیر جنگ کے باعث کروڑوں عورتیں ہیں جو اپنے خاندان کے کمانے اور پرورش کرنے والوں سے محروم ہو گئی ہیں، روس میں تمام عورتوں کے لیے اپنی روزی کمانے کے لیے کام کرنا ضروری اور لازمی ہے۔

ماسکو کے مضافات میں ہمیں ننگے پیر مردوں، عورتوں، لڑکوں اور لڑکیوں کو غریب ترین اور قلیل ترین لباسوں میں دیکھ کر افسوس ہوا۔ بعض ان میں صرف بنیائن پہنے ہوئے تھے۔

(۵) پنجم۔ سوویٹ یونین تاریخ عالم کی سب سے بڑی غلام ریاست (Slave State) ہو جس میں امراء اور سلاطین نہیں بلکہ ایک بے روح استبدادی ریاست سارے شہریوں کی مالک مطلق بنی ہوئی ہو۔ یہاں ہر ہر چیز کی بنیاد غلامی پر ہے۔

(۶) ششم۔ تاریخ عالم میں سوویٹ یونین انسانی دماغ اور روح کا سب سے بڑا تاریک قید خانہ جس پر آزاد علم و اطلاع، فکر و بیان اور اظہار خیال کی روشنی کو مکمل طور پر بند کر دیا گیا ہو، لوگوں کو دنیا کے واقعات کو جانتے اور غیر ملکی کتابیں اور اخبارات پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

تمام روسی اخبارات پارٹی پروپگنڈہ کے اشتہارات ہیں اور دنیا کی خبروں اور تبصروں کو مطلق شائع نہیں کرتے۔ واقعہ یہ ہو کہ وہ خود سوویٹ یونین کی خبریں نہیں چھاپتے۔ تحریر و تقریر اور پریس کی آزادی مطلق نہیں ہے۔ انسان کے دماغ کو پوری طرح مقفل اور بند کر دیا گیا ہے۔

(۷) ہفتم۔ ایک تعجب انگیز تضاد جو ہم نے سوویٹ یونین کے یوروپین اور ایشیائی حصہ میں دیکھا وہ اسٹالن کے متعلق ہے۔ ایشیائی ریاستوں کی سڑکوں، باغوں، آفسوں، دفتروں، کھیتوں اور کارخانوں کے ہر کونے میں اسٹالن کے دیوہیکل فولادی مجسمے لگائے گئے ہیں لیکن ماسکو لینن گراڈ

اور یورپین حصوں میں ہم نے کوئی اسٹالن کا مجسمہ نہیں دیکھا جو تھے وہ سب ہٹا دیے گئے۔ ہم نے محسوس کیا کہ ایشیائی ریاستوں میں اسٹالن کی دیو ہیکل مورتیں محکوم قوموں کو مرعوب اور خوف زدہ کرنے کے لیے لگائی گئی ہیں۔ کیونکہ سوویٹ اشتراکیت ایک غیر ملکی اور سامراجی مذہب ہے جسکو صرف اسٹالینن ازم کے ذریعہ مسلط رکھا جاسکتا ہے۔ اور اسٹالن ازم وحشیانہ بربریت اور دہشت انگیزی محکوم قوموں کی نسل کشی کا دوسرا نام ہے۔

## خوف اور بےچینی کی زمین میں زوال کے آثار

کمیونسٹ پارٹی کے ماتحت سوویٹ یونین خوف وہراس اور بے یقینی ولامذہبی کی سرزمین بنائی جا چکی ہے۔ یہ جاسوس اور خفیہ مخبروں کی پولیس اسٹیٹ ہے۔ کھیتوں کارخانوں، فوجوں، دفتروں، ہر جگہ اور ہر گوشہ میں جاسوس بھرے ہوئے ہیں۔ ہم نے روس اور وسط ایشیا میں ہر چہرہ پر جلی حرفوں میں "خوف" لکھا ہوا دیکھا۔ ہر شخص آزادی اور صفائی سے بولنے سے ڈرتا ہے۔ وہ اپنے سایہ سے بھی ڈرتا ہے۔ سوویٹ یونین میں چوٹی کے حکمرانوں سے لیکر ادنیٰ ترین مزدور اور ہر شخص دائمی خوف وشک اور بدگمانی کی زندگی گزار رہا ہے۔ کوئی اپنے پر اعتبار نہیں کرسکتا نہیں بلکہ باپ ماں بھی اپنے بچوں پر اعتبار نہیں کرسکتے۔ کیونکہ کمیونسٹ پارٹی بچوں کو ان کے والدین کے خلاف جاسوس مقرر کرتی ہے۔ اور بچوں کو والدین کے خلاف خبر دینے پر انعام دیتی ہے۔ روسی اکابر ہر دم اندرونی بغاوت و انقلاب اور بیرونی حملہ کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔ ان بڑے لوگوں پر ہر لحظہ اپنے عزیز ترین دوستوں سے غداری اور قریب ترین رشتہ داروں سے بغلی چھری کا خوف سوار ہے۔

غریب مزدور منیجر اور وزیر ہر دم خوف کی زندگی گزار رہے ہیں، کیونکہ نہیں جانتے کہ کل ان کا حشر کیا ہوگا۔ ہر جگہ بے یقینی اور بے اطمینانی پھیلی ہوئی ہے۔ کیونکہ ہر شخص ان سیاسی، معاشرتی و اقتصادی حالات سے غیر مطمئن ہے جن کا وہ قیدی اور غلام ہے۔

جنگ کے جھوٹے پروپگنڈے نے عوام کے دلوں میں یہ خوف پیدا کر دیا ہو کہ کوئی بڑی خرابی موجود ہے اور جنگ جہاں سوز کی ہلاکت دنیا ہی ان کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔

لوگ بس مویشیوں کی طرح کام کر رہے ہیں۔ وہ اپنے کاموں میں دل نہیں لگاتے کیونکہ کوئی تندرست انسان اپنی غلامی کی بیڑیوں اور اپنی قید وبندش کی زنجیروں کے ساتھ محبت نہیں کرسکتا۔ روس میں خوف

اور محض خوف زندگی کی بنیاد ہے" کوئی چیز محبت پر قائم نہیں ہے اور محبت ہی وہ قانون حیات ہے جس نے ہر ذرۂ عالم کو باہم جوڑ کر اس کو مربوط و منظم و متحد نظام کائنات کو قائم و استوار رکھا ہے۔

حکیم مشرق علامۂ اقبال نے فرمایا ہے۔

سُن اے تہذیب حاضر کے گرفتار غلامی سے ہے بدتر بے یقینی

کمیونسٹ روس قول اقبال کی مکمل تفسیر ہے۔ روس غلامی اور بے یقینی کا دیس ہے، روس کا مرض الموت بے یقینی کا روگ ہے۔ کمیونزم کے مذہب بے یقینی یعنی اللہ رب العالمین، بقاء روح حیات بعد الموت، نظام اخلاق آخرت، خالق کے سامنے حساب و کتاب کی جوابدہی پر یقین کے انکار نے ہر چیز نے عام بے یقینی، بدگمانی، بے اعتباری، شکوک و شبہات، خوف و ہراس، غداری و خیانت کو پیدا کر دیا ہے، اور زندگی بالکل حیوانی، پراگندہ، ناشاد اور غیر متوازن ہو گئی ہے۔ مکمل اخلاقی اناری کا یہ ایک طریقہ ہے جو کبھی باقی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ یہ قانون فطرت اور کائناتی نظام اخلاق کے خلاف ہے۔

میرے مشاہدات کے مطابق کمیونزم کی بنیاد "مارکسی دہریت" مسلمان قوموں میں بہت کم پھیل سکی ہے نوجوان اگرچہ اسلامی قواعد و آداب مذہب سے زیادہ باخبر نہیں ہیں۔ لیکن اسلام پر یقین کا اعلان کرتے ہیں اور اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ ترکان روس کو اپنی قومیت اور مذہب پر فخر و ناز ہے اور یہی ملی و قومی عصبیت ہے جس نے ان کو اب تک کمیونزم کے پیٹ میں ہضم ہونے سے بچا رکھا ہے ذمہ دار حضرات نے ہمیں اطلاع دی کہ وہ چند مسلمان جو وزارت و عہدہ کے لیے کمیونسٹ پارٹی کے ممبر بنتے ہیں مرنے کے پہلے اماموں کے ہاتھوں پر توبہ و استغفار کرتے ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، اسلام پر اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہیں اور مزاج شریعت محمدیہ کے مطابق مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن ہونے کی درخواست کرتے ہیں۔

میرا یقین ہے کہ ایک فی صدی مسلمان بھی دہریہ نہیں ہیں۔ چونکہ دہریت "مارکسی مادیت" کی جڑ اور ام الخبائث ہے بنا بریں روس کی جنگجو تورانی قوموں کے انتہائی ظالمانہ قتل و غارت کے حالات میں بھی اسلام پر ایمان بحال رکھنا اعلیٰ ترین اہمیت کا واقعہ ہے۔ اور ضرور ہے کہ آزاد دنیا بہ کمال توجہ ان کے مستقبل پر نظر رکھے۔

مجھے اس پر مطلق شک نہیں ہے کہ سوویٹ یونین اور ساری دنیا میں اصلی جنگ نہ صرف

غلامی و آزادی کے درمیان بلکہ ربانیت اور دہریت، اخلاقی نظام اور اخلاقی انارکی کے درمیان جاری ہے۔ مسلمانان روس جو سوویٹ یونین کی سب سے بڑی غیر روسی قوم ہیں۔ دراصل مارکسی دہریت اور روسی سامراجیت کے خلاف "فوجی" نقطۂ نظر اور روحانی اعتبار سے سب سے زبردست مخالف طاقت ہیں۔

سوویٹ روس کسی حال میں ترقی و خوشحالی کی دوڑ میں آزاد دنیا کے برابر نہیں آسکتا کیونکہ یہ سراسر غلامی کی سلطنت ہو جس سے "آزادی" بالکل شہر بدر کردی گئی ہو۔ حالانکہ "آزادی" انسان کی انسانیت ترقی و خوشحالی کی روح رواں ہو۔ چنانچہ روس آج فقدان رجال اور فقدان قیادت کے مرض میں مبتلا ہو چکا ہے۔ اسٹالن کے بعد روس کے ہر شعبۂ زندگی میں آج تیسرے درجہ کے لوگ حکومت کر رہے ہیں۔ ایک بھی اول درجہ کا انسان موجود نہیں ہو جس میں پیدائشی قیادت کا جوہر ہو جیسا کہ لینن اور اسٹالن میں تھا۔ اور یہ صرف لینن ٹراٹسکی اور اسٹالن جیسے پیدائشی قائدین تھے جو خونت اور بے یقینی کے اس وسیع اور عریض سلطنت کو تاریخ کے اس عظیم ترین غلام کیمپ کو اور مشرق و مغرب کی مختلف نسلوں، قوموں، تہذیبوں، اور مذہبوں کے اس تاریک قید خانہ کو کچھ روز قائم رکھ سکتے تھے۔ ہم نے لوگوں میں احساس کمتری اور زوال کے نمایاں آثار دیکھے ہیں۔ روسی خود اس کا احساس و اقرار کرتے ہیں کہ وہ چینیوں سے ہر اعتبار سے کم ہیں۔

روسی کہتے ہیں کہ چینی خوش قسمت ہیں کہ انکے پاس ماؤزے تنگ اور چو ین لائی جیسے لیڈر اور انکی بنبہ پر متحدہ پارٹی ہو۔ میں نے یہ احساس کمتری اکثر میں بھی پایا۔ روس میں آج کوئی نہیں ہو جو اسٹالن کی جگہ لے سکے۔ انکے جانشینوں میں سخت افتراق و انتشار برپا اور شدید بدگمانی اور رقابت ظاہر ہو چکی ہو۔ مالوٹوف مالنکوف، شیپی لوف اور کاگانووچ کا حکومت سے ڈرامائی اخراج اس وقت ہوا جب ہم روس میں موجود تھے۔

یہ داخلی افتراق اور جنگ قیادت کا کھلا مظاہرہ ہو۔ غالباً اس کمزوری کا ذمہ دار خود اسٹالن تھا کیونکہ وہ نہایت حاسد تھا اس نے تمام اول درجہ کے لوگوں کو اپنے راستہ کا کانٹا جان کر صاف کر دیا، جو کسی طرح اس سے نمایاں ہو رہے تھے۔ دوسرے یہ کہتے ہیں کہ یہ کمزوری خود سوویت سسٹم کی فطرت میں داخل ہو۔ کیونکہ یہ انسان کے دماغ تعلیم، معیشت اور زندگی کی مکمل بندش اور قید کا نظام ہو۔ جس کے ماتحت اول درجہ کے لوگوں کا ابھار اور اٹھان ناممکن نہیں تو محال ہو۔ زوال اور انتشار کے جراثیم خود اس سسٹم کے باطن میں داخل ہیں، کیوں کہ یہ نظام مکمل طور پر اس صحتمندانہ انفرادیت، آزادی اور مسابقت کو ختم کر دیتا ہو

جو عظمت، قیادت تغیر و ترقی کی بیخ و بنیاد ہیں۔

سوویٹ یونین کے یقینی زوال اور انتشار کی ایک دوسری وزنی وجہ یہ ہو کہ روس آج نہ صرف انفرادیت اور شخصیت کا قبرستان بلکہ قوموں مذہبوں اور تہذیبوں کا قیدخانہ بھی ہو اور ان میں سے ہر ایک اپنی آزادی کی جنگ لڑنے کی تیاری کر رہا ہو اور دوسری عالمگیر جنگ کی طرف امید کی نظروں سے دیکھ رہا ہے، اور یہ محسوس کرتا ہو کہ جنگ روسی آہنی پردہ کو پاش پاش کر دے گی۔ قیدخانہ اقوام کی دیواروں کو گرا دے گی۔ اور آزادی کی صحت بخش و روح افزا نسیم کی در آمد کا راستہ ان پر کھول دے گی۔

میری رائے میں سوویٹ نظام کی سب سے بڑی کمزوری جو اسکو اندر سے شکست و ریخت کی دھمکی دے رہی ہو اخلاقی اور روحانی بنیاد کا فقدان ہو۔ یہ کمی سوویٹ نظام کی مارکسی اصل و نہاد کے باعث ہو۔ تاریخ ظاہر کرتی ہو کہ کوئی عمرانی نظام باقی نہیں رہ سکتا تا وقتیکہ اس کی جڑیں آزاد انسانوں کے دلوں اور ضمیروں میں پیوست نہ ہوں۔ جو نظام زندگی محض اوپری جبر اور زور سے مسلط کیا جاتا ہو وہ جبر اور زور سے ہی فنا ہو جاتا ہو۔ سوویٹ یونین ایک ایسا ہی جابرانہ نظام ہو۔ سوویٹ نظام کے تمام نمایاں نقائص "کمزوریاں" اور تضاد اس کے مارکسی اصل و بنیاد سے پیدا ہوئے ہیں۔ جہاں تک یہ نظام مارکسی دہریت اور مادیت پر مبنی ہے یہ انسان کی انسانیت اور فطرت کی مکمل نفی ہو۔

انسانیت اور انسانی فطرت (۱) عقلیت (۲) روحانیت (۳) اخلاقیت اور (۴) عمرانیت سے مرکب ہے اور مارکسیت ان میں سے ہر ایک کے بالکل متضاد اور مخالف ہو۔

سوویٹ نظام نے ایک طرف ہر قسم کی الوہیت کا انکار کیا ہو لیکن دوسری طرف مارکس کو نہ صرف عصمت بلکہ الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ اس نے مارکس کو نعوذباللہ اپنا خدا رسول اور پوپ تسلیم کیا ہے اور ایک ایسی خلاف عقل جنون پرستی کو فروغ دیا ہو جو ہر قسم کے تعصبات سے بڑھ چکی ہو۔ روس کے لئے اس وقت تک کوئی امید نہیں ہو جب تک وہ اس مٹی کے جھوٹے خدا کو تخت سے اوندھے منھ گرا کر بالکل پاش پاش نہ کر دے۔ جب تک مارکس پرستی کے اس باطنی روگ سے شفا حاصل نہ ہو گی سوویٹ نظم کے بقا کی کوئی امید نہیں ہو۔ داخلی تصادم تضاد اور ٹکراؤ سے اسکا مکمل سقوط و ہبوط لازمی ہو۔ داخلی یا خارجی حملہ اور سقوط کا خوف سوویٹ قائدین کے ہر خیال و عمل پر سوار ہو۔ جنگ کے خلاف عالمگیر پروپگنڈا اور تحریک امن کی بنیاد بھی ہلاکت کا خوف ہو لیکن ایک انسان جو خود اپنی "خودی" کے ساتھ

برسرِ جنگ ہو یعنی اپنی عقلی اخلاقی عمرانی اور روحانی قوتوں کے خلاف صف آرا ہو۔ کسی حال میں امن حاصل نہیں کر سکتا۔ "ظاہری" اور خارجی امن کے لیے "باطنی" اور "داخلی" امن قائم کرنا ضروری ہو۔ ایک انسان جو اپنی "خودی" کے ساتھ صلح و سلامتی نہیں رکھتا ہرگز دوسروں کے ساتھ صلح و سلامتی نہیں رکھ سکتا، اور روس کی تاریخ سے یہ ظاہر ہے کہ اللہ رب العالمین کی حاکمیت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے بغیر جو بعینہ اسلام ہو امن حاصل کرنا قطعی ناممکن ہے۔

۱۹۳۰ء کے قریب ڈاکٹر سر محمد اقبال نے فرمایا تھا:۔

"کہ روس جیسی گہری مذہبیت رکھنے والی قوم کسی مارکسی" دہریت" جیسے ایک منفی عقیدہ پر قانع نہیں رہ سکتی اور انجام کار یا تو کمیونزم روس کو نگل جائے گا یا کمیونزم اسلام کو ہضم کر جائے گا۔ لیکن اقبال نے اعلان کیا ہے اسلام خود تقدیر عالم ہے اور کسی دوسری تقدیر کو برداشت نہیں کر سکتا"

روس اور مشرق اوسط کے مشاہدات سے اس اقبالی پیشین گوئی کی مکمل تصدیق و توثیق ہوتی ہے۔ آج ایشیا اور افریقہ کے سامنے حقیقی سوال اسلام یا کمیونزم کا سوال ہے اور اس کے فیصلہ پر انسانیت کے مستقبل کا دارومدار ہے۔

ختم کرنے سے پہلے روسی عوام کو خراج تحسین ادا کرنا میرا فرض ہو۔ میری تنقید اقوام روس کے خلاف نہیں بلکہ مارکسی دہریت، اور جابریت کے خلاف ہے۔

میں روسیوں کی سادگی مہمان نوازی، پرجوش گرم دلی و مہربانی، خدمت گزاری اور ضبط و ادب سے بے حد متاثر ہوا۔ روسی عوام قابل محبت قوم ہیں۔ ان میں مغربی یورپ کی قوموں جیسا احساس برتری نہیں ہے۔ میرا یقین ہے کہ روسی قوم ملحدانہ مارکسی جابریت سے نجات و آزادی حاصل کرنے کے لئے بے چین ہے۔ جو انسانوں کو حیوان، اور انسانیت سے عاری بنا رہی ہے، اور جو عملاً زاریت اور تاریخ کے تمام قدیم ظالمانہ نظاموں سے ہزار گنا بدتر ہے۔

(بشکریہ "فاران")

# نامۂ غم

حضرت مدیر الفرقان ۲۴۔ نومبر کو دارالعلوم دیوبند کی ایک مجلس مشاورت میں شرکت فرمانے کے بعد دہیں سے مغربی پاکستان تشریف لے گئے ہیں، لائل پور میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر پاکر جو مکتوب گرامی راقم کے نام ارسال فرمایا گیا ہے اس کا ایک حصہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ (مرتب)

---

عزیز من! سلمکم اللہ تعالیٰ وعافاکم سلام مسنون

. . . . . . . بعد مغرب جامع مسجد میں اجتماع تھا، میری تقریر کے بعد عشاء کی نماز ہوئی، نماز سے فارغ ہوئے تھے کہ کسی نے آکر جامع مسجد کے خطیب ہمارے دوست مولانا زین العابدین کو ریڈیو کے حوالہ سے حضرت کی وفات کی خبر پہنچائی، ابھی اجتماع کی کچھ کاروائی باقی تھی، سنتوں اور نفلوں سے فارغ ہوکر ہم سب لوگ پھر حجرے کے بیٹھے تو مولانا زین العابدین صاحب نے ایک خاص تمہید کے ساتھ تقریر شروع کی، یہ تمہید اجتماع کے موضوع سے بالکل بے تعلق تھی، اس لئے میں بھی نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں، اس تمہید کے بعد انھوں نے مجمع کو حضرت کی خبر وفات سنائی، اب تک مجھے بھی خبر نہ تھی، اِنا للہ وانا الیہ راجعون ٥

اگرچہ تمہید میں انھوں نے خصوصیت سے صبر کی تلقین فرمائی تھی لیکن مجمع کے اکثر لوگوں پر بے اختیار گریہ طاری ہوگیا، بہت سے لوگوں کی چیخیں نکل گئیں، ایک صاحب بیہوش ہوگئے، اور دیر تک بیہوش رہے، اور انکی حالت ایسی ہوئی کہ ان کی زندگی خطرہ میں نظر آنے لگی، کسی کو وہم و گمان بھی نہ ہوسکتا تھا کہ حضرت سے محبت اور تعلق رکھنے والوں کی یہاں اتنی بڑی تعداد ہوگی۔

مولانا زین العابدین صاحب نے خبر وفات سُناکر اور مجمع کو صبر کی تلقین کرکے فرمایا کہ اس وقت حضرت کے ساتھ محبت و تعلق کا صحیح تقاضا یہ ہے کہ فوراً ہی قرآن مجید پڑھ پڑھ کر ہم حضرت کے لئے ایصال ثواب کریں اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے رحمت و مغفرت اور رفع درجات کی

دعا کریں، چنانچہ سارا مجمع مشغول ہو گیا اور کچھ دیر کے بعد دعا کر کے مجمع منتشر ہوا۔

---

حضرت کی وفات سب مسلمانوں کے لئے اور خاص کر ہماری جماعت کیلئے اور دار العلوم کے لئے بہت ہی بڑا سانحہ ہے، جماعت کے لئے اور دار العلوم کے لئے ایک ایسی شخصیت کا وجود ناگزیر ضرورت ہے، جو اپنی علمی اور روحانی برتری کی وجہ سے اتنی وزنی اور مؤثر ہو کہ مختلف الرائے اور مختلف المذاق عناصر اسکی بات ماننا اپنے لئے ضروری سمجھیں۔ ابتک اللہ تعالےٰ کا یہ فضل رہا کہ جماعت کو اور دار العلوم کو تسلسل کے ساتھ ایسی شخصیتیں نصیب ہوتی رہیں، سب سے آخری شخصیت حضرت ہی کی تھی، حضرت کے بعد کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آرہی، اللہ تعالےٰ اپنے خاص فضل سے ہماری اس ضرورت کو پورا کرے، انہ علیٰ کل شئی قدیر،

حضرت کے متعلق میرے پاس کچھ خاصی معلومات ہیں، اب تک اُن کے لکھنے کا ایسا داعیہ پیدا نہیں ہوا تھا جو لکھوا ہی لیتا، انشاء اللہ اب لکھوں گا اور امید ہے کہ الفرقان کی آئندہ اشاعت کی تیاری کے وقت تک پورا کر کے تم کو دے سکوں گا، مجھے امید ہے کہ دوسرے حلقوں کے لوگ جو حضرت کو نہیں جانتے ہیں انشاء اللہ وہ اُس سے کچھ جان سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ جو کچھ ذہن میں ہے وہ لکھ سکوں، والسلام

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

---

## معذرت — اور — گذارش

الفرقان کا یہ شمارہ بعض اتفاقی عوارض کی بنا پر ایک ہفتہ کی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے ہم اس تاخیر پر اپنے ناظرین سے معذرت خواہ ہیں، ساتھ ہی یہ گزارش بھی ہے کہ جو حضرات قاعدہ کے مطابق انتظار فرما کر رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع دفتر کو روانہ کر چکے ہوں اُن کو اگر یہ رسالہ پہنچ جائے تو براہ کرم دوسرے خط کے ذریعہ اسکی اطلاع دیدیں تاکہ دفتر سے دوسری کاپی روانہ نہ کی جائے۔

ناظم الفرقان

# تعارف و تبصرہ

**قرآن عظیم مترجم و محشّٰی**
از جناب مولانا ابوالقاسم محمد عتیق صاحب بحر العلومی۔
ناشر:۔ مکتبہ نظامیہ، اکسال لکھنؤ۔ ہدیہ نامعلوم۔

قرآن عظیم ایک زندہ کتاب اور زندگی بخشِ جہاں کا ایک حیات آفرین پیغام ہے، تیرہ سو برس سے مختلف المذاق حضرات اپنے اپنے مذاق کے مطابق اسکی خدمت کرتے رہے ہیں اور جب تک اس دنیا میں زندگی کے آثار ہیں انشاء اللہ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا، خانوادہ فرنگی محل لکھنؤ کے ایک معتدر رکن جناب مولانا محمد عتیق صاحب بحر العلومی نے اپنے ترجمہ و تحشیہ سے اس سلسلۃ الذہب میں ایک تازہ اضافہ فرمایا ہے، جس کے نمونہ کے طور پر اس وقت پارہ "الٓمّٓ" ان کے ترجمہ و تحشیہ کے ساتھ ہمارے سامنے ہے۔

ترجمہ کی صحت و استناد کے لئے جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی اور مولانا عبدالباری صاحب ندوی جیسے اہل نظر اور قرآن سے خصوصی شغف رکھنے والے حضرات کی تقریظات موجود ہیں اور یوں بھی مولانا جیسے قدیم طرز کے عالم سے بجا طور پر اسکی توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ اس باب میں سلف کے قدم بہ قدم چلے ہوں گے۔ رہے حواشی تو ان کی نوعیت یہ ہے کہ مولانا ہر آیت کا مضمون، عنوان کی شکل میں حاشیہ پر تحریر فرماتے گئے ہیں جس سے ہر آیت کا مدعا اور اس کی اصل غایت واضح ہو کر ذہن میں آجاتی ہے۔ مثلاً " ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ" پر حاشیہ ہے " حقانیت قرآن مجید"

تحشیہ کا یہ انداز اچھوتا تو ہے ہی، اسکی مخصوص افادیت بھی پہلی ہی نظر میں ظاہر ہو۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور نفع عام کا ذریعہ بنائے۔

**آسان درس قرآن حصہ اول و دوم**
از جناب حافظ محمد یعقوب صاحب پیش امام مسجد نیا بازار کامٹی (ایم۔ پی)،
ملنے کا پتہ:۔ محمد انیس انصاری صاحب نیا بازار۔ کامٹی " "

حصہ اول ۴۹ صفحات قیمت عہ/ ، حصہ دوم ۶۴ صفحات، قیمت ۱۲/

قرآن کا فہم بڑی نعمت ہے اور انسان کی بڑی محرومی ہے کہ اس کتاب ہدایت کے مضامین سے ناآشنا رہے۔ حافظ محمد یعقوب صاحب نے اس کتاب کے ذریعہ کوشش کی ہے کہ عام مسلمان آیات الٰہی کے مطالب و مضامین سے آشنا ہو سکیں۔ ہم نے کچھ حصہ دیکھ کر محسوس کیا ہے کہ یہ بڑا مفید سلسلہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ بہتر صورت میں پورا کرائے۔

ان دونوں حصوں میں پارہ عم کی سورہ غاشیہ تک کا درس آگیا ہے، طریق درس یہ ہے کہ اگر چھوٹی سورت ہے تو پہلے پوری سورت اور بڑی ہے تو اسکی ایک ایک دو دو آیت لکھ کر نیچے تحت اللفظ ترجمہ لکھا گیا ہے اور پھر "تفہیم" کے زیر عنوان ارشادات الٰہی کے مقصود و مدعا کو نہایت دلنشین اور عام فہم انداز میں واضح کیا گیا ہے۔ ہر سورت کے درس کی تمہید میں پچھلی سورت سے اُس کا ربط قائم کرنا کہاں تک ضروری ہے یا کہاں تک ممکن ہے، یہ ایک الگ بحث ہے مگر ہماری نظر ایسے جن مقامات پر پڑی ان میں حافظ صاحب موصوف بہت کامیاب نظر آئے، اور اس باب میں ان کی بے تکلفی اور بے ساختگی ان کی بڑی مہارت اور حذاقت کا ثبوت ہے۔

"کعصف مأکول" کا ترجمہ "گھاس بھوسا" کیا گیا ہے، لفظی ترجمہ کی رعایت سے یہ قابل نظر ثانی ہے اور بھی کچھ پہلو توجہ دلانے کے قابل ہیں مگر نہ تو نفس افادیت میں وہ زیادہ مخل ہونے والے ہیں اور نہ تبصرہ نگار کو ان تفصیلات کی فرصت میسر ہے، خدا کرے یہ سرسری نظر کا نتیجہ صائب ثابت ہو۔

## الخیر الکثیر

مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ناشر:- دائرہ الہلال بنارس۔ قیمت عہ/ ، صفحات ۱۲۸

جیسا کہ مصنف کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ یہ کوئی نئی کتاب نہیں ہے اور نہ اس کے تعارف کی حاجت، اور نہ ہی یہ بے علم اس کے تعارف کے لائق، پھر بھی اتنا کہہ دینا تو ضروری ہی ہے کہ یہ حضرت شاہ ولی اللہ کے علوم و معارف کا ایک گراں قدر خزانہ ہے، جس کی زبان عربی ہے لیکن محض عربی دانی اس کو سمجھنے کے لئے ناکافی ہے۔

ناشر نے اس کا جدید ایڈیشن شائع کر کے یقیناً ایک بڑا کار خیر کیا ہے مگر افسوس کے

ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کتابت و طباعت اتنی ناقص ہے کہ کتاب مشکل سے پڑھی جا سکتی ہے۔

**دین اور ادب** از مولانا فضل الرحمٰن صدیقی حسن پوری (مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی)

ملنے کا پتہ:۔ سراج العلوم مولوی گنج دھولیہ، صفحات ۱۲۰، کتابت طباعت بہتر، قیمت عہ

نام سے یہ نہ سمجھئے کہ اس کتاب میں دین اور ادب کا باہمی رشتہ دکھایا گیا ہوگا بلکہ یہ چند متفرق مضامین کا مجموعہ ہے جن میں سے کچھ کی نوعیت دینی ہے اور کچھ کی ادبی، صاحب مضامین ایک ہونہار نوجوان ہیں اور یہ ان کی ہونہاری کا نقش اول۔ اور اس لحاظ سے ہر طرح ہمت افزائی کا مستحق۔ لیکن ان کی انشائی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے بڑا ظلم ہوگا اگر ان پر اپنے اس احساس کا اظہار نہ کر دیا جائے کہ انھوں نے چھپنے میں شاید کچھ عجلت سے کام لیا۔ وہ اگر ابھی کچھ اور ٹھہر کر مصروف کاوش رہتے اور مختلف پہلوؤں سے ان مضامین کا جائزہ لیتے تو امید تھی کہ یہ نقش زیادہ پائیدار رہتا اور کم از کم یہ صورت تبصرہ نگار کے سامنے نہ آتی کہ بعض مضامین کا تعلق اپنے عنوان سے بس برائے نام ہی ہے "قرآن حکیم کا حکیمانہ انداز بیان" کے زیر عنوان مضمون اسکی ایک بہت واضح مثال ہے۔ عنوان کے نیچے عربی کا جو شعر درج ہے اس پر بھی مضمون نگار کو غور کرنا چاہئے کہ عنوان یا مضمون سے اس کو کیا مناسبت ہے؛ علیٰ ہذا مضمون کا اختتام جس پیراگراف پر ہوتا ہے اسکی مضمون یا سیاق کلام میں کہاں تک گنجائش ہے؛ ــــ لائق مصنف اگر اس قسم کی چیزوں پر کچھ وقت صرف کرتے تو ان کا یہ مجموعہ زیادہ کامیاب رہتا۔

---

**خاصان خدا کی نماز** از مولانا ابو محمد امام الدین صاحب رام نگری

پتہ:۔ مکتبہ تحفظات، رام نگر۔ بنارس اسٹیٹ۔ صفحات ۸۴، قیمت بارہ آنے۔

اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین وائمہ عظام اور اولیاءاللہ کی نمازوں کے ایمان افروز واقعات، ان کی نمازوں کی کیفیات، اور نماز کے بارے میں ان کے اہتمام کی مؤثر مثالیں جمع کی گئی ہیں، جن کا مطالعہ بلاشبہ مفید ہوگا۔

**صلوٰۃ الغفار** از مولانا عبدالرؤف خاں صاحب مرحوم، صفحات ۶۴، قیمت مجلد بارہ آنے غیر مجلد آٹھ آنے، ملنے کا پتہ:۔ عبدالمعید صاحب تاجر کتب چوک لکھنؤ

اس میں بہت آسان زبان اور عام فہم انداز میں عورتوں کی نماز کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ عورتوں اور لڑکیوں کے لئے پانچوں نمازوں میں اس کتاب کی رہنمائی بظاہر بالکل کافی ہوگی۔

---

**خلق عظیم** | از مولانا ظل الرحمٰن صدیقی۔ ناشر:- ادارۂ تبلیغ حق مسجد بالٹ راستہ بمبئی نمبر ۱۱۔ صفحات ۶۴، قیمت بارہ آنے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اوصاف کے بیان میں، یہ ایک تبلیغی انداز کا رسالہ ہے جس میں اخلاق حسنہ کو عموماً واقعات کے پیرایہ میں پیش کیا گیا ہے۔

---

**(۱) ہمارے نبی کے صحابہؓ** } از جناب اعجاز الحق قدوسی، صفحات ۱۱۰، قیمت عمر
**(۲) سیرت بتولؓ** } " " " ۸۰ " ۱۲ر
پتہ:- اسلامک پبلشرز حیدرآباد دکن

(۱) یہ کتاب بچوں کے لئے لکھی گئی ہے جسمیں صحابہ کرامؓ کے ایمان و عمل اور اخلاق و عادات کو ایسے انداز میں پیش کیا گیا ہے جس سے امید ہے کہ بچے اسے دلچسپی کے ساتھ پڑھ سکیں گے، آج بڑی ضرورت ہے کہ ہر مسلمان ایسی کتابوں سے اپنے بچوں کو آشنا کرے

(۲) یہ کتاب مسلمان خواتین کے لئے ہے، جس میں خاتون جنت حضرت فاطمہ زہراؓ کی سیرت کے مختلف گوشوں کو آسان زبان میں پیش کیا گیا ہے۔

---

**مولانا فیض احمد بدایونیؒ** | از جناب محمد ایوب قادری بی۔اے، ناشر:- محمد نعمت اللہ قادری منیجر پاک اکیڈمی، وحید آباد۔ گولی مار۔ کراچی۔ صفحات ۴۰، مجلد، قیمت ۱۲ر

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جن علماء نے مردانہ وار حصہ لیا، ان میں سے ایک مولانا فیض احمد بدایونی بھی تھے، عام طور پر اس جنگ کے تذکرہ میں ان کا نام نہیں آتا، مگر محمد ایوب صاحب قادری نے ظاہر کیا ہے کہ وہ اس معرکہ کے اہم اشخاص میں تھے جو دہلی میں جنرل بخت خاں کے دست راست رہے اور دہلی کے سقوط کے بعد اپنے رفقاء کے ساتھ لکھنؤ میں حضرت شاہ احمد اللہ سے آملے اور آخر دم تک اُن کے ساتھ رہے اور شاہ صاحب کی شہادت کے

بعد جب مجاہدین کی طاقت ٹوٹ گئی تو ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گئے۔ اور آج تک پتہ نہ چلا کہ کہاں گئے۔

مولانا کے جہادِ حریت کے علاوہ اس سے قبل کی زندگی کے حالات تعلیم و تربیت اور خاندان وغیرہ کی مختصر تفصیلات بھی اس کتاب سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

---

### "العلم" جنگ آزادی نمبر

ایڈیٹر سید الطاف علی بریلوی، صفحات ۱۹۲، قیمت تین روپے۔
پتہ:- سعیدہ منزل، نظام آباد۔ بی روڈ۔ کراچی۔

"العلم" اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کا سہ ماہی آرگن ہے، اس کا پیش نظر شمارہ (بابت اپریل تا جون ۱۹۵۷ء) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے متعلق مضامین پر مشتمل ہے، کل مضامین ۱۶، ۱۷ ہیں، جن میں سے چھ ایسے ہیں جو "العلم" کی پچھلی اشاعتوں میں شائع ہو چکے ہیں، دو تین ماخوذ ہیں اور باقی نئے، جنگ آزادی کا عمومی تذکرہ، خاص اشخاص کی سرگزشت اور ادب پر اس جنگ کے اثرات، مضامین میں ان تمام ہی نوعیتوں کے مضمون شامل ہیں، امید ہے کہ اربابِ ذوق اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس نمبر کی قدر کریں گے۔

### سہ روزہ "دعوت" دہلی سیرت نمبر

ایڈیٹر جناب اصغر علی عابدی، محمد مسلم، ۳۲ صفحات، قیمت ۴ر
پتہ:- دفتر سہ روزہ دعوت، محلہ کشن گنج دہلی ۶

"دعوت" کا یہ خصوصی نمبر جو ربیع الاول سنہ رواں کی ابتدائی تاریخوں میں شائع ہوا تھا، سیرت محمدیؐ سے متعلق متعدد مفید اور قیمتی نگارشات کا مجموعہ ہے۔ ہم نے حرفاً حرفاً تو نہیں پڑھا مگر پھر بھی اندازہ ہے کہ دس گیارہ مضامین میں سے بھرتی کا ایک بھی نہیں ہے، اخبارات کے نمبروں میں یہ وصف کم دیکھنے میں آتا ہے، لیکن "دعوت" جس نوعیت کا اخبار ہے اس سے یہی توقع کرنی چاہئے تھی۔

الفرقان کا

# افادات گیلانی نمبر

- یادگاری نمبروں کی عام شاہراہ سے ہٹ کر ایک نیا تجربہ — جسے اہل نظر نے قابل تقلید ٹھہرایا!
- مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے چار بیش قیمت مضامین کا مجموعہ —— جو علم و دین کا ایک انمول خزانہ ہے

**مولانا گیلانیؒ** —— فکر و نظر کی وسعت، علمی جامعیت اور ذہانت میں اپنی آپ مثال تھے

- ان کی ژرف نگاہی اور نکتہ رسی نے تحقیقات و نکات کے وہ گل کھلائے جو سدا بہار ہیں

انھوں نے تنہا تحقیق و تصنیف کا اتنا کام کیا جو یورپ میں ادارے اور انجمنیں کرتی ہیں

**غرض** —— وہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے

اس نمبر میں مولانا مرحوم کے چار اہم مضامین کو جمع کر دیا گیا ہے، اسمیں مولانا کا وہ مضمون بھی شامل ہے، جو سورہ کہف سے متعلق تفسیری انداز میں اکیس قسطوں میں شائع ہوا تھا اور بلا اقساط شائع ہونے کی وجہ سے اسکی قدر نہیں پہچانی جا سکی تھی —— اب یکجا شائع ہونے پر لوگ محسوس کر سکے ہیں کہ وہ کس قدر

**بلند پایہ اور معرکۃ الآرا چیز ہے**

یہ مضمون مولانا کی ژرف نگاہی اور نکتہ رسی کا ایک نادر نمونہ ہے جس میں سورہ کہف کے ایک ایک لفظ کے حقائق و معانی کے بلا مبالغہ دریا بہا دیئے گئے ہیں —— اس مضمون میں دکھایا گیا ہے کہ مغربی علوم و افکار اور تہذیب و تمدن سے (جو دجالی فتنہ کا پیش خیمہ ہے) سورۂ کہف کا کتنا قریبی تعلق ہے، سورۃ کے الفاظ میں اس تہذیب و تمدن اور ان علوم و افکار کی طرف کیا کیا تنقیدی اشارات پوشیدہ ہیں، اس تہذیب و تمدن اور ان علوم و افکار کے جو بھیانک نتائج آج سامنے آرہے ہیں، قرآن اُن پر کن الفاظ میں ۱۴ سو برس پہلے تنبیہ کر چکا ہے، اور ان نتائج کا مقابلہ کرنے کے لئے اس نے اہل ایمان کو کیسے کیسے لطیف انداز میں کیا کیا ہدایات دی ہیں۔

نمبر کی قیمت دو روپیہ دس آنے مع محصول ڈاک، ...... صفحات ۲۱۵ صفحات

ملنے کا پتہ

دفتر ماہنامہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

# الفرقان

لکھنؤ

ماہنامہ

## ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے
لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، اور اصل میں
اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی
اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔
جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی
زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم اس کا
عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرة
توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

"ادارۂ الفرقان"

مدیر مسئول

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مولانا محمد منظور نعمانی ——— اور ——— مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

کی

# تبلیغی تقریریں!

جو ہندوستان و پاکستان کے مختلف شہروں کے اہم تبلیغی اجتماعات میں کی گئی تھیں

✻ ان کے مطالعہ سے ہر شخص کو معلوم ہوگا ——— کہ ✻

(۱) دعوت و تبلیغ کی اس جد و جہد کی کیا اہمیت اور ضرورت ہے۔

(۲) اس کا مقصد و نصب العین اور اس کے اصول کیا ہیں، اور وہ کن امتیازات کی حامل ہے۔

(۳) مسلمانوں سے اس کا کیا مطالبہ ہے، اور ان کے لئے اس کا کیا پیام ہے۔

(۴) دنیا اور آخرت میں اس تحریک سے کن نتائج کی توقع ہے۔

(۵) جو لوگ اس دینی دعوت کو صرف کلمہ و نماز کی تحریک یا جامد خانقاہیت کی دعوت کہتے ہیں وہ اصل حقیقت سے کتنے ناواقف ہیں۔

✻ اس تحریک کے کارکنوں کو ان تقریروں کے مطالعہ سے معلوم ہوگا ——— کہ ✻

(۶) مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے سامنے اس دعوت کو کس انداز میں پیش کرنا چاہئے۔

(۷) شبہات اور غلط فہمیوں کو کس طرح صاف کرنا چاہئے۔

(۸) اس کام سے تعلق رکھنے والوں کو کن باتوں کی پابندی خاص طور سے کرنی چاہئے۔

(۹) ان میں بعض تقریریں وہ بھی ہیں جو ایسے مجمعوں میں کی گئیں جن میں غیر مسلم بھی خاصی تعداد میں تھے، ان سے معلوم ہوگا کہ غیر مسلم حضرات کیلئے ہماری دعوت اور ہمارا پیام کیا ہے؟ اور ہم ان سے کیا کہتے ہیں۔

(۱۰) بوقت ضرورت ان تقریروں کو اجتماعات میں بھی سنایا جا سکتا ہے۔

اس میں کل ۱۳ تقریریں ہیں — پونے تین سو صفحات — مجلد — خوشنما — مع گرد پوش — قیمت (۲/۸)

**کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ**

# الفرقان لکھنؤ

ماہنامہ

## ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، اور اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسی کی بھیجی ہوئی اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم اس کا عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ

توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین

"ادارہ الفرقان"

مسئول

محمد منظور نعمانی

مرتب

عتیق الرحمٰن سنبھلی

# مکتبہ خانہ الفرقان کی مطبوعات

**کلمہ طیبہ کی حقیقت** :- از افادات مولانا نعمانی
اسمیں اسلام کے کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح پوری تحقیق کے ساتھ ایسے مؤثر انداز میں کی گئی ہے کہ سطر سطر سے ایمان ویقین میں اضافہ ہوتا ہے اور دماغ کے ساتھ دل بھی متاثر ہوتا ہے۔ ......... قیمت ۶/

**برکات رمضان** :- ..... از افادات مولانا نعمانی
رسالہ کی یہ خصوصیت ہے کہ روزہ اور رمضان اور تراویح ... کے فضائل کی احادیث ... تشریح حضرت شاہ ولی اللہ ... علیہ کے طرز پر اس طرح کی گئی ہے کہ دل ... دونوں متاثر ہوتے ... اور عمل کا شوق پیدا ... ہے ...... قیمت -/۱۲/

**درس نسواں**
محترمہ بیگم سید اصغر حسین ... خصوصیت سے ... تعلیم یافتہ ... میں دین کی طرف سے جو بے ... اور آخرت کی طرف سے جو ... تیزی سے بڑھ رہی ہے ... علاج اور انسداد کے لیے ... ایک محترم بہن نے یہ رسالہ ... ہے۔ شروع میں مولانا نعمانی کے قلم سے پیش لفظ ہے ........ قیمت -/۱۰/-

**حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی** :- (از مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم)
حضرت شاہ صاحب کے مقام کی معرفت اور ان کی کتابوں کے سمجھنے کے لیے یہ مقالہ کلید کی حیثیت رکھتا ہے ...... قیمت -/-/۱

**حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت** :- مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے قلم سے مولانا مرحوم کی قابل قدر سوانح حیات ہے جسمیں انکی دینی دعوت کی تاریخ اور اسکے بنیادی اصولوں کو بھی تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ قیمت -/۸/۲ ......

**معرکۃ القلم** :- اکابر دیوبند کی طرف سے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا جواب -/-/۱

---

## اسلام کیا ہے؟

(تالیف مولانا النعمانی)
(دنیا اڈیشن کافی ترمیم و اضافہ کیساتھ)

اس کتاب کے دیکھنے والوں کا عام احساس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو کوئی خاص مقبولیت اور تاثیر عطا فرمائی ہے۔ پچھلے چند سالوں میں تقریباً تیس ہزار اردو میں اور کئی ہزار گجراتی میں شائع ہو چکی ہے۔

## حال ہی میں ہندی اڈیشن بھی تیار ہو گیا ہے

اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کے لیے ہی نہیں، بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لیے بھی اس کا مطالعہ اور عمل انشاء اللہ کافی ہے۔

زبان نہایت آسان ہونے کے ساتھ نہایت شیریں اور پرتاثیر ہے، کتابت طباعت اعلیٰ اور معیاری۔ قسم اول کاغذ ۲۸ پونڈ چکنا، مجلد۔ قیمت ڈھائی روپے (-/۸/۲) قسم دوم کاغذ ۲۲ پونڈ چکنا غیر مجلد قیمت پونے دو روپے -/۱۲/۱ ہندی اڈیشن کاغذ اعلیٰ مجلد قیمت تین روپے .... -/-/۳

---

**نماز کی حقیقت** :- از افادات مولانا نعمانی - ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ نماز کے مقام اور اسکی روح و حقیقت سے واقف ہونے کیلئے اور اپنی نماز میں روحانیت اور نورانیت پیدا کرنے کیلئے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔ "کلمہ طیبہ کی حقیقت" کی طرح یہ بھی عقل و جذبات اور دل و دماغ کو یکساں متاثر کرتا ہے قیمت -/۱۲/

**آپ حج کیسے کریں؟** (از مولانا نعمانی و مولانا علی میاں ندوی)
حج و زیارت کے متعلق اردو زبان میں بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن یہ کتاب (جو مولانا نعمانی اور مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی گویا مشترک تالیف ہے) اپنی اس خصوصیت میں اب بھی بے نظیر ہے کہ اس کے مطالعہ سے حج کا صحیح اور مسنون طریقہ بھی تفصیل کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے اور دل میں عشق و جذب اور ذوق و شوق کی وہ کیفیات بھی پیدا ہو جاتی ہیں جو دراصل حج کی روح اور جان ہیں۔
کاغذ عمدہ مجلد قیمت -/۲

**آسان حج** :- از افادات مولانا نعمانی — یہ آسان زبان میں "حج کیسے کریں" کا خلاصہ ہے ایسے کم تعلیم والے حضرات جو صرف آسان اور معمولی اردو ہی پڑھ سکتے ہیں وہ اسکے مطالعہ سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ طباعت معیاری قیمت صرف -/۸/-

**ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ** - مرتبہ مولانا نعمانی۔
مولانا مرحوم اب اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن جو شخص ان کو اور ان کی دینی دعوت کی حقیقت اور اسکی گہرائیوں کو سمجھنا چاہے اسکو ان ملفوظات کا مطالعہ بار بار کرنا چاہیے۔ قیمت -/۸/۱

**قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ** :- از مولانا نعمانی۔

**شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین کے الزامات**
علمی حیثیت سے بھی قابل دید ہے ...... قیمت -/۸/۱

انسان کے خالق نے اس کے لامحدود پیمانہ طلب پر، خود اسکے اندر سے پابندی عائد کرنے کا رجحان پیدا کرنے کا کیسا موثر سامان بہم پہونچایا تھا کہ انسان کے لیے حیات جاوید کا فیصلہ فرمایا اور اس عالم زیریں کے ساتھ ایک ایسا عالم بالا تعمیر فرمایا جس میں نوع انسانی کے کسی فرد کو یہ شکایت وحسرت نہ رہے کہ

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

اور پھر انسان کو اس کا پتہ دیتے ہوئے آگاہ فرمایا کہ:-

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ

(قرآن)

یہ دوسرا گھر ہم ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو عالم ارضی میں اپنی برتری جمانے اور فساد پھیلانے کے کام نہیں کرتے اور اچھا انجام اور آگے ملنے والی نعمتیں ان بندوں کے لیے ہیں جو اس دنیا میں پرہیزگاری کی زندگی گزارنے والے ہیں

پروردگار عالم کے اس فیصلہ اور اس اعلان سے لوگوں کو آگاہ کرنا اور اسکی حقانیت کا لازوال یقین انسانوں کے دلوں میں بھرنا، در اصل یہی وہ واحد تدبیر ہے جس سے انسان کی نوعی فلاح کی بنیاد اور شرط اول وجود میں آتی ہے ——— مجموعی نوعی فلاح اور ایک صحت مند اجتماعی زندگی کی خواہش اگر انسان کی کوئی غیر فطری خواہش نہیں ہے، تو جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں، تقاضائے فطرت ہے کہ اسکی بنیادی شرط کو وجود میں لانے کا کوئی سامان ہونا چاہیئے۔ پس اب یا تو اس مذکورہ بالا سامان کو حقیقت مان لیجیے، اور اس سے کام لیجیے، ورنہ کسی دوسرے سامان کا پتہ دیکھیے کہ اس کے بغیر انسانی زندگی کے امن وسکون کا مسئلہ سارے خارجی وسائل اور ساری فکر مندیوں کے باوجود لاینحل ہی رہے گا۔

## الفرقان کا خاص نمبر اور ناظرین الفرقان سے ہماری توقعات

ناظرین کو یاد ہوگا کہ اس سال کے پہلے شمارہ میں ہم نے ارادہ ظاہر کیا تھا کہ انشاءاللہ آئندہ سال (باقی صلاہ پر)

# ارشادات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

## مکتوبات کے پیرائے میں

ترجمہ ——— (مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

(۲۰)

**مکتوب** (۱۶۹) محمد یحییٰ کے نام

ابواب فیوض ہمیشہ مفتوح رہیں ——— وہ خط جو از راہ محبت بھیجا تھا، موجب مسرت جرانات ثابت ہوا ——— ذکر قلبی کا ملکہ پیدا ہو جانے کو لکھا تھا...... اس حالت کو "دوام آگاہی" اور "یادداشت" کہتے ہیں۔ جب تک "حضور ذکر" تبکلف ہے اس کا نام یاد کرد ہے اور جب ذکر دوام پذیر اور تکلف سے آزاد ہو جاتا ہے یادداشت بن جاتا ہے ؎

دائم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ حال
در دل ز تو آرزو و در دیدہ خیال

کوشش کرو کہ خطرہ ماسوا اس طرح دل سے چلا جائے کہ اگر سالہا سال قصد اور تکلف کیا جائے خطرۂ غیر دل میں نہ گزرے، بسبب اس نسیان کے جو دل کو ماسوا سے حاصل ہو چکا ہے یہ حالت فنائے قلب سے تعبیر کی جاتی ہے اور "اطوار ولایت" میں قدم اول ہے، ؏

ایں کار دولت کنوں تا کرا دھند

جو خواب دیکھے ہیں واضح و عالی ہیں اور مناسبت تامہ کی خبر دیتے ہیں، حق سبحانہ وتعالیٰ ترقیات عطا فرمائے۔ والسلام اولاً و آخراً

**مکتوب** (۱۷۳) سیادت پناہ میر محمد ابراہیم کے نام (کمالات محبت کے بیان میں)

حق سبحانہ وتعالیٰ ابواب فیوض کو ہمیشہ مفتوح رکھے ـــــ صحیفۂ گرامی پہونچا۔ خوش وقت کیا۔ ولولۂ شوق ومحبت اور بیقراری وبے آرامی کا جو کہ حد سے فزوں ہے۔ اظہار کیا ہے ـــ سب باتیں معلوم ہوئیں۔ ہاں بیشک۔ ع در عشق چنیں بو العجبیہا باشد

اس قسم کی محبت آرزوئے طالبین اور تمنائے سالکین ہے۔ یہی محبت چہرۂ کار سے پردہ اٹھاتی ہے اور برسوں کا معاملہ گھڑیوں میں طے کر دیتی ہے ـــ گرفتارانِ قیدِ عقل اس محبت کی قدر نہیں جانتے وہ اس جنون کو عیب ومرض سمجھتے ہیں ـــ اگر اس "معمار" کا تھوڑا سا راز بھی اُن پر کھل جائے تو وہ بھی اس جنون کے دیوانے اور بصد آرزو بندشِ عقل سے یکسو ہو جائیں۔

عقل گر داند کہ دل در بندِ زلفش چوں خوش است؟ عاقلاں دیوانہ گردند از پئے زنجیر یا

یہ جنوں سرمایۂ سعادت ہے اور ثمرِ قرب ومعرفت حدیث شریف میں ہے۔ لن یؤمن احدکم حتی یقال (۱) مجنون لکھا تھا کہ "رمضان کا مبارک مہینہ سرہند میں گزارنا چاہتا ہوں" ـــــ بہتر ہے۔ ۔۔۔۔

## مکتوب (۱۷۵) سرانداز خاں کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

صحیفۂ گرامی پہونچا۔ بہجت افزا ہوا۔ سلامت وعافیت کے ساتھ جادۂ شریعت وسنت پر مستقیم رہو ـــ ایام مفارقت بہت زیادہ ہو گئے ـــ شوقِ ملاقات کو کس طرح لکھا جائے۔ کیا بس کی بات ہے ہر چیز کا ایک وقت معین ہے لکلِ اجلٍ کتاب ـــــ جس طرح اللہ تعالیٰ رکھے اسی پر راضی رہنا چاہیئے ؎

ہجر یکہ بود مرادِ محبوب ازوصل ہزار بار بہتر

بہر حال، طاعات وعبادات میں سرگرم، ذکر وفکر میں مشغول رہیں، آمادگی آخرت میں کوشش کریں، مولائے حقیقی کی رضا طلب کریں ـــــ اور دور افتادہ دوستوں کو دعائے خیر میں یاد رکھیں۔

---

(۱) حصن حصین (جزری) میں اس طرح ہے۔ اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون رواہ احمد وغیرہ یعنی اللہ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ دنیا والے مجنون کہنے لگیں۔

## مکتوب (۱۷۶) میر عبد اللہ پشاوری کے نام — (نصیحت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم — اللہ تعالیٰ، ابوابِ فیوض ہمیشہ مفتوح رکھے —
طریقۂ خواجۂ مرحوم (خواجہ محمد حنیفؒ) کو خوب اچھی طرح ملحوظ رکھنا اور ان کی متابعت ہاتھ سے نہ دینا
دوستوں سے طریقِ معاشرت عمدہ طریقے پر رکھیں، خواجۂ مرحوم کے صاحبزادوں کی خدمت و رضامندی
میں جان و دل سے کوشش کریں، احبۂ دور افتادہ کو دعائے خیر سے یاد رکھیں، کمرِ ہمت کو عبادت
مولائے حقیقی میں چست باندھ لیں، اس مہلتِ قلیلہ میں رضامندیِ حق تعالیٰ کو حاصل کر لیں
مربیِ ظاہری (خواجہ محمد حنیفؒ) ہر چند سر سے اٹھ گیا ہے لیکن مربیِ حقیقی تو قائم و دائم ہے۔ فان اللہ
حیٌّ لا یموت — حلقۂ ذکر کو گرم رکھیں، خلوت و تنہائی کے راغب رہیں، رات دن میں دو
ایک وقت یک سوئی کے لئے بھی مقرر کرنے چاہئیں — "ذکر و فکر"، "تذکرِ زلات و تقصیرات"
"توبہ و استغفار"، "نفیِ وجود و سائر کمالات" نیز "نفیِ مرادات از خود" اس وقتِ تنہائی میں کریں اور
اس کو غنیمت سمجھیں، باقی اوقات افادہ و استفادہ میں صرف کرنا چاہئیں، والسلام

## مکتوب (۱۷۸) ملا پائندہ کابلی کے نام — (خواجہ محمد حنیفؒ کی تعزیت میں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم — حامداً و مصلیاً — دو خط پے در پے پہونچے۔
مسرت بخشی — شوقِ ملاقات اور موانعِ ملاقات جو لکھے تھے واضح ہوئے — ہمیں بھی مشتاقِ
ملاقات جانیں — (لیکن) ملاقات، وقت پر مقرر ہے۔ لکلِ اجلٍ کتاب — جو کچھ فراقِ خواجۂ
مرحوم قدس سرہٗ کے متعلق لکھا تھا، سب صحیح ہے — (وروں کا ماتم (فقط) ایک حصۂ زمین میں
ہوتا ہے لیکن ماتم اہل اللہ زمین و آسمان میں ہوتا ہے اور ظاہر و باطن میں سرایت کر جاتا ہے کیونکہ
اُن کے فیوض و برکات سے سب محروم ہو جاتے ہیں — اس خبرِ وحشت اثر سے کیا کہوں کہ کس قدر
رنج و الم رونما ہوا؟ لیکن چونکہ یہ (سانحہ) محبوبِ حقیقی اور فاعلِ مختار کے ارادے سے ہوا ہے اسلئے
صبر و رضا اور تسلیم کے علاوہ چارہ ہی کیا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون — تم نے چند شعر
جو "شکایتِ فلک و روزگار" میں لکھے ہیں اور یہ مصرع بھی اُن شعروں میں ہے۔ ؎

"فلک با من خستہ بیداد کرد"

یہ بات بہت ہی غیر مناسب ہے — بیچارہ فلک اور روزگارِ بے بنیاد، بھلا کیا حیثیت

دیکھتے ہیں کہ حوادث اُن کی طرف منسوب ہوں جو کچھ بھی ہے بارادۂ و تقدیر الٰہی ہے زمان و آسمان کو اللہ تعالیٰ کے فعل میں کوئی دخل نہیں ہے وہ جو کچھ کرتا ہے انصاف و عدل ہوتا ہے، ظلم و بیداد کی وہاں گنجائش ہی نہیں ــــ اِنَّ اللہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ ــــ ظلم و بیداد کو حضرت حق جل مجدہٗ میں ثابت کرنا بدترین قباحت ہے ــــ اَسْتَغْفِرُ اللہَ مِنْ جَمِیْعِ مَا کَرِہَ اللہُ قَوْلاً وَّ فِعْلاً وَّ خَاطِراً ــــ خواجہ مرحوم کے فرزندوں اور ان کی جماعت کی خدمت و رعایت نیز خانقاہ کی دیکھ بھال میں کوتاہی نہ کریں جان و دل سے یہ کام کریں، اور خواجہ مرحوم کے احسانات کے بدلے میں اُن کے فرزندوں کی دلجوئی کریں۔

مکتوب (۱۹۰) دوست محمد بیگ کے نام ــــ (نصیحت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــ حامداً و مصلیاً ــــ دو خط پے در پے پہنچے۔ خوش کیا الحمد للہ کہ عافیت سے ہو اور یاد احبہ سے غافل نہیں ہو ــــ اور اسی کے ساتھ ساتھ تعمیر باطن میں بھی مشغول ہو کوشش کرو کہ راہ ترقی کھلی رہے ــــ من استوی یوماہ فھو مغبون انفاس عمر بہت عزیز و غنیمت ہیں سعی کرو کہ بطالت و خواہ مخواہی طریقے پر نہ گزرنے پائیں ــــ ایسی چیزوں میں مصروف رہنا چاہیئے، مراقبہ، ذکر لسانی، تلاوت و نماز اور حلقۂ ذکر سے خالی نہ رہیں اور ان میں سے وقت جس کسی کا تقاضا کرے اور جس سے جمعیت قلب زیادہ ہو اس میں مشغول رہیں زبان سے تکرار کلمہ طیبہ کرنے کی جانب زیادہ راغب ہوں اور جو کہ حضرت الیشان (مجدد الف ثانی) قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ "مبتدی اپنے اوقات کو ذکر سے اس طرح معمور رکھے کہ سوائے ادائے فرائض و سنن مؤکدہ کے کسی اور چیز میں مشغول نہ ہو" یہ درست ہے لیکن تم اس حکم سے خارج ہو یہ حکم مبتدیوں کے لئے خاص ہے ــــ تم تو وقت جو تقاضہ کرے امور مذکورہ میں سے اور جس سے جمعیت پیدا ہو اس میں مشغول ہو جایا کرو ــــ کچھ باتیں جو نماز سے تعلق رکھتی ہیں دونوں خطوں میں لکھی تھیں اُن کے مطالعے سے بہت محظوظ ہوا خصوصاً اس بات سے کہ "نماز پڑھتے وقت جمعیت قلب اور حظ بہت حاصل ہوتا ہے اور نماز کے علاوہ کسی چیز کے ساتھ مشغول رہنے کو جی نہیں چاہتا اور جو حرف نماز میں اپنے مخرج سے نکلتا ہے وہ مسرتوں کا اظہار کرتا ہے وہ اُس وقت گویا کہ مجھے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے" اس بات نے تو بہت ہی خوشوقت

کیا اور لذاتِ معنویہ بخشیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

اندر سخنِ دوست نہاں خواہم گشتن
تا بر لبِ او بوسہ زنم چونش بخواند

جو حالت نماز میں رونما ہوتی ہے وہ تمام حالات سے اونچی ہوتی ہے اور اصل کا نشان دیتی ہے بے شائبۂ ظلیت ——— نیز چہرۂ کار سے پردہ ہٹا دیتی ہے ...... والسلام

**مکتوب (۱۹۳) سیادت پناہ میر محمد یعقوب کے نام ——— (ذکر و طاعت کی ترغیب میں)**

(الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ——— تمہارا مکتوب مرغوب پہونچا، خوش وقت کیا ——— ذکر و فکر کے پابند اور مرضیاتِ الٰہی کے حاصل کرنے میں سرگرم [illegible] جوانی کو طاعات و عبادات میں صرف کرو۔ حدیث۔ شابٌّ نشأ فی عبادة اللہ[1] [illegible] سنی ہوگی ——— ہم تم جیسے جوانوں پر رشک و غبطہ کرتے ہیں، ہمارے ایامِ جوانی تو یوں ہی ہوا و ہوس میں گزر گئے۔ فی الحال حسرت و ندامت، نقدِ وقت ہے جوانی دوبارہ لوٹ کر آتی نہیں خواہ مخواہ کی تمنا ہے وہی قصہ ہے کہ کسی نے کہا تھا "لیت الشباب یعود" (کاش جوانی لوٹ آتی)۔ تم "ہجوم خطرات" سے پریشان نہ ہونا۔ اپنا کام کئے جاؤ اور استغفار کثرت سے کرو۔ والسلام اولاً و آخراً

**مکتوب (۱۱۴) شیخ محمد باقر لاہوری کے نام ——— (اس بیان میں کہ مکان کو صاحبِ مکان سے ایک نسبت ہوتی ہے)**

(الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ——— مکتوب شریف پہونچا مسرت بخش ہوا، خلیفۂ وقت (بادشاہ) کی ملاقات کے متعلق جو کچھ لکھا تھا مفصلاً معلوم ہوا۔ حق سبحانہٗ انجامِ امور بخیر کرے اور خلیفۂ وقت کو توفیقِ استقامت بخشے۔ اور اس کو اکابر کے برکات اور ان کی نسبت سے حصۂ کامل عطا کرے۔ "گرمیٔ مجلس اور احوالِ یاراں" کے متعلق جو کچھ لکھا تھا وہ بھی بتفصیل واضح ہوا اور سببِ خوشنودی و خوشوقتی ہوا، حق سبحانہٗ دوستوں کو ہمیشہ ترقیات میں رکھے اور ابوابِ فیوض مفتوح کرے ——— لکھا تھا کہ "جہاں آباد میں جس جگہ میں نے منزل اختیار کی تھی وہ جگہ

---

[1] یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں سات ایسے اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایے میں ہوں گے منجملہ ان کے ایک وہ جوان ہے جس نے عبادتِ خداوندی میں نشو و نما پائی ہے۔

اتنی بے فیض تھی کہ بیان نہیں کیا جا سکتا اس کے بعد جب چند روز اس جگہ میں نے نشست و برخاست کی تو وہ مکان انوار سے گھر گیا ــــــ یہ انکشاف، محسوساتِ ظاہری کی مانند ہے کہ گنجائش شک نہیں" ــــــ ضرور ایسا ہوا ہوگا۔ ع

وللارض من کاس الکرام نصیب

مکان کو صاحب مکان کے ساتھ ایک خاص اتصال اور ہمسائگی ہوتی ہے اور وہ صاحب خانہ کے انوار و برکات کا امیدوار ہوتا ہے ــــــ یہیں سے بزرگی و عظمتِ بیت اللہ کو قیاس کرنا چاہیئے اور اس کے انوار و برکات کو سمجھنا چاہیئے (اگر چہ) ما للتراب و رب الارباب (چہ نسبت خاک را بعالمِ پاک) ہمارے حضرتِ مجددؒ بھی خانہ ہائے سکونت کے انوار و برکات بیان فرمایا کرتے تھے اور اُن مقامات کے عجائب و غرائب کا اظہار کیا کرتے تھے، جو مکانات اُن مکانات کے پڑوس میں ہوتے تھے اُن کے برکات بھی بیان فرمایا کرتے تھے بحالت سفر، جس جس منزل، جس جس بستی اور جس جس شہر میں وہ فروکش ہوتے تھے اُن "بلاد و قری" کے حقائق اُن پر ظاہر و منکشف ہو جاتے تھے ــــــ والسّلام اولاً و آخراً

مکتوب (۱۹۵) شیخ محمد خلیل اللہ کے نام ــــــ (درمیان ہے)

........ تم نے لکھا تھا کہ "اگر چہ ایں حکم ببار یافتگان جناب قیومیت[1] بے ادبی ست الخ" فقیر اس قسم کی عبارت سے ــــ جو اس دور از کار کے بارے میں لکھی ہے راضی نہیں ہے خیر جو بات گذر گئی گذر گئی آئندہ یہ لفظ نہ لکھیں۔

مکتوب (۲۰۳) میر سید اسرائیل کے نام

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ــــــ اللہ تعالیٰ ابوابِ فیوض کشادہ رکھے، نامۂ نامی و صحیفۂ گرامی جو اس مسکین کے نام تھا اس کے ورود سے مشرف ہوا۔ تم نے ظاہری جُدائی و دوری پر اظہار افسوس کیا ہے ــــ ہماری طرف سے بھی اظہار اشتیاق ہے۔

[1] حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو روضۃ القیومیہ میں قیوم ثانی اور حضرت مجددؒ کو قیوم اول لکھا ہے۔ نہیں معلوم یہ القاب کس اصل کی بنا پر مقرر کیے گئے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم تو اس مکتوب میں اس قسم کے لقب سے اظہار ناراضگی فرما رہے ہیں (فریدی)

المومن مرآۃ المومن (مومن، مومن کا آئینہ ہے) کو ملحوظ رکھو، کیا کیا جائے دنیا تو محلِ فراق ہے محل لقاء آخرت ہے، حق سبحانہٗ احسن وجوہ کے ساتھ وہاں ہم کو جمع کرے اور اس فراق ظاہری کی تلافی فرمائے۔ لقائے حق تعالےٰ بھی آخرت کے لئے موعود ہے —— من کان یرجو لقاء اللہ فان اجل اللہ لاٰتٍ (عنکبوت)[1] یہ اس لئے ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ موت مقدماتِ آخرت سے ہے دُنیا میں جن مشاہدات ومعانیات سے تسلّی حاصل کی جاتی ہے وہ تو سراب کی مانند ہیں کہ پیاسا اُس کو پانی سمجھتا ہے اور عالی ہمت اُس پر فریفتہ نہیں ہوتا اور اُس سراب سے سیراب ہونے کی کوشش نہیں کرتا۔ مشاہدات دُنیاوی تمام تر "ظلال" سے وابستہ ہیں اور دامِ خیال سے آزاد نہیں ہیں —— جو کچھ دیکھا گیا اور جو کچھ جانا گیا وہ سب کا سب "غیر" ہے نماز چونکہ معراجِ مومن ہے اور مصلّی کامل چونکہ ادائے نماز کے وقت دُنیا سے باہر اور عالم آخرت سے پیوستہ ہوجاتا ہے اس لئے اگر ادائیگی نماز کے وقت میں اُس دولت کا نمونہ جو کہ آخرت کے ساتھ موعود ہے —— رونما ہو —— تو گنجائش ہے —— دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس جگہ جس قدر بھی زراعت میں افزونی کی جائے گی اُس کا اجر اُتنا ہی بھرپور ملے گا اور آخرت میں "مراتب قرب وشہود" بھی زیادہ سے زیادہ حاصل ہوں گے —— افزونی زراعت یا تو کیفیت میں ہوتی ہے یا کمیت میں اور معتبر وہ افزونی ہے جو کیفیت میں ہو اس لئے کہ کمیت میں افزونی تو عوام سے بھی ہوجاتی ہے، افزونی کیفیت خواص کے ساتھ ہی مخصوص ہے وجہ یہ ہے کہ خواص کے نفوس، دولت فنا وبقا کے ذریعے "اطمینان" کے ساتھ وابستہ ہوکر "اتارگی" سے چھٹکارا پائے ہوئے ہوتے ہیں —— اس راستے سے طاعت وعبادت بھی ریا اور "دقائق شرک" سے بعید، اخلاص سے قریب اور قبولیت سے بہت زیادہ قریب ہوجاتی ہے —— سلوکِ طریقہ، حقیقتِ اخلاص کے حاصل کرنے کے لئے ہے تاکہ بے تکلف اخلاص حاصل ہوجائے —— اور یہ بات فنائے نفس، اطمینان نفس اور حصولِ حقیقت بندگی سے وابستہ ہے اور یہ سب چیزیں دقائقِ شرک سے آزادی حاصل کرنے پر موقوف ہیں تاکہ اسلام حقیقی ظاہر ہو اور حقیقت جلوہ اور تمام طاعات کی حقیقت جلوہ نما ہوجائے —— یہ نہیں ہے کہ مقصود حقیقی کو جال میں نہ لے آئیں گے اور

[1] جو کوئی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا امیدوار ہو بس بیشک اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا وقت (آخرت میں) البتہ آنے والا ہے۔

عنقا کا شکار کرلیں گے۔ ع

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں

بزرگوں نے کہا ہے کہ علم فنا و بقا صحت نیت اور خلوص عبودیت پر مبنی ہے اور اسکے علاوہ مغالطہ و زندقہ ہے ـــــ اللھم ارنا حقائق الاشیاء کما ھی وجنبنا عن الاشتغال بالملاھی بحرمتہ من ما زاغ بصرہٗ وما طغیٰ۔ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات۔ والسلام اولاً و آخراً

**مکتوب (۲۰۶)** حاجی محمد شریف خادم کے نام (اس بیان میں کہ رضا بقضا اور طلب و دعا منافات نہیں ہے)

بعد الحمد والصلوۃ و تبلیغ الدعوات ـــــ تمہارا خط جو کسر نفسی کے الفاظ پر مشتمل تھا پہونچا۔ مسرت افزا ہوا...... دریافت کیا تھا کہ "حدیث ان اللہ یحب معالی الھمم (اللہ تعالیٰ عالی ہمتی کو پسند کرتا ہے) اس بات کی مقتضی ہے کہ "امور عالیہ" کو طلب کیا جائے اور مقام رضا و عبودیت کا تقاضا ہے کہ کچھ نہ طلب کیا جائے کیونکہ دعا منافی عبدیت و رضا ہے" ـــــ مخدوما! یہ سوال مطلق دعا کے بارے میں ہوا کہ دعا و طلب منافی رضا و تسلیم ہے ـــــ جواب یہ ہے کہ منافات نہیں ہے یہ بات جائز ہے کہ ایک شخص "موجود" پر راضی ہو اور طالب زیادتی بھی ہو۔ طلب زیادتی موجود پر عدم رضا نہیں ہے ـــــ (دیکھو) قل رب زدنی علما اور وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی (ان دعاؤں میں طلب زیادتی ہے اور رضا کے منافی نہیں) دوستان حق تعالیٰ اسکی (فرستادہ) بلا پر راضی ہوتے ہیں اس کے باوجود اس بلا کے دفع کرنے کی بھی دعا کرتے ہیں (دیکھو) انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین (اس میں دفع بلا کی درخواست ہے) اگر رضا بقضا منافی طلب ہوا کرتی تو کیوں دعا کا حکم ادھر سے ہوتا (چنانچہ قرآن میں ہے) وقال ربکم ادعونی استجب لکم ـــــ پس معلوم ہوا کہ رضا و دعا کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے ـــــ بشارت کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا اس کا جواب اپنے حاضر ہونے پر موقوف رکھیں فی الحال قلم کو معذور سمجھیں والدعاء والسلام اولاً و آخراً۔

**مکتوب (۲۰۸)** شیخ خالد سلطانپوری کے نام ـــــ

مکتوب مرغوب پہونچا جو کچھ تنگیٔ روزگار کے متعلق لکھا تھا سب معلوم ہوا اور تفکر کا سبب ہوا اللہ تعالیٰ عالم غیب سے کشادگی کرے اور امداد فرمائے ۔ فقیر اس بارے میں دعا کرتا ہے۔
مخدوما! رزق کا تنگ کرنا اور کشادہ کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے، کسی کو اس میں دخل نہیں ہے ۔۔
اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَہٗ ۔۔۔۔ بندۂ مقبول وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے فعل، ارادے اور تقدیر سے راضی ہو، ماتھے پر بل نہ ڈالے، کشادہ پیشانی اور خوش و خرم رہے۔
یہ فقر و فاقہ اور یہ تنگیٔ معیشت (کبھی) اپنے ایسے خاص بندوں کو عنایت کرتا ہے جو مقصودِ آفرینشِ دُنیا ہوتے ہیں انسان کی سعادت ہے کہ وہ کسی امر میں اُن برگزیدہ بندوں کے ساتھ شریک ہو جائے۔
اگر بندہ اس نعمت کی قدر جانے اور راہِ صبر و رضا اختیار کرے تو اُمید ہے کہ کل روزِ قیامت کو بھی اِن بزرگوں کے انوار و برکات میں شریک ہوگا اور اُن کے دسترخوان کا بچا ہوا اُٹھائے گا، غمگین پریشان اور اپنی زندگی سے بیزار نہ ہوں، وہ زندگی جو غفلت میں گذرے البتہ قابلِ بیزاری ہے۔
دُنیا میں عیش و تنعم کے لئے نہیں لایا گیا ہے، محلِ عیش تو آگے ہے اللّٰھم ان العیش عیش الآخرۃ
دُنیا میں طاعت و عبادت کے لئے لائے ہیں اور یہاں معرفتِ حق مطلوب ہے۔ اگر ان اُمورِ مطلوبہ میں خلل و نقصان آئے تو جائے افسوس ہے ۔۔۔۔ دُنیا و مافیہا اس قابل نہیں کہ اُس کے فقدان پر زندگی سے تنگ آجائیں ۔۔۔ اس لئے کہ دُنیا کی تنگی، آخرت کی کشادگی کا سبب ہے
والسّلام اولاً و آخراً

**مکتوب (۲۱۹) ملا فصیح الدین کے نام ۔۔۔ (آخری سطر میں)**

...... مخدوما! سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا اس امر کے ساتھ مشروط نہیں ہے کہ آپ کو اُسی صورت کے ساتھ دیکھا جائے جس صورت میں مدینہ منورہ میں آرام فرما ہیں، جس صورت میں بھی دیکھا جائے اُمید ہے کہ (حسب ارشادِ نبویؐ) شیطان سے تمثل نہ ہوگا لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وقائع و منامات، مبشرات ہیں، استعداد کی خبر دیتے ہیں حصول پر دلالت نہیں کرتے، معاملے کو جان کھپا کر، قوت سے فعل میں لایا جاتا ہے ......

**مکتوب (۲۲۰) شیخ سیف الدین (اپنے صاحبزادے) کے نام ۔۔۔۔**

...... جو کچھ بادشاہ دین پناہ سلمہ ربہ (اورنگ زیب عالمگیرؒ) کے بارے میں مرقوم تھا یعنی

"اثراتِ ذکر اور لطائف"، "حصولِ سلطانِ ذکر و رابطہ"، "قلتِ خطرات"، "قبولِ کلمۂ حق"، "رفعِ بعض منکرات" اور "ظہورِ لوازمِ طلب" یہ سب باتیں واضح ہوئیں۔ شکرِ خدا بجالاؤ ــــ طبقۂ سلاطین میں اس قسم کے اُمور حکمِ عنقا رکھتے ہیں ــــ حدیث میں آیا ہے ــــ من احیی سنتی بعد ما امیتت فلہٗ اجر مائۃ شہید (جس نے میری سنت کو اُس کے مُردہ ہونے کی صورت میں زندہ کیا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا) اللّٰھم زِدْہُ توفیقاً وطلباً وشوقاً وترقیاً فی مراتب قربک ــــ فقیر دعا و توجہ سے فارغ نہیں ہے۔ بادشاہ کی ظاہری و باطنی صلاحیت کا خواستگار ہوں اُن کے باطن کو نسبتِ اکابر سے معمور پاتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ وہ جلد ہی "فنائے قلب" کی دولت سے مشرف ہو جائیں گے یہ فنائے قلب درجاتِ ولایت میں درجۂ اولیٰ ہے۔ ؎

- باکریماں کارہا دشوار نیست ــــ والسّلام اوّلاً و آخراً

مکتوب (۲۲۱) سلطانِ وقت (اورنگ زیب عالمگیرؒ) کے نام ــــ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــ اولیٰ ما یقدم حمد اللہ سبحانہٗ ثم الصلوٰۃ والسلام علی النبی والہٖ عن انسؓ[1] ان رجلاً قال یا رسول اللہ متی الساعۃ قال ویلک وما اعددت لھا قال ما اعددت لھا الا انی اُحِبُّ اللہ ورسولہٗ قال انت مع من احببت قال انسؓ فما رایت المسلمین فرحوا بشیءٍ بعد الاسلام فرحھم بھا متفق علیہ ...... امابعد، کمترین دعاگویان محمد معصوم ــــ کہف العالمین، ظل اللہ علی العالمین، حضرت امیر المومنین انار اللہ تعالیٰ بُرہانہٗ کی خدمت میں لکھتا ہے کہ مکتوب عالی شان، جو بکمالِ عنایت و مہربانی، قلمِ عنبریں قلم سے مرقوم کیا گیا تھا ــــ خواجہ محمد شریف بخاری نے عزیز ترین زمانے میں پہونچایا اور فقرائے بے نوا کو تشریفاتِ علیہ سے نوازا...... اس مکتوب سے راہِ طریقت کا شوق ہویدا تھا ــــ اسی لئے مقصد کے حاصل ہونے کی اُمیدواری ہے۔ ایک درویش نے فرمایا ہے اگر نخواستے داد، ندادے خواست یعنی اگر

---

[1] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کب آئے گی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تجھ پر افسوس تو نے قیامت کی تیاری کیا کی ہے؟ (جو قیامت کو دریافت کر رہا ہے) اس نے عرض کیا میں نے تیاری تو کچھ نہیں کی ہے مگر اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہوں۔ ارشاد فرمایا تو قیامت میں اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے صحابہ کرامؓ کو اتنی مسرت ہوئی کہ میں نے علاوہ اسلام کے کسی چیز سے اتنی مسرت نہیں دیکھی۔ (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ کچھ دینا نہ چاہتا تو طلب کا مادہ ہی نہ پیدا کرتا ــــــ صوفیا کا یہ جو مقولہ ہے کہ اذا بکی القلب من الفقد ضحک الروح من الوجد (جب کہ قلب گم شدگی سے روتا ہے تو روح یافت پر خوش ہوتی ہے) [اس مقولے کی رو سے] گریۂ دل کو جو کہ از راہِ طلب و شوق پیدا ہوا ہے یافتِ روح پر دلیل قرار دیا گیا ہے ــــ اس کی تفصیل یہ ہے کہ "لطائفِ خمسۂ عالم امر" آپس میں پڑوسیوں کا سا حکم رکھتے ہیں ان میں بعض لطائف ایک دوسرے سے زیادہ لطیف ہیں اور جو بھی لطیف تر ہے، عالم غیب سے نزدیک تر ہے اور حضرت وہاب سے فیوض حاصل کرنے میں آگے بڑھا ہوا ہے جب کبھی ان لطائف میں سے کسی لطیفے پر کوئی عطیہ وارد ہوتا ہے تو دوسرا "لطیفہ" جو اُس سے قریب ہے خبردار ہو جاتا ہے اور اس دولت پر رشک و غبطہ کرتا ہے، اس کی طلب میں کوشش کرتا ہے اور اس کو گریہ و شوق دامنگیر ہو جاتا ہے ــ اگر کسی لطیفے پر بھی "واردِ غیبی" نمودار نہیں ہوتا تو تمام لطائف غافل رہتے ہیں اور راہِ طلب بند ہو جاتی ہے ــ پس گریۂ قلب دلیل ہے اس امر کی کہ روح کو کچھ مل گیا۔ اس لئے کہ قلب و روح کو آپس میں نسبتِ ہمسائگی اور اتصال حاصل ہے، ایک کی یافت سے دوسرا واقف ہے اور اس دولت کے نہ پانے سے نالاں اور اس کی طلب میں دواں ہے ــــــ الحمد للہ والمنۃ کہ فقیر زادہ (شیخ سیف الدین سرھندیؒ) "منظورِ نظرِ قبول" ہو گیا ہے اور اس کی صحبت مؤثر ثابت ہوئی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو کہ فقیر زادے کا شیوہ ہے اُس پر آپ نے اظہار شکر و رضامندی کیا ہے میں اس عطیے (اظہار شکر) پر شکرِ خداوندی بجالایا اور یہ امر سبب از دیادِ دُعا گوئی ہوا ــــــ کیا عجب نعمت ہے کہ اس طمطراقِ بادشاہت اور دبدبۂ سلطنت کے ہوتے کلمۂ حق، سمع قبول میں آئے اور ایک "نامراد" کا قول، موثر ثابت ہو ــــ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ ــ (زمر) وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ اجمعین و بارک وسلّم

---

لہ پس مژدہ دیجئے میرے اُن بندوں کو جو بات کو سنتے ہیں پس پیروی کرتے ہیں اُس کی عمدہ بات کی یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہدایت اللہ تعالیٰ نے کی ہے اور یہ لوگ صاحبانِ عقل و خرد ہیں۔

# حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح سے

## میری واقفیت اور تأثرات

(از محمد منظور نعمانی)

غالباً ۱۳۳۸ھ کی بات ہے میں اپنے وطن سنبھل کے عربی مدرسے (مدرسۃ الشرع) میں صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا میری عمر اس وقت ۱۴ سال کی ہو گی، حضرت شیخ الہند رح کا نام میں اپنے اساتذہ سے سُنا کرتا تھا اس لئے قلب میں ان کی خاص عظمت تھی۔ اسی زمانہ میں یہ خبریں آئیں کہ حضرت شیخ الہند رح مالٹا سے رہا ہو کر عنقریب تشریف لانے والے ہیں، اگرچہ چالیس سال پہلے کی بات ہے مگر مجھے کل کی طرح یاد ہے کہ مدرسہ کے سن رسیدہ مہتمم جناب منشی حمید الدین صاحب مرحوم (جن کو حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رح سے بیعت و ارادت کا شرف حاصل تھا) ایک دن مدرسہ تشریف لائے اور حضرات اساتذہ کو اپنی ایک تازہ نظم سُنائی جس میں حضرت شیخ الہند رح کی رہائی کی خوشخبری پر اپنے جذبات مسرت کا اظہار کیا تھا۔ میں نے سب سے پہلے اسی نظم میں حضرت شیخ الہند رح کے رفیقوں اور خاص خادموں کی حیثیت سے حضرت مولانا حسین احمد صاحب اور مولانا عزیز گل صاحب کا نام سنا۔

پھر کچھ عرصہ کے بعد سننے میں آیا کہ حضرت شیخ الہند رح مالٹا سے رہا ہو کر دیوبند تشریف لے آئے۔ غالباً یہ تشریف آوری رمضان مبارک ۳۸ھ میں ہوئی تھی۔ شروع شوال میں جب عربی مدارس کا تعلیمی سال شروع ہوتا ہے میرے والد ماجد نے آئندہ تعلیم کے لئے مجھے دہلی استاذی حضرت مولانا کریم بخش صاحب سنبھلی مرحوم کے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ فرمایا (مولانا مرحوم ان دنوں مدرسہ عبد الرب دہلی میں مدرس تھے) مولانا نے نظام سفر اس طرح بنایا کہ پہلے اپنے استاد حضرت شیخ الہند رح کی زیارت کے لئے دیوبند

جائیں گے اور پھر وہاں سے دہلی۔ مجھے بھی اس کی خوشی تھی کہ حضرت شیخ الہندؒ کی زیارت نصیب ہوگی اس زمانہ میں میرے وطن سنبھل اور مراد آباد کے درمیان ٹرین نہیں چلتی تھی اس لئے سنبھل سے مراد آباد تک سفر لاری سے ہوا مراد آباد پہونچکر دیوبند کے لئے ٹکٹ خرید لئے گئے لیکن تھوڑی دیر کے بعد مراد آباد کے ایک بزرگ سے حضرت استاذ کو یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت شیخ الہندؒ آج ہی دیوبند سے فتح پور ہسوہ روانہ ہونے والے ہیں اس لئے اس وقت دیوبند پہونچکر حضرت کی زیارت نہ ہو سکے گی. افسوس کے ساتھ خریدے ہوئے وہ ٹکٹ واپس کر دیے گئے اور دہلی کے ٹکٹ لے کر براہ راست دہلی روانہ ہو گئے ——— صبح کو جب ہم دہلی پہونچکر مدرسہ عبدالرب میں داخل ہوئے تو وہاں فرش دفروش کا کچھ غیر معمولی اہتمام دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہندؒ اسی وقت تشریف لا رہے ہیں شام تک یہیں مدرسہ میں قیام رہے گا اور آج ہی یہاں سے فتح پور کے لئے روانگی ہو جائیگی اُستاذ مرحوم اور اس ناچیز کو بھی یہ سُن کر بڑی خوشی ہوئی، تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت اپنے رفقاء سمیت تشریف لے آئے۔ ناچیز کو بھی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی، مولانا عزیر گل صاحب خادم خاص کی حیثیت سے ساتھ تھے ان کی زیارت بھی سب سے پہلے اسی وقت ہوئی۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب کا نام نامی سُن چکا تھا اس لئے قدرتی طور پر ان کی زیارت کا بھی اشتیاق تھا، دریافت کرنے پر کسی سے معلوم ہوا کہ مولانا اس سفر میں حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ نہیں ہیں۔

چند مہینے کے بعد (صفر ۱۳۳۹ھ میں) حضرت شیخ الہندؒ کا وصال ہو گیا۔ مالٹا سے حضرت کی آمد پر خلافت کی تحریک میں ایک دم وسعت اور طاقت پیدا ہو گئی، ملک بھر میں خلافت کے نام پر جلسے اور کانفرنسیں ہونے لگیں، ہمارے وطن سنبھل میں بھی ایک بڑا جلسہ ہوا جس میں قریب قریب وہ سب بڑے علماء تشریف لائے جو خلافت کی تحریک میں اس وقت نمایاں اور پیش پیش تھے حضرت مولانا حسین احمد مدنی بھی تشریف لائے۔ مجھے یاد ہے کہ مدنی نسبت اور اسارت مالٹا کی وجہ سے ہر شخص کو دوسرے بزرگوں سے زیادہ حضرت مولانا ہی کی زیارت کا شوق تھا۔ کم عمری کے باوجود میرا بھی یہی حال تھا۔ حضرت مولانا کی پہلی زیارت اسی موقع پر ہوئی، خوب یاد ہے کہ حضرت مولانا جدھر کو نکلتے تھے مشتاقان زیارت کی بھیڑ لگ جاتی تھی

مولانا نے اس جلسہ کی اپنی تقریر میں لوگوں کے اصرار پر ان تکلیفوں مصیبتوں اور بربادیوں کی تفصیل بھی

بھی بیان فرمائی تھی جن سے پہلی جنگ عظیم کے دوران میں اہلِ مدینہ کو گزرنا پڑا۔ یہ واقعات ہر مسلمان کے لئے بہت دردناک تھے۔ مجھے اب تک اس تقریر کے خاصے اجزار یاد ہیں۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد حضرت مولانا گرفتار کر لئے گئے اور وہ تاریخی مقدمہ چلا جو کراچی کے مقدمہ کے نام سے مشہور ہے، اس قید سے رہائی کے بعد اپنی طالب علمی کے دور میں دوسری دفعہ مولانا کی زیارت مراد آباد کے جمعیتہ العلمار کے اجلاس میں ہوئی، یہ وہ زمانہ تھا جب نجدی طاقت نے مکہ معظمہ پر قبضہ کر لیا تھا اور شریف حسین کو وہاں سے چلا جانا پڑا تھا، خبریں آرہی تھیں کہ شریف حسین بعض یورپین طاقتوں سے مدد حاصل کر کے نجدیوں سے جنگ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں، اور اندیشہ تھا کہ اگر ایسا ہوا تو یہ جنگ سرزمین حرم پر ہوگی۔ جمعیتہ العلمار کے اجلاس میں ایک رزولیشن پیش کیا گیا تھا جس میں شریف حسین کے اس ارادے پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا تھا اور مکہ معظمہ کی حرمت کے نام پر اس ارادہ و اقدام سے باز رہنے کی اپیل کی گئی تھی، اس رزولیشن کی تحریک یا تائید کرتے ہوئے حضرت مولانا مدنی نے ایک بڑی بسیط تقریر فرمائی تھی اور مکہ معظمہ کی حرمت اور وہاں ہر قسم کے جنگ وجدال کی دائمی ممانعت سے متعلق حدیثوں کے متن اس قدر کثرت سے پڑھکر سُنائے تھے کہ دینیات کے ایک طالب علم کی حیثیت سے اُس وقت میرا یہ احساس تھا کہ شاید ان کو حدیث کے دفتر کے دفتر حفظ ہیں اور اس وصف میں کوئی دوسرا عالم غالباً ان کا ہم پلہ نہ ہوگا۔

میرے لئے مولانا مرحوم کی زیارت اور تقریر سُننے کا یہ دوسرا موقع تھا، اگلے سال میں پڑھنے کے لئے دارالعلوم دیوبند چلا گیا، وہاں دو سال قیام رہا، حضرت مولانا مدنی کا مستقل قیام اس زمانہ میں غالباً سلہٹ رہتا تھا۔ لیکن دیوبند بار بار تشریف لانا ہوتا تھا، چنانچہ میرے دو سالہ قیام کے زمانہ میں کئی بار تشریف آوری ہوئی اور قریباً ہر دفعہ طلبہ اور مدرسین کے اصرار سے آپ نے تقریر بھی فرمائی، اس زمانہ کی آپ کی تقریریں معلومات سے معمور ہوتی تھیں خاص طور سے ہم طلبار ان سے بہت فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے بعض خاص تقریریں قلمبند بھی کی تھیں۔

جس سال میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوا اسی سال کے ختم پر کچھ ایسے واقعات دارالعلوم میں پیش آئے کہ حضرت الاستاذ مولانا سید انور شاہ صاحب نے دارالعلوم چھوڑنے

کا فیصلہ فرمالیا، اس وقت دارالعلوم کی صدارت تدریس کے لئے کوئی شخصیت حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی سے زیادہ موزوں نہیں ہو سکتی تھی، یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوا کہ مولانا نے اس ذمہ داری کو قبول فرمالیا، چونکہ دارالعلوم میں میری طالب علمی کا دور حضرت مولانا کی تشریف آوری سے پہلے ختم ہو چکا تھا اس لئے مجھے باضابطہ تلمذ کا شرف تو حاصل نہیں ہوا لیکن گذشتہ ۳۲-۳۰ سال کی مدت میں دیوبند میں بھی اور باہر سفروں میں بھی خدمت میں حاضری اور رفاقت کی سعادت سیکڑوں بار حاصل ہوئی ـــــ حضرت مولانا کی زندگی کے جن پہلوؤں سے اپنی ذاتی واقفیت اور تجربہ کی بنا پر میں زیادہ متاثر ہوا اس وقت بغیر کسی خاص ترتیب کے میں انھیں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

## نماز کا امتیاز

خالص دینی اعمال میں نماز سب سے زیادہ عام چیز ہے، اس لئے حضرت مولانا جیسی کسی عظیم دینی شخصیت کی نماز کا ذکر شاید بہت سے لوگوں کو کچھ عجیب سا معلوم ہوگا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ نماز کی حقیقت اگر کسی بندے کو نصیب ہو تو اس کو بندگی کا کمال نصیب ہوا اسی لئے نماز کو معراج المومنین کہا گیا ہے اور اسی لئے سیدنا حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اسلامی قلمرو کے تمام عمال یعنی صوبوں کے افسران اعلیٰ کے نام بھیجے جانے والے ایک مراسلہ میں سب سے پہلی بات یہ لکھی تھی کہ اِنَّ اَهَمَّ اُمُوْرِكُمْ عِنْدِيْ الصَّلٰوةُ (تمھارے کاموں میں سب سے زیادہ اہم اور دوسرے سب کاموں سے زیادہ اہتمام کی مستحق میرے نزدیک نماز ہے۔)

اصل بات یہ ہے کہ نماز صرف ایک دینی عمل ہی نہیں ہے بلکہ دینی نظام میں اس کا مقام وہ ہے جو انسان کے جسمانی نظام میں اس کے قلب اور روح کا مقام ہے۔ قلب کے بارے میں مشہور حدیث ہے کہ اسی کے صلاح و فساد پر پورے وجود انسانی کے صلاح و فساد کا مدار ہے۔ (اذا صلح صلح الجسد کلہ، واذا فسد فسد الجسد کلہ) اسی طرح نماز کے بارے میں بعض حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کو جانچا جائے گا اگر بندہ کی نماز اچھی نکلی تو وہ کامیاب و بامراد ہوگا اور وہ ناقص و خراب نکلی تو وہ نامراد اور خسارہ میں رہے گا اور بعض روایات میں اس طرح ہے کہ جس بندے کی نماز ٹھیک نکلے گی اس کے سارے عمل ٹھیک مانے جائیں گے اور جس کی نماز خراب ہوگی اس کے سارے عمل خراب قرار دئے جائیں گے

اسی قسم کی روایات کی بنا پر میں نے یہ کہا ہے کہ نماز کا مقام دینی نظام میں قلب و روح کا مقام ہے۔

نماز کی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے یہ دعا نقل کی گئی ہے۔ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي (اے میرے رب مجھے ایسا کر دے کہ میں اچھی نماز ادا کرنے والا ہو جاؤں اور میری نسل میں سے بھی)

بہرحال اللہ کے کسی بندے کو نماز کی حقیقت اور اس کی روح کا نصیب ہونا اس کا سب سے بڑا کمال اور اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہے۔

نماز کی روح کیا ہے؟ —— اس کے جاننے کے لئے امام عارف حضرت شاہ ولی اللہ کی یہ عبارت پڑھ لیجئے :- وروح الصلوٰة هي الحضور مع الله والاستشراف للجبروت وتذكر جلال الله مع تعظيم ممزوج بمحبة وطمانينة (حجۃ اللہ البالغہ ص ۶۷/۲) یعنی اللہ کے سامنے حضوری اور سکنت و محبت آمیز تعظیم کے ساتھ اس کے جلال و جبروت کا تصور اور گہرا دھیان بس یہی نماز کی روح ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے نماز کی جو روح بتائی ہے وہ بلا شبہ ایک باطنی حال ہے جسکو آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا لیکن جس طرح رنج و غم، فکر و الم، مسرت و شادمانی، لذت و سرور وغیرہ قلبی و باطنی کیفیات کے آثار کسی کے چہرے پر دیکھ کر یا اس کی گفتگو اور آواز میں ان کے اثرات محسوس کر کے ان اندرونی کیفیات کا اندازہ ہر ہوش و گوش والا کر لیتا ہے اسی طرح نماز کی اس روح کے آثار بھی دوسروں کے لئے بعض اوقات اتنے عیاں ہو جاتے ہیں کہ وہ گویا آنکھوں سے دیکھ لیتے اور کانوں سے سُن لیتے ہیں۔ بعض صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو بیان کیا ہے کہ نماز کی حالت میں ہم آپ کے سینۂ مبارک سے چکی چلنے کی سی (یا بعض راویوں کے بیان کے مطابق ہانڈی میں جوش آنے کی سی) ایک آواز سنتے تھے تو یہ دراصل اسی اندرونی کیفیت کا ایک اثر تھا جس کو دوسرے بھی محسوس کرتے تھے۔

اس تمہید کے بعد یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ حضرت مولانا مدنیؒ کے ساتھ اور قریب کھڑے ہو کر جب کبھی نماز ادا کرنے کا اتفاق ہوا تو ہمیشہ یہ محسوس ہوا کہ حضرت مولانا وہ نماز پڑھتے ہیں جو ہم کو نصیب نہیں

خاص کر جب مولانا فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے تو بعض اوقات تو خطرہ ہونے لگتا کہ کہیں قلب نہ پھٹ جائے۔

ادھر کئی سال سے حضرت کے گھٹنوں میں مستقل تکلیف رہتی تھی جس کی وجہ سے اٹھنا بیٹھنا، خاص کر سجدے میں جانا اور سجدے سے کھڑا ہونا بڑی تکلیف اور مشقت کے ساتھ ہو سکتا تھا، یہاں تک کہ دیکھنے والوں کا بھی دل دکھتا تھا لیکن اس تمام عرصہ میں فرائض ہی نہیں بلکہ اوابین اور تہجد وغیرہ نوافل بھی ہمیشہ کے معمول کے مطابق طول قرات اور طول قیام ہی کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ جس حالت کو ہم سخت تکلیف و مشقت سمجھ رہے ہیں ان کے لئے اسی میں راحت و لذت ہے ظاہر ہے کہ یہ حال اسی بندے کا ہو سکتا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "قرۃ عینی فی الصلوٰۃ" اور "یا بلال ارحنی بالصلوٰۃ" والی کیفیت سے خاص حصہ ملا ہو۔

## رسول اللہ صلعم کی محبت اور اتباع سنت

حدیث میں حقیقت ایمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے وابستہ بتلایا گیا ہے فرمایا گیا ہے کہ جس شخص کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور خود اپنی ذات سے بھی زیادہ رسول اللہ صلعم سے محبت نہ ہو، اس کو حقیقت ایمان نصیب نہیں ہے اور حضور کی اس محبت کا لازمی نتیجہ آپ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز کی عظمت و محبت اور آپ کی سنتوں اور عادات و اطوار کے اتباع کا اہتمام اور شغف ہے۔

اس عاجز نے اس باب میں بھی حضرت مولانا کو بہت ممتاز پایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ادنیٰ نسبت رکھنے والی ہر چیز کے ساتھ حتیٰ کہ مدینہ طیبہ کی مٹی کے ساتھ حضرت مولانا کو جو خاص قلبی تعلق تھا جس کا ظہور اپنے موقع پر عملی زندگی میں قدرتی طور پر ہوتا رہتا تھا۔ اس کی مثال اس عاجز نے دوسری جگہ نہیں دیکھی۔

اسی طرح اتباع سنت کا اہتمام اور شغف، عبادات ہی میں نہیں بلکہ امور معاشرت اور عادات میں بھی جس قدر فرماتے تھے تلاش کرنے والے کو اس کی مثالیں خواص اہل دین میں بھی شاذ و نادر ہی ملیں گی اس سلسلہ میں بعض عادات اور روزمرہ کی بعض ایسی باتوں کا ذکر کرنا غالباً نامناسب نہ ہوگا جن سے اندازہ ہو سکے کہ سنن نبویہ کا اتباع گویا آپ کا مزاج بن گیا تھا۔

مثلاً تکیہ چمڑے کا استعمال فرماتے تھے، کھانا کھاتے وقت نشست ہمیشہ سنت کے مطابق ہوتی تھی۔ اپنے دسترخوان پر (جو عام طور پر گول ہوتا اور جس پر دس بارہ آدمی آپ کے ساتھ دائرہ بناکر بیٹھتے) سالن ایک ہی بڑے برتن میں ہوتا اور سب کے ہاتھ اسی ایک برتن میں پڑتے حتیٰ کہ اگر کہیں دعوت میں شرکت فرماتے اور وہاں آج کل کے رواج کے مطابق ہر شخص کے کھانے کی پلیٹ الگ ہوتی تو اپنے قریب والوں کو اپنے ساتھ شامل فرماکر وہاں بھی مسنون طریقہ پر ان کے ساتھ ایک ہی پلیٹ میں کھانا تناول فرماتے۔ اسی طرح اُٹھنے بیٹھنے اور لیٹنے سونے میں حتیٰ کہ لباس اور جوتا پہننے میں بھی طریقہ سنت کی پابندی فرماتے۔۔۔۔ اگر آپ کے تشریف لانے پر آپ کے نیازمند اور خدام تعظیماً کھڑے ہوجاتے (جیسا کہ آج کل کا عام دستور ہے) تو ناراضگی کا اظہار فرماتے بلکہ بعض اوقات اس اظہار ناراضگی میں برافروختگی بھی ہوتی۔۔۔۔ اور فرماتے کہ آپ لوگ کیوں کھڑے ہوئے کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کھڑے ہونے سے ناگواری ہوتی تھی۔

یہ روزمرہ کی چند مثالیں ہیں جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ معاشرت اور عادات میں بھی سنن نبویہ کا اتباع آپ کا مزاج بن گیا تھا۔

## حد سے زیادہ تواضع اور خاکساری

اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت مولانا کا جو مقام ہوگا اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن جو لوگ انکے احوال سے کچھ بھی واقف ہیں وہ اتنا ضرور جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں کسی عالم دین اور کسی روحانی پیشوا کو جو بڑی سے بڑی عظمت و وجاہت، بلندی و برتری حاصل ہوسکتی ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ مولانا کو حاصل تھی۔ دارالعلوم دیوبند جیسی باعظمت دینی درسگاہ کے وہ صدر اور شیخ تھے۔ ہزاروں عالم (جو اپنی اپنی جگہ اپنے حالات کے مطابق کسی نہ کسی دینی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور ان میں بہتوں کے خاصے وسیع و عریض حلقے ہیں) ان کے شاگرد اور فدائی ہندوستان کے طول و عرض میں لاکھوں مریدین، پھر ہندوستان کی جنگ آزادی میں ان کی عظیم قربانیوں کے طفیل ملک کے اہل حکومت و سیاست کی نگاہ میں بھی ان کا خاص مقام اور حکومت کے اونچے سے اونچے عہدہ داروں کی نگاہ میں ان کا غیر معمولی احترام۔۔۔۔ ان ساری عظمتوں اور بلندیوں کے باوجود ان میں تواضع اور انکسار اس قدر تھا کہ جن لوگوں کو قریب رہنے اور برتنے کا موقع نہ ملا ہو وہ کبھی اندازہ نہیں لگا سکتے بلکہ یہ عاجز اس موقع

پر صفائی کے ساتھ یہ ظاہر کر دینا ہی مناسب سمجھتا ہے کہ بعض اوقات راقم سطور کو خیال ہوتا تھا کہ حضرت کا اتنا تواضع شاید دوسروں کے لئے مضر ہو — اس سلسلے میں بھی خود اپنے ساتھ گزرے ہوئے بعض واقعات ذکر کرنے کا جی چاہتا ہے۔

۱۳۴۳ھ کی بات ہے میری طالب علمی ہی کا زمانہ تھا۔ ہمارے وطن سنبھل کے "مدرسۃ الشرع" کی طرف سے خاصے بڑے پیمانے پر ایک جلسہ ہوا اس میں جماعت دیوبند کے اس وقت کے اکثر اکابر علماء (مثلاً حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ) نے شرکت فرمائی تھی، حضرت مولانا مدنی بھی تشریف لائے تھے۔ مدرسہ کے مہتمم اور جلسے کی منتظمین کی اجازت سے ایک دن دوپہر کے وقت کے کھانے کا انتظام میرے والد ماجدؒ نے اپنے یہاں کیا تھا۔ جلسہ گاہ اور ان حضرات کی قیام گاہ سے ہمارے مکان کا فاصلہ ایک میل سے کچھ زیادہ تھا اس لئے سب مہمانوں کو سواری کے ذریعہ لانے کا انتظام کیا گیا تھا اور سب حضرات سواری ہی سے آئے۔ لیکن حضرت مولانا مدنی نے یہ کیا کہ سنبھل کے اپنے ایک پرانے شاگرد اور نیاز مند کو بطور راہ نما ساتھ لے کر خاموشی سے ہمارے گھر پیدل تشریف لائے حالانکہ موسم گرم تھا اور بارہ بجے کے بعد کا وقت تھا اور جیسا کہ عرض کیا گیا فاصلہ میل بھر سے بھی زیادہ تھا۔

سنبھل کے اسی سفر میں ہمارے یہاں کے ایک صاحب نے جو بیچارے علمی، دینی دنیوی کوئی بھی خاص حیثیت نہیں رکھتے تھے اور حضرت مولانا سے ان کا کوئی تعارف بھی نہیں تھا حضرت مولانا مدنی سے درخواست کی کہ میرے گھر پر چل کر چائے پی لیجئے، مجھے یاد ہے کہ ان کی یہ بات سب کو کچھ عجیب سی معلوم ہوئی، لیکن مولانا نے بغیر کسی عذر و معذرت کے قبول فرما لیا اور ان کے ساتھ ان کے گھر پر جا کر بالکل بے وقت چائے اور صرف چائے پی لی۔

ایک عجیب واقعہ اور سنئے — حضرت کے ایک شاگرد نے خود اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت ریل سے سفر فرما رہے تھے اور یہ صاحب خادم کی حیثیت سے حضرت کے ساتھ تھے انھیں استنجاء کا تقاضہ ہوا بیت الخلاء کا دروازہ کھولا تو اس کو بہت غلیظ اور گندہ دیکھ کر واپس آ گئے اور اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت مولانا تیزی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھے اور بیت الخلاء میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا، چند منٹ کے بعد تشریف لائے اور اپنے ان خادم سے کہا

کہ اب چلے جاؤ انھوں نے جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت ان کی واپسی کی وجہ محسوس کر کے بیت الخلا صاف کرنے ہی کے لئے اندر تشریف لے گئے تھے اور جب لوٹے بھر بھر کے بہت سا پانی بہا دیا اور اس کو صاف کر دیا تو باہر تشریف لائے ـــــ کچھ حد ہے اس تواضع اور بے نفسی کی؟

کئی سال پہلے کی بات ہے حضرت کے ضعف پیری اور بعض دوسری اہم مصلحتوں کی بنا پر حضرت کے چند نیاز مندوں نے (جن میں یہ عاجز بھی شامل تھا) باہم مشورہ کر کے ایک دفعہ حضرت سے عرض کیا کہ حضرت اب صرف وہ سفر فرمایا کریں جس کی کوئی خاص ضرورت اور اہمیت ہو اور یہ جو ہو رہا ہے کہ لوگ معمولی معمولی مقامی ضرورتوں اور جلسوں کے لئے حضرت کو تکلیف دیتے ہیں، اور حضرت قبول فرما لیتے ہیں (اور اسی طرح ہر ہفتے میں جمعہ کے ایک دن کا سفر تو ضروری ہوتا ہے) یہ سلسلہ اب بند فرما دیا جائے، حضرت نے فرمایا میں کیا کروں لوگ آجاتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں، عرض کیا گیا کہ اگر حضرت طے فرمالیں کہ اس سلسلہ کو بند کرنا ہے تو تھوڑے عرصہ تک تو ایسا ہوگا کہ لوگ آئیں گے اور حضرت کے انکار فرما دینے پر مایوس واپس چلے جائیں گے۔ اس کے بعد عام طور سے لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت نے اب یہ فیصلہ فرما لیا ہے تو پھر اس غرض سے لوگ آیا بھی نہیں کریں گے۔ فرمایا مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے بندے آئیں اور وہ کہیں چلنے کے لئے اصرار کریں اور میں انکار پر جما رہوں، عرض کیا گیا کہ حضرت کی صحت اور حضرت کا وقت بہت قیمتی ہے اس کو صرف ضرورت اور موقعے ہی پر صرف ہونا چاہیئے، حضرت نے خاکساری اور تواضع میں ڈوبے ہوئے لہجے میں فرمایا آپ لوگ یہ کیا کہتے ہیں میں کیا ہوں اور میری کیا قیمت ہے یہ مٹی کا جسم ہے جب تک چل رہا ہے اس سے کام لے لینا چاہیئے۔

## عزیمت یا شدت فی امر اللہ

حضرت مولانا میں جہاں تواضع اور خاکساری اس درجہ کی تھی جس کا اوپر کی سطروں میں ذکر ہوا وہیں بظاہر بالکل اسکے برعکس یہ بات بھی تھی کہ جس راستے پر چلنے کو وہ حق سمجھ لیتے پھر کسی کا کہنا سننا، کسی کا ساتھ دینا یا ساتھ نہ دینا، کسی کی رضامندی یا ناراضگی کسی کی تحسین یا ملامت، حتیٰ کہ کوئی زلزلہ اور بھونچال بھی ان کو اس راستہ سے ہٹا نہیں سکتا تھا ـــــ اس کی سب سے روشن مثال ان کا سیاسی مسلک اور اس سلسلہ کی ان کی سرگرمیاں ہیں۔

ہندوستانی سیاسیات کے بارہ میں ایک رویہ کو صحیح سمجھ کر انھوں نے اپنا لیا تھا، جو لوگ دس بارہ سال پہلے کے واقعات بھولے نہیں ہیں انھیں یاد ہوگا کہ مولانا کو اس راہ میں کیسے کیسے ناموافق حالات اور کتنے سخت طوفانوں کا مقابلہ کرنا پڑا اور عزت و آبرو تک کی کیسی کیسی قربانیاں دینی پڑیں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ جس دَور میں جتنی زیادہ مخالفت بڑھی حضرت مولانا کو اس زمانہ میں اتنا ہی زیادہ مضبوط، غیر متزلزل اور پر جوش پایا گیا۔

اس سیاسی میدان میں حضرت مولانا کے ساتھ علماء اور غیر علماء میں اور بھی بہت سے تھے، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت مولانا کی شان اس معاملہ میں بالکل نرالی تھی وہ جب کسی بھی مجلس میں بھی اس موضوع پر بات کرتے تھے تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ انھیں اپنے راستے کا ایسا یقین ہے اور وہ اتنے یکسو ہیں کہ دوسرے پہلو کو سننے اور سوچنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں اور یہ کہ اس مسئلہ کا تعلق ان کے دماغ سے کہیں زیادہ ان کے قلب اور ان کی روح سے ہے۔ یہ میں نے ایک ایسے مسئلہ کی مثال دی ہے جس میں حضرت مولانا کی عزیمت اور شدت کا تجربہ قریب قریب پورے اسلامی ہند نے کیا تھا۔ اس کے علاوہ زندگی کے دوسرے دائروں میں بھی بہت سی ایسی مثالیں یاد ہیں کہ حضرت مولانا نے جس چیز کو حق اور جس رویہ کو اپنے لئے صحیح سمجھ لیا پھر ان کے خاص معتمد اور نیاز مند بھی ان کا رویہ بدلوانے اور رخ موڑنے کی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکے، اِلّا یہ کہ رائے ہی میں کوئی تبدیلی ہو جائے ___ یہاں صفائی سے یہ بھی عرض کر دینے کو جی چاہتا ہے کہ ایسی ناکامیابی کا تجربہ ایک سے زیادہ دفعہ خود راقم سطور کو بھی ہوا ہے۔

## ایثار و فیاضی اور مہمان نوازی

ناظرین نے ایثار و فیاضی کے بہت سے نمونے دیکھے ہوں گے خود اس عاجز نے بھی دیکھے ہیں لیکن حضرت مولانا کی ذات میں اس کا جو نمونہ دیکھا اس کی مثالیں تو پچھلی تاریخ کی کتابوں میں بھی بہت کم ہی مل سکیں گی۔

مولانا کا دولت خانہ ایک ایسا وسیع مسافر خانہ یا مہمان خانہ تھا کہ جن لوگوں کو خود کبھی مولانا کا مہمان بننے کا اتفاق نہیں ہوا وہ کسی دوسرے سے اس کا حال سن کر صحیح اندازہ نہیں کر سکتے ___ بیسوں دفعہ کے اپنے مشاہدے اور تجربہ کی بنا پر میرا محتاط اندازہ ہے کہ برسہا برس سے مولانا کے یہاں

چالیس پچاس روزانہ سے کم نہ رہتا تھا، ان میں ایک خاصی تعداد تو ان اہل طلب کی ہوتی تھی جو حضرت سے بیعت ہونے کے لئے دور و قریب کے مختلف مقامات سے روزانہ آتے تھے ان کے علاوہ ایک تعداد ان لوگوں کی ہوتی تھی جو صرف زیارت و ملاقات کے لئے یا کسی معاملہ میں دُعا کی درخواست کے لئے یا اپنی کسی ضرورت میں حضرت مولانا کی سفارش حاصل کرنے کے لئے یا ایسے ہی کسی اور کام سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور ایک دو دن رہ کر واپس چلے جاتے تھے، انکے علاوہ کچھ حضرات وہ بھی ہوتے تھے جو ذکر و شغل، اور روحانی تربیت کے لئے، کئی کئی مہینے حضرت کی خدمت میں مقیم رہتے تھے اور میرا خیال ہے کہ مہمانوں کی ان قسموں کے علاوہ کچھ لوگ حضرت مولانا کی اس فیاضی اور مہمان نوازی سے بے جا فائدہ اُٹھانے والے بھی ہوتے تھے، میں نے واقفین سے سنا ہے کہ قرب وجوار کے دیہات کے بعض لوگ جو بازار، تھانے یا تحصیل کے اپنے کاموں سے دیوبند آتے تھے وہ بھی کھانے کے وقت حضرت کے مہمان بن جاتے تھے اور حضرت ان کی اس نوعیت سے واقف ہونے کے باوجود ان کی مہمان نوازی کرتے تھے بلکہ خادموں تک کو سخت تاکید تھی کہ اگر کسی کے متعلق ایسا اندازہ ہو تب بھی مہمانوں ہی کی طرح اس کا اکرام کیا جائے ـــــ مجھے حضرت کے ایک خادم نے خود بتایا کہ ایک دفعہ انھوں نے ایسے ایک صاحب سے کچھ کہدیا تو حضرت ان پر سخت غصہ ہوئے اور یہاں تک فرمایا کہ میرے یہاں آنے والے کسی بھی مہمان کا جو شخص دل دکھائے گا میں اس کو معاف نہیں کروں گا۔

بہرحال مختلف انواع و اقسام کے ان مہمانوں کی تعداد کا اوسط جیسا کہ اس ناچیز نے عرض کیا چالیس پچاس روزانہ سے کم نہ تھا اگر کبھی صرف تیس پینتیس ہوتے تو اسی طرح کبھی ساٹھ ستر تک بھی ہو جاتے تھے۔

حضرت مولانا دونوں وقت مہمانوں کے ساتھ ہی بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور سب مہمان وہی کھاتے تھے جو خود حضرت کھاتے تھے۔

اگر کسی مخصوص مہمان کے اکرام میں کوئی خاص اہتمام اور تکلف کیا جاتا مثلاً پلاؤ یا بِریانی یا زردہ تیار کیا جاتا، یا دیوبند کی مشہور شیرینی آتی تو بلا امتیاز سارے مہمان اس دن وہی کھانا کھاتے اور میرا خیال ہے کہ ہفتے میں ایک دو دفعہ ایسا ضرور ہوتا تھا۔

یہاں اس چیز کا ذکر کر دینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت کے یہاں کا روز مرہ کا سادہ کھانا بھی (یعنی روٹی اور آلو یا لوکی جیسی کسی ترکاری کے ساتھ بڑے گوشت کا شوربہ والا سالن) اسقدر لذیذ اور ذائقہ دار ہوتا تھا کہ میں خود بھی شہادت دے سکتا ہوں اور بہت سے مہمانوں سے بھی میں نے سنا ہے کہ حضرت کے دسترخوان پر بیٹھ کر سوایا یا ڈیوڑھا کھانا کھایا جاتا ہے اور کبھی نقصان نہیں دیتا ـــــ جو لوگ حضرت کے حالات سے کچھ باخبر ہیں اور جنھوں نے حضرت کی عجیب و غریب اور بے مثال مہمان نوازی کا تجربہ کیا ہے ان کو اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ روزمرہ کی اس مہمان نوازی اور اسی طرح کی بعض دوسری للّٰہی مدوں میں حضرت کے ہاتھوں سے جو کچھ دوسروں پر خرچ ہوتا تھا خود اپنی ذات پر اور اہل و عیال پر اس کا چوتھائی بھی خرچ نہیں ہوتا ہوگا۔

کسی بندے کے ظاہری احوال و اعمال سے اس کے اندرونی حال کے بارے میں جہاں تک رائے قائم کرنے کا حق ہے اس کی بنا پر پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شح اور حب مال سے حضرت کے قلب و روح کو ایسا صاف کر دیا تھا کہ شاید اس کے غبار کا کوئی ذرہ بھی وہاں نہیں رہا تھا اور انشاء اللہ حضرت مولانا اس قرآنی بشارت کے خاص مستحقین میں ہونگے۔

وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ـــــ (تغابن)

اور اللہ نے اپنے جن بندوں کو شح اور حب مال کی بری خصلت سے بچایا وہ یقیناً فلاح پانے والے ہیں

ایک واقعہ اس جگہ اور بھی سن لیجیے جس سے حضرت مولانا کی اس خصوصیت (یعنی ایثار و فیاضی اور دوسروں کی راحت رسانی کا فکر و اہتمام) کے علاوہ ایسی ہی بعض اور خصوصیات بھی آپ کو معلوم ہوں گی۔

غالباً ۲۳ھ (یا ۲۴ھ) کی بات ہے سوامی شردھانند کی اٹھائی ہوئی شدھی سنگھٹن کی تحریک کے مقابلہ میں "جمعیۃ العلماء ہند" کا شعبۂ تبلیغ میدان میں اترا ہوا تھا۔ اُس وقت اس کے سامنے تبلیغی وفود کے ذریعہ وقتی دفاعی کوششوں کے علاوہ ان علاقوں میں جو شدھی تحریک کا خاص میدان بنے ہوئے تھے، مذہبی مکاتب قائم کرنے کا ایک ٹھوس، مستقل اور وسیع کام بھی تھا، جس کے لئے بہت بڑے سرمایہ کی ضرورت تھی ـــــ جمعیۃ العلماء ہند اور اکابر دیوبند سے تعلق رکھنے والے رنگون کے صاحب خیر تاجروں نے اس سلسلہ میں مالی امداد کا ایک منصوبہ

تیار کیا اور جمعیۃ العلماء ہند سے اپنا ایک وفد برما بھیجنے کی درخواست کی، اس وقت برما ہندوستان ہی کا ایک صوبہ تھا ــــ یہ وفد رنگون پہونچا، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا احمد سعید صاحب (جو اس وقت جمعیۃ کے ناظم تھے) اس وفد کے ارکان تھے ــــ مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب مرحوم بھی اس وفد کے ساتھ تھے، لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے وہ اہل رنگون ہی کی دعوت پر دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تبلیغ کی طرف سے تشریف لے گئے تھے۔ (شدھی سنگھٹن کے مقابلہ میں دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تبلیغ کی طرف سے بھی مستقل کام ہو رہا تھا)

بہرحال یہ تینوں حضرات رنگون پہونچے ــــ صوبہ برما کے اس وقت کے انگریز گورنر نے یا اس کی ہدایت پر اس کے ماتحت کسی انگریز حاکم نے یہ حماقت کی کہ رنگون کے جن سورتی تاجروں نے ان حضرات کو دعوت دے کر بلایا تھا اور جو اس سلسلہ میں پیش پیش تھے، ان کو بلا کر اس نے کہا کہ آپ کے یہاں جو یہ تین عالم لوگ آئے ہیں ان میں ایک آدمی مولانا حسین احمد بہت خطرناک ہیں اور گورنمنٹ کے دشمن ہیں اس لئے ان کو ہم یہاں تقریر کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے، ان لوگوں نے کہا کہ اس وقت یہ وفد ایک بالکل دوسرے مقصد سے آیا ہے اس لئے اس کا کوئی شبہ بھی نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی گورنمنٹ کے خلاف تقریر کرے۔ لیکن اس نے کہا، نہیں ہمیں معلوم ہے کہ وہ بہت خطرناک آدمی ہیں اس لئے ان کو تقریر کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ بالآخر ان سورتی تاجروں نے (جو گورنمنٹ کی نگاہ میں بھی خاص وقار رکھتے تھے) اس کی ذمہ داری لی کہ کوئی تقریر گورنمنٹ کے خلاف نہیں ہوگی، تب اس نے اجازت دی۔ ان بیچاروں نے یہ ساری بات حضرت کے سامنے بھی ذکر کر دی، حضرت نے فرمایا آپ نے اچھا نہیں کیا کہ مجھ سے دریافت کئے بغیر وعدہ کر آئے۔ یہ صحیح ہے کہ گورنمنٹ کے متعلق کچھ کہنے کا اس وقت میرا ارادہ نہیں تھا، لیکن اب مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تقریر کروں اور گورنمنٹ کے خلاف کچھ نہ کہوں، لہٰذا آپ حضرات کے لئے اب یہی بہتر ہے کہ میں تقریر نہ کروں، اور واپس چلا جاؤں لیکن رنگون کے وہ حضرات کسی طرح اس پر راضی نہ ہوئے، آخر میں انھوں نے عرض کیا کہ آج حضرت کی تقریر تو ضرور ہوگی اور جو حضرت کا جی چاہے وہی فرمائیں پھر جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا ــــ لیکن حضرت مولانا اس خیال سے کہ کہیں یہ بیچارے

مشکلات میں مبتلا نہ ہوں برابر انکار فرماتے رہے، آخر میں حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے بھی ان کی سفارش کی تو بڑی مشکل سے حضرت اس بات پر راضی ہوئے کہ آج تقریر فرمادیں گے لیکن اس کے ساتھ یہ شرط لگادی کہ اس کے بعد میں کوئی تقریر نہیں کروں گا اور پہلے جہاز سے واپس چلا جاؤں گا حضرت مولانا نے (انھیں کی خیر خواہی کے لئے) اس شرط پر اتنا اصرار کیا کہ ان لوگوں کو بادل ناخواستہ مان لینا پڑا ——— وقت آنے پر جلسہ شروع ہوا حضرت مولانا نے خطبہ مسنونہ اور چند تمہیدی الفاظ کے بعد تقریر اس طرح شروع فرمائی، کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں کے گورنر صاحب نے ہمارے محترم میزبانوں سے میرے بارے میں خطرہ کا اظہار کر کے میری تقریر کو روکنا چاہا تھا، اور وہ حضرات اپنی سادگی سے یہ وعدہ کر آئے کہ میں گورنمنٹ کے خلاف کچھ نہ کہوں گا، مجھے انکے اس وعدے کا افسوس ہے لیکن بہر حال اب مجھے ان کے وعدے کی لاج رکھنی ہے، اگر وہ یہ وعدہ نہ کر آتے تو میں تفصیل سے بتاتا کہ گورنمنٹ مجھے کیوں خطرناک سمجھتی ہے اور مجھے گورنمنٹ سے کیا شکایت ہے، میں بتاتا کہ گورنمنٹ نے پوری اسلامی دنیا کو اور ہمارے ملک ہندوستان کو اور ہم ہندوستانیوں کو کتنا تباہ و برباد کیا ہے ——— بیان کرنے والے کا بیان ہے۔ کہ قریباً ڈیڑھ گھنٹے تک مولانا یہی بیان فرماتے رہے کہ اگر ہمارے میزبان وعدہ نہ کر آتے تو میں یہ بتاتا اور یہ بتاتا ——— آخر میں فرمایا کہ چونکہ ہمارے محترم میزبانوں نے گورنر صاحب سے وعدہ کر لیا ہے کہ میں گورنمنٹ کے خلاف کچھ نہ کہوں گا اس لئے میں مجبور ہوگیا ہوں اور میں اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہتا ——— پھر چند کلمات وفد کے مقصد کے متعلق بھی کہکر تقریر ختم فرمائی۔

حضرت مولانا اپنی شرط کے مطابق غالباً دوسرے یا تیسرے ہی دن بحری جہاز سے کلکتہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ حاجی داؤد ہاشم مرحوم نے (جو وفد کے خاص داعی اور میزبان تھے) اپنے خاص ملازم محمد ذاکر صاحب کو بطور خادم کے کلکتہ تک کے لئے حضرت کے ساتھ کر دیا۔ حضرت کا ٹکٹ فرسٹ کلاس کا تھا اور ذاکر صاحب کا ٹکٹ سرونٹ کی حیثیت سے تھرڈ کا تھا۔ حضرت مولانا کی سیٹ جس کمرہ میں تھی اس میں کوئی دوسرا مسافر نہ تھا اس لئے حضرت چاہتے تھے کہ ذاکر صاحب بھی زیادہ سے زیادہ وقت وہیں حضرت کے ساتھ رہیں، لیکن جہاز کا "بوائے" جب آتا تو ذاکر صاحب کے ہر وقت وہاں رہنے پر معترض ہوتا، اس لئے حضرت مولانا نے یہ کیا کہ

وہ خود زیادہ وقت تھرڈ کلاس میں ذاکر صاحب کے ساتھ گذارنے لگے۔ بہرحال سفر ختم ہوا اور چوتھے دن کلکتہ کا ساحل آگیا۔ رواج کے مطابق "کبرائے" فرسٹ کلاس کے مسافروں سے "انعام" یا "بخشش" مانگنے آیا، اگرچہ راستے میں اس نے حضرت مولانا کو تکلیف دی تھی لیکن انعام مانگنے کے لئے وہ حضرت کی خدمت میں بھی حاضر ہوا، ذاکر صاحب بھی اس وقت ساتھ تھے، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت اس نے ہم لوگوں کو بہت تکلیف دی ہے اسے ایک پیسہ نہ دیجئے لیکن مولانا نے ہنس کے فرمایا کہ نہیں ان کا حق ان کو ضرور دیا جائے گا —— (آگے کی بات سننے سے پہلے یہ ذہن میں رکھ لیا جائے کہ یہ قصہ اس وقت کا ہے جب کہ ایک روپیہ آج کے ۷-۸ روپے کے برابر تھا اس لئے جو لوگ بڑے سے بڑا انعام بھی برائے کو دیتے تھے وہ زیادہ سے زیادہ ایک روپیہ ہوتا تھا) —— اس کے بعد سنئے کہ مولانا نے گن کر چار روپے نکالے اور اسکو دینے لگے وہ سمجھا کہ یہ مجھ سے مذاق کرتے ہیں اور اس طرح میری بدسلوکی کا انتقام لینا چاہتے ہیں اس لئے اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا، حضرت مولانا نے فرمایا، لے لو یہ تمھارے ہی لئے ہیں، آخر بہت جھجکتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھایا اور حضرت نے وہ روپے اس کو دے دئے —— راقم سطور عرض کرتا ہے کہ خود محمد ذاکر صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اس کم بخت نے تو حضرت کو اتنی تکلیف دی کہ خدمت کے لئے مجھے حضرت کے ساتھ بھی نہ رہنے دیا اور حضرت نے اسے اکٹھے چار روپے دے دئے، بڑے سے بڑا انگریز بھی ان لوگوں کو ایک روپیہ سے زیادہ نہیں دیتا۔ حضرت نے فرمایا، بھائی ذاکر اصل بات یہ ہے کہ یہ بیچارہ سمجھتا تھا کہ انعام بس صاحب بہادروں سے ملتا ہے، ہماری صورتوں سے اُسے کچھ ملنے کی امید نہیں تھی اس لئے اس نے ہمارے ساتھ ایسا برتاؤ کیا، اب ہمارا سفر تو ختم ہو گیا۔ میں نے یہ روپے اسے اس لئے دئے ہیں کہ اُسے معلوم ہو کہ ہم جیسے لوگ انگریزوں سے زائد دے سکتے ہیں۔ اب مجھے اُمید ہے کہ ہماری ایسی صورت والے اللہ کے کسی بندے کو انشاء اللہ یہ آیندہ نہیں ستائے گا بلکہ اس کو آرام پہونچانے کی کوشش کرے گا۔

اسی ایک واقعہ سے حضرت کی عالی ظرفی اور مزاج ایمانی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ——

(بقیہ صفحہ ۵۱ پر)

# اسلام
## ایک انگریز محقق کی نظر میں

پچھلے دنوں ایک کتاب (WHAT HAPPENED IN HISTORY) (تاریخ کے حوادث) انگریزی میں شائع ہوئی ہے جس میں بڑی تحقیق اور کاوش سے ان اقوام کے مذہبی خیالات، عقائد، رسوم، علم الاصنام، خرافات، اوہام پرستی اور ایک ان دیکھی ہستی کے تصورات پر بحث کی گئی ہے جو زمانۂ تاریخ سے پہلے گزر چکی ہیں اور جن کے حالات کا سراغ کتبوں، قدیم اوزاروں، برتنوں، مقابر اور دوسری چیزوں سے نکالا گیا ہے۔ مصنف نے اپنے دائرہ تحقیق کو مشرقِ وسطیٰ تک محدود رکھا ہے لیکن اس میں مشرق کے تقریباً تمام مذاہب و ممالک کا ذکر آگیا ہے۔ مذاہب کے تذکرہ میں جہاں یہودیت و عیسائیت کے متعلق بحث کی گئی ہے وہاں اس کتاب میں اسلام اور اس کے اثرات کا ذکر بھی آگیا ہے۔ آغاز میں مصنف نے ضرورت سمجھی ہے کہ لوگوں سے اسلام کا تعارف کرائے اور اس "عجیب وغریب مگر پرتاثیر" مذہب کی تعلیم کو بے نقاب کرے، چنانچہ مضمون کے تعارفی حصہ میں اپنے خیالات کا آغاز ان الفاظ میں کیا ہے :- "بہت سے لوگ اسلام کو مذہب (RELIGION) کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن بہت کم لوگ ہیں جنھوں نے "تحریک" کے نقطۂ نظر سے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ مختصر سے مختصر الفاظ میں اس مفہوم کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ اسلام دنیا کے تمام مذاہب میں نرالا ہے وہ ایک تاریخ بھی ہے اور ایک زبردست تحریک بھی، اس میں سیاست بھی ہے اور اجتماعیت بھی، اسلام کا سنگِ بنیاد قرآن لغویات کی پہلی کتاب بھی ہے اور روحانیت کی آخری کتاب بھی، وہ دین و دنیا کا ایک ایسا مرکب ہے جو درحقیقت

دُنیا کے تمام مذاہب سے بے نیاز کر دیتا ہے، قرآن کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات ماننی پڑے گی کہ اس کا "مصنف" اسلام کے عقیدہ کے برخلاف اگر کسی انسان ہی کو مان لیا جائے تو وہ اپنے زمانہ ہی کا نہیں بلکہ بہت سے زمانوں کا ایک زبردست معلم ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن کا وہ "مصنف" ایک برہانی اور عقلی دماغ کا "انسان" ہے۔ وہ اپنے ہر مضمون میں اس بات کی بڑی احتیاط کرتا ہے کہ کوئی دعویٰ بلا دلیل نہ ہو۔ وہ بار بار عقل کے اعتماد پر زور دیتا ہے۔ عقل سے کام نہ لینے والوں کو حیوان ٹھہراتا ہے اور عقل ہی کو کسوٹی بتلاتا ہے، وہ کوشش کرتا ہے کہ انسان وہم پرستیوں سے دور رہے اور خرافات کا کوئی شائبہ اپنے خیالات میں نہ آنے دے۔ اس کا انداز فکر اس حکیم سے ملتا ہے جو کائنات پر غور کرتا ہے اور اس سے نتائج اخذ کرتا ہے، قرآن کی یہ خوبی پہلے تو انسان کو حیرت میں ڈالتی ہے۔ پھر اسے اپنی طرف کھینچتی ہے اور آخر میں اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے" آگے چل کر مصنف لکھتا ہے:۔

"مورخین کو یہ بات سمجھنے میں بہت زیادہ تکلف سے کام لینا پڑا ہے کہ عرب کے وحشی انسانوں نے بغداد قرطبہ (اسپین) میں علوم و فنون کی بنیاد کس طرح ڈالی؟ عربوں کے علمی ذوق کے محرکات کیا تھے۔؟ کسی نے کوئی وجہ بیان کی، کسی نے اسے اتفاق کہہ کر اپنا فرض ادا کر دیا اور کسی نے یونانی علوم کو اسکا محرک بتایا، حالانکہ یونانی علوم کی طرف رغبت وہی قوم کر سکتی ہے جس میں پہلے سے عقلی علوم کا ذوق پیدا ہو چکا ہو لیکن اگر یہ مورخ قرآن سے بھی واقف ہوتے تو انھیں اس قدر دور از کار اسباب تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ وجہ صاف ہے کہ قرآن نے عقل کی افادیت پر زور دیا ہے اور اسلام نہ صرف یہ کہ عقل کا مخالف نہیں ہے بلکہ عقل کا زبردست موید ہے۔ اب بات بالکل صاف ہے کہ جس قوم کا مذہب عقلی اور برہانی ہو وہ سائنس اور علوم کی مخالف نہیں ہوگی، بلکہ مذہبی حیثیت سے سائنس کی سرپرستی کرنا اس کا فرض ہوگا، اگر قرآن عقل کی افادیت کا قائل نہ ہوتا تو مسلمان بھی علوم کی سرپرستی کبھی قبول نہ کرتے اور اسپین کی راہ سے سائنس کی شمع یورپ میں کبھی روشن نہ ہوتی"

اس کے بعد کتاب کے مصنف GORDON CHILD نے اسلام کی بعض خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔ "ہماری مہذب دُنیا میں فنون لطیفہ کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ آرٹ ہماری سوسائٹی کا ایک عظیم جزو بن چکا ہے مگر دُنیا کو یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ قرآن میں

آرٹ کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جن لوگوں نے جمالیات میں زندگی گذاری ہے اور جنہیں اسے ترقی دینے پر فخر ہے وہ یقیناً اسلام سے مایوس ہوں گے کہ اس میں ان کے ذوق کی یہ چیز نہیں ہے، لیکن داد دینی پڑتی ہے قرآن کے "مصنف" کو! کہ اس نے سیرت کی ان تمام برائیوں کو چیلنج کیا ہے جو آرٹ کے نام سے آج ہماری سوسائٹی کو گمراہ کر رہی ہیں اور اس اصلاحی و تنقیدی قرآنی تحریک کی قدر اس وقت معلوم ہوگی جب ایک طویل زمانہ کے بعد آرٹ کی برائیاں زندگی کی سطح پر آجائیں گی اور ہماری نئی نسلوں کو گھن لگا دیں گی۔ ہمارا آرٹ کیا ہے؟ ذہن کی بے راہ روی، اخلاق کی کجی، ذوق کی شوریدگی، جنسی انارکی، ہوس کی آرزو اور پرانی برائیوں کو چھپانے کی ایک ترکیب! قرآن نے بت پرستی کی تردید اور مذمت کر کے آرٹ کی آدھی عمارت کو مسمار کر دیا۔ کیونکہ آرٹ کا بہت بڑا حصہ قدیم زمانہ کے بتوں اور تصویروں کی ایک شرمناک یادگار ہے اور ان جنسی تعلقات کی یاد دہانی کرتا ہے جن پر جمالیات کا خول چڑھا ہوا ہے۔ قرآن حسن فطرت کا آئینہ تو ہے فحش کاری کا معلم نہیں ہے۔

ہماری سوسائٹی میں آج کل فنون لطیفہ کی بڑی قدر ہے لیکن وقت آئے گا کہ آرٹ کی برائیاں ظاہر ہوں گی اور قرآن کے مصنف کی پیش بینی ایک حقیقت بن کر سامنے آئے گی۔"

مصنف نے اسلامی ارکان پر جس انداز میں تبصرہ کیا ہے وہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔

"قرآن نے جن فرائض پر روشنی ڈالی ہے انھیں پڑھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ اسکے "مصنف" نے دین اور دنیا کو سمونے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ نماز پانچ وقت پڑھی جاتی ہے جس سے زندگی میں ایک دوامی حرکت پیدا ہوتی ہے ایک ان دیکھی ہستی سے تعلق پیدا کرنا اور اسکے ذریعہ دنیا کے ساتھ اس کے مناسب حال سلوک کرنا، نماز کا سب سے بڑا مقصد ہے اور خیال میں نہیں آسکتا کہ اس سے بہتر بھی عبادت کا کوئی اور طریقہ ہو سکتا ہے جب ایک شخص مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتا ہے تو وہ صرف خدا ہی کا تصور نہیں کرتا بلکہ خدا کی ساری مخلوق سے اپنے رشتہ کی تجدید کرتا ہے، حج کے آئینہ میں بھی دین اور دنیا دونوں کا عکس پڑتا ہے اور اس فریضہ میں وہ سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے جو ایک جامع تصوف کی غایت ہو گا۔ کو آپریٹو سوسائٹیاں زمانۂ حال کی پیداوار ہیں، مجالس امداد باہمی کی تحریک بالکل جدید ہے لیکن قرآن کے "مصنف" نے زکوٰۃ کی مد قائم کر کے

وہ تمام اغراض حاصل کر لئے ہیں جو آج کل کی سوسائٹیوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ میں اخلاص و ایثار ہے غم خواری اور ہمدردی ہے لیکن امداد باہمی کی تحریکات اس روح سے خالی ہیں۔ قرآن نے زکوٰۃ کو تجارت سے بالاتر رکھا ہے۔ وہ ایک ایسی صداقت ہے جس کا مفہوم زمانۂ حال کی کسی تحریک میں میں نہیں پایا جاتا۔

اسلامی روزہ کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ اس میں انسانی کمزوریوں کی پوری رعائت رکھی گئی ہے اور ہمارا خیال ہے کہ روزہ کی دوسری شکلیں اس شکل کے مقابلہ میں ہیچ ہیں"

قرآن کی سیاست پر مصنف نے طویل بحث کی ہے اور آخر میں لکھا ہے

"قرآن کو دوسری مذہبی کتب پر یہ تفوق حاصل ہے کہ اس میں سیاست اور اصول حکمرانی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے

ان اصولوں میں اس قدر زور اور طاقت ہے کہ پڑھنے والا فوراً متاثر ہو جاتا ہے۔ قرآن نے سیاست میں ذرا کمزوری نہیں دکھائی، سیاست کے ہر جز میں وہی زور اور تاثیر ہے جو اسکا فطری تقاضا ہے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن نے خوف خدا، اخلاق، خدمت خلق اور تصور آخرت سے سیاست کو بیگانہ نہیں رکھا، اور یہی وہ چیز ہے جس سے موجودہ عہد کی سیاست محروم ہے۔ اور اس محرومی نے دو بڑی جنگوں کا تماشہ دکھایا ہے میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ یورپ کے معاہدے یورپ کی دفاعی تدابیر، یورپ کا سیاسی اتحاد اور بین الاقوامی پارلیمنٹ یا حکومت کی تجویز اور دوسری تمام تدابیر ناکام اور بے سود رہیں گی اگر اس کی بنیادوں میں خدا کے تصور اور اخلاقی قدروں کو جگہ نہ دی گئی، جہاں عالمی امن کے لئے بہت سے نسخے آزمائے گئے ہیں وہاں مذہب کا یہ نسخہ بھی آزما کر دیکھ لینا چاہیئے، اگر اس کے لئے کوئی تیار ہو تو میں مشورہ دوں گا کہ وہ اس سلسلہ میں قرآن کو ہرگز نظر انداز نہ کرے کیوں کہ اس راہ کی رہنمائی اس کتاب سے بہتر کوئی اور کتاب انجام نہیں دے سکتی" مصنف کا یہ فیصلہ بھی سننے کے قابل ہے۔

"افسوس کہ اسلام کی مثالی اسٹیٹ کے قیام کے لئے صدیوں سے کسی نے کوشش نہیں کی، مصر، ٹرکی، ایران، افغانستان وغیرہ مسلم حکومتوں کو اس اسٹیٹ سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کا نمونہ تیرہ صدی پہلے عمرؓ نے قائم کیا تھا، قرآنی اسٹیٹ اور مسلم اسٹیٹ میں فرق

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

# اسلام اور فن تاریخ

(از ابن المبارک جناب مولوی جلیل راغبی الآسامی ۔ متعلم دارالعلوم دیوبند)

انسان نے جب سے اجتماعی زندگی اور ملی جلی بود و باش اختیار کی ہے تاریخ و تذکرے کی بنیاد تقریباً اسی وقت سے پڑ گئی تھی، دیرینہ روایات، ماضی کے واقعات، گذشتہ لڑائیوں اور معرکہ آرائیوں میں "آب و جد" کے بہادرانہ کارناموں کو قصوں اور کہانیوں کے روپ میں محفوظ رکھنا انسان کی قدیم خصوصیت ہے یہ روایات اور کہانیاں، قومی خصوصیات اور ملی مفاخر کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے کا سب سے موثر ذریعہ تھیں۔ کبھی کبھی انھیں سے فخر و مباہات کے معرکے بھی جیتے جاتے تھے۔ عرب جاہلیت کے دور میں سوق عکاظ جیسے عظیم میلوں اور بڑے بڑے جلسوں کے انعقاد میں عموماً یہی جذبہ کارفرما ہوتا تھا۔

تاریخی روایات محفوظ رکھنے کا یہ زبانی طریقہ آغاز اسلام تک قریب قریب ہر قوم اور ہر انسانی گروہ میں یکساں طور پر رائج تھا۔ اسلام سے قبل شاہ حیرہ نے اگرچہ کچھ تاریخی واقعات قلمبند کرائے تھے مگر تصنیف و تالیف کا چونکہ باقاعدہ رواج نہ تھا اس لئے دیگر علوم و فنون کی طرح تاریخ کا بھی ایک مبہم تصور کے سوا آغاز اسلام تک کوئی وجود نہ تھا۔ یہ فخر اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے معاشرۂ انسانی کے اس بے بہا سرمایہ کی قدر کی اور تاریخ کے اس گرد و دھول کو ایک اچھی شکل اور موزوں قالب عطا کیا۔ ماضی کے واقعات اور عالم اقوام پر بیتے ہوئے حوادث کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو یکجا کر کے ایک مرتب روداد دنیا کے سامنے پیش کی اور کائنات میں بسنے والے انسانوں کو عبرتناک ماضی سے سبق لے کر مستقبل کو روشن اور صالح بنانے کا موقع دیا۔

## مورخین اسلام

عرب میں جس وقت اسلامی تہذیب وتمدن کا آغاز ہوا اور مختلف علوم وفنون میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے تاریخ پر قلم اُٹھایا گیا، حضرت امیر معاویہ نے اپنے دورِ خلافت میں "تدوینِ تاریخ" کی طرف توجہ فرمائی اور پرانے واقعات اور پچھلے لوگوں کے معاشرتی وتمدنی حالات مدوّن کرنے کا خاص اہتمام کیا انھیں جب کسی کے متعلق یہ معلوم ہوتا کہ اسے گذشتہ واقعات یاد ہیں اور زمانۂ جاہلیت کے حالات معلوم ہیں تو فوراً اپنے پاس بلاکر محرّر کے ذریعہ ان کو قلمبند کرا لیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب انھیں معلوم ہوا کہ صنعاء میں علید بن شربہ کو ماضی کے بہت سے حالات معلوم ہیں تو اس کو دارالسلطنت دمشق میں بلاکر محرر سے فرمایا کہ یہ شخص جو کچھ بیان کرے قلمبند کرلو تاکہ قوم کا تاریخی سرمایہ ضائع نہ ہونے پائے کتاب الملوک واخبار الماضیین ابن شربہ کی وہی تصنیف ہے جو حضرت معاویہ کے حکم سے وجود میں آئی تھی۔ انساب واخبار کا ماہر عوانہ بن الحکم متوفی ۱۴۷ھ نے علید بن شربہ کے بعد دیگر تاریخی واقعات کے علاوہ بنوامیہ اور حضرت معاویہ کے حالات پر ایک ضخیم کتاب تصنیف کی۔

"فنِ تاریخ" کے ابتدائی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فن ہمیشہ مسلمانوں کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز بنا رہا ہے اور ہر دور میں مسلمانوں میں بڑے بڑے مورخین پیدا ہوتے رہے ہیں، جنھوں نے اقوامِ عالم کی تاریخ مرتب کی اور ان کے "معاشرتی وتمدنی" حالات پر کتابیں لکھیں۔ ابومخنف، واقدی، کلبی، مسعودی، طبری، نویری، ابن سعد، دینوری، ابن یعقوب، بلاذری، ابن خلدون اسلام کے شہرۂ آفاق مورخین ہیں۔ ان کے کارناموں سے مکتبۂ تاریخ کو تجمل ہے اور تاریخ ان کے احسانات سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی ان لوگوں نے نئے نئے رنگ میں تاریخ پر کتابیں لکھیں اور اپنی تصانیف میں معلومات وانکشافات کا انبار لگا دیا۔ کلبی نے اسلامی دفاع، قریش کے معاشی ذرائع، قبل اسلام کے بعض اسوم اور اسلام کے احکام کا توارد وغیرہ عنوانوں پر مستقل رسالے لکھے جن کا مجموعہ چند بڑی بڑی جلدوں کی شکل میں مرتب ہوا ہے ابوالحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی ۳۸۶ھ مشہور اسلامی مورخ ہے۔ دسویں صدی عیسوی کا یہ مورخ اپنے زمانے میں فنِ تاریخ کا امام مانا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام میں کوئی مورخ اس قدر وسیع النظر پیدا نہیں ہوا ہے۔ اگر اسکی تمام کتابیں دستیاب ہوتیں تو کسی دوسری تاریخی کتاب کی قطعاً ضرورت باقی نہ رہتی۔ موسیو کاتریر لکھتا ہے جب ہم اس مورّخ کی تصنیفات پر نظر ڈالتے ہیں تو حقیقت میں ان مختلف مضامین کو جن پر اس نے اکثر لکھا ہے اور جس طرح بڑے سے بڑے مسئلہ کو حل کیا ہے دیکھ کر سخت حیرت ہوتی ہے۔ اس زمانے کے لیے جسمیں

وہ تھا اس کا علم بہت ہی وسیع تھا، اس نے نہ صرف عربوں کی پوری تاریخ کا مطالعہ کیا تھا بلکہ یونان و روم اور تمام مشرقی اقوام کے تاریخی دفتر کو کھنگالا تھا۔ یورپ نے اس کی تصانیف میں سے مروج الذہب اور کتاب الاشراف والتنبیہ دو تاریخی ذخیرے بڑی تتبع و تلاش کے بعد فراہم کئے ہیں۔ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتولد ۲۳۹ھ والمتوفی ۳۱۰ھ مطابق ۹۲۲ء تاریخ کے علاوہ اسلامیات کے بھی امام تھے۔ انھوں نے تیرہ ضخیم جلدوں میں ابتدائے عالم سے لے کر ۱۹۱۴ھ تک کی تاریخ نہایت بسط و تفصیل اور استناد کے ساتھ مرتب کی ہے۔ مغربی اقوام نے ان کے اس بے بہا تاریخی ذخیرہ سے بے حد استفادہ کیا ہے۔ بقول گستاؤلی بان "یہ کتاب یورپ میں مدت سے چھپ رہی ہے"

ابوالعباس احمد بن عبدالوہاب النویری المتوفی ۷۳۱ھ بصرا نے علم ہیئت، جغرافیہ، علم حیوانات و نباتات اور تاریخ پر مشتمل تیس جلدوں میں نہایۃ الارب فی فنون الادب لکھی ہے۔ یہ شخص تاریخ اور فقہ کے علاوہ مختلف قسم کی صنعت و حرفت کا بھی ماہر تھا۔ اس فقیہ نے صحیح بخاری شریف کے آٹھ نسخے اپنے ہاتھ سے نقل کئے تھے اور ہر نسخہ ہزار درہم کو بکا تھا۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی المتوفی ۲۳۰ھ نے مشہور تاریخ طبقات ابن سعد بارہ جلدوں میں لکھی ہے جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے مفصل حالات درج ہیں۔ اٹھارویں صدی کے اواخر میں یہ کتاب جرمنی میں بڑے اہتمام سے چھاپی گئی ہے۔

احمد بن داؤد دینوری المتوفی ۲۸۱ھ کو بھی مورخین اسلام کے گروہ میں امتیازی مقام حاصل ہے۔ الاخبار الطوال اس کا مشہور تاریخی شاہکار ہے جس میں فتوحات عجم کے علاوہ خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات وضاحت سے درج کئے گئے ہیں ۱۸۸۸ء میں یہ کتاب لندن میں چھپی ہے۔

احمد بن یعقوب کی تاریخ یعقوبی جو ۱۸۸۳ء میں لندن میں بڑے اہتمام سے چھپی ہے۔ تاریخی سرمایہ کا ایک عظیم ذخیرہ ہے۔

اسی طرح احمد بن یحیی البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ بھی نہایت وسیع النظر اور صحیح الروایت مورخ گذرا ہے۔ تاریخ و رجال میں فتوح البلدان اور انساب الاشراف اس کی دو تصنیفیں بہت ہی مشہور ہیں۔ فتوح البلدان میں بلاد اسلامیہ کے سیاسی، معاشی، حالات تفصیل سے درج ہیں۔ یورپ نے اس کتاب کو بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔

فن تاریخ سے مسلمانوں کی اس والہانہ دلچسپی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تدوین تاریخ کا یہ سلسلہ عربی تک محدود نہ رہا بلکہ دوسری مسلمان قوموں میں بھی اس کا عام مذاق پیدا ہوگیا اور انھوں نے اپنی اپنی زبان میں کتابیں لکھنی شروع کر دیں، مسلمانوں نے قدیم روایات مرتب کرنے میں دوسری زبانوں کی تصانیف سے بھی استفادہ کیا ہے چنانچہ ۱۱۰ھ میں ہشام بن عبدالملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں منتقل کی گئی۔

جس طرح "تدوین تاریخ" کا آغاز مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا ہے اسی طرح اس فن کا فروغ اور ترقی بھی انھیں کی مرہون منت ہے، مسلمانوں میں ہزاروں ایسے نامور مورخین پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے اپنی زبان قلم کو صرف اسی کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اس قسم کے مسلم مورخین کا مکمل استقصا اگر ناممکن نہیں ہے تو دشوار ضرور ہے صاحب کشف الظنون المتوفی ۱۰۶۵ھ نے اپنی کتاب میں اٹھارہ ہزار پانچسو مصنفین اور ان کی مختلف تصانیف کا تذکرہ درج کیا ہے جن میں سے بارہ سو صرف مورخین ہیں۔

**اسلامی مورخین کی امتیازی خصوصیات** موجودہ دور میں مغربی ممالک میں تاریخ کو بڑے اہتمام سے ترقی دی جارہی ہے مگر دراصل ان کے پاس یہ تاریخی ذخیرہ اسلام ہی کے ذریعہ پہونچا ہے۔ یورپ میں جتنی اسلامی تصانیف چھاپی گئیں ہیں ان سے اس حقیقت کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

تاریخ یعقوبی، فتوح البلدان، الاخبار الطوال، مروج الذہب، کتاب الاشراف، تاریخ طبری وغیرہ سینکڑوں اسلامی مورخین کی تصانیف مختلف ادوار میں یورپ میں طبع ہوئی ہیں اور بعض کتابیں تو مسلسل چھپ رہی ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ اسلامی اور یورپین تواریخ میں ایک بہت بڑا فرق ہے اسلامی مورخین نے ہمیشہ اس بات کا التزام کیا ہے کہ واقعات صحیح اور واقعی جمع کئے جائیں۔ اور اسی مقصد کے پیش نظر اسلامی مورخین نے اصول تاریخ مرتب کئے۔ علامہ ابن خلدون کو اس خاص امر میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ یہی وہ پہلا مورخ ہے جس نے اصول تاریخ کی بنیاد ڈالی اور واقعات کی تحقیق و تنقیح کو "فن تاریخ" کا جز قرار دیا۔ فرانس کے مشہور محقق مسٹر ڈی بان نے لکھا ہے کہ یہی ایک مورخ ہے جس میں تحقیق واقعات کا مادہ ہے۔ اس نے بربریوں کی تاریخ لکھی اور اپنے مقدمہ میں اصول تاریخ نہایت عمدگی سے بیان کئے ہیں۔ فرانس میں اس کا ترجمہ بڑے اہتمام سے شائع کیا

گیا ہے ابن خلدون اپنی کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں۔

ان الاخبار اذا اعتمد فیہا علی مجرد النقل ولم تحکم اصول العادۃ وقواعد السیاسۃ وطبیعۃ العمران والاحوال فی اجتماع الانسان ولا قیس الغائب بالشاہد والحاضر بالذاہب فربما لم یومن فیہا من العثور (اصول عادت، قواعد سیاست، انسانی سوسائٹی کے اقتضا کا لحاظ اور غائب کو حاضر پر، حال کو گذشتہ پر قیاس کئے بغیر اگر خبروں میں صرف روایت پر اعتماد کیا جائے تو اکثر لغزش ہوگی)

اس لغزش سے بچاؤ کے لئے اسلامی مورخین نے روایت اور درایت دونوں کو ملحوظ رکھا ہے یعنی اگر روایت کے متعلق یہ اصول قائم کئے کہ جس شخص کے ذریعہ واقعہ بیان کیا جائے ضروری ہے کہ وہ اس واقعہ میں موجود ہو اور اس سے لے کر آخری راوی تک بسند متصل واقعہ منقول ہو۔ پھر ان راویوں کے بارے میں جرح و تعدیل کی جائے کہ یہ اخلاق و عادات اور حفظ و اتقان کے اعتبار سے کیسے ہیں تو درایت اور قیاس کو بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا وہ روایت کے ساتھ درایت سے بھی کام لیتے ہیں کہ یہ واقعہ عادۃً کہاں تک ممکن ہے بلکہ موسس اصول تاریخ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ تحقیق روایت کے لئے راویوں پر جرح و تعدیل سے پہلے واقعہ کے امکان و امتناع کے متعلق اصول عادت اور قواعد معاشرہ کی رو سے فیصلہ کر لیا جائے۔ اگر واقعہ عادۃً ممتنع ہے تو راوی کی عدالت و صداقت کسی کام کی نہیں رہتی۔ اس کے برخلاف یورپین مورخین واقعہ نگار کے ثقہ ہونے یا نہ ہونے کا بالکل پاس نہیں کرتے بلکہ وہ سرے سے جرح و تعدیل کی اصطلاح سے بھی ناواقف ہیں۔

---

(بقیہ مضمون صفحہ ۳۶)

ذکر نے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں جہاں تک سیاسی طاقت کا سوال ہے وہ خود یورپ کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی ہے ایسی طاقت سے وہ کمزوری اچھی جو ہیروشیما اور ناگاساکی کی بربادی پر ماتم سرا ہو اور جو طاقت پر دو آنسو بہائے!

ان سطور کو پڑھیئے اور دیکھیے کہ قرآن اپنی صداقت کا اعتراف کن لوگوں سے کرا رہا ہے اور اس کے ماننے والے اگر کچھ کرنا چاہیں تو کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ (ماخوذ)

# مکتوبِ ارشاد

ذیل میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کا ایک مکتوب گرامی شائع کیا جا رہا ہے جو حضرتؒ الا نے اپنے ایک مسترشد جناب پیر غلام حسینی صاحب یوسف پور محمد آباد (ضلع غازی پور) کو تحریر فرمایا تھا امید ہے کہ ناظرین الفرقان خصوصاً سالکین راہ طریقت اس سے مستفید ہوں گے۔ (ادارہ)

محترم المقام زید مجدکم...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج مبارک

آپ کا والانامہ مورخہ یکم نومبر باعث سرافرازی ہوا تھا۔ مگر بیماریوں اور مصروفیات کی کثرت کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی، معاف فرمائیں۔ خیر و عافیت معلوم کر کے خوشی ہوئی۔

(۱) پاس انفاس کے شروع کرنے سے خوشی ہوئی، میرے محترم پاس انفاس سے اصل غرض یہ ہے کہ انسان کا کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ رہے نہ اندر جانے والا سانس نہ باہر نکلنے والا سانس، انسان دن رات میں تقریباً چوبیس ہزار سانس لیتا ہے سب کا سب ذکر سے معمور ہے۔ ابتدا میں ایک گھنٹہ صرف اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ عادت ہونے لگے۔ یہ ایک گھنٹہ کی مشق باوضو قبلہ رو بیٹھ کر ہو مگر اس کے علاوہ خواہ وضو ہو یا نہ ہو (اگرچہ باوضو ہر وقت رہنا طہارتِ باطنی میں بہت مؤثر اور اس کے لئے بہت کارآمد ہے) کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہوئے حتیٰ کہ پاخانہ پیشاب کرتے ہوئے سانس کے ساتھ ذکر جاری رہے، کرتے کرتے ایسی عادت ہو جاتی ہے کہ سوتے ہوئے بھی ذکر جاری رہتا ہے۔ عمر عزیز کا جو حصہ بھی ذکر میں گزرے وہی زندگی ہے اور وہی مفید ہے اس میں کوتاہی ہرگز ہرگز نہ کیجئے، نفس پر زور ڈال کر اس میں مشغول رہیئے، اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوگی، دنیاوی جھنجھٹوں کے ہوتے ہوئے جدوجہد جاری رکھئے، مایوس مت ہو جیئے، کوشش کیجئے کہ ناغہ نہ ہو اور تسلسل جاری رہے۔

صبر کن حافظ بہ سختی روز و شب　　عاقبت روزے بیابی کام را

(۲) توکل کی عادت ڈالیے اور اللہ تعالیٰ ہی پر ہر کام میں اعتماد اور بھروسہ کیجیے انشاء اللہ تدریجی طور پر اثر ہوگا۔

تو مگو مارا بآں شہ بار نیست　　با کریماں کارہا دشوار نیست

(۳) بیشک یہ اُمور ثلثہ، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا نفاق کے شعبے ہیں۔ مگر یہ نفاقِ عقیدہ نہیں ہے نفاقِ عملی ہے ان کو جہاں تک ممکن ہو چھوڑنا چاہیے اور اس کے ترک کی کوشش میں لگے رہنا چاہیے اور بارگاہ خداوندی میں استغفار کرتے رہنا چاہیے، اور اُسی سے دُعا مانگتے رہنا چاہیے کہ وہ کریم کارساز ان تمام بُری عادتوں اور تمام ناپسندیدہ اخلاق اور اعمال سے ہم کو بچائے اور موجودہ ناسزا امور کو دور کر دے۔

(۴) آپ ذکر اور اتباع شریعت و سنت پر مداومت کرتے رہیے انشاء اللہ اصلاح رفتہ رفتہ ہو جائے گی، اہل و عیال اور ان کی خبر گیری چھوڑ کر میرے پاس آنا بہتر نہیں ہے انشاء اللہ رمضان شریف میں ٹانڈہ رہوں گا اگر آپ کو آسانی ہوئی تو آجائیے گا میرا عرصہ سے خیال ہے کہ یوسف پور آؤں گا۔ حکیم محمد احسن صاحب سے میں نے وعدہ کیا ہے انشاء اللہ کسی وقت حاضر ہوں گا

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ　　از دار العلوم دیوبند۔ ۹ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ

# تواریخ دلفروز مولانا حسین احمد مدنی رح

۱۹۵۷ عیسوی

از حقیر ناچیز — محمد حسن بدر سنبھلی — فاضل دیوبند

۱۹۵۷ عیسوی

"عالم شریعت و قطب طریقت"

۱۹۵۷ عیسوی

"قطب الزمان حضرت مولانا حسین احمد"

۱۹۵۷ عیسوی

"رحلة العصر شیخ مولانا حسین احمد مدنی"

۱۹۵۷ عیسوی

"آہ شیخ اولیاء مولانا حسین احمد مدنی"

۱۹۵۷ عیسوی

"آہ قطب الانام حضرت مولانا حسین احمد"

۱۹۵۷ عیسوی

"آہ شیخ متقدی مولانا سید حسین احمد مدنی"

۱۹۵۷ عیسوی

"آہ مجموعہ مکارم شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رح"

۱۹۵۷ عیسوی

"انار اللہ برہانہ انہ ھو التواب الرحیم"

۱۳۷۷ ہجری

## "قطعات مبارکباد باغ جناں"

۵۸۰ + ۷۷ = ۱۳ ہجری

بدر بگفتہ از ہاتف　　شیخ را سال رحلت گو
ہاتف گفتہ در توصیف　　"رمز شناس طریقت گو"

۱۳۷۷ ہجری

از یں دار فانی شدہ شیخ والا　　رسیدہ بنزد غفور الرحیما
سن فوز از غیب اے بدر بشنو　　"کما حقہ فاز فوزاً عظیما"

۱۳۷۷ ہجری

عـہ فوز بمعنی رستن و پیروزی یافتن و رسیدن بخوبی بمقصد۔

**اُردو کے نام سے شرم!** یو۔پی سرکار کا ایک پریس نوٹ لکھنؤ سے ۲۴ر دسمبر کو:-

"یو۔پی سرکار نے طے کیا ہے کہ آرٹ اور سائنس اور ادب کے موضوعات پر اُردو کتابیں لکھنے والے مصنفین کو ہندی لٹریچر فنڈ سے انعامات دئے جائیں، یہ انعامات صرف صوبہ کے مصنفین کو ملیں گے ...... الخ

یہ سرکاری اعلان ہر سال شائع ہوتا ہے اور اُردو لکھنے والوں کو انعام بھی ہر سال ایک انعامی کمیٹی کی طرف سے ملتے رہتے ہیں یہاں قابلِ ذکر و توجہ اعلان کا صرف وہ ابتدائی حصہ ہے جسمیں تصریح ہے کہ کچھ انعام ملیں گے تو اُردو والوں کو ضرور لیکن کسی اُردو لٹریچر فنڈ سے نہیں بلکہ ہندی لٹریچر فنڈ سے ــــ ستم ظریف وزیرِ اعلا! اُردو کا حق دلانے کا خیال کبھی ضمیر نے پیدا کیا بھی تو اردو لٹریچر فنڈ کے نام سے شرم آگئی۔

غیر کو یارب وہ کیونکر منعِ گستاخی کرے گر حیا بھی اسکو آتی ہو تو شرما جائے ہے

**اُردو بیزار ہندی** ۔ حیدر آباد ۲۳ر دسمبر۔ اندھرا کے وزیرِ اعلیٰ نے آج عثمانیہ یونیورسٹی کے جشن میں جو افتتاحی تقریر کی، اس میں کہا کہ اُردو اندھرا کی ایک زبان کی حیثیت سے برقرار رہے گی انھوں نے کہا کہ اُردو کو ریاست میں تلنگی کے برابر ہی اہمیت دینے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے اور اُردو بولنے والے افراد کو جو تلنگی نہیں جانتے ہیں سرکاری ملازمت حاصل کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی انھوں نے اُردو والوں سے تلنگی اور تلنگی والوں سے اُردو سیکھنے کی اپیل کی اور امید ظاہر کی کہ اردو اور تلنگی ساتھ ساتھ ترقی کریں گی۔"

جی ہاں اُردو کو تلنگی اپنے ساتھ جمع کر سکتی ہے اور عجب نہیں کہ بنگلہ اور مرہٹی بھی اسے اپنے ساتھ جمع کر لیں، لیکن ایک اسے نہیں اپنے ساتھ جمع کر سکتی تو وہ ہندی ہے ــــ وہی ہندی جس کے لئے تازہ پروپیگنڈہ یہ ہو رہا ہے کہ اُردو اس کے لئے کوئی اجنبی تھوڑے ہی ہے - اسی کی تو ایک شاخ ہے۔

**یہ وہ مضمون ہے کہ ہو گا نہ پُرانا ہرگز** | یو۔ پی کے امتحانات مقابلہ کے نتائج شائع ہو گئے ملاحظہ آپ بھی فرمالیں۔

| | | |
|---|---|---|
| یو۔ پی سول سروس میں | کامیاب - ۳۱ | مسلمان۔ صفر |
| یو۔ پی پولیس سروس میں | 〃　۲۸ | 〃　〃 |
| یو۔ پی فنانس اینڈ اکاؤنٹس سروس میں | 〃　۱۷ | 〃　〃 |
| یو۔ پی سیلز ٹیکس آفسرز سروس میں | 〃　۵۰ | 〃　ایک |
| | میزان　۱۲۶ | ۱ |

۱۲۶ میں ایک! عظیم الشان اور بے مثال ریکارڈ، سیکولر حکومت میں بسنے والی ایک اقلیت کے لئے ــــ ! برسوں ہو چکے اور ہر سال کئی کئی بار وہی ایک مضمون اپنے کو دہراتا چلا آ رہا ہے! عشق کی طرح کہ ہر شاعر خدا معلوم کس مدت سے اسی ایک مضمون کو گھوم پھر کے باندھتا چلا آ رہا ہے اور پھر بھی وہ پُرانا ہو کر متروک نہیں ہو پاتا! ایک شاعر ہی کے بقول ؎

عشق ہے ایک نگر آفت نو ہے ہر دم　　یہ وہ مضموں ہے کہ ہو گا نہ پُرانا ہرگز

# تعارف و تبصرہ

## نوائے آزادی

مرتبہ جناب عبدالرزاق صاحب قریشی۔ صفحات ۴۰۰۔ سائز متوسط۔
قیمت -/۴ روپے۔ مجلد -/۵۔ ناشر ادبی پبلشرز۔ بمبئی ۸

۱۸۵۷ء سے پہلے بھی ہندوستان کی آزادی کے لئے کوششیں ہوئیں۔ مگر ملک گیر جدوجہد کا آغاز اسی سنہ سے ہوتا ہے اور پھر یہ سلسلہ دراز ہو کر قدرتی اُتار چڑھاؤ کے ساتھ ۱۹۴۷ء تک پہونچتا ہے۔

نوّے سال کے اس طویل عرصہ میں اُردو نثر و نظم کا جو ذخیرہ وجود میں آیا ہے اس میں ایک معتدبہ حصّہ اُن تحریروں اور نظموں کا ہے، جو غلامی سے نفرت پیدا کرنے اور جذبۂ آزادی کو ہوا دینے کے لئے لکھی گئی ہیں۔ اور انھیں بجا طور پر نوائے آزادی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ــــــ "نوائے آزادی" کے نام سے جو تالیف اس وقت پیش نظر ہے، اس میں انھیں تحریروں اور نظموں کا ایک انتخاب پیش کیا گیا ہے۔

مرتب کو انتخاب کا کام کچھ ایسے حالات میں کرنا پڑا کہ وہ اس نوع کے ادب پاروں کی تلاش و جستجو، خود اپنے نزدیک بھی کما حقّہٗ نہ کر سکے اور اس کمی کا جب انھیں خود احساس ہے تو ناقد کو اس پہلو پر اظہار خیال کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہجاتی ــــــ لیکن رَوِش صدیقی، انور صابری اور شفیق جونپوری یہ تین نام اس وقت بے اختیار ذہن میں آرہے ہیں اور سوال پیدا ہو رہا ہے کہ یہ نہ تو گذرے ہوئے لوگوں میں سے ہیں اور نہ زاویۂ خمول میں زندگی گذار رہے ہیں کہ ان کی یافت کے لئے ذہنی تلاش و جستجو کی ضرورت ہوتی، اور نہ ان کا کلام بمبئی ہی میں رہتے ہوئے حاصل کرنا کچھ مشکل تھا۔ پھر ان کے اور ان جیسوں کے حق میں مصنف کی معذرت کیسے کافی ہو سکتی ہے۔

بہرحال کتاب موجودہ صورت میں جس مواد کی حامل ہے وہ بنیادی طور پر چار حصّوں میں منقسم ہے۔ اور پھر ہر حصّہ کا مواد دو، دو، تین تین عنوانات کے تحت منقسم کر دیا گیا ہے۔ اس مواد میں مکاتیب

بھی ہیں اور طویل مضامین بھی، خطبات بھی ہیں اور بیانات بھی، افسانے بھی ہیں اور ڈرامے بھی، اور غالب سے لیکر اس وقت کے نوجوان شعراء تک کے اشعار بھی، جن کی ابتداء ۱۸۵۷ء میں دہلی کی بربادی کے مراثی سے ہوتی ہے اور انتہا ۱۹۴۷ء کی صبح آزادی کے نغمات طرب پر۔

موجودہ دور کے شعراء میں "ترقی پسند" گروپ سے تعلق رکھنے والوں کے کلام کو جس فیاضی سے انتخاب میں حصہ دیا گیا ہے، کہ پھر اس گروپ سے باہر والوں کے لئے قدرتی طور پر جگہ تنگ ہوگئی، وہ غالباً کتاب کی ترتیب میں سردار جعفری صاحب کی عملی دلچسپی کا نتیجہ ہے —— بہر حال کتاب جنگ آزادی میں اردو کی خدمت، اسی اردو کی خدمت کی، جس کے لئے آج ہندوستان کے بعض حصوں میں زمین تنگ ہو رہی ہے، ایک قابلِ فخر دستاویز ہے، انجمن اسلام بمبئی نے اس کی اشاعت سے یقیناً اردو کی ایک گرانقدر خدمت انجام دی ہے۔ اور وہ تمام اردو دوستوں کی طرف سے قدر و تشکر کی مستحق ہے۔

کتاب کی اس خصوصیت کا ذکر آنے سے رہ گیا کہ پوری کتاب ٹائپ پر چھپی ہے اور بہت اچھی چھپی ہے

---

**(۱) وجدانِ حافظ** از جناب منور لکھنوی۔ ضخامت ۱۲۸ صفحات۔ مجلد۔ قیمت ؏

**(۲) دینِ خالص** مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی۔ صفحات ۶۳۔ قیمت ۸؍

ناشر کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد۔ دہلی۔

(۱) خواجہ حافظ شیرازی کے نام سے کون پڑھا لکھا ناواقف ہوگا، یہ انھیں کے عارفانہ کلام کے ایک انتخاب کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ ایک صفحہ پر اصل کے اشعار ہیں اور اس کے مقابل صفحہ پر ترجمہ کے اشعار —— اصل کی مطابقت یا شعریت کے لحاظ سے ترجمہ کیسا ہے؟ اس کا فیصلہ ذیل کے نمونہ سے آپ خود کر لیجئے۔

حافظؒ کا شعر ہے۔ ؎ بیا دل در خمِ گیسوئے او بند
اگر خواہی خلاص و رستگاری

منورؔ صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں ؎ رہائی کی جو تجھ کو آرزو ہے
اسیرِ گیسوئے پُر پیچ ہوجا

اصل کا ایک دوسرا شعر ہے اسے

سزائے قدر تو شاہا بدست حافظ چیست
بجز نیاز شبے یا دعائے صبح دمے

ترجمہ ہے۔ سے

حافظ کے پاس کچھ ترے لائق نہیں ندیم
بس اک نیاز شب ہے تو ہو اک دعائے صبح

(۲) اس کے پیش لفظ میں مصنف نے "غرض و غایت" کے عنوان سے لکھا ہے کہ دین برحق میں نئی نئی باتیں اور نئی نئی راہیں اختیار کرلی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ اصل حقیقت کی معرفت دشوار ہوگئی اس لئے اس مختصر رسالہ میں دین اسلام کی اصل حقیقت کو جامع اور واضح طور پر بیان کیا گیا ہے تاکہ انسان گمراہی سے محفوظ رہے ــــ ہمیں اُمید ہے کہ اس غرض کے لئے یہ رسالہ انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا صفحہ ۵۸ کا یہ جملہ کہ "فقہ حنفی کی پابندی کرتے ہوئے کتاب و سنت کا اتباع کرنا ہی راہ نجات ہے اور باقی جہالت و ضلالت ہے" ہمیں کھٹکتا ہے۔ اچھا ہو کہ فاضل مصنف اس کے خط کشیدہ الفاظ پر نظر ثانی فرمائیں ــــ معنوی لحاظ سے تاب توجہ تو ہماری نظر میں یہی ایک مقام ہے۔ البتہ زبان و بیان کے لحاظ سے دو امر اور فاضل مصنف کی توجہ کے مستحق ہیں۔ ایک تو اللہ اور رسول کا اتباع" اور "اللہ اور رسول کی اطاعت" کے جوڑ دو الگ الگ عنوان قائم کئے گئے ہیں، ان کی تشریح اور تفصیل میں ان دونوں کا واضح فرق قاری کے لئے سمجھنا مشکل ہے، دوم یہ کہ "رسول کا اتباع" تو بولا جاتا ہے مگر اللہ کا اتباع" مستعمل نہیں ہے اور غالباً درست بھی نہیں ہے۔

---

## حج کے بعد

از جناب قاضی اطہر صاحب مبارکپوری۔ شائع کردہ:۔ انجمن خدام النبی صابو صدیق مسافر خانہ کرناک روڈ بمبئی ۳ قیمت کچھ نہیں۔

بمبئی کی انجمن خدام النبی برسہا برس سے حجاج کی جو خدمات انجام دے رہی ہے اس سے اب کم ہی لوگ ناواقف ہوں گے، علاوہ سفر حج کے موقع پر ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچانے کے، اس سفر کے سلسلہ میں معلوماتی لٹریچر شائع کرنا اور وقتاً فوقتاً ایسے پمفلٹ شائع کرنا جن سے حج کے فضائل و مسائل معلوم ہوسکیں، یہ کام بھی انجمن نے اپنے فرائض میں داخل کر لیا ہے، ایک مستقل ماہوار رسالہ اسی مقصد سے جاری کر رکھا ہے، غرض اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ زیر تبصرہ پمفلٹ ہے جس میں حجاج کو بتایا گیا ہے کہ حج کے تقاضے کیا ہیں؟ اور حج کے بعد انسان کی زندگی کس ڈھنگ کی ہونی چاہیئے۔

## انسان اور قرآن

از جناب سید حسن صاحب قادری۔ چنچل گوڑہ، نئی بس، روڈ۔ حیدرآباد دکن
صفحات ۷۴۔ قیمت درج نہیں ہے۔

نام سے قدرتی طور پر خیال ہوتا ہے کہ کتاب کے اندر جو کچھ ہے اس کا موضوع یہی ہے، لیکن واقع میں ایسا نہیں ہے، یہ کچھ متفرق افکار کا مجموعہ ہے جو مصنف کے قرآنی مطالعہ کا نتیجہ ہیں، یہ افکار جن موضوعات سے متعلق پیش کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔ ذکر و فکر، صالحیت، ربوبیت۔

---

| | | قیمت | ناشر |
|---|---|---|---|
| (۱) معین فارسی | مولفہ مولانا حبیب اللہ صاحب فاضل دیوبند | ۶/ | کتب خانہ محمودیہ دیوبند |
| (۲) درس فارسی | " | ۸/ | |
| (۳) اصول فارسی حصہ اول | " | ۱۲/ | |

فارسی کی تعلیم کا یہ ایک جدید نصاب ہے، جس کو مؤلف نے اپنے تجربات اور خیالات کی روشنی میں زیادہ مفید بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اس کی حقیقی افادیت کا پتہ تو تجربہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے، یا کوئی صاحب فن ہو تو مطالعہ کے بعد رائے دے سکتا ہے، تبصرہ نگار کو نہ تجربہ کا موقع میسر ہے اور نہ وہ صاحب فن ہے۔

---

## اسلام کیا ہے؟ (ہندی اڈیشن)

الحمد للہ تیار ہو گیا ہے اس کو بہتر سے بہتر تیار کرنے کے لئے کتبخانہ الفرقان کی طرف سے جو کوشش کی جا سکتی تھی اور بے دریغ جو لاگت لگائی جا سکتی تھی اس میں کوئی کمی نہیں کی گئی ہے امید ہے کہ ہمارے احباب اب اس کو ہندی داں حلقوں تک پہنچانے کی کوشش میں ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔ اس میدان کی طرف یہ ہمارا پہلا قدم ہے ———— قیمت مجلد کاغذ اعلیٰ (تین روپے)

## کتب خانہ الفرقان کی مطبوعات ایک نظر میں

معارف الحدیث جلد اول مجلد للعہ۔ غیر مجلد ۱۲/ہ۔ جلد دوم مجلد صعہ۔ غیر مجلد للعہ۔ اسلام کیا ہے؟ کاغذ قسم اعلیٰ مجلد عہ۔ قسم دوم غیر مجلد ۱۲/ہ۔ ہندی اڈیشن کاغذ اعلیٰ مجلد سے۔ کلمہ طیبہ کی حقیقت ۶/۔ نماز کی حقیقت ۱۲/۔ سوانح حضرت مولانا محمد الیاسؒ عہ۔ ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ عہ۔ قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ ۶/۔ معرکۃ القلم عہ۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین کے الزامات عہ۔ انیس نسواں۔ (خواتین کی اصلاح کے لئے ایک بہترین کتاب از محترمہ بیگم سید اصغر حسین ۱۰/

---

# بقیہ نگاہِ اوّلیں

محرم میں جبکہ الفرقان کی اشاعت کے چھبیس سال پورے ہو جائیں گے الفرقان کا ایک خاص نمبر پیش کیا جائے گا جو انشاء اللہ ایک عظیم الشان اور معرکۃ الآراء نمبر ہوگا —— ہمارا یہ ارادہ اب بھی قائم ہے اور خدا نے چاہا تو اس کی تیاری اسی مہینے سے شروع ہو جائے گی۔ مگر اس نمبر کا جو وسیع و عریض نقشہ ہمارے سامنے ہے اسکی تکمیل کے لئے ہم اپنے موجودہ وسائل کو ناکافی پاتے ہیں۔ بایں حالات جو ہم اس کی تکمیل کا عزم کئے ہوئے ہیں اس کی بنیاد اس یقین و اعتماد پر ہے کہ ناظرین الفرقان، الفرقان سے نہایت گہرا قلبی تعلق اور شغف رکھتے ہیں۔ اور ادارۂ الفرقان اپنے مقاصد کے سلسلہ میں جب کسی اہم اقدام کا ارادہ کریگا تو انشاء اللہ ناظرین الفرقان اس کی تکمیل کے لئے ہر ممکن تعاون فرمائیں گے۔ مجوزہ نمبر کے سلسلہ میں ہمارے نقشے کی تکمیل خاصا سرمایہ چاہتی ہے اور اس کے حصول کی صورت یہ ہے کہ الفرقان کے خریداروں کی تعداد میں اضافہ ہو۔

ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا اعتماد انشاء اللہ غلط ثابت نہ ہوگا اور آئندہ ایک مہینے کے اندر ہمارے مخلص معاونین سے اس سلسلہ میں جو کچھ بھی بن پڑے گا وہ اس سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ کم از کم درجہ یہ ہے کہ ہر ناظر الفرقان کے ذریعہ ایک نئے خریدار کا اضافہ ہو۔

---

(بقیہ مضمون صفحہ ۳۲)

## عند اللہ مقبولیت کی ایک خاص نشانی

بعض حدیثوں میں اللہ کے خاص مقبول بندوں کی یہ نشانی بتائی گئی ہے کہ انھیں دیکھ کر اور انکے پاس بیٹھ کر خدا یاد آتا ہے —— اس یاد کے لئے جس ایمانی مناسبت اور جس توفیق کی ضرورت ہے جو لوگ اس سے محروم ہیں ان کا تو ذکر نہیں لیکن جن کو اللہ نے اس خیر سے محروم نہیں کیا ہے اُن میں سے جنکو بھی حضرت سے قریب ہونے اور خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا ہوگا، یقین ہے کہ اس کو اس کا تجربہ ضرور ہوا ہوگا کہ ان کے پاس بیٹھکر یا ان کو دیکھ کر دل میں خدا کی یاد اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی تھی ——

خود اپنے بارے میں صفائی سے عرض کرتا ہوں کہ بہت سے امور میں میری رائے حضرت سے متفق نہیں ہوتی تھی اور رائے میں خاصا بُعد ہوتا لیکن جب خدمت میں حاضری ہوتی تو یہ یقین تازہ ہو جاتا کہ یہ اللہ کے خاص الخاص بندوں میں سے ہیں اور مجھ جیسوں کے لئے ان کی جوتیاں صاف کرنا اور قدموں کا غبار جھاڑنا بھی سعادت ہے

اللہ تعالیٰ اُن کی روح پر رحمتیں نازل فرمائے اور اُن کے ان ایمانی اوصاف کے ورثہ سے ہمکو محروم نہ رکھے۔

ضروری اطلاع :- الفرقان کا یہ شمارہ بالکل وقت پر تیار ہوگیا ہے۔ مگر نئے سال کیلئے محکمۂ ڈاک نے رجسٹرڈ نمبر

ALFURQAN (Regd. No. A-353) LUCKNOW
دُعا میں
سب سے بڑا روحانی انقلاب
پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ برپا ہوا تھا
جو لوگ اردو زبان کے ذریعہ
اس تعلیم و ہدایت سے واقف ہونا اور فائدہ اٹھانا چاہیں جسنے یہ انقلاب برپا کیا تھا
ہم انکی خدمت میں مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ کی تالیف
معارف الحدیث
اعتماد اور یقین کے ساتھ پیش کرتے ہیں
اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ یہ حدیث نبوی کا ایک جدید مجموعہ ہے جو دور حاضر کی ذہنی و فکری سطح کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ مصنف پوری کتاب میں یہ رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے جو اثرات صحابہ کرام پر پڑتے تھے اس کتاب کے ناظرین کے دلوں پر بھی وہی اثرات کسی درجہ میں پڑیں — (دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں)
جلد اول — جس میں ایمان اور آخرت سے متعلق ۱۴۰ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔ قیمت مجلد ۴/۸ غیر مجلد ۳/
جلد دوم — جس میں تزکیہ روح اور اصلاح اخلاق سے متعلق ۲۶۰ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے جنکے متعلق یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کے بعد تزکیہ نفس، اصلاح قلب اور تربیت اخلاق کا کوئی موثر ذریعہ ان حدیثوں سے بڑھکر دنیا کے اصلاحی ادب میں موجود نہیں۔ قیمت مجلد ۵/۸ غیر مجلد ۴/۸
ملنے کا پتہ
کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

جلد (۲۵) بابتہ ماہ رجب ۱۳۷۷ھ مطابق فروری ۱۹۵۸ء شمارہ (۷)



اگر اس ◯ دائرہ میں

سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا رسالہ بصیغہ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۱۴ تاریخ تک پہونچ جانی چاہیے۔

**پاکستان کے خریدار:** ـ اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیج دیں ـــ

**تاریخ اشاعت:** ـ رسالہ ہر مہینے کی ۵ تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیج دیا جائیگا۔ اگر جلد منگو تو ہو نے کے ٹکٹ ارسال فرمائیں۔

مقام اشاعت: ـ دفتر الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# نگاہ اولیں

کیسی بے بسی کا منظر ہے کہ آج کا انسان اپنی تسخیری طاقت کے زور سے عیش و آرام اور لذت و سہولت کے سارے وسائل اپنی گرفت میں لے آیا ہے، اس نے پہاڑوں کے جگر چیر کر، جہاں ضرورت ہوئی بے تکلف آمد و رفت کے راستے بنا لئے ہیں، دریاؤں کی قیامت خیز طاقتوں کو مسخر کر کے اپنی مرضی کا پابند کر لیا ہے ــــــ اب یہ طاقت سائنس کے اصولوں میں ڈھل کر برقی نور بن جاتی ہے اور آس پاس کے علاقوں میں تباہی پھیلانے کے بجائے دور دراز تک روشنی پھیلاتی ہے۔ اور بے جان مشینوں کو حرکت میں لا کر انسان کے سینکڑوں کام بناتی ہے ــــــ اُس نے آگ اور پانی کے اجتماع سے وجود میں آنے والی طاقت کا راز دریافت کر کے لاکھوں ٹن بوجھ کو مختصر سی مدت میں دور دراز مقامات تک پہونچانے کا مسئلہ حل کر لیا۔ اُس نے زمین کا سینہ چیر کر پٹرول جیسی بے بہا دولت اور طاقت کو برآمد کیا۔ اور اس طاقت کو مشینی ٹیکنک کے ساتھ ملا کر مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے فاصلوں کو قصہ پارینہ بنا دیا۔ اس نے فضا میں ریڈیائی لہروں کا پتہ چلایا اور اُن سے آواز رسانی کی وہ خدمت لی کہ ایک بند گوشے میں بیٹھ کر کہی جانے والی بات اُسی دم دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہونچتی ہے۔ اس نے ایٹم کے ناچیز ذرات میں قوت کا وہ بحر ناپید اکنار دریافت کیا کہ آج وہ اسی قوت کے بل پر چاند و سورج کی بلندیوں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔

ــــــ غرض وہ ایسے تمام وسائل اپنی گرفت میں لے آیا ہے جن کے ذریعہ انسانی تمدن عیش و آرام اور لذت و سہولت کے لحاظ سے ترقی کی معراج پر پہونچ سکے۔ چنانچہ آج انسان کے باغ تمدن کی خوش رنگی ہے کہ دل موہے لیتی ہے، آج اس باغ کی رعنائی بہار اپنے اوج پر ہے۔ روش روش سرور نظر کا سامان ہے اور گلی گلی سہولت عمل کے اسباب!۔

سرورِ نظر کے سامان تو خیر پہلے بھی ہوتے رہے ہیں، اگرچہ اتنے وسیع پیمانے پر نہیں! مگر سہولت عمل بلکہ سہولت حیات کے یہ اسباب، تمدن کی پوری تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ تقریر کرنا ہو تو گلا پھاڑنے کی ضرورت نہیں، لاؤڈ اسپیکر حاضر ہے۔ دنیا کے کسی حصہ میں بیٹھے ہوئے آدمی سے گفتگو کرنا ہو تو زحمت سفر کی ضرورت نہیں ٹیلیفون موجود ہے۔ تھوڑے بہت فاصلہ کا سفر درپیش ہو تو خاک اڑاتے، گرم و سرد ہوا کے تھپیڑے کھاتے اور دو چار منزل چل کر ٹھہرتے سستاتے ہوئے جانے کی حاجت نہیں، معمولی ذریعہ سفر ریل گاڑی موجود ہے جس میں بشرط استطاعت راحت و آرام کے تمام گھریلو اسباب بھی میسر آ سکتے ہیں۔ زیادہ استطاعت ہو اور فاصلہ معتد بہ ہو تو سینکڑوں میل فی گھنٹہ کی رفتار کے تیز پرواز ہوائی جہاز موجود ہیں ــــ گھروں میں روشنی کے لیے وہ بجلی موجود ہے جو صرف ایک انگلی کی جنبش سے رات کو دن بنانے اور اس بجلی سے چلنے والے پنکھے موجود ہیں جو گرمی کا خیال بھلا دیں، اسی طرح اور بہت سے چلے جائیے، ہر ضرورت کو سہولت کے ساتھ پورا کرنے کے بھی بہتر سے بہتر سامان موجود ہیں، اور زندگی کو باغ و بہار بنانے کے بھی وہ تمام اسباب مہیا ہیں کہ عہد ماضی کا کوئی لذت پرست اٹھ آئے تو پروردگار سے عمر نوح کی آرزو کرے۔

مگر تمدن کی اس اسبابی سطح سے نظر اٹھا کر ذرا انسانی سطح پر آئیے اور دیکھئے کہ یہاں کیا حال ہے؟ یہاں بھی وہی ترقی ہے؟ وہی رونق ہے؟ اور حسن و خوبی کے وہی انداز ہیں جو دل کو لبھا جائیں؟

بیشک انسان چاہتا ہے کہ ایسا ہی ہو جائے اس سطح پر بھی سچائی اور انصاف، حقوق شناسی اور فرض شناسی اخوت و مروت، ایثار اور غمگساری کے وہ پھول کھلیں جن سے قصر تمدن کو زیب ہے، انسان معاملات میں سچائی اور انصاف کا پیرو کار رہے، کسی کا حق نہ مارے اور اپنے فرض کے تقاضوں پر جان دے، اس کا سلوک دوسرے انسانوں سے اخوت و مروت کا ہو اور ضرورت کے وقت ایثار و غمگساری میں وہ اپنا سب کچھ لٹانے کو تیار ہو جائے ــــ مگر اس خواہش کے باوجود حالت کیا ہے، وہ بھی ہر شخص جانتا ہے۔ یہی انسان کی بے بسی کا وہ پہلو ہے جس کے متعلق اقبال نے کہا ہے ؎

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا  زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا!

کیوں؟ ــــ خواہش و ارادہ اور مختلف تدابیر کے باوجود انسان اس میں کیوں ناکام ہے؟ اس لیے کہ تمدن کی اسبابی سطح پر یہ جو کچھ بہار نظر آتی ہے وہ نتیجہ ہے، انسان کے باہر کی کائنات (آفاق) کی تسخیر کا۔ اسی طرح انسانی سطح پر اخلاق و کردار کی بہار موقوف ہے، انسان کے اندر کی کائنات (انفس) کی تسخیر پر! ــــ اور جس طرح آفاق

کی تسخیر کے لیے محض خواہش و ارادہ اور نفسِ جد و جہد کافی نہیں بلکہ اسکے لیے ایک خاص علم (سائنس) کا حصول اور کچھ خاص علمی اصول کے مطابق جد و جہد درکار ہو۔ اسی طرح انسان کو اپنے نفس پر قابو پانے (تسخیر نفس) کے لیے بھی تنہا خواہش و ارادہ اور جیسی تیسی تدبیریں کافی نہیں ہیں بلکہ اسکے لیے بھی ایک مخصوص علم اور کچھ خاص اصول درکار ہیں کہ ان پر عمل پیرا ہوکر ہی یہ خواہش پوری ہوسکتی ہو۔

پہلی قسم کی تسخیر کی اہلیت خدا نے خود انسان کے اندر رکھدی ہو۔ اور اسے عقل و تجربات سے ان اصول و قوانین کی یافت کی صلاحیت بخشدی ہو جنکی یافت آفاقی کائنات کو دامِ تسخیر میں لانے کے لیے لابدی ہو ـــــ یہی مطلب ہو "و سخر لکم ما فی السمٰوٰت والارض" کا ـــــ لیکن خود اپنے نفس پر قابو پانے کے علم و اصول کے بلاواسطہ حصول کی صلاحیت انسان کو نہیں دی گئی ہو۔ اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو واسطہ بناتا ہو اور "تسخیر نفس" کا علم ان کے ذریعہ سے انسانوں کو ملتا ہو۔

آج کا انسان آفاق کی وسیع و عریض کائنات کو مسخر کرکے اس دھوکے میں مبتلا ہوگیا ہو کہ جب وہ اتنی طویل و عریض کائنات کو مسخر کرسکتا ہو تو اپنے اندر کی چھوٹی سی کائنات (کائنات نفس) پر وہ کیوں اپنی عقل اور اپنے تجربات سے قابو نہیں پاسکتا ہو ـــــ لیکن تجربہ بتا رہا ہو کہ یہ کام انسان کے بس کے باہر ہو۔ اس راہ میں اسکی کوششیں بری طرح ناکام ہوچکی ہیں اور جس انداز سے وہ اپنے باہر کی کائنات پر قابو پانے میں ہر ہر قدم پر ترقی کررہا ہو اپنے اندر کی کائنات کو قابو میں لانے میں اسی انداز سے قدم قدم پر ٹھوکریں کھا رہا ہو ـــــ اس راہ میں کامیابی کے لیے اللہ کے پیغمبروں کی رہنمائی کو تسلیم کرنا ناگزیر ہو۔ وہی اس راستہ کے پیچ و خم سے واقف ہیں اور تمدن کی انسانی سطح پر بہاریں انھیں کے قدموں سے آتی ہیں۔

زمانہ سب سے بڑا گواہ ہو کہ ان ہستیوں کا دامن پکڑے بغیر انسان اپنے تمدن کی دنیاوی سطح کو تو سجا سکتا ہو مگر اپنی انسانیت کو اس سطح پر نہیں لاسکتا جو اسے خود مطلوب بھی ہو اور تمدن کا حقیقی مسرت بخش عنصر بھی ہے!

---

## ضروری اعلان

الفرقان کا آئندہ شمارہ شعبان و رمضان (مارچ، اپریل) کا مشترکہ شمارہ ہوگا، لہٰذا بجائے ۱۵ مارچ کے ۲۲، ۲۳ مارچ تک شائع ہوسکے گا ـــــ ناظرین نوٹ فرمالیں اور رسالہ نہ پہنچنے کی شکایت ۳۰ مارچ سے پہلے نہ کریں۔

ـــــ خادم :۔ منیجر الفرقان

# ارشادات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

## مکتوبات کے پیرائے میں

ترجمہ ——— (مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

(۲۱ ——— آخری قسط)

**مکتوب** (۲۲۷) سلطانِ وقت (حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ) کے نام ———

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بعد حمد و صلوٰۃ ——— قال اللہ تبارک و تعالیٰ ——— کل شیئ[1] ھالک الا وجھہ وقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ——— ونعم[2] ما قال لبید، الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل ——— حق تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز فانی و لاشیئ محض ہے۔ ایک باطل ہے جو "حق نما" ہے۔ ایک عدم ہے جو "وجود آسا" ہے ——— ہر چیز کی ذات عدم ہے اور عدم ہر شر و نقص کا مادی و ملجا ہے ——— کسی چیز میں صفاتِ کمال کا پایا جانا، "مرتبۂ وجوب" سے مستعار و مستفاد ہے ——— پس خیر و کمال کا مرجع جناب قدس ہوا اور شر و نقص، تمام تر، "ممکن" کی طرف راجع ہیں۔ آیۂ کریمہ ——— ما اصابک[3] من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک ——— اس معنیٰ کی تائید کر رہی ہے

ممکن کمالِ نادانی سے اپنی ذات کو فراموش کئے ہوئے اور اپنی شرارت اور نقص ذاتی سے آنکھ بند کئے ہوئے اپنے کمالات عارتی کو خیر و کامل خیال کر رہا ہے اور اپنے کو "مبدأ احسانات" سمجھے ہوئے ہے۔ اس نے ایک "بنیاد دراز" اسی بے بنیاد تخیل پر رکھی ہے، اسی وجہ سے مولائے حقیقی سے دعویٰ ہمسری

---

[1] اللہ کی ذات کے علاوہ ہر چیز فانی ہے۔ [2] لبید نے یہ بات کیا اچھی کہی ہے۔ آگاہ ہو جا، اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے۔

[3] جو بھی بھلائی تجھے پہونچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی تجھے پہونچتی ہے وہ تیری ذات سے ہے۔

کرتا ہے، یہیں سے رعونت وانانیت پیدا ہوتی ہے ـــــ عجیب معاملہ ہے کہ "اصل" جو کہ کمال وجمال کے ساتھ آراستہ ہے در پردہ ہے اور نظر سے پوشیدہ ہے اور "ظل"، جو کہ منبع نقص و شرارت ہے اپنے کو خواہ مخواہ عنوانِ اصل کے ساتھ ظاہر کر کے ناظرین پر جلوہ گر ہو رہا ہے۔ ؎

بری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ و ناز — بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

جب کوئی سالک، عنایاتِ ربانی کی برکت سے اپنی عدمیت ذاتی پر اطلاع پاتا ہے اور اپنے صفاتِ کمال کو حق تعالیٰ کے کمالات کا پرتو یقین کرتا ہے اور ان عارضی کمالات کو بالکلیہ اصل کے حوالے کرتا ہے اور اپنے آپ کو جو کہ آئینۂ کمالاتِ ربانی ہے محض خالی پاتا ہے اور معدوم محض دیکھتا ہے، تب جا کر فنائے حقیقی سے مشرف ہوتا ہے اور "انانیتِ امّارہ" سے چھٹکارا پاتا ہے، پھر "نفسِ امّارہ" تدریجاً "نفسِ مطمئنہ" بنتا ہے۔ اسی وقت نعمتِ حق اس کے حق میں کامل ہوتی ہے۔ مولانائے روم فرماتے ہیں۔ ؎

چوں بدانستی کہ ظلِ کیستی — فارغی گر مُردی و ور زیستی

اس کے بعد ـــــ عرض ہے ـــــ کہ مکتوبِ عالی شان نے سعید ترین زمانے میں پرتوِ نزول ڈال کر فقرائے بے نوا کو بہجت و مسرت سے نوازا۔ ؎

از آمدنش چو گل شگفتم — دامن دامنِ بہار رُفتم

آپ کے مکتوب کی فصاحت، رنگین اور بلاغتِ معانی ونکات کا کیا بیان کروں ؎

ففی کلِّ لفظٍ منہ روضٌ من المُنٰی — وفی[1] کلِّ سطرٍ منہ عِقدٌ من الدُّرر

اس سے پہلے فقیر زادے (شیخ سیف الدین) کے خط میں "کیفیتِ سبقِ باطن" لکھ چکا ہوں، نظرِ عالی سے گذرا ہوگا ـــــ آپ نے دعا و توجہ غائبانہ کی طلب اس "شکستہ" سے کی ہے۔ ہر چند پہلے بھی اکثر دعا کرتا تھا اور توجہ میں مشغول رہتا تھا، لیکن اس وقت جب کہ اس قسم کی مہربانیاں اور خصوصیات درمیان میں آگئی ہیں، "جمع ہمت" کے ساتھ سلسلۂ علیہ نقشبندیہ کے طریق معہود پر ترقیٔ باطن، ازدیادِ کیفیت استقامت نیز نصرتِ ظاہر کے لئے دعا کرتا ہوں اور کسی طرح کوتاہی پر راضی نہیں ہوں ـــــ آپ نے "بارگرانبارِ جہانداری" اور حسنِ خاتمہ کے متعلق بھی اظہار کیا تھا ـــــ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم

---

[1] ہر ہر لفظ میں آرزوؤں کا ایک باغ مضمر ہے اور ہر ہر سطر میں موتیوں کا ایک ہار پنہاں ہے۔

سے آپ کو اس بارے میں خوف، عنایت فرمایا ہے اس لئے بہت کچھ (اچھی) اُمیدیں ہیں ——— یہ خوف کارہائے مشکل کو آسان کر دیتا ہے ——— حدیث میں آیا ہے لا یجتمع خوفان خوف الدنیا وخوف الآخرۃ[1] ——— فقیر زادے کی ادائیگی خدمات اور لوازم خیر خواہی آپ کی نظر میں پسندیدہ رہیں، یہ بات اُس کے لئے موجب سعادت و باعث امتیاز ہوئی ——— فقیر زادہ جو کہ صاحب کمالات صوری و معنوی ہے، عزلت اور عدم اختلاط کی عادت رکھتا تھا۔ چند آدمیوں میں بیٹھنے کی بھی اُس کو عادت نہ تھی لیکن محض خیر خواہی نے اُس کو اس بات پر آمادہ کیا ہے (کہ آپ کے پاس گیا) ........ مربی حقیقی اللہ تعالیٰ ہے وہ خود درد و طلب دیتا ہے اور اپنی طلب میں دوڑاتا ہے اور خود راہِ وصل کھولتا ہے

از ماو شما بہانہ بر ساختہ اند

آفتاب سلطنت و کوکب معدلت تابندہ و درخشاں باد

## مکتوب (۲۳۱) میرزا لطیف بخاری کے نام ——— (آخری حصہ)

...... تم نے لکھا تھا کہ " ایک دن آپ کے حقائق و معارف کا ذکر ہو رہا تھا، بات سلطانِ ذکر پر پہنچی تو صدر اہل مجلس نے کہا کہ اب تک میں نے اس نام کا کوئی ذکر نہیں سنا اور کتابوں میں بھی نظر سے نہیں گذرا، آیا یہ اولیاء سابق کی اصطلاح یا اُن کی کوئی حالت ہے " ؟ مخدوما! سلطان ذکر ہمارے طریقے میں زبان زد اور شائع و ذائع ہے اور ہم نے اپنے پیروں سے اس کو سنا ہے ہمارا ایجاد کردہ نہیں ہے جو کچھ بھی ہے بزرگوں کی چیز ہے۔ (قطب عالم) حضرت شیخ عبد القدوس (گنگوہی) جو کہ اکابر مشائخ ہند سے ہوئے ہیں اور جن کا زمانہ حضرت خواجہ احرار کے قریب ہے ——— اُن پر آخیر عمر میں " استغراق و بے خودی " غالب ہو گئی تھی چنانچہ اکثر استغراق میں رہتے تھے۔ اوقات نماز میں بآواز بلند اُن کو بیدار کیا جاتا تھا۔ اس راز کو اُن سے معلوم کیا گیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ " میں نے دل کو ذکر سے بہت کوٹا ہے اس لئے یہ سلطانِ ذکر ہر وقت غالب رہتا ہے اور وہ مجھ کو مجھ سے اُچک لیتا ہے "

---

[1] خوف دنیا اور خوف آخرت کسی شخص واحد کے اندر جمع نہیں ہوتے (یعنی اگر کسی کے اندر خوف آخرت ہوگا تو خوف دنیا سے محفوظ رہے گا۔

تم نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر دس آدمی خلفاء میں سے اس ملک (علاقۂ بخارا) میں رہیں تو گنجائش ہے اس لئے کہ اس علاقے کی وسعت بہت ہے، طالبانِ حق کی خبر گیری آپ کے ذمے کی گئی ہے اس لئے ضروری ہے کہ ربع مسکوں کی خبر گیری آپ ہی کریں" ______ مخدوما! یہ مسکین اپنے آپ کو کسی گنتی میں نہیں گنتا، اپنے کو لاشئے خیال کرتا ہے اسی وجہ سے کسی امر اہم کو انجام نہیں دے سکتا اور بھلا میں مولائے حقیقی کے (زیرِ تصرف) کام میں اپنے کو کیسے دخیل کر سکتا ہوں ؎

من ایچم وکم ز ہیچ ہم بسیارے ‏ ‏ از ہیچ کم از ہیچ نیاید کارے

مربیِ حقیقی تو اللہ تعالےٰ ہے اور "ربع مسکوں" اور سوائے اس کے اُسی کے تحتِ تصرف ہیں۔ ع

از ماہ و شما بہانہ بر ساختہ اند

اللہ تعالےٰ جب چاہتا ہے کہ کسی شخص کو اپنے دوستوں میں سے کسی سے فیض مند کر دے اور درجۂ کمال تک پہونچا دے تو اُس شخص کو اُس بزرگ کی صحبت میں پہونچا دیتا ہے یا اُس بزرگ کو اس طالب کے پاس پہونچا دیتا ہے ....... خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہم جیسے ہجورانِ دور از کار کو تو سوگِ ہجر اور ماتمِ عصیاں کرنا ضروری ہے اور رعایتِ شریعت کے ساتھ ساتھ گوشۂ نامرادی کو اختیار کرنا اہم چیز ہے ______ مخلوقِ خدا کو خدا کے سپرد کر کے ہمیں خود مرضیاتِ خداوندی میں کمر ہمت کو چست باندھ لینا چاہیئے۔ واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا ______ اب جو بھی مناسبت رکھتا ہے فیض حاصل کرے گا ورنہ نہیں۔ والسلام اولاً و آخراً

**مکتوب** (۲۳۲) اپنے صاحبزادے شیخ سیف الدینؒ کے نام ______ (آخری حصہ جس میں مجالس سلطانی کا ذکر ہے)

....... لکھا تھا کہ "مجالس سلطانی میں عجیب، اسرار جلوہ گر ہوتے ہیں، جوں ہی کہ اُن محفلوں میں داخلہ ہوتا ہے "عروج ونزول" کی کیفیات کے ساتھ ممتاز کر دیا جاتا ہے" ______ ٹھیک ہے، اہلِ کمال ہر قطعۂ زمین سے وہ فیوض و اسرار جو اُس کے مناسبِ حال ہیں مشاہدہ کرتے ہیں اور ہر زمین سے اُس زمین کے مناسب، کمال کو حاصل کرتے ہیں کسی زمین کو "معاملاتِ فنا" کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اور کسی کو کمالاتِ بقا کے ساتھ موافقت ہوتی ہے۔ کسی قطعے کو عروج سے مناسبت ہے اور کسی کو نزول سے ______ حرم مکّہ کے کمالات ومعاملات جدا ہیں

حرم مدینہ کے فیوض و کار و بار جدا۔ گر

ہر خوش بسر ے را حرکات دگر ست

تم نے بادشاہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اُن کے اندر وسعت لطیفۂ اخفیٰ اور اس سے مناسبت تامہ کا پتہ چلتا ہے۔ اس بات کے مطالعے سے خوشی ہوئی ــــ لطیفۂ اخفیٰ سب سے بڑا لطیفہ ہے اور اس کی ولایت سب ولایات سے اونچی ہے۔ اس لطیفے کو خاص سرور کائنات کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے ــــ علیہ وآلہ الصلوات والتسلیمات والبرکات ــــ فقیر بھی بادشاہ کے اندر لطیفۂ اخفیٰ کی مناسبت پاتا ہے ــــ والغیب عند اللہ

مکتوب (۲۳۴) خواجہ محمود فاحصاری کے نام

بعد تسمیہ و حمد و صلوۃ ــــ مکتوب مرغوب وصول ہوا ــــ جو کچھ حوادث روزگار کے بارے میں لکھا تھا، معلوم ہوا ــــ مخدوما! سب باتوں کو منجانب اللہ سمجھنا چاہیئے اور "کشائش کار" کو اُسی کی طرف سے تلاش کرنا چاہیئے ــــ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ ....... مخدوما! تم نے خط میں فقیر کے نام کو حق تعالےٰ کے نام کے اوپر لکھا ہے ــــ یہ بات اچھی نہیں ہے ــــ توبہ کرو ــــ اس کے بعد ایسا نہ ہونا چاہیئے، بظاہر تم نے ایسا سہواً کیا ہوگا۔ ہر حال توبہ و انابت درکار ہے ــــ ابواب ترقیات مفتوح باد

مکتوب (۲۳۷) امان بیگ کے نام ــــ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــ بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التحیات ــــ

مکتوب شریف پہونچا، خوش وقت کیا ــــ تفرقاتِ دنیائے دنی، کثرتِ قرض اور بدسلوکیِ اہل خانہ کی شکایت تم نے لکھی تھی ان سب باتوں کو منجانبِ حق سمجھو اور ان اُمور کے پیش آنے پر حق سبحانہ وتعالےٰ سے حجاب میں نہ رہو بلکہ ان صوری حوادث کے ذریعے سے جمعیتِ معنوی کے اسباب مہیا کر دے

در دلِ ما غمِ دنیا غمِ معشوق شود ــــ بادہ گر خام بود پختہ کند شیشۂ ما

ایک طالبِ راہ نے ایک ماہر راہ سے شکایت کی کہ میں ہجوم خطرات سے پریشان ہوں۔ اُس نے کہا کہ آیۂ ــــ الا انہ بکل شیئ محیط ــــ کے معنی کے بموجب جبکہ احاطہ

و شمولِ مطلوب" معلوم ہے تو خطرات کو اسبابِ وصل میں سے شمار کرنا چاہیے، نہ کہ موجباتِ فصل میں سے ــــ اور ہمیشہ ابوابِ شاہدہ کو مفتوح رکھنا چاہیے اور روزنِ غفلت کو بند" ......

اور خواب میں جو تم نے دیکھا ہے کہ پیشِ فقیر، بساطِ شطرنج کھلی ہوئی رکھی ہے اور فقیر نے تم سے کہا ہے کہ تمام لوگ جو حاضر ہیں وہ تو ہمارے ساتھ شطرنج کی بازی لگا چکے ہیں اب تمہارا نمبر ہے آؤ ہمارے ساتھ کھیلو اور تم نے کھیلنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد تمہاری آنکھ کھل گئی" ــــ مخدوما!

بساطِ شطرنج اور اس کا کھیلنا عبارت ہے، راہِ حق میں وجود بشریت کی بازی لگا دینے سے ــــ یعنی دوسرے تو اپنی جان کی بازی لگا چکے اب تمہاری نوبت ہے ــــ یہ "باختن" تعلقات بشری سے آزادی اور صفاتِ بشری کی فنا کے معنی میں ہے ؎

بارسا مارا مُقامر گفت واللہ راست گفت　　او بدید ہر دو جہاں را من بیک جو باختم

**مکتوب (۲۳۹) شیخ ابو المظفر برہانپوری کے نام ــــ (آخری حصہ)**

....... مدت ہو گئی کہ فقیر ضعفِ بدنی میں گرفتار ہے اور اہم کاموں کی انجام دہی سے عاجز ہے اس کے باوجود اہلِ طلب کو اطراف و اکناف سے مور و ملخ کی طرح، کثیر تعداد میں یہاں لایا جا رہا ہے ــــ بقدرِ طاقت اُن کے احوال کی پرداخت کی جاتی ہے۔ آثارِ عظیم، مسترشدین و مریدین میں پیدا ہو رہے ہیں اور اُن کا شعلۂ شوق سربلند ہو رہا ہے۔ وہ اوّل قدم میں علائق و ماسویٰ سے آزادی حاصل کر لیتے ہیں (لیکن) "خنکی و گرفتاری" اس "بے حاصل" کے حصے میں آئی ہے اور قرعۂ ہجر و دوری اس (عاجز) کے نام پر نکلا ہے۔ مگر کیا ہو سکتا ہے؟ ؎

ہجر کیہ بود مُرادِ محبوب　　از وصل ہزار بار خوشتر

یہ ہجر، مجمع کثیر کے وصل کا سبب اور یہ دوری، دوسروں کی حضوری کا باعث اور یہ "گرفتاری" خلقِ بسیار کے شوق کا وسیلہ بن رہی ہے ــــ فہم من فہم ــــ والسلام اوّلاً و آخراً

**مکتوب (۲۴۲) مخدوم زادہ عالی درجہ، شیخ سیف الدینؒ کے نام ــــ (شروع کا حصہ سلطان وقت سے متعلق)**

بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التحیات ــــ مکتوب مرغوب پہونچا۔ خوشوقت کیا جو کچھ "بادشاہِ دین پناہ" کے حالات کے متعلق مرقوم تھا وہ واضح ہوا ــــ طبقۂ سلاطین

میں اس قسم کے امور، غرائب روزگار سے ہیں ـــــ اللّٰھم زد ........

مکتوب (۲۴۳) شیخ سیف الدینؒ کے نام ـــــ

نامۂ نامی آن فرزند گرامی رسیدہ بہجت افزا گردید ـــــ محب الفقراء، کامگار خاں کے خط کا جواب لکھ کر بھیجا گیا ہے وہ جواب، فوائد ونصائح ضروریہ پر مشتمل ہے ـــــ حق تعالیٰ تاثیر بخشے ؎

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادت مند پندِ پیرِ دانا را

مکتوب (۲۵۳) اپنے صاحبزادے خواجہ محمد اشرفؒ کے نام ـــــ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ مکتوب مرغوب بالمحبت اسلوب فرزندی ارشدی نورچشمی رسیدہ خوش وقت ساخت ومضمون آن بوضوح پیوست ـــــ اپنے حالات لکھتے رہا کرو، اوقات کو وظائفِ طاعات ومراقبات سے معمور رکھو ـــــ "دال" سے "مدلول"، "ظل" سے "اصل"، "علم" سے "حیرت"، "گفتگو" سے "خاموشی"، "پوست" سے "مغز" اور "لفظ" سے "معنیٰ" کی طرف متوجہ ہو جاؤ ؎

قدمے زوجودِ خویشتن خانی
رفتہ زحروف در معانی

...... جو کچھ تم نے لکھا ہے کہ اپنے آپ کو "محمدی المشرب" پاتا ہوں" ـــــ مبارک ہے ـــــ سعادت آثارا! فقیر بھی یہی معنیٰ تمہارے بارے میں سمجھ رہا ہے ان ربک واسع المغفرۃ

مکتوب (۲۵۴) اپنے صاحبزادے شیخ صبغۃ اللہ کے نام (تربیت طلبہ اور رضامندیٔ اخوان طریقت کی ترغیب میں)

فرزندی توفیق آثاری لا زالت کرامتہٗ واستقامتہٗ بجمعیت باشند ـــــ شکرِ خدا کہ عزیزم محمد حنیف تم سے بہت راضی ہیں ـــــ اخوانِ طریق کی رضامندی، اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے حدیث شریف میں آیا ہے ـــــ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (جس نے احسان کرنے والے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا)

دوسری بات یہ کہنی ہے کہ طالب حق، مستورات کی ایک جماعت تم سے متعلق ہے۔ اپنے آپکو ہر طریقے سے جمعیت کیساتھ رکھ کر اس جماعت کی بھی جمعیت کا ذریعہ بنو اور احوال لکھتے رہا کرو

واللہ سبحانہٗ الموفق

مکتوب (۲۵۵) (مکتوب الیہ کا نام درج نہیں ہے)

بعد حمد و صلوٰۃ ...... آدمی جب تک ماسویٰ اللہ میں گرفتار ہے اور اس کا صحن سینہ ماسویٰ کے نقوش سے منقش ہے تب تک وہ مرضِ باطن میں مبتلا ہے اور قربِ حق تعالیٰ سے دور و مہجور ہے اس مرض کے ازالے کی فکر اور اس علتِ معنوی کے دفع کرنے کا علاج اس فرصت قلیل میں کر لینا سب سے زیادہ ضروری ہے، بزرگوں نے اس مرض کا ازالہ، ذکر کثیر کے ساتھ متعلق کیا ہے اور طہارت باطن کا حاصل کرنا یادِ حق پر موقوف رکھا ہے (قرآن میں ہے) یاایہاالذین آمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً و سبحوہ بکرۃ و اصیلا ـــــ ذکر کثیر اس وقت متحقق ہوتا ہے جب کہ غفلت اس کے پیچھے نہ ہو، غفلت اس راہ میں، سم قاتل اور مرضِ باطن کی ممد و معاون ہے ـــــ ایک درویش کا مقولہ ہے کہ اگر کوئی سعادت مند، اللہ تعالیٰ کی طرف تمام عمر متوجہ رہا اور ایک لحظہ اس سے غافل ہو گیا تو جو چیز اس سے فوت ہوئی وہ اس سے زیادہ ہے جو اسے حاصل ہوئی ـــــ اس ذکر کا کمال یہ ہو کہ ماسویٰ، میدانِ سینہ سے اپنا بوریا بستر باندھ کر رخصت ہو جائے اور تمام مطلوبات سے سینہ پاک و مصفّا ہو جائے نہ خوشیٔ دنیا سے خوش ہو نہ غم دنیا سے غمگین ہو ـــــ اگر تکلفاً بھی ماسویٰ کو اپنے سامنے لانا چاہے تو وہ سامنے نہ آسکے، بوجہ اس نسیان کے جو باطن کو ماسویٰ سے حاصل ہو گیا ہے ـــــ اگر اس قسم کا نسیان حاصل نہیں ہوا تو پھر ذکر حق، یادِ ماسویٰ سے آمیزش کئے ہوئے ہوگا۔ اور جس چیز میں شرکتِ غیر ہو وہ شایانِ بارگاہ قدس نہیں ـــــ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الا للہ الدین الخالص ...... اس حالت کو "فنا" سے تعبیر کرتے ہیں، یہ اس راہ کا قدمِ اول ہے ـــــ "سیر الی اللہ" اس مقام پر انجام کو پہونچ جاتی ہے اس کے بعد "سیر فی اللہ" اور سیر در کمالات اسمائی و صفاتی" شروع ہوتی ہے۔ یہ دوسری سیر، "سیر معشوق در عاشق" کہلاتی ہے۔ اس لئے کہ عاشق اس مقام میں سیر سے سیراب ہو چکا ہوتا ہے۔ ؎

آئینہ صورت از سفر دور است　　کاں پذیرائے صورت از نور است

اس سیر کا کمال، عالمِ آخرت کے ساتھ متعلق ہے۔ اس دنیائے فانی کے معاملات اس عالمِ باقی کے معاملات کے ساتھ جو نسبت رکھتے ہیں وہ محض صورت ہی صورت ہیں اور دریائے محیط کے مقابلے میں شبنم کا حکم رکھتے ہیں ـــــ پس عالی ہمت لوگوں کی نظر عالمِ آخرت پر ہوتی ہے وہ اس عالمِ فانی کے (عارضی) کمالات سے دھوکے میں نہیں آتے اور سیراب نہیں ہوتے ـــــ اسی

بنا پر آنسرورِ انس و جان صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیث میں خبر دی گئی ہے ـــــ کان رسول اللہ[1] صلی اللہ علیہ وسلم دائم الحزن متواصل الفکر ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اُن کمالات کے جو آپ کو حاصل تھے دنیا سے خوش نہیں تھے اس سے اعراض کئے ہوئے تھے ـــــ بالآخر اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ زبان سے ادا فرماتے ہوئے آخرت کی طرف سدھار گئے ـــــ آخرت میں ظاہر ہے کہ آپ کا یہ حزن و غم دور ہی ہو جائے گا انشاء اللہ تعالےٰ ـــــ اس لئے کہ مقامِ آخرت، مقامِ حزن نہیں ہے حزن کا مقام تو دنیا ہے ـــــ آیۂ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى[2] اس حقیقت کی گواہ ہے ـــــ وہ معاملہ جو آخرت کے لئے موعود ہے اُس کا آغاز موت سے ہوتا ہے (بزرگوں کا مقولہ ہے) الموت جسر[3] یوصل الحبیب الی الحبیب ـــــ قرآن شریف میں ہے۔ من کان یرجو لقاء اللہ فان اجل اللہ لآت ـــــ یہ بھی اسی طرف اشارہ ہے ـــــ

یہ معاملہ اگر کسی کو نماز میں ـــــ جو کہ معراج مومن ہے اور دنیا سے کٹنے اور آخرت سے جڑنے کا ذریعہ ہے ـــــ رونما ہو ـــــ تو اس کی البتہ گنجائش ہے ـــــ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وقت نماز وہ حجاب جو درمیانِ بندہ و خدا ہے اُٹھ جاتا ہے اور ارحنی یا بلال وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ میں بھی اسی طرف اشارہ ہے ـــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ "محل شادی و رضا" آخرت ہے، اور "محل درد و نقصان" دنیا ہے ـــــ اس عالمِ فانی کی بہترین پونجی اگر کچھ ہے تو وہ درد و اندوہ ہے اور اس دسترخوان کی سب سے عمدہ نعمت سوز و گداز ہے ـــــ اس جگہ کی بے آرامی، آرام ہے اور یہاں کے سوز میں ساز ہے ـــــ یہاں پر وصل طلب کرنا، دریا کو "ذرے میں ڈھونڈھنا اور آفتاب کو "طشتِ آب" میں تلاش کرنا ہے ـــــ یہ عالمِ فانی ایک مزرعہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا، یہاں پر "وہاں" کے لئے جس قدر افزونیٔ زراعت کی جائے گی، ثمراتِ بے اندازہ کی اُمید ہے۔ یہ دارِ عمل ہے۔ دارِ اجر تو آگے آرہا ہے ـــــ وقتِ عمل میں اُجرت طلب کرنا بیکار بات ہے ـــــ

---

1. جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ حزن و فکر میں ڈوبے رہا کرتے تھے۔
2. اور عنقریب اللہ کی وہ عنایت ہوگی کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔
3. موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملاتا ہے۔

البتہ اگر کسی (خاص بندے) کو دُنیا ہی میں حکم آخرت عطا فرمادیں کہ اس دنیا ہی میں اس کے اُخروی اجر برسائے جائیں اور آخرت کے اجر میں بھی کمی نہ واقع ہو ـــــ تو یہ ممکن ہے ـــــ جیسا کہ اللہ تعالےٰ اپنے خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں فرماتا ہے وآتیناہ اجرہ فی الدنیا وانہ فی الآخرۃ لمن الصّالحین ـــــ

اگرچہ این لحظہ ممکن کار شب نیست		زبخت مُقبلاں ایں ہم عجب نیست

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم ........

والسلام اوّلاً وآخراً

---

# اِسلام کیا ہے؟

## (ہندی اڈیشن)

الحمد للہ تیار ہوگیا ہے اس کو بہتر سے بہتر تیار کرنے کے لئے کتب خانہ الفرقان کی طرف سے جو کوشش کی جاسکتی تھی اور بے دریغ جو لاگت لگائی جاسکتی تھی اس میں کوئی کمی نہیں کی گئی ہے امید ہے کہ ہمارے احباب اب اسکو ہندی داں حلقوں تک پہنچانے کی کوشش میں ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔ اس میدان کی طرف یہ ہمارا پہلا قدم ہے ـــــ قیمت مجلد کاغذ اعلیٰ (تین روپے)

## کتب خانۂ الفرقان کی مطبوعات ایک نظر میں

معارف الحدیث جلد اول مجلد للعہ۔ غیر مجلد ۱۲؎ ۔ جلد دوم مجلد للعہ۔ غیر مجلد عہ۔ اسلام کیا ہے؟ کاغذ قسم اعلیٰ مجلد عہ۔ قسم دوم غیر مجلد ۱۲؎ ۔ ہندی اڈیشن کاغذ اعلیٰ مجلد سے۔ کلمۂ طیبہ کی حقیقت ۶ر۔ نماز کی حقیقت ۱۲ر سوانح حضرت مولانا محمد الیاسؒ عہ۔ ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ عہ۔ قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ ۶ر۔ معرکۃ القلم عہ۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین کے الزامات عہ۔ انیس نسواں (خواتین کی اصلاح کے لئے ایک بہترین کتاب) از محترمہ بیگم سید اصغر حسین ۔ ۱۰ر

کتب خانۂ الفرقان، لکھنؤ

# علم و ذکر

(از جناب مولانا محمد اشرف خاں صاحب لیکچرار عربی اسلامیہ کالج پشاور)

یہ مقالہ ۱۹۴۹ء میں لکھا گیا تھا، تساہل اور مختلف اعذار کی بنا پر ہدیہ ناظرین نہ کیا جا سکا۔ آج گو یہ مضمون نیا پرپرواز چاہتا ہے جس کی کثرت مشاغل کی بنا پر صورت نظر نہیں آتی، اس لئے پرانی تحریر ہی کو پیش کر رہا ہوں۔ ممکن ہے کوئی کام کی بات کسی کو مل جائے، جو میری نجات کا ذریعہ بن جائے۔ (محمد اشرف)

یہ عالم اور اس کی تمام کائنات ظاہری نظر میں ہمارے احساسات کا کرشمہ ہے۔ جو کچھ ہمارے حواس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے اسی کو ہم اپنا عالم تصور کرتے ہیں۔ گویا ہماری دنیاوی زندگی کا سارا کاروبار اور تمام جھمیلا ہمارے حواس کی عطا کردہ معلومات پر استوار کیا جا رہا ہے۔ اگر ہم اپنے اعمال و افعال کی منطقی تحلیل کریں تو یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ہمارا ہر عمل نتیجہ ہوتا ہے۔ ہمارے اس ذہنی اندازے و تصور کا جو مستقبل کے متعلق ہماری عقل کرتی ہے اور ہماری عقل کی دسترس انھیں اسباب و نتائج پر بنا کردہ اندازوں تک ہے جو ہمارے حواس کی نظر میں آفرینش آدم سے رونما ہوتے چلے آئے ہیں۔ گویا اس حیات فانی کا تمام مشغلہ ظن و تخمین کی یہی خیالی قدریں اور ان کے اثرات ہیں، جنھیں ہم اپنے حواس ظاہرہ سے جان رہے ہیں اور اسی علم کی بنا پر تمام عالم لادینی نظامات کا آماجگاہ بن رہا ہے اور دنیاوی زندگی کی تمام کثافتیں اسی علم کے برتے پر پھیل رہی ہیں۔

عشق ناپید و خرد مے گزدش صورت مار ۔۔۔ عقل کو تابعِ فرمانِ نظر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا ۔۔۔ آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا ۔۔۔ زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

لیکن اس حیات تخمین و ظن کے سوا ایک اور زندگی بھی ہے جو ہماری شب تاریک کے لئے نور، ہماری درماندگیوں کا علاج اور انسانیت کے زخموں کا مرہم ہے، وہ حیات گو اس عالم سے پرے اور موت کے بعد شروع ہوتی ہے، لیکن یہ زندگی اس کا عکس اور اس یقین کا نتیجہ بن کر سراپا راحت و چین میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس زندگی کا علم ہمیں مخبر صادق، اعلم الناس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان نے دیا ہے اور جس طرح ہماری موجودہ زندگی حواس کی اس واقفیت پر مبنی ہے جو انسانی توارث کے ذریعے ہمیں پہنچی ہے اور جس کے متواتر اور ہمہ گیر ہونے کی وجہ سے ہم نے اس وہم کو حقیقت سمجھ لیا ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ وثوق کے ساتھ آنے والی زندگی کے حقائق ہمیں اس ذات والاصفات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ملے ہیں جس کی سچائی میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس کی صداقت کی وجہ سے اس کے دشمن بھی اس پر جھوٹ بولنے کا الزام نہ لگا سکے۔

فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ۝ (سورہ الانعام۔ ع ۴)

(سو یہ لوگ (کفار و مشرکین) آپ کو جھوٹا نہیں کہتے۔ بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں)

آپ نے ہمیں ایک آنے والے عالم کی خبر دی کہ اللہ کا وہ فرستادہ دنیا و آخرت کے اس سنگم پر تھا جہاں دنیا و عقبیٰ اپنے تمام اسرار کو منکشف کئے ہوئے اس کے سامنے تھی۔ جس کی تمثیل اس امی آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہلے پہاڑی کے وعظ میں عملاً پیش کی کہ جس طرح کوہ صفا کی دونوں طرف کی بستیوں کے حالات اسے صاف نظر آرہے تھے۔ اسی طرح اس فانی عالم اور باقی رہنے والی دنیا کے حالات اس کی نبوی نگاہوں کے سامنے پست تھے چنانچہ امام بخاریؒ نے روایت کی ہے کہ:۔

لما نزلت وانذر عشیرتک الاقربین ورھطک منھم المخلصین خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی صعد الصفا فھتف یا صباحاہ فقالوا من ھذا فاجتمعوا الیہ فقال ارایتم ان اخبرتکم ان خیلاً تخرج من صفح ھذا الجبل اکنتم مصدقی قالوا ما جربنا علیک کذبا۔ فقال انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید (صحیح بخاری صفحہ ۷۴۳، جلد ۲۔ کتاب

التفسیر زیر سورہ تبت یدا

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈرائیے اور انہیں جو مخلص گروہ ہے اسے بھی ڈرائیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر (عرب کے مدد چاہنے والوں کی طرح) پکارے، یا صباحاہ! لوگوں نے کہا یہ کون مدد کے لئے پکار رہا ہے۔ اور آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اگر میں یہ کہوں کہ ایک فوج پہاڑی کے اس جانب سے تم پر حملہ آور ہوا چاہتی ہے تو کیا میرا کہنا باور کرو گے، حاضرین نے کہا آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا (اس لئے آپ کی بات کیوں نہ مانیں گے) آپ نے فرمایا، میں ایک سخت عذاب سے پیشتر تمھیں ڈرانے والا ہوں۔

یہی حیات اخروی کی یاد دہانی تھی، عالم آخرت اور حیات بعد الموت کی خبر تھی کہ اسلامی زندگی کی بنیادیں تمام تر عالم آخرت کے ایمان و یقین پر اٹھائی گئی ہیں کہ جب تک جزا و سزا کا یقین راسخ نہ ہو اعمال کی اصلاح محال ہے اسی وجہ سے قرآن و حدیث کا صفحہ صفحہ عالم معاد کی پردہ کشائی کرتے ہوئے اس پر ایمان کامل کی دعوت دے رہا ہے کہ اس پر ایمان لائے بغیر مسلمان ہونا ناممکن اور ایمانی دائرے میں داخل ہونا محال ہے۔ کہ اس عالم میں جس طرح ہر فعل کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ تمھارے دنیاوی ہر عمل کا نقشہ تمھاری آنے والی زندگی پر ثبت ہو رہا ہے اور تمھارے ہر فعل کا اثر و سایہ ایک آنے والے عالم پر پڑ رہا ہے، جہاں تمھیں تمھارے ہر کام کا ثواب و عذاب جزا و سزا مل جائے گی، قرآن کریم ایک جگہ مختصر الفاظ میں اس حقیقت کو ظاہر فرما رہا ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (الزلزال ۱)

اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (موقف حساب سے) واپس ہوں گے تاکہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ لیں سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا۔ وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا۔ وہ اس کو دیکھ لے گا۔

خدائے عز و جل کے آخری فرستادہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے اعمال کی ترغیب و ترہیب کے ضمن میں ان اعمال کے فضائل اور ان سے متعلق وعیدوں پر گفتگو فرمائی

ہے، یہاں تک کہ ایک ایک دنیاوی عمل کی اخروی حقیقت کلیتاً اُجاگر ہو گئی ہے اور اب ہر شخص کتاب و سنت سے معلوم کر سکتا ہے کہ فلاں کام کی اُخروی جزا اور سزا کیا ہو گی، یا اس کے اس عمل کا آخرت کی زندگی پر کیا اثر پڑے گا۔ اور جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا ہے:-

"خدائے تعالیٰ کی اپنے بندوں پر یہ بڑی نعمت ہے کہ اس نے وحی کے ذریعے سے انبیا علیہم السلام کو اعمال پر مرتب ہونے والے ثواب و عذاب کو تبلا دیا تاکہ وہ لوگوں کو اس سے آگاہ کر دیں۔ اور لوگوں کے قلوب اس ثواب و عذاب کو سن کر بیم و رجا سے مملو ہو جائیں اور اپنے ذاتی مقصد و ارادہ سے لوگ ان شرائع کی پابندی کریں جیسے اور باقی امور میں خوف و امید کیا کرتے ہیں جن سے کوئی ضرر دور ہو جاتا ہے یا ان سے کوئی نفع حاصل ہو جاتا ہے" (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول۔ باب اسرار الترغیب والترہیب)

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعمال کو اللہ کا حکم اس کی رضا کا ذریعہ اور ایمان کی تکمیل کا سبب سمجھتے ہوئے (ایماناً) اور اس پر موعود اجر و ثواب کے ملنے کا کامل یقین و دھیان رکھتے ہوئے (احتساباً) کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث کی کتابوں میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا

من قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ (بخاری باب تطوع قیام رمضان من الایمان)

جس نے رمضان کا قیام اللہ پر اور اس کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اجر و ثواب کے شوق میں کیا، اللہ اس کے سب پچھلے گناہ معاف کر دے گا۔

دوسری حدیث ہے۔

من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ (بخاری باب صوم رمضان احتساباً من الایمان)

جس نے رمضان کے روزے ایمانی خصلت اور اجر و ثواب کی نیت سے رکھے اسکے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

من اتبع جنازۃ مسلم ایماناً واحتساباً وکان معہ حتی یصلی علیہا ویفرغ من دفنہا فانہ یرجع من الاجر بقیراطین کل قیراط مثل احد الخ (بخاری باب اتباع الجنائز من الایمان)

جو مسلمان کے جنازے کے ساتھ ایماناً و احتساباً گیا اور اس کے ساتھ اس پر نماز جنازہ

پڑھنے اور اس کے دفن سے فارغ ہونے تک رہا، وہ اُحد پہاڑ کے برابر بڑے دو قیراطوں کا اجر لے کر واپس آئے گا۔

ابو مسعود انصاریؓ سے آپ نے فرمایا۔

اذا انفق المسلم نفقة علی اھلہ وھو یحتسبھا کانت لہ صدقۃ (بخاری کتاب النفقات ج ۲)

جب مسلمان ثواب کی نیت سے اپنی بیوی کا نفقہ پورا کرے تو وہ بھی صدقہ ہے۔

ایمان واحتساب کی یہ کیفیت مسلمان کے ہر عمل پر طاری ہونی چاہیئے اور اس کی نگاہ ہر وقت آخرت کی زندگی پر بھی رہنی چاہیئے کہ اسے وہاں اس کام کا کیا اجر و ثواب ملے گا اور اس اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا نتیجہ اور ثمرہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ میرے پروردگار مجھ سے راضی ہو کر اپنی عنایات سے مجھے نوازیں گے۔ کیونکہ ہر عمل کی اصلی روح اس عمل کا خاص ذات الٰہی کے لئے کرنا ہے۔ اور اس پر جو اجر و ثواب مرتب ہوتا ہے وہ بھی اس الٰہی تعلق کی کمی و بیشی کے مطابق ہوتا ہے کہ اعمال کی اصلی عظمت اوامر الٰہی کی پیروی و امتثال ہے۔ غرض اسلامی زندگی کا ہر عمل امر الٰہی کی عظمت سے متاثر اور اُخروی زندگی کے نتائج کا حامل ہوتا ہے اور مسلمان ہر فعل اس تصور کو سامنے رکھ کر کرتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور اس کا نتیجہ اُخروی زندگی میں مجھے ملے گا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کے امر و نہی کے وقت ایمان باللہ والیوم الآخر کی یاددہانی کرا دیا کرتے تھے۔ مثلاً آپ نے فرمایا۔

لا یحل لامراۃ تومن باللہ والیوم الاٰخر تحد علی میت فوق ثلث الا علی زوج اربعۃ اشھر وعشراً (بخاری باب تلبس الحادۃ ثیاب العصب)

کسی عورت کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائی ہو سوا اپنے خاوند کے تین روز سے زیادہ سوگ جائز نہیں، خاوند پر چار ماہ دس دن سوگ ہے۔

کہ جب ایمان باللہ کی کیفیتیں مسلمان کے قلب میں رسوخ کرتی ہیں اور جب اعمال کے نتائج کا سماں یوم آخرت کے دھیان سے متشکل ہو کر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے تو امر الٰہی پر عمل پیرا ہوئے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

اور علم کی حقیقت بھی یہی ہے کہ جب اندرونِ قلب پر فیضانِ الٰہی ہوتا ہے تو ایمان قلب میں

رچ جاتا ہے اور نبوت کا ہر قول بغیر کسی ظاہری دلیل کے حقیقت بن کر نبوی زندگی کی راہیں بندۂ مومن پر کشادہ کر دیتا ہے اور رسوخ فی العلم سے مُراد بھی قلب میں یقین کا اس طرح پیوست ہو جانا ہے کہ نبوت کا ہر قول عریاں حقیقت معلوم ہونے لگے۔ گویا علم ایک نور ہے۔ جو انسانی قلوب پر بارگاہ خداوندی سے ڈالا جاتا ہے اور جس کی روشنی سے قرآن و سنت کی حقیقتیں منکشف ہو کر انسان کو اسلامی زندگی پر عمل پیرا کر دیتی ہیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں بھی امانت سے مراد توحید کے علاوہ یہی علم و نور ہو۔ (واللہ اعلم)

ان الامانۃ نزلت فی جذر قلوب الرجال ثم علموا من القرآن ثم علموا من السنۃ (بخاری باب اذا بقی فی حثالۃ من الناس جلد ۲ -)

امانت لوگوں کے قلوب کی جڑ میں اُتاری گئی۔ پھر انھوں نے قرآن کے علم کو جانا پھر سنت کو جانا۔

کہ قرآن و سنت کا علم محض پڑھنا پڑھانا نہیں۔ بلکہ ایک نور ہے جو مشکوٰۃ نبوت کے ذریعہ صادر کیا گیا اور جس کی اصل الٰہی فیضان ہے۔ جیسا کہ امام مالکؒ کا قول ہے۔

لیس العلم بکثرۃ الروایۃ وانما العلم نور یضعہ اللہ فی قلوب الرجال

کثرت روایات کا نام علم نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک نور ہی جو اللہ کی طرف سے لوگوں کے قلوب میں ڈالا جاتا ہی

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

قلوب میں جب یہ نور ڈالا جاتا ہے۔ تو علم کی عظمت قلوب پر طاری ہو جاتی ہے اور وہ منقاد ہو جاتے ہیں ان میں خشیت و خشوع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور جوں جوں یہ نور بڑھتا جاتا ہے۔ خشیت الٰہی بڑھتی جاتی ہے کہ علم کی حقیقی نسبت اللہ عزوجل کی ذاتِ عالی سے ہے۔ اور اس نسبت کی وجہ سے وہ اس جلال و عظمت کا حامل ہے جو پہاڑوں کا پتا پانی اور چٹانوں کی سختی کو سُرمہ بنا دے۔

لو انزلنا ھذا القرآن علی جبلٍ لرأیتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ (الحشر - ۳)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب) تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔ (ترجمہ تھانویؒ)

اور یہی وجہ ہے کہ عظمت الٰہی کے دیرینہ راز داروں (فرشتوں) پر جب (ملاء اعلیٰ میں) امر الٰہی

کا وقوع ، وحی الٰہی کے تکلم سے ہوتا ہے تو اس کی ہیبت وعظمت سے ان کے قلوب پر دہشت چھا جاتی ہے اور ڈر جاتے ہیں۔ جب کچھ دیر بعد ان کے قلوب سے یہ حالت دور ہوتی ہے تو آپس میں کہتے ہیں۔ تمھارے رب نے کیا کہا؟ کہتے ہیں حق کہا! اور وہی علی اور کبیر ہے اس کا ذکر قرآن حکیم نے اس آیت میں کیا ہے۔

حتیٰ اذا فزع عن قلوبھم قالوا ماذا قال ربکم قالوا الحق وھو العلی الکبیر

(بخاری صفحہ ۷۰۸۔ جلد ۲۔ کتاب التفسیر باب قولہ فزع عن قلوبھم الخ)

حال نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب علم الٰہی کا فیضان وحی کی صورت میں ہوتا تھا تو فرط شدت سے چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا اور سانس کی آواز تیز ہو جاتی۔

(فاذا ھو محمر الوجہ یغط) اور یہ حالت کچھ دیر بعد تک رہتی تھی۔ (بخاری صفحہ ۲۷۵، ج ۲۔ وصفحہ ۷۴۶۔ جلد ۲۔ باب نزول القرآن عن صفوان ابن علی)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ:۔

ولقد رایتہ ینزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنہ وان جبینہ لیتفصد عرقا۔ (صحیح بخاری باب کیف کان بدء الوحی۔ صفحہ ۲ جلد ۱)

میں نے سخت سردی کے دن آپ پر وحی کو اترتے ہوئے دیکھا تھا کہ وحی کا نزول بند ہوا۔ اور (شدت وحی) سے جبین مبارک سے پسینہ بہہ رہا ہوتا تھا۔

اور اوامر الٰہیہ کے علم کی یہی ہیبت تھی جس کی تاب نہ لاکر پہاڑوں، آسمانوں اور زمین نے اسکے اٹھانے سے انکار کر دیا، کہ اوامر الٰہی کے ظہور وعلم کی امانت کا متحمل ہونا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔

انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوما جھولا ۝ (الاحزاب۔ ۹)

ہم نے یہ امانت (یعنی احکام جو بمنزلہ امانت کے ہیں) آسمان وزمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی، سو انھوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا، اور اُس سے ڈر گئے اور انسان نے اُس کو اپنے ذمہ لے لیا، وہ ظالم ہے جاہل ہے۔

علم الٰہی کی یہی عظمت تھی جس کا قرآن کی صورت میں نزول انسان کے بدن کو عاجز ی وہیبت کی

وجہ سے لرزتا اور کپکپا دیتا تھا۔ چنانچہ قرآن نے گواہی دی۔

اللہ نزل احسن الحدیث کتٰبا متشابھا مثانی تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم وقلوبھم الیٰ ذکر اللہ (الزمر-۳)

اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو یہ کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے بار بار دہرائی گئی ہے جس سے ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، بدن کانپ اٹھتے ہیں، پھر اُن کے بدن اور دل نرم (اور منقاد) ہو کر اللہ کے ذکر (یعنی کتاب اللہ پر عمل کرنے) کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت اسمار سے روایت ہے کہ سلف (یعنی صحابہ و تابعین) میں سے تلاوت قرآن کے وقت نہ کسی پر بیہوشی طاری ہوتی تھی اور نہ کوئی چیختا تھا۔ صرف رویا کرتے تھے اور انکے بدن پر رونگٹا کھڑا ہو جاتا تھا، ان کے پوست اور قلوب نرم ہو کر خدا کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ (یعنی اکثر یہ حالت ہوتی تھی)۔ (رواہ رزین تیسیر صد۹۸۔ منقول از حقیقت الطریقہ امام تھانوی ص۳۹)

صحابہ کی یہی حالت تھی کہ قرآن کی ہیبت انپر چھائی رہتی تھی، چنانچہ حضرت جبیر ابن مطعم ؓ کہتے ہیں

سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرا فی المغرب بالطور فلما بلغ ھذہ الآیۃ ام خلقوا من غیر شیئٍ ام ھم الخٰلقون ام خلقوا السموات والارض بل لا یوقنون ام عندھم خزائن ربک ام ھم المصیطرون کاد قلبی یطیر (بخاری صد۷۲۰۔ ج۲۔ کتاب التفسیر)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے سُنا، جب آپ اس آیت پر پہنچے: کیا یہ لوگ بدون کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا خود اپنے خالق ہیں یا انھوں نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔ بلکہ یہ لوگ (بوجہ جہل کے توحید کا) یقین نہیں لاتے۔ کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں یا یہ لوگ (اس محکمۂ نبوت کے) حاکم ہیں؟ تو میرا دل اڑنے لگا

گویا حضرت جبیر ابن مطعم پر ان آیات کی اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ ان کا دل خوف کی وجہ سے

اُڑنے لگا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن اونٹ پر سوار کسی گلی میں سے گذر رہے تھے کہ کسی گوشے سے اس آیت کے پڑھنے کی آواز آئی۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَالَهُ مِنْ دَافِعٍ۔ (سورۂ طور-۱)

بے شک آپ کے رب کا عذاب ہو کر رہے گا۔ کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا۔

اس آواز کا سُننا تھا کہ ہوش اُڑ گئے اور بیہوش ہو کر اونٹ سے گر پڑے اور مدت تک گرنے کی تکلیف سے بیمار رہے۔ (مکتوبات امام ربانی سرہندیؒ مکتوب ص ۲۰۲)

عبد اللہ ابن شداد کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پیچھے آخری صف میں نماز پڑھ رہا تھا اور اس جگہ حضرت عمرؓ کی شدت گریہ کی آواز آرہی تھی۔ اس وقت آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے۔

اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ الخ (البخاری تعلیقاً باب اذا بکی الامام فی الصلوٰۃ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت صدیقؓ بڑے گریہ وزاری کرنے والے شخص تھے خصوصاً جب کہ آپ تلاوت قرآن کرتے تو گریہ وزاری کو ضبط نہ کر سکتے۔ (ازالۃ الخفا بحوالہ بخاری)

علم الٰہی وقرآن وحدیث کی یہی عظمت تھی جو قرن اول کے ایک ایک فرد پر چھائی ہوئی تھی دہانِ رسالت سے حکم الٰہی کا جونہی صدور ہوتا تھا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس حکم کو پوری عظمت کے ساتھ قبول کرتے ہوئے اس کے پابند ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب انھیں کسی موثق ذریعہ سے اس چیز کا علم ہو جاتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فعل کو کیا ہے۔ یا کسی چیز کا امر فرمایا ہے تو بے چون وچرا فوراً اسی پر عامل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو براء ابن عازبؓ صحابی سے روایت ہے کہ حضور نے پہلی عصر کی نماز خانۂ کعبہ کی طرف پڑھی، آپ کے ساتھ ایک شخص نماز پڑھکر نکلے اور ان کا گذر ایک دوسری مسجد پر ہوا وہاں نماز ہو رہی تھی، انھیں ابھی تحویل قبلہ کا علم نہیں ہوا تھا۔ اس لئے وہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے۔ اور رکوع کی حالت میں تھے۔ جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر آئے تھے۔ انھوں نے یہ حالت دیکھ کر کہا۔

اشهد بالله لقد صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم قبل مكة

میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ مکہ کی طرف نماز پڑھی ہے

اس مسجد کے نمازیوں کو جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کا علم ہوا۔

فداروا کماھم قبل البیت (صحیح بخاری کتاب التفسیر صہ ۶۴۴۔ ج ۲۔)

جس حالت میں تھے۔ اسی حالت میں خانہ کعبہ کی طرف پھر گئے۔

اسی طرح جب حرمت شراب کا حکم آیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (مائدہ - ۱۲)

اے ایمان والو! شراب اور جُوا اور چڑھاوے کے بُت اور پانسے گندے کام ہیں، شیطان کے سو ان سے بچتے رہو تا شاید تمہارا بھلا ہو۔

تو بعض صحابہ نے چلا کر کہا۔ خدا وندا! ہم باز آگئے۔ (سیرت النبی صہ ۱۵۱۔ ج ۲۔ بحوالہ ابوداؤد کتاب الاشربہ)

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں ابو عبیدۃ ابن الجراحؓ و ابو طلحہؓ اور ابی ابن کعب کو کھجور کی شراب پلا رہا تھا کہ ایک آنے والے نے کہا۔ کہ شراب حرام ہو گئی۔ یہ سن کر ابو طلحہؓ نے کہا۔ انس اٹھو۔ اور شراب کو گرا دو۔ حضرت انس کہتے ہیں۔ پس میں نے شراب بہادی۔

(صحیح بخاری باب نزول تحریم الخمر)

اندازہ کیجئے۔ کہ صحابہ پر اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی کس قدر عظمت چھائی ہوئی تھی۔ کہ شراب کا دور چل رہا ہے۔ مجلس جمی ہوئی ہے کہ ایک آدمی اتنا کہہ دیتا ہے کہ شراب حرام ہو گئی۔ اسی وقت صراحی و جام توڑ دیے جاتے ہیں۔ بادہ ناب کے خم زمین پر بہا دیے جاتے ہیں اور اس دن مدینہ کا یہ حال ہوتا ہے کہ ہر طرف گلیوں میں شراب کے خم اُلٹے جا رہے تھے اور شراب پانی کی طرح زمین پر بہہ رہی تھی۔ (سیرت النبی صہ ۱۵۷۔ ج ۲۔ بحوالہ البخاری)

اللہ اللہ! امر الٰہی کی کس قدر عظمت تھی کہ علم کے آتے ہی سراپا عمل تھے۔

اوامر الٰہی کی یہی عظمت تھی جس کے ہیبت سے صحابہ کے رنگ اُڑ جایا کرتے تھے۔ حیدر کرارؓ کا نماز کے وقت چہرہ زرد پڑ جاتا تھا اور فرماتے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آگیا جس کا تحمل آسمان اور زمین اور پہاڑ نہ کر سکے اور اس سے ڈر گئے۔ مگر انسان نے اسے اُٹھا لیا۔ اب میں نہیں جانتا کہ میں اس امانت کو اچھی طرح ادا کر سکوں (کہ اوامر الٰہیہ کی امانت

میں اہم ترین امر نماز ہے) (اُسوۂ صحابہ ص ۳۸۶ - ج ۲- بحوالہ کتاب اللمع ص ۱۳۳، نیز کیمیائے سعادت و احیاء العلوم امام غزالیؒ)

علم الٰہی کا جو گنجینہ صحابہ کو اوامر الٰہی کی صورت میں قرآن وحدیث نبویؐ نے دیا تھا اس کی یہی عظمت تھی جس نے انھیں سراپا عمل بنا دیا تھا وہ جانتے تھے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ دنیاوی کامرانی اور اُخروی نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ صحبت نبویؐ کے اثر سے ان کا علم یقین کی اس منزل تک جا پہنچا تھا کہ غائب اُن کے لئے حاضر اور مستقبل حال بن چکا تھا۔ دہانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نبوی علم سے جن حقائق کی پردہ کشائی فرمائی تھی ان پر انکا یقین اس قدر تھا کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن مالک سے پوچھا کیسا حال ہے۔ بولے خدا پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہو تمھارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔ بولے دُنیا سے میرا دل پھر گیا ہے اس لئے رات کو جاگتا ہوں دن کو بھوکا پیاسا رہتا ہوں۔ گویا خدا کا عرش مجھے علانیہ نظر آتا ہے۔ گویا میں اہل جنت کو باہم ملتے جلتے دیکھ رہا ہوں اور گویا اہلِ دوزخ مجھے چیختے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے حقیقت کو پالیا۔ اب اس پر قائم رہو۔ (اُسوۂ صحابہ ص ۴۷- ج ۱- بحوالہ اسد الغابہ تذکرہ حارث ابن مالک)

شاید علم کی یہی حقیقت تھی جس کے متعلق ابن مسعودؓ کا قول ہے۔

الایمان الیقین کلہ (صحیح بخاری ص ۶- ج ۱-

ایمان، یقین کامل کا نام ہے۔

کہ علم جب قلوب میں رسوخ پاتا ہے۔ تو یقین کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ علم و یقین جب قلب و ذہن میں خوب پختہ ہو جاتا ہے تو عین الیقین کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو علم کی غایت قصوی ہے۔

یہ یقین ہی کی کرشمہ سازیاں تھیں کہ دہانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلے ہوئے ہر کلمہ کو صحابہ نے ایک ہونی حقیقت اور اٹل فیصلہ سمجھا۔ اور حضور علیہ السلام کے ہر قول پر سر تسلیم خم کر دیا۔ یہی یقین ہے جس سے ایمان کی تمام شاخیں پھوٹتی ہیں اور خوف و رجاء کی جو کیفیتیں صحابہ پر طاری ہوتی تھیں اسی کا نتیجہ تھیں۔ صدیق اکبرؓ نے ایک دن ایک پرندے کو

درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ فرمانے لگے کہ کاش میں بھی تیری طرح پرندہ ہوتا۔ کہ تو جہاں چاہتا ہے اُڑتا پھرتا ہے درختوں پر بیٹھتا ہے پھل کھاتا ہے اور تجھ پر کوئی حساب نہیں۔

(ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ صاحبؒ)

حضرت عمرؓ بسا اوقات ایک تنکا ہاتھ میں لیتے اور فرماتے کاش میں یہ تنکا ہوتا۔ کبھی فرماتے کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا۔ (کہ میں حساب قیامت سے بچ جاتا۔)

یقین کی یہی کیفیتیں صحابہ کے رگ و پے میں سرایت کرچکی تھیں۔ انھیں یہ یقین کامل تھا کہ جو سزا و جزا کسی عمل کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی ہے۔ وہ مل کر رہے گی۔ اس جذبہ و یقین نے انھیں بے قرار کردیا تھا کہ اوامر پر عمل کریں اور منکرات سے بچیں اور اسی یقین کی وجہ سے ان کے اعمال پر ایمان و احتساب کی روح طاری ہوتی تھی کہ ان اعمال کا رضائے الٰہی کے نتیجہ میں جو اجر و ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو وہ ضرور مل کر رہے گا۔ اس حقیقت نے اعمال خیر پر انھیں حریص اور اعمال شر سے مجتنب کردیا تھا۔ کہ یہ حقیقت ہے کہ انسان کو اگر کسی چیز کا فائدہ معلوم نہ ہو تو وہ اس کی طرف اتنی توجہ نہیں کرے گا جتنا کہ اس کی قدر و قیمت کے معلوم ہونے کے بعد اس کا اس میں انہماک ہوگا۔

یہی ایمان و احتساب کی حقیقت ہے۔ جو تمام ترغیب و فضائل اور ترہیب کی احادیث پر چھائی ہوئی ہے انسان کے اس دنیا میں اس قدر انہماک کا بڑا سبب بھی یہی ہے کہ وہ اس ذلیل دُنیا کی ظاہری زیب و زینت کی وجہ سے اسے قیمتی سمجھتا ہے کہ اس بے وقعت عالم کی وقعت جب ظاہری شوکت کی وجہ سے قلوب پر چھائی ہے تو یہی دنیا مبلغ علم اور غایتِ رغبت بنجاتی ہے لیکن جب اس کے مقابلے میں اُخروی زندگی کی حقیقی قدر و قیمت والی چیزوں کے قیمت ایمانی روشنی سے دلوں پر منکشف ہوتی ہے تو یہ دنیا ذلیل ہو کر رہ جاتی ہے اور انسان اپنی پوری قوتوں کو ان وقیع اور قیمتی چیزوں کے حصول کے لئے خرچ کرنے لگتا ہے جسکا نتیجہ ابدی کامیابی و فلاح ہے۔

امام بیہقیؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَمَن يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ ۝
اللہ جس شخص کو ہدایت دینا چاہتا ہے۔ اس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے۔

اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نور (ایمان) جب قلب میں داخل ہوتا ہے۔ تو وہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کوئی علامت اور نشانی بھی ہے۔ فرمایا۔ (ہاں) اس دھوکے کے گھر (دنیا) سے (دل کی) علیحدگی اور دار الخلود کی طرف توجہ اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری (مشکوٰۃ)

عقبیٰ کی باقی رہنے والی اور قیمتی چیزوں کی بھی قدر و منزلت اور دنیاوی فانی چیزوں کی بے قدری پیدا کرنا نبوی طریقہ تعلیم و ہدایت کا ایک اہم حصہ ہے کہ جب یقین کسی چیز کے فائدہ مند ہونے کا وثوق پیدا کر دے تو اس کے حصول کے لئے توجہ و تڑپ یقیناً زیادہ ہو گی۔ اور اس طرح ذہنی اور نفسیاتی طور پر عمل کی راہیں انسان پر آسان ہو جائیں گی کہ علم کا مقصد ہی عمل ہے۔ اور عمل کے بغیر علم ظلمت و جہل ہے، جس کی حقیقت سراب سے بڑھ کر نہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے، جس کا فائدہ نہو۔ اعوذ بک من علم لا ینفع (ابن ماجۃ صـ ۲۲)

سعدی بشوئے نقش دوئی را ز لوح دل　　علمے کہ رہِ حق نہ نماید جہالت است

صحابہ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم (جو عین علم ہے) کی جب دس آیتیں پڑھ لیتے تھے تو اس وقت تک آگے قدم نہیں بڑھاتے تھے۔ جب تک کہ اس پر عمل پیرا نہ ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت ابی ابن کعب اور عبد اللہ ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم کو دس آیتیں پڑھاتے تھے تو اس وقت تک ہم آگے نہ بڑھتے تھے۔ جب تک ان پر عمل نہ سیکھ لیتے تھے (رسالہ معارف صفحہ ج ۵۲۔ بحوالہ التفسیر قرطبی صـ ۳۲ ج ۲)

ابن عباسؓ کی ایک اور روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی شخص دس آیتیں سیکھ لیتا تھا تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتا تھا جب تک کہ ان کے معنی اور ان پر عمل نہ سیکھ لیتا تھا۔

(معارف ایضاً بحوالہ تفسیر ابن جریر صـ ۲۹ ۔ ج ۱۔)

غرض دین میں مطلوب وہی علم ہے جو ہم پر عمل کی راہیں کشادہ کرسکے کہ کسی چیز کے جاننے کا مطلب صرف جاننا ہی نہیں ہوتا بلکہ کسی بلند مقصد کی جستجو کے لئے کسی چیز کو جانا جاتا ہے اسی طرح علم کی حیثیت ایک نور یا چراغ کی ہے جس سے راستہ کی حقیقت کھل جاتی ہے کہ سیدھا راستہ کونسا ہے اور راہ پُر خطر کونسی ہے، عاقل وہی ہے جو اس نور کی روشنی میں صراط مستقیم پر چلنا شروع کردے۔ جو سیدھی منزل مقصود تک پہونچتی ہے اور اس شخص سے بڑھکر کوئی جاہل نہیں جو آسائش و آرام کے راستہ کو چھوڑ کر جاننے کے بعد ایسی راہ ضلالت پر ہولے جس کا انجام قعر ہلاکت ہے۔ (نعوذ باللہ منہ)

(باقی آیندہ)

# دنیا کی امامت کا راز

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک تقریر کی اخباری رپورٹ جو مولانا موصوف کی نظرثانی کے بعد الفرقان میں شائع کی جا رہی ہے۔ اس رپورٹ کے لئے ہم معاصر "دعوت" دہلی کے شکرگزار ہیں ——— (ادارہ)

"مختلف تاریخی و سیاسی حالات نے ہندوستان کو یہ پوزیشن دے دی ہو کہ اگر وہ چاہے تو ایشیا ہی کا نہیں دنیا کا پیشوا اور لیڈر بن سکتا ہو۔ لیکن افسوس کہ اس کے پاس خود دُنیا کو دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ اگر یہ اپنے گذشتہ اکابر پر فخر کرتا ہے تو دوسرے ملکوں میں بھی ایسے ہی بڑے آدمی گذر چکے ہیں پھر آخر وہ اس کی بڑائی کیوں تسلیم کریں؟ یہ سب بڑے آدمی تاریخ کے اندھیرے میں گم ہو چکے ہیں۔ اگر یہ اپنے سیاسی یا معاشی نظام کا حوالہ دیتا ہے تو آج ساری دُنیا ایسے ہی نظامات اپنائے ہوئے ہو پھر وہ کیوں اس کی امامت قبول کرے؟ ہندوستان کے پاس اس وقت کوئی پیغام نہیں ہو جو وہ دُنیا کو دے سکے۔ اور یہی وہ چیز ہو جو کسی ملک کو دُنیا کا رہبر بنا سکتی ہو۔"

یہ الفاظ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے طلباء کے ایک جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمائے۔ یہ جلسہ ۱۰ر جنوری ۱۹۵۸ء کو "اسلامک یوتھ آرگنائزیشن بھوپال" کے زیر اہتمام سیفیہ کالج بھوپال میں منعقد ہوا جس میں مقامی طلباء کے علاوہ اجتماع تاج المساجد میں باہر سے آئے ہوئے طلباء اور

تعلیم یافتہ حضرات بھی شریک تھے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد تقریر کی ابتدا مولانا نے ایک سبق آموز کہانی سے کی کہ ایک کشتی میں چند طالب علم دریا کو عبور کر رہے تھے۔ ایک نے ملاح سے دریافت کیا کہ کیا تم نے سائنس پڑھی ہے ملاح نے کہا نہیں۔ دوسرے نے پوچھا تم نے جغرافیہ پڑھا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ تیسرے نے سوال کیا تم نے جیومیٹری پڑھی ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ غرض یہ کہ اس ملاح سے بہت سے علوم کے بارے میں دریافت کیا گیا اور اس غریب کو ہر سوال کے جواب میں کہنا پڑا کہ میں یہ کچھ نہیں جانتا طالب علموں نے اس سے کہا کہ تم نے اپنی آدھی عمر برباد کر دی، اتفاق سے کچھ دیر کے بعد دریا میں طوفان کے آثار نظر آئے۔ ملاح نے ان نوجوانوں سے دریافت کیا کہ کشتی طوفان میں آیا چاہتی ہے آپ لوگ پیرنا جانتے ہیں؟ ان میں سے ہر ایک نے کہا کہ ہم نے پیرنا تو نہیں سیکھا اس وقت ملاح نے کہا۔ آپ لوگوں نے تو اپنی ساری عمر ڈبو دی۔

مولانا نے فرمایا کہ یہ ایک کہانی ہے جسے آپ نے بھی پڑھا ہوگا، لیکن یہ کہانی موجودہ دنیا کی صورت حال پر پوری طرح منطبق ہو رہی ہے۔ اس دنیا کو ایک کشتی فرض کر لیا جائے تو آپ کو نظر آئے گا کہ اس کے مسافروں میں تمام علوم و فنون کے ماہرین تو ہیں لیکن پیرنے اور کشتی کو پار لگانے والا کوئی نہیں۔ اس کہانی کی کشتی میں کم از کم ایک ملاح تو تھا جو پیرنا بھی جانتا تھا۔ اور کشتی کو طوفانی موجوں سے بچانے کے فن سے بھی واقف تھا۔ لیکن اس دنیا کی کشتی میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں۔ اور کشتی کو جس طغیانی سے سابقہ پڑا ہے اس کی موجیں ایسی بے رحم اور ایسی حقیقت پسند ہیں کہ نہ وہ شعر و ادب کا لحاظ کرتی ہیں۔ نہ فلسفہ و سائنس کا اُن پر حکم چلتا ہے، نہ اپیل نہ داد نہ فریاد۔

انبیاء علیہم السلام کا کام یہی ہے۔ اللہ کے پیغمبر علوم و فنون کے ماہر نہیں ہوتے۔ نہ انھیں اس کا دعویٰ ہوتا۔ خصوصاً سب سے بڑے اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو امی پیدا کیا گیا تاکہ لوگوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ وہ اپنے علم کے زور سے یہ باتیں کر رہے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام علم کے مخالف بھی نہیں ہوتے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ تمھارے یہ علوم و فنون تمھیں مبارک ہوں انھیں ضرور حاصل کرو، اور ان سے فائدہ بھی اٹھاؤ، لیکن یہ یاد رکھو کہ یہ علوم تم کو نجات نہیں دلا سکتے۔ نجات کا علم تم کو ہم سے سیکھنا ہوگا۔ جہاں ایک طرف وہ علوم کے بارے میں کوئی دعوےٰ نہیں کرتے وہیں دوسری

جانب علم نجات کے بارے میں کوئی انکسار نہیں کرتے اور صاف کہتے ہیں کہ یہ نجات کا علم تم کو ہم سے اور صرف ہم سے مل سکتا ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ مسلمان انبیاء کے جانشین —— نبی آخر الزماں صلعم ہی کے نہیں انبیاء کے جانشین —— ہونے کی حیثیت سے اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ دنیا کو نجات کا علم اور اپنے نفس پر کنٹرول کرنے کا فن سکھائیں دنیا میں اس وقت علم کی کمی نہیں ہے۔ آج انسان نے کائنات کی بہت سی چھپی ہوئی حقیقتیں جان لی ہیں۔ اس نے سیاروں کے فاصلے ناپ لئے ہیں۔ اس نے روشنی اور آواز کی رفتار معلوم کرلی ہے۔ اس نے فضاؤں کے خلار دریافت کر لئے ہیں لیکن نجات کا علم اسے حاصل نہیں ہے۔ میں علم کی قدر دانی میں کسی سے پیچھے نہیں ہوں اور علم کی اس اہمیت سے بھی انکار نہیں کرتا جو اسے حاصل ہے لیکن اس حقیقت کو کیسے جھٹلایا جاسکتا ہے کہ ان علوم میں سے کوئی ایک بھی انسان کو انسانیت نہیں سکھاتا نہ اسے نفس پر قابو رکھنے کی طاقت عطا کرتا، خود یورپ سے یہ آواز اٹھنے لگی ہے کہ موجودہ علوم نے انسان کو مادی ترقی چاہے بخشی ہو لیکن اخلاق کی اور اطمینان کی دولت اسے نہیں دی۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ علم پر کسی ایک قوم کا اجارہ نہیں ہے۔ علم تو اسی کا ہے جو اسے حاصل کرے، میں کسی تعصب میں مبتلا نہیں ہوں، علم کا دھارا ہمیشہ ادھر سے ادھر بہتا رہا ہے۔ ہندوستان نے ریاضی سکھائی، یونان نے منطق و فلسفہ کا سبق دیا، یورپ آج تک یونان کے علوم سے استفادہ کر رہا ہے۔ لیکن جو علم انسان کو نجات کا راستہ دکھاتا ہے وہ انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ یہ علم انبیاء کے سوا اور کہیں سے نہیں مل سکتا۔

مولانا نے متعدد مثالوں سے اس بات کو واضح کیا کہ علمی ترقی اور اخلاقی تنزل ساتھ ساتھ ہوا ہے۔ شراب کا مضر ہونا علمی طور پر جتنا آج انسان جانتا ہے اس سے پہلے نہیں جانتا تھا لیکن آج پہلے سے زیادہ وہ اس کا رسیا ہے۔ آج کا یہ حال ہو کہ جھوٹ اور خیانت کے انفرادی و اجتماعی نقصانات پر ایک شخص لیکچر دے دیگا لیکن خود اس سے بچ نہیں سکے گا۔ جرائم کیوں ہوتے ہیں اس کے محرکات کیا کیا ہیں ان کی تحقیق ہو رہی ہے اور یہ ایک مستقل فن بن گیا ہے لیکن اسی فن کے ماہر جو حکومتوں کو رپورٹیں دیتے ہیں اور انسداد جرائم کی تدابیر بتاتے ہیں خود چوری جیسا ذلیل جرم کرتے پکڑے گئے۔

ان چیزوں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کے بداخلاق ہونے کی وجہ لاعلمی و جہالت نہیں ہے۔ وہ جانتا تو سب کچھ ہے لیکن اپنی ہی جانی ہوئی چیز پر عمل نہیں کر سکتا۔ انسان کو یہ طاقت صرف ہدایت الٰہی یعنی انبیاء علیہم السلام کا بخشا ہوا علم ہی عطا کر سکتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آج انسان کا اُلجھا ہوا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ علم نہیں ہے یا ذرائع و وسائل کی کمی ہے۔ علم تو موجود ہے۔ ذرائع و وسائل کی بھی کمی نہیں۔ کمی جس چیز کی ہے وہ یہ ہے کہ اسکے پاس وہ نور ہدایت نہیں ہے جس کی روشنی میں وہ علم کو استعمال کر سکے۔ ذرائع و وسائل کو صحیح طور پر کام میں لا سکے۔ اور خود کو پہچان کر خیر اور نیکی پر جم سکے۔

سائنس آپ کو ذریعہ فراہم کر کے دے سکتی ہے لیکن ارادہ کی طاقت نہیں دے سکتی۔ یہ چیز اس کے حدودِ عمل سے خارج ہے۔ اس کو اس کا دعویٰ بھی نہیں۔ آپ حج کا ارادہ کریں تو سائنس اچھا اعلیٰ سے اعلیٰ جہاز مہیا کر دے گی۔ حج کا ارادہ آپ کے دل میں پیدا نہیں کر سکتی۔ یہاں سے تین ہزار میل پر اگر کوئی ظلم ہو رہا ہے اور بحیثیت قوم کے آپ اس کو دفع کرنا چاہتے ہیں تو سائنس آپ کی یہ مدد کرے گی کہ تین ماہ کے بجائے آپ کو ایک دن میں وہاں پہنچا دے۔ لیکن یہ بات کہ اس ظلم کو روکنے کا جذبہ آپ کے دل میں پیدا کرے یہ سائنس کے اختیار کی چیز نہیں، آج کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ انسان سائنس پر سوار نہیں رہا ہے۔ سائنس انسان پر سوار ہو گئی ہے۔

نوجوان عزیزو! تم ہندوستان کے ایک وسیع خاندان کے رکن ہو۔ یہاں رہنے والی قوموں میں سے ایک قوم ہو۔ مختلف سیاسی و تاریخی حالات نے ہندوستان کو یہ پوزیشن دے دی ہے کہ اگر وہ چاہے تو ایشیا ہی کا نہیں بلکہ ساری دُنیا کا پیشوا اور لیڈر بن سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ اس کے پاس دینے کے لئے کوئی پیغام نہیں ہے۔

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ تم موجودہ علوم میں خواہ کتنی ہی ترقی کر جاؤ یورپ اور امریکہ سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ علمی ترقی کر کے تم اچھی ملازمت حاصل کر سکتے ہو، کاروبار میں ترقی کر سکتے ہو لیکن ہندوستان کو اس چیز کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ اسکو اس چیز کی ضرورت ہے جو دنیا میں اور کہیں نہیں ہے اور جسے اپنا کر وہ دنیا کا رہنما بن سکتا ہے۔ یہ چیز اپنے ملک کو تم دے سکتے ہو۔ ایک قوم کی حیثیت سے تم کو کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں ہے جیسی دوسری قومیں ہیں ویسی ایک قوم تم ہو، تم لے

(باقی صفحہ ۴۴ پر)

# جادۂ حبیب

## ایک دعوتی سفر کے تاثرات و کوائف

(مولانا محمد اشرف خاں صاحب ایم اے لیکچرار اسلامیہ کالج پشاور)

آئندہ سطور میں ایک سفر کے کچھ تاثرات و کوائف پیش کئے جا رہے ہیں۔ آج کل دنیا میں کون ہے جسے سفر نہ پیش آتا ہو، لیکن بعض سفر اپنی خصوصیات کی بنا پر امتیاز رکھتے ہیں یہ سفر بھی گو ظاہراً ایک عام سفر تھا جو پشاور سے کراچی اور کراچی سے بصرہ و بغداد ہوتے ہوئے استنبول اور استنبول سے یونان کے راستے یوگوسلاویہ اور وی انا (آسٹریا) کے کچھ دن کے قیام کے بعد مغربی جرمنی میں تمام ہوا اور واپسی میں بیت المقدس شام و ایران کی سرزمین بھی راستے میں آئی ـــــ لیکن ہیچمرز کے لئے یہ تمام سفر اللہ تعالیٰ کی ایک رحمتِ خاصہ تھی کہ مجھ جیسے نااہل و بیکار، بیمار و ناتواں شخص کو اپنے دین کی تبلیغ و دعوت کے لئے ان دور دراز مقامات پر لے گیا، جس کا کسی طرح اپنے کو اہل نہ پاتا تھا فللہ الحمد والمنۃ،

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل		نسیمِ صبح تیری مہربانی

اللہ تعالیٰ کے راستہ کے حقوق کی ادائگی مجھ جیسے ناکارہ سے کیا ہو سکتی تھی، بہرحال اس کا شکر ہے کہ اس راستے میں چند قدم اٹھوا دئے جسے اس نے اپنا راستہ پکارا ہے۔ ہر چیز اپنی نسبت کی بنا پر وقیع ہوتی ہے۔ یہ راستہ بھی اپنی الٰہی نسبت کی بنا پر جملہ راستوں سے ممتاز و بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بغیر کسی استحقاق کے اپنے عالی راستہ میں نکلنے کی توفیق دی اسکی برکات سے بھی مالا مال فرمائے اور عالم کی ہدایت اور ہماری نجات کا ذریعہ بنائے۔

یہ سطور کبھی تو عرشۂ جہاز پر، کبھی ہوٹل کے کمرے میں، کبھی ریل میں، کبھی بس میں، گاہے رات کے سناٹے میں اور کبھی دن کی گہما گہمی میں قلم برداشتہ لکھی گئی ہیں، جن پر نظر ثانی کا بھی صحیح موقع نصیب نہیں ہوا۔ بہر حال اس اونچے سفر کے کچھ تاثرات اور کچھ احوال ہیں۔ جو ہدیۂ ناظرین ہیں۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم

---

# کراچی تا بصرہ

۳۱ر جولائی ۱۹۵۷ء۔

محرم الحرام ۱۳۷۷ھ کی چار تاریخ ہے۔ بدھ کا دن اور دوپہر کے تین بجے کا وقت ہے کہ یہ ناکارہ اپنے تین عزیز رفقاء ضیاء الاسلام صاحب (امیر جماعت) مولانا طاہر شاہ صاحب اور انور صاحب کے ساتھ اپنی عمر میں پہلی مرتبہ بحری جہاز پر قدم رکھتا ہے۔ باقی رفقاء حج و تبلیغ کے سلسلے میں پہلے بھی بحری سفر کر چکے ہیں۔ میں ہی نو وارد ہوں، ضیاء الاسلام صاحب جو ڈھاکہ میں سپرانٹنڈنگ انجینیر (اریگیشن) ہیں۔ چاٹگانگ سے جدہ کا سفر کر چکے ہیں۔ اسی طرح مولانا طاہر شاہ صاحب حج و تبلیغ کے سلسلے میں دو مرتبہ عرب و پاکستان آ جا چکے ہیں۔ محمد انور صاحب (پارٹنر زینت ٹکسٹائل مل لائلپور) ایک مرتبہ حج کے سفر پر جا چکے ہیں اور ایک مرتبہ دینی دعوت کے سلسلے میں ملایا اور سنگاپور جا چکے ہیں۔

جہاز کا نام "دوارکا" ہے اور B. I. کمپنی کا کافی کشادہ جہاز ہے۔ ہم سب رفقاء نے عرشے کے ٹکٹ بصرہ تک کے لئے خریدے ہیں۔ -/۷۶/ر فی ٹکٹ صرف ہوا ہے۔ رفقاء کا خیال خورد و نوش کا انتظام جہاز میں خود ہی کرنے کا ہے۔ اس لئے اشیاء ضروری خرید لی تھیں۔ وجہ یہ ہے کہ جہاز کا عملہ غیر مسلم ہے۔ جس اونچے راستہ پر نکلے ہیں۔ اس کا اصل توشہ تقویٰ ہے۔ احتیاط و تقویٰ کی راہ اسی میں نظر آتی ہے کہ اکل و شرب میں بھی محتاط رہا جائے۔ ——— کھانے کا انتظام محمد انور صاحب کے سپرد کیا گیا۔

جہاز پر اکثر مسافر غیر مسلم ہیں۔ پہلا کام جہاز پر سوار ہونے کے بعد جگہ کا انتخاب تھا۔ ہمیں ایسی

جگہ چاہیئے، جہاں نماز باجماعت کا اہتمام، مسافر عورتوں سے بچاؤ، تعلیم کا نظم اور دعوت کا کام ہو سکے۔ بحمد اللہ تعالے دو تین جگہ بدلنے کے بعد قابل اطمینان تو نہیں تاہم گذارے کی جگہ مل گئی۔ مشورہ ہوا۔ امیر جماعت اور راقم کو ذکر کے لئے کہا گیا اور باقی دو ساتھی تعارف کے لئے خصوصی گشت پر روانہ ہوئے تاکہ معلوم ہو سکے کہ جہاز میں کن کن حضرات میں کام کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ فی الحال اپنے مسلمان بھائیوں کو ہی دین کی اس ذمہ داری کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے۔ اس لئے انھیں کی تلاش اور آنا پتا مقدم ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ ہر مسلمان اُمت مسلمہ کی بعثت کے مقصد کو سمجھتا اور اپنی ذمہ داری کا احساس رکھتا تھا، لیکن وہ بساط اُلٹ گئی۔ زندگی کا وہ سانچہ ٹوٹ گیا جو اُمت پوری انسانیت کے لئے داعی کی حیثیت سے مبعوث بنا کر بھیجی گئی تھی، آج خود مدعو بن چکی ہے۔ داعی تھی تو غالب تھی، دعوت میں قوت ہے۔ جس قوم کے پاس دعوت ہوگی۔ وہ دوسری قوموں کے افکار و اعمال سے متاثر نہیں ہوگی۔ بلکہ انھیں متاثر کرے گی۔ اُمت کا پہلا طبقہ دعوت الی اللہ کے جذبہ سے سرشار عرب کے ریگستان سے نکلا تھا۔ اپنی جہد و مشقت اور دعوت کے شغف کی برکت سے جہاں پہونچا خداوند قدوس کے دین اور الٰہی رنگ میں ملکوں اور قوموں کو رنگ دیا، چین کی دیوار سے اٹلانٹک کے ساحل تک اور سندھ سے لیکر فرانس کی سرحد تک دنیا اسلامی معاشرت، عدل و مساوات، عبدیت و طاعت گذاری کی جنت میں تبدیل ہوگئی۔

کاش! اُمت کا یہ طبقہ بھی اسلاف کے نمونہ کو اپنا سکے اور غیر دینی اور حق سبحانہ و تعالےٰ سے غافل کر دینے والے نظامات کو اپنانے کے بجائے اسلام کی سیاست عادلہ اور اقتصاد و عمران، معاشرت و معیشت اخلاق و اعمال، تعلق مع اللہ اور اوامر الٰہی کی پابندی والی زندگی گذارنے والا بن جائے اور دوسروں کا نقال بننے کے بجائے قوموں کی امامت خلافت الٰہی اور نیابت نبوت کے عالی مقام پر پھر سے فائز ہو سکے۔

عصر کی نماز سے بیشتر سمندر کو دیکھنے کے لئے اوپر والی منزل پر گئے۔ سمندر کو دیکھے بغیر اس کی وسعتوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ اور اس کی موجوں کا اُتار چڑھاؤ کیسے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ عصر کے بعد اپنی جگہ پر آئے۔ سمندر کا تموج انتہائی شدید تھا۔ مجھے اور بھائی انور صاحب

کو متلی اور قے شروع ہو گئی۔ بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ مغرب کے بعد میں تو بالکل نڈھال تھا، رات کو کھانا نہ کھا سکے۔ عشاء بیٹھ کر میں نے اور انور صاحب نے پڑھی تاہم بحمداللہ تعالیٰ جماعت کی شرکت نصیب ہو گئی۔

---

یکم اگست ۱۹۵۷ء مطابق ۵ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

پھر متلی انتہائی شدت اختیار کر گئی، چائے پی، قے ہو گئی اور حیرت یہ بھی کہ اس کے بعد مجھے خون کی قے ہوئی۔ جس سے ضعف بڑھ گیا۔ خدا کا شکر ہے کسی طرح کوئی قطرہ خون تو اس کے راستہ میں گرا، رحمت بہانہ جاہتی ہے۔ اخلاص کا خواستگار ہوں، ممکن ہے یہی اس نابکار کی نجات کی صورت ہو جائے، تمام دن لیٹا رہا، کھانا کھایا وہ بھی قے ہو گیا۔ سینہ میں درد تھا۔ بہرحال جس کے راستے میں نکلے ہیں سب اسی کی طرف سے پیش آ رہا ہے۔ عافیت کا طلبگار ہوں، رات میں اور بھائی انور اسی طرح نڈھال لیٹے رہے۔ فقط نماز بیٹھ کر پڑھ لیتے تھے، باقی دونوں رفقاء باوجود اپنی بزرگی کے ہماری خدمت میں انتہائی شفقت سے مشغول تھے۔ امیر صاحب اور مولانا صاحب نے گشت بھی کیا، تعلیم بھی کی معلوم ہوا کچھ پنجابی مسلمان تاجر ہیں۔ تعلیم میں شامل ہوئے۔ نماز میں شرکت کی۔ اس طرح جہاز میں کام کی ابتدا ہو گئی ہم لیٹے ہوئے اپنے جواں ہمت رفقاء کے لئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ دل و دماغ میں خیالات کا ایک تلاطم تھا۔۔۔

آج گوادر کی بندرگاہ آئی، جہاز نے ½ ۱۲ بجے لنگر ڈالا، ۵ بجے تک کھڑا رہا۔ لیکن اٹھکر دیکھنے کی ہمت کہاں تھی، گوادر پاکستانی علاقے (بلوچستان) میں برطانیہ کے زیر اثر مسقط کی بندرگاہ ہے یہاں اپنا ایک پرانا رفیق سفر جس کے ساتھ قلات کے تبلیغی سفر میں شرکت کا شرف حاصل رہا) غربت کی نیند سو رہا ہے۔ حج کی پہلی پیدل جماعت جو حضرت الشیخ سید الملۃ (مولانا سید سلیمان ندوی) قدس سرہ کی دعاؤں کے ساتھ کراچی سے رخصت ہوئی تھی اس میں یہ رفیق عبدالغفور میواتی بھی شریک تھا۔ اللہ کے دین کے لئے پیدل سفر کی صعوبتیں جھیلتے ہوئے (اللہ کے راستہ میں اسہال و ضعف کے عارضہ سے) اس نے جان

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

# خبر و نظر

## "نامذہبی جمہوریت" کی عملی تفسیر

"لکھنؤ ۲۵ جنوری۔ سنگ مرمر کی بنی ہوئی ۲۲ فٹ بلند اشوک لاٹ کا افتتاح آج سہ پہر کو قیصر باغ چوراہے پر گورنر شری وی، وی گری نے وید مقدس کے منتروں کی تلاوت کے درمیان کیا۔

گورنر نے اپنی تقریر میں کہا کہ "جس جگہ یہ لاٹ نصب کی گئی ہے وہ ایک مقدس زمین ہے جہاں ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے موقع پر سینکڑوں ہندوستانیوں نے غیر ملکیوں سے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے جوانمردی سے جانیں قربان کیں۔"

(قومی آواز ۲۶ جنوری ۱۹۵۸ء)

اور یہ جانیں قربان کرنے والے غالباً سب وہی رہے ہوں گے جو چاہتے ہوں گے کہ ان کے مشہد مقدس پر "وید مقدس" کی تلاوت کی جائے؟ ——— کیا خوب، یہ ہمارے یہاں کی "نامذہبی جمہوریت" ہے کہ زندوں میں اکثریت کا اشارۂ چشم دیکھتی ہے تو "شہیدوں" میں اقلیت کا لحاظ کرتی ہے۔

بیشک "متحدہ قومیت" بنانے کا یہی طریقہ ہے کہ اقلیت کے بچوں کو اکثریت کا مذہب پڑھایا جائے اور اقلیت کے شہیدوں کو وید کے منتروں سے ثواب پہونچایا جائے۔ غلط تھا وہ خیال کہ متحدہ قومیت کے مفہوم میں اتحاد مذہب داخل نہیں بلکہ اس کا مبنیٰ صرف وطنیت کا اشتراک ہے۔

خبر میں یہ بھی درج ہے کہ گورنر صاحب کو سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ ۔ ۔ اور

"سپاس نامے کا جواب دیتے ہوئے گورنر نے کہا ہندوستان میں جمہوریت اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب ہر فرد اپنے فرائض منصبی کو پوری طرح محسوس کرے اور سخت سے سخت محنت کرے"

جی نہیں! ہندوستان میں جمہوریت صرف اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب اقلیت (خصوصاً مسلم اقلیت) کو بالکل نظرانداز کیا جائے اور اسکے معاملہ میں گورنر جیسا ذمہ دار فرد تک اپنے اُن فرائض منصبی کو بالکل نہ محسوس کرے جو دستور کے محافظ کی حیثیت سے اس پر عائد ہوتے ہیں! ——— بس یہی ایک شرط ہے یہاں جمہوریت کے کامیاب ہونے کی۔ باقی کچھ اور ہو نہو، کوئی مضائقہ نہیں!!

سنا تھا کہ جمہوریت کی کامیابی کی اولین شرط یہ ہے کہ اقلیتوں کے ساتھ حقوق شناسی بلکہ فیاضی کا سلوک کیا جائے۔ مگر ہمارے قابل گورنر نے اپنے عمل سے بنایا کہ نہیں! جمہوریت کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ نہ صرف سال کے ۳۶۴ دن ان کو نظرانداز کیے رہنا چاہیے بلکہ ۶۵ دیں دن بھی (جب کہ قیام جمہوریت کی خوشی منائی جائے) اُن کے حقوق بلکہ اُنکے وجود تک پر نظر نہ ڈالی جائے!۔

---

**..... تھیلے سے باہر**

"لکھنؤ، ۲۷ جنوری۔ وزیر اعلیٰ سمپورنانند نے کل یہاں مستقل ترقیاتی نمائش کا افتتاح کرتے ہوئے عوام سے اپیل کی کہ وہ یوم جمہوریہ کو اپنی زندگی کا ایک حصہ بنالیں۔ اس دن کو اسی جوش وخروش کے ساتھ منائیں جس طرح وہ ہولی، دیوالی یا دیگر قدیم تہوار مناتے رہیں۔ ——— انھوں نے کہا کہ ہندوستان کی تاریخ میں یوم جمہوریہ سے زیادہ اہم کوئی دن نہیں ہے۔ کیوں کہ آٹھ سو برس بعد اختیار حکومت کسی فرد یا چند افراد کو حاصل نہیں ہوا بلکہ پوری قوم کو حاصل ہوا ہے"

(قومی آواز ۲۸ جنوری ۵۸ء)

یوم جمہوریہ کو ہولی، دیوالی کی طرح منانے کی اپیل وزیر اعلیٰ سمپورنانند نے گذشتہ سال

بھی کی تھی۔ مگر یہ آٹھ سو برس بعد والی بات اس وقت نہیں فرمائی تھی۔ کاش یہ بات بھی انھوں نے پچھلے ہی سال فرمادی ہوتی، تو لوگوں کو اس شکایت کا موقع نہ ملتا کہ یوم جمہوریہ تو ایک وطنی تقریب ہے جس کا تعلق ہندوستان کی ہر قوم کے افراد سے ہے۔ پھر ایک ایسی تقریب کو وزیر اعلیٰ ہولی، دیوالی کا رنگ کیوں دینا چاہتے ہیں جسے صرف ایک قوم ہی پسند کرسکتی ہو!

اب اس اضافہ سے بات صاف ہوگئی کہ یوپی کے وزیر اعلیٰ کے نزدیک "یوم جمہوریہ" جس دن کی یادگار ہے اس دن حکومت کا اختیار صرف اسی قوم کے ہاتھ میں آیا ہے جو ہولی دیوالی مناتی ہے ——— پس درحقیقت یہ اسی کی خوشی کا دن ہے۔ اور پھر کوئی مضائقہ نہیں کہ اس تقریب کا رنگ بھی' ہولی دیوالی کی تقریبات کی طرح رہے ———
کیونکہ اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ آٹھ سو برس میں اختیار حکومت "پوری قوم" تو کیا اس کے "چند افراد" بلکہ "کسی ایک فرد" کو بھی حاصل نہیں رہا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات تمام ہندوستانیوں کے بارے میں تو صحیح ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ ایسی مدت تو صرف ڈیڑھ سو برس کی ہے جس میں حکومت بالکلیہ غیر ہندوستانیوں کے ہاتھ میں رہی۔ اور اس سے پہلے (آٹھ سو برس میں سے بقیہ مدت) حکومت کا اختیار' اُسی طرح بعض مسلمان ہندوستانیوں کے ہاتھ میں رہا جس طرح آٹھ سو برس سے پیشتر والے زمانہ میں مدتوں ہندو قوم کے' چند افراد کے ہاتھ میں رہا تھا۔ پس نتیجہ، لامحالہ یہ نکلتا ہے کہ وزیر اعلیٰ کے بیان میں "پوری قوم" سے صرف وہی قوم مراد ہے جس کے چند افراد کو آٹھ سو برس پیشتر والے زمانہ میں اقتدار حکومت حاصل تھا ——— لہٰذا اپنے اس خیال کے مطابق وہ اپنی اپیل میں بالکل حق بجانب ہیں!! اور اب کسی کو اس اپیل پر تعجب نہ کرنا چاہیئے!۔

البتہ اُس دستور کی کس مپرسی کا ماتم ضرور کرنا چاہیئے جو بتاتا ہے کہ ہندوستان کی حکومت کے اختیار میں یہاں کے تمام ہی شہری برابر کے شریک ہیں۔ اور عین جس کی سالگرہ پر یہ بیانات دیئے جاتے ہیں!

**ایک بھولا ہوا سبق!**

نئی دہلی۔ ۷ر فروری۔ جمہوریہ ویٹ نام کے صدر ڈاکٹر ہوچی منہ نے آج ایک سنہری اور مرصع

کرسی پر جو اُن کے لئے تاریخی لال قلعہ کے دیوان خاص میں رکھی گئی تھی بیٹھنے سے انکار کر دیا۔

ڈاکٹر ہوچی منہ ایک شہری استقبالیہ میں شرکت کرنے کے لیے جو اُن کے اعزاز میں مقامی باشندوں کی طرف سے دیا گیا تھا، آئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں عام لوگوں سے الگ رہنا پسند نہیں کرتا۔ لوگوں کے اصرار حتیٰ کہ خود پنڈت نہرو کے کہنے پر بھی ڈاکٹر ہوچی منہ نے اس کرسی پر بیٹھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ان کے لئے بھی معمولی کرسی منگائی جائے جس پر وہ بیٹھیں گے ........

اس شاہی کرسی کو ہٹا کر اسکی جگہ معمولی کرسی رکھے جانے میں جو وقفہ صرف ہوا اس دوران میں ڈاکٹر ہوچی منہ کھڑے رہے، اور مجمع اس بات پر جوش وخروش سے تالیاں بجانے لگا۔

ڈاکٹر ہوچی منہ اُس قالین پر بھی نہیں چلے جو اُن کے لیے لال قلعے کے پھاٹک سے دیوان خاص تک بچھایا گیا تھا۔ بلکہ انھوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔" (قومی آواز، ۷ فروری ۵۸ء)

کیا اس زمانہ میں بھی اس ٹائپ کے صدر جمہوریہ ہو سکتے ہیں؟ ہمیں تو اپنے یہاں کے "عوامی" لیڈروں کا حال دیکھ کر اس کا یقین نہیں آتا! ——— لیکن اگر خبر سچ ہے تو پتہ نہیں اسے سن کر، کیا گزری ہوگی ہمارے صدر جمہوریہ پر جو اپنی سابقہ "عوامی زندگی" کے باوجود، اب شاید ایک قدم بھی بلا شاہی تزک واحتشام کے چل نہیں پاتے۔ ری پبلک ڈے پر سواری نکلتی ہے تو بالکل شاہی انداز کی، اور پارلیمنٹ میں خطبہ پڑھنے جاتے ہیں تو بالکل شاہوں کے انداز سے! ——— اور صدر جمہوریہ تو خیر صدر جمہوریہ ہیں، اب تو خیر سے صدر کانگریس کا جلوس بھی ساٹھ ستر ہاتھیوں کے ساتھ نکلتا ہے، اور شان وشوکت کے پورے لوازم کے ساتھ وہ جنتا کو سالانہ درشن دیتے ہیں۔ ان پر بھی نہ معلوم اس خبر سے کیا گزری ہوگی؟

خیال ہوتا ہے کہ کہیں صدر جمہوریہ ویٹ نام نے ہماری "عوامیت" پر یہ ایک بھرپور طنز تو نہیں کیا ہے؟

اچھا چھوڑیئے ان باتوں کو ——— ہو سکتا ہے ہمارے صدر جمہوریہ اور صدر کانگریس بھی ان باتوں کو پسند نہ کرتے ہوں اور دوسروں کے کہنے کے مطابق صرف ملکی اور جماعتی شان کے رکھ رکھاؤ کی خاطر یہ مجاہدہ کرتے ہوں ——— کام کی بات جو خبر میں ہے اس پر توجہ دیجئے۔

خبر میں ہے کہ:۔

"مجمع اس بات پر جوش و خروش سے تالیاں بجانے لگا"

اقتدارِ حکومت سے سرفراز ہوتے ہوئے زندگی کی عوامی سطح پر برقرار رہنے کا یہ ایک ادنیٰ سا مظاہرہ تھا جس نے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگوں پر کیا اثر ڈالا! اور شاید انھیں باتوں کو دیکھ کر پنڈت جواہر لال نہرو نے ڈاکٹر ہوچی منہ کے بارے میں کہا کہ "اُن سے ملکر کوئی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا"۔ پس سوچئے کہ اگر یہ رنگ کسی سربراہ مملکت کی پوری زندگی کا ہو تو وہ خود اپنے عوام کی نظر میں کتنا محبوب ہوگا اور غیر ملکوں کے عوام کے لئے اسکے اندر کتنی جاذبیت ہوگی اور اُسکے فلسفۂ زندگی کی طرف، دل کیونکر بے اختیار نہ کھچیں گے؟

یہی راز تھا جس نے عرب کے بے ساز و سامان صحرا نشینوں کو بڑے بڑے طاقتور بادشاہوں پر بھاری کر دیا تھا۔

ایک بیرونی سلطنت کا سفیر خلافت فاروقیؓ کے زمانہ میں مدینے آیا تو وہ یہ دیکھ کر، دیکھتا ہی رہ گیا کہ خلیفۂ وقت اور ان کے پاس بیٹھے ہوئے دوسرے لوگوں کے درمیان کوئی ایسی امتیازی علامت نہیں جس سے، بغیر پوچھے ہوئے یہ جانا جا سکے کہ خلیفہ کون ہے!

بیت المقدس کے محاصرہ کے موقع پر جب فاروق اعظمؓ اس انوکھی شان سے شہر میں داخل ہوئے کہ سواری پر غلام ہے خود اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے پیدل چل رہے ہیں اور لباس میں پیوند لگے ہوئے ہیں تو قلعہ بند عیسائیوں سے اسکے سوا کچھ کرتے نہ بنی کہ کنجیاں

قدموں میں ڈال دیں!۔

اور پھر انھیں کے جانشینوں میں جب سلطنت کی خو بو آگئی اور طبیعت کو "شاہی" کے انداز بھانے لگے تو سارے جلال وجبروت اور شکوہ وطمطراق کے لوازم کے باوجود باجگذار علاقوں پر وہ اثر نہ رہا جو اُس شان "فقیری" میں تھا۔ اور یہاں تک ہونے لگا کہ باجگذاروں نے کہدیا کہ ہم تو اپنے کو باجگذاری پر اُن لوگوں کے سامنے مجبور پاتے تھے جو پھٹے کپڑوں اور پچکے ہوئے پیٹوں کے ساتھ ہمارے یہاں آتے تھے، تمہارے بھڑکیلے لباس اور امیرانہ تن و توش میں ہمارے لئے کوئی رعب کی بات نہیں ——— حتیٰ کہ ہوتے ہوتے صرف ٹھاٹھ باٹھ رہ گئے اور سلطنت غائب ہی ہو گئی۔

کاش آج کے مسلمان حکمراں (شخصی ہوں یا جمہوری) ایک غیر مسلم ہی کے قول سے اپنا یہ بھولا ہوا سبق یاد کریں! ——— خدا گواہ ہے! گزرا ہوا زمانہ اُلٹے پاؤں لوٹ کر آجائے گا۔

---

(بقیہ مضمون صفحہ ۳۴ پر)

اگر محض علم میں ترقی کرلی تو کوئی خاص بات نہیں ہے دوسرے بھی کر رہے ہیں، تمہاری اصل قدر و قیمت اسی وقت ہے جب کہ تم خود اپنی قدر پہچانو۔ اور دنیا کو وہ پیغام دو جس کی وہ ضرورت مند ہے اور جو صرف تمہارے پاس ہے کسی اور کے پاس نہیں، تم اگر خود کو پہچان لو تو تم بہت بڑی چیز ہو۔ تم دنیا کی وہ خدمت کر سکتے ہو جس سے دوسرے محروم ہیں۔ تم دنیا کی اسٹیج کے ایکٹر نہیں ہو۔ تم دنیا کی تعمیر کے فیکٹر ہو۔

---

(بقیہ مضمون صفحہ ۳۶)

جان آفریں کے سپرد کی تھی۔ اس زمانہ میں بھی کچھ لوگ اللہ کی رضا کے عالی مقصد کیلئے جانیں قربان کرنے والے موجود ہیں۔

سر خاکِ شہیدے برگ ہائے لالہ مے پاشم
کہ خونش با نہالِ ملت ما سازگار آمد

(باقی)

# تعارف و تبصرہ

## اسلام کا سیاسی نظام

از مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ شائع کردہ۔ دار المصنفین اعظم گڈھ صفحات ۳۱۱۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ بہتر۔ قیمت درج نہیں ہے۔

مرحوم مسلم لیگ نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کا نعرہ بلند کیا تو اسلامی حکومت کے دستور اساسی کی ضرورت محسوس کر کے چند علماء کی ایک کمیٹی قائم کی تھی جو اس ضرورت کو پورا کر سکے۔ کمیٹی کے کنوینر علامہ سید سلیمان ندوی نے دستور اساسی کا مسودہ تیار کرنے کے لئے مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کو منتخب فرمایا اور انھوں نے نہایت ستعدی سے اپنا کام پورا کر دیا۔

افسوس کہ اس مسودہ پر کمیٹی کے بحث و تمحیص کی نوبت پھر نہ آسکی اور یہ مسودہ ابتک یونہی دبا پڑا رہا، عرصہ دراز کے بعد ارکین دار المصنفین کی توجہ سے گزشتہ سال مصنف کی محنت ٹھکانے لگی اور یہ مسودہ ایک مطبوعہ کتاب کی شکل میں یکایک سامنے آیا۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور اٹھارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ ابواب کے عنوانات یہ ہیں:۔

نظریہ خلافت[۱]، قانون[۲]، اسلام میں حکومت کا درجہ[۳]، حکومت[۴]، خلیفہ[۵]، بعض اہم مسائل[۶]، خلیفہ کے اختیارات[۷]، مجلس تشریعی[۸] رعایا[۹]، بیت المال[۱۰]، وزارت و نیابت[۱۱]، عدلیہ[۱۲]، افتاء[۱۳]، احتساب[۱۴]، حرب و دفاع[۱۵]، صوبائی حکومتیں[۱۶]، خارجی معاملات[۱۷]، سیاست کے غیر اسلامی نظریات[۱۸]،

یہ ابواب پچاسوں ذیلی مباحث پر مشتمل ہیں۔

کتاب مجموعی حیثیت سے بڑی محنت اور تلاش و تفقد کی آئینہ دار ہے۔ خصوصاً باب پنجم کے مباحث بڑے سیر حاصل اور مصنف کی دقت نظر کا ثبوت ہیں، علی ہذا باب ہفت دھم میں اسیرانِ جنگ کی غلامی کے مسئلہ پر جو بحث کی گئی ہے اُسے تو ہم مصنف کا حاصل محنت قرار

دے سکتے ہیں "ماقل" کے ساتھ "ما دل" کا پورا پورا مصداق۔

کتاب کے مباحث و نتائج کا عام رجحان معلوم کرنے کے لئے مقدمہ کی حسب ذیل سطروں کا مطالعہ مفید ہوگا:۔

"اسلامی نظام سیاست میں صرف چند اصول مطلوب نہیں ہیں بلکہ اسکی خارجی اشکال کا ایک معتد بہ حصہ بھی مطلوب اور ناقابل تغیر ہے، بعض اشکال کو بعض اصول کے ساتھ ایسی شدید مناسبت ہوتی ہے کہ ان کے بغیر انکا وجود ناممکن ہوتا ہے...... یہ کہنا کہ نظام خلافت میں صرف چند عام اصول کا اجراء اسلام کا مقصود ہے، خواہ حکومت کی شکل کوئی بھی ہو، اس نظام کی ناقدری اور گویا اس کے وجود کا انکار ہے۔" (صد)

اسی نقطۂ نظر کے ماتحت مولانا اسلامی نظام حکومت میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں سمجھتے کہ خلیفہ کا انتخاب براہ راست عوام کی رائے سے کیا جائے۔ (باب پنجم و ششم) علی ہذا وہ خلیفہ کو وہ تمام اختیارات دینے کے قائل ہیں جن کا ثبوت خلافت راشدہ میں ملتا ہے (باب ہفتم) ہمارے نزدیک یہ دونوں امر ملت کے موجودہ حالات و تغیرات کی بنا پر (نہ کہ اغیار سے مرعوبیت کی بنا پر) محل تامل ہیں، ضرورت ہے کہ اہل علم ان دونوں مسئلوں پر اظہار خیال کریں تاکہ کسی تشفی بخش نتیجہ پر پہونچا جاسکے، آج کے حالات میں یہ دونوں مسئلے خصوصاً دوسرا مسئلہ، کسی ملک میں اسلامی نظام حکومت کے قیام کے سلسلہ میں بڑی توجہ کا مستحق ہے۔

مولانا محمد اسحٰق صاحب نے اس تالیف کے ذریعہ جو عظیم کام سرانجام دیا ہے اس کے اعتراف کے ساتھ ساتھ دو باتوں کی طرف توجہ دلانا بھی شاید نامناسب نہ ہوگا۔

۱۔ باب اول (نظریۂ خلافت) میں محترم مصنف نے اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کے لئے جو انداز بیان اختیار کیا ہے اس میں ہم نے ایک قسم کا گنجلک پن اور تشتت کی سی کیفیت محسوس کی۔ بظاہر اس مقام کی تحریر میں "اشاریت" کا عنصر بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ جس نے کہیں تو بات کو گنجلک کر دیا ہے اور کہیں کہیں پیراگرافوں میں لفظی ارتباط قائم نہیں ہو سکا ہے، جس کی بنا پر کوئی منضبط حاصل آسانی کے ساتھ ذہن میں نہیں بیٹھتا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس حصہ کو

پڑھتے ہوئے ہم نے بڑی الجھن محسوس کی اور تبصرہ نگاری کا فرض عائد نہ ہو گیا ہوتا تو غالب یہ ہو کہ اس ابتدائی حصہ کی بدولت ہم باقی کتاب کے مطالعہ سے بھی محروم رہ جاتے ـــــ ہو سکتا ہے یہ بات ذوقی ہو لیکن بہرحال یہ ایک احساس ہے۔

۲۔ باب ہفت دہم۔ جو خارجہ معاملات سے متعلق ہے۔ اس میں غیر مسلم ریاستوں سے تعلقات کو صرف صلح و جنگ تک محدود رکھا گیا ہے۔ حالانکہ تعلقات کی فہرست میں اور بھی بعض چیزیں آتی ہیں۔ خصوصاً آج کے دور میں تو بین الاقوامی تعلقات کے ذیل میں مختلف قسم کے معاہدات کے مسائل پیش آنا ناگزیر ہیں۔ ضرورت ہے کہ آئندہ اڈیشن میں اس ناگزیر مبحث کو بھی روشنی میں لایا جائے۔

## رکعات تراویح

از مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی۔
ملنے کا پتہ :۔ ناظم صاحب جامعہ مفتاح العلوم۔ مئو اعظم گڑھ
صفحات ۹۶۔ کاغذ عمدہ، کتابت طباعت بہتر۔ قیمت عہ

ہندوستان میں جب سے "اہل حدیث" فرقہ وجود میں آیا ہے۔ امت کے فقہی اختلافات کی فہرست میں بہت سے اختلافات کے ساتھ، رکعات تراویح کے باب میں بھی ایک اختلاف کا اضافہ ہو گیا ہے اور ایک عرصہ سے اس مسئلہ پر مسلمانوں کی بہت سی بستیوں میں بدمزگی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اہلحدیث حضرات کا کہنا ہے کہ تراویح کی رکعت کا مسنون عدد آٹھ ہے۔ اور عام طور پر جو بیس رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ خلاف سنت ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، جو اس وقت واقف حال، اہل نظر کی نگاہ میں فن حدیث میں اپنی مہارت و بصیرت اور عام علوم دینیہ میں وسعت نظر کے اعتبار سے نہایت بلند مقام رکھتے ہیں انھوں نے اپنے اس مختصر رسالہ میں اسی مسئلہ پر کلام کیا ہے

اولاً عہد اول سے اب سے سَو سال پہلے تک کی اسلامی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہو کہ اس ساڑھے بارہ سو برس کے عرصہ میں دنیائے اسلام کی کسی ایک مسجد میں بھی بیس سے کم رکعتیں پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ پھر اہل حدیث کے دلائل پر محدثانہ رنگ میں گفتگو کر کے ثابت کیا ہے کہ ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہے۔ اس کے بعد جمہور امت کے دلائل پر کئے جانے والے اعتراضات کا

جائزہ لیا گیا ہے اور خالص فنی بحث کے ذریعہ ان کو رد کیا گیا ہے۔

ہماری نظر میں یہ رسالہ "بضاعت کمتر اور بقیمت بہتر" کا مصداق ہے۔ اس کے اصل مباحث کی علمی اور فنی قدر و قیمت سے قطع نظر، اسناد کے تعامل کا جو نکتہ مولانا نے اس بحث میں اٹھایا ہے وہ درحقیقت بہت ہی تشفی بخش اور فیصلہ کن چیز ہے ـــــ امید ہے کہ اہل علم اور طلبہ خصوصاً اس رسالہ کو بوجوہ مفید پائیں گے ـــــ کتب خانہ الفرقان سے بھی طلب کی جا سکتی ہے۔

---

**زجاجۃ المصابیح جلد ثالث** از مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ صاحب حیدر آبادی۔ صفحات ۴۷۶۔ کاغذ عمدہ۔ کتابت طباعت بہتر۔ قیمت چھ روپے۔ ملنے کا پتہ۔ مولانا سید عبداللہ صاحب۔ محلہ حسینی علم۔ جوبلی پوسٹ آفس (۲) حیدر آباد دکن

زجاجۃ المصابیح کی پہلی دوسری جلد پر محرم ۷۷ھ کے الفرقان میں تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اب اس کی یہ تیسری جلد بھی شائع ہو گئی ہے جو ظاہری اور معنوی اعتبار سے پہلی ہی جلدوں کی طرح ہے اس کے بعد صرف چوتھی جلد باقی رہ گئی جس پر یہ عظیم تالیف تمام ہو جائے گی۔

پیش نظر جلد کتاب القصاص، کتاب الحدود، کتاب الامارۃ والقضاء، کتاب الجہاد، کتاب الصید والذبائح، کتاب الاطعمہ، کتاب اللباس، کتاب الطب والرقی اور کتاب الرؤیا پر مشتمل ہے۔

**تگ و تاز** از جناب ابوالمجاہد زاہد۔ صفحات ۱۴۴۔ کاغذ بہتر، کتابت طباعت اعلیٰ۔ ناشر:- ادارہ ادبیات نو۔ ۲۲۳ یحییٰ گنج لکھنؤ۔

ابوالمجاہد زاہد، ہمارے جانے پہچانے، نہ صرف جذبہ و فکر بلکہ صورت و عمل کے لحاظ سے بھی ایک مسلمان شاعر ہیں، تگ و تاز غالباً ان کا پہلا مجموعہ کلام ہے جو انھیں ایک خوش فکر، قادر الکلام، اسلام پسند، آدمیت کے غمخوار اور تہذیب نو کی سیاسی و تمدنی بت گری سے بیزار شاعر کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

اس مجموعہ کا پہلا حصہ منظومات کا ہے، اور دوسرا غزلیات کا۔ مگر غزلوں کا حصہ ہمیں ان کی نظموں سے زیادہ بھایا! اس مجموعہ کلام کا آغاز جس منظوم دعا سے ہوا ہے سب سے پہلے اس کے تین شعر سنئے

مرے فکر و احساس کو جگمگا دے  
ستاروں کو تابندگی دینے والے

مرے دل کو بھی نورِ ایماں سے بھر دے  
مہ و مہر کو روشنی دینے والے

مرا مقصدِ زندگی بھی حسیں ہو  
گل و غنچہ کو تازگی دینے والے

دعا کا کس قدر پیارا اور من بھاتا انداز ہے۔ چند سادہ سے الفاظ کو خلوصِ جذبہ اور موزونیت طبع نے کس قدر پُر اثر بنا دیا ہے۔

اس دعا کے بعد حصہ نظم سامنے آتا ہے اور اس میں چھوٹی بڑی کوئی ۴۰ نظمیں ہیں۔ دوسرے حصہ میں غزلوں کی تعداد بھی کم و بیش اتنی ہی ہے ــــ نظم اور غزل، کلام کی دونوں قسموں میں جو چیز سب سے زیادہ چھائی ہوئی ہے وہ ہے حالاتِ حاضرہ پر اسلامی نقطۂ نظر سے تنقید اور اسلام کی نئی نسل کو ان حالات سے نبرد آزمائی پر اُبھارنے کی کوشش۔ بالفاظ دگر زاہد صاحب کی شاعری گل و بلبل اور حسن و شباب کی محض لذت بخش شاعری نہیں بلکہ وہ ایک بلند مقصدیت کی حامل ہو۔

ظاہر ہے کہ اس وادی میں مقصد کا بوجھ لادے ہوئے چلنا اور سبک گام رہنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مگر پھر بھی زاہد صاحب نے ان دونوں کو خاصا نباہا ہے ــــ انکی نظم "تیز گام" کا ایک بند ہے ؎

بستیوں میں نور کی زیادہ ہیں تاریکیاں  
مل گئے زاغ و زغن کو بلبلوں کے آشیاں  
خوشنما پھولوں کے پردوں میں چھپی ہیں بجلیاں

رہزنوں کے ہاتھ میں ہے رہنمائی کا نظام  
تیز گام اے رہروانِ جادۂ حق تیز گام

غزل میں مقصدیت کا اتنا کھلا اظہار تو ظاہر ہے ممکن نہیں۔ تاہم ممکن حد تک اظہار کے ساتھ بھی اُن کا رنگ تغزل یہ رہا ہے ؎

شگفتگیِ گل و غنچہ پہ آشکار نہیں  
کہیں خزاں تو پسِ پردۂ بہار نہیں

وقار و حدتِ آدم پہ گر نہ آنچ آئے  
تو پھر وطن کی محبت بھی دل پہ بار نہیں

ہمہ علوم و معارف، فریب و نادانی  
تری نگاہ اگر "اہرمن شکار" نہیں

یاسؔ
یہ فرقِ مراتب کیا، اے ساقیٔ میخانہ
پیاس ایک ہے رندوں کی اپنے ہوں کہ بیگانے

بعض غزلیں یا طویل نظموں کے بعض بند جو مذکورۂ بالا خاص مقصدیت کے دائرہ سے باہر رہے ہیں ان کا نمونہ بھی پیش کر دیا جائے تو غالباً تعارف زیادہ مکمل ہو جائے گا۔

نظم "شہید کربلا" کے تیسرے بند کے دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

وہ عشق و مستی کا ایک پیکر، یقین و ایماں کا ایک منظر
جلال سوزِ خلیلؑ دل میں، جمالِ بخت ذبیحؑ رخ پر
وہ روشنیٔ نگاہِ زہراؓ، وہ راکبِ شانۂ پیمبرؐ
نجومِ حیرت سے تک رہے ہیں، زمیں کا وہ ذرۂ منور

مختلف غزلوں کے چند اشعار ؎

اک ترے غم میں حریفِ غمِ ایام بنے　　مر کے بھی اہلِ وفا زیست کا پیغام بنے
کچھ اس ادا سے اٹھی ہے نگاہِ مستانہ　　مری بساط ہی کیا جھومتا ہے میخانہ
نہ اب ہے شمع نظر میں نہ رقصِ پروانہ　　شریکِ بزم ہوا کون بے حجابانہ
خوشی ہو یا کہ غم ہو، ہر طرح دل شاد ہے ساقی　　ترے رندوں کا مسلک ہر جہ بادا باد ہے ساقی

---

پہلی ہی نظم "تعارف" کا ایک مصرع ہے۔ ؎

میرے دل میں درد ہے مفلس و اجیر کا

یہ پوزیشن زاہد صاحب نے اور بھی کہیں کہیں اختیار کی ہے، اور شاید اسی وجہ سے ضیاء احمد صاحب بدایونی نے پیش لفظ میں یہ جملہ لکھا ہے "وہ مزدوروں کے حامی اور سرمایہ داری کے مخالف ہیں" ہمارے خیال میں یہ "ترقی پسند" ادیبوں سے غیر شعوری مرعوبیت ہے۔ ورنہ ان طبقاتی دائروں میں محصور ہونا ایک مسلمان ادیب کے ہرگز شایانِ شان نہیں۔ اور نہ یہ اس کی کوئی تعریف ہے۔
ہم افسوس کے ساتھ یہ صورتِ حال دیکھ رہے ہیں کہ "اسلامی ادب" کی جو تحریک "ترقی پسند ادب" کے مقابلہ میں اٹھی تھی اس کے بہت سے سپاہی بعض چیزوں میں غیر شعوری طور پر اپنے مدمقابل کے

ہم رنگ ہوتے جا رہے ہیں۔ نظم "تفاوت" بھی اسی ہمرنگی کی آئینہ دار ہے۔ یہ نفلس و مزدور کے درد کا وہی انداز ہے جو طبقاتی احساس پیدا کر کے طبقاتی کشمکش کی جہنم کو بھڑکاتا ہے۔

نظم "مزدور" میں محنت کشوں کے معاشرہ کی اور "زہرہ جبیں ناچ" میں "نمایندہ مزدور کے کردار کی عکاسی کر کے شاعر نے بے شک بڑے بھرپور طنز کا مظاہرہ کیا ہے۔ مگر یہ دونوں نظمیں اس مجموعۂ کلام کے پورے ماحول کی متانت، اسلامیت اور پاکیزگی پر بار نظر آتی ہیں۔ اچھا ہوتا اگر یہ نہ ہوتیں۔

---

## کھلتی کلیاں

از ابو المجاہد زاہد۔ ناشر:- ہونہار کتاب گھر۔ دہلی ۶
صفحات ۲۴۔ قیمت چار آنے صرف۔

یہ چند ہلکی پھلکی نظموں، غزلوں اور گیتوں کا مجموعہ ہے جو چھوٹے بچوں کے لئے ترتیب دیا گیا ہے اور بچوں کی دلچسپی اور خوش وقتی کے ساتھ اس کی بھی رعایت رکھی گئی ہے کہ مضامین لایعنی نہ ہوں بلکہ دین و دنیا میں کام آنے والے۔

---

# رنگا رنگ

## زندگی کی مختلف تعبیریں

(از جناب کاشف جونپوری)

### فلاسفہ

آگہی کے دم سے روشن ہو جبینِ کائنات
آگہی کرتی رہی نشو و نمائے ممکنات

زندگی کو عقل سکھلاتی ہو سعیٔ متصل
دیدۂ حکمت نگر پہ فاش ہو سرِ حیات

نکتہ آرائی سے تاباں ہو کتابِ زندگی
فکر کا مرہونِ منت ہو نظامِ شش جہات

مدتوں میں جا کے ملتا ہے سراغِ زندگی
کس قدر مشکل سے کھلتے ہیں ثبات و ناثبات

علم کے شیشہ میں ہوتی ہے نمودِ زندگی
علم کے پرتو سے کھلتا ہو مآلِ واقعات

عقدۂ مشکل کو وا کرتا ہے زورِ آگہی
ورنہ ممکن ہی نہیں ہو جبرِ باطل سے نجات

جب دمِ شمشیر سے ہوتی ہے بسمل زندگی
عزم و ہمت بخشتی ہو بندۂ عالی کی ذات

آگہی کے دم سے روشن ہے چراغِ زندگی
اور اس کے نور سے روشن حریمِ کائنات

یہ جلو خانہ عمل کا ، یہ فلک تہذیب کا
زندگی کے واسطے سامان ہے تادیب کا

## مؤرّخ

زندگی زیرِ فلک فتنے جگانے کے لیے
زخم کھانے کے لیے ہو خوں بہانے کے لیے

ہر تمدن لے کے آتا ہو وہ تیغ خونچکاں
نام ہی کافی ہے جس کا سر جھکانے کے لیے

تنگ ہو میدانِ ہستی جو ہر دل کے لیے
اور لاکھوں بجلیاں حاصل جلانے کے لیے

سینکڑوں بغداد و کابل سینکڑوں نیل و فرات
ہر رگِ تعمیر ہے خنجر چلانے کے لیے

زندگی کے بتکدے سے سینکڑوں آذر اٹھے
عزمِ ابراہیم کا دم آزمانے کے لیے

قیصریت کا تماشا ہو کہ جمہوری فریب
ایک تیغِ خونچکاں ہو خوں بہانے کے لیے

مفسدینِ ارض اٹھتے ہیں مگر اصلاح کو
ابر آتا ہے مگر بجلی گرانے کے لیے

اس کے فرقِ ارتقا پر تیغ ہو قانون کی
زندگی مجبور ہے خود کو جھکانے کے لیے

زندگی کو زندگیٔ جاوداں دیکھا نہیں
خاک کو میں نے شریکِ آسماں دیکھا نہیں

## شاعر

صورتِ سیماب ہر دم مضطرب ہے زندگی
آہ اس کے کوہ و صحرا میں نہیں ہے سرخوشی

منتشر شیرازۂ اجزائے امکاں ہی رہا
ایک حالت پر نہیں رہتا نظامِ آگہی

احترامِ زندگی کی ایک یہ صورت بھی ہے
یہ مری شوریدہ حالی یہ مری تر دامنی

الحذر اے عقل کی سنجیدہ گفتاری حذر
جسمِ عالم ہو گیا خالی ز روحِ زندگی

نغمۂ دلکش برستا ہو سحاب اندر سحاب
زمزمہ سازی کی طالب آتشِ تشنہ لبی

کاروانِ رنگ و بو کو زندگانی کی طلب
زندگانی کے لیے درکار کیفِ سرمدی

دیدۂ حکمت نگر سے آج تک پوشیدہ ہو
وہ خرامِ زندگانی وہ حدی خوانی مری

میں بوصفِ تنگ دامانی عطا کرتا رہا
مہر کو تابش، نظر کو کیف، کلیوں کو ہنسی

صورتِ نغمہ، کمالِ زیر و بم ہے زندگی
کیف و کم ہی، بندِ غم ہی، موجِ یم ہے زندگی

## بادشاہ

صبحِ محشر در بغل ہو یہ نظامِ بحر و بر — وہ نہالِ زندگی وہ آفتِ برق و شرر

دشمنِ ہستی سمجھتے ہیں دمِ شمشیر کو — اور یہ پہنائے عالم کارزارِ خیر و شر

چشمِ آدم کس طرح دیکھے گی روئے زشت و خوب — شیشۂ ہستی سے یہ جوہر نکل جائے اگر

زندگانی بود و نابود عمل سے مستنیر — ایک زورِ دست لاکھوں دیدۂ حکمت نگر

دشنۂ جمہوریت ہو یا ہو جنگِ زرگری — زندگی تقدیرِ مبہم، زندگی دریوزہ گر

کاخِ مجلس بے بسیِ زندگی پر نوحہ خواں — کوچۂ سلطاں ہے پھر بھی مشہدِ اہلِ ہنر

جبر کو اصلاح کہیئے، قید کو اصلِ حیات — وہ مورخ کا قلم ہے یہ نگاہِ نکتہ در

زمزمہ سازی سے یکسر مضمحل روحِ عمل — قتل کرتے ہیں بڑی معصومیت سے چارہ گر

صرف قوت زندگی ہو زندگی کچھ بھی نہیں
صولتِ جمہور دیکھو، قیصری کچھ بھی نہیں

## راہب

آہ یہ غوغائے ہستی آہ یہ رنگِ فنا — آہ یہ بجلی کی شورش، آہ یہ گل کی قبا

چشمِ خاتم کو ابھی تک ہو نگینے کی تلاش — زندگانی فتنہ کش ہو از برائے ارتقا

زندگی آدابِ لایعنی میں ہے محصورِ غم — آہ اس دلسوزیِ پرواز کا انجام کیا

میرے ہاتھوں میں نہیں آیا سرا زنجیر کا — مدتوں دیکھا ہے میں نے زندگی کا ماجرا

آہ کیوں ہیں گردشِ سلطاں میں میر و سپاہ — ایک سب کی ابتدا ہے ایک سب کی انتہا

خون رلواتی ہے مجھ کو ابنِ مریم کی قسم — میرے فرزندوں میں پیدا رسمِ انکارِ خدا

زندگی نے لوٹ لی بڑھ کر کلیسا کی بہار — کاش فرزندِ خدا آ کر تماشا دیکھتا

گوشۂ خاموش میں بھی تزکیہ ممکن نہیں — کیا قیامت خیز نکلی زندگانی کی ہوا

زندگی کا ماحصل اک نالۂ خاموش ہے
ظلمتِ امروز، آئینہ نمائے دوش ہے

# قرآن حکیم

صورتِ موجِ صبا لطفِ خرامِ زندگی
زندگی کی موت ہے قیدِ قیامِ زندگی

چشم جب تک ہو نہ جائے خوابگاہِ جبرئیل
پائمال و رائیگاں ہو ننگِ نامِ زندگی

فلسفہ زادہ کہاں ہو بندۂ مومن کہاں
وہ غلامِ زندگی ہے یہ امامِ زندگی

عزمِ بے جذبِ دروں ہو دشمنِ روحِ عمل
فکرِ بے تاب و تواں ہو تشنہ کامِ زندگی

جب کوئی فرعون پڑھتا ہو فسونِ دبدبہ
موج لے لیتی ہے بڑھ کر انتقامِ زندگی

نے شکوہِ میر و سلطاں نے کلیسا کا ہراس
وسعتِ آفاق جلوہ گاہِ عامِ زندگی

دیدۂ حکمت اگر دیکھے تو پائے گا بہت
سادہ دل بندوں میں بھی ہو احتشامِ زندگی

صبح کا دامن کبھی ہو شام کی رنگت کبھی
مختلف پیکر میں ہو کیفِ دوامِ زندگی

حسن کا مرہونِ منت ہو تب و تابِ حیات
عشق کے پہلو میں ہو بیت الحرامِ زندگی

حسنِ عالمتاب کا نقشِ اثر ہے زندگی
انجمن میں سوزِ تابانِ جگر ہے زندگی

---

## انصاف! انصاف!!

مرار جی نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مسلم طلبار کو ایک بہت قیمتی مشورہ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مسلم طلبار کو غیرمسلموں سے مل جل کر رہنا چاہیئے اور محبت سے ان کے دلوں کو جیتنا چاہیئے! اگر تجربہ اور مشاہدہ کوئی چیز ہے تو یہ بات سب جانتے ہیں کہ مسلمان کسی سے چھوت چھات نہیں کرتا، وہ انسانیت کے سوا کسی نسل اور ذات کا قائل نہیں وہ جس خدا کو مانتا ہے وہ نہ نسلی ہے! نہ وطنی نہ قومی، بلکہ رب العالمین ہے اور اس کے بعد جو کچھ ہے وہ سب اس کی مخلوق ہے، اس نصیحت یا مشورہ کے مستحق مسلمان نہیں، بلکہ وہ لوگ ہیں جن کے ہاں عالمگیر ربوبیت کا کوئی تصور نہیں اور نہ عالمگیر انسانیت کا کوئی فلسفہ ہے۔ ہم مرار جی ڈیسائی کو مشورہ دیں گے کہ وہ کسی ہندو حلوائی کی دوکان پر کھڑے ہو کر دیکھیں کہ وہاں کتنے مسلمان مٹھائی خریدنے آتے ہیں اور پھر کسی مسلمان حلوائی کی دوکان پر چھپ کے دیکھیں کہ کتنے ہندو اس دوکان پر کھڑا ہونا پسند کرتے ہیں، مرار جی! برا نہ مانئے، مسلمان جیسی بہترین مخلوق آپ کو ساری دنیا میں نہ ملے گی، کیا آپ یہ تاثر پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ مسلم طلبا، غیرمسلموں سے بچ کر نکلتے ہیں۔ یا ہندو کے سایہ سے ان کا کھانا خراب ہو جاتا ہے؟ یہ بات تو ان لوگوں سے کہنی چاہیئے جو مسلمان حلوائی کی دوکان سے بچکر نکلتے ہیں اور جن کا چوکا مسلمان کے قدم سے ناپاک ہو جاتا ہے، مرار جی انصاف! آزادی کا مطلب یہ نہیں کہ سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید کہدیا جائے۔

(الجمعیتہ دہلی)

## "اسی تقریب اس گلی میں رہے"

صدر مسلم لیگ انڈین یونین محمد اسمٰعیل صاحب مدراسی کی تقریر ریڈیو کشمیر سے:-

"...... میں پاکستان اور کچھ دوسرے عناصر کی شدید مذمت کرتا ہوں جو ہمیں ہندوستانی مسلمانوں کا نام لانے کی بلاوجہ اور لگاتار کوشش کرتے رہتے ہیں اور انھیں اس سنگدلانہ سیاسی شطرنج کا مہرہ بنانا چاہتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان کشمیر کے معاملہ میں حکومت ہند کی حمایت میں ملک کے دوسرے باشندوں کے ساتھ مضبوطی سے شانہ بشانہ کھڑے ہیں میں اس سے پہلے بھی کئی بار یہ اعلان کر چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمان جموں اور کشمیر کے سوال پر اپنے ملک کے دوسرے باشندوں کے ساتھ نہایت مضبوطی کے ساتھ متحد ہیں۔"

خوش نصیب صدر مسلم لیگ ہند! آج سے قبل یہ کسی کے گمان میں بھی تھا کہ آپ کی تقریر کبھی آل انڈیا ریڈیو کے سرکاری محکمہ سے نشر ہوگی! —— خوب ہے یہ مسئلہ کشمیر بھی جو دم بھر میں مردود کو مقبول اور مخذول کو معظم و مکرم بنا دے! —— اچھا ہے جو یہ مسئلہ کچھ دنوں اور اُلجھا رہے۔ دیکھئے کس کس کے نصیب اس کے طفیل یہاں اور وہاں دونوں جگہ کھلنے میں آتے ہیں۔ سے

اسی تقریب سے اس گلی میں رہے      منتیں ہیں شکستہ پائی کی

## قول اور عمل

پراگ جوکش پور ۱۰ر جنوری۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا کہ ہندوستانی جمہوریہ کے صدر یا دوسرے اعلیٰ افسروں اور لیڈروں کی پبلک تقریبات پر جو شان و شوکت کے مظاہرے کئے جاتے ہیں میں ان کا سختی سے مخالف ہوں۔ اور اب ہم لوگ پوری کوشش کر رہے ہیں کہ سرکاری یا عام تقریبات میں شان و شوکت کا مظاہرہ کم سے کم کیا جائے۔ (خبر)

"پراگ جیوتش پور۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے آج یہاں اعلان کیا کہ ہندوستان سوشلزم کے راستے کو ترک نہ کرے گا اور انھوں نے پرجوش تالیوں کے شور میں اعلان کیا کہ سوشلزم کا راستہ یہی نہیں کہ ترک نہ کیا جائے گا۔ بلکہ اگر کوئی ہم کو ہمارے نصب العین سے پیچھے ہٹانے کی کوشش کرے گا تو اسے اس کی اجازت نہ دی جائے گی۔" (خبر)

کوئی صاحب تکلیف کر کے ذرا اتنا بتا دیں کہ ان بیانات اور ان تقریروں کا عملی اثر خود اسی

کانگریس پر کیا پڑا اور صدر کے شاہانہ جلوس اور جلسہ کی دوسری کارروائیوں پر مصارف کی میزان کہاں تک پہنچی۔

**نیا پیترا** ۔ کانپور ۳۱ر جنوری ۔ ۱۵ر فروری کو جو یوم غالب پری پورنا نند جی کے زیر اہتمام منایا جارہا ہے۔ اس کے جلسہ کی صدارت یو، پی کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر سمپورنانند کریں گے اور اس سلسلہ میں جو مشاعرہ ہوگا۔ اس کی صدارت وزیر خزانہ حافظ محمد ابراہیم فرمائیں گے۔ (ی۔ پ)

لیکن ہندی والے اس صدارت بازی اور مشاعرہ نوازی سے ایک ذرہ سراسیمہ نہ ہوں اُردو کشی کا جو ریکارڈ یو، پی سرکار نے قائم کر دیا ہے، اس میں ایک انچ کا بھی تنگاف اس سے نہ پڑے گا۔ نہ درخواستیں اُردو میں لی جانے لگیں گی۔ نہ درسگاہوں کے نصاب میں اُردو بار پاسکے گی۔ نہ اُردو حروف کو کوئی جگہ دفتروں کی تختیوں پر ملنے پائے گی۔ اور نہ اُردو کا شمار بہ طور ایک علاقائی زبان کے ہونے لگے گا ـــــ اُردو کے "دانا دشمن" نے کمال صرف "دانائی" میں ترقی کا دکھایا ہے۔ "دشمنی" میں کمی کا نہیں! ـــ جس غالب کی یاد منائی جارہی ہے۔ وہ بیچارہ یہ بھی تو کہہ گیا ہے ؎

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

(صدق جدید لکھنؤ)

ALFURQAN ( Regd. No. A-353 ) LUCKNOW.

ماہنامہ

# الفرقان لکھنؤ

## ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا [illegible]

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت ہے ایک اصول اور ایک اہم [illegible]

اس بات کا عہد کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں [illegible]

محمد رسول اللہ کی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی

زندگی کو دنیا میں فروغ دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں ہم اس کا

عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرة

توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

ادارہ الفرقان

مرتب

عتیق الرحمٰن سنبھلی

مسئول

محمد منظور نعمانی

اس شمارہ کی قیمت ۔ ایک روپیہ

| جلد ۲۵ | بابت ماہ شعبان و رمضان ۱۳۷۷ھ مطابق مارچ و اپریل ۱۹۵۸ء | شمارہ ۸-۹ |
|---|---|---|



## اگر اس ◯ دائرہ میں

سُرخ نشان ہے تو اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہو۔ براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی پی ارسال کیا جائے گا جو ۱۵ رمئی ۵۸ء کو شائع ہوگا۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۱۴ تاریخ تک پہونچ جانا چاہیے۔ —— **پاکستان کے خریدار**:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

**تاریخ اشاعت**:۔ رسالہ ہر مہینے کی ۱۵ ر تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہے —— اگر ۲۵ ر تک کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، اگلے رسالے کے ساتھ مکرر بھیجدیا جائے گا۔

**مقام اشاعت**:۔ دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہ اوّلیں

افسوس گزشتہ دور کی آخری یادگار بھی پچھلے مہینے رخصت ہوگئی۔ یعنی ۲۲ فروری کی شب میں مولانا آزاد بھی چل بسے۔

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

ہم نے مولانا آزاد کو اس وقت دیکھا جب ان کا وہ (اصل) دور ختم ہوچکا تھا جس نے انھیں داعیان اسلام کے زمرہ میں ایک بلند مقام دے کر تاریخ اسلام کا نقش جاوید بنا دیا ہے۔ مگر ان کی بے مثال ذہنی صلاحیتیں بہرحال ان کے ساتھ تھیں، وہ جس رنگ میں رہے، جہاں رہے، پورے تفوق کے ساتھ رہے اور زندگی کے آخری سانس تک اس تفوق کو قائم رکھا۔ اس میں اگر کسی کو کچھ دن سے شبہ بھی ہوگیا تھا تو وہ ان کی وفات کے بعد بالکل بے حقیقت ثابت ہوا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں، بے شک اس شان کی شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں، اور پھر صدیوں تک کے لیے خلا چھوڑ جاتی ہیں۔

مولانا مرحوم کی زندگی کا، اسلامی دعوت کا پُرشکوہ دور اگرچہ عرصہ ہوا ختم ہوگیا تھا۔ مگر وہ اب بھی اپنی ذات سے ہندوستان کی مسلمان قوم کی زینت تھے اور اُن کی بھاری بھرکم شخصیت سے اس قوم کا فی الجملہ ایسا وقار تھا جس کا صحیح اندازہ اب ان کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دینی اور علمی خدمات قبول فرمائے۔ اور ان کی باقیات صالحات کو ہمارے لیے نافع بنائے۔

---

# ایک مسرّت بخش توضیح

دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں ہم نے اپنے کانوں سے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کو (۱۹۴۸ء میں) یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ حضرت سید احمد شہیدؒ (بلکہ حضرت شیخ الہندؒ کی بھی) جد و جہد کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ تھا۔ اس لیے ہمارا دل مطمئن تھا کہ حضرت موصوف کا نظریہ یہی ہو۔ مگر آپ کی خود نوشت سوانح "نقش حیات" سے پچھلے دنوں بہت سے حلقوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ موصوف کی نظر میں بھی یہ جد و جہد صرف ملک کی آزادی کے لیے' اور اس کے بعد ایک سیکولر اسٹیٹ کے قیام کے لیے تھی۔ الحمدللہ کہ موصوف کی ایک تحریر نے "نقش حیات" کی ان عبارتوں کی بھی وضاحت کر دی جن سے یہ خیال پیدا ہوا تھا۔

یہ تحریر ایک مکتوب کی شکل میں ہو جو محمد فاروق صاحب مدرسہ دینیات۔ کوہنڈہ۔ اعظم گڈھ کے جواب میں تحریر فرمایا گیا ہو۔ مکتوب الیہ نے یہ خط ۱۴ مارچ ۱۹۵۵ء کے سہ روزہ "دعوت" دہلی میں شائع کرایا ہو۔ ہم ذیل میں اس کو' دہیں سے درمیان کا کچھ حصہ حذف کر کے ...... نقل کر رہے ہیں۔

## مکتوب مولانا مدنیؒ

"محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ مزاج شریف۔ والا نامہ مورخہ ۱۰ شوال مطابق ۱۹ مئی باعث سرفرازی ہوا تھا۔ جس میں تین اعتراضات "نقش حیات جلد ثانی" پر تھے۔ میں بوجہ بیماری اور عدیم الفرصتی عریضہ لکھنے سے معذور رہا۔ اور آج کی تاریخ آ گئی۔ امیدوار معافی ہوں۔

(پہلا اعتراض) موجودہ سیکولر اسٹیٹ کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی تعریف دارالاسلام پر دارالاسلام قرار دینا ہے۔

محترما! میں نے کسی جگہ کتاب مذکور میں اس سیکولر اسٹیٹ کو دارالاسلام نہیں لکھا ہو۔ نہ جمہور کے قول پر اور نہ حضرت شاہ صاحب کے قول پر' پھر میں نہیں سمجھتا کہ آپ کا یہ اعتراض کس طرح وارد ہوتا ہو۔ موجودہ حکومت کے جن' شرمناک کارناموں کا' آپ ذکر فرما رہے ہیں' مجھ کو ان کا انکار نہیں ہے۔

پھر میں کس طرح اس کو دارالاسلام قرار دے سکتا ہوں، اور اگر کسی جگہ موجودہ سکولر اسٹیٹ کی تائید کرنے کے الفاظ سے آپ نے اس کو سمجھا ہے تو وہ از قبیل اہون البلیتین ہے، نہ بحیثیت دارالاسلام ہے" ............ (یہاں شاہ صاحبؒ کے فتوے کی کچھ تفصیل تھی اُسے حذف کر دیا گیا ہے ـــــ الفرقان)

"دوسرے اور تیسرے اعتراض میں آپ کا یہ اعتراض کہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سکولر اسٹیٹ بنانے کا ارادہ کرنے والا اور صرف انگریزوں کو نکالنے والا میں قرار دیتا ہوں، بالکل خلاف واقع اور تصریحات سے روگردانی ہے۔ بہر حال یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے، اور اگر بالفرض کوئی عبارت ایسی ہو جس کی دلالت مطابقی یہی ہو دوسری توجیہ اس میں نہیں ہو سکتی تو وہ غلط ہے۔ میں اس سے رجوع کرتا ہوں"......... والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، از دارالعلوم دیوبند

۸ رذی قعدہ ۱۳۷۶ھ

## قَدْ اَظَلَّکُمْ شَھْرٌ عَظِیْمٌ

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک دفعہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔ آئیے ہم بھی حضور کی اس بزم اقدس میں تصور کے سہارے بار پانے کی کوشش کریں۔

اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّکُمْ شَھْرٌ عَظِیْمٌ شَھْرٌ مُبَارَکٌ شَھْرٌ فِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ شَھْرٍ۔

اے لوگو! ایک بڑی عظمتوں اور برکتوں والا مہینہ تم پر سایہ افگن ہو رہا ہے۔ اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

شَھْرٌ جَعَلَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً وَ قِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِیْہِ بِخَصْلَۃٍ مِنْ خِصَالِ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ وَمَنْ اَدّٰی

اللہ تعالیٰ نے اس پورے مہینہ کے روزے فرض کیے ہیں، اور اس کی راتوں کی نماز (تراویح) کو کار ثواب قرار دیا ہے (یعنی اس کو فرض تو نہیں کیا ہے لیکن اس میں بڑا ثواب رکھا ہے)

فِيهِ فَرِيضَةً كَانَ كَمَنْ أَدَّى سَبْعِينَ فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ

جو شخص اس مہینہ میں اللہ کی کوئی غیر فرضی عبادت کرے (یعنی سنت یا نفل ادا کرے) اس کو دوسرے زمانہ کی فرض عبادت کے برابر اس کا ثواب ملے گا۔ اور جو شخص اس مہینہ میں فرض عبادت ادا کرے گا اس کا ثواب دوسرے مہینوں کے اسی جنس کے ستر فرضوں کے برابر ہوگا۔

هُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ۔

یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ بس جنت ہے۔ یہ ہمدردی و غمخواری کا مہینہ ہے اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں ایمان والوں کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔

مَنْ فَطَّرَ فِيهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةً لِذُنُوبِهِ وَعِتْقَ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْتَقِصَ مِنْ أَجْرِهِ شَيْءٌ۔

اس مہینہ میں جو شخص کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو یہ اس کے لیے گناہوں کی مغفرت کا اور آتش دوزخ سے اس کی آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اسکو اس روزہ دار کے برابر ثواب ہوگا۔ بغیر اسکے کہ اسکے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔

اس خطبے کے راوی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ افطار کرانے والے کا یہ ثواب عظیم بیان فرمادیا تو بعض حاضرین نے عرض کیا۔

يَا رَسُولَ اللهِ لَيْسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَا نُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ

حضور! ہم میں سب تو ایسے نہیں ہیں جنھیں روزہ افطار کرانے کی کوئی خاص چیز میسر ہو۔

آپ نے ارشاد فرمایا

يُعْطِي اللهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ أَوْ تَمْرَةٍ أَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ۔

اللہ تعالیٰ یہی ثواب (یعنی روزہ دار کے برابر ثواب) اس شخص کو بھی دے گا۔ جو کسی روزہ دار کو دودھ کی تھوڑی سی لسی یا کھجور کے ایک دانہ ہی سے

یا پانی کے ایک گھونٹ ہی سے افطار کرادے۔

اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا۔

وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِماً سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِى شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ۔

اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلائے تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض کوثر سے ایسا سیراب فرمائیں گے کہ پھر جنت میں جانے تک اس کو پیاس نہ لگے گی۔

ـــــ مَنْ خَفَّفَ فِيْهِ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ۔

جو کوئی اس مہینہ میں اپنے مملوک یا (ماتحت) کے کام میں تخفیف کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اور اس کو جہنم سے آزادی دے گا۔

(مشکوٰۃ بحوالہ شعب الایمان للبیہقی)

---

# قرآنی دعوت

(مسلسل)

## عام انسانوں کے حقوق اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک :-

بندوں کے حقوق کے سلسلہ میں ماں باپ، اہل وعیال، عزیزوں قریبوں، پڑوسیوں، اور یتیموں، مسکینوں، اسیروں وغیرہ کمزور طبقوں کے حقوق اور اُن کی خدمت وحسنِ سلوک کے بارے میں قرآن مجید کی تعلیم وتاکید آپ پڑھ چکے ——— اب دیکھئے کہ عام انسانوں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے بارہ میں قرآن مجید کی تعلیم کیا ہے۔

اس سلسلہ میں اولاً تو قرآن مجید نے جابجا یہ واضح کر کے کہ سارے انسان ایک ہی مکرم ومحترم جوڑے (آدم وحوا علیہما السلام) کی اولاد ہیں، پوری انسانی برادری کو اپنی اصل وفطرت کے لحاظ سے قابلِ احترام بنا دیا ہے۔ پھر دوسری تمام مخلوقات کے مقابلہ میں انسان کو جو خاص علمی وعملی صلاحیتیں اور طاقتیں بخشی گئی ہیں جن کے ذریعہ وہ اس پوری کائنات کو استعمال کر رہا ہے اس کو بھی قرآن مجید میں پوری نسلِ انسانی کے لیے ایک خداوندی شرف واعزاز بتایا گیا ہے، ارشاد ہے

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (بنی اسرائیل ع ۷)

اور ہم نے بنی آدم کو ایک خاص شرف واعزاز بخشا، اور اس دُنیا کے بحر وبر پر اس کو قابض اور متصرف بنا دیا۔

اس نظری اور تکوینی شرف واعزاز کے علاوہ قرآن مجید نے اپنے ماننے والوں کو حکم

دیا کہ وہ سب انسانوں سے اچھی بات کریں۔

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۝ (بقرہ ع ۱۰)

اور سب لوگوں سے اچھی بات کہو۔

اسی طرح علی الاطلاق سب کے ساتھ انصاف اور احسان کا حکم دیا گیا۔ ایمان والوں کو سنایا گیا کہ

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (نحل ع ۱۳)

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے انصاف کرنے کا اور احسان کرنے کا (سب کے ساتھ)

دوسری جگہ فرمایا گیا

وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (بقرہ ع ۲۴)

اور اچھا سلوک کرو (سب کے ساتھ) اللہ تعالیٰ اچھا سلوک کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

حتیٰ کہ اگر کوئی تمہارا دشمن ہو اور تمہارے ساتھ برائی کے ساتھ پیش آتا ہو تو اس کے حق میں بھی قرآن مجید کا حکم ہے کہ جہاں تک ہو سکے تم اس کے ساتھ اچھا ہی معاملہ کرو اور اس کی بدی کا جواب بھی نیکی ہی سے دو ــــــ ارشاد فرمایا

لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔ (حم سجدہ ع ۵)

اچھا رویہ اور برا رویہ برابر نہیں، (بلکہ اچھا رویہ نیکی ہے اور برا رویہ بدی ہے لہٰذا تم کو چاہیے کہ) برائی کا جواب بھی تم نیکی ہی سے دو۔

دوسری جگہ فرمایا گیا

ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ (مومنون ع ۶)

تم برائی کا جواب بھی اچھے رویے سے دو، ہمیں خوب معلوم ہے جو کچھ وہ (تمہارے متعلق) کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ایک جگہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے جو نیک بندے بدی کا جواب بھی نیکی سے دیں اور برائی کرنے والوں کے ساتھ بھی اچھائی کریں وہ دوہرے ثواب اور دوہرے انعام

کے مستحق ہیں۔

أُولٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ
بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ
السَّيِّئَةَ۔ (قصص ع ۶)

اللہ کے ان بندوں کو دوہرا اجر و ثواب دیا جائے گا ان کے صبر کرنے کی وجہ سے اور بدی کا جواب نیکی سے دینے کی وجہ سے۔

عام انسانوں کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کے بارے میں قرآنی تعلیم کی روح کو کچھ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جو لوگ اپنی فریب کاریوں اور خیانت کارانہ معاہدوں کے ذریعہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دیا کرتے تھے اُن کے بارہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا۔

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَائِنَةٍ
مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ
عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللّٰهَ
يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝
(مائدہ۔ ع ۳)

اور آپ پر برابر ان کی خیانتوں کے راز فاش ہوتے رہیں گے اور سوا چند کے ان کی دھوکہ بازیاں آئے دن آپ کے علم میں آتی رہیں گی۔ پھر بھی آپ ان کو معاف کر دیا کریں اور ان کے قصور سے درگذر کیا کریں۔ دوسروں پر احسان کرنے والے بندے اللہ کو پیارے ہیں۔

اور یہ تو قرآن مجید کا عام منشور ہے جس کا ہر مسلمان مخاطب و مکلف ہے کہ بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ بھی پورا انصاف کیا جائے اور کسی کی عداوت اور دشمنی کی وجہ سے اس کا حق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی جائے ـــــ ارشاد ہے اور کس قدر زور اور تاکید کے ساتھ ارشاد ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ
قَوْمٍ عَلٰى أَلَّا تَعْدِلُوا
اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ
لِلتَّقْوٰى ۝
(     )

اور کسی قوم کی دشمنی ہرگز تمھیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ بے انصافی کر بیٹھو، تم (دشمنوں کے ساتھ بھی) پورا پورا انصاف کرو، یہی قرین تقویٰ ہے۔

الغرض قرآن مجید میں جس طرح خدا کی عبادت اور اپنے ماں باپ اور اعزہ و اقارب کی خدمت اور یتیموں، کمزوروں، مسکینوں، حاجتمندوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم دی گئی اسی طرح عام انسانوں حتیٰ کہ اپنے دشمنوں، اور بدخواہوں کے ساتھ بھی انصاف اور حسنِ معاملت کی تاکید کی گئی ہے۔

## اسلامی برادری کے خاص حقوق:۔

قرآن مجید نے خون اور نسب کے رشتوں کی طرح ایمان اور اسلام کو بھی ایک اہم اور مقدس روحانی رشتہ قرار دیا ہے۔ اور اس رشتہ کی رو سے ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی بتایا ہے۔ ارشاد ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ (حجرات۔ ع ۲)
سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

پھر اس روحانی اور ایمانی رشتہ کی وجہ سے ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان بھائی کے کچھ خاص حقوق عائد کیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان میں باہم شفقت اور ترحّم ہو۔ اور آپس میں ان کا معاملہ نرمی اور فروتنی کا ہو، ہر ایک دوسرے کا خیر خواہ، خدمت گزار اور نیازمند ہو، چنانچہ ایک جگہ اہلِ ایمان کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ

رُحَمَاءُ بَیْنَہُمْ (فتح۔ ع ۴)
وہ آپس میں ترحم اور شفقت کا معاملہ کرنے والے ہیں۔

اور دوسری جگہ ان کا حال یہ بیان کیا گیا ہے کہ

اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (مائدہ ع ۸)
برادران ایمانی کے سامنے وہ نیازمند اور اپنے کو بیچارہ رکھنے والے ہیں۔

اور جو چیزیں تعلقات کو خراب کرنے والی اور دلوں میں کدورت پیدا کرنے والی ہو سکتی ہیں، قرآن مجید نے مسلمانوں کے لیے سختی سے ان کی ممانعت فرمادی، مثلاً کسی کے ساتھ تمسخر کرنا اس کا مذاق بنانا، ہنسی اڑانا، اس کو عیب لگانا، کسی بُرے اور مکروہ نام سے اس کو یاد کرنا، پیٹھ

پیچھے اس کی برائی کرنا، یا اس کے عیوب کا تجسس کرنا یا صرف قیاس و خیال کی بنا پر۔ اور اسی طرح بغیر تحقیق کے کسی افواہی شہرت کی بنیاد پر کسی کے بارہ میں بدگمانی کرنا اور اس کے خلاف رائے قائم کرلینا یہ وہ چیزیں ہیں جن میں لوگ زیادہ احتیاط نہیں کرتے، لیکن چونکہ ان باتوں سے دلوں میں رنجش اور کدورت پیدا ہوتی ہو اور تعلقات میں خرابی پڑتی ہے اس لیے قرآن مجید میں صراحت اور تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہو کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ہرگز ایسا نہ کرے اور اس معاملہ میں پوری احتیاط برتے۔ ارشاد فرمایا گیا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ط أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ط وَاتَّقُوا اللَّهَ ط

اے ایمان والو، نہ تو مردوں کے لیے جائز ہے کہ وہ دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، کیا عجب ہو کہ (جن لوگوں کا مذاق اڑایا جاتا ہو اللہ کے نزدیک) وہ (ان مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں، اور اسی طرح نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، کیا عجب ہے، کہ ان (مذاق اڑانے والیوں) سے وہی بہتر ہوں، اور تم آپس میں ایک دوسرے کو عیب بھی نہ لگاؤ اور نہ بُرے القاب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام (گناہی) برا ہے۔ اور جو لوگ (اس تنبیہ کے بعد بھی ان حرکتوں سے) باز نہ آئیں وہ بڑے ظالم ہیں — اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیونکہ بعضے گمان بالکل گناہ ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے عیوب کا تجسس نہ کرو (اسکی

إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ○ (الحجرات ع ۲)

کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ لگو) اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اور تمھیں اس سے کراہت اور گھن آئے۔ اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ تعالےٰ بہت معاف کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

مسلمانوں کے باہمی حقوق کے سلسلہ میں قرآن مجید نے ایک رہنمائی یہ بھی کی ہے کہ ہر مسلمان اپنی اپنی دعاؤں میں سب مسلمان بھائیوں کو بھی شریک کیا کرے۔ قرآن مجید کی تعلیم فرمائی ہوئی اکثر دعاؤں میں جمع کے صیغوں کے استعمال کا یہ بھی ایک سبب ہو ـــــ قرآن مجید کی ایسی بیسوں دعاؤں میں سے صرف دو چار دُعائیں یہاں بھی پڑھ لیجئے!

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (البقرہ ع ۲۵)

اے ہمارے پروردگار دے ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی، اور بچا ہمیں آخرت کے عذاب سے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ○ (آل عمران ۔ ع ۱)

اے ہمارے پروردگار نہ پھیر ہمارے دلوں کو بعد اسکے کہ تونے ہمیں ہدایت دی۔ اور دے ہمیں رحمت اپنے پاس سے بیشک تو ہی عطا فرمانے والا ہے۔

رَبَّنَا إِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (آل عمران ۔ ع ۲)

اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے، پس تو ہمارے گناہ بخشدے اور دوزخ کے عذاب سے ہمیں بچا۔

رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ

اے پروردگار ہمارے! ہم ایمان لے آئے، پس تو ہم کو بخشدے اور ہم پر

الرَّاحِمِيْنَ ○ (مومنون۔ ع ۶)

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (الحشر ع ۱)

رحمت فرما، تو سب مہربانوں سے بہتر اور بالاتر ہے۔

اے ہمارے پروردگار ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان سب بھائیوں کی بھی مغفرت فرما جو ہم سے آگے گئے ایمان کے ساتھ اور نہ کر ہمارے دلوں میں کدورت ایمان والوں کے ساتھ، اے پروردگار یقیناً تو بڑا مہربان اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔

## (بقیہ مضمون صفحہ ۳۲)

جاتے ہیں۔ لیکن اول تو ان کی تعداد ہی کیا، دوسرے اس نفسی نفسی ـــــ یا زیادہ سے زیادہ جماعتی جماعتی، قومی قومی (میری جماعت میری قوم) ـــــ والی سیاست کی عملی ساخت ہی ایسی واقع ہوئی ہو کہ کوئی بڑا سے بڑا جواہر لال بھی اپنی نیک نفسی وحق پرستی یا شرافت کو اس کے چوکھٹے میں پوری طرح فٹ نہیں رکھ سکتا۔ نمک کی کان میں مل کر شکر اپنی مٹھاس کیسے قائم رکھ سکتی ہے۔ کانگریسی تو کانگریس۔ دین و اسلام کے حق میں ایسی سیاسی ذہنیت والی نام کی مسلم لیگ اور لیگیوں یا پاکستانیوں سے بھی جو کچھ ظہور میں آسکتا ہے، آنکھوں کے سامنے ہے۔

مسلمان حاکم ہوں یا محکوم، آزاد ہوں یا غلام ان کی اعلیٰ سیاست سب سے پہلے مسلمان بنا بنانا یا اللہ تعالیٰ سے توڑے ہوئے رشتے از سر نو جوڑنا ہے۔ اس کو راضی کیے بغیر غیروں کی نقالی میں ان کی دنیا بھی بگڑتی ہی چلی جائے گی۔ یہ کوئی خوش اعتقادی نہیں، مسلمانوں کا ماضی و حال دونوں گواہ ایسی گواہی پر یک زبان ہیں!

الفاظ جو کچھ رہے ہوں مطلب معروضات کا کم و بیش یہی تھا۔ اور حضرت کا جواب زیادہ تر افسردگی کا تائیدی سکوت۔ وَاللّٰہُ اعلم بحقیقۃ الحال۔

# علم و ذکر

از مولانا محمد اشرف خاں صاحب ایم، اے لکچرار اسلامیہ کالج پشاور

(۲)

جب یہ معلوم ہو چکا کہ علم کا مقصود اصلی عمل ہے۔ اور عمل کے لئے لازم نہیں کہ کتابی تعلیم ہی دیجائے بلکہ اگر زبانی تعلیم ہی عمل صالح کا دروازہ ہم پر کھول دے تو علم کا مقصد حاصل ہو گیا۔ چنانچہ قرون اولیٰ میں کتابی تعلیم پر اتنا زور نہیں دیا جاتا تھا۔ جتنا علم کی حقیقت اور اس کی تاثیر و نتیجہ خیزی پر دھیان کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ارشادات نبویؐ کا گو اکثر حصہ تحریر میں آچکا تھا۔ تاہم متداول طریقہ زبانی تعلیم و تعلّم کا تھا۔ کہ جو باتیں انسان زبانی یاد کرتا ہے وہ حفظ و ممارست سے قلب میں پیوست ہو جاتی ہیں اور عمل کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔ جبکہ کتاب پر انسان کا بھروسہ اسے ایسا کرنے سے باز رکھتا ہے اور بسا اوقات یہ کتابی نقوش یا بس، عملی جمود کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ایسی اُمت کیلئے جس کے ہر فرد پر علم کا حصول فرض کر دیا گیا ہو۔ نوشت و خواند کی سہولتیں بہم پہونچانی بھی ایک حد تک مُشکل ہیں۔ اس لئے ایسی حالت میں بجائے کرم کتابی بنانے کے زبانی تعلیم و تعلّم ہی بہتر ہے۔

اعلم الناس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص صفت تعلیم بھی تھی۔ لیکن جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
(الجمعۃ - ۱)

وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا۔ جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور ان کو عقائد باطلہ و اخلاق ذمیمہ سے پاک کرتے ہیں۔ اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتوں) کی تعلیم دیتے ہیں۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو کہ جس طرح سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا فخر تھا۔ اسی طرح آپ نے عرب کے "امیوں" کو بھی کتابی نوشت وخواند سے تعلیم نہیں دی، بلکہ زبانی تعلیم کا وہ طریقۂ ہدایت رائج فرمایا جس نے تمام عالم کو علم کی روشنی سے منور کر دیا۔ صحابہ جو کچھ آپ سے قولاً وفعلاً سیکھتے تھے۔ اسے یاد کرتے تھے اور اس کے مطابق اپنے اعمال کو ڈھال کر دوسروں کو یہ علمی وعملی روشنی پہنچاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ باہم مذاکرہ وتکرار سے علم بڑھتا تھا۔ عمل پختہ ہوتا تھا اور اُس کی نورانیت پھیلتی جاتی تھی۔ اس دور میں کتابی علم کی حیثیت مددگار ومعاون کی سی تھی۔ جو علم وعمل کی ان عملی درسگاہوں میں بوقت ضرورت کام آتا تھا۔ لیکن جوں جوں زمانۂ رسالت سے بُعد ہوتا گیا۔ کتابیں بڑھتی گئیں۔ زبانی تعلیم وتعلم، عملی رشد وہدایت اور تاثیر وتاثر کم ہوتا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم کا وہ فیضان جو بالمشافہ اخذ وطلب سے حاصل ہوتا تھا۔ کم ہوتا گیا۔ اور اس کی وہ پہلی سی افادیت باقی نہ رہی۔

امام اوزاعی کا قول ہے:۔

کان هذا العلم شيئاً شريفاً اذا كان من افواه الرجال يتلاقونه ويتذاكرونه فلما صار في الكتب ذهب نوره وصار الى غير اهله

(تدوین حدیث مولٰنا مناظر احسن گیلانی بحوالہ جامع بیان العلم ص۶۸۔ ج۔۱

حدیث کا علم بہت ہی قیمتی اور شریف اس وقت تھا جب لوگوں کے منھ سے حاصل کیا جاتا تھا۔ لوگ اسے ایک دوسرے سے مل کر لیتے اور آپس میں مذاکرہ کرتے رہتے تھے لیکن جب سے حدیثیں کتابوں میں درج ہو گئیں اسکا نور اور اسکی رونق جاتی رہی۔ اور ایسے لوگوں میں پہنچ گیا جو اس کے اہل نہیں ہیں۔

متقدمین کی علم کے لئے کاوش وجستجو اور ایک ایک حدیث کی تلاش میں صدہا میل کا سفر اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں علم کے حصول کا کس قدر شوق تھا۔ اور جب ان صعوبتوں کے بعد انھیں علم کا کوئی حصہ ہاتھ آتا تھا۔ تو اس کو حرز جان بنا لیتے تھے۔ خود اس پر عمل پیرا ہو گئے تھے اور دوسروں تک یہ دولت پہنچاتے تھے۔ لیکن جوں جوں کتابی علم عام ہوتا گیا۔ کرمک کتابی تو بڑھتے گئے۔ لیکن جوہر علم کے متلاشی کم ہوتے گئے۔ کم طلب اور کم کوش نااہلوں تک علم کتابی جا پہونچا۔ جو قشر وپوست پر ہی قناعت کر بیٹھے۔ رفتہ رفتہ کتابیں پڑھ لینا ہی علم ٹھہرا۔ علم کی روح رخصت ہو گئی۔ علم کا مقصد بھلا دیا گیا۔ علم

کا مغز الفاظ کی وسعتوں میں پنہاں ہوگیا۔ اور اس کے نتائج مفقود ہوگئے۔ ابتدا میں علم جن معنوں کا جامع تھا۔ ان کی حقیقت کتابوں کے صفحوں میں گم ہو کر رہ گئی۔ علم جو جتنا بڑھتا تھا خشیت بڑھتی تھی۔ (جیسا کہ حدیث میں ہے۔ انا اعلمکم باللہ و اخشاکم للہ) اب اندرونی کیفیتوں کے فقدان کی وجہ سے حجاب بن کر رہ گیا۔ یہاں تک کہ صوفیا کو کہنا پڑا۔

العلم حجاب اکبر — ایں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ

وہی علم جس کا ایک ذرہ قلب انسانی کو پھونک دیا کرتا تھا۔ مدارس و مجالس کی گرم گفتاری کا ذریعہ بنکر رہ گیا۔

عشق کی تیغ جگر دار اُڑا لی کس نے — علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

آج ان تمام تلخ حقیقتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں مسلمانوں میں علم کا انہی کیفیتوں اور معانی کے ساتھ احیا کرنا ہے۔ جو قرن اول میں عمل کا ذریعہ بنی تھیں کہ علم کے بغیر عمل ناممکن ہے۔ بلکہ لفظ علم کی اسلامی حقیقت اپنے اندر علم و عمل دونوں کو سمائے ہوئے ہے اور دورِ اول میں عملی کیفیات اور کارکردگیوں پر بھی لفظ علم کا اطلاق کیا جاتا تھا۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے حضرت عبادہ ابن حارثؓ کا قول نقل کیا ہے جو انھوں نے مشہور تابعی حضرت جبیرؓ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ:۔

ان شئت لاحدثنک باول علم یرفع من الناس الخشوع یوشک ان تدخل مسجد الجامع فلا تری فیہ رجلاً خاشعاً

(جامع ترمذی جلد دوم باب ماجاء فی ذھاب العلم)

اگر تم چاہو تو میں بیان کروں کہ پہلا علم جو لوگوں سے اُٹھالیا جائے گا خشوع ہوگا۔ اور قریب ہے کہ تم مسجد جامع میں داخل ہو اور وہاں ایک خاشع شخص بھی نہ پاؤ۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ "خشوع" پر علم کا اطلاق کرتے تھے۔ حالانکہ آج کل کی اصطلاح کے مطابق خشوع۔ علم یعنی جاننا نہیں ہے۔ بلکہ ایک عملی کیفیت ہے۔ جس کا مطلب بدن جھکانا۔ آواز پست ہونا، نظر نیچی ہونا۔ اور قلب میں خوف کا پیدا ہونا ہے (لسان العرب) اور سب جانتے ہیں کہ یہ عملی کیفیتیں ہیں۔

آج مسلمانوں کے دینی احیاء کے لئے اسی علم کے احیاء کی ضرورت ہے۔ جو ہم میں علم و عمل کی دوگونہ قوتوں کو زندہ کردے۔ اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ ہماری درسگاہیں۔ نہ صرف پڑھنے پڑھانے

کا بھی فریضہ ادا کریں، بلکہ ہمارے علمی حلقے اس عملی سوز و گداز کا منبع ہوں۔ جو ہمارے قلوب پر الٰہی عظمت طاری کر کے خشیت و محبت الٰہی کے دوگونہ جذبات پیدا کرے۔ کہ عمل کا دروازہ اسی وقت کھلتا ہے جب علم کی عظمت دلوں پر منکشف ہو جاتی ہے۔ چنانچہ دور اول میں علم کی یہی عظمت تھی جو دلوں کو موم بنا کر نقش الٰہی ان پر مرتسم کر دیتی تھی۔ اور وہ عمل پر مجبور ہو جاتے تھے۔ ترمذی نے حضرت عرباض ابن ساریہ سے روایت کی ہے کہ:۔

قال وعظنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً بعد صلوٰۃ الغداۃ موعظۃ بلیغۃ ذرفت منها العیون ووجلت منها القلوب فقال رجل ان هذه موعظۃ مودع فماذا تعهد الینا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان امر علیکم عبد حبشی فانه من یعش منکم یری اختلافاً کثیراً وایاکم ومحدثات الامور فانها ضلالۃ فمن ادرک ذالک منکم فعلیه بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ۔

(ترمذی جلد دوم باب الاخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ)

(عرباض ابن ساریہؓ کہتے ہیں کہ، ایک دن صبح کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلیغ نصیحت کی جس کی وجہ سے (لوگوں کی) آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور قلوب لرز گئے۔ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نصیحت وداع کرنے والے کی سی درد انگیز ہے۔ آپ ہم سے کیا عہد لینا چاہتے ہیں (تاکہ ہم اس پر عمل پیرا ہو جائیں) آپ نے فرمایا۔ میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور امیر کی تابعداری کی اگرچہ وہ ایک غلام حبشی کیوں نہ ہو۔ تم میں سے (میرے بعد) جو زندہ رہا تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا۔ پس (نفس) دین میں نئی باتوں سے بچنا کہ یہ گمراہی ہے۔ پس جس نے تم میں، سے اختلافات کا زمانہ پایا اُسے لازم ہے کہ میرے طریقہ پر قائم رہے اور خلفائے راشدین مہدیین کے طریقے کی پابندی کرے اور مضبوطی سے اس طریقۂ ہدایت کو تھامے رکھے)

اس حدیث سے یہ حقیقت صاف ظاہر ہے کہ صحابہ پر اللہ اور اس کے ارشادات کا اس قدر اثر ہوتا تھا کہ وہ رو پڑتے تھے، اور ان کے دل لرز جاتے تھے۔ اور وہ پکار اُٹھتے تھے کہ ہمیں راہِ ہدایت بتائیے کہ ہم اس پر گامزن ہو جائیں۔ اگر آج علم کی وہی عظمت عود کر آئے تو آج پھر عمل کا دروازہ کھل سکتا ہے۔

علم کی عظمت اس طرح پیدا ہوسکتی ہے۔ کہ ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و قدر کو اپنے قلوب میں بٹھائیں۔ کہ الٰہی علم کا سرچشمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ ہی سے عالم کی شادابی کا سبب بنا ہے اور جب تک علم کے بھیجنے والے اور پہنچانے والے کی عظمت ہمارے قلوب میں نہیں ہوگی ان کے دئے ہوئے علم کی قدر بھی ہم نہیں کریں گے کہ دُنیا میں عام قاعدہ ہے کہ جس ہستی کو ہم جلیل القدر سمجھتے ہیں۔ اسکی بات کو بھی ہم اتنا ہی قابلِ توجہ اور قابلِ قدر سمجھتے ہیں۔ بڑے آدمیوں کے اقوال کی قدر ہمارے دلوں میں اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ ان کی ہستیاں اپنی عظمت کے ساتھ ہمارے دلوں پر مستولی ہو چکی ہوتی ہیں۔ اگر ایک دیہی گنوار اور ایک یگانۂ روزگار عالم کی زبان سے ہم ایک ہی بات سنیں تو عالم کی علمی شخصیت کی وجہ سے (جس کی عظمت ہمارے ذہنوں پر چھائی ہوئی ہے) ہم اسی بات کو (جو دیہی گنوار کی زبان سے بھی سُنی گئی ہے) زیادہ قابل وقعت اور قابل اعتنا سمجھیں گے۔ کہ ہماری فطرت شخصیتوں کے اثر کی وجہ سے ان کے اقوال کی قدر کی کمی بیشی پر مجبور ہے۔ جو ہستی ہمارے ذہن میں زیادہ وقیع ہوگی۔ اس کی بات بھی اتنی ہی زیادہ وقیع ہوگی۔ اشخاص کی یہی عظمت و ہیبت ہوتی ہے۔ جو ان کے اقوال میں جان ڈال کر دُنیا کے بڑے بڑے انقلابوں کا باعث بنی ہے۔ یہ سکندر و نپولین، تیمور و ہٹلر کی ذاتی عظمت ہی کا اثر اُن کے پیروکاروں پر تھا۔ کہ اُن کے ایک ایک لفظ پر لاکھوں جانیں قربان کر دی جاتی تھیں۔ اور یہ اثر و نفوذ صرف جہان بانوں اور کشور کشاؤں کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ مختلف علوم و فنون کے ماہرین کی شخصیتیں بھی جن کے اقوال اپنے اپنے علم و فن میں حرفِ آخر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی عظمت کی حامل ہوتی ہیں۔ اور جب کسی قول کو ان کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ تو سامعین کے قلوب میں اس قول کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ غرض کسی قول و امر کی قدر پیدا کرنے کے لئے اور اس پر عمل پیرا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے اس قول کے کہنے والے اور امر کرنے والے کی عظمت قلوب میں بٹھائی جائے کہ جب آمر کی عظمت و ہیبت قلوب پر چھائے گی تو اس کے اُمر پر فطرتاً عمل پیرا ہونا پڑے گا۔ جیسے ایک پرہیبت شیر کو آتے دیکھ کر اپنی حفاظت کے لئے فوراً کوشش کرنا ایک فطرتی خاصہ ہے۔ اسی طرح ایک حاکم و آمر (جس کی ہیبت و عظمت رگ رگ میں چھا چکی ہو) کے امر کی فوری تعمیل بھی انسانی فطرت ہے۔ امر الٰہی اور ارشادات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عظمت قرنِ اول کے مسلمانوں پر چھائی

ہوئی تھی۔ جو انھیں اللہ کے ایک ایک امر پر جانیں قربان کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

آج علم اور مقصدِ علم (یعنی عمل) کے پیدا کرنے کے لئے از بس ضروری ہے۔ کہ ہم اللہ کی عظمت و کبریائی، ہیبت و جلال، اس کی ہمہ گیری و ہمہ دانی، معیت و علم اور اُس کے سمیع و بصیر ہونے کا دھیان اس کی محبت کے ساتھ اپنے دلوں میں بٹھائیں۔ اس کے دیئے ہوئے احکام پر موعود وعدوں کو ہر وقت آنکھوں کے سامنے رکھیں اور اس کی نافرمانی کے انجام بد کا تصور ہر وقت ہم پر چھایا رہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم ذکر الٰہی اور مراقبۂ آخرت بکثرت کریں کہ اُس کے ذکر کی کثرت سے اس کی ذات و صفات کا اثر ہمارے قلوب میں اس کی محبت و خشیت پیدا کرے گا اور اس کی معیت کے مقام بلند سے سرفراز کر کے ہمیں اس کے اوامر پر چلا دے گا۔ اور اس کے رنگ میں رنگ دے گا۔ کہ جمال ہمنشیں کا اثر یقینی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں ذکر الٰہی کی غیر معمولی فضیلت اور اہمیت آئی ہے۔ چنانچہ مشہور حدیثِ قدسی ہے:۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملأٍ ذکرتہ فی ملأٍ خیر منھم وان تقرب الی شبرًا تقربت الیہ ذراعًا وان تقرب الی ذراعًا تقربت الیہ باعًا وان اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ

(رواہ احمد و بخاری، مسلم، والترمذی النسائی وابن ماجۃ والبیہقی، وصحیح مسلم جلد دوم باب الحث علی ذکر اللہ تعالیٰ صہ ۲۴۱۔ ج ۲۔

بخاری باب قول ویحذرکم اللہ نفسہ صہ ۱۱۰۱۔ ج ۲۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہو۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہو تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع میں (جو معصوم اور بے گناہ ہیں) اس کا تذکرہ کرتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے۔ تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے۔ تو میں دو ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہو تو میں اس کی

طرف دوڑ کر چلتا ہوں۔

حضرت ابو الدرداء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الا انبئکم بخیر اعمالکم وارضاھا عند ملیککم وارفعھا فی درجاتکم وخیر لکم من اعطاء الذھب والورق ومن ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم قالوا وما ذاک یا رسول اللہ قال ذکر اللہ

(ابن ماجہ باب فضل الذکر) ورواہ الترمذی باختلاف یسیر۔ صفحہ ۱۷۳ ۔ ج ۔۲۔

کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمام اعمال میں بہترین چیز ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور سونے چاندی کو (اللہ کے راستہ میں) خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور (جہاد میں) تم دشمنوں کو قتل کرو وہ تم کو قتل کریں۔ اس سے بھی بڑھی ہوئی۔ صحابہ نے عرض کیا ضرور بتادیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ کا ذکر ہے۔

ابو ہریرہؓ اور ابو سعید خدریؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا۔

لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللہ فی من عندہ۔

(صحیح مسلم باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر)

کوئی قوم اللہ کے ذکر کرنے کے لئے نہیں بیٹھتی مگر فرشتے اس کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ اور رحمت انپر چھا جاتی ہے۔ اور سکینہ انپر نازل ہوتا ہے اور اللہ اپنے پاس والوں یعنی فرشتوں کے سامنے انکا ذکر (فخریہ کرتا ہے)

امام بخاریؒ و مسلمؒ نے ابی موسیٰؓ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر مثل الحی والمیت (مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عز وجل)

جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ اور جو نہیں کرتا انکی مثال زندہ اور مردہ کی ہے (کہ ذاکر زندہ ہے اور غافل مردہ)

امام ابو داؤدؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من قعد مقعدا لم یذکر اللہ فیہ کانت علیہ من اللہ ترۃ ومن اضطجع مضجعا لا یذکر اللہ فیہ کانت علیہ من اللہ ترۃ

(مشکوٰۃ ۔ صفحہ ۱۹۸)

جو شخص بیٹھا اور پوری نشست میں ایک دفعہ بھی اللہ کا ذکر نہ کیا تو اس پر اللہ کی طرف سے حسرت ڈالی جاتی ہے اور جو شخص لیٹا اور پورے وقت میں ایک بار بھی اللہ کا ذکر نہ کیا تو اس پر اللہ کی طرف سے حرمان و حسرت ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-
کوئی جماعت ایسی مجلس سے نہیں اٹھتی جس میں اللہ کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔ مگر اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ گویا وہ گدھے کی مردار لاش سے اٹھی ہے اور ان کے لئے حرمان وحسرت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص۱۹۸)

کہ وہ مجلس جو ذکر حبیب سے خالی ہے حسرت ویاس کے سوا اس میں کیا رکھا ہے۔ یقیناً خالق کی یاد سے غافل مجلس ناپاکی اور گندگی ہی کا ٹھکانا ہے۔ دنیا سے یاد الٰہی اور اس کے یاد کرنے والوں کو علیحدہ کر لیا جائے تو مردار دنیا کے سوا رہ ہی کیا جاتا ہے جس کا تذکرہ کیا جائے۔ شاید اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لا تكثروا الكلام بغير ذكر الله فان كثرة الكلام بغير ذكر الله قسوة للقلب وان ابعد الناس من الله القلب القاسي

اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں نہ کرو۔ کہ ذکر کے بغیر زیادہ باتیں قلب کی قسوت (سختی) کا سبب ہیں اور اللہ سے سب سے زیادہ دور "قلب قاسی" ہے۔

(مشکوٰۃ ص۱۹۸ بحوالہ ترمذی روایت ابن عمرؓ)

ام حبیبہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ابن آدم کے تمام کلام (باتیں) سوا امر بالمعروف نہی عن المنکر اور ذکر الٰہی کے بے فائدہ ہیں۔

حضرت ابی سعید خدریؓ سے امام احمد اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ :-

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل اى العباد افضل درجة عند الله يوم القيامة قال الذاكرين الله كثيرا قال قلت يا رسول الله ومن الغازي في سبيل الله قال لو ضرب بسيفه في الكفار والمشركين حتى ينكسر ويختضب دما لكان الذاكرين الله كثيرا افضل منه درجة

(ترمذی باب ما جاء فی فضل الذکر مشکوٰۃ بحوالہ احمد وترمذی وقال الترمذی هذا حديث غريب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قیامت میں اللہ کے نزدیک کن لوگوں کا درجہ سب سے افضل ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والوں کا۔ ابی سعید خدریؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے غازی سے بھی بڑھکر اس کا درجہ ہوگا۔ آپ نے (جواباً) فرمایا۔ ہاں اگر کفار ومشرکین کے ساتھ تلوار سے اتنا لڑے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون میں رنگ جائے، تب بھی اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والوں کے درجے اس سے افضل ہوں گے۔

کہ جب جہاد و قتال کا مقصد بھی اعلاء کلمۃ الحق اور ذکر الٰہی ہے، تو مقصد بہر صورت، ذریعہ و سبب سے مافوق ہے۔ ذکر الٰہی دلوں کو کھولتا ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا سے معلوم ہوتا ہے۔

اللھم افتح اقفال قلوبنا بذکرک — یا اللہ کھول دے قفل ہمارے دلوں کے اپنے ذکر سے۔

ذکر سے قلوب کا زنگ اتر جاتا ہے۔ گناہوں کے اثرات مٹ جاتے ہیں۔ اور دل انوار الٰہی کے قبول کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

امام بیہقیؒ دعوات کبیر میں عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یقول لکل شئی صقالۃ وصقالۃ القلوب ذکراللہ وما من شئی انجی من عذاب اللہ من ذکراللہ قالوا ولا الجہاد فی سبیل اللہ قال ولاان یضرب بسیفہ حتی ینقطع ۔
مشکوٰۃ ۔ صـ ۱۹۹

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ فرماتے تھے۔ ہر چیز کو صیقل کرنے اور چمکانے والی چیز ہوتی ہے اور دلوں کو صیقل کرنے والا اللہ کا ذکر ہے۔ اور عذاب الٰہی سے کوئی چیز ذکر الٰہی سے زیادہ نجات دینے والی نہیں۔ صحابہ نے عرض کیا۔ جہاد فی سبیل اللہ بھی اس سے زیادہ نہیں؟ آپ نے فرمایا اگر اپنی تلوار سے اتنا مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے تاہم ذکر الٰہی زیادہ نجات دینے والا ہے۔

ذکر ماسوا کے تعلقات قطع کر کے خالق سے بندے کا رشتہ جوڑ دیتا ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝
(المزمل - ۱)

اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کر کے اسی کی طرف متوجہ ہو۔

ذکر الٰہی دلوں کا چین، قلوب کی راحت اور ہدایت کا ذریعہ ہے۔

وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝
(الرعد - ۴)

جو شخص ان (اللہ) کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت کر دیتے ہیں۔ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔

ذکر کی یہی گوناگوں صفات اور کیمیائی اثرات تھے۔ جس نے صحابہ کی زندگی کو سراپا ذکر بنا دیا تھا، چلتے پھرتے، بیٹھے اور لیٹے خیالِ محبوب میں مست اور اس کی یاد میں رطب اللسان تھے۔ انکی رزم و بزم کی محفلیں نام حق سے گونج رہی تھیں۔ ان کے کاشانے۔ آرام گاہیں، مکان و دکانیں بازار و تفریح گاہیں، یاد حبیب سے عطر بیز تھیں، ان کی خلوتیں اسی کے دھیان سے منور اور انکی جلوتیں اسی کے تذکروں سے آباد تھیں۔ ان کی راتیں جمالِ دوست سے روشن اور ان کے دن اسی کی تجلیوں سے منور تھے۔ ان کے قلوب جلوۂ الٰہی سے معمور اور ان کی نگاہیں کیف عشق سے مخمور تھیں۔ زبانیں تسبیح کناں۔ اعضاء و جوارح عظمت الٰہی سے پُرخشوع اور دروحیں انوار الٰہی سے مستور تھیں ان کی تجارتیں انھیں ذکر حق سے غافل نہیں کرتی تھیں اور ان کے کاروبار ان کی قلبی خلوتوں میں بار نہیں پاتے تھے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (نور - ۵)
ایسے لوگ جن کو کاروبار اور خرید فروخت کا شغل یاد الٰہی سے غافل نہیں کرتا۔

ذکر دوام سے ان کے دل زندہ تھے۔ ان کی رفتار و حرکت، اور اُن کا آرام و سکون الٰہی نغموں سے پُرشور تھا۔

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران - ۲۰)
جو خدا کو اُٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے یاد کرتے ہیں

آرام گاہوں کو چھوڑ کر جمال یار کی کیف انگیز خلوتوں کے طالب اپنی راتوں کو اسی کے جلوے سے آباد کیا کرتے تھے۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ (سجدہ - ۲)
جنکے پہلو (رات کو) خوابگاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں وہ خوف و امید کے ساتھ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔

اللہ کے ذکر میں یہی کیفیت ہے۔ جو اللہ کے ماننے والوں کو ہر وقت اسی کے دھیان میں مگن رکھتی ہے۔ اور ذکر کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ کا خیال بندہ پر اس طرح طاری رہے کہ ہر وقت الٰہی معیت و حضور کا یقین اور اللہ عز و جل کے حاضر و ناظر ہونے کا ایمان اسے تمام معاصی سے مجتنب رکھ کر تمام اوامر الٰہیہ پر چلا کر رضائے مولا سے ہمکنار کرا دے کہ اللہ کا چاہنے والا اپنے محبوب کو سامنے دیکھتے

ہوئے اس کے کہنے کے خلاف نہیں کرسکتا، اور اس کے حکم سے انحراف اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے۔ جسکی نگاہیں تماشائے جمال سے ہر وقت روشن ہوں۔ وہ خلوت و جلوت میں معاصی کی ظلمت سے دور ہی رہیگا اور رضائے حبیب کی طلب میں اس کی زندگی سراپا مدعائے دوست بن جائے گی اور اس کی ہر حرکت اسی سے ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے:۔

وما تقرب الی عبدی بشیٔ احب الی مما افترضت علیه وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها (صحیح بخاری باب التواضع ص ۹۶۲۔ ج ۱۔ مشکوٰۃ ص ۱۹۷ بحوالہ بخاری عن ابی ہریرہ)

میرا بندہ، جو چیزیں مجھے پسند ہیں ان میں، فرضوں سے زیادہ کسی چیز کے ذریعہ میرا قرب، حاصل نہیں کرتا اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ قرب کے لگاتار مراتب طے کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ پس میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔

اس کی تمام زندگی الٰہی رنگ میں نکھر کر سیرتِ مطہرہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابع ہو جاتی ہے کہ سیرت طیبہ ہی رضائے الٰہی کا انتہائی عملی نمونہ ہے اور ذات پاک ہی کائنات میں اللہ کا بنایا ہوا اسوہ کامل ہے۔

دین او آئین او تفسیر کل — در جبینِ او خطِ تقدیر کل

عقل را او صاحب اسرار کرد — عشق را او تیغ جوہر دار کرد

کاروانِ شوق را او منزل است — ما ہمہ یک مشتِ خاکیم او دل است

ذکر الٰہی اپنی ان حقیقتوں اور کیفیتوں کو لئے ہوئے جب علم الٰہی کی روشنی میں قلب مومن پر اثر ڈالتا ہے تو قلب کی دنیا بدل جاتی ہے، وہ منقاد و متأثر ہو کر طاعتِ الٰہی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی تبدیلی انسان پر عمل کا دروازہ کھول دیتی ہے کہ "یہ دل" ہی ہے جس کی کائنات بدلنے سے انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے اور اعضاء و جوارح دل کی پیروی میں احکام الٰہی پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ اس طرح علم و ذکر کے اس امتزاج سے اس زندگی کی تشکیل ہوتی ہے جو الٰہی رحمتوں نبوی برکات اور انسانیت کے اوج و کمال کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ (باقی آئندہ)

# عبد کی واپسی اپنے رب کے پاس

(از حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی سابق پروفیسر جامعہ عثمانیہ)

یَا اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّه
فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ

حضرت اقدس مولائی و مولانا المدنی (ادخلہ اللہ ربہ فی عبادہ وجنتہ) کی خبر رحلت کے بعد قلب پر آیت بالا کچھ اس طرح وارد ہوئی کہ جیسے حضرت کی سیرت کا قد آدم آئینہ کسی نے سامنے کھڑا کر دیا۔

مال و دولت، جاہ و مرتبت، سیاست و قیادت کی سی دنیا کی کسی چھوٹی بڑی بڑائی کا ذکر کیا، خود دین کی بڑی سے بڑی "دینیادی" بڑائیوں کے لیے بھی ہرگز انسان پیدا نہیں کیا گیا ہے: نہ مفکر اسلام، نہ متکلم اسلام بننے کے لیے، نہ مفسر و محدث، نہ مجتہد و مجدد، نہ مصلح و مبلغ اور نہ "شیخ الحدیث و شیخ الہند" بلکہ صرف عبد یا بندہ۔ یعنی سب سے بڑے کے سامنے سب چھوٹا بننے اور اسی کی بندگی و غلامی میں لگا رہنے کے لیے — مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔

مختصر حقیقت اس غلامی و عبدیت کی یہ ہے کہ ظاہر و باطن، دل و دماغ، اعضاء و جوارح، سب کے چھوٹے بڑے — دینی و دنیوی، انفرادی و اجتماعی، وطنی و قومی، سیاسی و سماجی — تمام اختیاری اعمال و افعال میں اختیار بھر آدمی صرف اور صرف وہی راہ و روش اختیار کرنے میں تن من دھن سے لگا رہے جس میں اپنے حقیقی مالک یا رب کی رضا و خوشنودی جانتا پاتا ہو۔ اسی طرح غیر اختیاری یا تکوینی احوال و معاملات میں — فقر و غنا، صحت و مرض،

عزت و ذلت، نیک نامی و بدنامی، کامیابی و ناکامی کا ــــ جو حال و معاملہ پیش آئے اس کو اپنے "رب اعلیٰ و عظیم" حاکم و حکیم کی طرف سے عین حکمت و رحمت جان کر راضی و مطمئن رہے۔ اصل مطالبہ انسان سے پوری زندگی کو بس یہی عین عبدیت یا سراپا بندگی و سرافگندگی بنا دینے کا ہے۔

حضرت مرحوم اعلی اللہ مقامہ کو وقت کے اکابر دین، علماء و مشائخ ہی میں ظاہر و باطن، علم و عمل، صلاح و تقویٰ کی مسلمہ بڑائی حاصل نہ تھی۔ اکابر دنیا کی نظر میں آج بہت بڑی بڑائی سیادت و قیادت کی خیال کی جاتی ہے۔ اس کی بھی اپنوں پرایوں سب ہی میں صف اول کی اہمیت و مقبولیت حاصل رہی۔ لوگوں کی آنکھوں میں (فی اعین الناس) ان گوناگوں بڑائیوں پر بھی کمال عبدیت نے خود اپنی نگاہ میں (فی عینی) اتنا چھوٹا بنا دیا تھا کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا بھی چھوٹا نہ رہ گیا تھا۔ خلوت ہو کہ جلوت، سفر ہو کہ حضر، نجی مجلس ہو کہ کوئی بڑے سے بڑا جلسۂ عام (جس کے خود صدر ہی ہوں) ہر موقع و محل میں سب سے نمایاں، حالاً و قالاً بات بات میں جو شان چھائی رہتی تھی وہ اس مدنی غلام میں اپنے مدنی آقا اکمل العباد کی شان عبدیت ہی تھی۔

انسان مال سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر جاہ کا بندہ ہے، بالکل سچ ہے کہ "صدیق" کے قلب کا بھی پیچھا سب سے آخر میں جو روگ چھوڑتا ہے وہ جاہ کی طلب ہوتی ہے۔ بڑے بڑے مجاہدوں پر بھی آخر تک نفس سب سے زیادہ کشمکش اپنی انانیت و کبریائی ہی کے لیے کرتا رہتا ہے۔ چھوٹوں ہی نہیں، اپنے بڑوں ــــ باپ استاد وغیرہ تک ــــ کے مقابلہ میں اگر کوئی امتیاز و تفوق نصیب ہو جاتا ہے، تو اس کو بھی کوئی بڑا عالی ظرف ہی دبا پاتا ہے۔ ورنہ دبانے کے عنوان سے بھی اکثر ابھرنا ہی مقصود ہوتا ہو۔ جب تک خدائی عظمت و جلال اور اس کے روبرو اپنے عجز و نیاز کا پورا پورا استحضار نہ ہو تواضع میں بھی تعلّی کا دعویٰ کھلے چھپے جاری رہتا ہے۔

اس ننگ نام نام لیوا کو تیس سال سے زیادہ ہی خدمت سراپا عبدیت میں دور و نزدیک کے تعلق اور مخاطبت و مکاتبت کی سعادت نصیب رہی ہوگی۔ "چشم بدبیں" رکھ کر بھی مدنی سیرت کے کسی گوشہ میں کسی بڑائی کے خلاف کوئی چیز آج ڈھونڈھے نہیں ملتی، وہ سب سے بڑی یہی بڑائی تھی کہ اپنی بڑائی کے احساس و اظہار کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہ تھا۔

جس نے خود اپنے نفس و ہوا کو خدا بنا رکھا ہو اس کے "مختوم قلب" میں خدا کی سمائی کہاں

سے ہو سکتی ہے (افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ ..... وختم علی سمعہ وقلبہ .....) خدا کو پانے کا راستہ تو از ابتدا تا انتہا خودی کو مٹانا ہی مٹانا ہے۔ فنائے نفس کے بغیر اطمینان نفس (النفس المطمئنہ یا "راضیۃ مرضیہ" والی عبدیت میسر آنا محال ہے۔ اس "جہاد اکبر" میں "مدنی" مجاہد اعظم کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لیے ذیل کے دو واقعہ ہی کافی ہیں، جو حضرت کے وصال کے سلسلہ میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔

ایک کا ذکر شیخ عبد العلی صاحب قدوائی نے قومی آواز (۱۷ دسمبر ۱۹۵۷ء) کے ایک مراسلہ میں کیا ہو۔ حضرت رحمہ اللہ اور مولانا محمد علی مرحوم کراچی جیل میں رفیق زنداں تھے۔ مرحوم کو ذیابیطس کی وجہ سے رات میں بار بار پیشاب کے لیے جانا پڑتا۔ پیشاب کا برتن ہر مرتبہ صاف ملتا۔ سمجھ میں نہ آتا کہ قصہ کیا ہے! ایک رات کچھ کھٹک معلوم ہوئی تو مرحوم جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ یہ کام چپکے چپکے حضرت انجام دے رہے ہیں!

خیر مولانا محمد علی تو بہر حال "مولانا محمد علی" تھے۔ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر اسی جنوری کے الفرقان میں حضرت مولانا نعمانی سلمہ کی زبان سے اسی رنگ کا ایک اور سبق درج ہوا ہو۔ جو دہرانے کے لائق ہے۔ حضرتؒ کے ایک شاگرد نے خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ حضرت ریل کا سفر فرما رہے تھے اور یہ صاحب خادم کی حیثیت سے ساتھ تھے۔ انھیں استنجے کا تقاضہ ہوا۔ بیت الخلا کا دروازہ کھولا تو بہت غلیظ و گندہ دیکھ کر واپس آگئے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت مولانا تیزی کے ساتھ اُٹھے اور بیت الخلا میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ چند منٹ بعد تشریف لائے اور اپنے ان خادم سے فرمایا کہ اب چلے جاؤ۔ انھوں نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرتؒ ان کی واپسی کی وجہ محسوس فرما کر بیت الخلا صاف فرمانے تشریف لے گئے تھے۔

فنائے نفس کے ان بے ساختہ انتہائی مدارج تک ذہن بھی کتنوں کا جاتا ہوگا۔ باقی نسبتہً کم درجہ کے جو عام تجربات اس فنائی عبدیت کے ہوتے رہتے تھے، وہ بھی کس درجہ کے ہوتے، کچھ آپ بیتی عرض ہے۔

ایک مرتبہ دیوبند میں حاضر خدمت تھا۔ کھانے کے وقت ایک ہڈی چچوڑ کر میں نے دسترخوان پر ڈال دی۔ حضرت نے معاً اٹھا کر اس کو پھر خوب چچوڑا اور صاف فرمایا۔ غالباً کچھ گوشت لگا رہ گیا

تھا۔ راقم احقر پر اس وقت تک کسی کے جھوٹے سے کراہیت کیا نفرت، اور اس سے بھی بڑھ کر جراثیم کا وہم اس درجہ مسلط تھا کہ مدتوں جیب میں ٹوٹ کا گلاس رہا کہ کہیں کسی دوسرے کے گلاس میں پانی نہ پینا پڑ جائے! خیال ہوتا ہے کہ حضرت نے اس مرض کا کسی طرح ادراک فرمالیا، اور ایسا سبق دیا کہ نفرت و وہم دونوں کا زندگی بھر کے لیے علاج ہو گیا، اسی طرح بڑائی کے مرض کا بھی سخت مریض تھا۔ سفر وغیرہ میں خود بے تکلف اٹھا لینے بھر کا سامان بھی ساتھ ہوتا تو بھی بھلا "پروفیسر" یہ ذلت کیسے برداشت کرتا، بعض مواقع پر خود حضرت نے "پروفیسر صاحب" کا سامان قلی کی طرح اٹھا کر آنکھیں کھول دیں! ایک دفعہ دیوبند حاضری ایک خادم کے ساتھ ہوئی۔ خادم کے اس "خادم" کو بھی ساتھ کھانا کھلانے وغیرہ تک میں ایسا "مخدوم" بنایا، کہ خود مخدوم کی ساری "مخدومیت" نکل گئی۔ مکاتیب میں بارہا یہاں تک تنزل فرماتے کہ جیسے کوئی چھوٹے سے چھوٹا بڑے سے بڑے کو خطاب فرما رہا ہے۔

فنائے نفس کا یہ رنگ کم و بیش ہر کس و ناکس کے ساتھ تو عام تھا ہی۔ تجربے سے معلوم ہوا کہ بعض اکابر مشائخ کی طرح مدنی شیخ کا یہ خاص ایک تربیتی رنگ بھی تھا۔ خصوصاً اس شر النفوس جیسے آبی النفس مریضوں کے حق میں۔ مگر کتنے شیخ اتنے عالی النفس ہوں گے جو ـــــ اپنے مریضوں کے علاجِ نفس کے لیے ہی سہی ـــــ بے نفسی کی اس انتہا تک بے تکلف جا سکتے ہوں!

---

اس سے بھی بڑا ایک دوسرا کمال "ہر چہ از دوست می آید نیکوست" والی عبدیت ہی کی اخص الخواص والی شان رضائی اطمینان کی تھی۔ اس میں بھی کبھی کوئی فرق آتے نہیں دیکھا۔ راقم الحروف کو بعض بہت نجی اور خانگی حالات و معاملات سے تعلق و واقفیت کا موقع حاصل رہا۔ ایسے کہ کم از کم طبعاً تو بڑوں بڑوں کو گھبرا جاتے دیکھا۔ مگر جان و مال کے کسی ضرر و زیان میں حضرت کو ذرہ بھر پریشان ہوتے یا زبان پر کوئی حرف شکایت آتے نہ دیکھا نہ سنا۔ بضرورت ذکر بھی فرماتے تو محض حکایت کے عنوان سے شکایت کا لب و لہجہ تک نہ ہوتا

آخر آخر میں دینی حمیت اور "البغض فی اللہ" کے اظہار کا رنگ زیادہ تیز ہو گیا تھا پھر بھی ذاتی معاملات میں کسی تلخی و ترشی کے اظہار کیا احساس تک کا پتہ نہ ہوتا۔ مخالفوں اور معاندوں

سے بھی موقع آجانے پر معاملہ ہر طرح اپنی والی دست گیری و خیر خواہی کا ہوتا۔ بات وہی تھی کہ دوستی دشمنی ہر بات میں "ہر چہ آں خود کند شیریں بود" کی نظر مخلوق سے زیادہ خالق پر جاتی۔ لہٰذا غلبہ "از محبت تلخہا شیریں شود" ہی کا رہتا۔ زندگی کے ہر تلخ و شیریں کے ساتھ "رضائی اطمینان" کا یہ حال و قال جس عبد نے پالیا ہو، اس کی واپسی کا حال انشاء اللہ اپنے رب کے پاس بجز "راضیۃ مرضیۃ" اور رب کی طرف سے "فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" کے استقبال کے سوا ہونا ہی کیا چاہیے۔

مرض الموت یا "مراجعت الی الرب" کا مرض وہ بھی قلب کا ایسا سخت و سنگین۔ اس کے بالکل جائز علاج و معالجہ میں بھی آخر تک بڑی فکر اور سارا خیال و اہتمام رضا و تسلیم ہی کا رہا۔ ڈاکٹری کے بعد درمیان میں کچھ دن علاج یونانی ہو گیا تھا۔ لیکن ہمارے ڈاکٹر عبدالعلی صاحب مدظلہ جو ماشاء اللہ پورے مستند حکیم بھی ہیں۔ ان کی رائے میں طب یونانی میں قلب کے اس مرض کا کوئی کارگر علاج نہیں۔ ان کا قطعی مشورہ تھا کہ دہلی تشریف لے جا کر امراض قلب کے بڑے سے بڑے ماہر ڈاکٹر کی طرف رجوع فرمایا جائے، لیکن ممدوح کسی سے بھی کسی معاملہ میں اصرار نہیں فرماتے تو اپنے شیخ و مرشد سے کیا کرتے۔ ایسے مواقع پر تو یہ ادب ناشناس ہی جسارت کر جاتا ہو خود تو مرض و موسم کا بہانہ پاکر عیادت کی ہمت تک سے محروم رہا، تاہم عریضہ کے ذریعہ خود حضرت والا اور صاحبزادہ (مولانا اسعد اسعد اللہ) دونوں کی خدمات میں پوری قوت کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کا مشورہ عرض کیا۔

جواب مبارک میں رد و قبول کا انحصار انسانی مشورہ اور غور و فکر سب پر مقدم استخارہ تھا۔ اہل علم و نظر جانتے ہیں کہ دعائے استخارہ کی جوہری روح تمام تر عبدیت تسلیم و تفویض ہے یعنی اپنے علم و قدرت کی بالکلیہ نفی۔ ہر طرح عجز و بے بسی کا اعتراف اور دین و دنیا عاجل و آجل پر اختیار سے بندہ کی اپنے خدا کو سپردگی۔ نفس کا یہی رضائی اطمینان جان بندگی ہے۔ رضی اللہ عنہ۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ "بہرحال آپ کا اور ڈاکٹر صاحب کا حکم سر آنکھوں پر۔ استخارہ اور مشورہ اور غور و فکر کے بعد جو کچھ ہو سکے گا عمل میں لایا جائے گا۔ اسعد کے پاس بھی والانامہ پہونچا..... دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں بھی سلام مسنون عرض کر دیں۔ والسلام۔"

(مورخہ ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ)

آہ کہ زندگی کی آخری منزل میں خود قلم مبارک سے نامۂ مبارک کی یہ دوسری بالکل آخری سطر فرمائی تھی فانّا للہ وانا الیہ راجعون۔

جی چاہتا تھا کہ قرب وصال کے کچھ خاص اقوال و احوال معلوم ہوتے اور عرض کیے جاتے۔ مولانا اسعد میاں سلمہ کی خدمت میں عریضۂ تعزیت کے ساتھ ہی اس کی درخواست بھی کی تھی۔ موصوف نے زحمت بھی فرمائی۔ مگر "آزادی" کے ڈاک خانے کے یہ تجربات استثنائی نہیں کہ جواب پہونچا آج تک نہیں۔ حضرت کے ایک بڑے خاص بڑے پرانے ـــــ کہنا چاہیے کہ دن رات کے حاضر باش۔ اور گھر باہر کے ـــــ خادم مخدومی قاری اصغر علی صاحب کے کرم نامہ نے البتہ عبدیت ہی کے انتہائی احساس و اعتراف کا ایک آخری حال سنایا۔ رفیق اعلیٰ کے حضور میں حاضری کے کل ۲۴ گھنٹے رہ گئے تھے۔ عصر کی تیاری تھی کہ حضرت مولانا سید فخرالدین صاحب (شیخ الحدیث مراد آباد) کو مخاطب فرماتے ہوئے فرمایا۔ مخلوق کو مجھ سے کتنا حسن ظن ہے۔ حالانکہ میں بدترین خلائق ہوں۔ یہ اور ایسی ہی کچھ باتیں زبان پر آنا تھیں کہ بے قرار ہو کر زار و قطار رونے لگے۔ قاری صاحب لکھتے ہیں کہ "میں نے کبھی پہلے اس طرح روتے نہ دیکھا تھا۔" دیکھا آپ نے جس کی زندگی کا کوئی سانس یادِ حق اور کوئی جنبش تعلق حق سے خالی نہ تھا۔ اس راہ میں سب کچھ ہو کر آخر دم تک کچھ نہ ہونے کا یہ حال و قال ہی تو اس کی عبدیت کا عین کمال تھا۔

---

آخر میں اللہ کے اس عظیم بندہ کی نسبت سب سے بڑی، ہمالیہ سے بھی بڑی، ایک عام غلطی یا غلط فہمی ضرور دور فرمالیں۔ ایسی غلطی و غلط فہمی جس سے بڑھ کر اس کے حق میں کوئی ناانصافی بلکہ تہمت کی بات نہیں ہو سکتی کہ قومیت و وطنیت، آزادی و حریت کی راہ میں اس کے جنگ و جہاد کی نیت و نوعیت وہی تھی، جو بالعموم عوام و خواص اہل سیاست کی ہوتی ہے۔ استغفر اللہ کہاں آج کل کی خالص دنیا پرستانہ ـ فی سبیل الطاغوت ـــــ قومیت و وطنیت یا نام نہاد جمہوریت و حریت کی سرتاپا گندہ و غلیظ جد و جہد اور کہاں خالص خدا پرستانہ ـــــ فی سبیل اللہ ـــــ حیدریت و طاعت والی جانبازی کا جہاد! ہو سکتا ہو کہ ایسے جہاد میں بھی کوئی اجتہادی خطا شریک ہو، اور اس سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہو۔ لیکن نوعیت اس گندگی و غلاظت میں وقتی شرکت یا اس کے قریب جانے کی

بہر حال بجنسہ وہی تھی جو نماز کے لیے حوائج ضروریہ کے تقاضے کو پورا کرنے اور گندہ کی جگہ میں وقتی طور پر جانے کی ہوتی ہے۔

انگریزوں سے دشمنی ہو یا برادران وطن سے دوستی، حضرت علیہ الرحمہ کی دوستی دشمنی تھی سب صرف اللہ کے نام کو اونچا کرنے اور اس کے کام کو بڑھانے کے لیے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان کی آزادی سے دوسرے مسلمان ملکوں کی سیاسی یا سامراجی غلامی سے نجات کا راستہ نہ کھل جائے گا بلکہ خود ہندوستانی مسلمانوں کو اسلامی آزادی کے بہتر مواقع حاصل ہوں گے، لیکن خواب کی تعبیر بالکل اُلٹی نکلی!۔

مسلمان وطن کی آزادی میں یکایک اپنی اسلامیت کو غلامی کے دور سے بھی زیادہ بے بس پانے لگے۔ "دو قومی نظریہ" اور "فرقہ واریت" کو الٹے سیدھے معنیٰ پہنا پہنا کر اور اس کے پروپگنڈے سے ڈرا ڈرا کر عقائد و اعمال، تعلیم و تہذیب ہر اعتبار سے مسلمانوں کی غلامی والی رہی سہی انفرادیت کو بھی مٹایا جانے لگا۔ ہندوستانی قومیت و ثقافت کا نام لے لے کر اکثریت کے دین، دھرم رسوم و عادات سب کو اس طرح مسلط کیا جانے لگا کہ پرانے پرانے مسلمان قوم پرستوں کو بھی دیکھتے ہی دیکھتے خود اپنی اولاد کے ——— زیادہ سے زیادہ مسلمان کے سے نام باقی رکھ کر ——— ہر طرح اکثریت میں مدغم کرتے جانے کا خطرہ واقعہ بنتا دکھائی دینے لگا۔ حد یہ ہے کہ بلند بانگ "لامذہبیت" والے دستور کی دست درازی سے غلامی والی پرسنل لا کی آزادی تک محفوظ نہیں!

ان حالات سے وہ بچے سے بچے مخلص مسلمان بھی تلملا اٹھے جنھوں نے اسلام سے اپنا ناتا بالکل توڑ نہ لیا تھا، اور دل میں دین و ایمان کا کچھ نہ کچھ درد و احساس رکھتے تھے۔ پھر سوچنا چاہیے کہ اس مدنی غلام پر کیا کچھ نہ گزر گئی ہوگی جس نے قوم و وطن کی آزادی کی راہ میں زندگی کی بازی خود اپنی ذات یا مسلمانوں کے لیے مال و دولت، جاہ و حکومت کے لالچ میں نہیں، بلکہ دراصل اس طمع میں لگائی تھی کہ اس کے مدنی آقا کے دین کا بول بالا ہوگا!

دشمن بھی اقرار کریں گے کہ حضرت کا مقام اس سے بہت اونچا تھا کہ اس آزادی سے اپنے یا اعزہ و اقربا کے لیے کسی جاہی و مالی منصب و منفعت کا قلب میں کوئی دور سے دور کا وسوسہ بھی کبھی در آیا ہو۔ لیکن یہ بالکل صحیح نہیں کہ حصول آزادی کے بعد اس میں کوئی حصہ لینے سے اسلئے

کلیتہً دست کشی فرمائی تھی کہ گویا نفس یہ آزادی ہی ان کی زندگی بھر کی اس راہ میں مجاہدانہ جانبازیوں کا تمام تر مدعا تھی، لہٰذا جب مقصد پورا ہوگیا تو الگ جا بیٹھے۔ شتان بینھما!

ہوا یہ کہ وطن کو آزاد پاکر وہ بالکل توقع کے برعکس مسلمانوں کو اور زیادہ "غریب الوطن" پانے لگے۔ ورنہ مسلمانوں کے حق میں اسلامی آزادی کے کچھ بہتر مواقع نظر آتے تو وطن و اسلام دونوں کی آزادیوں کے تحفظ و ترقی کی خاطر اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر مخلصانہ و جانبازانہ سعی و شرکت جاری رہتی جتنی کہ ان کو حاصل کرنے کی خاطر فرمائی تھی۔ کچھ بھی یقین ہوتا کہ کسی اونچے سے اونچے یا نیچے سے نیچے حکومتی عہدہ اور ذمہ داری کو قبول فرما کر اپنی شرکت کو دین کے حق میں کارآمد و کارگر بنا سکتے ہیں تو عہدہ کی طلب سے دور و نفور ہونے کے باوجود، یقیناً اس کو "دیوبند کی مدرسی" پر ترجیح دیتے۔ اور خدا چاہتا تو ہر امتحانی موقع پر "حسینی واحمدی" دونوں شانوں کی عزت بڑھاتے۔ خدا کی رضا و خوشنودی پر نظر رکھنے والے بندہ کی شان بندگی ہوتی ہی یہ ہے کہ ایک طرف اگر اس کے سپرد اعلیٰ سے اعلیٰ حاکمانہ خدمت ہو اور دوسری طرف ادنیٰ سے ادنیٰ ــــ پاخانہ پیشاب صاف کرنے تک کی ــــ تو دونوں کو بلا کسی برتری و کمتری کے احساس کے یکساں فرض شناسی و مستعدی سے انجام دے گا۔

اصل میں حضرت کے مزاج و مذاق پر حسن ظن اور اعتماد غالب تھا۔ کانگرس اور کانگرسی رفقا کے وعدوں اور باتوں پر جتنا بھروسہ تھا، قدرۃً آزادی کے بعد ان کے عملی رویہ کو یک لخت بدلا پاکر اتنا ہی سخت دھکا لگا۔ یہی وجہ انتہائی افسردگی اور سیاست سے دل برداشتگی و علیحدگی کی ہوئی۔ یہ نرا قیاس نہیں، ایک موقع پر ذرا تخلیہ پاکر اور اپنی عادتی جسارت سے کام لے کر کچھ اس قسم کی باتیں عرض بھی کیں کہ

حضرت! سیاسی وعدے ہاتھی کے کھانے والے نہیں دکھلانے والے دانت ہوتے ہیں۔ محض وقتی مطلب و مصلحت سے کیے جاتے ہیں۔ اور مصلحت ہوتے ہی توڑ مروڑ کر نہایت ڈھٹائی سے اپنے مطلب کے بنا لیے جاتے ہیں۔ ماڈرن سیاست میں یہ کوئی عیب نہیں عین ہنر و کمال جانا جاتا ہے۔ ایک گاندھی جی پر قیاس نہ فرمایا جائے۔ ان کی راست بازی ان کی سیاست دانی نہیں، "مہاتمائی" کا صدقہ تھی۔ بے شک کچھ پیدائشی نیک نفس چھوٹے بڑے "جواہر لال" بھی پائے

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

# قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

عتیق الرحمٰن سنبھلی

حال ہی میں جماعت اسلامی پاکستان ایک بڑے حادثہ سے دوچار ہوئی ہے اور — جیسا کہ ناظرین سمجھ رہے ہوں گے — وہ ہے جماعت سے بعض اہم اشخاص کی علحدگی۔ جن میں سے چار تو وہ ہیں جو مختلف اوقات میں جماعت کی امارت کے منصب پر فائز رہ چکے ہیں۔ اور پانچویں ہیں جناب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب (اڈیٹر ہفت روزہ المنبر لائلپور) جو جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے اہم ارکان میں سے تھے۔ اشرف صاحب جماعت اسلامی کے اُن سرگرم ارکان میں تھے جنھوں نے جماعت اسلامی کی مخالفت کے دفاع میں نہایت اعلیٰ پیمانہ پر حصہ لیا ہو۔ مہینوں المنبر کے صفحات اسی کام کے لیے وقف رہے۔ اور چونکہ ہمیں برابر المنبر کے مطالعہ کا موقع ملتا رہا۔ اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جماعت اسلامی پاکستان میں اہل قلم اگرچہ اُن سے بہت اچھے اچھے تھے، خود مولانا مودودی ہی موجود تھے، مگر اعتدال، ضبط غیظ، متانت، جذبہ نصح، درد و سوز اور طنز و تعریض سے احتیاط یہ اُن کی تحریر کے ایسے اوصاف تھے جن کی وجہ سے ان کی مدافعت شاید سب سے زیادہ موثر رہی ہو۔ اسی سلسلہ میں انھوں نے ایک کتاب مرتب کی تھی، جس کا نام تھا "کیا جماعت اسلامی حق پر ہے؟" اس کا تعلق خاص طور پر حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراضات سے تھا۔ یہ کتاب ہمارے پاس تبصرہ کے لیے آئی تھی۔ اور چونکہ راقم اور مولانا اشرف صاحب میں غائبانہ طور پر ایک اُنس سا آپ سے آپ پیدا ہو گیا تھا، جس کا اظہار ایک دوسرے پر ہو چکا تھا، غالباً اسی تعلق کی بنا پر اشرف صاحب نے

راقم کے نام ایک نجی خط میں اس کتاب پر مفصل تبصرہ کی فرمائش کی تھی، مجھے اس فرمائش کا احترام تھا۔ اور جی چاہتا تھا کہ اسکی تعمیل کردں۔ چنانچہ میں نے اسی خیال سے کچھ لکھنا شروع کیا تھا، مگر جلد ہی یہ رائے قائم ہوگئی کہ یہ جو کچھ میں لکھنا چاہتا ہوں، کھُلے تبصرہ میں لکھنے کی چیز نہیں ہے، کیونکہ اسکی بنیاد وجدان پر ہے، دلائل پر نہیں، چنانچہ اسکو روک کر محض مختصر تعارف پر اکتفا کیا ——— کیا پتہ تھا کہ اس بات کے کھُلے طور پر اظہار کا موقع اتنی جلد آجائے گا۔ اور اس وجدانی نتیجہ کے حق میں، جس کے اظہار میں خود اشرف صاحب سے بھی تکلف ہوتا تھا، حقائق کی شہادت اشرف صاحب ہی کے قلم سے فراہم ہوگی۔ آج غالباً ایک سال بھی پورا نہیں ہو پایا ہے کہ وہ موقع سامنے آکر پکار رہا ہو کہ اب وہ بات کہی جائے۔

اُس وقت اشرف صاحب کی کتاب پر میں جو کچھ لکھنا چاہتا تھا وہ یہ تھا کہ جہانتک حضرت مولانا حسین احمد مدنی (علیہ الرحمۃ) کے اعتراضات اور جماعت اسلامی پر عائد کردہ الزامات کے دلائل کا تعلق ہے۔ ایمانداری کی بات یہ ہے کہ ان کے سامنے اپنی علمی بے بضاعتی کے شعور کے ماتحت، اظہار اختلاف کو تو اگرچہ ہم اپنے حدود سے تجاوز سمجھتے ہیں، مگر اُن کے اعتراضات کی صحت اور دلائل کے وزن کو سمجھنے سے، اپنے فہم کی حد تک، ہم بھی قاصر ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اپنی جگہ پر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ حضرت مدنی جیسے بزرگ اپنے مسلّمہ علم و فضل اور فہم و دانش کے باوجود کیسے ان بنیادوں پر اُن اعتراضات کی عمارت اٹھا رہے ہیں۔ اور کیسے اِن دلائل کو اُن سخت الزامات کا مثبت قرار دے رہے ہیں؟ اور پھر اس تعجب کی حالت میں جب ہم جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے معاملہ میں ان کی غیر معمولی شدّت کو دیکھتے ہیں تو یہ تعجب اور بھی بڑھ جاتا ہے ——— مگر یہی تعجب اور یہی الجھن ہماری رہنمائی اس خیال کی طرف کرتی ہے کہ اس شدت کی بنیادیں اِن ظاہری بنیادوں سے الگ، کہیں اور تو نہیں ہیں؟ یعنی کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ مولانا مودودی کے قلم کے چھڑکے ہوئے بیج جو آج ہمیں بڑی حد تک بے ضرر بلکہ نفع بخش نظر آرہے ہیں، یہ حضرات ان میں، مستقبل میں ان سے پیدا ہونے والے کڑوے کسیلے برگ و بار کی

بو سونگھ رہے ہوں، اور ان کے قلوبِ مصفّٰی پر مستقبل میں جماعت اسلامی کے کسی غلط موڑ کا عکس پڑ رہا ہو، لیکن یہ باطنی احساسات اور مشاہدات چونکہ دوسروں پر شرعاً حجت نہیں ہیں اس لیے مستقبل کے خطرات سے امت کو بچانے کے لیے یہ حضرات اسکی کوشش کر رہے ہوں کہ شرعاً حجت ہونے والے دلائل بھی فراہم کر دیں، مگر بحالتِ موجودہ اس میں کامیاب نہ ہو رہے ہوں ——— یا بالفاظ دگر یوں کہیے کہ یہ اعتراضات اور الزامات جو ان حضرات کی طرف سے عائد کیے جا رہے ہیں اِن کا تعلق درحقیقت جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے مستقبل کے موقف سے ہے۔ مگر یہ آئندہ موقف چونکہ اِن حضرات پر اِس طرح کھلا ہوا ہے جیسے کوئی سامنے کی چیز، اور وہ موجودہ موقف سے مربوط بھی ہے اس لیے یہ حضرات معذور رہیں کہ اِن الزامات و اعتراضات کو موجودہ موقف کی طرف منسوب کریں، اگرچہ ہمیں اپنی محدود بصیرت کی بنا پر یہ نسبت صحیح نظر نہ آئے۔ اور ہم اس کو ماننے پر مجبور نہ ہوں۔

یہ تھی وہ بات جو میں اُس وقت حکیم عبد الرحیم اشرف صاحب کی کتاب پر تبصرہ کے سلسلہ میں لکھنا چاہتا تھا اور ان سے عرض کرنا چاہتا تھا کہ وہ بھی اس پہلو پر غور کریں۔ مگر اس وقت اسکے لکھنے میں تکلف ہوا۔ کیونکہ یہ ایک وجدانی بات' اور محض ایک خیال تھا جس کی پشت پر نہ صرف دوسروں کو قائل کرنے والی کوئی دلیل نہیں تھی' بلکہ خود اپنے ذہن کو بالکل مطمئن اور فارغ از بحث کر دینے کی پوری قوت بھی اس میں نہیں تھی، لیکن اب خود حکیم عبد الرحیم صاحب ہی کے قلم نے کچھ ایسے حقائق کی نشاندہی کر دی ہے جن پر نظر کر کے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خیال محض عقیدت کا کرشمہ نہیں بلکہ حقیقت کا پرتو تھا۔ اور اس وقت اگرچہ' یہ کہنا مشکل تھا۔ مگر آج تو کہنا پڑتا ہے

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

مولانا مدنی علیہ الرحمۃ کے سارے اعتراضات والزامات کا مرکزی نقطہ اور انکی شدت کی اُصولی بنیاد یہ تھی کہ مودودی صاحب ایک " دین محدث " کی بنیاد ڈال رہے ہیں۔ جہاں تک استدلال کا تعلق تھا، سچی بات یہ ہے کہ ہمیں بھی یہ بات "بے دلیل" نظر آتی تھی۔ مگر ذیل میں مولانا حکیم عبد الرحیم اشرف صاحب کا ایک مضمون ۱۳ر جنوری ۱۹۵۸ء

کے المنبر سے نقل کیا جا رہا ہے، اُسے پڑھیے تو کہنا پڑتا ہے کہ اگرچہ بات "بے دلیل" رہی ہو مگر تھی حقیقت ــــــ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو معاف کرے جنھوں نے اللہ کے اس بندے کو اس حقیقت کے "قبل از وقت" اظہار پر، نہ جانے کیا کیا کہا۔

---

ذیل کے مضمون کے سلسلہ میں دو باتیں پہلے کہہ دینا ضروری ہیں۔

(۱) اس مضمون میں، جماعت اسلامی یا مولانا مودودی کا نام کہیں نہیں لیا گیا ہے، مگر اولاً تو جو لوگ اس مضمون کے پس منظر سے واقف ہیں، وہ پہلی ہی نظر میں اس کا روئے سخن متعین کر سکتے ہیں۔ دوسرے، علاوہ اور بہت سے کھلے اشارات کے، جن نظریات پر اس مضمون میں کلام کیا گیا ہے وہ سب لفظ بہ لفظ مولانا مودودی کے ہیں۔ گو مضمون نگار نے حوالہ نہیں دیا ہے۔ مگر جو لوگ مولانا کا انداز تحریر پہچانتے ہیں اور "ترجمان القرآن" پڑھتے رہتے ہیں، ان کے لیے حوالہ تلاش کر لینا کچھ دشوار نہیں، چنانچہ ہم نے اندازہ سے گذشتہ سال کے ترجمان کے چند شماروں کی ورق گردانی کی تو مولانا مودودی کے اس مضمون تک بہت آسانی سے رسائی ہو گئی جس کے اقتباسات مندرجۂ ذیل مضمون میں دیے گئے ہیں۔ اور ہم چونکہ اِن اقتباسات کو صراحت کے ساتھ مولانا مودودی کی طرف منسوب کر رہے ہیں، اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے مضمون کا حوالہ دے دیا جائے۔ اس مضمون کا عنوان ہے "جماعت اسلامی کے موقف اور طریق کار کے متعلق بعض اہم توضیحات" اور ترجمان کے شمارہ ۱۲ جلد ۴۷ بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ میں شایع ہوا ہے۔

(۲) مندرجۂ ذیل مضمون میں جماعت اسلامی کا جو موقف، مولانا مودودی کی تصریحات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کی حیثیت اگرچہ ٹھیک "شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا" کی اور ایک ایسے شخص کی شہادت کی ہے جس کے سامنے صرف کاغذی تصریحات نہیں، بلکہ "اندرونِ خانہ" کے برسہابرس کے مسلسل شاہدات بھی ہیں۔ اور وہ اِن تصریحات کے وقت تک بھی اہل خانہ میں سے تھا۔ اور ان فکری رجحانات اور اُن کے عملی اظہارات کو براہ راست اور بے پردہ دیکھ رہا تھا جو ہمارے سامنے اِن کاغذی نقوش کے واسطے

سے آئے ہیں، مگر ہمیں چونکہ ان رجحانات کے اتنی جلد بروئے کار آنے کی توقع نہ تھی، بلکہ خیال تھا کہ خدانخواستہ اگر ایسے صورتیں پیدا بھی ہوئیں تو ابھی خاصی مدت کے بعد پیدا ہوں گی۔ اس لیے ہم نے شاہد کی قابل اعتماد حیثیت کے باوجود اس کی شہادت پر آنکھیں بند کر کے اطمینان نہیں کیا بلکہ، جیسا کہ ذکر کیا جاچکا، مولانا مودودی کے اس مضمون کو تلاش کیا جس کے اقتباسات حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب کے مضمون میں دیے گئے تھے۔ اور پھر پورے احساس ذمہ داری اور ہر قسم کی بدگمانی سے امکانی حد تک خالی الذہن ہو کر از اول تا آخر پورا مضمون پڑھا، ایک بار پڑھا تو دل حکیم صاحب کی تردید یا تصدیق، کسی پہلو پر مطمئن نہ ہو سکا، دوسری بار ان خاص خاص حصوں کو سامنے رکھ کر غور کیا جن پر فیصلہ کا مدار نظر آتا تھا، اس کے نتیجہ میں دل و دماغ حکیم صاحب کی تصدیق کی طرف مائل ہوا۔ مگر پھر خیال آیا کہ اس طرح کہیں سیاق و سباق کا کوئی قابل لحاظ پہلو نظر انداز نہ ہو رہا ہو۔ اسلئے ان فیصلہ کن مقامات کو ذہن میں رکھ کر ایک بار پھر پورا مضمون اسکے تمام مالہٗ و ماعلیہ کے استحضار کے ساتھ پڑھا۔ اور اس طرح اس تیسرے مطالعہ کے بعد طبیعت اس فیصلہ پر مطمئن ہوئی کہ اشرف صاحب نے اپنے پیش کردہ اقتباسات سے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ اپنی جگہ پر بالکل صحیح اور مبالغہ سے پاک ہیں۔

ہمیں اس فیصلہ میں اتنی دقت کیوں ہوئی۔ اور پھر ہم اس دقت سے کیونکر عہدہ برآ ہوئے اسکی تھوڑی سی تفصیل ناظرین کے سامنے بھی ضروری ہے، کیونکہ مولانا مودودی کے زیر بحث مضمون کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ جواب میں آسانی سے مغالطہ دیا جاسکتا ہے۔

اس مضمون کی نوعیت یہ ہے کہ ایک صاحب نے پاکستان کے موجودہ دستور اور انتخابات کی نوعیت (جداگانہ کہ مخلوط؟) کے بارے میں جماعت اسلامی کے موقف پر مزید غور و فکر کی طرف توجہ دلانے کے لیے مولانا مودودی کو ایک خط لکھا تھا، جس کا جواب مولانا مودودی کی طرف سے گیا۔ اس پر انھوں نے دوسرا خط لکھا، جس میں اپنے مدعا کو زیادہ تفصیل سے پیش کیا تھا، علیٰ ہذا مولانا مودودی صاحب نے بھی اس کا جواب نہایت تفصیل سے دیا اور یہ جواب گویا ایک مستقل مضمون کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ دونوں خطوط اور اُن کے جوابات ہیں جو

مذکورۂ بالا عنوان کے تحت ترجمان القرآن میں چھپے ہیں۔ —— پہلے خط کا جواب کچھ زیادہ قابل گرفت نہیں ہے۔ اور اسی لیے اشرف صاحب نے اس پہلے جواب کا صرف ایک اقتباس لیا ہے، اور اُس کے آخر میں اپنا تاثر یہ لکھا ہے کہ:۔

"بات اگرچہ اصحاب نظر کی تشویش کو واقعہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھی، لیکن مجمل ہونے کے باعث ایسی نہ تھی کہ اُسے سب کے لیے خطرے کے الارم کی حیثیت دی جا سکے"

اصل توجہ طلب دوسرے خط کا جواب ہے۔ اس میں کیا پیچیدگی یا مغالطہ دینے کی کیا گنجائش ہے؟ اور صحیح فیصلہ کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان امور پر ہم اشرف صاحب کا مضمون نقل کرنے کے بعد روشنی ڈالیں۔ مضمون سامنے آجانے کے بعد تھوڑی ہی تفصیل سے کام چل جائے گا۔

# "دین کو تحریک سمجھنے کی ہلاکت آفرینیاں"

(از جناب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب)

اقامت دین کے نام پر لوگوں کو اکٹھا کرنے والی جماعتیں اپنے زیر اثر افراد کے ایمان ان کے عقائد اور ان کے خیالات کی امین و محافظ ہوتی ہیں۔ جو لوگ من انصاری الی اللہ کی صدائے ایمان سُن کر آتے ہیں اور جنھیں ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ کا کلمہ جامعہ اپنی دلربا قوت سے بنیان مرصوص بناتا ہے یہ لوگ اسلام کا قیمتی سرمایہ اور ملتِ اسلامیہ کے صدف کا گوہر ہوتے ہیں —— ان کی حفاظت اور انھیں اعتقادی فتنوں سے بچانا اقامتِ دین کی جد وجہد کا پہلا قدم ہے۔ یہ مخلص لوگ اس عظیم فرض کی داعی جماعت کو مقدس بھی سمجھتے ہیں اور اسکے ساتھ ان کے مومن دل کا گہرا لگاؤ بھی ہوتا ہے۔ یہ تعلق اور لگاؤ اس وقت تک اضافۂ ایمان اور استحکام یقین کا ذریعہ بنتا ہے جب تک جماعت صحیح فکر اور درست عقیدے کی حامل ہو، مگر جماعت کے اصحاب فکر یا جماعت کا داعی یا وہ لوگ جو جماعت کے مقاصد کی تعمیر کرنے کے مقام پر فائز ہوں خود غلط

ذہن ہو جائیں فکر و نظر کی خرابیاں ان کے اذہان پر مسلط ہو جائیں اور ان کے اپنے نظریات جاہلیت کے اثرات بد کو قبول کرلیں تو اس جماعت کے درجہ دوئم کے کارکنوں اور مخلص ورکروں کی حالت انتہائی الم انگیزی کا مظہر ہوتی ہے۔ ایسی جماعت کے اصحاب فکر کا علمی واعتقادی بگاڑ جن صورتوں میں رونما ہوتا ہے ان میں رہبانیت، تفریق دین وسیاست اور اسلام کو سیاسی نظام سمجھنے پر اہم اجمالی گفتگو اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ آج کی صحبت میں ہم اسلام کے بارے میں غلط نظریات کی اس چوتھی نوع کو زیر بحث لاتے ہیں جس کا عنوان ہے "اسلام ایک تحریک ہے"۔

"اسلام ایک تحریک ہے" یہ جملہ معصوم طرز پر تو اس مفہوم کو سامنے رکھ کر استعمال کیا جاتا ہے کہ اسلام جامد مذہب نہیں کہ اس میں فکر و تعقل پر ناجائز پہرے بٹھا دیے گئے ہوں اور استنباط و اجتہاد کی گنجائش باقی نہ رکھی گئی ہو یا یہ کہ وہ سائنسی ترقیات کو "جدید" ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول قرار دیتا ہو ـــــ لیکن اس جملے کے اس مفہوم کے ساتھ ادا کرنے کی معصومیت اسکے استعمال کی وجہ جواز نہیں بن سکتی اس لیے کہ لفظ تحریک اپنا جو مفہوم رکھتا ہے وہ اسلام میں نہ پایا جاتا ہے اور نہ اسلام کو دین الٰہی قرار دیئے جانے کے بعد اس کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ اسے "تحریک" کہا جائے۔

مگر ہم اس وقت اس علمی بحث کو چھیڑنا بوجوہ غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ ہمارا مطلوب اس وقت صرف یہ ہے کہ ہم دین کو تحریک قرار دیئے جانے کے ان نتائج پر گفتگو کریں۔ جو عقلی اور عملی حیثیت سے آج تک رونما ہوئے ہیں۔

## دین کے اصولوں میں ترمیم و تنسیخ

"تحریک" کا مزاج اور اس کے ترکیبی عناصر کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسکے اصولوں میں لچک ہو، اس کی کوئی بات ایسی نہ ہو جس میں حالات کے تقاضوں کی وجہ سے ترمیم نہ کی جا سکتی ہو اور اس کا کوئی ایسا اصول نہیں ہونا چاہیئے جو اقدام اور فتح کی راہ میں رکاوٹ ہو ـــــ تحریک کا اصل مدعا ایک خاص مقصد تک پہنچنا

ہوتا ہے خواہ اس کے لئے راستہ سیدھا اختیار کیا جائے یا ہیر پھیر کا راستہ طے کرنا پڑے۔

اس کے برعکس دین ——— اور دین بھی وہ جو خدا نے نازل کیا ہو ——— اور علی الخصوص وہ دین جسے رب کائنات نے اپنے فرمان خاص سے مکمل و اکمل قرار دیا ہو اس میں نہ ترمیم کی جا سکتی ہے اور نہ اس کے کسی اصول کو تبدیل کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی بڑی سے بڑی مصلحت کی خاطر اسکے بیان کردہ احکام و فرامین میں لچک پیدا کیجا سکتی ہو۔

جو افراد اور جماعتیں دین کو تحریک قرار دے کر اپنے کام کا آغاز کرتی ہیں ان کے متعدد مکاتب فکر ہر زمانہ میں پائے جاتے ہیں اور آج[1] بھی موجود ہیں۔ ہمیں اس وقت ان تمام سے بحث نہیں ہمارے پیش نظر صرف وہی لوگ ہیں جو تجدید و اقامت دین کا کام کرنے کے لیے اٹھے لیکن اس وجہ سے کہ ان میں سے زیادہ با اثر حضرات دین کو تحریک سمجھتے تھے وہ تفصیلات طے کرنے کے زمانہ میں راہ حق سے اس قدر دور ہو گئے کہ تجدید کی جگہ تجدد نے حاصل کرلی اور ان کی چلائی ہوئی جد و جہد ایسے مقام پر پہنچ گئی جس سے آگے کی منازل بعینہ وہی ہیں جو دین کے قصر کو ڈھانے والوں کی ہیں اور ان سے اقامت دین کے بجائے ہدم قصر دین کا خطرہ اس انداز سے لاحق ہو گیا ہے کہ آنکھیں کھول کر راستہ طے کرنے والے قدم قدم پر سرخ جھنڈیاں آویزاں دیکھتے ہیں اور پریشان ہو ہو کر کچھ واپس لوٹ رہے ہیں اور کچھ عالم حیرت میں غرق ہیں کہ چلے کدھر تھے اور نکل کہاں آئے۔

ایسے حضرات کا فکر ابتداءً بھی مخدوش تھا کہ وہ دین کو "تحریک" قرار دیتے تھے لیکن انکی اکثر و بیشتر تعبیرات ایسی تھیں جو دین کو انہی معانی میں پیش کرتی تھیں جو کتاب و سنت میں پائی جاتی تھیں لیکن جب آگے چل کر یہ مخدوش فکر اپنی اصلی شکل میں رونما ہونا شروع ہوا اور یہ سنائی دینے لگا:۔

> "ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہم اپنی تحریک کو خلا میں نہیں چلا رہے ہیں بلکہ واقعات کی دنیا میں چلا رہے ہیں اگر ہمارا مقصد محض "اعلانِ حق" ہوتا تو ہم ضرور بے لاگ حق بات کہنے پر اکتفا کرتے لیکن ہمیں چونکہ حق کو قائم بھی کرنے کی کوشش کرنی ہے اور اسکی اقامت کے لیے اسی واقعات کی دنیا میں سے راستہ نکالنا ہے اس لیے ہمیں

---

[1] غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ "پائے جاتے تھے" ہونا چاہیئے۔ (الفرقان)

نظریت (IDEALISM) اور حکمت عملی (PRACTICAL WISDOM)
کے درمیان توازن برقرار رکھتے ہوئے چلنا پڑتا ہے "
اس مقام پر تو یہی کہا گیا تھا کہ :-
(الف) اعلان حق اور قیام حق دو مختلف چیزیں ہیں۔
(ب) اگر صرف اعلانِ حق ہی مقصود ہو تو صرف "بے لاگ حق" بات کہنے پر اکتفا کیا جا سکتا ہے لیکن
(ج) چونکہ مقصد "حق کو قائم کرنا" بھی ہے اس لیے نظریت (IDEALISM) کام نہیں دے سکتی۔
(د) بلکہ ضروری ہوگا کہ نظریت اور حکمت عملی کے درمیان "توازن" کو برقرار رکھا جائے۔
بات اگرچہ اصحاب نظر کی تشویش کو واقعہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھی لیکن مجمل ہونے کے باعث ایسی نہ تھی کہ اسے سب کے لیے خطرے کے الارم کی حیثیت دی جا سکے ___ مگر وضاحت کا دوسرا مرحلہ آیا تو یہ آواز ذرا پھیلی اور سنائی دیا جانے لگا :-

" جب صرف تمنائیں بیان کرنے پر اکتفا کرنا نہ ہو بلکہ منزل مقصود کی طرف واقعی چلنا بھی ہو اسے تو ہر قدم جمانے اور دوسرا قدم اٹھانے کے لیے تمام ممکن الحصول موافق طاقتوں سے اس طرح کام لینا اور تمام موجود مزاحمتوں کو ہٹانے کے لیے اس طرح لڑنا ہوگا کہ گویا اس وقت کرنے کا کام یہی ہے۔

اس معاملے میں صرف نظریت کام نہیں دیتی بلکہ اس کے ساتھ حکمت عملی ناگزیر ہے اس حکمت کو نظر انداز کر دینے والا نظری آدمی طرح طرح کی باتیں کر سکتا ہے کیونکہ یا تو وہ قافلے میں شامل ہی نہیں ہوتا یا پھر قافلے کو لے کر چلنے کی ذمہ داری اس پر نہیں ہوتی مگر جسے چلنا ہی نہ ہو بلکہ چلانا بھی ہو وہ ہر بات کو محض اس کے خیالی حسن کی بنیاد پر قبول نہیں کر سکتا اسے تو عملی نقطۂ نظر سے تول کر دیکھنا ہوتا ہے کہ جن حالات میں وہ کام کر رہا ہو جو قوت اس وقت اسکے پاس موجود ہے یا فراہم ہونی ممکن ہے اور جو جو مزاحمتیں راستے میں موجود ہیں ان سب کو دیکھتے ہوئے کون سی

بات قابل قبول ہے اور کون سی نہیں اور یہ کہ کس بات کو قبول کرنے کے نتائج کیا ہونگے۔"

یعنی ایک قدم آگے بڑھے کہ جس کے کندھوں پر قافلے کو لے کر چلنے کی ذمہ داری بھی ہو اسے حالات و کوائف کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنے کا بھی حق حاصل ہے کہ

"کون سی بات قابلِ قبول ہے اور کونسی نہیں اور یہ کہ کس بات کو قبول کرنے کے نتائج کیا ہوں گے۔"

پہلے مرحلہ پر نظریت اور حکمت عملی میں "توازن" کو برقرار رکھنے کا اصول بیان ہوا تھا۔ اور اب اس توازن کی عملی شکل یہ سامنے آئی، کہ حق کو قائم کرنے کی کوشش کرنے والے قافلے کے قائد کو یہ حق بھی حاصل ہو گیا کہ کس بات کو قبول کرے اور کسے رد کرے۔ اب تیسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔

آئیڈیلزم کا تقاضا یہ ہے کہ:۔

(الف) آدمی اپنے نصب العین کی انتہائی منزل سے کم کسی چیز کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے اور

(ب) جن اصولوں کو وہ پیش کرتا ہے ان پر سختی کے ساتھ جما رہے۔ مگر واقعات کی دنیا میں یہ بات جوں کی توں کبھی نہیں چل سکتی۔"

یعنی "واقعات کی دنیا" میں جس طرح یہ ممکن نہیں کہ آدمی اپنے نصب العین کی انتہائی منزل پر ہی نظریں گاڑے رہے اور کسی دوسری چیز کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ جن اصول کو وہ پیش کرتا ہے ان پر سختی سے جما رہے۔ بلکہ

"جو شخص یہ چاہے کہ پہلا قدم آخری منزل ہی پر رکھوں گا اور پھر دوران سعی میں کسی مصلحت وضرورت کی خاطر اپنے اصولوں میں کسی استثناء اور کسی لچک کی گنجائش بھی نہیں رکھوں گا وہ عملاً اس مقصد کے لیے کوئی کام نہیں کر سکتا۔"

مزید وضاحت

"یہاں (واقعات کی دنیا میں) آئیڈیلزم کے ساتھ برابر کے تناسب سے حکمت عملی کا ملنا ضروری ہے وہی یہ طے کرتی ہے کہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے راستے کی کن چیزوں کو آگے کی پیش قدمی کا ذریعہ بنانا چاہیئے۔ کن کن مواقع سے فائدہ

اٹھانا چاہیئے کن کن موانع کے ہٹانے کو مقصدی اہمیت دینی چاہیئے۔

اور

کن (اصولوں) میں اہم تر مصالح کی خاطر حسب ضرورت لچک کی گنجائش نکالنا چاہیئے۔"

دو باتیں واضح ہوئیں

ایک تو یہ کہ آئیڈیلزم اور حکمت عملی دونوں میں سے فیصلہ کی باگ ڈور حکمت عملی —— (PRACTICALWISDOM) کے ہاتھ میں ہے ("وہی یہ طے کرتی ہے" کہ......)

دوسرے یہ کہ

(حکمت عملی ہی یہ طے کرے گی کہ) اقامت دین کی علمبردار جماعت جن اصولوں کو پیش کرتی رہی ہے ان میں سے کون سے اصول ہیں جن میں "لچک" پیدا نہیں ہو سکتی اور کون سے اصول ایسے ہیں جن میں "اہم تر مصالح" اور "ضرورت" کی خاطر لچک کی "گنجائش نکالنا چاہیئے۔"

چوتھا مرحلہ

(حضور کے اسوہ سے اصولوں میں لچک پیدا کرنے بلکہ اپنے پیش کردہ اصولوں کی خلاف ورزی کرنے کی ایک مثال پیش کرنے کے بعد وضاحت ہوتی ہے۔

"یہ (مثال) اس بات کی صریح مثال ہے کہ ایک اصول کو قائم کرنے پر ایسا اصرار جس سے اس اصول کی نسبت بہت زیادہ اہم دینی مقاصد کو نقصان پہنچ جائے۔ حکمت عملی ہی نہیں حکمت دین کے بھی خلاف ہے۔"

آخری حد ——

"مگر یہ معاملہ اسلام کے سارے اصولوں کے بارے میں یکساں نہیں ہے۔ جن اصولوں پر دین کی اساس قائم ہے مثلاً توحید اور رسالت وغیرہ ان میں عملی مصالح کے لحاظ سے لچک پیدا کرنے کی کوئی مثال حضورؐ کی سیرت میں نہیں ملتی نہ اس کا تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔"

مراد یہ ہے کہ :-

ایک طرف دین کے "بعض اصول" ہوں اور دوسری جانب بعض "دینی مقاصد" ہوں اور دین کے ان بعض اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے ان "بعض دینی مقاصد" کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو "حکمت عملی" ہی نہیں "حکمت دین" کا تقاضا یہ ہے کہ ان بعض "دینی اصولوں" پر عمل کرنے پر "اصرار" نہ کیا جائے ــــــ اگر ایسا اصرار کیا گیا تو یہ حکمت عملی ہی کی خلاف ورزی نہیں ہوگی "حکمت دین" کی مخالفت بھی ہوگی۔ اور جس شخص کو اسلامی تحریک لے کر چلنا ہے اور جو صرف اعلان حق پر ہی اکتفا کرنا نہیں چاہتا بلکہ یہ مقصد بھی اپنے سامنے رکھتا ہو کہ دین کو قائم بھی کیا جائے۔ ایسے شخص کو یہ حق حاصل ہے ــــــ نہیں اس پر "اقامت دین" ہی کی جانب سے یہ فرض عائد ہوتا ہے ــــ کہ اس بات کا فیصلہ کرے کہ دین کے کون سے اصول ایسے ہیں جن میں کسی مصلحت اور ضرورت کی وجہ سے لچک پیدا نہیں کی جا سکتی اور کون سے اصول وہ ہیں جن میں لچک پیدا کی جا سکتی ہے۔

اور

اس بات کا بھی فیصلہ ہو گیا کہ جن اصولوں میں لچک پیدا نہیں کی جا سکتی وہ ہیں اساسات دین کے اصول یعنی توحید اور رسالت وغیرہ (یعنی ایمانیات) ان میں استثنیٰ، لچک، اور ان کی خلاف ورزی کی کوئی مثال آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں نہیں ملتی۔ البتہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے اس بات کی بیشمار مثالیں پائی جاتی ہیں کہ حضورؐ نے جو اصول اسلامی نظام کے پیش فرمائے تھے جب عملاً اسلامی نظام کو قائم کرنے کا مرحلہ آیا تو حضورؐ نے ان اصولوں میں لچک پیدا کی۔

بلکہ ــــ (بعض اصولوں میں صاف طور پر استثناء کیا اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے سے روک دیا۔ چنانچہ اس کی ایک مثال کے طور پر ارشاد ہوتا ہے[1])

"اسلامی نظام کے اصولوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ تمام نسلی اور قبائلی امتیازات

---

[1] یہ قوسین کے اندر کی عبارت "المنیر" کی نہیں ہے بلکہ ہم نے اپنے ناظرین کے لیے ضرورت سمجھ کر ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ امید ہے ایڈیٹر المنیر اسے ناپسند نہ فرمائیں گے۔ (ع س)

کو ختم کر کے اس برادری میں شامل ہونے والے سب لوگوں کو یکساں حقوق دیے جائیں اور تقویٰ کے سوا فرق مراتب کی کوئی بنیاد نہ رہنے دی جائے۔

اس چیز کو قرآن مجید میں بھی پیش کیا گیا اور حضورؐ نے بھی بار بار اس کو نہ صرف زبان مبارک سے بیان فرمایا بلکہ عملاً موالی اور غلام زادوں کو امارت کے مناصب دیکر واقعی مساوات قائم کرنے کی کوشش بھی فرمائی۔ لیکن جب پوری مملکت کی فرمانروائی کا مسئلہ سامنے آیا تو آپ نے ہدایت دی کہ الائمۃ من قریش امام قریش میں سے ہوں۔

ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ اس خاص مسئلہ میں یہ ہدایت مساوات کے اس عام اصول کے خلاف پڑتی ہے جو کلیہ کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے ایسے اصول میں اتنے بڑے استثناء کی گنجائش کیوں پیدا کی گئی؟ اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہو کہ اس وقت عرب کے حالات میں کسی غیر عرب تو درکنار کسی غیر قریشی خلیفہ کی خلافت بھی عملاً کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ اسلئے حضورؐ نے خلافت کے معاملے میں مساوات کے اس عام اصول پر عمل کرنے سے صحابہ کو روک دیا۔ کیونکہ اگر عرب ہی میں حضورؐ کے بعد اسلامی نظام درہم برہم ہو جاتا تو دنیا میں اقامت دین کے فریضہ کو کون انجام دیتا؟"

چند لمحات کے لیے "الائمۃ من قریش" کی حدیث پر بحث[1] کو ملتوی کیجئے اور اس فکر و فلسفہ کا تجزیہ کیجئے جو تحریک اقامتِ دین کے نام سے سیّد الرسل کی جانب منسوب کیا جا رہا ہے۔

صورت واقعہ یوں بنتی ہے کہ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی نظام قائم کرنے کی تحریک جاری فرمائی اور اسکے

---

[1] اس حدیث پر اسی اشاعت میں مولانا ابی الکلام آزاد کا ایک اہم اور جامع مقالہ دیا جا رہا ہے جو توقع ہے کہ وضاحت مدعا کے لیے کافی ہوگا۔ (یہ نوٹ المنیر کی طرف سے ہے اور اسی میں مولانا آزاد کا مقالہ شائع ہوا ہے ——— الفرقان)

چند اصول بیان فرمائے ان اصولوں میں بعض تو وہ تھے جن کا تعلق ایمانیات سے تھا مثلاً ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت وغیرہ ــــــ کفار مکہ نے بارہا مطالبہ کیا کہ حضور ان اصولوں میں نرمی اور لچک پیدا کیجئے تو ہم آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں ــــــ آپ نے فرمایا کہ اگر میرے داہنے ہاتھ پر سورج رکھ دو اور بائیں ہاتھ میں چاند تھما دو اور مطالبہ کرو کہ توحید وغیرہ عقائد میں کوئی لچک پیدا کروں تو یہ ممکن نہیں ــــــ چنانچہ حضور کی پوری زندگی میں کوئی ایک مثال ایسی نہیں ملتی جس سے ان اصولوں میں لچک اور استثنیٰ پیدا کرنے کا ثبوت پیش کیا جا سکے۔

ان کے ساتھ ایک دوسری قسم کے اصول بھی آنحضور نے پیش فرمائے۔ مثلاً

• جو اسلامی نظام میں قائم کروں گا اس میں ہر اسود و ابیض اور عربی و عجمی کو مساوی درجہ دیا جائے گا۔

• سب کو جان و مال اور عزت و آبرو کی آزادی حاصل ہوگی۔

• جو شخص اس نظام کو قبول کرے گا اسے امن کی ضمانت دے جائے گی۔ وغیرہ وغیرہ۔

لوگوں نے اس دعوت کو سنا ان اصولوں کو اپنے لیے مفید محسوس کیا پھر فارس، روم، ایران اور عرب دنیا کے تمام خطوں سے لوگ آئے اور انھوں نے اپنی خدمات اسلامی نظام کے قائم کرنے کے لیے پیش کر دیں۔

اسلامی نظام کی اس "محمدی تحریک" کو شدید ترین کش مکش سے واسطہ پڑا بیسیوں لڑائیاں اسکے لیے لڑی گئیں۔ ہزاروں کارکن ان لڑائیوں میں شہید ہوئے ــــــ بالآخر وہ لمحہ آیا کہ یہ نظام عملاً قائم ہو۔

اس مرحلہ پر قائد تحریک (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو طرز عمل اختیار فرمایا وہ یہ تھا کہ آپ نے اپنی تحریک کے آغاز میں لوگوں کے سامنے جو آئیڈیل (IDEAL) پیش فرمایا تھا اس کے ان اصولوں کو جو اوّل الذکر قسم (ایمانیات) کے اصولوں سے الگ تھے (مثلاً مساوات، تمام کو خلیفہ بننے کا حق دیا جانا اور سب کو شخصی آزادی اور جان و مال کی عصمت کی حفاظت کی ضمانت وغیرہ) ان کے بارے میں یہ طے فرما لیا کہ ان میں سے جو اصول حکمت عملی ــــــ

(PRACTICAL WISDOM) سے متصادم ہوں گے ــــ یعنی جن پر عمل پیرا ہونے سے "اقامت دین" کی تحریک کو نقصان پہنچے گا ان میں استثنیٰ اور لچک پیدا کر لی جائے گی۔

چنانچہ حضورؐ کی زندگی میں اس کی جو "بے شمار مثالیں" ملتی ہیں ان میں سے صرف ایک یہ ہے کہ جب پوری مملکت میں اسلامی خلافت قائم کرنے کا مسئلہ سامنے آیا تو آپ نے اسلامی مساوات پر "عمل کرنے سے صحابہ کو روک دیا" اور حکم صادر فرمایا کہ دیکھنا کہیں تمام عجمیوں اور عربیوں ــــ نہیں بلکہ کہیں تمام عربیوں ــــ کو یہ موقعہ نہ دے دینا کہ جس کو پسند کرو خلیفہ منتخب کر لو ــــ اگر تم نے ایسا کیا تو یہ تحریک میرے بعد فوراً ہی ختم ہو جائے گی، بلکہ تم ایسا کرو کہ اسلامی مساوات کے اصول میں ایک "اہم استثنیٰ" پیدا کرو ــــ نہیں میں خود اپنے پیش کردہ اس اصول میں ایک اہم استثنیٰ پیدا کرتا ہوں اور تمہیں نظام اسلامی کی تحریک کے دوران پیش کیے گیے اس اصول مساوات پر عمل کرنے سے روکتا ہوں ــــ اب تم ایسا کرنا کہ خلیفہ صرف قریش میں سے منتخب کرنا۔

غور فرمائیے ــــ اگر یہ طریق کار خدا کے آخری نبیؐ نے اختیار فرمایا تھا ــــ اور اگر "اسلامی تحریک" اس اسوۂ حسنہ کے مطابق اسی طریق کار کو اپنا معمول بناتی ہے۔ اور کوئی ایسی جماعت جو اقامتِ دین کی علمبردار ہو وہ اس اصول کو بطور فلسفہ اور عقیدہ کے طے کر لیتی ہے۔ کہ

اسلامی نظام کے دعوتی اور اشاعتی دور میں جو اصول بیان کیے جائیں اور جن پر لوگوں کو جمع کیا جائے ــــ جب اسلامی نظام کو عملاً قائم کرنے کا وقت آئے گا تو اس تحریک کے قائد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ توحید و رسالت ایسے اساسی اصولوں کے علاوہ تحریک کے مفاد کے لیے جس اصول میں ضروری خیال کرے استثنیٰ پیدا کر لے، اس پر عمل کرنے سے اپنی جماعت کو روک دے، جو ضمانت اس تحریک نے عوام کو اپنے ابتدائی دور میں دی ہو اس میں سے جس جزو کو وہ دین کی مصلحت کے لیے مضر خیال کرے ساقط کر دے (جیسا کہ مبینہ مثال میں حضورؐ نے "مساوات اور حق خلافت" ایسے اہم اصول اور ضمانت پر عمل کرنے سے صحابہ کو روک دیا) تو اس اسلامی تحریک اور اس اقامتِ دین کی جد و جہد ــــ اور ان طالع آزما

سیاستدانوں کی تحریکات کے مابین کیا فرق باقی رہ جائے گا۔ جو حصولِ اقتدار سے پہلے نہایت پاکیزہ اصول بیان کرتے ہیں، بہت سے حسین وعدے عوام سے کرتے ہیں اور انہی اصولوں اور وعدوں کی بنیاد پر وہ لوگوں کی حمایت وتائید حاصل کرتے ہیں ـــــــ لیکن جب انھیں اقتدار حاصل ہوجاتا ہے تو وہ اقتدار کو قائم رکھنے کی عملی مشکلات سے مجبور ہو کر ان وعدوں اور اصولوں کی خلاف ورزی پر مجبور ہوجاتے ہیں۔

پھر اس پر بھی غور کیجئے اگر یہ دروازہ یوں کھلتا ہے کہ اسلامی نظام کی تحریک کے قائد کو یہ حق حاصل ہے کہ اسلام کے اساسی معتقدات کے علاوہ دوسرے اصولوں میں لچک پیدا کرے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آج اس نے حکمت عملی کو معیار قرار دے کر یہ طے کیا کہ مساوات کے اصول پر عمل ممکن نہیں اور اس پر عمل کرنے سے اسلامی تحریک کو نقصان پہنچے گا، اس لیے مساوات کے اصول پر ایک پابندی عائد کردو، کل وہ یہ محسوس کرے کہ اب کش مکش احوال متقاضی ہے کہ شخصی آزادی کے اصول پر بعض پابندیاں عائد کی جائیں لہٰذا اسے محدود کر دیا جائے، پرسوں اس کی رائے یہ ہو کہ اس وقت جمہوریت اسلامی مملکت اور اسلامی نظام کے لیے راس نہیں آئی اور اگر اس پر عمل کیا گیا تو اقامتِ دین کی جدوجہد کو نقصان پہنچے گا۔ لہٰذا اب محدود جمہوریت (CONTROLLED DEMOCRACY) رائج ہونی چاہیئے اور پرسوں اسے یہ محسوس ہو کہ اب دستوری نظم کا چلانا اسلامی تحریک کے لیے مفید نہیں لہٰذا اب دستور کو معطل کر کے صدر راج یا اس سے آگے بڑھ کر مارشل لا نافذ کرنا چاہیئے اور وہ اسے "حکمت دین" قرار دے کر ان لوگوں کو مصلحت دین کے مخالف قرار دے جو اسلامی نظام کے اصولِ جمہوریت پر عمل کرنے پر "اصرار" کریں۔

یہ اور اس قسم کے بیشمار مفسدے صرف اس فلسفہ کو قبول کر لینے سے پیدا ہوتے ہیں کہ جو اصول اقامتِ دین کی تحریک کے اوّل دور میں پیش کیے جائیں جب عملاً دین کو قائم کرنے کا مرحلہ آئے تو جس شخص کو اس قافلہ کو لے کر چلنا ہو اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ نظریت کے ساتھ حکمت عملی کو متوازن کرے اور پیش آمدہ موانع کو سامنے رکھ کر اسلامی نظام کے اصولوں میں سے جس کو ضروری خیال کرے قبول کر لے اور جسے مضر خیال کرے اسے رد کر دے۔

اور یہ مفسدہ دین کے لیے اعظم فتنہ بن جاتا ہے۔ جب اس فلسفہ کے متعلق ذہن یہاں تک پہنچ جائے کہ قول و عمل کی یکسانیت کے سب سے بڑے علمبردار خدا کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بے شمار مثالیں اس امر کی ملتی ہیں کہ حضورؐ نے دعوت کے زمانہ میں جو اصول پیش فرمائے تھے اقامتِ دین کے عملی زمانہ میں ان میں سے توحید و رسالت کے اساسی اصولوں کے علاوہ دوسرے اصولوں کی خلاف ورزی کی ہے۔

دین کو تحریک قرار دیکر اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کی یہ پہلی اور عظیم ہلاکت ہے جو اس جماعت کو بے اصول اور طالع آزما سیاسی جماعت بنا کر رکھ دیتی ہے جس کا حقیقی سرمایہ ہی یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس پر اعتماد رکھیں کہ وہ اقتدار کے حصول سے پہلے جو دعوے عوام سے کرتی ہے اور جو اصول اسلامی نظام کے وہ اپنی دعوت میں پیش کرتی ہے جب عمل کا زمانہ آئے گا۔ اور جس وقت اس جماعت کو اقتدار حاصل ہوگا۔ تو یہ ان اصولوں پر قائم رہے گی اور ہر قسم کی مزاحمتوں کے علی الرغم وہ اپنے پیش کردہ اصولوں پر عمل پیرا ہوگی۔" (حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب کا مضمون ختم ہوا)

---

**الفرقان**:۔ شاید کہا جائے کہ مودودی صاحب کی یہ عبارتیں جس خط کے جواب میں ہیں، اسے اگر سامنے رکھا جائے تو مودودی صاحب کی اِن عبارتوں کا ایسا بھیانک مطلب نہیں نکلتا۔ کیونکہ سائل کا سوال اسلام کے کسی منصوص یا مصرَّح حکم یا اصول کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ جس سوال سے متعلق یہ عبارتیں ہیں وہ صرف یہ ہے کہ آپ کا (مودودی صاحب کا) نظریہ تو اسلامی نظام حکومت کے بارے میں یہ ہے کہ کم سے کم اسکے دستور میں (الف) کتاب و سنت کو قطعی بالادستی حاصل ہو۔ (ب) صدر مملکت، ارکانِ وزارت اور ارکانِ پارلیمنٹ کا اہل علم دین اور ارباب تقویٰ مسلمانوں میں سے ہونا شرط ہو۔ لیکن پاکستان کے موجودہ دستور میں یہ دونوں باتیں مفقود ہیں۔ دوسری بات (ب) کا تو دستور میں سرے سے وجود ہی نہیں بلکہ اسمبلی اور وزارت کی رکنیت کے لئے تو سرے سے مسلمان ہونے ہی کی شرط نہیں حتیٰ کہ اسمبلی کا صدر بھی غیر مسلم ہو سکتا ہے۔ اور کتاب و سنت کی بالادستی اس طور پر مجروح ہو گئی ہے کہ کتاب و سنت سے ثابت شدہ متفق علیہ احکام کا اجراء و نفاذ بھی لیجسلیچر اور صدر مملکت کی منظوری کا محتاج ہے۔ پس آپ ایسے دستور کی موجودگی میں کیونکر موجودہ نظام حکومت میں شریک ہونے کی کوشش کر سکتے ہیں؟

اور اگر انتخابات میں حصہ لینے سے آخری مقصود یہ ہے کہ موجودہ نیم دینی دستور کو کامل اسلامی دستور میں تبدیل

کرانے کی کوشش کی جائے تو اس کے لیے پہلا اور زیادہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کا علم رکھنے والے اہل تقویٰ اور اہل بصیرت مسلمانوں پر مشتمل لجیسلیچر کا قیام عمل میں لانے کی براہ راست جدوجہد کی جائے! ــــــــ "آخری مقصود کے راستہ میں کچھ درمیانی اور قریب الحصول مقاصد کو سامنے رکھنے، اور ان میں سے ایک ایک کو حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھنے، کا نظریہ در اصل ایک سخت مغالطہ ہے جو بہت سی تحریکات کو، بالخصوص مسلمانوں کی بیشتر جماعتوں کو پیش آتا رہا ہے اور پھر وہ کسی "قریب الحصول مقصد" میں ایسی ڈوبیں کہ ؎

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار — کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار

کی مصداق بن کر رہ گئیں"۔

تو ــــــــ وہ لوگ جو اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں کہ مودودی صاحب اپنے سابقہ اصول کو اسلام ہی کے ایک ناطق حکم کی حیثیت سے پیش کرتے تھے، کہہ سکتے ہیں۔ یا ان کی ناواقفی سے فائدہ اٹھا کر ــــــــ کہا جا سکتا ہو کہ یہ ہے اس سوال کا خلاصہ جس کے جواب میں مودودی صاحب نے یہ عبارتیں تحریر فرمائی ہیں، سوال میں ظاہر ہے کہ بات صرف موجودہ دستور کی موجودگی میں انتخابات میں حصہ لینے، نہ لینے کی ہے، اسلام کے کسی منصوص حکم یا اصول کو چھوڑنے نہ چھوڑنے کی نہیں۔ پس مودودی صاحب جو حکمت عملی کے تقاضہ سے اصولوں میں وقتی لچک اور استثنا، کا نظریہ پیش فرما رہے ہیں اس کا تعلق اسی قسم کے امور سے سمجھنا چاہیئے جن کے بارے میں خود اسلام کا کوئی نص نہیں ہو۔ بلکہ ایک زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کی دینی مصلحت کا تقاضہ ہوتا ہے تو دین کے لیے جدوجہد کرنے والی جماعت عملاً ایک اصول بنا کر اس پر کاربند ہو جاتی ہے اور دوسرے وقت اسلام اور مسلمانوں کی دینی ہی مصلحت کا تقاضہ اسکو چھوڑ دینے کا ہوتا ہے تو وہ اس کو چھوڑ سکتی ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ زوردار بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ اسی خط کے دوسرے حصہ کے جواب میں (کہ انتخاب مخلوط بہتر ہے یا جداگانہ؟) مودودی صاحب کے یہ الفاظ موجود ہیں:-

"ہم اسلام کے موجد تو نہیں ہیں کہ اپنی مرضی سے جیسا چاہیں پروگرام بنائیں اور دعوت اسلامی کا مفاد جس طریقہ میں ہم کو نظر آئے اسی کو اختیار کر لیں، اسلام ہی جب اپنے نظام میں مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز کرتا ہے تو ہم اسلام سے بڑھ کر اس کے مفاد کو جاننے والے کون ہیں کہ اس امتیاز کو نظر انداز کر کے ایک نرالے اسلامی نظام کا پروگرام لے کر اٹھیں"۔

(تو مودودی صاحب کی طرف سے کہا جا سکتا ہے کہ) اسی جواب کے اندر جب ایسی ایمان افروز عبارت موجود ہے تو بتایئے کہ زیر بحث عبارتوں کے متعلق کیسے تصور بھی کیا جا سکتا ہو کہ ان میں مودودی صاحب

نے "اسلام کے اصولوں میں ترمیم و تنسیخ" کا نظریہ پیش کیا ہوگا۔

یہی تھی وہ الجھن اور پیچیدگی جو ہمیں اِن عبارتوں کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کرنے میں پیش آئی۔ اور سائل کے سوالات اور مودودی صاحب کے جوابات کو بار بار پڑھنا پڑا ــــــ مگر جو چیز اس الجھن کو صاف کر کے اس قطعی نتیجہ تک پہونچاتی ہے جس پر حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب پہونچے ہیں، وہ یہ ہے کہ اگر مودودی صاحب اس سلسلہ میں اصول مساوات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "طرزِ عمل" کی مثال نہ لاتے اور پھر خاصکر یہ توضیح نہ فرماتے کہ

"......... مگر یہ معاملہ اسلام کے سارے اصولوں کے بارے میں یکساں نہیں ہو جن اصولوں پر دین کی اساس قائم ہے، مثلاً توحید اور رسالت وغیرہ، اُن میں عملی مصالح کے لحاظ سے لچک پیدا کرنے کی کوئی مثال حضور کی سیرت میں نہیں ملتی، نہ اس کا تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔"

تو بیشک "اصول" کے لفظ میں مذکورہ بالا تاویل چل سکتی تھی اور جو زوردار عبارت اس تاویل کے حق میں پیش کی گئی ہو، اُس سے اس تاویل کو تقویت مل سکتی تھی۔ مگر جب مودودی صاحب "اصولوں میں ترمیم و تنسیخ" کا اپنا مسلک بیان کر کے اس کی مزید توضیح اور تجرید ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ

"مگر یہ معاملہ اسلام کے سارے اصولوں کے بارے میں یکساں نہیں ہے۔"

تو "اسلام کے...... اصولوں" کے لفظ سے یہ بات قطعی طور پر متعین ہو جاتی ہے کہ اس گفتگو میں مودودی صاحب "اصول" کا جو لفظ ابتک بولتے آرہے ہیں اس سے "جماعت کے اپنے قائم کیے ہوئے مصلحتی اصول" مراد نہیں ہیں بلکہ اسلام کے قائم کیے ہوئے اصول مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہو کہ ان اصولوں کو بھی وہ وقتی مصالح پر اپنی صوابدید کے مطابق قربان کر سکتے ہیں[۱]

اب کسی دوسرے مقام کی کیسی ہی کوئی صاف اور زوردار عبارت اس کے برعکس صحیح اسلامی مسلک کو ظاہر کر رہی ہو، مگر زیرِ بحث الفاظ میں تو وہ کسی تاویل کی گنجائش نہیں پیدا کر سکتی! تاہم

---

[۱] یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہو کہ چند سال ہوئے دارالعلوم دیوبند سے جماعت اسلامی کے متعلق ایک مفصل فتویٰ شائع ہوا تھا جس میں مولانا مودودی کی ایک عبارت کے اقتباس میں بڑی فاش غلطی تھی۔ اصل عبارت کے الفاظ قریب قریب یہ تھے کہ ایک اصولی جماعت کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ ناممکن ہے کہ کسی مصلحت کی خاطر اپنے اصولوں کو قربان کر دیں ــــــ اس میں غلطی یہ ہوئی تھی کہ "ناممکن" کی جگہ "ممکن" لکھ دیا گیا تھا۔ غلطی بیشک ایسی تھی کہ جماعت اسلامی کے لوگ اس پر جتنا احتجاج کرتے کم تھا۔ خود ہم نے اسے بہت محسوس کیا۔ مگر زمانہ کی کارفرمائی دیکھیے کہ وہ غلطی آج عین حقیقت ہو ـــ بعض غلطیاں بھی کس قدر عجیب اور الہامی ہوتی ہیں!۔

یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ معمہ کیا ہے کہ ایک طرف تو یہ اطاعت اور فرمانبرداری کہ "ہم اسلام کے موجد تو نہیں ہیں کہ دعوت اسلامی کا مفاد جس طریقے میں ہم کو نظر آئے اس کو اختیار کرلیں"........ "ہم اسلام سے بڑھ کر اس کے مفاد کے جاننے والے کون ہیں" اور دوسری طرف یہ خود مختاری کہ (صرف توحید ورسالت جیسے اساسی اصولوں کے علاوہ) جس وقت جس اصول کو مناسب سمجھیں چھوڑ دیں اور مصالح کا لحاظ رکھ کر یہ فیصلہ کریں کہ "کونسی بات قابل قبول ہے، کونسی نہیں"؟

جو لوگ حسن ظن میں بیماری کی حد تک مبتلا ہیں اور مولانا مودودی کی خدمت دین سے اسدرجہ مرعوب ہیں کہ ان سے، دین کے معاملہ میں کسی کمزوری کو راہ دینے کا اندیشہ ہی نہیں کرسکتے، وہ تو صحیح اسلامی مسلک کو ظاہر کرنے والی عبارت دیکھ کر مطمئن ہوجائیں گے اور اس سے متضاد عبارتوں کی حقیقی مراد کو مولانا مودودی اور اُن کے اللہ کے حوالے کردیں گے، مگر جو لوگ اُن کے قابل قدر کارناموں کی پوری قدر کرنے کے باوجود ایسی اندھی عقیدت میں مبتلا نہیں ہیں، بلکہ اپنی فکر و نظر کو آزاد رکھتے ہوئے اُن کی تحریروں کے نشیب وفراز کو محسوس کرتے رہتے اور اُن کے پس منظر میں، ان کے ذہن کی گہرائیوں کو پڑھتے رہتے ہیں۔ اُن کے نزدیک یہ کوئی معمہ نہیں ہے۔ مولانا اپنے شروع کے دور میں اسلام کے ساتھ اخلاص کا معاملہ کرتے رہے ہوں تو کرتے رہے ہوں، مگر پاکستانی سیاسیات میں براہ راست حصہ لینے کے بعد سے آزاد نظر رکھنے والوں کو، اُن کا رجحان کار یہ نظر آتا ہے کہ اسلام کے اصول و احکام جہاں اُن کے محبوب مقاصد و اغراض کے لیے مفید پڑیں اور ان کے طرز عمل سے ہم آہنگ ہوجائیں وہاں وہ اُن اصول و احکام پر نہایت بلند آہنگی اور اطاعت شعاری کے ساتھ زور دیں۔ ——— اور جہاں وہ دیکھیں کہ اسلام کے اصولوں کی زد خود اُن کے اس طرز عمل پر پڑ رہی ہو جسے چھوڑنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہو یا جس سے کوئی مفاد وابستہ نظر آتا ہے۔ تو وہ بے دریغ اسلام کے احکام واصول کو، اسلام ہی کے نام، پر اپنی ذاتی اور جماعتی اغراض کے لیے قربان کردیں۔ زیر بحث عبارتوں نے جو معمہ بنا دیا ہے اسکی کلید یہی ہے کہ مودودی صاحب مکمل اسلامی دستور کے مطالبہ کی کامیابی سے مایوس ہو چکے ہیں۔ (جس کے اسباب بہت واضح ہیں) اب اگر وہ اُس اصول کو برقرار رکھتے ہیں کہ جس حکومت کا دستور "ایسا، ایسا" نہو اس میں کوئی حصہ نہیں لیا جاسکتا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسند حکومت پر پہونچنے سے ہمیشہ کے لیے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ لہٰذا انھوں نے اس اصول کی رکاوٹ سے نجات پانے کے لیے "حکمت عملی کے تقاضوں سے اصول میں لچک پیدا کرنے" کا نظریہ پیش کردیا۔ اور اس کے لیے سند براہ راست دربار رسالت سے حاصل کرلی ——— اسکے برعکس ایک شخص نے دکھلایا کہ اسلامی دعوت کا مفاد اور اسکی مصلحت مخلوط انتخاب میں ہے۔ جداگانہ انتخاب اس کے لیے فلاں فلاں وجوہ سے مضر ہے، تو مولانا اور اُن کی جماعت کا مخلوط انتخاب میں چونکہ کوئی مستقبل نہیں، اور اُن کا مفاد صرف جداگانہ

انتخاب سے وابستہ ہو۔ اس لیے اس موقع پر وہ بالکل دوسری شان میں نظر آئے اور نہایت پُر انقیاد لہجہ میں کہا کہ اسلام کا مفاد اور اسکی دعوت کی مصالح ہم زیادہ سمجھتے ہیں یا خود اسلام؟ جب خود اسلام ہی نے اپنے نظام میں مسلم و غیر مسلم کا امتیاز قائم کیا ہے، تو ہم کون ہوتے ہیں کہ اسلام کے اس اصول میں ذرہ برابر بھی لچک پیدا کریں؟ اس اصول پر کاربند رہنے سے اسلام کی دعوت کو نقصان پہونچتا ہو تو پہونچا کرے۔ اور اس کے راستے میں رکاوٹیں پڑتی ہیں تو پڑا کریں!

مولانا کا زیر بحث مضمون اس بات کی کوئی پہلی مثال نہیں ہو کہ وہ اپنی اور اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے اور اپنے آپ کو اعتراضات سے بچانے کے لئے نہ صرف اسلام کے اصولوں کو کھلونا بنا دیتے ہیں بلکہ اسلام کے مقدس دور اور اس کی مثالی ہستیوں کا بھی چہرہ بگاڑ کر اپنی ہم شکل بنا ڈالنے کی جرأت کر گزرتے ہیں۔ کہ اگر ہم پر کوئی انگلی اٹھاتا ہے تو پہلے اِن پر اٹھائے۔ اس مضمون میں انھوں نے "اصول دین میں حکمت عملی کے ماتحت ترمیم و تنسیخ کے جواز" کے نظریہ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے بے دھڑک دعوی کر ڈالا کہ "اس کی مثالیں تو خود حضور کے طرز عمل میں بے شمار ملتی ہیں" اور منجملہ اُن کے ایک مثال یہ ہو الخ۔ اسی طرح، شاید ترجمان کے ناظرین کو یاد ہو، کہ غالباً ایک سائل کے اس خلجان کو رفع کرنے کے لیے کہ دینی دعوت کا کام تو اپنی اصل کے اعتبار سے ایسی زندگیاں بنانے کی تاثیر رکھتا ہے جو صحابۂ کرام سے مشابہ ہوں، مگر ہماری جماعت میں اس معیار سے بڑی کمی پائی جاتی ہے! تو مولانا باوجود اس کے کہ اس حقیقت سے ناواقف نہ تھے کہ صحابہ کرام کی زندگیوں کا جو تخیل مسلمانوں میں پایا جاتا ہے اس میں اگر کچھ مبالغہ بھی ہے، تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس تخیل میں بہرحال سراسر خیر ہے۔ اور یہ اسلام کے آئیڈیل سے، مسلمانوں میں، قرب کی اُمنگ اور آرزو پیدا کرنے اور بڑھانے کا موثر ترین ذریعہ اور امت کی ایک ایسی معنوی دولت ہے جس سے اُمت کو برابر دینی فائدہ پہونچتا رہتا ہو۔ بلکہ دینی جماعتوں کے لیے تو یہ طاقت کا ایک ایسا زبردست خزانہ ہے جس سے وہ خود بھی طاقت حاصل کر کے دینی ترقیات کا کٹھن راستہ طے کر سکتی ہیں اور عام امت میں بھی اس دلآویز تخیل کی موثر اور متواتر اشاعت سے اصلاح و انقلاب کی طاقتور لہریں دوڑا سکتی ہیں۔ لہٰذا انھیں طاقت کے اس بے پناہ خزانہ کی ہر قیمت پر حفاظت کرنی چاہیئے ـــــ مگر مولانا نے اپنی جماعتی مصلحت کے سامنے اس حقیقت کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ اور اُس خلجان کو رفع کرنے کے لیے بے دھڑک لکھ دیا کہ کتابی ہستیاں اصل انسانی ہستیوں سے بہت مختلف ہوا کرتی ہیں[۱]۔ یعنی آپ لوگوں نے صحابۂ کرام کی اصل زندگیاں نہیں دیکھی ہیں۔ بلکہ کتابوں میں اُن کے حالات پڑھ کر جو تصور اُن کی زندگی کا،

---

[۱] مولانا کے الفاظ بعینہٖ تو یاد نہیں ہیں قریب قریب یہی تھے۔ اور مفہوم تو بالکل یہی تھا۔ اس میں ذرا فرق نہیں۔

آپ نے قائم کر لیا ہو، اسکی بنیاد پر آپ کو یہ خلجان ہوتا ہے کہ وہ تو ہم سے بہت ہی مختلف قسم کے انسان اور سراپا تقدس تھے، حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہو۔ اُن کی اصل زندگیاں اس تصور سے کافی مختلف تھیں جو کتابی حالات سے ہم قائم کرتے ہیں۔

مولانا کی یہ تحریر کئی سال پہلے کی ہو۔ محسوس تو ہم نے اس کو اس وقت بھی بہت کیا تھا مگر ہماری نظر میں، اتنی کھلی ہو بات' یہ پہلی تھی' اس سے پہلے، اپنی اور اپنی جماعت کی مصلحت کی خاطر، اس قدر خطرناک اور مفسدہ انگیز بات مولانا کی تحریروں میں ہماری نظر سے نہ گزری تھی۔ اور نہ ایسی مفسدہ انگیزی کی ان سے امید تھی، اس لیے ہم نے، شدت احساس کے باوجود یہ تاویل کرلی کہ شاید مولانا کی نیت میں فساد نہ ہو، اور انھیں احساس نہ ہوا ہو کہ بات کتنی دوررس اور ہلاکت خیز ہے۔ مگر اُن کے اس زیر بحث مضمون میں یہ دیکھ کر کہ اسی سے ملتی جلتی بات اسی قسم کی ضرورت کے ماتحت' ایک دوسرے عنوان سے' انھوں نے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہہ ڈالی ہو۔ نیز یہ تماشہ دیکھ کر کہ ایک ہی گفتگو میں وہ ایک موقع پر مصلحت کے لحاظ سے اسلام کے اصولوں میں ترک و استثناء کو حکمت دینی سے تعبیر کرتے ہیں اور معاً دوسرے موقع پر حسب ضرورت کا تقاضہ اس کے برعکس ہوتا ہے تو وہ مصلحت اندیشی کے تصور سے بھی کانوں پر ہاتھ رکھنے لگتے ہیں ——— یہ تازہ چیزیں دیکھ کر ——— ہمیں وہ پرانی بات، یاد آئی، اور یقین ہو گیا کہ وہ بھی اسی نیت کے ماتحت تھی جو یہاں بالکل صاف اور شائبۂ وشبہ سے بالاتر ہے۔

ہائے اِس امت کی بدقسمتی! کبھی خیال بھی نہیں ہوتا تھا کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے متعلق بھی کہنا پڑے گا کہ

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں!

مولانا کے محبین، اب تک کے تجربہ کے مطابق، شاید یہ کہیں گے کہ ہم مولانا کی اس تحریر کو پاکر بڑے خوش ہوئے ہیں کہ دیکھو ہمارے خطرے اور ہمارے بزرگوں کے اندازے بالکل صحیح ثابت ہوئے مگر خدا ہی جانتا ہے کہ یہ انکشافات ہمارے لیے کس قدر رنج وملال کا موجب ہوئے ہیں۔ ہمیں اگر، خدانخواستہ، مودودی صاحب سے کوئی خواہ مخواہ کی پرخاش تھی بھی، تو ان باتوں کے اثرات صرف مودودی صاحب کی ذات تک محدود رہنے والے نہیں ہیں۔ یہ تو در اصل اسلام کے حق میں ایک بڑا سانحہ ہے۔ اس سے بعض لوگ تو صرف مودودی صاحب کی طرف سے بے اعتماد ہوں گے مگر ایک بڑی تعداد خود اہل دین اور دعوت دین کے علمبرداروں سے عرصہ کے لیے بے اعتماد ہو جائے گی۔ کہ ان لوگوں کا کوئی بھروسہ نہیں! اسے محض اندیشہ نہ سمجھیے، جماعت اسلامی پاکستان کے موجودہ خلفشار کے بعد سے اسکی مثالیں واقعہ بنکر ہمارے علم میں آنا شروع ہو گئی ہیں۔

(باقی صفحہ ۹۹ پر ملاحظہ ہو)

# مولانا مودودی اور جماعت اسلامی سے میرا تعلق اور میری رائے کے مختلف دور

از: محمد منظور نعمانی

[ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور جماعت اسلامی کے ساتھ میرے تعلق اور میری رائے کے مختلف دور رہے ہیں ـــــ ایک وقت تھا جب جماعت اسلامی کا کوئی تذکرہ بھی نہیں تھا اور مولانا مودودی صرف مدیر ترجمان القرآن تھے، میں اس وقت بھی مولانا کی ذہنی صلاحیتوں کا بہت معترف اور ان کی تحریروں کا بڑا قدردان اور مداح تھا ـــــ پھر جب ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی بنی تو میں مولانا کے ساتھ اسکے مؤسسین میں تھا، بلکہ جماعت کے حلقہ میں گویا "ثانی اثنین" سمجھا جاتا تھا ـــــ پھر جب میں جماعت اسلامی کے اُس وقت کے مرکز دارالاسلام میں جاکر مودودی صاحب کے ساتھ رہا اور بعض وہ باتیں میرے علم میں آئیں جو پہلے میرے علم میں نہیں تھیں، تو میں نے طویل ذہنی کشمکش اور غور و فکر کے بعد اپنے بعض خاص حالات کی وجہ سے اپنے کو جماعت سے الگ کر لینا شرعاً ضروری سمجھا اور آخر کار انتہائی رنج و قلق کے ساتھ میں نے یہی فیصلہ کر لیا۔ لیکن جماعت کی اصل دعوت بلکہ اُسکے طریق کار سے بھی مجھے اتفاق رہا بلکہ ہمدردی بھی رہی، اور اسی کے مطابق طرز عمل بھی رہا ـــــ کچھ عرصے کے بعد اس رائے میں بھی فرق پڑا ـــــ اور پھر ایک وقت میری رائے یہ ہوئی کہ جماعت کے کام میں اگرچہ کچھ غلطیاں ہیں اور ان کی وجہ سے کچھ مضرتیں بھی پیدا ہو رہی ہیں لیکن پھر بھی بحیثیت مجموعی خیر اور نفع کا پہلو غالب ہے ـــــ یہ خیال کافی عرصہ تک رہا ـــــ اسکے بعد میرے سامنے ایسی چیزیں آئیں کہ میں اس پر بھی قائم نہ رہ سکا ـــــ پھر اب ۳-۴ مہینے پہلے (آخر نومبر سنہ ۵۷ء میں) جب اتفاق سے پاکستان جانا ہوا اور وہاں مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے بارہ میں قابل وثوق ذرائع سے ایسے معلومات حاصل ہوئے جن کے بعد کسی حسن ظن اور خیر کی توقع کے لیے گنجائش نہیں رہی تو میں نے ضروری

سمجھا کہ اس سلسلہ کی اپنی جس سرگزشت کو ابتک میں نے اس خیال سے مخفی رکھا اور بہت سے دوستوں کے سخت ترین اصرار پر بھی کبھی نہ بتایا کہ مبادا ایک ایسی جماعت کے کام کو نقصان نہ پہنچے جس سے کسی درجہ میں بھی دین کے لیے کسی خیر کی توقع ہے ـــــ (بہرحال ان تازہ معلومات کے بعد میں نے ضروری سمجھا) ـــــ کہ اب اس راز کو راز نہ رکھوں۔

جب تک بات یہاں تک نہ پہنچی تھی اور کچھ بھی گنجائش تھی، "نصح دینی" اور احتیاط کا تقاضا وہ تھا جس پر ابتک عمل رہا اور اب جبکہ مودودی صاحب اور انکی جماعت کے رخ اور موقف کے بارہ میں یہ نئی چیزیں سامنے آگئی ہیں تو اب "نصح دینی" کا تقاضا یہ ہو جواب ادا کیا جارہا ہے۔

یہ سرگزشت میں نے خود لکھی نہیں ہے (صحت کی خرابی اور بعض کچھ دوسرے حالات کی وجہ سے اب کسی ایسی چیز کا لکھنا میرے لیے سخت مشکل ہو گیا ہے) بلکہ اس طرح لکھی گئی ہے کہ میں بیان کرتا گیا ہوں اور ایک عزیز ساتھ ساتھ لکھتے گیے ہیں۔ پھر جو کچھ لکھا گیا ہے صرف حافظہ سے لکھا گیا ہے ـــــ اور الحمدللہ میں اپنے حافظہ کو قابل اعتماد سمجھتا ہوں ـــ تاہم ممکن ہے کہ کسی واقعہ کے زمانہ کی تعیین میں کوئی سہو ہو گیا ہو یا تقدیم تاخیر کا کوئی فرق پڑ گیا ہو، لیکن پورا اطمینان ہے کہ کسی واقعہ کی نوعیت میں انشاءاللہ کوئی غلطی نہ ہوئی ہوگی۔ تاہم اگر کسی ذریعہ سے مجھے معلوم ہوگا کہ اس سرگزشت کے بیان میں مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو مجھے غلطی پر اصرار نہ ہوگا اور میں خود انشاءاللہ اس کی تصحیح کر دوں گا۔

میں نے قلم بند ہونے کے بعد اس پورے بیان کو خود دیکھ بھی لیا ہے، اور کہیں کہیں جگہ فٹ نوٹ اور آخر میں قریباً دو صفحہ کا نوٹ اور یہ ابتدائی نوٹ خود اپنے قلم سے لکھا ہے۔

اس بیان کی اشاعت سے مقصود براءت ذمہ اور اپنے علم و فہم کے مطابق ایک فرض کی ادائیگی ہے جو اب اپنے مزاج و مذاق کے خلاف ہونے کی وجہ سے طبیعت پر سخت شاق بھی ہے لیکن اللہ کا حق، دین کا تقاضا اور امت کی مصلحت ہر چیز سے بالاتر ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنَا مَرَاشِدَ اُمُوْرِنَا وَقِنَا شُرُوْرَ اَنْفُسِنَا، وَلَا تَکِلْنَا اِلٰی اَنْفُسِنَا طَرْفَۃَ عَیْنٍ فَاِنَّکَ اِنْ تَکِلْنَا اِلٰی اَنْفُسِنَا تَکِلْنَا اِلٰی ضَعْفٍ وَّعَوْرَۃٍ وَذَنْبٍ وَخَطِیْئَۃٍ]

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ
(۲۵ شعبان ۱۳۷۷ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں میرا قیام چند مہینے لکھنؤ رہا تھا۔ اس وقت مولانا عبدالشکور صاحب کا ماہوار رسالہ "النجم" لکھنؤ جاری تھا النجم کے دفتر میں حیدرآباد سے ایک نیا رسالہ "ترجمان القرآن" آنا شروع ہوا، مولانا ممدوح کے صاحبزادے مولانا عبدالمومن صاحب فاروقی نے اس کا ایک شمارہ مجھے بھی دکھایا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے ایڈیٹر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی دینی مسائل وحقائق کو اس وقت کی زبان میں ادا کرنے اور سمجھانے کی بڑی خاص صلاحیت رکھتے ہیں اور اللہ نے انھیں اس کا خوب ہی سلیقہ دیا ہے۔ اس کے بعد سے میں ترجمان القرآن کے ہر نئے پرچے کا منتظر رہنے لگا۔ حالانکہ رسائل وجرائد کے مطالعہ کا میں اپنی عمر کے کسی حصہ میں بھی زیادہ شوقین نہیں رہا ہوں۔

اگلے ہی سال (۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء) بریلی سے "الفرقان" کا اجراء عمل میں آیا اور ترجمان القرآن، الفرقان کے تبادلہ میں آنے لگا۔ مجھے یاد ہے کہ میں اس کے ہر پرچہ کو شوق اور وقعت کے ساتھ پڑھتا تھا۔ اس وقت ترجمان القرآن ایک خالص علمی اور دینی رسالہ تھا جس میں ملک کی سیاسی تحریکات اور پولیٹیکل مسائل سے کوئی خاص تعرض نہیں کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ ۱۹۳۶ء میں انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت پہلا جنرل الیکشن ہوا اور اس کے نتیجہ میں ملک کے سات صوبوں میں بلاشرکت غیرے کانگریس کا اقتدار قائم ہو گیا۔ اس وقت کانگریس کی یہ کامیابی خود کانگریسی لیڈروں کی توقعات سے بھی بہت زیادہ تھی۔

اس صورت حال کے نتیجہ میں ہندوستان میں مسلمانوں کے مسائل پر غور وفکر کرنے والے بہت سے لوگوں کے سامنے اس وقت دو حقیقتیں بالکل کھل کر سامنے آگئیں ایک یہ کہ ملک کے انگریزی اقتدار سے بالکل آزاد ہو جانے کی منزل بہت زیادہ دور نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ انڈین نیشنل کانگریس کی قیادت میں آزادی کی تحریک جس طرح چل رہی ہے اس کے نتیجہ میں جو آزادی حاصل ہوگی اس میں مسلمانوں کے دین اور ان کی تہذیب کے لئے سخت مشکلات پیش

آئیں گی غیر مسلم لیگ (جو اس وقت ایک حیثیت سے کانگریس کی گویا حریف جماعت تھی) جس راستہ پر چل رہی ہے وہ مسلمانوں کے دین اور ان کی خالص تہذیب کے تحفظ کا راستہ نہیں ہے۔

مولانا مودودی نے اسی وقت ترجمان القرآن میں اس موضوع پر ایک مستقل سلسلہ مضامین شروع کیا، یہ سلسلہ مضامین خاص طور سے اس کی وہ ابتدائی قسطیں جنھیں آنے والے انقلاب کی نقشہ کشی اور مسلمانوں سے متعلق خطرات کی نشاندہی کی گئی تھی زورِ بیان اور قوت استدلال کے لحاظ سے بہت ہی کامیاب اور مؤثر تھیں۔ مودودی صاحب کے یہ مضامین اس زمانہ میں بہت پڑھے گئے۔ مسلمانوں کے بہت سے اخبارات و رسائل نے انکو حرف بحرف اپنے صفحات میں نقل کیا، یاد آتا ہے کہ اس کی پہلی تین قسطیں تو جمعیۃ العلماء کے اخبار الجمعیۃ میں بھی شائع ہوئی تھیں جو اس وقت غالباً سہ روزہ تھا۔

میں بھی ان مضامین سے بہت متاثر ہوا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان مضامین نے میری زندگی کا رُخ موڑ دیا، یہ سب مضامین التزام کے ساتھ الفرقان میں بھی چھپتے رہے اور یہ ناچیز اس سلسلہ میں خود بھی لکھتا رہا۔ اسی زمانہ میں مودودی صاحب سے تعلقات بڑھے اور خط وکتابت کا سلسلہ قائم ہوا۔

پھر ایک مرحلہ آیا جب ہمارے درمیان خط وکتابت سے یہ طے ہوا کہ ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں جو نظریات ترجمان القرآن اور الفرقان میں پیش کئے جارہے ہیں انکو ایک تحریک بناکر آگے بڑھانے کے لئے عملی جدوجہد کا کوئی لائحہ اور منصوبہ بنایا جائے مولانا مودودی نے مجھے ایک خط میں لکھا کہ اب وہ اس کا عزم کرچکے ہیں اور اس کام کے لئے ریاستی علاقہ چونکہ مناسب نہیں ہے اس لئے برطانوی ہند کے ایک مقام کو اپنی سکونت اور اس کام کے لئے وہ تجویز کرچکے ہیں اور وہاں منتقل ہونے کی تیاریاں کررہے ہیں اسی زمانہ میں انھوں نے مجھے اطلاع دی کہ میں فلاں تاریخ کو دہلی پہونچ رہا ہوں۔

ابھی تک سارا تعلق غائبانہ تھا، ملاقات کی کبھی نوبت نہیں آئی تھی۔ میں نے ان سے ملاقات اور مستقبل کے منصوبہ کے بارے میں تفصیلی گفتگو کرنے کے لئے دہلی کا سفر کیا ــــــ میں یہ بات کسی ذریعہ سے پہلے سن چکا تھا کہ مولانا مودودی کے ایمان افروز مضامین سے انکے طرزِ زندگی کے بارے میں جو اندازہ کوئی لگا سکتا ہے ان کا طرزِ زندگی اس سے بہت مختلف ہے

یعنی جس اسلامی زندگی کے وہ پرزور داعی ہیں خود ان کی وہ زندگی نہیں ہے ــــــ لیکن دہلی کی اس ملاقات سے چند ہی روز پہلے ایک خاص ذریعہ سے مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ اب ان کی زندگی کے طرز میں ہم جلیسوں کے لئے خوش کن تبدیلی شروع ہو گئی ہے، اور اس بات سے فی الجملہ اطمینان تھا۔ لیکن جب مولانا کو پہلی دفعہ دیکھا تو واقعہ یہ ہے کہ طبیعت کو ایک دھکا سا لگا اور بے اطمینانی پیدا ہوئی۔ لیکن مولانا کے مضامین سے چونکہ طبیعت بہت متاثر تھی اس لئے دل کو سمجھایا کہ عملی زندگی کی اصلاح کا ابھی آغاز ہوا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ یہ حالت نہ رہے گی اور مولانا کی تحریر اور طرز زندگی میں جو مطابقت ہونی چاہیئے وہ انشاء اللہ ہو جائے گی ــــــ آئندہ کام کے بارہ میں اسی ملاقات میں پہلی دفعہ تفصیلی گفتگو ہوئی، یہ ملاقات اور گفتگو گھنٹہ بھر سے زیادہ نہ ہوئی ہوگی۔

اس کے بعد وہ وقت آیا کہ مولانا حیدر آباد سے پٹھان کوٹ کے قریب "دارالاسلام" نامی اُس نو تعمیر بستی میں منتقل ہو کر آ گئے جس کو وہاں کے ایک مخلص صاحب خیر چودھری نیاز علی خاں صاحب نے اسی نیت سے بنایا تھا کہ کچھ لوگ یہاں قیام کر کے دین کی کوئی ٹھوس خدمت کریں۔ چند مہینے کے بعد مولانا مودودی نے اپنی تحریک اور اپنے کام کا ایک خاکہ "ترجمان القرآن" میں شائع کیا اور اپنے ہم خیال دوستوں کو دعوت دی کہ وہ فلاں تاریخ کو "دارالاسلام" میں جمع ہوں اور ایک جماعت یا ادارہ کی باقاعدہ تنظیم و تشکیل ہو جائے۔ اس وقت مولانا کے بنائے ہوئے کام کے خاکہ سے اس عاجز کو اصولی طور پر پورا اتفاق تھا، یاد آتا ہے کہ وہ الفرقان میں شائع بھی کیا گیا تھا۔ بہر حال مقررہ تاریخ پر یہ ناچیز بھی "دارالاسلام" پہونچا۔ توقع یہ تھی کہ مولانا مودودی میں تبدیلی کا جو عمل شروع ہوا تھا اب اُس نے کافی منزلیں طے کر لی ہوں گی اور مولانا بہت بدل گئے ہوں گے، لیکن وہاں پہونچکر جب ایک دو دن مولانا کے ساتھ رہنا ہوا تو بڑے رنج کے ساتھ مایوسی ہوئی اور اندازہ ہوا کہ مولانا نے اپنے کو بدلنے کا پورا ارادہ ہی نہیں کیا ہے۔

میرے علاوہ باہر سے آنے والے چند صاحبان اور بھی تھے۔ اگلے دن جب وہ وقت آیا کہ سب ایک جگہ بیٹھ کر جماعت یا ادارے کی تشکیل کریں تو میں نے ذرا دیر پہلے تنہائی میں

مولانا سے کہا کہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، میں آیا تو اسی ارادہ سے تھا کہ اس کام میں آپ کا رفیق بنوں گا لیکن یہاں آ کر مجھ میں تذبذب پیدا ہو گیا ہے اور میں نے مناسب سمجھا کہ میں پہلے ہی آپکو بتلا دوں کہ اس وقت جو ادارہ یا جماعت بنے گی میں اس میں شرکت نہیں کر سکوں گا، لیکن آپ کے مقصد اور آپ کی دعوت سے مجھے پورا اتفاق اور پوری ہمدردی ہے۔

مولانا چونکہ بڑے ذہین آدمی ہیں اس لئے انھوں نے سمجھ لیا کہ کیا چیز میرے لئے رکاوٹ بنی ہے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کے اس تذبذب اور خلجان کی وجہ کو سمجھتا ہوں اصل بات یہ ہے کہ آپ کو اس کا اندازہ نہیں ہے کہ میں کس دنیا کا آدمی تھا اور کہاں سے چلکر آ رہا ہوں، آپ چاہتے ہیں کہ میں ایک دم بدل جاؤں۔ آپ جو کچھ چاہتے ہیں انشاء اللہ رفتہ رفتہ وہ ہو جائے گا اس لئے میرا مشورہ ہے کہ آپ اپنی رائے پر نظر ثانی کریں، آپ کے انکار کر دینے سے اور بہتوں پر بھی اثر پڑے گا ـــــ میں نے عرض کیا کہ شرکت کے فیصلہ کے لئے جس اطمینان کی ضرورت ہے، واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے اندر وہ اطمینان نہیں پاتا۔ اس لئے مجبور ہوں حالانکہ مجھے اپنے شریک نہ ہونے سے دُکھ اور افسوس ہے اگر آئندہ اللہ نے مجھے اطمینان نصیب فرما دیا تو میں انشاء اللہ آپ کے ساتھ باضابطہ بھی شریک ہو جاؤں گا، لیکن ضابطہ کی شرکت کے بغیر تعاون یوں بھی کروں گا۔ اور دوسروں پر اثر پڑنے کی مشکل کا یہ حل ہو سکتا ہو کہ میں مجلس میں اپنے اس تذبذب یا انکار کا پہلے اظہار نہ کروں بلکہ خاموش رہوں ـــــ چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا۔ دوسرے حضرات مجلس میں جب اپنی رائے ظاہر کر چکے، ادارہ کی رکنیت قبول کرنے والے اپنی منظوری دے چکے اور معذرت کرنے والے معذرت کر چکے تو سب سے آخر میں میں نے اپنے متعلق بتایا کہ میں اس وقت رکنیت کا فیصلہ نہیں کر سکا ہوں، ابھی مزید غور کروں گا

یہاں میں یہ واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میرے توقف یا انکار کی وجہ میرا یہ خیال تھا کہ اتنے ادیبوں [illegible] کے ساتھ جو دینی جماعت یا ادارہ بنے اور اتنے اعلیٰ نصب العین کا دُنیا کے سامنے اعلان کرے اگر اس کے قائد کی زندگی اس دعوت سے ضروری درجہ کی بھی مطابقت نہ رکھتی ہو تو اولاً تو وہ چلے گی نہیں اور قلم کی طاقت کے بل پر کچھ چلی بھی

تو اس کے ذریعے مسلمانوں کی دینی اصلاح کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی حالانکہ اس راہ کا بنیادی کام یہی ہے۔

---

یہ ادارہ جو دارالاسلام کے احاطہ میں بیٹھ کر بنایا گیا تھا اس کا نام "ادارہ دارالاسلام" تھا۔ مولانا مودودی اس کے صدر یا امیر تھے اور اُن کے علاوہ غالباً چار حضرات رکن بنے تھے۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مولانا نے دارالاسلام سے لاہور منتقل ہو جانے کا فیصلہ کر لیا اس فیصلہ کا اصلی سبب، جیسا کہ اُس وقت مجھے معلوم ہوا تھا مولانا مودودی کے بارے میں بانیِ دارالاسلام چوہدری نیاز علی خاں صاحب کے کچھ اُسی قسم کے احساسات تھے جو میرے لئے "ادارہ دارالاسلام" کی شرکت کی راہ میں رکاوٹ بن گئے تھے واللہ تعالیٰ اعلم

بہرحال مولانا لاہور چلے گئے۔ اور ترجمان القرآن وہیں سے شائع ہونے لگا ——— کچھ عرصہ کے بعد مولانا نے غالباً دینیات کے پروفیسر یا لیکچرر کی حیثیت سے لاہور کے اسلامیہ کالج میں اپنا تعلق قائم کر لیا۔ اس تمام عرصہ میں مولانا سے میرا ذاتی تعلق علیٰ حالہ رہا۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ خط و کتابت بھی جاری رہی۔

" ادارہ دارالاسلام" کا ذکر کچھ عرصہ کے بعد ترجمان میں آنا بند ہو گیا پھر یا تو خود مولانا کے کسی خط سے یا کسی اور ذریعہ سے مجھے معلوم ہوا کہ مولانا اس کام کے آگے بڑھنے سے مایوس ہو گئے ہیں۔ اس لئے اب اس کی دعوت کا سلسلہ جاری نہیں ہے اور اس لئے انھوں نے کالج سے تعلق قائم کر لیا ہے۔

خود میرا حال اس عرصہ میں یہ رہا کہ " ادارہ دارالاسلام" کی تشکیل کے وقت دو تین دن مولانا کے ساتھ رہ کر ان کے بارہ میں تو ذہن نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اچھا سوچنے اور بہترین لکھنے والا تو بنایا ہے لیکن دینی انقلاب کی مقدس مہم کے چلانے کے لئے جو صفات اور جو زندگی چاہیئے اس سے مولانا بہت دور ہیں اور بظاہر ان صفات اور اُس زندگی کے حاصل کرنے کا اُن میں کوئی خاص داعیہ اور ارادہ بھی نہیں ہے، اس لئے

مولانا کی طرف سے تو میں اس معاملہ میں بالکل مایوس ہو گیا، لیکن اُن کی تحریروں اور اپنے غور و فکر سے جس قسم کی دینی جد و جہد کو میں نے ضروری سمجھ لیا تھا میں محسوس کرتا تھا، بلکہ گویا آنکھوں سے دیکھتا تھا کہ اس کا تقاضا روز بروز شدید تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔

لیکن خود اپنی صلاحیتوں اور کمزوریوں کا اپنے نزدیک پورا دیانتدارانہ جائزہ لے کر میں اپنے بارہ میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اس قسم کے کسی کام کا میں خود قائد در علمبردار بننے کے لائق نہیں ہوں، ہاں اگر کہیں ایسا کام شروع ہو تو میں اس کا ساتھ دینے والا ایک اچھا سپاہی بن سکتا ہوں، اس لئے میں چاہتا تھا کہ اللہ کا کوئی بندہ یا کچھ بندے جو اہل ہوں وہ اس طرح کا کوئی کام کریں تو میں ان کے ساتھ لگ جاؤں۔

اس زمانہ میں مسلمانوں کے جذبات میں بھی ایک خاص تلاطم تھا اور ایسے کسی کام کے لئے زمین خاصی تیار تھی اس لئے اس وقت طبیعت اس کے لئے سخت بے چین تھی کہ ایسا کوئی کام شروع ہو۔

پھر ۳۹ء میں جب دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی تو اس وقت یہ بے چینی اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ کیوں کہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ جنگ دنیا کے اور قوموں کے نقشوں میں غالباً بڑی بڑی تبدیلیوں کا ذریعہ بنے گی۔ کئی ایک وہ حضرات جن سے اس طرح کے کسی کام کے شروع کرنے کی توقع ہو سکتی تھی اور میں ان کو اہل سمجھتا تھا۔ میں نے سفر کر کے اس مقصد کیلئے اُن سے ملاقاتیں بھی کیں لیکن کوئی کام شروع نہ ہو سکا[۱]۔ الغرض قریباً دو سال میرے اس انتظار و تلاش اور بے چینی میں گزرے۔

---

جنگ شروع ہو جانے کے بعد سے مولانا مودودی نے ترجمان القرآن میں جو مضامین مسلسل ہندوستانی تحریکات اور مسلمانوں کے نصب العین کے متعلق لکھے انھوں نے اس داعیہ کو اور بھی تیز کیا اور اس بے چینی کو اور آگے بڑھایا پھر ان مضامین ہی کی آخری قسطوں سے معلوم ہوا کہ مولانا اب پھر کوئی جماعت اس کام کے لئے بنانا چاہتے ہیں، جسکی وہ دعوت دے رہے ہیں (یہاں یہ بات ذکر کرنے سے رہ گئی کہ مولانا نے کانگریس سے جو تعلق

---

[۱] ۵۸ء یا ۵۹ھ کے الفرقان کے کسی شمارہ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم کی لکھی ہوئی، ہمارے ایک سفر کی روداد شائع ہوئی تھی وہ بھی دراصل اسی سلسلہ کا ایک سفر تھا۔ م

قائم کر لیا تھا۔ وہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ختم ہو گیا تھا جس کی تفصیل (مجھے معلوم نہیں)

انہیں دنوں میں میرا لاہور کا ایک سفر ہوا بعض دوست جو میری ہی طرح مولانا مودودی سے خاص تعلق رکھتے تھے اور ان کے مضامین اور ان کی دعوت سے کافی متاثر اور دینی دعوت کا کام شروع ہونے کے لئے بے چین تھے۔ مولانا کے قریب لاہور ہی میں انھوں نے قیام اختیار کر لیا تھا انھیں یہ بات کسی درجہ میں معلوم تھی کہ میں مولانا مودودی سے ذاتی دوستانہ تعلق رکھنے اور انکی دعوت اور ان کے اس وقت کے موقف سے اصولی طور پر متفق ہونے کے باوجود موصوف میں کوئی کمی محسوس کرنے کی وجہ سے ادارہ دارالاسلام کی تشکیل کے وقت اس کی رکنیت سے رُک گیا تھا ــــــ بہر حال جب میں لاہور پہنچا تو اِن دوستوں نے مجھ سے باتیں کیں اور اس سلسلہ گفتگو میں مجھے یہ بھی بتایا کہ مولانا کی زندگی میں اب کافی تبدیلی آگئی ہے اور ہمارے نزدیک اب جماعت بنا کر کام شروع کر دینے کا وقت آگیا ہے۔

میں جیسا کہ بتا چکا ہوں، قریباً دو سال سے اس بےچینی میں مبتلا تھا اور مختلف کوششوں کے باوجود ایسا کام جیسا کہ میں اسوقت چاہتا تھا کہیں شروع نہیں ہو سکا تھا اسلئے میں پھر کچھ آمادہ ہو گیا، پھر بھی میں نے مزید اطمینان کے لئے مولانا مودودی سے کچھ باتیں کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ جب اُن سے ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ سے آپ ہی کے متعلق تنہائی میں کچھ باتیں کروں گا۔ وہ اس کے لئے بخوشی تیار ہو گئے۔ میں نے اُن سے صاف کہا، آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی باتوں سے بہت بڑی حد تک اتفاق اور آپ کے ساتھ گہری ذاتی محبت اور تعلق کے باوجود، میں ادارہ دارالاسلام کی تشکیل کے وقت رُکن بننے سے کیوں رُک گیا تھا۔ میرے نزدیک یہ تو صحیح ہے کہ ہم میں سے معصوم کوئی بھی نہیں ہے، اور کسی دینی کام کے لئے کسی معصوم یا کامل ترین شخصیت کا انتظار کرنا غلط ہے۔ لیکن مجھے اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ جس قسم کا کام ہم آپ شروع کرنا چاہتے ہیں اس کے قائد کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی زندگی اس کی دعوت سے مطابقت رکھتی ہو۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو دعوت کے ساتھ نہ تو اللہ کی

نصرت ہوگی اور نہ لوگ اس سے متاثر ہوں گے۔ میں نے یہ بھی عرض کیا کہ پورے عرصہ میں اس قسم کے کام کے لئے میں بے چین رہا ہوں اور آپ سے مایوس ہونے کے بعد میں نے اس کے لئے مختلف کوششیں کیں، لیکن کوئی کام شروع نہیں ہوسکا۔ اب مجھے ترجمان القرآن سے بھی معلوم ہوا تھا۔ اور یہاں رہنے والے میرے آپ کے دوستوں نے بھی بتایا ہے کہ اب پھر اس مقصد اور اس دعوت کے لئے جماعت بنانے کا ارادہ کیا جا رہا ہے۔ میں اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے آپ کے متعلق کچھ معلومات خود آپ سے ہی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا آپ یہ کیوں فرض کرتے ہیں کہ جماعت کا قائد میں ہی بنوں گا۔ آپ کسی ایسے کو سوچیے جو آپ کے نزدیک اہل ہو، میں کہتا ہوں کہ آپ ہی اس ذمہ داری کو کیوں نہ قبول کریں۔ میں نے کہا جہاں تک میری ذات کا سوال ہے میں اپنے کو خوب تول کر یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں ایسی کسی جماعت کی قیادت کا ذمہ دار بننے کے لائق نہیں ہوں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو اب تک میں میدان میں خود کو دیکھا ہوتا۔ اس لئے اس امکان پر بحث نہ کیجئے، کوئی اور آدمی بھی میری نظر میں نہیں ہے۔ بلکہ میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ گذشتہ دو برسوں میں میں نے اس کی کوشش کی کہ کوئی اللہ کا بندہ جو اس کا اہل ہو وہ کھڑا ہو جائے لیکن میں ناکامیاب رہا۔ اس لیے ہوگا یہی کہ اگر آپ کوئی جماعت بنائیں گے تو اس کے قائد یا امیر آپ ہی ہوں گے۔ اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے بارے میں فیصلہ کرنے سے پہلے آپ کے بارے میں خود آپ سے کچھ صاف صاف باتیں کرلوں۔

اس کے بعد میں نے مولانا سے چند سوالات کئے ان میں سے جو یاد ہیں وہ یہ ہیں :-

۱۔ میں نے پوچھا مجھے صفائی سے بتائیے کہ احکام شریعت کے بارے میں اس وقت آپ کا طرز عمل کیا ہے؟

انھوں نے بتایا میں اپنے امکان کی حد تک احکام شریعت کی پابندی کرتا ہوں اور کرنا چاہتا ہوں

۲۔ پھر میں نے اُن سے کہا یہ تو مجھے معلوم ہے کہ آپ تقلید شخصی کو ضروری نہیں سمجھتے لیکن میرا خیال ہے کہ فتنوں کے اس زمانہ میں یہ آپ بھی ضروری سمجھتے ہوں گے کہ جس مسئلہ پر ائمہ اربعہ متفق ہوں اس کے خلاف نہ کیا جائے؟

انھوں نے کہا کہ ہاں میں یہ ضروری سمجھتا ہوں اور اس سے خروج کو جائز نہیں سمجھتا۔

۳۔ (اس زمانہ میں مولانا کی ڈاڑھی بہت مختصر سی تھی۔ اور سر پر انگریزی وضع کے بال بھی رہتے تھے) میں نے دوستانہ بے تکلفی کے ساتھ ان کی ڈاڑھی کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا کہ کیا ایسی ڈاڑھی رکھنا آپ کے نزدیک جائز ہے، مولانا نے فرمایا۔ ہاں میں حرام یا ناجائز نہیں سمجھتا۔ البتہ خلاف اولیٰ سمجھتا ہوں۔ میری رائے یہ ہے کہ ڈاڑھی اتنی ہونی ضروری ہے کہ دور سے نظر آئے۔ اور بقدر یکمشت سنت ہے۔

میں نے عرض کیا کہ کتب فقہ میں تو بقدر یکمشت کو واجب لکھا ہے۔ اور جو لوگ اس سے چھوٹی رکھتے اور کترواتے ہیں ان کے اس طرز عمل کو ناجائز کہا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔ میں نے اس وقت فتح القدیر اور درمختار وغیرہ کی یہ عبارت جو اُس وقت بھی زبانی یاد تھی پڑھ کر سنائی " واما مایفعلہ بعض المغاربۃ من قصہا دھی دون القبضۃ فلم یجدہ احد[1] "

مولانا نے فرمایا لیکن فقہ حنبلی کی کتاب مغنی میں تصریح ہے کہ اس سے کم رکھنا بھی جائز ہے میں نے عرض کیا میں نے مغنی نہیں دیکھی اس لئے اُس کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن ایک اُصولی بات یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر عام فقہاء و مجتہدین ایک فعل کو ناجائز کہتے ہوں، اور کسی کتاب میں کوئی قول اس کے جواز کا بھی ہو اور اُس کے کرنے میں کوئی شرعی مصلحت بھی نہو تو ظاہر ہے کہ تقویٰ اور احتیاط کا تقاضا یہی ہوگا کہ اس سے بچا جائے ____ علاوہ ازیں صحاح کی جن حدیثوں میں ڈاڑھی رکھنے کا حکم بصیغہ امر دیا گیا ہے اُن میں دو لفظ آتے ہیں ایک " اَعفوا اللحیٰ" اور دوسرا " ارخوا اللحیٰ" " اعفوا " اور " ارخوا " کے جو مصدر ہیں یعنی " اعفا" اور " ارخا" عربی لغت کی رو سے یہ فی الجملہ درازی اور بڑھوتری کو چاہتے ہیں، فقہاء نے غالباً صحابہ کے طرز عمل سے یہ سمجھا ہے کہ اگر قریباً ایک مشت ڈاڑھی رکھی جائے تو ان لفظوں کا مطالبہ پورا ہو جائے گا۔ بس فقہ کی تصریحات سے تھوڑی دیر کے لئے صرف نظر کر کے بھی اگر آپ غور فرمائیں تو اتنا آپ کو بھی ماننا

---

[1] مطلب یہ ہے کہ بعض مغاربہ کا یہ طرز عمل کہ وہ ڈاڑھی ایک مشت سے کم رکھتے اور کترواتے ہیں، یہ کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

پڑے گا کہ صرف اتنی ڈاڑھی رکھنے سے جو بقول آپ کے لبس دور سے نظر آئے ان لفظوں کا مطالبہ پورا نہیں ہوتا۔ بلکہ ان الفاظ کا صاف تقاضہ یہ ہے کہ ڈاڑھی کو کچھ لمبا، بڑھا ہوا اور لٹکا ہوا ہونا چاہیئے اور آپ کی موجودہ ڈاڑھی بہت چھوٹی ہے۔ اس لئے میرے نزدیک حدیث کی رو سے بھی اس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مجھے یاد ہے، مولانا نے میری یہ بات سن کر کچھ دیر خاموشی سے غور کرنے کے بعد فرمایا۔ میں نے اس مسئلہ پر اس طرح اور اس پہلو سے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ اب میرا خیال یہ ہے کہ آپ کی بات صحیح ہے اور مجھے اس کی اصلاح کر لینی چاہیئے۔"

اس کے بعد میں نے مولانا کے بالوں کی طرف اشارہ کر کے اسی دوستانہ انداز میں کہا کہ کیا اس طرح کے بال رکھنے میں آپ کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے ——— مولانا نے فرمایا کیا یہ آپ کے نزدیک "قزع" ہے جس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ میں نے کہا میں یہ تو نہیں کہتا کہ یہ "قزع" ہے لیکن یہ کہتا ہوں کہ اس طرح کے بال رکھنا صالحین کے طریقے کے خلاف اور غیر صالحین کا طریقہ ہے، اور خاص کر جو لوگ دین اور شریعت کی پابندی کے داعی ہوں ان کیلئے ایسی چیزوں کی بالکل گنجائش نہیں ہے ——— اس پر بھی مولانا نے فرمایا کہ یہ بات بھی اچھی ٹھیک ہے میں اس کی بھی اصلاح کر لوں گا۔

یہ ساری گفتگو نہایت دوستانہ اور مخلصانہ فضا میں ہوئی اور مجھے اس کی خاص خوشی ہوئی کہ مولانا نے کج بحثی کا رویہ اختیار نہیں کیا بلکہ جب بات سمجھ میں آگئی تو اس کو مان لیا۔

۴۔ اس کے بعد میں نے مولانا سے اس وقت کا اپنا یہ خیال تفصیل سے ظاہر کر کے کہ اس کام کے قائد کی زندگی عیش و تنعم کی نہیں بلکہ جفاکشی اور مجاہدہ کی ہونی چاہیئے۔ عرض کیا کہ میرا اندازہ اور احساس یہ ہے کہ آپ کی زندگی بڑے عیش و آرام کی اور امیرانہ ہے، مولانا نے فرمایا۔ آپ کا اندازہ صحیح نہیں ہے، اس لحاظ سے اب میری زندگی بہت بدل گئی ہے میں نے بے تکلفی سے پوچھا بتایئے آپ کے ماہوار خرچ کا اوسط کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا کرایہ مکان کے علاوہ قریبًا ساٹھ، ستر روپے! میں نے کہا پھر تو ٹھیک ہے۔ میرا ہی اندازہ غلط ہوگا (یہاں یہ بات واضح کر دینی ضروری ہے کہ اس وقت ۶۰۔ ۷۰ روپے، قوتِ خرید کے لحاظ سے آج کے دو ڈھائی سو

روپے کے برابر تھے)

اس کے بعد میں نے اپنا اطمینان ظاہر کر کے مولانا سے کہا کہ اب آپ کوئی تاریخ مقرر کر کے جماعت کی تشکیل کیلئے ہم خیالوں کو دعوت دیجئے، یاد آتا ہے کہ غالباً اسوقت میرے مشورہ ہی سے تاریخ مقرر ہوئی اور دعوت دی گئی۔

مقررہ تاریخ پر ہم خیال حضرات اچھی خاصی تعداد میں جمع ہو گئے اور "جماعت اسلامی" کی تشکیل عمل میں آئی (یہ غالباً ۱۹۴۱ء اور اگست کا مہینہ تھا) یہ ناچیز اس وقت پورے اطمینان کے ساتھ اس میں شریک ہوا۔ اس کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ اس وقت یہ اظہار غالباً مناسب ہی ہوگا کہ اس وقت جماعت میں مولانا مودودی کے بعد اس ناچیز ہی کو سمجھا جاتا تھا۔ خود مولانا کا برتاؤ بھی میرے ساتھ ایسا تھا جس کا مجھے ممنون ہونا چاہیئے۔

---

مولانا ابوالحسن علی ندوی سے میرا اچھا خاصا تعلق اِس عرصہ میں قائم ہو چکا تھا ہم دونوں کے جذبات اور سوچنے کے طرز میں بڑی یگانگت تھی۔ جماعت اسلامی کی تشکیل کی ساری تفصیلات مولانا موصوف کو بعض اُن رفقائے جماعت سے معلوم ہو چکی تھیں جو لکھنؤ سے لاہور ہو چکے اس تاسیسی اجتماع میں شریک ہوئے تھے۔ نیز اس سلسلہ میں میری ابھی خط و کتابت برابر ہوتی رہی تھی ــــــ بہرحال انھوں نے جماعت میں شرکت کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں نے ایک سفر لکھنؤ کا کیا، جن حضرات کے ذہن ترجمان اور الفرقان کے مطالعہ سے جماعت اسلامی کی دعوت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو چکے تھے ان کا ایک مختصر سا اجتماع ایک رفیق کے مکان پر ہوا۔ میں نے تفصیل سے دعوت کا تذکرہ کیا اور جماعت میں شرکت کے شرائط وغیرہ بیان کئے مولانا علی میاں اور چند اور دوستوں نے اسی اجتماع میں کلمۂ شہادت کے اعادہ کے ساتھ باقاعدہ جماعت کی رکنیت قبول کی۔

اسی زمانہ میں میں نے ایک سفر اعظم گڈھ کا بھی کیا۔ اب یاد نہیں رہا، شاہ گنج اور اعظم گڈھ کے درمیان کس اسٹیشن پر اِدھر سے جانے والی اور اُدھر سے آنے والی ٹرینیں کسی سبب سے کچھ دیر کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ میں نے دیکھا کہ اعظم گڈھ سے آنے والی ٹرین کے سیکنڈ کلاس

میں مولانا سید سلیمان ندوی موجود ہیں، میں ملاقات کے لئے پہونچا، سلام اور مزاج پرسی کے بعد سید صاحب نے پہلی بات یہ کہی کہ "جماعت اسلامی میں مودودی صاحب کے ساتھ آپ بھی شریک ہیں۔ کیا آپ اُن کے بارے میں بالکل مطمئن ہیں؟" میں نے عرض کیا کہ ہاں میں تو اطمینان کر کے ہی شریک ہوا ہوں۔ فرمایا "خیر! خدا کرے آپ کا اطمینان درست ہو، مجھے تو ان کی تحریروں میں تجدد کی بو آتی ہے۔ ایسے لوگ دین کے معاملہ میں بھروسے کے قابل نہیں ہوتے" اس کے بعد سید صاحب کی ٹرین روانہ ہونے لگی اور میں آکر اپنی ٹرین میں بیٹھ گیا

اسی سفر میں میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ہوتے ہوئے مولانا امین احسن صاحب اصلاحی سے ملا۔ مولانا سے میرا کوئی خاص تعلق یا تعارف اس وقت تک غالباً نہیں تھا۔ شاید ایک دو دفعہ ملاقات کی نوبت آئی ہو اور کبھی کبھار انھوں نے یا میں نے کسی ضرورت سے خط لکھا ہو، لیکن معلوم نہیں کیوں، وہ میرے ساتھ خاص محبت اور اعتماد کا اظہار فرماتے تھے ——
یہاں یہ ظاہر کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ جس زمانہ میں مولانا مودودی کا قلم بڑی تیزی اور بڑی طاقت کے ساتھ جنگ آزادی میں کانگریس کا ساتھ دینے والے مسلمان حلقوں کے خلاف چل رہا تھا تو مولانا امین احسن مولانا مودودی کی تحریروں کا جواب لکھنے والوں میں تھے بلکہ جہاں تک مجھے یاد ہے سچی بات یہ ہے کہ ان دنوں میں جن لوگوں نے مودودی صاحب کے ان مضامین کا جواب لکھا، ان میں سے اکثر نے صرف گالیاں دیں اور بس منھ چڑایا۔ لیکن مولانا امین احسن نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا مولانا مودودی کے اس وقت کے مجھ جیسے حامیوں نے بھی اس کو کچھ نمبر دئے اور کسی درجہ میں جواب سمجھا۔ لیکن ۳۹ء میں جنگ عظیم چھڑ جانے کے بعد مولانا مودودی نے جب مسلمانوں کے دوسرے گروہ (مسلم لیگ وغیرہ) کے رویہ پر اُسی قسم کی سخت تنقید شروع کی اور یہ ظاہر کر دیا کہ انکی اصل دعوت لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا" کی ہے اور ان کا موقف مسلم قومیت کے پرستاروں سے بھی اتنا ہی الگ ہے جتنا کہ نظریہ وطنیت کے پرستاروں سے، تو مولانا امین احسن کی رائے مولانا مودودی کے ساتھ ہو گئی اور جب جماعت اسلامی کی تاسیس عمل میں آئی تو چند روز کے بعد انھوں نے بھی اسکی رکنیت قبول کر لی —— میں جب سرائے میر پہونچا ہوں تو مولانا امین احسن جماعت کے رکن بن چکے

تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے مجھ سے کہا کہ بھئی! صاف بات یہ ہے کہ میں مودودی صاحب کو نہیں جانتا، تمھیں جانتا ہوں۔ اگر مودودی صاحب کل کو کسی غلط راستہ پر چل پڑے تو میں تو خدا کے سامنے تمھیں پکڑ کے پیش کر دوں گا کہ ان سے پوچھیے۔ میرے ذمہ دار بھی یہی ہیں، لیکن یہ گفتگو کچھ اس طرح تھی کہ میں نے اس کو ایک طرح کا مزاح ہی سمجھا البتہ میں نے اس موقع پر انھیں یہ بتا دینا ضروری سمجھا کہ مودودی صاحب کے بارے میں میرا خیال اور اندازہ کیا ہے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ اس وقت میں نے ان سے کہا تھا کہ اصل بات یہ ہے کہ اس دعوت اور اس کام کے لئے جیسا قائد چاہیے مودودی صاحب ویسے تو ہیں نہیں۔ لیکن اگر ان کے ساتھ دو چار آدمی اور ایسے مل جائیں جو ان کسروں کو کچھ پورا کریں جو اُن میں ہیں تو انشاء اللہ کام کچھ چل جائے گا۔

پھر قریباً چھ مہینے کے بعد جماعت اسلامی کا یا اس کی مجلس شوریٰ کا لاہور میں اجتماع ہوا میں اس وقت آنکھوں کی سخت تکلیف میں مبتلا تھا آنکھوں میں زخم ہو گئے تھے اور پٹی بندھی رہتی تھی، لیکن اسی حال میں میں نے بریلی سے لاہور تک کا سفر کیا اور اجتماع میں شرکت کی۔ مولانا امین احسن اور مولانا علی میاں بھی اس میں شریک ہوئے اور جماعت کے کسی اجتماع میں ان کی یہ پہلی شرکت تھی۔ مودودی صاحب کی ظاہری ہیئت کے اُن پہلوؤں میں جن کی اصلاح کا انھوں نے وعدہ کیا تھا خاطر خواہ تبدیلی نہ دیکھ کر مجھے دکھ ہوا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس سلسلہ میں اب میں خود ان سے کچھ نہ کہوں، اس لئے میں نے تنہائی میں مولانا امین احسن صاحب سے کہا کہ آپ ان چیزوں کی طرف اپنی طرف سے مولانا کو توجہ دلائیں تاکہ مولانا کو یہ محسوس ہو کہ صرف میں ہی ان اصلاحات کو ضروری نہیں سمجھتا ہوں بلکہ مولانا اصلاحی جیسے قریب قریب انہیں کے طرز کے روشن خیال عالم بھی اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ لاہور سے رخصت ہوتے وقت مولانا امین احسن صاحب نے میری موجودگی ہی میں مولانا مودودی اور ان رفیقوں سے جو وہاں مستقل ان کے ساتھ رہتے تھے بات کی اور کہا کہ میں بہت صفائی کے ساتھ یہ بات ظاہر کر دینا امانت اور دیانت کا تقاضا سمجھتا ہوں کہ یہاں آنے سے پہلے میں جتنا متاثر تھا یہاں آکر اس میں کچھ کمی آئی ہے۔ آپ حضرات اپنی

اس ذمہ داری کو محسوس کریں کہ آپ ہی اس دیگ کے وہ چاول ہیں جنھیں دیکھ کر کوئی شخص دیگ کے متعلق رائے قائم کرے گا اس لئے جماعت کی خیر خواہی کا بھی یہ فرض ہے کہ آپ حضرات اپنے آپ کو ایسا بنائیں کہ یہاں آکر آپ سے ملنے والا آدمی آپ کو اسلام کا اور اسلامی دعوت کا نمونہ دیکھے۔ میں تعیین کے ساتھ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ آپ کے کون کون سے پہلو زیادہ قابل اصلاح ہیں، آپ خود ہی سوچیں اور اپنا فرض ادا کریں۔ مولانا مودودی نے جہاں تک مجھے یاد ہے اس کے جواب میں فرمایا تھا، ہاں مجھے احساس ہے کہ مجھے اپنے آپ کو بہت بدلنے کی ضرورت ہے لیکن میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ باہر کی تبدیلی اندر کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اور اس کے تقاضہ سے ہو۔

یہی وہ زمانہ ہے جب مولانا مودودی نے تفہیم القرآن کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس وقت تک سورۂ بقرہ کے ابتدائی چند رکوع یہ وہ لکھ چکے تھے۔ انھوں نے یہ حصہ ایک مخصوص صحبت میں مجھے اور مولانا امین احسن صاحب کو سنایا۔ مولانا امین احسن نے انھیں مشورہ دیا کہ اب آپ اپنے آپ کو علمی کاموں میں زیادہ مصروف نہ کریں بلکہ اپنی تمام تر توجہ جماعت کے کام کو آگے بڑھانے پر مرکوز کر دیں۔ مجھے یاد ہے اس وقت مولانا اصلاحی نے یہ بات بھی کہی تھی کہ کسی نے سید جمال الدین افغانی سے کہا تھا کہ آپ تصنیف کی طرف زیادہ توجہ کیوں نہیں کرتے تو انھوں نے کہا میں آدمی بنانے کے کام کو کتابیں لکھنے کے کام سے اہم سمجھتا ہوں ——— دوسرے وقت مولوی امین صاحب نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ میں نے یہ مشورہ مولانا مودودی کو اس لئے بھی دیا تھا کہ جو کچھ اس وقت انھوں نے سنایا اس سے میں نے اندازہ کیا کہ مولانا کے علم کے بارے میں جو اندازہ ابتک ان کے مضامین سے تھا اُن کا علم اس سے بہت کم ہے۔ خاص کر قرآن مجید کے بارے میں اُن کا علم و فکر بہت سطحی ہے اور قرآن پر غور کرنے کے لئے علوم عربیت خاص کر نحو سے جتنی واقفیت ضروری ہے، مولانا نے اس کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ سلسلۂ کلام میں مولانا

---

لہ مولانا امین احسن کے یہ خط کشیدہ الفاظ مجھے کچھ اس طرح یاد رہ گئے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ ان میں کوئی لفظ بھی میرا نہ ہوگا۔

اصلاحی کا یہ ظریفانہ فقرہ اب تک حافظہ میں بالکل انھیں کے لفظوں میں محفوظ ہے ـــــ "بھئی میں تو مولانا کی علمی سطح کے بارے میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ لائق (بعینہ دیسی) پرویز" مجھے یہ بھی یاد ہے کہ چونکہ خود میرا خیال اس وقت ایسا نہیں تھا۔ اس لئے میں یہ سمجھتا تھا کہ مولانا امین احسن نے چونکہ اپنے استاذ مولانا فراہی مرحوم کو دیکھا ہے اور ان کے نہایت عمیق علم قرآن سے خاص استفادہ کیا ہے۔ اس لئے اس باب میں ان کو ہر ایک بے مایہ ہی نظر آئے گا۔

لیکن اس کے دس بارہ برس بعد جب مولانا اصلاحی نے غالباً حکیم عبدالرشید محمود صاحب گنگوہی کے جواب میں، مولانا مودودی کے علم کے بارے میں اور خاص کر ان کی نحو دانی کے بارے میں بڑی بلند شہادت دی تو مجھے ان کا یہ فقرہ بہت یاد آیا۔ لیکن میں نے سمجھا کہ مولانا مودودی جیسے کسی ذہین اور صاحب مطالعہ آدمی کے لئے دس سال میں بڑی سے بڑی علمی ترقی کر لینا قرین قیاس ہے۔ اس لئے مولانا اصلاحی کی شہادت صحیح ہی ہوگی ـــــ خیر، یہ بات تو یوں ہی استطراداً آگئی تھی۔ ورنہ میں ذکر جماعت کی مجلس شوریٰ کا کر رہا تھا ـــــ آگے اسی کو سنیئے!

جماعت اسلامی کی اسی مجلس شوریٰ میں دستور پر نظر ثانی بھی کی گئی۔ اور یہ کام ہم تین کے سپرد کیا گیا، ایک یہ عاجز، ایک مولانا اصلاحی، ایک مولانا ابوالحسن علی ندوی، شاید ان دونوں حضرات کو بھی یاد ہو کہ جو بھی چھوٹی بڑی ترمیمیں اس وقت اس میں کی گئیں وہ سب میں نے کی تھیں۔ اور ان دونوں دوستوں نے ان سے اتفاق کیا تھا۔ بعض اور معمولی معمولی ترمیمیں جن کے لئے میری رائے بھی ان کو ان دوستوں نے ضروری نہیں سمجھا اور میں نے بھی اس پر اصرار نہیں کیا۔

اسی مجلس شوریٰ میں غالباً میری اور مستری محمد صدیق صاحب مرحوم کی تجویز بلکہ اصرار پر یہ طے ہوا کہ جماعت کا مرکز لاہور نہ رہے بلکہ ہم کسی جگہ اپنی ایک ایسی نو آبادی قائم کریں جس کو اپنے نظریات کے مطابق تا امکان ایک خالص دینی بستی بنا سکیں اور جماعت کے جو ارکان منتقل ہو سکتے ہوں وہ وہیں منتقل ہو جائیں۔ خود میں نے بھی اپنے متعلق یہی فیصلہ کیا کہ میں وہیں منتقل ہو جاؤں گا۔ بعض اہم مصالح کے پیش نظر سیالکوٹ کا علاقہ اس کے لئے زیادہ مناسب سمجھا گیا، ساتھ ہی یہ بھی طے ہوا کہ اس علاقہ میں اس جگہ کا انتظام اگر جلدی نہ ہو سکے تو پھر عارضی طور پر "دارالاسلام" کو مستقر بنانے کیلئے چوہدری نیاز علی خاں صاحب سے بات کی جائے۔ چوہدری صاحب موصوف سے اس عاجز کے اور مستری

صاحب مرحوم کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ اس لئے ہم دونوں کو پوری اُمید تھی کہ چوہدری صاحب بخوشی اس کے لئے تیار ہو جائیں گے پھر ایسا ہی ہوا کہ سیالکوٹ کے علاقہ میں جو جگہ زیر غور تھی یا تو وہ حاصل نہ ہو سکی یا کسی وجہ سے اس کا خیال چھوڑ دیا گیا بہر حال جب چوہدری صاحب سے "دارالاسلام" کیلئے مراسلت کی گئی تو وہ آمادہ ہو گئے۔

غالباً رجب کا مہینہ تھا جب مولانا مودودی مع اپنے دفتر کے لاہور سے پھر "دارالاسلام" آ گئے۔ اور دارالاسلام جماعت کا مرکز بن گیا۔ مستری صاحب مرحوم بھی وہیں آ کر مقیم ہو گئے۔ دو تین دوست اور بھی آ گئے۔ مجھے منتقلی کے انتظامات میں کچھ دیر لگی۔ اس لئے میں غالباً آخر رجب یا شروع شعبان میں پہونچ سکا۔ مجھے یاد ہے کہ میں اپنے اس سفر کو سفر ہجرت سمجھتا تھا۔ اور مجھے اللہ کی اس توفیق پر خاص مسرت تھی۔ میرے قیام کو ایک ہی ہفتہ گذرا ہو گا کہ میرے سامنے بعض چیزیں ایسی آئیں جن سے معلوم ہوا کہ احکام شریعت کی جس درجہ کی پابندی، یا کہنا چاہیئے کہ جس درجہ کا عملی تقویٰ جماعت کے ہر رکن کے لئے شرط لازم قرار دیا گیا ہے۔ خود مولانا مودودی نے اپنے کو ابھی تک اس کا بھی پابند نہیں بنایا ہے اور یہ کہ جماعت کی تاسیس سے چند روز پہلے والی تنہائی کی گفتگو سے تقویٰ اور شریعت کی پابندی کے بارے میں مولانا کا جو حال میں نے سمجھا تھا۔ واقعہ میں ان کا حال وہ نہیں ہے، بلکہ اس بارے میں ان میں اس قدر تھاون اور اتنی سہل انگاری ہے جو مقام تقویٰ کے بالکل منافی ہے ـــــ یہ معلوم کر کے دل کو سخت دھکا لگا اور میں بار بار غور کر کے اس معاملہ میں نہ تو کسی طرح ان کو معذور سمجھ سکا اور نہ ان کے رویہ کی کوئی تاویل ہی کر سکا۔

اب میرے سامنے ایک سخت مشکل اور اُلجھن آ گئی۔ اور وہ یہ کہ جماعت کی تاسیس کے وقت مولانا مودودی کی امارت کی تحریک خود میں نے پیش کی تھی اور سب کے سامنے میں نے اپنے اس اطمینان کا اظہار کیا تھا کہ مولانا موصوف اپنے علم و عمل اور اپنی فکری صلاحیتوں کے لحاظ سے جماعت کی امارت کے لئے موزوں ترین آدمی ہیں۔ اور اُن شرطوں کے بارے میں جو دستور میں امیر کے لئے ضروری قرار دی گئی ہیں۔ پھر اس کے بعد الفرقان کے صفحات پر بھی میں اپنے اس علم و اطمینان کا برابر اظہار کرتا رہا، یہ گویا میری طرف سے مولانا کے بارے میں ایک شہادت

تھی۔ جو میں نے اس وقت کے اپنے معلومات کی بنا پر ادا کی تھی۔ اب دارالاسلام میں مولانا کے ساتھ ہفتہ عشرہ قیام کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ان کا حال وہ نہیں ہے جو ان کے تبلانے سے میں نے سمجھا تھا اور جس کا میں نے بار بار اپنے زبان و قلم سے اظہار کیا ہے۔ اب میں محسوس کرتا تھا کہ اس نئے علم و انکشاف کے بعد بھی اسی طرح میرا رکن جماعت بنا رہنا ایک ایسی عملی شہادت ہے جس کا غلط اور خلاف واقع ہونا مجھے معلوم ہو چکا ہے، اور یہ ایک طرح کا نفاق ہے، لیکن چونکہ "جماعت اسلامی" میں شرکت بڑے بلند عزائم کے ساتھ کی تھی اور اُس وقت اُس سے بڑی مقدس آرزوئیں وابستہ تھیں۔ اس لئے یہ شک بھی گزرتا تھا کہ ایسا تو نہیں کہ میں جو کچھ سوچ رہا ہوں اس میں شیطانی فریب کا کوئی دخل ہو یا نفس امارہ کا دھوکا ہو۔ میں نے تنہائیوں میں گھنٹوں بیٹھ بیٹھ کر اس پر غور کیا اور میں فیصلہ نہ کر سکا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ میرے سامنے اس وقت یہ مسئلہ نہیں تھا کہ مولانا مودودی امارت کے اہل نہیں ہیں لہٰذا انھیں امارت سے الگ ہو جانا چاہیئے یا یہ کہ مولانا مودودی کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے جماعت کی شرکت و رکنیت اب جائز نہیں رہی ہے بلکہ میرے سامنے مسئلہ اسوقت صرف یہ تھا کہ میں مولانا کے بارہ میں بار بار ایک شہادت دے چکا ہوں اور اب مجھے معلوم ہوا کہ میری وہ شہادت صحیح نہیں تھی ایسی حالت میں اگر میں بدستور جماعت کا رکن رہتا ہوں تو گویا اپنے عمل سے مسلسل وہ شہادت دیتا ہوں جو اب میرے علم میں سچی شہادت نہیں ہے، بس یہ تھی میری اصل مشکل جس کا کوئی حل میری سمجھ میں نہیں آیا اور میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔

جماعت اسلامی کے دائرہ سے باہر جو اہل علم اور اصحاب بصیرت میرے اکابر یا احباب تھے ان کے متعلق میں سمجھتا تھا کہ اگر ان سے میں مشورہ کروں تو جماعت کی اہمیت اور قدر و قیمت اور اس کے مقاصد کی بلندی سے پوری طرح واقف نہ ہونے کی وجہ سے وہ صحیح رائے نہیں قائم کر سکیں گے اس لئے میں نے اس معاملہ میں مشورہ حاصل کرنے کے لئے جماعت کے اندر ہی کے دو صاحب علم منتخب کئے، ایک مولانا امین احسن اصلاحی اور دوسرے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی میں نے پیش آمدہ مشکل کے بارہ میں ایک مفصل خط لکھ کر رجسٹری سے مولوی امین احسن صاحب کے نام سکریٹر امیر روانہ کیا اور اس میں ان سے اصرار کیساتھ گذارش

کی کہ آپ اس خط کے ملنے کے بعد جلد سے جلد مولانا علی میاں کے پاس جائیں اور دونوں صاحب غور و فکر کے بعد مجھے مشورہ دیں کہ اس صورت میں کیا میرے لئے شرعاً اس کی کوئی گنجائش ہے کہ میں خاموشی کے ساتھ اسی طرح جماعت میں رہوں اور میرے حق میں یہ معصیت نہ ہو، یا ایسی حالت میں میرے لئے یہ ضروری ہے کہ میں اپنی بے اطمینانی ظاہر کر کے جماعت سے بے تعلقی اختیار کر لوں۔ میں نے یہ خط رجسٹرڈ روانہ کیا تھا اور جواب بھی رجسٹرڈ مانگا تھا، امید تھی کہ ہفتہ تک اس کا جواب مجھے ضرور مل جائے گا، لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔ مجھے یاد ہے کہ وہ دن مجھ پر کتنے سخت گزرے اور میں ان دنوں اور ان راتوں میں کتنا رویا، میں محسوس کرتا تھا کہ میں سخت آزمائش میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ میرے ایمان اور میری خدا پرستی کا امتحان ہے بعض وقت سوچتا تھا کہ جب یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ مولانا مودودی کے بارہ میں میرا اظہار اطمینان اور میری شہادتیں صحیح اطلاع پر مبنی نہیں تھیں تو مجھے اپنے کو اس سلسلہ سے فوراً الگ کر کے شہادت کی ذمہ داری سے نکل آنا چاہیئے۔ اور اس بارے میں طبیعت میں جو توقف اور تامل ہے وہ صرف اس لئے ہے کہ لوگ بے وقوف نہ بنائیں ——— بعض وقت سوچتا تھا کہ اگر میں نے علیحدگی اختیار کی اور اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا تو ایک ایسی اسلامی دعوت اور جماعت کو نقصان پہونچے گا جس کو میں مولانا مودودی کی ان کمزوریوں کے باوجود بھی اس وقت کی بہترین اسلامی دعوت اور جماعت سمجھتا ہوں اور جس کے نقصان کو دین کا نقصان سمجھتا ہوں

ان دنوں اور ان راتوں میں میں مسلسل دعا اور استخارہ بھی کرتا تھا۔ جب دس بارہ دن گزر گئے اور میرے خط کا کوئی جواب نہ آیا[1] تو میں نے مناسب سمجھا کہ یہاں کے مقیم رفیقوں میں سے مستری صاحب سے اپنا راز کھول دوں اور ان ہی سے مشورہ لوں ——— مستری صاحب

---

[1] جواب نہ آنے کا سبب بعد میں یہ معلوم ہوا کہ ٹھیک ان ہی دنوں میں اگست ۴۲ء کی کانگریس کی تحریک نے مشرقی یوپی میں ریلوے کے نظام کو بھی درہم برہم کر دیا تھا، اعظم گڈھ کی طرف غالباً کئی ہفتے ٹرین نہیں چل پائی تھی۔

جماعت اسلامی کے اس وقت کے ارکان میں بہت ہی عجیب و غریب قسم کے ایک مخلص اور متقی بزرگ تھے۔ اصطلاحی عالم دین تو نہ تھے، لیکن دین کے تقاضوں کو سمجھنے والے تھے، قرآن مجید غور و فکر کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ان کو قرآن پاک سے عشق تھا۔ نماز تو اتنی اچھی پڑھتے تھے کہ ایسی نمازیں پڑھنے والے میں نے اپنی پوری عمر میں اللہ کے چند ہی بندے دیکھے ہیں، اپنے خاص احوال و نظریات کے لحاظ سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے انھیں بڑی مناسبت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں شہادت نصیب فرمائی۔ اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وارفع درجاتہ۔ آمین

الغرض میں نے مستری صاحب کے سامنے اپنی الجھن رکھی، معلوم ہوا کہ وہ خود اسی طرح کی کچھ الجھنوں میں ہیں۔ بہر حال اُن سے مشورہ کے بعد میں نے یہی طے کیا کہ میں اپنے دل کی پوری بات مودودی صاحب کو لکھ دوں، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اُس زمانہ میں ارکان جماعت میں سے مولانا محمد جعفر صاحب پھلواروی کا قیام بھی دہیں تھا۔ یا تو مودودی صاحب کے نام خط لکھنے کے دوران میں یا خط لکھ لینے کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ مولوی جعفر صاحب پر بھی اپنا راز ظاہر کر دوں اور مشورہ کروں۔ شاید ان کے ذہن میں کوئی دوسرا راستہ آئے۔ چنانچہ میں نے مولوی جعفر صاحب سے بات کی، معلوم ہوا کہ وہ بھی بہت بد دل اور مایوس ہو رہے ہیں۔ بہر حال ان کی رائے بھی یہی ہوئی کہ مودودی صاحب کو یہ پوری بات صفائی سے لکھ دینی چاہیئے۔ بلکہ انھوں نے اصرار کیا کہ اس خط پر میں اپنی طرف سے بھی کچھ لکھوں گا۔ یاد آتا ہے کہ میں نے وہ خط کئی دن میں لکھ کر پورا کیا تھا۔ آخر میں مولوی جعفر صاحب نے بھی اُس پر اپنی طرف سے ایک سطر لکھی جس کا حاصل غالباً یہ تھا کہ یہی احساسات کچھ میرے بھی ہیں۔ اور بالآخر وہ خط میں نے بڑے رنج اور دُکھ کے ساتھ مودودی صاحب کو دے دیا۔

اب جہاں تک یاد ہے غالباً یہ خط میں نے عشار کی نماز کے بعد اُن کو دیا تھا۔ خط بہت طویل، کئی ورق کا تھا۔ صبح کو فجر کی نماز کے بعد ہی مولانا نے مجھے اس کا جواب ایک مفصل خط ہی کی شکل میں دیا، لیکن اُن کے جواب نے میری اصل مشکل کو حل نہیں کیا اور نہ میری بے اطمینانی میں کوئی کمی ہوئی، بلکہ اُس خط سے میں نے صرف یہی اثر لیا کہ مولانا قلم کے بادشاہ

ہیں۔ اور جو چیز بھی لکھنا چاہیں اس کو بڑے ہی اچھے اور مؤثر انداز میں لکھ سکتے ہیں۔ اور یہ وہ بات تھی جس کا میں پہلے ہی سے قائل تھا۔ اس کے بعد میں نے خط کتابت کے اس سلسلہ کو آگے بڑھانا بے سود سمجھا اور تنہائی میں خود مولانا سے بات کی اور انھیں بتلایا کہ آپ کے جواب سے میری بے اطمینانی اور پریشانی ختم نہیں ہوئی ہے اور میری مشکل کا کوئی حل مجھے اس سے معلوم نہیں ہوا ہو۔ میرے سامنے اصل اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں نے امارت کے لئے آپ کا نام خود پیش کر کے اور اس کے بعد اپنے مضامین میں آپ کے بارے میں اپنا اطمینان بار بار ظاہر کر کے خدا کی مخلوق کے سامنے ایک شہادت دی ہے اور اب مجھے یہ معلوم ہوا کہ میری وہ شہادت صحیح نہیں بلکہ واقعہ کے خلاف تھی۔ پس ایسی حالت میں اگر میں اسی طرح جماعت کا رکن رہوں تو گویا اپنے عمل سے مسلسل اس شہادت کا اعادہ کر رہا ہوں جس کا خلافِ واقعہ ہونا معلوم ہو چکا ہے اور جھوٹی شہادت اکبر الکبائر ہے۔ میں بس اس کے مواخذہ سے بچنا چاہتا ہوں، لیکن میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی دین کا علم اور اس کی سمجھ دی ہے۔ اور مجھے آپ سے ذاتی تعلق بھی ہے اس لئے میں بے تکلف پھر آپ سے عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ کے ذہن میں کوئی ایسی صورت ہو کہ میں جماعت سے بھی بدستور وابستہ رہوں اور اس "شہادت زور" کے وزر سے بچ جاؤں تو آپ مجھے بے تکلف بتائیں میری انتہائی خواہش یہی ہے کہ میں جماعت کے ساتھ اسی طرح وابستہ رہوں۔ بس اس کا اطمینان چاہتا ہوں کہ اللہ کے ہاں پکڑا نہ جاؤں گا ـــــ مولانا نے مجھ سے کچھ بات کی لیکن وہ میرے درد کی دوا نہ تھی۔ وہ میری اس مشکل کا کوئی حل نہ بتا سکے البتہ ان کے گھر کے جس مسئلہ کا مجھ پر سب سے زیادہ اثر تھا، اس کے بارے میں کچھ گفتگو ہوئی۔ مولانا نے اس کے کچھ وجوہ و اسباب مجھے بتائے لیکن اس گفتگو نے میرے اس احساس کو اور پختہ کر دیا کہ جماعت اسلامی کا رکن بننے کے لئے شریعت کی جس درجہ کی پابندی ضروری قرار دی گئی ہے، مولانا نے اپنے حق میں ابھی تک اس کا بھی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ بہرحال اس گفتگو سے مایوسی اور بے اطمینانی میں کچھ اضافہ ہی ہوا اور میں نے اس وقت اپنے بارے میں وہی طے کیا جو میں نے اپنے اس خط میں بھی غالباً لکھ دیا تھا۔ یعنی یہ کہ اس وقت

میں "دارالاسلام" سے چلا جاؤں اور یہاں سے ہٹ کر اس مسئلہ پر مزید غور کروں، اور مشوروں سے بھی مدد حاصل کروں۔

چنانچہ میں نے یہی کیا اور میں وہاں سے اپنے وطن سنبھل چلا آیا۔ یہاں میں یہ بھی ظاہر کر دوں کہ اس موضوع پر میرے اور مولانا کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس میں ذرہ برابر ناگواری نہیں آئی اسی لئے میرے اُن کے ذاتی تعلق میں بھی اس وقت کوئی فرق نہیں آیا کم از کم میرا اندازہ یہی تھا۔

بہرحال میں ایک مہینہ دارالاسلام رہ کر شعبان کے آخری دن دارالاسلام سے اپنے وطن سنبھل پہنچ گیا۔ لیکن اس واقعہ سے مجھے اتنا سخت رنج اور صدمہ ہوا کہ شاید ہی عمر میں اس سے پہلے اتنا بڑا کوئی صدمہ ہوا ہو۔

اس رنج و صدمہ کی سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ جماعت اسلامی میں شرکت اور پھر "دارالاسلام" کو ہجرت اُس وقت کے میرے خاص حالات میں میری زندگی کا بہت بڑا فیصلہ تھا جس کے بارے میں میرا یہ یقین تھا کہ میں نے اللہ کی رضا کے لئے یہ قدم اُٹھایا ہے۔ اور شاید یہی عمل میری نجات کا ذریعہ بن جائے۔ اور اب میں ایسی مشکل میں پھنس گیا تھا کہ یا تو جماعت سے بدستور تعلق قائم رکھتے ہوئے جھوٹی شہادت کا مجرم بنوں اور اپنے عمل سے مسلسل یہ جھوٹی شہادت ادا کرتا ہوں، یا جماعت سے الگ ہونے کا فیصلہ کروں، جو میرے لئے اس وقت نہایت مشکل اور طبعی طور پر نہایت تکلیف دہ فیصلہ تھا ــــــ دوسری وجہ اس رنج اور صدمہ کی یہ بھی تھی کہ مولانا مودودی سے میرا ایک گہرا ذاتی تعلق تھا اور میں بے تکلف عرض کرتا ہوں کہ اس نے ایک طبعی محبت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ یعنی ایک راہ کے رفیق ہونے کے علاوہ وہ میرے لئے ایک محبوب دوست بھی تھے۔ اس لئے میرے اُن کے درمیان اس طرح کی باتیں پیدا ہو جانا میرے لئے بہت بڑا سانحہ تھا۔

بہرحال ان دونوں وجوہ سے مجھے اس واقعہ سے سخت ترین صدمہ پہونچا اور عالم اسباب میں غالباً اسی صدمہ کا اثر تھا کہ دو ہی چار دن بعد میں بیمار پڑ گیا۔ بیماری برابر بڑھتی گئی اور دو دن تو ایسے گذرے کہ تیمار داروں کو زیست کی اُمید بھی کم تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر شفا

عطا فرمائی۔

بعد رمضان یا آخر رمضان میں مولانا نے اطلاع دی کہ ان نئے حالات کی وجہ سے جماعت کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہونا فوراً ضروری ہے اور اس میں تمہاری شرکت بھی ضروری ہے۔ میں نے لکھ دیا کہ میں اِن دنوں اتنا سخت مریض رہا ہوں کہ سفر کے قابل نہیں ہوں۔ مولانا نے مجھے لکھا کہ پھر یہ ہو سکتا ہے کہ پوری مجلس شوریٰ سنبھل آجائے اور وہیں اجلاس ہو۔ میں نے غالباً لکھا کہ اپنی وجہ سے میں سب حضرات کو اتنی زحمت دینا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس لئے آپ مجلسِ شوریٰ جہاں مناسب سمجھیں بلا لیجئے۔ اگر میں اس وقت تک سفر کے قابل ہو سکا تو ان شاء اللہ آجاؤں گا۔

بہر حال مجلس شوریٰ کا اجلاس دہلی میں ہوا۔ میں اس وقت مرض سے تو نجات پا چکا تھا لیکن ضعف اتنا تھا کہ یاد ہے کہ سنبھل سے دہلی تک کا پورا سفر میں نے لیٹے لیٹے کیا تھا۔ دہلی اسٹیشن پر جب میری ٹرین پہونچی تو چند احباب مجھے لینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ان میں ایک دوست "مجسّم محبت" شرقی صاحب بھی تھے۔ انھوں نے ہی مجھے ٹرین سے اُتارا اور قیام گاہ پر لے کر چلے۔ شرقی صاحب ارکانِ جماعت میں سے میرے بھی خاص دوست تھے اور مولانا مودودی کے بھی خاص الخاص قدر دان اور مخلص تھے۔ ان کی باتوں سے میں نے محسوس کیا کہ خود ان کا اندازہ یہ ہے اور مودودی صاحب نے بھی ان پر اپنا اندازہ یہی ظاہر کیا ہے کہ در اصل مجھے دارالاسلام کے بعض دوسرے مقیم رفقاء[1] قمرالدین صاحب وغیرہ نے بھکایا ہے۔ اور انھوں نے میرے اور مودودی صاحب کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور میں اُن کے بھکانے میں آگیا ہوں۔ میں نے انھیں بتایا کہ بھائی! یہ بات بالکل نہیں ہے۔ میرے جو خیالات اور احساسات ہیں۔ وہ خود میرے دل میں پیدا ہوئے ہیں اور صرف اللہ ہی کو علم ہے کہ مجھے اس صورت حال سے کتنا دُکھ اور صدمہ ہوا ہے۔ شرقی صاحب نے مجھے مودودی صاحب کا یہ پیغام بھی پہونچایا کہ وہ غور کر کے اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ جماعت

---

[1] دارالاسلام کے مقیم رفقاء میں سے ستری صاحب اور مولانا جعفر صاحب کے متعلق تو یہ ذکر پہلے آچکا ہے کہ وہ بھی غیر مطمئن اور دل برداشتہ تھے لیکن ان کے علاوہ جو اور رفیق وہاں رہتے تھے ان میں سے اکثر کا حال بھی یہی تھا، ان ہی میں سے ایک صاحب غالباً بنارس کے قمرالدین صاحب بھی تھے ۱۲ م

کی موجودہ وجداگانہ حیثیت ختم کر دی جائے۔ پوری جماعت کا کوئی ایک امیر نہ رہے بلکہ جو لوگ ہماری دعوت سے متفق ہیں وہ اپنی اپنی مناسبت اور اعتماد کی بنا پر حلقے قائم کرلیں۔ اور ہر حلقہ اپنے میں سے جس کو مناسب سمجھے امیر بنالے اور جس کام کو حق سمجھ چکا ہے، بنام خدا اس کو کرے۔ میں نے کہا کہ میں ابھی تک بیمار رہا ہوں اس لئے اپنے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا ہوں دارالاسلام سے آنے کے وقت میں جہاں تھا وہیں ہوں، لیکن اگر مودودی صاحب کی یہی رائے ہو اور جماعت اس کو بہتر سمجھے تو ایسا کر لیا جائے۔

یہ گفتگو میری اور شرقی صاحب کی تنہائی میں غالباً اسٹیشن سے قیام گاہ جاتے ہوئے ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ وقت آیا کہ مجلس شوریٰ باقاعدہ شروع ہوئی۔ اپنی سخت کمزوری کی وجہ سے میں نے عرض کر دیا تھا کہ مجھے صرف اس وقت بلوالیا جائے۔ جب میری شرکت خاص طور سے ضروری ہو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، جب مجلس شوریٰ میں وہ مسئلہ آنے لگا جس کا مجھ سے تعلق تھا تو مجھے بلالیا گیا اور میں مجلس میں شریک ہوگیا، جہاں تک اب یاد ہے پہلے مودودی صاحب نے اس کا اظہار کر کے کہ بعض ارکان کو موجودہ امارت پر پورا اطمینان نہیں ہے۔ اپنی طرف سے دو تین تجویزیں رکھیں۔ غالباً اُن میں سے ایک یہ تھی کہ مجلس اگر منظور کرلے تو وہ مستعفی ہوجائیں اور ان کی جگہ کوئی دوسرا امیر منتخب کرلیا جائے اور دوسری شاید یہ تھی کہ بجائے امیر کے وہ چار ارکان کا ایک بورڈ بنا دیا جائے۔ اور تیسری تجویز وہ تھی جس کا ذکر مجھ سے شرقی صاحب نے کیا تھا اور بتایا تھا کہ مودودی صاحب ایسا کرنا چاہتے ہیں اور اُن کے نزدیک موجودہ صورت میں یہی سب سے بہتر حل ہے۔

بہر حال مودودی صاحب نے یہ سب تجویزیں مجلس کے سامنے رکھیں، لیکن اس طرح رکھیں کہ دوسروں کے دلوں کا تو مجھے علم نہیں۔ مگر کم از کم مجھے تو اُن کے طرز سے صاف محسوس ہو گیا کہ وہ ہر تجویز پیش کرنے کے ساتھ ارکان مجلس کے ذہنوں کو اس کے لئے تیار کرتے جاتے ہیں کہ وہ اِن میں سے ہر تجویز کو جماعت اور اُس کے مقدس مقصد کے لئے مضر بلکہ مہلک سمجھیں اور اس لئے لامحالہ اسے رد کر دیں۔

خود میرا یہ حال تھا کہ چونکہ میں ابھی تک اپنے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا اسلئے

میں نے طے کر لیا تھا کہ میں اس مجلس میں خاموش رہوں گا، چنانچہ میں خاموش رہا، البتہ جب اس تجویز پر گفتگو ہوئی کہ کسی دوسرے کو امیر منتخب کر لیا جائے تو مجھ سے کہا گیا کہ تم اس ذمہ داری کو قبول کر لو۔ میں نے عرض کیا کہ میں اب سے بہت پہلے جماعت اسلامی کی تاسیس سے بھی پہلے اپنے کو خوب ناپ تول کر یہ رائے قائم کر چکا ہوں کہ ایسی کسی جماعت کا امیر بننے کے میں لائق نہیں ہوں ـــــ یاد آتا ہے کہ مجلس کی وہ نشست ختم ہونے کے بعد نجی طور پر بھی مجھ سے اس بارے میں گفتگو کی گئی اور جہاں تک یاد ہے اس وقت خاصکر ملک نصر اللہ خاں عزیز نے زیادہ اصرار کیا اور جب میں نے اپنے اسی عذر کا اعادہ کیا اور اپنے بارے میں پھر وہی بات کہی جو میں مجلس میں بھی کہہ چکا تھا تو انھوں نے فرمایا کہ ہماری سمجھ میں آپ کی یہ بات بالکل نہیں آتی کہ آپ امارت کے لائق نہیں۔ میں نے اُن سے عرض کیا کہ یہ حدیث تو آپ کے علم میں ہوگی، کہ حضرت ابوذر غفاری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ "اِنّی اریٰ فیک ضعفاً فلا تؤمَّرَنَّ علی اثنین ؎" (او کما قال ؐ) ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کی جس کمزوری کا ذکر فرمایا ہے اس سے آپ کی مراد جسمانی کمزوری تو تھی نہیں بلکہ کسی خاص صلاحیت کی کمی مراد تھی تو واقعہ یہی ہے کہ میں نے اپنے کو بار بار تول کر یہی رائے قائم کی ہے کہ مجھ میں بعض اُن صلاحیتوں کی کمی ہے جو اتنی بڑی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس لئے میں اپنے متعلق یہی فیصلہ کئے ہوئے ہوں کہ امیر بننے کے لائق میں نہیں ہوں۔ اور مجھے اس بارے میں اطمینان ہے کہ اللہ کے نزدیک بھی اس فیصلہ پر میں معذور سمجھا جاؤں گا۔ بہر حال امارت سے متعلق اس خاص گفتگو کے علاوہ میں مجلس کی اس پوری کارروائی میں خاموش اور صرف سامع اور شاہد رہا اور اس کی وجہ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں وہی تھی کہ میں اپنے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر چکا تھا۔ علاوہ ازیں مجھے یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر بات چلی تو ممکن ہے کسی منزل پر ان چیزوں کا تذکرہ صراحت کے ساتھ آجائے جن کی صراحت میں کسی حال میں

؎ اے ابوذر میں تم میں کوئی خاص کمزوری دیکھتا ہوں اس لئے میری تاکید ہے کہ کبھی ایسا نہ ہو کہ تم دو آدمیوں کے بھی حاکم بنائے جاؤ۔ ۱۲م

مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ حتیٰ کہ خود مولانا مودودی کو جو خط اس سلسلہ میں میں نے لکھا تھا اس میں بھی میں نے اُن چیزوں کی صراحت نہیں کی تھی بلکہ یاد آتا ہے کہ "تقوے کی محسوس کمی" جیسے مبہم الفاظ لکھ دیئے تھے جن کا منشاء اور مصداق خود مولانا تو سمجھ سکتے تھے یا دارالاسلام میں ساتھ رہنے والے رفقا شاید کچھ سمجھ سکتے تھے، لیکن دوسرے حضرات نہیں سمجھ سکتے تھے (بلکہ میں نے اس خط کے بارے میں بھی مولانا سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کو اپنے ہی تک رکھیں)

بات طویل اور کچھ منتشر سی ہو گئی، میں عرض یہ کر رہا تھا کہ مجلس شوریٰ کی اس کارروائی میں میں خاموش اور سامع اور شاہد ہی رہا۔ البتہ دارالاسلام کے مقیم رفقا میں سے قمرالدین صاحب وغیرہ نے (جو مولانا مودودی کے حال اور طرزِ عمل سے جماعتی کام کے بارہ میں اپنی مایوسی، اور بے اطمینانی ظاہر کر چکے تھے) مولانا موصوف کی پیش کی ہوئی آخری تجویز سے اپنا اتفاق ظاہر کیا اور ایک حد تک اس کی کوشش کی کہ مجلس اس کو منظور کر لے، لیکن مجلس کی اکثریت نے اس کو قبول نہیں کیا۔ اور فیصلہ یہی ہوا کہ جماعت کے نظام میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے اور جو لوگ اپنی بے اطمینانی کی وجہ سے اس نظام کے ساتھ رہنا پسند نہ کریں وہ چاہیں تو اپنے کو نظام جماعت سے الگ کر کے کام کریں۔

اس فیصلہ کے بعد قمرالدین صاحب مولانا جعفر صاحب اور غالباً ان کے ہم خیال اور بھی ایک دو ارکان نے جماعت سے الگ ہو جانے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ مسئلہ جب اس طرح ختم ہو گیا تو میں نے اپنی کمزوری کی وجہ سے مولانا مودودی اور دوسرے دوستوں سے عرض کیا کہ اب اگر میری کوئی خاص ضرورت نہ ہو تو میں واپس چلا جاؤں۔ اُن حضرات نے اجازت دے دی اور میں سنبھل واپس آگیا اور اپنے بارے میں یہی عرض کر آیا کہ اس وقت تک تو میں اسی جگہ ہوں جہاں رمضان سے پہلے دارالاسلام میں تھا اور اپنے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا ہوں، البتہ اتنا میں اب بھی عرض کرتا ہوں کہ خود میری انتہائی خواہش یہی ہے کہ میں اسی طرح جماعت سے متعلق رہوں، اس بارے میں میرے لئے جو خاص مشکل اور الجھن پیش آگئی ہے اگر اس کا کوئی حل میری سمجھ میں آگیا تو میں انشاء اللہ یہی فیصلہ کر دوں گا اور اطلاع دے دوں گا۔

یہاں میں یہ بھی عرض کر دوں کہ مولانا کے خاص طرز زندگی اور طرز عمل سے کام کے آگے نہ بڑھنے کا خطرہ بعض دوسرے رفیقوں کی طرح مجھے بھی تھا اور یاد آتا ہے کہ اس سلسلہ کے اپنے احساسات بھی میں نے اپنے خط میں مولانا کو لکھے تھے لیکن ان چیزوں کی حیثیت میرے نزدیک ثانوی تھی اور جہاں تک اب یاد ہے میں ان چیزوں کو لاحل نہیں سمجھتا تھا۔ اس لئے تنہا یہ چیز میرے لئے جماعت سے الگ ہونے کا سبب نہیں بن سکتی تھی۔ میرے سامنے اصل مسئلہ وہی شہادت، کا تھا۔ اور اس کا کوئی حل میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

بہر حال میں اُن حضرات سے اجازت لے کر سنبھل آگیا۔ اور مجلس کی کارروائی اس کے بعد بھی جاری رہی۔ چند روز بعد لکھنؤ سے مولانا علی میاں کا خط مجھے ملا۔ اس میں انھوں نے دوسری باتوں کے ساتھ مجھے یہ بھی لکھا تھا کہ تمہارے چلے جانے کے بعد مولانا مودودی صاحب نے تمہارا وہ خط مجلس کو سنایا جو تم نے اُن کو لکھا تھا۔ اور اپنا جواب بھی۔ مولانا علی میاں نے اپنے اس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگرچہ خود میں نے تو جماعت سے وابستہ ہی رہنے کا فیصلہ کیا ہے[1] لیکن تمہارا خط سُن کے دل میں تمہاری محبت اور وقعت اور زیادہ بڑھ گئی۔

مولانا علی میاں کے اس خط سے یہ معلوم کر کے کہ مولانا نے میرا خط میرے آنے کے بعد مجلس میں پیش کیا مجھے افسوس ہوا۔

لیکن میں نے چونکہ اپنے اُس خط میں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں اُن چیزوں کی صراحت نہیں کی تھی جن کے علم میں آنے کے بعد میرے لئے شہادت کا پیچیدہ مسئلہ پیدا ہو گیا تھا بلکہ "تقوے کی محسوس کمی" جیسے مبہم الفاظ سے اپنا مطلب ادا کیا تھا (اور مودودی صاحب، جو خط کے مخاطب تھے ان کے سمجھنے کے لئے ایسے مبہم اشارے کافی تھے) اس لئے میرے ساتھ زیادہ سے زیادہ حسن ظن رکھنے والے ارکان شوریٰ نے بھی میرے اس خط سے یہی سمجھا (اور ان کو یہی سمجھنا چاہیئے تھا) کہ محمد منظور اپنے سخت تقشف اور تقویٰ و دینداری کے قدامت پرستانہ اور تنگ نظرانہ مخصوص تصور کی وجہ سے مودودی صاحب کے اس رویہ کو برداشت نہ کر سکا جو اس کے معیار

---

[1] یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد مولانا علی میاں نے اپنے کو جماعت اسلامی سے الگ کر لیا تھا لیکن ان کی علٰحدگی کا میرے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ مجھے ان کی علٰحدگی کا علم بھی عرصہ کے بعد ہوا تھا۔ م

پر پوُرا نہ تھا اور یہی اس کے نزدیک "تقوے کی وہ محسوس کمی" تھی جو اُس کے لئے ایک لاحل مشکل مسئلہ بن گئی ـــــ حالانکہ اصل حقیقت یہ نہ تھی لیکن میں چونکہ جماعت کی دعوت اور اس کے کام کو اب بھی سراسر خیر سمجھتا تھا۔ اس لئے میں اس نتیجہ پر دل سے بالکل راضی رہا کہ میری خط کی وجہ سے جماعت کا کوئی شخص بددل ہو کر الگ نہیں ہوا اور میرے دوستوں نے مجھے ہی ایک تنگ نظر متقشف اور خفیف الرائے سمجھ کر اپنے کو مطمئن کر لیا۔

خیر یہ بات تو یہاں "استطراداً" ذکر کر دی گئی، میں ذکر اپنے معاملہ کا کر رہا تھا۔ یہ میں بتا چکا ہوں کہ میں مجلس شوریٰ سے بغیر کسی فیصلہ کے واپس آیا تھا، کچھ عرصہ کے بعد جب بیماری کے اثرات ختم ہوئے اور تندرستی و توانائی کچھ لوٹ آئی تو میں نے اپنے مسئلہ میں بعض ایسے حضرات سے مشورہ کرنے کے لئے جن کو میں اس کا اہل سمجھتا تھا مستقل سفر کیا۔ اس مشورہ اور ذاتی غور و فکر کے بعد میری رائے یہ قائم ہو گئی کہ اس غلط شہادت کی ذمہ داری سے نکلنے کے لئے میرے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنی بے اطمینانی ظاہر کر کے میں جماعت سے ضابطہ کا اپنا تعلق توڑ دوں، لیکن میں نے یہ ضروری نہیں سمجھا کہ صراحت اور تفصیل سے میں اِن باتوں کو بھی بیان کروں جو میری بے اطمینانی اور آخرکار اس قطع تعلق کا باعث ہوئی ہیں۔ اس کے بعد میں نے جماعت سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا اور دلی رنج و قلق کے ساتھ اپنے اس فیصلہ کی اطلاع میں نے مولانا مودودی صاحب کو دے دی ـــــ اس وقت تک میرے اور مولانا موصوف کے درمیان جو بات چیت اور جو خط کتابت اس سلسلہ میں ہوتی رہی۔ غالباً پہلے بھی میں یہ بتا چکا ہوں کہ اس میں پوری خوش گواری رہی، لیکن اس اطلاع کے بعد مولانا کا جو خط آیا اُس کا رنگ بالکل دوسرا تھا اور اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ مولانا کو یہ خیال ہو گیا کہ اب جب کہ میں نے جماعت سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا ہے تو شاید میرا رویہ بھی بدل جائے گا اور جن باتوں کے اظہار سے اب تک میں بچتا رہا ہوں اب میں اُن کے اظہار و اعلان پر آمادہ ہو جاؤں گا ـــــ بہرحال جہاں تک میں سمجھ سکا اسی موہوم خطرہ کے انسداد کے لئے انھوں نے وہ خط مجھے اس انداز میں لکھا اور اس کے ذریعہ گویا مجھے خبردار کیا کہ اگر ضرورت اور مصلحت داعی ہو تو میں کن حدود تک جا سکتا ہوں۔ اس خط سے مجھ پر یہ چیز اور بھی زیادہ واضح ہو گئی کہ مولانا میں خدا ترسی کی کتنی کمی ہے

اور تقویٰ اور فکرِ آخرت کی نہایت موثر دعوت دینے کے باوجود خود ان کا باطن ان لفظوں کی حقیقتوں سے کس درجہ خالی ہے اور اگر ضرورت پڑے تو وہ عام دنیا دار اور ناخدا ترس لیڈروں اور صحافیوں کی سطح پر بھی آسکتے ہیں ـــــ لیکن میں نے اپنے لئے جس زاویہ کا فیصلہ کیا تھا اس پر قائم رہا اور اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں سمجھی۔

اس کے بعد میں نے اپنی بے اطمینانی اور علیحدگی کے بارے میں "الفرقان" میں بھی ایک بہت مختصر نوٹ لکھ دیا اور اسی کے ساتھ یہ بھی صاف ظاہر کر دیا کہ جماعت کی اصل دعوت اور مقصد کے ساتھ مجھے اب بھی اتفاق ہے اور میری ہمدردیاں اس کے ساتھ باقی ہیں۔

---

دہلی کی جس مجلس شوریٰ کا میں ابھی کچھ پہلے تذکرہ کر چکا ہوں اس سے کئی مہینے بعد مولانا مودودی نے "ترجمان القرآن" میں اس پر کچھ لکھا۔ اُسے پڑھنے کے بعد مجھے یاد ہے کہ میری وہ رائے اور پختہ ہو گئی جو میں نے ان کے بارہ میں ان کا آخری خط پڑھنے کے بعد قائم کی تھی ـــــ لیکن جماعت کی دعوت اور اُس کے کام کے بارہ میں میری رائے میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ بلکہ ان کی تحریروں کا بھی میں اس سب کے باوجود قدر دان رہا اور اس لئے بہت سے لوگوں کو اُن سے استفادہ کا مشورہ دیتا رہا۔

پھر عرصہ تک میرا حال اور میرا موقف یہی رہا۔

اسی دور کی بات ہے کہ مولانا امین احسن صاحب میرے پاس بریلی تشریف لائے اور مجھے بتایا کہ میں نے "مدرسۃ الاصلاح سرائے میر" سے اپنا تعلق ختم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور مستقبل کے بارے میں، میں تم سے مشورہ کرنے ہی کے لئے آیا ہوں۔ میرے سامنے اس وقت دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ قرآن مجید سے متعلق حضرت استاذ مولانا فراہی مرحوم کے افادات کو اردو میں مرتب کرنے کا ایک سلسلہ شروع کر دوں اور اپنی آئندہ زندگی اسی پہ لگا دوں (اس کام کے سلسلہ میں اپنے خاص دوستوں اور قدر دانوں سے انھیں جو تعاون اس وقت حاصل ہو سکتا تھا اور جس کی ان دوستوں نے پیش کش بھی کی تھی۔ مولانا نے تفصیل سے اس کا بھی مجھ سے ذکر کیا تھا۔ لیکن اس کے ذکر کرنے میں بلا ضرورت طوالت ہوگی)

اور دوسری صورت اُن کے سامنے یہ تھی کہ وہ جماعت کے مرکز "دارالاسلام" جاکر قیام کریں اور اپنے کو ہمہ تن جماعتی کاموں میں لگا دیں۔

مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے انھیں مشورہ دیا تھا کہ اگر آپ اپنے بارہ میں یہ اندازہ رکھتے ہوں کہ مودودی صاحب پر آپ اثر انداز ہو کر جماعت کے کام کو آگے بڑھا سکیں گے اور اس میں کوئی جان ڈال سکیں گے اور مودودی صاحب کے طرز زندگی کو بدل سکیں گے تو پھر میری رائے یہی ہے کہ آپ مرکز چلے جائیں۔ اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے کام کو میں ترجیح نہیں دے سکتا۔ مجھے یاد ہے کہ مولانا نے اس وقت یہی طے کیا کہ میں دارالاسلام جاؤں گا۔ اور اگر پہلے دو مہینے میں میں نے یہ اندازہ کیا کہ میں ان چیزوں میں کامیاب ہو سکوں گا تو پھر وہیں رہ جاؤں گا چنانچہ پھر انھوں نے ایسا ہی کیا اور یہ بات (کہ مولانا اصلاحی میرے ہی مشورہ پر دارالاسلام میں جاکر مقیم ہوئے) جماعت اسلامی کے حلقہ میں غالباً بہت سے حضرات کو معلوم ہے۔

---

پھر ایک وقت آیا جب مجھے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہونچایا[1]۔ (یہ غالباً ۶۲ھ کے وسط کی بات ہے) تو میں مولانا کے احوال اور ارشادات سے جتنا متاثر ہوتا گیا اور امت کی اصلاح اور احیاء دین کے بارے میں ان کے بنیادی نظریات کو جتنا سمجھتا گیا[2]۔ اسی قدر جماعت اسلامی کے اختیار کئے ہوئے طریق کار کی بعض غلطیوں کا مجھے احساس ہوتا گیا۔ جماعت سے متعلق میری رائے میں یہ پہلی تبدیلی تھی لیکن میری نظر میں اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی اس لئے اس کے بعد بھی جماعت کے ساتھ میرا تعلق قدر دانی اور ہمدردی ہی کا رہا۔ یہ دور بھی غالباً کئی سال رہا۔

---

[1] مولانا رح کی خدمت میں پہنچنے کی کچھ تفصیل میں حضرت مولاناؒ کے ملفوظات کے دیباچہ میں لکھ چکا ہوں۔ م

[2] اب مولانا مرحوم اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن اگر کسی کو اس بات کے جاننے کی صادق طلب ہو کہ ان کے وہ کیا احوال اور نظریات تھے جن کی واقفیت نے میری رائے پر یہ اثر ڈالا تو مولانا مرحوم کے ملفوظات اور مولانا سید ابوالحسن کی لکھی ہوئی مولانا کی سوانح حیات سے اس بارے میں کافی روشنی حاصل کی جا سکتی ہے۔ م

اُس کے بعد ایک وقت آیا کہ میں محسوس کرنے لگا کہ جماعت کی دعوت اور اس کے کام سے جہاں بہت سے لوگوں کو دینی نفع ہو رہا ہے اور بعض طبقے جنھیں دین سے کوئی تعلق نہ تھا جماعت کے کام ہی کے نتیجہ میں دین سے قریب ہو رہے ہیں۔ وہیں بعض ذہنوں پر کچھ غلط اور مضر اثرات بھی پڑے ہیں لیکن اس کے باوجود چونکہ میں نفع کے پلّے کو بہت بھاری سمجھتا تھا۔ اسلئے اس وقت بھی جماعت اسلامی کی کسی ایسی مخالفت کو کسی طرح صحیح نہیں سمجھتا تھا جو اس کی اس نافعیت پر اثر انداز ہو۔ ہاں مناسب طریقوں سے اصلاحی کوششوں کو ضروری سمجھتا تھا اور اس کے لئے جماعت اسلامی کے خواص اور ذمہ داروں سے ذاتی روابط رکھنا بلکہ بڑھانا بھی بہتر سمجھتا تھا، اور اب اس کے کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ یہی میرا عمل بھی تھا۔ میں اس زمانہ میں جماعتِ اسلامی ہند کے مرکز رامپور کثرت سے جاتا تھا ـــــ اسی دَور میں (۴۹ھ میں) مجھے حجاز مقدس جانا نصیب ہوا۔ مولانا مسعود عالم صاحب ندوی اپنا "دیارِ عرب" والا سفر کئی مہینے پہلے شروع کر چکے تھے اور ان کا یہ پروگرام مجھے معلوم تھا کہ وہ اپنے اس دورہ کو حج کے موقع پر مکہ معظمہ پہنچ کے ختم کریں گے۔ اِس لئے یہیں سے میری نیت تھی کہ "جماعت اسلامی پاکستان" کے کام اور مستقبل کی امیدوں کے بارہ میں اُن سے وہ مستند حالات بھی معلوم کروں گا جن کے جاننے کی قلبی تعلق و ہمدردی کی بنار پر مجھے گہری خواہش تھی، اور جو بعض خیر خواہانہ مشورے اپنے ذہن ناقص میں ہیں وہ بھی اُن سے عرض کروں گا۔

میں جب مکہ معظمہ پہونچا تو پہلے ہی دن حرم شریف میں مولانا مسعود عالم صاحب سے ملاقات ہوگئی اور یہ طے ہو گیا کہ مجھے اُن سے بہت اطمینان کی اور طویل ایک گفتگو کرنی ہے لیکن اسکا موقع مجھے اور انھیں دونوں کو جدّہ میں ایک دن مل سکا۔

مولانا موصوف کے اس سفر کا روزنامچہ "دیارِ عرب" میں جن حضرات نے پڑھا ہے۔ اسمیں انھوں نے جدّہ کی میری ایک خاص ملاقات اور گفتگو کا بھی ذکر پڑھا ہوگا ـــــ اس ملاقات میں میں نے جماعت اسلامی اور اس کے کام کے بارہ میں مولانا سے جو کچھ عرض کیا تھا اس کا ایک حصہ یہاں بھی ذکر کرتا ہوں۔

میں نے اُن سے عرض کیا کہ آپ حضرات نے پاکستان میں حکومت و اقتدار حاصل

کرنے کے لئے براہِ راست جو جد و جہد ابھی سے شروع کر دی ہے، میری سمجھ میں وہ بالکل نہیں آئی۔ میرے نزدیک تو آپ کا یہ طرزِ عمل اپنے اُن بنیادی اُصولوں کے خلاف ہے جن پر جماعتِ اسلامی کی دعوت کی بنیاد رکھی گئی تھی، جماعت اسلامی کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ "پہلے آدمی بنانے اور جب آدمی بن جائیں تو حالات کے مطابق اگلے قدم اُٹھانے"[1] میں اس کا کسی طرح یقین نہیں کر سکتا کہ آپ نے بقدر ضرورت آدمی بنا لئے ہیں ـــــ میں نے عرض کیا، میں نے سنا ہے کہ پاکستان کی صرف مرکزی حکومت کی آسامیوں کی تعداد پچاس ہزار سے زائد ہے۔ کیا آپ نے صرف پچاس آدمی بھی ایسے بنا لئے ہیں جن کے متعلق خود آپ کو یہ اطمینان ہو کہ حکومت کی جس کرسی پر بھی وہ بٹھا دئے جائیں گے اور جو خدمت اور جو ذمہ داری اُن کے سپرد کی جائے گی وہ اخلاص و للّٰہیت اور تقوے کے ساتھ اس کو انجام دیں گے یا اقتدار کی اس براہِ راست جد و جہد (انتخابی جنگ) میں ایمان اور تقوے کے تقاضوں پر مضبوطی سے قائم رہ سکیں گے۔

مولانا مسعود عالم صاحب نے میری اس بات کے جواب میں فرمایا آپ سے کیا راز ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس مسئلہ پر جماعت میں خاصا اختلاف رائے تھا۔ غازی صاحب کا اور میرا اور فلاں فلاں دوستوں کا خیال وہی تھا جو آپ کہہ رہے ہیں کہ ہم ابھی اس لائق نہیں ہوئے ہیں، لیکن خود مولانا مودودی اور بعض اور اہم حضرات کی رائے یہ تھی کہ اس وقت کے خاص حالات میں اس میدان میں کودنا ہمارے لئے ضروری ہو گیا ہے اور اگر اس وقت ہم نے دوسروں کیلئے یہ میدان خالی چھوڑ دیا تو آئندہ ہمارے لئے حالات اتنے ناساز گار ہو جائیں گے کہ پھر ان چیزوں کا کوئی امکان بھی نہیں رہے گا ـــــ پھر فیصلہ اسی رائے کے مطابق ہو گیا اور اب جماعت کی یہی پالیسی ہے۔

---

[1] جماعت اسلامی کے ابتدائی دور میں اس نظریہ پر کتنا زور دیا گیا تھا اسکے معلوم کرنے کے لئے مولانا مودودی کی اس دور کی تحریریں ترجمان القرآن کے فائلوں میں دیکھی جا سکتی ہیں، خاص کر ان کا مشہور مقالہ "دنیا میں اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" اور "سیاسی کشمکش حصہ سوم" اور نواب ذکار اللہ خاں مرحوم کے مضمون پر مولانا مودودی کے جوابی نوٹ ۲

یہ مولانا کی گفتگو کا خلاصہ ہے جو مجھے یاد رہ گیا ہے ان کی اصل بات اس سے زیادہ مفصل تھی اس کے بعد میں نے کہا کہ میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے میری پیشگی درخواست یہ ہے کہ اس کو توجہ سے سنیں اور اگر آپ کا دل اس کو قبول کر لے تو پھر میرے حوالہ سے نہیں بلکہ اپنی طرف سے مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کے سامنے رکھیں ــــــ اور وہ یہ ہے کہ اس دنیا میں کسی انقلاب کے دو ہی ذریعے ہو سکتے ہیں۔ ایک ظاہری اسباب و وسائل اور دوسرے اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت، یہ تو ظاہر ہے کہ اسباب و وسائل کے لحاظ سے ہم آپ خالی ہاتھ ہیں، اس لئے اگر کچھ ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت ہی سے ہو سکتا ہے اور آپ حضرات جانتے ہیں کہ "نصرت خداوندی" ایسی ارزاں نہیں ہے کہ یوں ہی آ جائے۔ "نصرت" جس کا نام ہے وہ ایک طرح کا معجزہ ہوتا ہے، اس لئے وہ بہت گرانقدر ہے۔ اس کی مستحق وہی امت یا وہی جماعت ہو سکتی ہے جس کا اللہ سے خاص قسم کا تعلق ہو، ــــــ چونکہ آپ حضرات اور جماعت کے کام سے دل کو ایک خاص تعلق ہے اس لئے میری یہ نہایت مخلصانہ گزارش اور خواہش ہے کہ آپ حضرات سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور فرمائیں اور اگر میری گزارش صحیح معلوم ہو تو اس پہلو کی طرف اتنی توجہ دیں جتنی کا یہ مستحق ہے۔ میرا علم و اندازہ یہ ہے کہ اس چیز کی طرف توجہ نہیں دی جا رہی ہے اور بس ذہنی و فکری اصلاح اور زندگی کے کچھ ظاہری پہلوؤں کی اصلاح ہی کو سامنے رکھ لیا گیا ہے۔

میں نے یہ بات مولانا مسعود عالم صاحب سے کہہ تو دی اور میرا ضمیر مطمئن تھا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ جماعت کی ہمدردی ہی میں اور الحمد للہ اخلاص سے کہا ہے لیکن مجھے خطرہ تھا کہ مولانا کو میری اس بات سے ناگواری نہ ہوئی ہو ــــــ لیکن میرے اس خطرہ کے بالکل خلاف، ہوا یہ کہ موصوف میری اس گفتگو پر آبدیدہ سے ہو گئے اور انھوں نے بڑے گہرے تاثر کے ساتھ کہا کہ واقعہ یہ ہے کہ اس کمی کو ہم خود اتنا محسوس کرتے ہیں کہ میں اور غازی[1] صاحب تنہائیوں

---

[1] "غازی صاحب" سے مراد غازی عبدالجبار صاحب ہیں۔ مولانا مسعود عالم صاحب اور غازی صاحب راولپنڈی میں ساتھ ہی ساتھ رہتے تھے۔ اس لئے بھی دونوں میں خاص یگانگت تھی۔

میں اس موضوع پر باتیں کر کے بارہا روئے ہیں ——— اس کے بعد موصوف نے اسی سلسلۂ گفتگو میں اس کا بھی اظہار کیا کہ اس سلسلہ میں ہماری سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ جماعت میں سب سے زیادہ مؤثر اور مقبول و محبوب شخصیت مولانا مودودی کی ہے اور ان ہی کی ذات جماعت میں معیار اور نمونہ بن گئی ہے اور ان کو اس طرف بالکل توجہ نہیں ہے۔

مولانا مسعود عالم صاحب نے اسی گفتگو میں خود اپنی باطنی حالت کے متعلق بھی اس عاجز سے کچھ باتیں کی تھیں اور اس سلسلہ میں مشورہ چاہا تھا اور میں نے جو کچھ مناسب سمجھا تھا عرض بھی کیا تھا ——— لیکن یہاں اس کا ذکر کرنا مناسب نہ ہوگا ——— مرحوم اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحمت و مغفرت کا خاص معاملہ فرمائے، وہ جماعت اسلامی کے حلقہ کے چند ممتاز مخلصین میں سے ایک تھے۔

مولانا مسعود عالم صاحب کی اور اپنی یہ گفتگو میں نے یہاں یہ بتانے کیلئے نقل کی ہے کہ جماعت اسلامی کی خیراندیشی اور اسکے ساتھ ہمدردی کے باب میں میرا موقف اس دور میں یہ تھا اور اس سلسلہ میں جماعت کے ذمہ داروں سے ملنا اور اپنی صوابدید کے مطابق انکی خدمت میں مشورے پیش کرنا میں ایک کار خیر سمجھتا تھا۔

میری رائے کے اسی دور میں دیوبند و سہارنپور کے بزرگوں کی طرف سے جماعت اسلامی کی سخت مخالفت کا آغاز ہوا۔ مجھے یاد ہے کہ اس سلسلہ کی پہلی ایک تحریر پڑھ کے مجھے بڑا غصہ آیا تھا اور میں نے اسی غصہ کی حالت میں اپنے ایک خاص مخدوم بزرگ کو اس سلسلہ میں ایسا خط لکھا تھا جسکی میرے اُن کے تعلق کی نوعیت میں بالکل گنجائش نہ تھی ——— (لیکن مجھے اب بھی اطمینان ہے کہ وہ بیجا جسارت میں نے حق کا تقاضا اور دین کی خیرخواہی سمجھ کر کی تھی) اس کے علاوہ اس زمانہ میں خود ان بزرگوں سے مل کر زبانی عرض معروض کے ذریعہ بھی میں نے اس کی کوشش کی تھی کہ اس سلسلہ کو بند کیا جائے یا اُس کے انداز کو صرف اصلاحی بنایا جائے، پھر اسی زمانہ میں میں نے الفرقان میں بھی ایک مستقل مضمون لکھا جس کے پہلے حصہ میں اپنے بزرگوں کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اُن کی رائے اور طریقہ کو صفائی کے ساتھ غیر صحیح کہا تھا اور دوسرے حصہ میں جماعت اسلامی کے ذمہ دار حضرات سے (جن کا میں اپنے کو دوست سمجھتا تھا) عرض کیا تھا کہ میری معلومات اور میرا اندازہ یہ ہے کہ جماعت کے طرز کار اور اس کے لٹریچر سے فلاں فلاں غلط اثرات بھی لوگوں پر پڑ رہے ہیں اس لئے آپ حضرات اس کا مداوا کریں۔ یہ مضمون ذیقعدہ سنہ ھ کے الفرقان میں شائع ہوا تھا اور غالباً میں نے اس میں اس وقت کا اپنا یہ خیال صفائی کے ساتھ ظاہر کر دیا تھا کہ میں جماعت کے کام اور

اس کے نتائج میں غلطیاں اور مضرتیں محسوس کرنے کے باوجود خیر اور نفع کے پہلو کو غالب سمجھتا ہوں
میرا یہ خیال نہیں تھا کہ جماعت اسلامی کے ذمہ دار حضرات کو اس کا جواب لکھنے کی ضرورت محسوس ہوگی۔ لیکن شاید میرا طرز تحریر، میری نیت اور میرے مقصد سے پورا پورا مطابق نہیں رہا۔ اس لئے اُن حضرات نے میرے مضمون کو بھی ایک حملہ اور وار سمجھا، سب سے پہلے اس کا خاصا تیز و تند جواب مولانا امین احسن اصلاحی کے قلم سے ترجمان میں شائع ہوا اُسے پڑھ کر میں نے یہ محسوس کیا کہ بہت عرصہ سے (تقسیم کے بعد سے) چونکہ ملاقات نہیں ہوئی ہے اس لئے انھیں میرا موقف اور جماعت کے بارہ میں میرا خیال اور طرز عمل معلوم نہیں ہے اور انھوں نے مجھے جماعت کا ایک ہوشیار دشمن سمجھ کر یہ جواب لکھا ہے اس لئے میں نے ان کو معذور سمجھا اور میرا دل اُن کی قلم کی تیزی سے ناراض نہیں ہوا۔ نازک محبت تک مجروح نہیں ہوئی۔ اُس لئے اُس کا کوئی جواب دینے کے بجائے میں نے اپنی ہی بعض غلطیوں کے اقرار پر اکتفا کیا اور خدا کا شکر ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا موصوف کو خود اس کا احساس ہو گیا کہ محمد منظور کی نیت اور اسکا موقف سمجھنے میں ان سے غلطی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی غلطیاں معاف کرے۔

میرے اس مضمون کا ایک جواب مولانا ابواللیث صاحب نے بھی لکھا۔ باوجودیکہ اس میں وہ تیزی بالکل نہ تھی جو مولانا امین احسن کے جواب میں تھی، لیکن مجھے اس بات سے سخت دکھ ہوا کہ میرا موقف انھوں نے بھی وہی سمجھا جو مولانا امین احسن صاحب نے سمجھا تھا۔ حالانکہ موصوف سے اُس دور میں برابر ملاقاتیں اور گفتگوئیں ہوتی رہتی تھیں۔ اور اگر وہ اُن گفتگوؤں اور ملاقاتوں میں مجھے صادق اور خوش نیت سمجھتے تو میرا موقف اُن کے نزدیک ہرگز وہ نہ ہوتا، اسی لئے میں نے اُن سے کچھ عرض کرنے کی بالکل ضرورت نہ سمجھی۔ حتیٰ کہ انھوں نے کسی غلط فہمی یا کسی غلط اطلاع کی بنا پر دو ایک باتیں جو واقع کے خلاف لکھ دی تھیں۔ میں نے اُن کی تصحیح کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔

ایک اور صاحب نے میرے اسی مضمون کے ایک خاص جزو پر اصولی طور پر بحث فرمائی اور میں نے محسوس کیا کہ بحث و استدلال کی دوسری بعض بہت سطحی قسم کی غلطیوں کے علاوہ بعض فارسی فتاویٰ کی عبارتوں کا مطلب سمجھنے میں بھی اُن سے غلطی ہوئی ہے —— لیکن اِن

ساری جواب بازیوں سے چونکہ یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اِن حضرات سے جو کچھ بھی عرض کیا جائے گا، یہ اُس کا صرف جواب ہی ارشاد فرمائیں گے۔ اور آخر کار خود ہی کسی وقت خاموش ہونا پڑے گا اس لئے میں نے قطعی خاموشی اختیار کر لی۔

اس سب کے بعد بھی جماعت کے بارے میں میری رائے اور میرا موقف وہی رہا کہ اسکے کام میں اور کام کے نتائج میں خیر ہی غالب ہے۔ اور بے تکلف عرض کرتا ہوں کہ اس پورے دور میں، میں جماعت کے کام کو بحیثیت مجموعی دین کی نصرت و خدمت ہی کی ایک صورت سمجھتا رہا۔ اور اس لئے اس کے لئے دُعا کرنا بھی اپنی سعادت سمجھتا رہا۔

اس دور میں بکثرت ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ کسی مجلس میں میرے سامنے جماعت اسلامی کے خلاف کسی صاحب نے کوئی بات کی اور میں نے اُسے غلط سمجھ کر پوری قوت سے اسکی طرف سے جوابدہی اور مدافعت کی ——— طویل عرصہ تک جماعت اسلامی کے بارے میں میرا موقف یہی رہا۔

---

اب سے قریباً ڈھائی تین برس پہلے کی بات ہے، میرے ایک صاحب علم اور صاحب صلاح دوست جن کا جماعت اسلامی کے بارے میں بالکل وہی خیال اور موقف تھا، جو اس عاجز کا تھا، یعنی جو میری ہی طرح جماعت اسلامی کے کام اور اس کے نتائج میں خیر کا پہلو غالب سمجھتے تھے اور اس کے بڑے قدردان تھے۔ اور میری ہی طرح اس کی طرف سے مدافعت بھی بھی کیا کرتے تھے۔ ایک دن لکھنؤ تشریف لائے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ جماعت اسلامی کے بارے میں آپ کی جو رائے تھی، کیا اب بھی وہی ہے، یا اُس میں اب کچھ تبدیلی ہوئی ہے۔ میں نے انکو بتایا کہ میں تو اپنی اسی جگہ ہوں۔ اُنھوں نے کہا کہ ابتک تو میرا خیال بھی وہی رہا۔ لیکن اب جیسے جیسے وقت آگے بڑھتا ہے۔ یہ محسوس ہوتا جاتا ہے کہ شر اور مضرت کا پہلو اتنا ہلکا اور مغلوب نہیں ہے جتنا ہم سمجھتے رہے ہیں۔ اس واسطے میرے لئے تو یہ کہنا اب مشکل ہے کہ اُس میں خیر غالب ہے۔ میں نے اُن سے اس کی تفصیل چاہی تو انھوں نے بتایا کہ ہمارے یہاں جماعت اسلامی کی دعوت سے متأثر جو حلقہ ہے جو مجھ سے بھی زیادہ بعید نہیں ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ رفتہ رفتہ اُن سب کا ذہن پہنچا جا رہا

ہے کہ دین کو اور دین کے تقاضوں کو اگلوں نے صحیح نہیں سمجھا۔ اب بس مودودی صاحب نے صحیح سمجھا ہے اور جو جماعت سے جتنا زیادہ متاثر ہوتا ہے وہ اس خیال میں اتنا ہی راسخ اور پکا ہوتا جاتا ہے ـــــ اور ظاہر ہے کہ فہم دین کے بارے میں سلف سے بے اعتمادی ساری گمراہیوں اور سارے فتنوں کی جڑ ہے۔ میں نے اُن سے عرض کیا کہ اگر بات ایسی ہی ہے جیسی آپ فرما رہے ہیں۔ اور یہ ذہنیت جماعت سے تعلق رکھنے والے حلقوں میں اب عام ہو رہی ہے تو پھر اس میں شبہ نہیں کہ یہ بہت بڑا شر ہے۔ اور ایسا شر ہے کہ اس کے مقابلہ میں اُس خیر میں کوئی وزن باقی نہیں رہتا جس کی ہم ابتک قدر کرتے رہے ہیں۔ جماعت میں اس خیال کا عام ہونا تو بڑی خطرناک چیز ہے۔

اس کے بعد میں نے اپنے ذرائع سے یہ جاننے کی کوشش کی کہ کیا واقعی یہ ذہنیت جماعت سے تعلق رکھنے والے حلقہ میں بڑھ رہی ہے اور عام ہو رہی ہے؟ تو جو کچھ معلومات مجھے حاصل ہوئے۔ وہ اُن صاحب کی تائید ہی کرتے تھے۔ میں ان معلومات سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ جماعت کی دعوت اور اس کے لٹریچر سے سب سے زیادہ متاثر وہ طبقہ ہوتا ہے جو کالجوں کا تعلیم یافتہ یا وہاں زیر تعلیم ہے اور کسی دوسری جگہ سے دینی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا جسے بالکل موقع نہیں ملا ہے اور جماعت کے لٹریچر سے اُنکا ذہن عموماً یہی بنتا ہے۔ اِلّا من شاء اللہ ـــــ اس علم و اندازہ کے بعد سے میں نے جماعت کے بارے میں خیر کے پہلو کو غالب کہنا چھوڑ دیا

ممکن ہے بعض لوگ اس ذہنیت کی خطرناکی کو پوری طرح نہ سمجھ سکتے ہوں اور اس لئے وہ اسے معمولی سی اور ہلکی بات سمجھیں۔ لیکن جس کے سامنے اس امت کے گمراہ فرقوں اور گمراہ افراد کی تاریخ ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ فہم دین کے بارے میں سلف سے اعتماد اُٹھ جانے کے بعد کوئی حصار باقی نہیں رہتا۔ پھر آدمی پرویز بھی بن سکتا ہے۔ برق بھی بن سکتا ہے اور ان سے آگے بھی جا سکتا ہے ـــــ ہر گمراہی کی پہلی بنیاد یہی ہوتی ہے کہ آدمی کا اعتماد دین کے فہم کے بارے میں سلف سے اُٹھ جائے ـــــ بہر حال اس واقعہ کو قریباً ڈھائی تین برس ہوئے ہوں گے اُس وقت سے جماعتِ اسلامی کے بارے میں میری رائے میں یہ تبدیلی آئی اور جماعت اسلامی کی طرف سے مدافعت کا جو رویہ تھا وہ ختم ہو گیا اور ذہن نے دوسری طرح سوچنا شروع کر دیا اب آگے سنئے!

جماعت اسلامی کی مخالفت جس انداز میں دیوبند اور سہارنپور سے شروع ہوئی، میں اس کے بارے میں بتا چکا ہوں کہ میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مجھے اس کا سخت دکھ تھا کہ یہ مخالفت اتنے غلط انداز میں کیوں کی جا رہی ہے۔ اس بارے میں سب سے بڑی اُلجھن میرے لئے یہ تھی کہ اس جنگ میں سب سے پیش پیش حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن ہی جیسے بعض اور وہ محترم بزرگ تھے جن کے بارے میں یہ بندہ اپنے بشری علم کی حد تک پورے یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ وہ اللہ سے خاص تعلق رکھنے والے اللہ کے مخلص بندے تھے۔ میں یقین رکھتا تھا کہ کسی معاملہ میں اُن کی اتنی شدت محض بوجہ اللہ ہی ہو سکتی ہے اور دوسری طرف میں دیکھتا تھا کہ مولانا مودودی اور اُن کی جماعت کا ضلال اور انحراف ثابت کرنے کے لئے جو دلائل وہ دیتے ہیں وہ ایسے نہیں ہیں جن کی بنا پر ایسی شدت درست ہو، بلکہ سچی بات یہ ہو کہ میرے نزدیک تو اُن کے یہ دلائل اُن کی علمی شان سے بھی مطابقت نہیں رکھتے تھے[1]

ہر حال میرے خاص حالات میں یہ مسئلہ میرے لئے خاصا اہم اور بڑا سنجیدہ تھا۔ ان حضرات کی شخصیتوں اور سیرتوں سے پوری واقفیت رکھنے کی وجہ سے میں یہ شبہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کسی نفسانیت کی وجہ سے یہ حضرات مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے اس طرح پیچھے پڑ گئے ہیں۔ اسی طرح غلط فہمی کا احتمال بھی اس بارہ میں میرے اطمینان کے لئے کافی نہیں رہا تھا۔ خاص کر اس لئے کہ میں دیکھتا تھا کہ اس مسئلہ میں ان بزرگوں کے رویہ میں وہ غیر معمولی شدت ہے جو خاص ہی حالات میں اہلِ قلوب میں ہوا کرتی ہے[2]۔

اب سے قریباً دو ڈھائی برس پہلے جب کہ میرے ذہن نے جماعت اسلامی کے بارے

---

[1] بلکہ میں کہا کرتا تھا کہ اگر مجھے اس کا اطمینان ہو جائے کہ جماعت اسلامی کی مخالفت کوئی دینی خدمت ہے تو ان سے کہیں زیادہ وزنی اور موثر دلائل یہ عاجز پیش کر سکتا ہے۔

[2] واضح رہے کہ میری اس ذہنی اُلجھن کا تعلق صرف حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ اور ان ہی جیسے ایک اور بزرگوں کے رویہ سے تھا، باقی جو اور لوگ اس سلسلہ میں کہتے اور لکھتے تھے، انکے بارے میں میں غور بھی نہیں کرتا تھا اس دنیا میں سب کچھ ہوتا ہی رہتا ہے۔ م

میں دوسری طرح سوچنا شروع کر دیا تھا۔ ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ صوبہ بہار کے ایک سفر میں ایک ایسے صاحب سے میری ملاقات ہوئی جن کو میں کچھ پہلے سے بھی جانتا تھا۔ یہ صاحب خود صاحب علم اور صاحب صلاح ہیں، اُن کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خواص خلفاء میں تھے، لیکن صغرسنی میں والد ماجد کی وفات ہو جانے کی وجہ سے اُن کی تربیت اُنھیں حاصل نہیں ہو سکی تھی۔ اور پھر کچھ مخصوص حالات کی وجہ سے سلوک و تصوف کی لائن سے بلکہ اپنے والد ماجد کے سلسلہ کے اکابر و مشائخ سے بھی انھیں کوئی مناسبت نہیں رہی تھی۔ انھوں نے مجھ سے اپنا حال یہ بیان فرمایا کہ اب سے کافی عرصہ پہلے مجھے مودودی صاحب کی کتابیں ملیں اور میں اُن سے بہت متاثر ہوا۔ پھر میں ان کی کتابوں کا مبلغ بن گیا اور میں نے دوسروں کو بھی ان کا مطالعہ کرایا، دوسرے لوگ بھی اُن سے متاثر ہوئے اور میری ہی اس کوشش کے نتیجہ میں ہمارے یہاں جماعتِ اسلامی کا ایک حلقہ بن گیا۔ لیکن اِدھر کچھ عرصہ سے میرا حال یہ ہے کہ طبیعت کو اس سلسلہ سے وحشت اور بے اطمینانی پیدا ہو گئی ہے اور بڑھ رہی ہی مگر میں غور و فکر کے باوجود، اسکی کوئی وجہ نہیں سمجھ سکا۔ پچھلے دنوں جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ دیوبند اور بہار نپور کے بزرگوں نے جماعت اسلامی کے خلاف فتوے دئے ہیں اور مضامین لکھے ہیں تو میں نے ان کو بھی منگوایا اور پڑھا۔ لیکن سچی بات یہ ہو کہ میں اُن سے بالکل متاثر نہیں ہو سکا بلکہ مجھے انہیں سے بعض میں تو بڑی کھلی ہوئی غلطیاں اور ناانصافیاں نظر آئیں۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ میری اندرونی حالت وہی ہو جماعت اسلامی کی طرف سے بے اطمینانی اور انقباض برابر بڑھ رہا ہے اور اب میں نے جماعت کے ہفتہ واری اجتماع میں جانا بھی چھوڑ دیا ہے —— اس کے بعد انھوں نے مجھے اپنے دو تازہ خواب بھی سنائے، اِن خوابوں کا اشارہ میں نے یہ سمجھا کہ غالباً اس سلسلہ کو ملاءِ اعلیٰ کی رضا حاصل نہیں ہے، بلکہ وہاں اس سے ناراضی ہے —— یہاں میں یہ بھی عرض کر دوں کہ اُن صاحب کو جماعت اسلامی سے متعلق میرے نئے موقف کا علم نہیں تھا، بلکہ پہلے معلومات کی بنا پر اُن کا خیال میرے بارے میں غالباً یہی تھا کہ میں جماعت اسلامی کی دعوت اور اس کے کام سے پوری طرح متفق تو نہیں ہوں لیکن پھر بھی بحیثیت مجموعی اس کو اچھا سمجھنے والوں میں ہوں۔

اُن کی باتیں سننے کے بعد میں نے اس سلسلہ کی اپنی کچھ سرگذشت بھی اُن کو سُنائی اور بتایا کہ اب کچھ عرصہ سے میرا موقف یہ ہے۔

اُن صاحب کی اس ملاقات اور گفتگو کے بعد ہی میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ ممکن ہے فہم دین کے بارہ میں سلف سے بے اعتمادی کا جو زہر جماعت اسلامی کے ذریعہ پھیل رہا ہے۔ وہ آئندہ کسی بڑے ضلال اور فتنہ کی بنیاد بننے والا ہو۔ اور اس کی وجہ سے ملاء اعلیٰ میں اس سلسلہ کے خلاف بعض ناراضگی ہو۔ اور اسی کا اثر اُن اہلِ قلوب پر پڑ رہا ہو جو جماعت اسلامی کے خلاف غیر معمولی شدت برت رہے ہیں، اور اُن کے دلائل کی کمزوری کی وجہ یہ ہو کہ اپنے اس قلبی تاثر کی وجہ سے وہ مخالفانہ نقطۂ نظر ہی سے مولانا مودودی وغیرہ کی تحریریں پڑھتے ہوں اور جن چیزوں کو دوسرا خالی الذہن آدمی اچھے محمل پر بھی آسانی سے محمول کر سکتا ہے وہ اس کو خلاف حق محمل ہی پر محمول کرتے ہوں ——— یہ بات خواہ ذہنی اور علمی طور پر کتنی ہی غلط اور قابل اعتراض معلوم ہو لیکن واقعاتی طور پر یہ کچھ زیادہ مستبعد بھی نہیں ہے۔ جب کوئی شخص کسی کو غلط رو اور گمراہ سمجھ لے تو اس کی تحریروں کو حسن ظن کے ساتھ پڑھنے کی اُس سے توقع نہیں ہو سکتی۔ مصنف کے متعلق اچھی یا بُری رائے کا اثر تصنیف کا مطلب سمجھنے پر پڑنا بالکل قدرتی بات ہے۔

لیکن اس وقت یہ صرف میرا ایک خیال تھا۔ کوئی ایسی حجت نہ تھی جس پر میں یقین کر سکتا۔ اس خیال کا اثر مجھ پر صرف اتنا پڑا کہ جماعت اسلامی کے خلاف شدت برتنے والے اپنے اُن بزرگوں کے رویہ کی بھی ایک ایسی توجیہ کم از کم احتمال ہی کے درجہ میں میرے خیال میں آگئی جس کے بعد ان کو معذور سمجھنا میرے لئے آسان ہو گیا ورنہ اس سے پہلے میرے لئے یہ بھی مشکل ہو رہا تھا

گذشتہ ڈیڑھ دو سال میرے اسی حال میں گذرے ہیں ——— اب آخری بات سُنئیے۔

اب سے تین چار مہینے پہلے (نومبر ۵۸ء میں) پاکستان جانے کا اتفاق ہوا۔ میں اتنی بات تو پہلے ہی سُن چکا تھا کہ جماعت اسلامی (پاکستان) کے بعض اہم حضرات اس سے الگ ہو گئے ہیں لیکن اس قضیہ کی تفصیل معلوم نہیں تھی۔ وہاں پہنچکر ذاتی روابط کی بناء پر جماعت اسلامی کے حلقہ سے تعلق رکھنے والے دوستوں سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ جماعت سے الگ ہونے والے حضرات میں قاضی عبدالجبار صاحب اور حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب میرے اُن پُرانے دوستوں میں ہیں جنکو

میں نے ہمیشہ بہت صالح، باخدا اور مخلص جانا ہو۔ ان دونوں سے بھی ملاقات ہوئی، راولپنڈی میں غازی صاحب سے تو اجمالاً اور لائل پور میں حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب سے تفصیلاً معلوم ہوا کہ اس اختلاف اور علیحدگی کی اصل بنیاد یہ ہے کہ ہم کچھ عرصہ سے یہ محسوس کر رہے تھے کہ دین کے بارے میں مودودی صاحب زیادہ اعتماد کے قابل نہیں ہیں۔ اور ان کے سامنے اب مسئلہ صرف اقتدار حاصل کرنے کا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے وہ جس وقت جو پالیسی اختیار کرنا مناسب سمجھیں اختیار کرنے پر آمادہ ہیں۔ چاہے وہ اسلام کے اصولوں کے کتنے ہی خلاف ہو وہ اس کو اختیار کریں گے اور اسلام ہی کا نام لیکر اختیار کریں گے اور اس کے لئے اگر ضرورت پڑی تو وہ اسلامی اصولوں کی من مانی تشریح کریں گے۔ لیکن ہم لوگ اس کو سخت ضلال اور فتنہ سمجھتے تھے۔ اس لئے ہم نے کوشش کی کہ یہ چیز آگے نہ چلے اور ہم خود مودودی صاحب کو اور جماعت کو اس راستہ پر نہ چلنے دیں۔ لیکن مودودی صاحب اس سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوئے اور ایک عرصہ تک اندر کش مکش ہوتی رہی۔ دراصل یہی کش مکش تھی جس کے نتیجہ میں ہمیں جماعت سے الگ ہونے کا فیصلہ کرنا پڑا۔

حکیم صاحب کی گفتگو کئی گھنٹے کی اور بہت مفصل تھی۔ میں نے اس کا صرف حاصل اور خلاصہ نقل کر دیا ہے۔ اسی سفر میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب سے بھی ملاقات ہوئی تھی، اُن کی باتوں سے بھی میں نے وہی سمجھا جو حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے بتایا تھا (مولانا اس وقت تک جماعت سے الگ نہیں ہوئے تھے لیکن اب وہ بھی مستعفی ہو چکے ہیں) جماعت اسلامی سے استعفیٰ دینے والے حضرات میں مولانا عبدالغفار حسن صاحب بھی میری معلومات کے مطابق ممتاز درجہ کے صاحب صلاح و تقویٰ عالم دین ہیں۔ اس سفر میں ان سے ملاقات نہیں ہو سکی لیکن حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے بتایا کہ ان کے احساسات اور خیالات بھی یہی ہیں۔

یہ سب سنکر میرے لئے وہ خیال (کہ شاید جماعت اسلامی کے ذریعہ مستقبل میں کوئی ضلال پیدا ہونے والا ہے اور اسکی وجہ سے ملاء اعلیٰ میں اس سلسلہ سے ناراضگی ہے) جو ابتک صرف احتمال تھا علم و حقیقت بن گیا۔ حکیم عبدالرحیم اشرف، غازی عبدالجبار، مولانا امین احسن اور مولانا عبدالغفار حسن جو برسہا برس مودودی صاحب کے ساتھ رہے ان کی طرف سے مدافعت بھی کی اور جماعت کے مقصد کے لئے جنھوں نے ہر طرح کی قربانیاں بھی دیں، اور جو میرے ذاتی علم میں مودودی صاحب سے بدرجہا زیادہ قابل اعتماد اور دین کے مخلص ہیں[1] ان کا یہ احساس اور بیان کہ مودودی صاحب دین کے بارے میں قابلِ اطمینان نہیں ہیں، اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے دین کو غلط طور پر بھی استعمال کرنے کا

---

[1] جماعت اسلامی سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہو کہ یہ چاروں حضرات جماعت کی صف اول میں بھی ممتاز ترین اور معتمد ترین افراد تھے۔ م

اُن میں اب رجحان ہے اور وہ ضلال اور فتنہ کی طرف جا رہے ہیں، معمولی بات نہیں ہو۔ سوچنے سمجھنے والوں کے لئے بہت بڑی بات ہو ۔۔۔ اس نئے علم و انکشاف نے میرے موقف میں آخری تبدیلی کر دی، اور میں نے ضروری سمجھا کہ میں اس سلسلہ کی اب تک کی اپنی پوری سرگزشت کے ساتھ اس نئے اور آخری موقف کا بھی اعلان کر دوں تاکہ اس سلسلہ کے میرے سابقہ احوال و اقوال کسی کے لئے بھی غلط فہمی کا باعث نہ ہوں واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم

## اس داستان کا سب سے بڑا سبق

اس داستان میں خود میرے لئے اور ہر غور کرنے والے کے لئے بڑے بڑے سبق ہیں ۔۔۔ لیکن سب سے بڑا سبق میرے نزدیک یہ ہے کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی ذہین ہو، اور زبان و قلم کی خواہ کتنی ہی طاقت اس کو ملی ہو اور اپنے حسن بیان اور زور قلم سے داد و تحسین کا کتنا ہی خراج وہ اہل زمانہ سے حاصل کر سکتا ہو اور خواہ کتنے ہی ناواقف سادہ لوحوں سے وہ اپنے کو امام و مجدد اور عارف و صوفی منوا سکتا ہو، لیکن اگر اس میں اخلاص للہ اور تقویٰ نہیں ہے اور اسکی سیرت اور اسکے ظاہر و باطن میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ بو کا اگر اتنا حصہ بھی نہیں ہو کہ علم و بصیرت رکھنے والے اہل ایمان کے لئے اس کی شخصیت میں کشش اور دلوں کے اطمینان کا سامان ہو اور جو صاحب ایمان اس کے قریب جائے وہ قریب تر ہوتا چلا جائے، تو اپنی کاغذ کی ناؤ چلانے میں خواہ وہ کتنا ہی کامیاب ہو، کوئی بڑا دینی کام ہونا تو درکنار وہ کام کے آدمیوں کو بھی اپنے ساتھ نہ جوڑ سکے گا اور اس کی اچھی اچھی باتوں سے متاثر ہو کر جو اس سے جڑیں گے بھی وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا "رنگ و بو" نہ پا کر جلدی یا بدیر ساتھ چھوڑنے پر مجبور ہوں گے۔ بشرطیکہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ و بو سے آشنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی میں صادق و مخلص بھی ہوں۔

اس عاجز نے اللہ کی توفیق سے ایسے ایسے بہت سے بندوں کو پایا ہے جن سے نہ تو بہت اچھی اچھی باتیں کرنی آتی ہیں اور نہ وہ صاحب قلم ہی ہیں، لیکن جو شخص صدق طلب کے ساتھ ان کے قریب جاتا ہے وہ اس اطمینان کے ساتھ ان سے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہو کہ یہ اللہ کے مخلص اور صادق بندے ہیں اور ان کی سیرت میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "رنگ و بو" ہے۔

ہرقل نے ابوسفیان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے بارہ میں جو سوالات کئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جو لوگ ان کی دعوت کو قبول کرتے ہیں۔ کیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی ناراض اور غیر مطمئن ہو کر ان کو اور ان کے طریقہ کو چھوڑ دیتا ہو ۔۔۔؟ ابوسفیان نے جواب دیا تھا کہ ایسا تو نہیں ہوتا ۔۔۔ اس پر ہرقل نے کہا تھا کہ بیشک انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے کہ جو

اُن کی دعوت دل سے قبول کرلے اور اُن سے جڑ جائے پھر وہ اُن سے جدا نہیں ہوتا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح نسبت رکھنے والے آپ کے وارثوں کا حال بھی یہی ہوتا ہے ـــــ لیکن اگر سیرتِ مصطفوی اور صفاتِ محمدی کے رنگ و بو سے کسی کی زندگی خالی ہو تو اس کی اچھی اچھی باتیں سنکر اس کے ساتھ جڑنے والوں کا آخر کار غیر مطمئن ہو کر اس کو چھوڑنا بالکل قدرتی بات ہے۔

اللہ کی شان ہے جماعت اسلامی کے ابتدائی دور میں مولانا مودودی نے اس وقت کے اپنے معترضین مولانا عبدالماجد صاحب وغیرہ کو جواب دیتے ہوئے اپنے جن جن ساتھیوں کے نام لیکر کہا تھا کہ اگر مجھ میں کوئی زیغ ہوتا اور میں فتنہ کی طرف جانے والا ہوتا تو یہ فلاں فلاں جیسے اللہ کے بندے میرے ساتھ کیوں ہوتے، اُن سب ہی نے ایک ایک کر کے اُن کا ساتھ چھوڑا۔ یاد آتا ہے کہ سب سے پہلے انھوں نے اس سلسلہ میں اس عاجز کا نام لیا تھا اور اس کے بعد مولانا علی میاں اور مولانا امین احسن کے نام بھی لکھے تھے، یہ عاجز تو صرف چند دن ہی ان کے ساتھ رہ کر ساتھ چھوڑنے کا فیصلہ کرنے پر مجبور ہوا، مولانا علی میاں نے بھی جلدی ہی اپنے حق میں یہی فیصلہ کیا اور قریباً ۱۸ برس ساتھ دینے کے بعد اب مولانا اصلاحی کو بھی ساتھ چھوڑنا پڑا ـــــ مولانا اصلاحی کو اتنی دیر کیوں لگی؟ اس کی وجہ یہ عاجز سمجھتا تو ہے لیکن یہاں کہنے کی بات نہیں ہے

کاش ہم لوگوں کی یہ غلطی اور وقت کا یہ ضیاع دوسروں کے لئے باعثِ عبرت ہو۔

اب یاد آتا ہے کہ جماعت اسلامی کے بالکل ابتدائی دور میں جب یہ عاجز پورے جوش اور سرگرمی کے ساتھ اس میں شریک بلکہ اس کا داعی تھا۔ مولانا عبدالباری صاحب ندوی نے (جبکہ میرا ان سے کوئی تعلق و رابطہ بلکہ تعارف بھی نہیں تھا محض للّٰہی خیر خواہی سے) مجھے ایک خط لکھا جسکا حاصل اب یہ یاد رہ گیا ہو کہ ـــــ کم از کم تمھیں تو اس حقیقت سے ناواقف نہ ہونا چاہیئے کہ جس شخص نے کبھی "صغیر" بن کر اپنی اصلاح کا سبق نہ لیا ہو، اس کا اصلاح کامل کے اتنے اونچے دعووں کے ساتھ "کبیر" بن کر کھڑا ہو جانا، خیر و صلاح کا باعث کہاں تک ہو سکتا ہے ـــــ" لیکن اس وقت ناتجربہ کاری بھی تھی اور نشہ بھی، میں نے ان کی اس للّٰہی نصیحت کا بھی بس "جواب" ہی دیا تھا ـــــ لیکن پھر اللہ کی توفیق نے جلدی ہی اس غلطی سے نکل آنے کی توفیق دے دی فالحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ ـــــ

(صفحہ ۵۴ کا بقیہ) ——— مولانا کے پچھلے دور میں ہزاروں افراد کو جو دینی فائدہ اُن سے پہنچا ہے، وہ اپنی جگہ پر بہت قابل لحاظ ہو، مگر جب مولانا ہی اپنے کام کے اچھے اثرات کو مٹائے دے رہے ہیں، اور اپنے ماننے والوں کے فکر میں ایسے خیالات شامل کیے دے رہے ہیں، جن کے زہر کی بے پناہی؟ ——— الاماں! تو پھر بتلایئے، کیسے اُن کے اچھے کارناموں اور مخصوص علمی کمالات کا لحاظ کر کے چپ رہا جائے، صحابہ کرام کے بارے میں اُن کی جس تحریر کا اوپر ہم نے ذکر کیا ہے، اُس کے اثرات، جماعت اسلامی کے دوم و سوم کے آدمیوں پر نہیں، صف اوّل کے لوگوں اور شوریٰ کے رکنوں پر جو پڑے ہیں اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ

جماعت اسلامی پاکستان نے جماعت کی دینی حالت کا جائزہ لینے کے لیے جو ایک کمیٹی پچھلے دنوں مقرر کی تھی (جس کی رپورٹ ہی جماعت اسلامی پاکستان کے موجودہ خلفشار کا باعث ہوئی) اس کمیٹی نے جب (غالباً اواخر ۵۶ء میں) مجلس شوریٰ کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کی، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ جماعت کی دینی اور اخلاقی حالت بہت پست ہے، بلکہ مولانا مودودی کا تأثر تو اس کے متعلق یہ تھا کہ "یہ غلاظت کے ایک ٹوکرے کی شکل میں نظر آتی ہے"[1] (غرض یہ ایسی کو یہ رپورٹ جب پیش ہوئی) تو شوریٰ کے ایک گروپ نے (جو اس رپورٹ کی مخالفت میں مودودی صاحب کا ہمنوا تھا) مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کے الفاظ میں، اس رپورٹ پر یہ تبصرہ کیا کہ

"صحابہ کے زمانہ میں بھی کوئی جائزہ کمیٹی بیٹھتی تو وہ بھی اسی طرح کی رپورٹ پیش کر دیتی جس طرح کی رپورٹ جائزہ کمیٹی نے پیش کی ہے۔"

یہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کے اس خط کا اقتباس ہے جو انھوں نے مولانا مودودی کے نام اُن کی بعض "آمرانہ" کارروائیوں پر لکھا تھا۔ اور کوئی دو مہینے ہوئے پاکستان کے اکثر اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔

ذرا اندازہ کیجیے کہ صحابہ کی زندگی کے حسین تخیل کو "کتابی" اور غیر واقعی قرار دینے کا یہ کتنا لرزہ خیز نتیجہ ہے۔ کہ صحابہ کو بے تکلف اپنی سطح پر لایا جانے لگا! کیا ایسا ذہن پیدا ہو جانے کے بعد اس جماعت سے صحیح معنیٰ میں دینی انقلاب کی کوئی توقع رکھی جا سکتی ہے؟

اللھم صرف قلوبنا الی طاعتك وثبتنا علیٰ ملة رسولك
ووفقنا لما تحب وترضیٰ واجعل آخرتنا خیراً من الاولیٰ۔

---

[1] مولانا امین صاحب اصلاحی کے جس خط کا ذکر آگے آرہا ہے۔ یہ الفاظ بھی اسی سے ماخوذ ہیں

# جادۂ حبیب

## ایک دعوتی سفر کے تاثرات و کوائف

(از مولانا محمد اشرف خاں صاحب ایم اے لیکچرار اسلامیہ کالج پشاور)

(۲)

۱۶ر اگست ۱۹۵۷ء مطابق ۱۹ر محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

آج جمعہ ہے خلاف توقع طبیعت صبح اٹھتے ہی بشاش تھی۔ نامعلوم یہ فوری توانائی کہاں سے آگئی۔ دوائی تو کھائی نہیں، شافیِ مطلق ہی کی کرشمہ سازی ہے۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۔ خلیل اللہ کی زبان سے ایسے ہی تو ادا نہیں ہوگیا تھا، بیماری و شفا، موت و حیات، حرکت و سکون، ہر چیز کا اس کی ذات سے براہِ راست تعلق ہے، جِلاتا ہے جی اٹھتے ہیں، مارتا ہے مرجاتے ہیں۔ ہر چیز اس کی ذات سے آرہی ہے۔

ہر چیز اپنے وجود، بقا، نشو ونما میں ہر آن اور ہر لحظہ اس کی محتاج ہے۔ اسی سے وجود و بقا و حیات و صفات اور نشو ونما کو لے رہی ہے، ظاہری مشاہدہ غیبی حقیقتوں کے چہرے کا نقاب ہے، انبیاء علیہم السلام اسی پردے کو اٹھانے آئے ہیں۔ یؤمنون بالغیب کتاب الٰہی میں صحیفۂ ربانی سے ہدایت یابی کے لئے پہلی شرط قرار دی گئی ہے۔

مسقط کی بندرگاہ ۸½ بجے آگئی، سمندر کا تلاطم ختم ہوچکا ہے، پانی پایاب تھا۔ جہاز ساحل سے کوئی ۴ فرلانگ دور ہی کھڑا ہوگیا۔ منظر دلکش تھا۔ چھوٹی چھوٹی چٹیل پہاڑیاں تین طرف پھیلی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ ان کے درمیان میں کچھ بستیاں دروں کی صورت میں نمایاں تھیں جہاں پر

مکانات بنے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اسی جگہ ایک چھوٹا سا قلعہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس سے
داہنی طرف پہاڑ پر ایک چھوٹا سا قلعہ نما قصر سا نظر آتا ہے۔ اس کے نیچے "SHAH ZADAH'S
NEW CASTLE" لکھا ہوا پڑھا جاتا تھا۔

مسقط سے چھوٹے چھوٹے بجروں میں حبشی اور عرب تاجر (خوانچہ فروش) خورد و نوش اور
عام ضروریات کی چیزیں لیکر جہاز پر آئے۔ جہاز سے باہر چھوٹی کشتیوں میں کچھ عرب سیپیاں اور
گھونگھے بیچ رہے تھے۔ ان کے بچے سمندر میں کود کر پیسے وغیرہ جو جہاز کے مسافر پھینکتے تھے۔ نکال
لاتے تھے ـــــ کن کی اولاد، کس کے نام لیوا، آج اپنے مقصد سے بے نیاز، اپنے فریضہ کو
بھلا کر کن پست مشاغل میں مشغول ہو گئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ان اللہ یحب معالی
الامور ویبغض سفسافہا کیا ایک مومن کے لئے اس سے بڑھ کر دنائت و پستی ہو سکتی ہے۔ کہ
پیسہ پیسہ کے لئے مسلم و غیر مسلم کی نگاہوں میں تماشا بن جائے۔

جہاز یہاں مسقط میں چار گھنٹے ٹھہرا۔ یہاں نام کی حکومت سلطان مسقط کی ہے لیکن اصل
اقتدار انگریز کا ہے۔ آج جب انگریز کا سورج ڈوب رہا ہے۔ وہ اہم ناکوں سے ہنوز چمٹا ہوا ہے
استعماریت کتنی سخت جان ہوتی ہے۔

مجھے خیال آیا کرتا ہے۔ کہ قرآن میں "وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ" سے کیوں نہ سمجھا جائے
کہ انسانیت کی نگہبانی کے لئے دنیا کے تمام اہم ناکے امت کے تصرف میں ہونے چاہئیں۔ ۱ھ ۶۰

گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا

آج طبیعت بحال رہی، بھائی انور بھی اچھے تھے۔ ظہر کے بعد اوپر جانا ہوا۔ بحمد اللہ تعالیٰ فضائل
کی کتابوں کی تعلیم ہوئی، ہنوز اُمت میں کچھ جان باقی ہے، بس جان کھپانے کی ضرورت ہے
اچھا خاصہ مجمع ہو گیا تھا، سب نے ذوق و شوق سے احادیث کو سنا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت
ہے کہ ترغیب و ترہیب کے رنگ میں اعمال کی قیمتیں بتا کر اپنی رضا کے مختلف مدارج بتا دیئے
جن کے سننے سے معروفات اور نیکیوں کے لئے خود بخود شوق و رغبت اور منہیات و برائیوں
سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اگر انسان ہر ہر عمل پر موعود نعمتوں کو عطیۂ الٰہی سمجھتے ہوئے ہر عمل کے وقت
ان اجور و انعامات کو سوچ لیا کرے۔ تو ایک منعم کی محبت پیدا ہوگی۔ دوسرے احتساب کی کیفیت

پیدا ہوگی۔ جو ایمانی اعمال کی جان ہے اور جس سے صدیقی ایمان کی حلاوت محسوس ہوتی ہے۔ اسی لئے اکثر اعمال کرتے ہوئے ایمان و احتساب کی کیفیت کو تازہ اور مستحضر رکھنے کا حکم متعدد احادیث میں ملتا ہے، جیسا کہ جاننے والوں سے مخفی نہیں، یاد آتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں انبیاء علیہم السلام کے اصول دعوت میں ترہیب و ترغیب کا اس قدر وضوح اور تفصیل سے علم جناب سید عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ بتایا ہے۔ یہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ ترغیب سے اعمال محبوب ہو کر طبعی تقاضے کی صورت اختیار کر لیں اور ترہیبات کے ذریعہ منکرات سے اتنا متنفر کر دیا جائے کہ ان سے طبعی کراہیت محسوس ہونے لگے جیسا کہ صحابہ کی صفت قرآن نے بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور دعا ہے۔ اللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْإِيمَانَ وَزَيِّنْهُ فِي قُلُوبِنَا وَكَرِّهْ إِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِينَ۔ فضائل کی جملہ احادیث پر وہی ایک رنگ چھایا ہوا ہے۔ جو انسان میں نیکی کی محبت اور برائی سے نفرت اور اس کا تعلق پیدا کرتا ہے۔ بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ ابھی مسلمانوں میں جان باقی ہے۔ ؎

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

عصر کی نماز میں کئی نئے ساتھی شریک ہو گئے۔ جماعت بھی اوپر کی منزل میں آسمان کے نیچے ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کے بعض لوگوں کو سطح سمندر پر بادشاہوں کی طرح (دین کیلئے) چلتے دیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے ہم نااہلوں کو بھی حصہ نصیب فرمائے

عصر کے بعد کا وقت ذاتی معمولات و اذکار میں گذرا۔ مغرب پھر اوپر کی منزل میں ادا کی۔ جماعت بحمد اللہ تعالیٰ اچھی خاصی تھی۔

---

# منتخب و قابل مطالعہ کتابیں

ترجمہ تفسیر ابن کثیر :- ۵ ضخیم جلدیں جلد خوشنما قیمت ۵۵/۰

ترجمہ صحیح بخاری شریف مکمل مجلد ۳ جلدوں میں قیمت ۴۴/۰

ترجمہ ترمذی شریف مکمل مجلد دو جلدوں میں ۱۸/۰

ترجمہ مشکوٰۃ شریف مکمل مجلد دو جلدوں میں قیمت ۱۶/-

ترجمہ مشارق الانوار مع متن قیمت مجلد ۱۲/-

ترجمہ مؤطا امام مالکؒ مع متن مجلد قیمت ۱۴/

ترجمہ کتاب الصلوٰۃ از امام احمدؒ ۱/۸/

حصن حصین مع اردو ترجمہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام وہ دعائیں جو حدیث کی کتابوں میں روایت کی گئی ہیں قیمت مجلد ۴/-

## حجۃ اللہ البالغہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی بے نظیر کتاب مع اردو ترجمہ از مولانا عبدالحق حقانی مجلد دو جلدوں میں ۲۰/۰

رسول اکرم کی سیاسی زندگی ۸/۴

---

بہشتی زیور اختری ۱۲/۰/۰

تعلیم الدین (از حضرت تھانوی) ۱/۱۲/۰

حیات المسلمین -/۱۲/۱ اصلاح الرسوم ۱/۱۴/۰ احکام الٰہی اردو یاد الٰہی کا تحفہ اور شوق انگیز بیان (از حضرت تھانویؒ) ۰/۸/۰

الانتباہات المفیدہ (عقل و فلسفہ کی روشنی میں اصول اسلام کا ثبوت اور نئے شبہات کا جواب۔ از حضرت تھانوی) ۲/۰/۰

---

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (از مولانا مسعود عالم صاحب ندویؒ) ۲/۸/۰

ایک مظلوم اور بدنام محمد بن عبدالوہاب نجدی کی سوانح حیات ۲/۸/۰

اشتراکیت روس کی تجربہ گاہ میں ۳/۰/۰

علم الحدیث (اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے) ۱/۴/۰

سرمایہ ذریعہ (علامہ ابن قیم کی ایک اہم کتاب کا ترجمہ ہے) -/۱۰/۰

## بچوں کے دل میں دین و ایمان کی جڑیں مضبوط کرنے کیلئے یہ کتابیں ضرور پڑھایئے

اللہ کے رسولؐ -/۶/۰ - حضرت ابوبکرؓ -/۶/- حضرت عمرؓ -/۹/- حضرت عثمانؓ -/۶/- حضرت علیؓ -/۶/-

اچھا قاعدہ -/۲/- اچھی باتیں حصہ اول ۱/۱/۰ دوم -/۸/- سوم -/۸/- چہارم -/۸/- پنجم -/۸/۰ اچھے قصے -/۶/۰ آسان نقشے -/۶/۰

## اپنے گھر والوں کو ان کتابوں کا مطالعہ ضرور کرایئے

سراپائے رسولؐ -/۱۲/-

رسول پاک کی صاحبزادیاں -/۱۲/-

ہمارے نبی کے صحابہ -/۱۰/-

رسول اللہ کے دو محبوب ۱/۰/۰

عہد نبویؐ کے دو بچے (حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ) ۱/۱/۰

درس گاہ رسولؐ کے دو طالب علم (ابوہریرہؓ اور ابن مسعودؓ) ۱/۰/۰

سیرت حضرت امام حسنؓ -/۱۲/۰

---

## مطبوعات ادارۃ المصنفین دہلی

قصص القرآن کامل سٹ ۲۱/۸/-

لغات القرآن ۶ جلد مکمل ۳۶/-/۰

ترجمان السنہ جلد اول دوم و سوم ۲۹/-/۰

قرآن اور تعمیر سیرت (از ڈاکٹر میر ولی الدین) ۶/۰

قرآن اور تصوف 〃 ۲/-/۰

رہنمائے قرآن 〃 ۱/-/۰

تدوین قرآن (یعنی قرآن مجید کے تحفظ پر ایک تاریخی نظر) ۱/۴/-

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ۱/-/۰

کتاب حدیث (حدیثوں کی تدوین کی تاریخ پر ایک جامع مقالہ) ۱/۴/-

تاریخ علم فقہ ۲/-/۰

سلسلہ تاریخ ملت دس جلد مکمل ۳۱/-/۰

تاریخ اسلام پر ایک نظر ۶/-/۰

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات دو جلدوں میں قیمت کامل ۶/۴/۰

اسلام کا نظام حکومت ۹/-/-

مسلمانوں کا نظم مملکت ۴/-/۰

اسلام کا اقتصادی نظام ۵/-/۰

اسلام کا زرعی نظام ۴/-/۰

اسلام کا نظام عصمت و عفت ۴/-/-

اسلام کا نظام مساجد ۳/۸/۰

تاریخ مشائخ چشت ۱۲/-/۰

حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ۹/-/۰

تذکرہ علامہ محمد طاہر محدث پٹنی ۱/۸/۰

مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ (از مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم) ۱/۸/-

صدیق اکبر ۷/-/۰

مصباح اللغات مجلد ۱۶/-/-

اردو عربی ڈکشنری مجلد ۶/-/-

---

ملنے کا پتہ: کتبخانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

# ضروری اعلان

۱۔ الفرقان کا یہ شمارہ دو ماہ (مارچ اور اپریل مطابق شعبان و رمضان) کا ہو۔ لہذا خریداران کرام اور ایجنٹ حضرات نوٹ فرمالیں کہ اس کے بعد ۵ ا مئی ۵۸ء سے پہلے الفرقان کا کوئی شمارہ شائع نہ ہوگا۔

۲۔ جن خریداروں کو یہ رسالہ نہ پہونچے، ان کی شکایت آنے پر حسب قاعدہ دوبارہ رسالہ بلا قیمت بھیجا جائے گا۔ مگر چونکہ ادھر کئی مہینے سے ڈاک میں بیحد گڑبڑ ہو رہی ہو۔ بہت سے حضرات کو دوبارہ بھیجنے پر بھی رسالہ نہیں ملتا۔ اور یہ رسالہ قیمتی اور اہم ہو اسلیے یہ ضروری ہے کہ شکایت کے ساتھ آٹھ آنے کے ٹکٹ بھیجے جائیں تاکہ دوبارہ رسالہ رجسٹری سے جائے۔

۳۔ یہ شمارہ بعض مضامین کی اہمیت کے پیش نظر کچھ زیادہ تعداد میں طبع کرایا گیا ہو۔ جو صاحب منگانا چاہیں۔ وہ ایک رسالہ کے لیے ایکروپیہ آٹھ آنے اور زائد کے لیے فی پرچہ ایکروپیہ کے حساب سے قیمت اور آٹھ آنے رجسٹری فیس کے بھیجیں۔ ایجنٹ صاحبان کو کم از کم ۵ کاپی طلب کرنے پر ۲۵٪ کمیشن دیا جائے گا۔ جن حضرات کے پاس پہلے سے ایجنسی ہے ان کے زائد آرڈر کی تعمیل پیشگی قیمت آنے پر یا بذریعہ وی، پی کی جائے گی۔

۴۔ جن ایجنسیوں کی طرف پچھلے کئی ماہ کا حساب باقی ہو اور وہ باوجود تقاضوں کے حساب صاف نہیں کر رہے ہیں ان کو اس رسالہ کی روانگی حساب صاف ہونے کے بعد ہوگی۔

منیجر الفرقان

---

## ماہنامہ الفرقان لکھنؤ
## ملکیت و دیگر تفصیلات کے متعلق بیان

FORM, IV
(SEE RULE 8)

(۱) مقام اشاعت ______ لکھنؤ　(۲) وقفہ اشاعت ______ ماہانہ
(۳) ایڈیٹر پرنٹر پبلشر اور مالک کا نام ______ محمد منظور نعمانی　(۴) قومیت ______ ہندوستانی
(۵) پتہ ______ کچہری روڈ لکھنؤ

میں (محمد منظور نعمانی) بذریعہ ہذا اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و اعتماد کی حد تک صحیح ہیں۔

دستخط پبلشر ........ (محمد منظور نعمانی)

۱۵ مارچ ۱۹۵۸ء

## مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی تالیفات

**تاریخ دعوت و عزیمت۔** اس کتاب کو بجا طور پر اس دور کی عظیم تصنیف کہا جا سکتا ہے۔ مجددین و مصلحین امت کے کارناموں پر یہ پہلی مبسوط اور محققانہ کتاب ہے۔ دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں جلد اول میں ساتویں صدی ہجری تک کے مجددین و مصلحین کا تذکرہ ہے۔ اور دوسری جلد میں آٹھویں صدی کے عالی مرتبت امام اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے تلامذہ کے تابندہ کارناموں کی بڑی جامع مفصل اور موثر سرگزشت ہے۔ قیمت جلد اول ۷/ جلد دوم ۹/۸/۰

**انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر**

یہ کتاب اس قسم کی تصنیفوں میں ہے جو مردہ قوم کو زندہ کر دیتی ہیں اسکے کئی عربی اڈیشن مصر میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ اردو اڈیشن ہے۔ قیمت مجلد ۳/۸/۰ (ختم ہو گئی تھی (زیر طبع ہے)

**دو ہفتے ترکی میں**

مولانا نے اسلامی ممالک کے ۵۶ء کے اپنے دورہ میں دو ہفتے ترکی میں بھی گزارے تھے اور خالص دینی نقطۂ نظر سے ترکی کو جاننے، سمجھنے اور صحیح حالات و امکانات معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔ مولانا نے اس سفر میں پابندی سے روزنامچہ بھی لکھا تھا، جو اب کتابی شکل میں آپکے تاثرات، معلومات اور مشاہدات کا آئینہ ہے۔ قیمت مجلد ۱/۸/۰

**اصلاحیات۔** مولانا کے چند منتخب و اصلاحی مضامین اور دعوتی تقریروں کا مجموعہ ........ قیمت ۰/۱۰/۰

**پیام انسانیت۔** مولانا کی ایسی ۵ تقریریں جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مخلوط اجتماعات میں کی گئیں تھیں۔ قیمت ۰/۱۰/۰

**مقام انسانیت** اسکو پیام انسانیت کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہیے۔ قیمت ۰/۱۰/۰ ........ **دعائیں۔** قیمت ۰/۵/۰

## دجّالی فتنہ اور سورۂ کہف

(از افادات مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم)

مولانا مرحوم کا یہ مقالہ ان کی ذہانت اور نکتہ رسی کا خاص الخاص نمونہ ہے۔ جس میں مغربی تہذیب و تمدن اور ملحدانہ علوم و افکار کے فتنہ کا دجالی فتنہ سے تعلق ظاہر کر کے دکھایا گیا ہے کہ قرآن مجید کی سورۂ کہف کو اس (موجودہ) فتنہ سے کتنا گہرا تعلق ہے اور اس فتنہ کی بنیادوں پر فکری طور سے کاری ضرب لگانے اور اس کے طوفانی عہد میں اپنے سفینۂ ایمان کو غرقابی سے بچانے کے لیے اس سورت میں کیا کیا اشارات و ہدایات موجود ہیں۔ ........ قیمت ۱/۸/۰

**اسلامی کشکول** (مرتبہ قاضی منظر الدین بلگرامی) اسلامی تعلیمات کے مختلف گوشوں پر مسلمانوں کی فکری و عملی اصلاح کے لیے مشاہیر اہل علم و قلم نے اپنی سینکڑوں کتابوں اور مقالوں میں جو کچھ لکھا، یہ ان کے سینکڑوں اقتباسات کا عجیب و غریب مجموعہ ہے۔ ہر تعلیم یافتہ مسلمان سے اس کے مطالعہ کی مخلصانہ سفارش کی جا سکتی ہے۔

قیمت مجلد ...... ۳/۰/۰

**ارشاد السالکین** تصوف و اصلاح باطن کے گنجینہ کا عطر ہے

قیمت مجلد ...... ۱/۰/۰

## تالیفات حضرت شیخ الحدیث مدظلہ

فضائل نبوی شرح شمائل ترمذی قیمت ۵/۸/۰ حکایات صحابہ ۲/۰ فضائل حج ۳/۰/۰ برکات ذکر ۲/۱۰ فضائل قرآن ۰/۱۲/۰ فضائل صدقات اول ۲/۸ دوم ۳/۱۲ فضائل نماز ۰/۱۴/۰ فضائل رمضان ۰/۱۲/۰ فضائل تبلیغ ۰/۶/۰

**زاد سفر۔** امام نوویؒ کی ریاض الصالحین کا اردو ترجمہ ہماری محترم بہن امۃ اللہ تسنیم کے قلم سے۔ قیمت جلد اول مجلد ۳/۰/۰، جلد دوم مجلد [illegible]

**حسن معاشرت۔** ابو الحسن علی ندوی کی [illegible] کی تالیف، ہر بہن [illegible] مطالعہ کے لائق ہے

**کلید باب رحمت** [illegible] کی والدہ [illegible] کا مجموعہ

**تالیفات** [illegible] صاحب [illegible]

تجدید تصو[illegible]

تجدید معاش[illegible]

جامع المجد[illegible]

تجدید تعلیم و [illegible]

**تالیفات مولانا** [illegible] صاحب دریابادی

تفسیر ماجدی جلد اول مجلد [illegible] جلد دوم مجلد ۱۳/۰/۰۔ جلد سوم مجلد ۱۳/۰/۰ جلد چہارم مجلد ۱۳/۰/۰

سفرنامہ حجاز ۵/۰/۰ حکیم الامت ۸/۰/۰ حیوانات قرآن ۲/۸/۰ جغرافیہ قرآنی ۲/۰/۰ مناجات مقبول مع شرح ماجدی مجلد ۲/۰/۰ اکبر نامہ ۳/۰/۰

## تالیفات مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی

حقیقت ذکر مجلد ۲/۱۲/۰ ارکان اسلام ۱/۸/۰، تجلیات کعبہ ۳/۰ تجلیات مدینہ ۲/۸/۰ اسلامی زندگی ۱/۳/۰۔ شاہراہ ترقی ۱/۴/۰ حیات فخر ۱/۰/۰ لسپتی کا علاج ۰/۴/۰ اصلاح انقلاب ۰/۴/۰

ALFURQAN ( Regd. No. A-353 ) LUCKNOW.

# ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

## ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے اور اس پر

اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی

اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی

زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا

عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ

"ادارۂ الفرقان"


مسئول

محمد منظور نعمانی

مرتب

عتیق الرحمٰن سنبھلی

(فی کاپی آٹھ آنے ۸ر)

| جلد (۲۵) | بابت ماہ شوال ۱۳۷۷ھ مطابق مئی ۱۹۵۸ء | شمارہ (۱۰) |
|---|---|---|



اگر اس ◯ دائرہ میں

سُرخ نشان ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔

چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۲۰ تاریخ تک پہنچ جانی چاہیئے۔

**پاکستان کے خریدار:۔** اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

**تاریخ اشاعت:۔** رسالہ ہر مہینے کی ۱۵ تاریخ کو روانہ کردیا جاتا ہے۔ اگر ۲۵ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔

**مقام اشاعت:۔** دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

# نگاہِ اوّلیں

ادارہ

گذشتہ الفرقان میں، جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے سلسلہ میں اپنے تعلقات اور اپنی رائے کے مختلف ادوار کی جو مفصّل سرگزشت، مدیر الفرقان کے قلم سے شائع ہوئی تھی اس پر جماعت اسلامی کے حلقہ کا جو ردعمل ابتک سامنے آیا ہے، وہ ہماری توقعات سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے، ہمیں اندازہ تھا کہ یہ سرگزشت ان حضرات کے لئے کافی غیظ و غضب کا موجب ہوگی۔ اور اس کے لئے ہمیں بہت کچھ سننا پڑے گا۔ یہ بات ہمارے اندازے سے کچھ زیادہ ہی سامنے آئی۔ جوابی مضامین تو سب ہی کے سامنے ہیں، ان کے علاوہ جو خطوط ہمیں موصول ہوئے ان میں ایک دو کے سوا سب ہی "لاجواب" ثابت ہوئے دونوں جہاں کی، بددعائیں تھیں، گالیاں تھیں، اور وہ سب کچھ تھا جو دماغی توازن رخصت ہوجانے کے بعد کسی سے متوقع ہوسکتا ہے ——— مگر اس سرگزشت کی اشاعت کی یہ قیمت ادا کرنے کے لیے چونکہ ہم پہلے سے تیار تھے۔ اس لئے نہ کسی ایسے خط کا جواب دیا گیا۔ اور نہ کسی مضمون کے اُن حصّوں سے تعرض کرنا ہے۔ جن سے، لکھنے والوں نے محض اپنا دل ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے ——— اس قسم کے مواقع پر غیظ و غضب اور چڑچڑاہٹ، ایک حد تک عمومی بات ہے، بہت کم لوگ ہیں جو اس سے محفوظ رہ سکیں۔ اس لیے ہمیں اس عام بشری کمزوری کا پوری فراخ دلی کے ساتھ الاؤنس دینا چاہئیے۔ اور ہماری زیادتی ہوگی اگر ہم ان حضرات کو غصہ بھی نہ کرنے دیں۔

مگر اس اظہار غیظ و غضب کے علاوہ، اس ردعمل کا ایک اور پہلو بھی ہے، جو کم و بیش

کے فرق کے ساتھ) اس سلسلہ کے تمام جوابی مضامین میں قدر مشترک کے طور پر موجود ہے۔ یہ پہلو بڑی حد تک غیر متوقع بھی ہے۔ اور اسکی نوعیت کسی عام بشری کمزوری کی بھی نہیں ہے کہ اسکی معذرت سمجھ میں آسکے۔ اس لیے اِن مضامین کے اس پہلو پر کچھ عرض کرنا غالباً بیجا نہو گا۔

ہمیں توقع ہے کہ ان معروضات میں ہمارا اور ہمارے مستقل ناظرین کا جتنا وقت اور الفرقان کے جتنے صفحات صرف ہوں گے۔ وہ انشاءاللہ ضائع نہوں گے۔ ان سے ہمیں بہت کچھ سمجھنے میں مدد ملے گی اور ذہن و فکر کے بہت سے الجھاؤ اس صحبت میں صاف ہو جائیں گے۔ اور وقت کے ایک اہم مسئلہ پر صحیح روشنی میں غور کیا جا سکے گا ——— تاہم ہم کوشش کریں گے کہ یہ گفتگو زیادہ دراز نہو۔ اور اسکی حیثیت جواب الجواب کے بجائے ایک مفید عمومی تبصرے کی رہے۔

---

اس وقت تک جوابی قسم کے چار مضامین ہمارے سامنے آئے ہیں۔ ان میں سے ایک تو نامکمل ہے اس لیے وہ خارج از بحث ہے، اس پر، اگر ضرورت سمجھی گئی تو، دوسری فرصت میں گفتگو ہو گی۔ باقی تین مضامین جو مکمل ہیں، انمیں ترشی و بدمزگی اور غیظ و غضب کے مختلف مظاہر کے علاوہ اس ردعمل کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ الفرقان کے مضمون کو "سطحی"، "عامیانہ" اور غیر واقعی دکھانے کے لیے اسکے اجزاء کو اپنے الفاظ میں اس طرح مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر مضمون کے اصل الفاظ کو چھوڑ کر اسکے اجزاء کو انھیں الفاظ میں از سر نو مرتب کر دیا جائے تو یقین مانئے کہ الفاظ ہی کے اعتبار سے نہیں مفہوم و معانی کے اعتبار سے بھی وہ ایک بالکل دوسرا مضمون بن جائے گا ——— ردعمل کا یہ پہلو ہمارے لیے بڑی حد تک غیر متوقع تھا۔ ایک تو اس لیے کہ ہزار نظریاتی اختلاف کے باوجود، معاملاتی اخلاق و دیانت میں جماعت اسلامی کے ارکان و متاثرین کی سطح ہم اس سے بلند سمجھتے تھے! دوسرا اس لئے کہ کسی شائع شدہ مضمون کے بارے میں جرارت کا یہ مقام شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ لیکن، بہرحال یہ بات ہوئی اور خوب ہوئی، اور اسی نے ہمیں مجبور کیا کہ، براہ راست

جواب تو اگرچہ نہ دیا جائے مگر ایک عمومی انداز کا تبصرہ ضرور کر دیا جائے ــــــ خصوصاً اس لئے کہ یہ کارروائی اتنی ڈھٹائی اور اتنے استیعاب کے ساتھ کی گئی ہو کہ لوگوں کے حافظہ اور اُن کی نفسیات کے عام تجربہ کے مطابق ہمارا خیال ہے کہ جن لوگوں نے الفرقان کا مضمون خود پڑھا بھی ہوگا ان میں سے بھی بہت سے اس "جرأتمندانہ" لب ولہجہ کو دیکھ کر اسکے پیچھے کچھ نہ کچھ صداقت اور حقیقت ضرور سمجھ بیٹھے ہوں گے۔ درانحالیکہ اس میں "صداقت اور حقیقت" نام کی چیز ایک فی صد بھی نہیں ہے، سارا کھیل دلاوری اور فنکاری کا ہے ــــــ یہ پروپگنڈے کا وہ کامیاب طریقہ ہے جو دین کو تحریک سمجھنے والے، ہمارے دوستوں نے غالباً دوسری عصری تحریکوں سے افادہ واستفادہ کے اصول پر لے لیا ہو، اور سمجھ لیا ہو کہ دین کی "عالمگیر تحریک" کو زد سے بچانے کے "نیک مقصد" کی خاطر ہرنا کردنی معاف۔ بلکہ موجبِ ثواب ہے۔

کاش ہمارے ان دوستوں نے یہ بھی سمجھا ہوتا کہ مغالطہ کی آڑ میں کی جانے والی کارروائیاں بڑی ہی ناپائیدار ہوتی ہیں۔ انکا اثر زیادہ سے زیادہ صرف اسی وقت تک رہ سکتا ہو جب تک مغالطوں کے اس پردے کو چاک کرنے کے لئے کوئی ہاتھ جنبش میں نہ آئے۔ مگر جونہی کوئی ہاتھ آگے بڑھ کر مغالطوں کی چادر سرکاتا ہے۔ ان کارروائیوں کا اثر اُلٹا ہو جاتا ہے ــــــ

"ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ"۔

---

جن تین مضامین کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ ان میں سے ہم صرف دو کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ اسلئے کہ ان میں سے وہ ایک جسے ہم نظر انداز کر رہے ہیں۔ اگرچہ مذکورۂ بالا دونوں پہلوؤں میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔ مگر لکھنے والے کے "صاحب فن" ہونے کی وجہ سے کامیاب بالکل نہیں ہے۔ بلکہ "اُمتی باعثِ رسوائی پیغمبر" کا نمونہ ہے۔[1] غالباً اسی وجہ سے وہ ایک ایسے اخبار میں شائع ہوا ہے جو نہ صرف جماعت اسلامی کے حلقہ کا نہیں، بلکہ جماعت کے مزاج ومذاق سے بھی یقینی طور پر بہت بعید ہے۔ اور غالباً اسی وجہ سے ان جماعتی اخبارات نے اسکو نقل کرنے میں بھی شرم محسوس کی جو اس طرح کی چیزوں کو بالالتزام اپنے صفحات میں نقل کر رہے ہیں۔ پھر ہم ایسی چیز پر اپنا وقت کیوں صرف کریں۔ آیئے بس باقی دو مضمونوں کا جائزہ لیں۔

---

[1] ہم چاہتے تھے کہ اس نمونہ کو الفرقان کے صفحات میں من وعن محفوظ کر دیں۔ مگر دوسرے ضروری مضامین اس سے مانع۔

ناظرین پہلے مولانا نعمانی کے مضمون کی نوعیت اور اُس کا خلاصہ ذہن نشین کرلیں۔ کہ اسکے بعد گفتگو کو زیادہ طول دینے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

۱۔ مولانا نعمانی کے مضمون کی نوعیت ایک سرگزشت اور آپ بیتی کی ہے، جس میں کچھ واقعات ہیں اور کچھ تاثرات اور آخر میں جماعت اسلامی کے بارے میں اپنے موجودہ موقف کا اعلان (تاکہ مولانا کا سابقہ موقف، جس کا اظہار ان کے زبان وقلم سے ہوتا رہا ہے، لوگوں کے لئے غلط فہمی کا باعث نہ بنے)۔ اس پورے مضمون میں مولانا نے مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کو نہ کہیں کوئی مدعیانہ الزام دیا ہے۔ اور نہ کوئی شرعی حکم لگایا ہے۔

(۲)۔ (یہ تو ہوئی مولانا نعمانی کے مضمون کی نوعیت۔ اب اس کا خلاصہ سنیئے! اور وہ بھی صرف اشارات میں! کیونکہ ۴۵ صفحے کے مضمون کا اگر خلاصہ بھی کیا جائے تو کافی صفحے چاہئیں ——— ۱ھا،

مولانا نے اس مضمون میں مودودی صاحب سے ابتدائی واقفیت اور اپنے تاثر سے بات شروع کی کہ ترجمان کے مضامین سے ان کا تعارف ہوا اور طبیعت بڑی متاثر ہوئی۔ اور ان کی پکار اپنے دل کی پکار بن گئی۔ اُن سے ملکر ان کی دعوت کے مطابق عملی کام شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ پہلی ملاقات میں یہ دیکھ کر کہ دعوت کا رنگ داعی کی زندگی میں گویا بالکل نہیں ہے، مایوسی ہوئی۔ مگر چونکہ یہ معلوم ہوگیا تھا کہ جو کچھ بھی رنگ ہے وہ پہلے سے بہرحال غنیمت ہے۔ ابھی ابھی تبدیلی شروع ہوئی ہے۔ اسلئے دل کو سمجھالیا کہ ان شاءاللہ رفتہ رفتہ سب کمی پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ مولانا مودودی نے کچھ دن بعد جب دار الاسلام سے "ادارہ دار الاسلام" کی تشکیل کا خاکہ شائع کیا اور اتفاق رکھنے والوں کو ایک تاریخ پر مدعو کیا تو مولانا نعمانی بڑی اُمنگوں اور آرزوؤں کے ساتھ دار الاسلام پہونچے۔ (اور غالباً دو ایک روز پیشتر پہونچے) مگر دو ایک روز ساتھ رہنے پر اندازہ ہوا کہ وہ خیال صحیح نہیں تھا کہ مولانا میں رفتہ رفتہ تبدیلی ہوجائے گی۔ کیونکہ بظاہر مولانا میں تبدیلی کا ارادہ اور داعیہ ہی نہیں ہے۔ چنانچہ اپنی ساری آرزوؤں کا خون کرکے پیچھے ہٹنا پڑا۔ اور اس نو تشکیل ادارہ سے ہم دردی اور تعاون کے فیصلہ کے باوجود ضابطہ کی شرکت کا ارادہ بدلنا پڑا۔ (جس کی وجہ مولانا نعمانی کا یہ نظریہ تھا کہ دینی دعوت کے قائد کی زندگی کو، مکمل طور پر نہیں تو، کم از کم ضروری درجہ کی مطابقت تو اس دعوت سے ہونی چاہیے)۔

اس کے بعد مولانا نعمانی اس (دینی) کام کے سلسلہ میں مولانا مودودی کی طرف سے تو مایوس ہو گئے۔ البتہ خود اس کام کی آرزو لئے ہوئے کسی موزوں آدمی کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ دو سال اس حال میں گزرے، اور کوئی کامیابی نہوئی۔ اتفاق سے لاہور جانا ہوا۔ مودودی صاحب اس وقت وہاں مقیم تھے۔ ادارہ دارالاسلام ٹھپ ہو چکا تھا۔ اور مودودی صاحب از سرِ نو کام شروع کرنے کو سوچ رہے تھے۔ مودودی صاحب کے قریب رہنے والے بعض دوستوں سے معلوم ہوا کہ اب مودودی صاحب کافی بدل گئے ہیں ـــــ یہ تو عین مراد تھی۔ مودودی صاحب سے دلی تعلق بھی تھا اور وہ اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے اس کام کے لیے موزوں ترین آدمی نظر آتے تھے۔ چنانچہ ان سے ملاقات کی۔ تعلق کئی سال سے اس طرح کا تھا کہ بے تکلفی کی گنجائش تھی۔ اس لئے کہا گیا کہ آپ کی دعوت سے تو پورا اتفاق ہے۔ مگر آپ کے ساتھ کام میں شریک نہو سکنے کی وجہ آپکو معلوم ہے، اب جب آپ پھر کام شروع کرنے جا رہے ہیں تو میری تو یہ عین مراد ہے۔ مگر شرکت کے فیصلہ سے پہلے، اگر اجازت ہو تو، چند باتیں آپکے بارے میں خود آپ ہی سے جاننا چاہتا ہوں۔ چنانچہ کئی باتوں پر گفتگو ہوئی اور مولانا نعمانی نے مطمئن ہو کر تشکیل جماعت میں شرکت کا فیصلہ کر لیا۔

جماعت بنی اور مولانا نعمانی ہی نے مودودی صاحب کی امارت کی تحریک کی، اور اپنے اطمینان کے بموجب مودودی صاحب کے حسنِ عمل اور تقویٰ کی شہادت دی۔ پھر الفرقان میں بھی اس شہادت کو بار بار دہرایا۔ سال بھر تک اس اطمینان کے بموجب وہ مودودی صاحب کی طرف سے لوگوں کو مطمئن کرتے رہے اور جماعت کے نہایت سرگرم رکن رہے۔ ایک سال کے بعد شوریٰ کے فیصلہ کے مطابق مودودی صاحب لاہور سے اور مولانا نعمانی بریلی سے دارالاسلام منتقل ہو گئے ـــــ وہاں ہفتہ عشرہ ہی ساتھ رہتے ہوئے گزرا تھا کہ مولانا نعمانی کے سامنے کچھ ایسی چیزیں آئیں (جن کی صراحت انھوں نے نہیں کی ہے) جن سے معلوم ہوا کہ اُن کا اطمینان غلط تھا۔ اور مودودی صاحب کو عملی تقویٰ اور شریعت کی پابندی کا اتنا بھی اہتمام نہیں ہے جتنا جماعت اسلامی کے ایک عام رکن کے لیے، کم از کم ضروری قرار دیا گیا ہے۔ پھر ایک مرحلہ پر مودودی صاحب سے اس سلسلہ میں گفتگو بھی کی گئی۔ کہ شاید ان کے پاس اِن باتوں کے کچھ معقول اعذار ہوں۔ مگر کوئی عذر نہ معلوم ہو سکا۔ بلکہ اس گفتگو نے اس خیال کو کچھ اور پختہ ہی کر دیا جو ان چیزوں کے سامنے آنے

کے بعد پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ مولانا اس کشمکش میں پڑ گئے کہ اب کیا کروں۔ جماعت چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ نہیں چھوڑتا ہوں تو گویا مودودی صاحب کے بارے میں اپنے عمل سے اس شہادت کا مسلسل اعادہ کرتا ہوں جسکا غلط ہونا مجھے معلوم ہو چکا۔ رہی یہ بات کہ جماعت میں رہوں اور اپنی بے اطمینانی کا اظہار کر دوں تو یہ کوئی معقول بات نہیں اور اسکے علاوہ اگر کوئی صورت جماعت میں رہنے کی ہو تو اس میں کسی نہ کسی دائرہ میں بے اطمینانی کے اسباب کا اظہار ناگزیر ہو۔ جو پسند نہیں۔ غرض اس کش مکش میں کئی مہینے گزار کر سب سے نسبتہً بہتر صورت یہی سمجھی گئی کہ خود ہی —— اپنے اس وقت کے خیال کے مطابق —— اس "مقدس" قافلہ سے جدائی گوارا کرلی جائے۔ اور اسی پر عمل کر لیا گیا —— مگر جماعت کی دعوت کے ساتھ پورا اتفاق اور پوری ہمدردی پھر بھی رہی۔ اور اسی کے مطابق طرز عمل رہا۔

جماعت کی دعوت کے ساتھ پورے اتفاق کی مدت تو زیادہ نہیں رہی۔ مگر اس سے ہمدردی کا رویہ اب سے کوئی تین سال پہلے تک رہا، اور یہ خیال رہا کہ جماعت کا نفع اس کے ضرر سے زیادہ ہے۔ کوئی تین سال پہلے ایک ایسے ہی دوست کے احساس دلانے سے، جو جماعت اسلامی کے بارے میں بالکل مولانا نعمانی ہی کا موقف رکھتے تھے۔ اس طرف توجہ ہوئی کہ جماعت کے حلقہ میں فہم دین کے بارے میں سلف سے اعتماد اٹھتا جا رہا تھا۔ اور اصل اعتماد مودودی صاحب پر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ بڑی اہم بات تھی۔ اور ایک ایسے آدمی نے کہی تھی جو جماعت اسلامی کا قدردان اور مداح تھا۔ کوئی مخالف یا معاند نہیں تھا۔ چنانچہ مولانا نے اس بات کو اہمیت دی اور ضروری سمجھا کہ اس بارے میں تحقیق کی جائے۔ کیونکہ اگر فی الواقع ایسا ہے تو یہ ایک بات جو اس وقت معمولی سی معلوم ہوتی ہے۔ مآل کے اعتبار سے اس کا ضرر اس سارے خیر پر بھاری ہے جو اس وقت جماعت سے پھیلتا نظر آ رہا ہے اور اس صورت میں جماعت کی حمایت اور مداحی کا رویہ ٹھیک نہیں۔ مولانا اپنی ذاتی تحقیق سے اس نتیجہ پر پہونچے کہ ان صاحب کی بات بے اصل نہیں ہے۔ اس لیے اپنے رویہ میں اتنی تبدیلی کر لی کہ جماعت کے خیر کے پہلو کو شر پر غالب کہنا اور اسکی طرف سے مدافعت کا رویہ ترک کر دیا۔

ادھر کئی سال پہلے سے دیوبند اور سہارنپور سے جماعت اسلامی کی شدید مخالفت ہو رہی تھی۔ اور اس میں سب سے پیش پیش حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے بزرگ تھے۔ مولانا نعمانی کے لیے یہ مخالفت بڑی الجھن کا باعث تھی۔ اس لیے کہ ایک طرف تو مخالفت میں حد درجہ شدت تھی۔ دوسری

طرف مخالفت کی بنیادوں میں مولانا کو کوئی قوت نظر نہیں آتی تھی، اور تیسری طرف ان بزرگوں کے اخلاص اور تعلق باللہ کا جو مقام مولانا کی نظر میں تھا۔ اس کے پیش نظر اس بات کا شبہ کرنے کی بھی گنجائش نہیں تھی کہ اس مخالفت کا محرک کوئی نفسانیت ہو۔ علیٰ ہٰذا غلط فہمی کے احتمال پر بھی دل کو اطمینان نہیں تھا۔

______ اسی الجھن کے دوران میں۔ (اور اسی دوران میں کہ جماعت کے بارے میں مولانا نعمانی کی رائے میں وہ تبدیلی آچکی تھی جس کا ابھی ذکر ہوا۔) مولانا کو بہار کا سفر پیش آیا۔ وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو خود نہ صرف صاحب علم اور صاحب صلاح تھے، بلکہ ایک خصوصیت یہ بھی رکھتے تھے کہ اُن کے والد مرحوم حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خواص خلفاء میں تھے۔ انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ مولانا کا ذہن اب جماعت اسلامی کے معاملہ میں بدل چکا ہو۔ بلکہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ مولانا اب بھی جماعت کی تائید کرتے ہیں۔ غالباً اسی خیال سے اپنی ایک الجھن رفع کرنے کے لئے، انھوں نے مولانا سے اپنا یہ حال بیان کیا کہ میں جماعت اسلامی کے لٹریچر سے متاثر ہوا، اور پھر اسکی تبلیغ کرنے لگا نتیجہ یہ ہوا کہ میری ہی کوششوں سے یہاں ایک حلقہ بن گیا اور باقاعدہ جماعت کا کام ہونے لگا۔ مگر اب کچھ دنوں سے مجھے اس طرف سے وحشت اور بے اطمینانی ہو رہی ہے۔ اور برابر بڑھ رہی ہو۔ لیکن وجہ کچھ نہیں سمجھ میں آتی ______ اسکے بعد انھوں نے اپنے دو تازہ خواب سنائے۔ جن کا اشارہ مولانا نعمانی نے یہ سمجھا کہ غالباً اس سلسلہ کو ملأ اعلیٰ کی رضا حاصل نہیں ہے۔ اور پھر اسی سے مولانا کا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ ممکن ہے، فہم دین کے بارے میں سلف سے بے اعتمادی کا جو زہر جماعت اسلامی کے ذریعہ پھیل رہا ہو وہ آئندہ کسی بڑے ضلال اور فتنہ کی بنیاد بننے والا ہو۔ اور اسکی وجہ سے ملأ اعلیٰ میں اس سلسلہ کے خلاف بغض و ناراضگی ہو۔ اور اسی کا اثر ان اہل قلوب پر پڑ رہا ہو جو جماعت اسلامی کے خلاف غیر معمولی شدت برت رہے ہیں"!

لیکن (بقول مولانا کے) "یہ صرف میرا ایک خیال تھا۔ کوئی ایسی حجت نہ تھی جس پر میں یقین کر سکتا۔ اس خیال کا اثر مجھ پر صرف اتنا پڑا کہ جماعتِ اسلامی کے خلاف شدت برتنے والے اپنے اُن بزرگوں کے رویہ کی بھی ایک ایسی توجیہ کم از کم احتمال ہی کے درجہ میں میرے خیال میں آگئی جس کے بعد ان کو معذور سمجھنا میرے لئے آسان ہو گیا۔ ورنہ اس سے پہلے میرے لیے یہ بھی مشکل ہو رہا تھا"۔

اب سے کوئی چار مہینے پہلے تک ڈیڑھ دو سال مولانا اسی منزل میں رہے۔ (یعنی محض ایک

احتمال کے درجہ میں یہ خیال رہا کہ شاید جماعت اسلامی کے ذریعہ سلف سے بے اعتمادی کسی ضلال اور فتنہ کی بنیاد بننے والی ہے۔ اس کا کوئی اثر جماعت اسلامی کے بارے میں رائے اور رویہ پر نہیں پڑا۔) مگر گزشتہ نومبر میں (جب) مولانا نے پاکستان کا سفر کیا۔ اور اس سفر میں اپنے بعض اُن دوستوں سے ملنا ہوا۔ جو جماعت اسلامی پاکستان کے صف اوّل کے رہنماؤں میں تھے۔ مگر کچھ پیشتر الگ ہو چکے تھے۔ مثلاً غازی عبدالجبار صاحب سابق امیر جماعت۔ اور حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب (سابق رکن شوریٰ) تو ان حضرات نے (زیادہ تفصیل اور وضاحت سے حکیم صاحب موصوف نے) جماعت سے اپنی علٰحدگی پر بات چیت کرتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا کہ اب جماعت' دین کے لیے خطرہ ہو۔ اسلئے کہ مودودی صاحب کے رجحانات نہایت خطرناک صورت اختیار کر گئے ہیں۔ مولانا امین احسن صاحب جو اس وقت تک جماعت کے اندر تھے، انھوں نے بھی اسی طرح کی باتیں کیں! —— مولانا نعمانی فرماتے ہیں کہ اِن معتمد ثقہ اور نہایت واقف کار لوگوں کی شہادت کے بعد میرا وہ خیال (جو ڈیڑھ دو سال سے) احتمال کے درجہ میں تھا میرے لئے علم و حقیقت بن گیا۔ اور اس نئے انکشاف نے میرے موقف میں آخری تبدیلی کر دی۔ اور میں نے ضروری سمجھا کہ اپنے اس نئے موقف کا، اس سلسلہ کی اپنی پوری سرگزشت کے ساتھ اعلان کر دوں!

یہ ہے مولانا نعمانی کے مضمون کا خلاصہ۔ اور اسکی صحیح نوعیت![1]

اب ذرا اس کو ذہن میں رکھ کر ان بلاواسطہ اور بالواسطہ تحریفات اور تصنیفات کو ملاحظہ فرمایئے جو اس مضمون میں کی گئی ہیں!

—— ارشاد ہوا ہے کہ:-

(۱) شروع سے ابتک کئی لوگ جو مودودی صاحب کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اس پر نعمانی صاحب نے بڑی خوشی کا اظہار کیا ہو! اور اسکو جماعت اسلامی کے باطل ہونے کا ثبوت قرار دیا ہے۔

(۲) نعمانی صاحب نے مولانا مودودی کے بارے میں یہ وسوسہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہو کہ لاہور کے ایک کالج میں مولانا مودودی کو ملازمت مل گئی تو ان کی دلچسپیاں ادارہ دارالاسلام سے ہٹ گئی تھیں' اور جب یہ ملازمت نہیں رہی تو پھر جماعت بنانے کی سوچنے لگے تھے!

---

[1] چونکہ اصل مضمون الفرقان کی گزشتہ ہی اشاعت میں شائع ہوا ہو اس لیے ہم نے اس خلاصہ میں بہت ہی اختصار سے کام لیا ہو! اچھا ہو کہ اس موقع پر ہمارے ناظرین اصل مضمون ہی کو سامنے رکھیں۔

(۳) مودودی صاحب کی ذات کے بارے میں چھان بین میں، النعمانی صاحب ڈاڑھی اور بالوں سے آگے نہیں بڑھے ہیں اور محض اسی سے انھوں نے مودودی صاحب کی "عالمگیر اسلامی تحریک" کے بارے میں بھی فیصلہ کر ڈالا — !

---

یہ ایک مضمون کا تجزیہ تھا۔ ایک دوسرے مضمون کی اور سیر کیجیے!

(۱) مولانا مودودی پر یہ طنز کی گئی ہے کہ ان کی زندگی میں تقوی کی کمی پائی جاتی ہے۔ اور ان کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا وہ رنگ دبو نہیں ہے جسے دیکھ کر اہل ایمان کے دلوں میں کشش اور اطمینان کا سامان پیدا ہو —— یہ ایک ایسی طنز ہے کہ مودودی صاحب تو بیچارے کیا چیز ہیں۔ کوئی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ کہتا کہ حضرت! آپ اخلاق محمدی کا کامل نمونہ نہیں ہیں، تو وہ بھی اس کا اعتراف کر لیے!

(۲) اس مضمون میں صرف ایک خاص صفت (تقویٰ) کی کمی کی بنیاد پر یہ حکم لگایا گیا ہو کہ مودودی صاحب کی ذات سے خیر کی توقع ہی نہیں رہی!

(۳) مولانا نعمانی کو مولانا مودودی اور جماعت اسلامی سے جو بدظنی ہوئی ہے۔ اور اس میں ان کو اب خیر کے بجائے ضلال کے واضح آثار نظر آنے لگے ہیں۔ ان کی بہت بڑی بنیاد —— بعض بزرگوں کی پیش گوئیاں اور ان کا وجدان —— استخارے —— اور خوابوں میں بعض اشارے ہیں!

---

یہ ہے وہ رنگ، جو الفرقان کے مضمون کو دیا گیا ہے! اور ظاہر ہے کہ جب کسی مضمون کا یہ رنگ ہو تو پھر اس پر تنقید و تبصرے کے کیا کیا نہ پہلو پیدا ہوں گے؟ —— مضمون کی اصل صورت پر تو تنقید، ذرا کیا؟ بہت ہی مشکل تھی۔ اس لئے کہ تنقید ہوتی ہے کسی دعوے اور دلیل پر مگر جہاں سرے سے کوئی دعویٰ ہی نہیں۔ محض تاثرات و احساسات کا بیان ہے وہاں تنقید کیسے ہو؟ مگر تنقید سے چارہ بھی نہیں تھا۔ اس لئے کہ یہ تاثرات، و احساسات ایک ایسے شخص کے تھے جس کی بات کا اس معاملہ میں ایک خاص وزن ہو! جس کے بیان پر لوگ اس طور پر غور کرنے کے لئے مجبور ہیں کہ یہ ایک ایسے شخص کا بیان ہے جو بہت قریب جا کر ایک دم لوٹ آیا۔ اور اس کے باوجود

۱۵ برس تک جماعت سے ہمدردی کا رویہ رکھتا رہا۔ اسلئے ان تاثرات واحساسات کے بیان کو "دعوے اور حکم" کا رنگ دیا گیا، "شماتت" اور "وسوسہ اندازی" کا رنگ دیا گیا اور ایک "عالمگیر تحریک" کو "ایک شخص کی داڑھی سے ناپنے" کا رنگ دیا گیا، اور اب اس مضمون کا حلیہ ایسا ہو گیا کہ لوگوں کو آسانی سے اسکے "سطحی"، "غیر ذمہ دارانہ اور "عامیانہ" ہونے کا تاثر دیا جا سکے۔ جو کہ اصل مقصود و مدعا، اور مودودی صاحب سے غایت عقیدت کا مقتضیٰ ہے!

کسے خبر تھی کہ "اقامت دین" کی جد و جہد یہ فن بھی سکھاتی ہے!

الغرض! الفرقان کے مضمون کو یہ رنگ دیکر تنقید و تبصرہ کے عجیب عجیب پہلو نکالے گئے ہیں۔ اور نہایت خوبصورتی اور فنکارانہ چابکدستی سے اسکو بے اثر بنانے کی کوشش کی گئی ہو۔[1] تنقید و تبصرہ کے ان پہلوؤں پر تو بعد میں گفتگو ہو گی۔ پہلے آپ اس "دیے ہوئے" رنگ کا مقابلہ مضمون کے اصل رنگ سے کر لیجئے۔ کہ دونوں میں کہاں تک مطابقت ہے؟ ____ ذرا ابتدا سے دیکھنا شروع کیجئے!

(۱) "(نعمانی صاحب نے جماعت اسلامی سے کچھ لوگوں کی علیحدگی پر بڑی خوشی کا اظہار فرمایا ہو اور اس کو ان کی جماعت کے باطل ہونے کا ثبوت قرار دیا ہے۔)

(الف) نعمانی صاحب کے مضمون کا خلاصہ تو اس وقت بھی آپ کے سامنے ہو۔ رہا اصل مضمون تو وہ بھی دسترس سے باہر نہیں ہے۔ جماعت سے علیحدہ ہونے والوں کی علیحدگی کا ذکر ایک جگہ تو وہاں آیا ہے جہاں خلاصہ میں موجود ہو۔ اور بالکل اسی طرح آیا ہے۔ اسکی طرف تو غالباً اشارہ ہو نہیں سکتا۔ دوسری جگہ وہ ہے جہاں مولانا نے اپنا بیان ختم کر کے دو صفحے درس عبرت کے عنوان سے لکھے ہیں۔ اس حصّہ کو ہم نے خلاصہ بیان میں نہیں لیا ہو۔ اس میں علیحدہ ہونے والے حضرات کی علیحدگی کا ذکر اس انداز میں آیا ہے:-

" اللہ کی شان ہو جماعت اسلامی کے ابتدائی دور میں مولانا مودودی نے اسوقت کے

---

[1] یہاں یہ بات ظاہر کر دینا ضروری ہو کہ دوسرے نمبر پر چونکہ مضمون کا حوالہ دیا گیا ہو۔ اس میں اگرچہ فنی خوبصورتی اور ماہرانہ چابکدستی تو پہلے سے کہیں زیادہ اعلیٰ درجہ کی ہو۔ مگر صاحب مضمون سے اپنے گہرے حسن ظن کی بنا پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں فتوہ نیت کے بجائے شدتِ تأثر، مودودی صاحب سے والہانہ عقیدت اور اس تصور کا کھیل ہو کہ مودودی صاحب پر جو کوئی کچھ لکھتا ہے۔ وہ زیادتی ہی کرتا ہے اور اسکی بنیاد بس زیادہ سے زیادہ وجدان اور اپنے بزرگوں کے تأثرات ہوتے ہیں؟ ____ آدمی جب ان خیالات اور احوال سے مغلوب ہو تو وہ شکایت کے بجائے ایک گونہ ہمدردی کا مستحق ہو

اپنے معترضین مولانا عبدالماجد صاحب وغیرہ کو جواب دیتے ہوئے اپنے جن جن ساتھیوں کے نام لے کر کہا تھا کہ اگر مجھ میں کوئی زیغ ہوتا اور میں فتنہ کی طرف جانے والا ہوتا تو یہ فلاں فلاں جیسے اللہ کے بندے میرے ساتھ کیوں ہوتے، اُن سب ہی نے ایک ایک کر کے اُن کا ساتھ چھوڑا۔ یاد آتا ہے کہ سب سے پہلے انھوں نے اس سلسلہ میں اس عاجز کا نام لیا تھا اور اسکے بعد مولانا علی میاں اور مولانا امین احسن کے نام بھی لکھے تھے، یہ عاجز تو صرف چند دن ہی ان کے ساتھ رہ کر ساتھ چھوڑنے کا فیصلہ کرنے پر مجبور ہوا۔ مولانا علی میاں نے بھی جلدی ہی اپنے حق میں یہی فیصلہ کیا اور قریباً ۱۵ برس ساتھ دینے کے بعد اب مولانا اصلاحی کو بھی ساتھ چھوڑنا پڑا ـــــ مولانا اصلاحی کو اتنی دیر کیوں لگی؟ اس کی وجہ یہ عاجز سمجھتا تو ہے لیکن یہاں کہنے کی بات نہیں ہے۔

کاش ہم لوگوں کی یہ غلطی اور وقت کا یہ ضیاع دوسروں کے لیے باعثِ عبرت ہو"

اب ذرا غور فرمایا جائے کہ یہ پیرایہ خوشی اور شماتت کا ہے۔ یا رنج و عبرت کا؟ کیا یہ کسی بھی مومن کے لیے کوئی خوشی کی بات ہے کہ مودودی صاحب کا رخ زیغ و ضلال کی طرف ہو گیا؟ اگر یہ خوشی کی بات نہیں تو اس کا یہ نتیجہ کیونکر خوشی کا باعث ہو سکتا ہے کہ مودودی صاحب کے رفقا ان کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اس عبارت میں تو ظاہر ہو کہ خوشی کا کوئی پہلو نہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص مولانا نعمانی کو انتہائی بدنفس سمجھ لے تو وہ اس واقعہ سے اُن کی خوشی کے لئے ایک پہلو کا احتمال نکال سکتا ہو۔ اور وہ یہ کہ چونکہ انھوں نے مولانا مودودی کو چھوڑ دیا تھا اس لیے دوسروں کے چھوڑنے سے انھیں نفسانیت کے ماتحت خوشی ہوئی ہوگی ـــــ مگر یہ پہلو وہی شخص نکال سکتا ہے جو اس حقیقت سے آنکھیں بند کر لے کہ اپنی علیحدگی کے بعد پندرہ برس تک مولانا نعمانی کا رویہ مولانا مودودی اور انکی جماعت کے بارے میں کیا رہا! جو شخص علیحدہ ہو جانے کے بعد اور اپنے تاثرات کی تازگی کے دور میں مولانا امین احسن اصلاحی سے یہ کہے کہ آپ سرائے میر چھوڑ کر دارالاسلام جا کر ہمہ تن جماعت کی خدمت میں لگئے۔ اس کے متعلق اس وسوسہ اندازی کا حوصلہ، کہ آج پندرہ برس کے بعد مولانا امین احسن کی علیحدگی پر اسکی نفسانیت نے انگڑائی لی، شاید بس "انبیاء کے طریق پر" تزکیہ پانے والوں ہی کا حصّہ ہو۔!

(ب) (مودودی صاحب کے بعض رفقاء کی علیحدگی کو نعمانی صاحب نے جماعت اسلامی کے باطل ہونے کا ثبوت قرار دیا ہی)

ہم حیران ہیں کہ اسکو کیا کہیں؟ مغالطہ دینے کی بھی ایک حد ہوتی ہو! ابھی اسی صفحہ پر ہم نے مولانا نعمانی کے مضمون کا جو اقتباس پیش کیا ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہو کہ اس چیز کو مولانا نعمانی نے جماعت اسلامی کے بُطلان کا معیار نہیں بنایا ہو، بلکہ اپنی جماعت کے حق و باطل ہونے کا یہ معیار خود مولانا مودودی نے قرار دیا تھا۔ مولانا نعمانی صرف اس کے ذکر کرنے کے گنہگار ہیں! اب یہ تو مولانا مودودی سے پوچھا جائے کہ یہ آپ نے "کیسی سطحی" بات لکھ دی تھی؟

(۲)۔ (مولانا نعمانی نے مودودی صاحب کے بارے میں یہ وسوسہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہو کہ انکو ملازمت مل گئی تو ادارہ دارالاسلام سے انکی دلچسپیاں ہٹ گئیں اور جب ملازمت نہیں رہی تو پھر جماعت بنانے کی سوچنے لگے۔ (یعنی جماعت اسلامی "بے کار مباش کچھ کیا کرو" کے خیال سے وجود میں آئی ہو) اس "وسوسہ اندازی" کے سلسلہ میں جن دو مقامات کا مبہم حوالہ دیا گیا ہو وہ ہدیۂ ناظرین ہیں:۔

(الف)۔ ادارہ دارالاسلام کا ذکر کچھ عرصہ کے بعد ترجمان میں آنا بند ہو گیا۔ پھر...... مجھے معلوم ہوا کہ مولانا اس کام کے آگے بڑھنے سے مایوس ہو گیے ہیں۔ اس لیے اب اس کی دعوت کا سلسلہ جاری نہیں ہو۔ اور اسلئے انھوں نے کالج سے تعلق قائم کر لیا ہو۔" (الفرقان ص۶۱)

(ب)۔ "جنگ شروع ہو جانے کے بعد سے مولانا مودودی نے ترجمان القرآن میں جو مضامین مسلسل ہندوستانی تحریکات اور مسلمانوں کے نصب العین کے متعلق لکھے...... ان مضامین ہی کی آخری قسطوں سے معلوم ہوا کہ مولانا اب پھر کوئی جماعت اس کام کیلئے بنانا چاہتے ہیں جسکی وہ دعوت دے رہے ہیں۔ (یہاں یہ بات ذکر کرنے سے رہ گئی کہ مولانا نے کالج سے جو تعلق قائم کر لیا تھا وہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ختم ہو گیا تھا جسکی تفصیل مجھے معلوم نہیں) (ص۶۳)

ان دو مقامات کی طرف اشارہ کر کے کہا گیا ہے کہ مولانا نے یہ "وسوسہ اندازی" ان مقامات پر بین السطور میں کی ہے۔ پہلی جگہ کے بارے میں تو ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مولانا کی عبارت ناظرین کے سامنے ہو۔ وہ خود فیصلہ کرلیں کہ یہ عبارت آیا یہ بتاتی ہے کہ ملازمت مل جانے کے بعد مولانا مودودی کی دلچسپیاں ادارہ دارالاسلام سے ہٹ گئیں۔ یا یہ بتاتی ہے کہ دلچسپی، مایوسی کے سبب سے پہلے ختم ہوئی اور بعد میں ملازمت اختیار کی؟ —— دوسرے مقام کے بارے میں عرض ہے کہ بیشک یہاں اس طرح کا وہم ہو سکتا ہے۔ مگر —— صرف اس شخص کو جس نے اس سے آگے کا مضمون نہ پڑھا ہو! —— اس کے آگے کا مضمون یہ ہے کہ "انھیں دنوں مولانا کا لاہور کا سفر ہوا۔ وہاں مودودی صاحب سے ایک مفصل گفتگو ہوئی اور اس گفتگو کا اختتام اس فیصلہ پر ہوا کہ مولانا نعمانی اس جماعت میں شرکت کریں گے جو مولانا مودودی بنانا چاہتے ہیں۔" آگے کے اس مضمون کے بعد؛ ہم یہ سمجھنے سے قطعاً معذور

ہیں کہ کسی شخص کو یہ شبہ بھی کیسے ہوسکتا ہے کہ مذکورہ بالا الفاظ سے مولانا نعمانی کا مقصد مودودی صاحب کے بارے میں اس طرح کی وسوسہ اندازی ہو! اگر مولانا کا مقصد یہ ہوتا تو کیا وہ اتنی بات نہ سوچتے کہ آگے کی بات کے ساتھ، اس طرح کا تأثر دینا انھیں کس قدر غلط پوزیشن میں لے جائے گا؟ اُن سے پوچھا جاسکتا ہے کہ جب آپ جماعت سازی کے ارادے میں مودودی صاحب کو مخلص نہیں سمجھ رہے تھے بلکہ اُن کے اس ارادہ کو "بے کار مباش کچھ کیا کر" کے قبیل سے سمجھتے تھے تو آپ ان کے ساتھ شرکت پر کیسے راضی ہوگیے تھے! ـــــ اس تحریف پر اس کے سوا کیا کہا جائے کہ یا تو تنقید نگار صاحب کی بدگمانی نے یہ گل کھلایا ہے۔ یا انھوں نے سوچا تھا کہ "اقامت دین" کے اجارہ داروں کی طرف سے اتنا بھی بے اعتماد کون ہونے لگا کہ ان کی بیان کی تصدیق کے لیے الفرقان کھولکر بیٹھے گا۔!

(۳)۔ (مودودی صاحب کی ذات کے متعلق چھان بین میں نعمانی صاحب داڑھی اور بالوں سے آگے نہیں بڑھے۔ اور محض اسی پر انھوں نے مودودی صاحب کی عالمگیر اسلامی تحریک کے بارے میں بھی فیصلہ کر ڈالا ہے) ـــــ "چھان بین" کے لفظ کا اشارہ اسی لاہور والی گفتگو کی طرف ہے جس کا ذکر ابھی گزرا۔ اس گفتگو کے نقاط میں سے ایک نقطہ مودودی صاحب کی اُس زمانہ کی نہایت مختصر داڑھی اور ان کے انگریزی بال بھی تھے۔ اس گفتگو کے تذکرہ میں مولانا نعمانی نے مولانا مودودی کی داڑھی اور ان کے بالوں کا ذکر کیا کر دیا کہ "کُل دین" کے داعیوں کی بن آئی۔ اُن کے "کُل" دین کو بھلا شخصی زندگی سے تعلق رکھنے والے اِن سنن و واجبات اور مکروہات سے کیا سروکار؟ اُن کا "کُل" دین تو صرف اجتماعیات کا دستور العمل ہے، اور اُسے سروکار صرف اس سے ہے کہ ایوان سیاست کا رنگ کیا ہونا چاہیئے! ان کے نزدیک شخصی زندگی سے تعلق رکھنے والے سنن و واجبات اور مکروہات کے باب میں، نہ صرف عوام اور نو واردانِ تحریک پر شدت نہ برتنی چاہیئے۔ بلکہ نیابت نبوی کا مقام سنبھالنے والے داعیٔ حق اور قائدِ تحریک اقامت دین کی زندگی کے بھی اِن پہلوؤں پر نظر نہ کرنی چاہیئے۔ ورنہ ان کی آنکھوں میں یہ نقشہ کھنچ جاتا ہے کہ:-

"داعی کہتا ہو توحید کے تقاضے یہ ہیں انھیں پورا کرو، جواب ملتا ہے کہ ٹھیک ہے۔ لیکن آپ کی داڑھی تو چھوٹی ہے۔ داعی کہتا ہو کہ قیصریت کو بھی آسمانی بادشاہت

کے تابع کرو۔ جواب ملتا ہے۔ بجا فرمایا لیکن آپ کھانا تو بغیر ہاتھ دھوئے کھاتے ہیں۔"

(زیر بحث تنقید ہی کا ایک اقتباس)

اللہ! اللہ!! ایک وہ نائب نبی تھا (دین کی مزاج شناسی اور اس کی کُلّی اقامت ہیں جس کی گرد کو بھی پہنچنا محال ہے) کہ "توحید کے تقاضے" بیان کرتے ہوئے جب اسے ٹوکا گیا کہ "پہلے یہ بتاؤ تمھارے جسم پر دو چادریں کہاں سے آئیں! اسکے بعد یہ تقاضے" تمھارے منہ سے سنے جا سکتے ہیں" تو وہ وہیں ساکت و صامت ہو گیا۔ اس نے یہ نہیں کہا ___ اور اُس کے پاس جو سینکڑوں اصحاب نبیؐ کا مجمع تھا، اس میں سے بھی کسی نے یہ نہیں کہا ___ کہ یہاں توحید کے تقاضے بیان ہو رہے ہیں۔ یہاں قیصریت و کسرویت کا تختہ اُلٹ کر (روم و ایران میں) "آسمانی بادشاہت" کے جھنڈے گاڑنے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ اور تُو ایک چادر اور دو چادروں کے چکر میں پڑا ہوا ہے!

بہرحال، یہ بیچ میں تو ایک آہ تھی جو "کُل دین" کے داعیوں کے قلم سے سُنن نبوی کی برملا تحقیر دیکھ کر، بے اختیار کھنچ آئی۔ ورنہ گفتگو کا اصل نقطہ تو کچھ اور تھا۔

گفتگو اس پر کرنا تھی کہ کیا واقعۃً، مولانا نعمانی نے مودودی صاحب اور اُن کی تحریک کے بارے میں جو رائے قائم کی ہے، وہ مودودی صاحب کی داڑھی اور بالوں پر کی ہے؟ جماعت اسلامی کے ایک نقیب نے دنیا کو یہی بتایا ہے، اور اس نقطہ پر پہنچ کر کامل یقین ہو جاتا ہے کہ اِن حضرت نے یہی سوچا تھا کہ برسوں سے "کُل دین" کی دعوت کی علمبرداری کے باوجود کیا لوگوں میں اتنا بھی اعتماد پیدا نہ ہوا ہوگا کہ وہ ایک شائع شدہ چیز کے بارے میں بھی ہمارے بیان کی تصدیق کے لیے اصل شے کی طرف رجوع کریں! لوگ تو "جزوی" دین کے داعیوں سے بھی اتنی بے اعتمادی مشکل سے کرتے ہیں ___ چنانچہ جماعت کے حلقہ میں تو کم از کم، اس پر اتنا اعتماد ہو ہی گیا کہ ایک صاحب نے بغیر الفرقان پڑھے، زیادہ تر اپنے انھیں دوست کی دی ہوئی معلومات کی بنیاد پر ایک نہایت "مہذّب" اور "شستہ" قسم کا مضمون الفرقان کے جواب میں لکھ مارا۔ (اللہ تعالےٰ اِن بزرگ کو اس "زود کاری" کی پشیمانی سے بچائے!) ___ لیکن ہم آپ سے

عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ کو بھی ان حضرات سے حسنِ ظن تھا تو آپ محض ہمارے اعتماد پر اس حسنِ ظن میں کمی نہ کریں "کل" دین کے داعیوں اور "طریقِ انبیاء" پر تربیت پانے والوں سے جو توقع ہونی چاہیے وہی رکھیں، مگر صرف اتنا کرلیں کہ الفرقان کا مضمون خود پڑھ لیں اور دیکھ لیں کہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے بارے میں، مولانا نعمانی جس آخری رائے[1] پر پہونچے ہیں وہ مودودی صاحب کی سولہ برس پہلے کی ڈاڑھی اور بالوں کی بنیاد پر پہونچے ہیں، یا اُن معلومات کی بنیاد پر پہونچے ہیں جو مودودی صاحب کے قریبی رُفقار اور جماعت اسلامی کے ان چوٹی کے زُعماء سے براہ راست مل کر انھیں حاصل ہوئیں، جن کی ثقاہت اور خوفِ آخرت کی جماعت اسلامی کے یہ دوست کل تک قسمیں کھاتے تھے۔ اور جماعتِ اسلامی ہند کے مرکزی ترجمان ماہنامہ "زندگی" نے اپنی تازہ اشاعت ہی میں جن "قسموں" کا اعادہ بھی کیا ہے۔

مولانا نعمانی کے مضمون کا پہلا ہی صفحہ کھولیئے! آخر میں آپ کو یہ سطریں ملیں گی:-

"پھر اب سے تین چار مہینے پہلے (آخر نومبر ۶۰ء میں) جب اتفاق سے پاکستان جانا ہوا اور وہاں مولانا مودودی اور جماعتِ اسلامی کے بارے میں قابل وثوق ذرائع سے ایسے معلومات حاصل ہوئے جن کے بعد کسی حسنِ ظن اور خیر کی توقع کے لیے گنجائش باقی نہیں رہی۔"

یہ مولانا کے تمہیدی نوٹ کی سطریں ہیں، اس نوٹ کے بعد اصل مضمون شروع ہوتا ہے اور سرگذشت کا وہ مقام آتا ہے جہاں مولانا کے اس اجمال کی تفصیل سامنے آتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نومبر ۶۰ء میں پاکستان جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں فلاں فلاں حضرات سے ملاقات ہوئی اور ان سے یہ معلوم ہوا کہ

---

[1] بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات، مولانا نعمانی کی تازہ اور آخری رائے کے بارے میں کہی گئی ہے۔ اسلیے ہم نے اصل گفتگو تو اسی مفہوم پر کی ہے، مگر چونکہ بات کا انداز کچھ ایسا گول مول ہے کہ عام طور پر تو لوگوں کا ذہن اسی طرف جائے، مگر کچھ اس کی بھی گنجائش رہے کہ اشارہ اس "فیصلہ" کی طرف تھا جو مولانا نے پندرہ برس پہلے جماعت اسلامی سے علیحدگی کا کیا تھا۔ لہذا بہتر ہے کہ ہم اس کے بارے میں بھی بتادیں کہ اس مفہوم کے لحاظ سے بھی بات بے اصل ہی ہے۔ اس لیے کہ مولانا نے جماعت میں اس وقت شرکت کی جب مودودی صاحب کی ڈاڑھی بہت مختصر تھی، اور علیحدگی اس وقت اختیار کی جب یہ بات نہیں رہی تھی۔ اور مولانا مودودی کی ڈاڑھی شریعت کے مطابق ہوچکی تھی۔

مودودی صاحب کے سامنے اب مسئلہ صرف اقتدار حاصل کرنے کا ہے اور اس مقصد کیلئے وہ جس وقت جو پالیسی اختیار کرنا مناسب سمجھیں اختیار کرنے پر آمادہ ہیں چاہے وہ اسلام کے اصولوں کے کتنے ہی خلاف ہو وہ اس کو اختیار کرلیں گے اور اس کے لیے اگر ضرورت پڑی تو وہ اسلامی اصولوں کی من مانی تشریح کریں گے۔"

نیز معلوم ہوا کہ یہ حضرات مودودی صاحب کو اس راہ سے ہٹانے کی کافی کوشش کرنے کے بعد مجبوراً جماعت سے الگ ہوئے ہیں ـــــ تب مولانا اس مقام پر آئے کہ اب اس سلسلہ سے کسی حسن ظن اور خیر کی توقع کے لیے گنجائش باقی نہیں ہے۔

یہ حضرات کون تھے؟ ان کے نام ابھی چند صفحات پیشتر مولانا نعمانی کے مضمون کا خلاصہ کرتے ہوئے ذکر میں آئے ہیں، وہاں دیکھ لیجئے!

درحقیقت مولانا نعمانی کے مضمون کا یہی وہ مقام ہے جس نے جماعت اسلامی (ہند) کے حلقوں کو اس حد تک چراغ پا کر دیا کہ انھوں نے اپنے ادعائی منصب کی ذمہ داریوں کو بھی لپیٹ کر رکھ دینے کا تہیہ کرلیا اور اپنے صحافتی ذرائع کی کثرت کے زعم میں وہ اس پر کمربستہ ہوگئے کہ اس مضمون کی صورت ہی لوگوں کے سامنے مسخ کرکے رکھ دیں۔ اور پروپیگنڈے کا اتنا غبار اس کے اوپر اڑائیں کہ منظر عام پر آیا ہوا مضمون اس غبار کی تہ بہ تہ تاریکیوں میں چھپ کر رہ جائے! ـــــ ان حضرات نے مولانا امین احسن صاحب اصلاحی وغیرہ کی علیحدگی پر ایسی چپ سادھ رکھی تھی کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ لیکن جب خبریں "داگھہ" کے اس پار بھی پہونچ ہی گئیں اور چہ میگوئیاں شروع ہوئیں اور اس حقیقت کا احساس ہوگیا کہ شتر مرغ اگر سوں ریت کے نیچے بھی اپنا سر چھپالے تو اس سے آئی ہوئی آندھی رک نہیں سکتی!!...........

تب ان حضرات نے بذات خود تو یہ موقف اختیار کیا کہ "جس جنگ میں ہمارے ہاتھ شریک نہیں ہوئے اس میں ہمارا دماغ اور ہمارے زبان وقلم کیوں شریک ہوں؟" لیکن معلوم تھا کہ اس حکیمانہ تلقین سے لوگوں کا تجسس ختم نہیں ہوسکتا اس لیے محض "افکار معاصرین" کے طور پر دوسروں کی لکھی ہوئی اس طرح کی چیزیں نقل کرنا شروع کیں کہ یہ علیحدہ ہونے والے لوگ محض لکھنے پڑھنے کے کام کے تھے۔ "دعوتی مرحلہ" میں تو یہ آسانی سے مودودی صاحب کے ساتھ چلتے رہے مگر جب تحریکی "جدوجہد" کا دور آیا تو چونکہ یہ لوگ اس جدوجہد کا بوتا نہیں رکھتے تھے اس لیے قافلے سے الگ ہوکر بیٹھ رہے ـــــ مگر یہ دسیسہ اندازیاں

بھی کارگر ہونے والی نہیں تھیں۔ اس لیے کہ لوگوں کے حافظے اتنے کمزور تو نہیں ہو سکتے کہ وہ ابھی چند ہی سال پہلے کے ان واقعات کو یکسر بھول جائیں کہ ان لوگوں میں بعض وہ بھی ہیں جنھوں نے کشمیر کے مسئلہ پر مودودی صاحب کے ساتھ جیل بھگتی، پھر مارشل لا کے دوران میں بھی قید و بند کی رفاقت کا حق ادا کیا، اور ان بار بار کی آزمائشوں کے بعد بھی "عافیت" کی راہ اختیار نہیں کی ـــــ اور بہت سے لوگوں کے ذہن میں تو ابھی وہ "نقش" بھی تازہ ہوگا جو کراچی کے ایک ماہنامہ نے (جس کی مودودی صاحب سے عقیدت کی کوئی انتہا نہیں ہے) اپنے صفحات میں مولانا امین احسن صاحب سے متعلق کم و بیش ان الفاظ میں ثبت کیا تھا۔

"اگر آسمان کی ساری بجلیاں اور زمین کے سارے پہاڑ بھی راستہ میں آجائیں تو اس مردِ خدا کے پائے استقامت کو لغزش نہیں ہو سکتی"۔

ـــــ پھر آخر موجودہ "تحریکی" مرحلے میں وہ کس درجہ کی صعوبتیں اور آزمائشیں پنہاں ہیں جن کے تصور سے کل کے یہ "مردانِ خدا" میدان چھوڑ بیٹھے؟ ـــــ ظاہر ہے پرانی یادوں کے ساتھ یہ سوال لوگوں کے ذہن میں ضرور اُٹھتا! اس لیے مجبوراً ایک قدم بڑھا کر اصل حقیقت کو اس افسانے میں گم کرنے کی کوشش کی گئی کہ "یہ علیحدگی صرف مقامی طریق کار کے بارے میں اختلاف رائے کا نتیجہ ہے۔" ـــــ اور ظاہر ہو کہ اس صورت میں، جماعت اسلامی ہند کے افراد کے لیے، اس اختلاف کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔

جماعت اسلامی ہند کے مرکزی اور مقامی ارباب حل و عقد اس پالیسی پر گامزن تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ جماعت کے بارے میں غور و فکر کا یہ ایک نیا پہلو لوگوں کے سامنے آئے (کہ اس سے اگر جماعت کے اندر کسی بڑے بحران کا خطرہ نہیں بھی تھا جب بھی یہ بات یقینی تھی کہ ترقی میں رکاوٹ پڑے گی) کیونکہ یہ پہلو (کہ مودودی صاحب کے، مولانا امین احسن صاحب اور قاضی عبدالجبار صاحب جیسے 'روز اول کے اور صعب اول کے رفیق پندرہ پندرہ برس ساتھ رہ کر کام کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے کہ مودودی صاحب "اقامت دین" کے نام پر لیلائے اقتدار کے طالب ہیں، اور اس مقصد کے لیے وہ لوگوں کو گمراہ بھی کر سکتے ہیں) ان تمام لوگوں کے لیے ہر چیز سے زیادہ قابل لحاظ تھا جنھوں نے اپنے فکر و نظر کی باگ ڈور مودودی صاحب کے ہاتھ میں نہیں دے دی ہو، خصوصاً اس لیے اور بھی کہ اُن کے سامنے صورت حال کا یہ نقشہ بھی ہے کہ مودودی صاحب کی تحریک سے جو لوگ وابستہ ہو گئے ہیں وہ اصالتاً کتاب و سنت سے وفاداری

کا وظیفہ پڑھنے کے باوجود مودودی صاحب کے اس مبینہ موڑ پر چونکنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں بلکہ دوسروں کو بھی مطمئن رکھنا چاہتے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہو کہ مودودی صاحب انھیں جس راستہ پر بھی لے جائیں گے یہ آنکھیں بند کیے چلے جائیں گے، غرض یہ خطرہ تھا جس کی وجہ سے جماعت اسلامی ہند کے ارباب حل وعقد نے (خواہ ازراہ اخلاص ہی[1]!) یہ پالیسی اختیار کر رکھی تھی کہ اس حقیقت کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دو، مگر مولانا نعمانی کے مضمون کی اشاعت نے حقیقت پر سے پردہ اٹھا دیا جس سے ایک طرف جماعت کی ترقی کو خطرہ لاحق ہوا، دوسری طرف اس مضمون کا نفسیاتی اثر جماعت اسلامی کے حلقہ پر یہ ہوا جیسے ان کی کوئی "چوری" کھل گئی ہو۔۔۔ بس اس چیز نے ان کو ایسا آتش در نعل کیا کہ وہ "کل" دین کی دعوت کے سارے تقاضے بھول کر اس سطح پر آ گئے جس پر، انھیں دیکھ کر ان کا کوئی معاند تو خوب خوب خوش بھی ہو سکتا ہو کہ اس کا بہت سا کام انھوں نے اپنے ہاتھوں کر دیا۔ مگر بخدا! ہم تو سر پیٹ رہے ہیں کہ

"چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟"

آخر اصولاً "دیانت" کا تصور تو ان کے ہاں بھی وہی ہو جو دین کے تمام حلقوں میں ہو۔ پھر جب کُل دین کی دعوت کے علمبرداروں کے ہاں دیانت کا یہ حال ہو تو زمانہ کسی اور سے کیا امید رکھے گا!

---

[1] "ازراہ اخلاص" کا لفظ ہم نے تکلفاً نہیں لکھا ہو، بلکہ ہم اپنا مذاقی سے یہ سمجھتے ہیں اور مرکز کے متعدد افراد سے ذاتی واقفیت کی بنا پر یہ حسن ظن رکھتے ہیں کہ ان کی یہ پالیسی غالباً یہ سوچ کر رہی ہوگی کہ "مودودی صاحب اگر بہک بھی گئے ہیں تو اس وقت جماعت کی بہتری کے لیے اس کو دبانا چاہیے۔ بعد میں تحقیق سے اگر ہم بھی ان خبروں سے متفق ہو گئے تو یہاں کی جماعت چونکہ ہمارے ہاتھ میں ہو اسلیے ہم انکو مودودی صاحب کے غلط اثرات سے بچانے کی کوشش کریں گے۔" ہمارے ضمیر کا تقاضہ ہو کہ اس طرح کی کوئی توجیہ ہم کم از کم ان حضرات کے بارے میں ضرور کریں جن سے واقفیت کی بنا پر ہم انھیں حسن ظن کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اگرچہ ہم اس سے بالکل متفق نہیں ہیں کہ جماعت کے عام افراد کے ذہن و فکر پر (الا ماشاء اللہ) مودودی صاحب کے سوا کسی اور کا سکہ بھی رواں ہو سکتا ہو۔ اس بارے میں زیادہ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں کسی دوسرے موقع پر تفصیل کی جا سکتی ہے۔ ۱۲۔

# (دوسرا مضمون)

۱۔ (مولانا مودودی پر یہ طنز کی گئی ہو کہ ان کی زندگی میں تقویٰ کی کمی پائی جاتی ہو۔ اور ان کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا وہ رنگ و بو نہیں ہو۔۔۔۔۔الخ) ــــــ (الف) مولانا نعمانی کا مضمون از اول تا آخر دیکھ جائیے، اس میں (دارالاسلام کی مودودی صاحب کی چند روزہ رفاقت کے مشاہدات و تاثرات کے بیان کے سلسلہ میں) اپنا یہ احساس تو بصراحت بیان کیا گیا ہو کہ مودودی صاحب کی زندگی میں تقوے کی بڑی کمی محسوس کی گئی، مگر طنز کے پیرایہ میں یہ بات کہیں نہیں کہی گئی، کسی کے اندر تقوے کی کمی پر طنز کرنے کا مطلب تو یہ ہو کہ آدمی خود کو بڑا متقی سمجھتا ہو اور غالباً یہ "طنز" کی بات یہی تاثر دینے کے لیے (یا خود اپنے اس تاثر کے ماتحت) کہی گئی ہے ــــــ اور اس کے بعد ظاہر ہو مولانا کے مضمون کا کیا اثر رہ سکتا ہے!

(ب) مولانا نعمانی کے الفاظ یہ تھے کہ "اور اس کی سیرت ۔۔۔۔۔۔ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ و بو کا اگر اتنا حصہ بھی نہیں ہو کہ ۔۔۔۔۔ الخ" ظاہر ہو ان الفاظ پر وہ تبصرہ نہیں ہو سکتا تھا کہ "(اخلاق محمدی کا کامل نمونہ ہو کون سکتا ہو؟ مودودی صاحب تو کیا چیز ہیں اگر کوئی حضرت امام ابو حنیفہ سے بھی کہتا کہ حضرت آپ اخلاق محمدی کا کامل نمونہ نہیں ہیں، تو وہ بھی اعتراف کرتے کہ ہاں بھائی بالکل ٹھیک کہتے ہو"! لہٰذا "رنگ و بو کا اتنا حصہ" کو "بادنیٰ تصرف" "وہ رنگ و بو" کر دیا گیا۔ اور اس تعبیر پر چونکہ اس خیال کی بھی گنجائش تھی کہ مولانا نعمانی نے مولانا مودودی پر "اخلاق و سیرت محمدی کا کامل نمونہ نہ ہونے" کی طنز کی ہو۔ اس لیے "معمولی" سے تصرف کے ذریعہ اس خیال کے لیے زمین ہموار کر کے تبصرہ میں اس کا پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا، اور اپنے قارئین کا ذہن اس خیال پر پوری پختگی کے ساتھ جما دیا گیا کہ مولانا نعمانی نے ایسی ہی "غیر ذمہ دارانہ" اور "طفلانہ" طنز کی ہو! ــــ اور جو شخص اس طرح کی باتیں کرے اس کی باتوں کا کیا وزن؟

۲۔ (مولانا نعمانی نے صرف ایک خاص صفت (تقویٰ) کی کمی کی بنیاد پر یہ حکم لگایا ہو کہ مودودی صاحب کی ذات سے خیر کی توقع ہی نہیں رہی) ــــ پہلی بات تو یہ ہو کہ مولانا نعمانی نے یہ کیا! سرے سے کوئی "حکم" "مودودی صاحب کی ذات کے بارے میں یا ان کی جماعت کے بارے میں اپنے اس علیحدے

مضمون میں لگایا ہی نہیں۔ یہ بات ہم مضمون کی نوعیت بتاتے ہوئے شروع ہی میں ناظرین کے ذہن نشین کر چکے ہیں۔ وہ چند صفحات پیچھے پلٹ کر اس مقام کو پھر دیکھ لیں اور جی چاہے تو اصل مضمون سے اس کی تصدیق کر لیں، انشاء اللہ یہ بات حرف بحرف صحیح ثابت ہوگی! ـــــ مولانا نے بجائے کوئی "حکم" لگانے کے صرف اپنی حد تک اس بات کا اظہار کیا ہے کہ "حال میں پاکستان جا کر جو معلومات حاصل ہوئیں، انکے بعد میرے لیے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے بارے میں کسی حسن ظن اور خیر کی توقع کی گنجائش باقی نہیں رہی"[1] اس پر جو کوئی یہ حکم لگاتا ہے کہ مولانا نعمانی نے خیر کی توقع نہ رہنے کا "حکم" لگایا ہے۔ اس کی فہم و دانش کو کیا کہیے؟ ـــــ اور اگر فہم و دانش کو کچھ نہ کہیے تو مہارتِ تصرف کی داد دیجیے!

دوسری بات یہ ہے کہ پہلے تنقید نگار نے تو لوگوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی تھی کہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی طرف سے مولانا نعمانی کی مایوسی کی بنیاد اور کچھ نہیں صرف مولانا مودودی کی ڈاڑھی اور بالوں کی وضع قطع ہے۔ ان دوسرے صاحب نے ایک اور بات پیدا کی اور وہ یہ کہ اس مایوسی کی بنیاد صرف یہ احساس ہے کہ مودودی صاحب میں تقوے کی کمی ہے ـــــ یہ دونوں باتیں اگرچہ مختلف ہیں مگر برابر کی ٹکر کی ہیں، اور سچی بات یہ ہے کہ دوسرے صاحب سے جس حسن ظن کا اظہار ہم نے شروع میں کیا ہے یہاں آکر وہ بھی پاش پاش ہو جاتا ہے۔ اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اسے کس طرح سنبھالیں! مگر کیا کریں ہمارا دل اُن سے بدگمان ہونے کو اب بھی تیار نہیں ہے۔ کاش! وہ خود ہی ہمیں اپنے ان پے بہ پے ریمارکوں (Remarks) کی کوئی توجیہ بتا دیں، جو اسی بے اصل بنیاد پر انھوں نے اپنے تبصرے میں جابجا پھیلا دیے ہیں۔

بہرحال اس دوسرے نقطۂ اعتراض کے بارے میں کہنا یہ ہے کہ یہ بے اصل ہونے میں بالکل اسی قبیل سے ہے جس قبیل سے پہلے ناقد صاحب کا تیسرا نقطۂ اعتراض تھا، اور اصل حقیقت وہ ہے جو اس پر گفتگو کرتے ہوئے ظاہر ہو چکی ہے، یعنی مولانا نعمانی کے بیان میں اس کا شائبہ تک نہیں کہ انھوں نے "مایوسی" کا یہ آخری موقف مولانا مودودی صاحب کے اندر صفت تقویٰ کی کمی کی بنیاد پر اختیار کیا ہے، بلکہ اس کے برعکس اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کے بارے میں اپنے اس پختہ احساس کے باوجود کہ

---

[1] ملاحظہ ہو الفرقان بابت شعبان و رمضان ص۵۵

(ان میں ضروری درجہ کا تقویٰ بھی نہیں ہے) وہ نہ جماعت اسلامی سے مایوس ہوئے اور نہ یہ فیصلہ کیا کہ مودودی صاحب کی ذات سے خیر کی کوئی توقع نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو مولانا نعمانی کا مضمون ص۴۲) بلکہ اس مقام پر مولانا امین احسن صاحب اور حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب وغیرہ کے تازہ تاثرات سننے پڑ گئے۔ جن میں "تقویٰ" کی کمی کا کوئی ذکر نہیں ہے، ضلال اور انحراف کے رجحان کا ذکر ہے ـــــ افسوس ہے کہ جماعت اسلامی کے اہل قلم مولانا نعمانی کے آخری موقف کی اس واقعی بنیاد کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہیں۔ اور اپنی منفعی فروداں کو پس پشت ڈال کر عام بندگان خدا کی نظر کو بھی اس واقعی بنیاد سے ہٹا کر فرضی "بنیادوں" میں الجھا دینا چاہتے ہیں ـــــ کاش یہ سب نادانستہ ہو رہا ہو۔

۲۔ (مولانا نعمانی کو مولانا مودودی اور جماعت اسلامی سے جو بدظنی ہوئی ہے اور اس میں ان کو اب خیر کے بجائے ضلال کے آثار نظر آنے لگے ہیں، ان کی بہت بڑی بنیاد ـــــ بعض بزرگوں کی پیشگوئیاں اور ان کا وجدان ـــــ استخارے ـــــ اور خوابوں میں بعض اشارے ہیں!) ـــــ ہم کیسے بتائیں! کہ مولانا نعمانی کے تازہ موقف کی بنیادوں کے اس ناقدانہ تجزیہ نے ہمارے حسنِ ظن کو کیسی آزمائش میں ڈال دیا ہے (اللہ اسے قائم رکھے! کہ یہ بہت ہی عزیز ہے۔ اور وہ غائبانہ تعلق خاطر جو ہمیں برسوں سے تنقید نگار کے ساتھ ہے، دل نہیں چاہتا کہ وہ شکست ہو!) مولانا کے پورے مضمون میں کسی "بزرگ" کی "پیشگوئی" کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں ہے، ایک جگہ "استخارے" کا ذکر ہے۔ اور وہ صرف اتنا ہے۔

"ان دنوں اور ان راتوں میں، میں مسلسل دعا اور استخارہ بھی کرتا تھا۔"

یہ کن "دنوں" کی بات ہے؟ ـــــ بہتر تو یہی ہے کہ ناظرین اصل مضمون (ص۴۲) سے رجوع کریں۔ لیکن کسی کو فرصت نہ ہو یا اصل مضمون دسترس سے باہر ہو، اور ہم پر اعتماد ہو تو مختصراً عرض ہے کہ یہ ان دنوں کی بات ہے جب مولانا نعمانی جماعت اسلامی سے وابستگی کے دور میں جماعت کے مجوّزہ مرکز دارالاسلام جا کر مولانا مودودی کے ساتھ رہے اور وہاں ان کے سامنے "شہادت زور" کا مسئلہ[1] پیدا ہو گیا، تو اس بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے کہ اب جماعت کے اندر رہنا میرے لیے جائز ہے یا نہیں، جب انھیں کوئی اور روشنی نہ ملی اور طبیعت سخت پریشان ہونے لگی تو پریشانی کے ان دنوں میں

---

[1] اس مسئلہ کی کچھ تفصیل ہم نے خلاصہ مضمون میں کر دی ہے۔ ضرورت ہو تو اسے پھر ملاحظہ فرمائیں۔

انھوں نے "مسلسل دُعا اور استخارہ بھی کیا ___ اس سے مولانا کو کیا رہنمائی ملی؟ اس کا کوئی ذکر مولانا نے نہیں کیا ہے۔ اول و آخر بس اتنا ہی ذکر ہے جو سامنے آ گیا۔ اس کے بعد مطلق پتہ نہیں چلتا کہ اس استخارہ کا اثر مولانا پر کیا ہوا۔ بس یہ پتہ چلتا ہے کہ کئی مہینے کے غور و فکر اور اصحاب علم و بصیرت سے مشاورت کے بعد مولانا نے اپنے لیے یہی طے کیا کہ وہ جماعت سے علیحدگی اختیار کرلیں اور پھر اس علیحدگی کے بعد بھی مولانا کے بیان سے صراحتاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جماعت سے صرف ضابطہ کی حد تک علیحدہ ہوئے، ورنہ جماعت کے بارے میں رائے وہی رہی جو شرکت کے وقت تھی، اور مودودی صاحب کی تحریروں سے بھی وہ "لوگوں کو استفادہ کا مشورہ دیتے رہے"۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۸۴) اس کے باوجود یہ ارشاد ہے کہ "مولانا نعمانی "استخاروں" کی بنیاد پر جماعت اسلامی اور مولانا مودودی سے بدظن ہوئے..... الخ"! بس کیا کہیے اور کیسے کہیے؟۔

تیسری بہت بڑی بنیاد" ___ "خوابوں میں بعض اشارے" ___ بتائے گئے ہیں! جن لوگوں نے الفرقان کا مضمون نہیں پڑھا ہے وہ اس سے کیا سمجھیں گے؟ یہی نا! کہ یہ "اشارے" مولانا نے خود اپنے خوابوں سے لیے ہیں۔ اور اس کا سب سے بڑا تاثر قاری کے ذہن پر کیا ہوگا؟ ___ یہ کہ مولانا بڑے زعم "رسائی" میں مبتلا ہیں۔ اپنے خوابوں کے بارے میں خود ہی "رویاءِ صادقہ ہونے کا نہ صرف گمان کر لیتے ہیں بلکہ بے تکلف اسی حیثیت سے ان کو دنیا کے سامنے پیش بھی کر دیتے ہیں! حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ مولانا نعمانی نے اپنے کسی خواب کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ ایک جگہ بہار کے ایک ایسے صاحب علم اور صاحبِ صلاح بزرگ کے متعلق جو پہلے جماعت اسلامی سے بہت قریب تھے، بلکہ اس کے سرگرم داعی اور مبلغ تھے، اور بعد میں ان کے دل میں (بقول ان کے بغیر کسی ظاہری سبب کے) جماعتِ اسلامی کی طرف سے سخت وحشت اور بعد کی کیفیت پیدا ہو گئی (ان کے متعلق اپنے بیان میں ایک جگہ) ذکر فرمایا ہے کہ ___ "انھوں نے مجھے اپنے دو تازہ خواب بھی سنائے"۔ ___ آگے مولانا نعمانی کے الفاظ یہ ہیں کہ

"ان خوابوں کا اشارہ میں نے یہ سمجھا کہ غالباً اس سلسلہ کو ملاء اعلیٰ کی رضا حاصل نہیں ہے" (صفحہ ۹۴)

___ کتنا فرق ہے اس اصل حقیقت میں اور اس رنگ میں جو تنقید نگار نے اسے دیا ہے! ___ بیشک مولانا نے اُن صاحب کے ان خوابوں سے (اُنکے خاص حال اور اُنکی اس خاص باطنی کیفیت کی روشنی میں جو انھوں نے بیان فرمائی تھی) یہ اشارہ سمجھا کہ "غالباً اس سلسلہ کو ملاءِ اعلیٰ کی رضا حاصل نہیں ہے"۔

مگر کیا کسی خواب سے کوئی اشارہ سمجھنے میں (خواہ وہ کسی کے ضلال ہی کا اشارہ ہو) کوئی قباحت ہو؟ کتاب و سنت سے کوئی واقف کیا اسکو "سطحیت" کہہ سکتا ہو؟ غالباً تنقید نگار صاحب بھی سمجھتے تھے کہ ایسا نہیں کہا جاسکتا، مگران کو کہنا تھا، اس لیے انھوں نے آگے بڑھ کر یہ "استفتاء" مرتب کیا کہ

کیا فرماتے ہیں "فقیہان کرام" اور علمار عظام اس بارے میں کہ ——
"کسی فرد یا جماعت پر "ضلال" کا "حکم" بزرگوں کی "پیش گوئیوں" — "استخاروں" اور "خوابوں میں بعض اشاروں" پر لگایا جاسکتا ہو؟"

"استفتاء" کی عبارت سے چونکہ قارئین بیچاروں کے ذہن سے اصل قرار طلب بات تو محو ہوگئی اور اسکی جگہ پر یہ جلی "نقش" ابھر آیا کہ مولانا نعمانی نے خوابوں کے اشاروں سے (صرف ایک گمان قائم نہیں کیا ہو بلکہ) مولانا مودودی اور جماعت اسلامی پر "ضلال" کا "حکم" لگا دیا ہے۔ اس لیے اب یہ کہنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی کہ

"یہ تصور کس قدر طفلانہ، یہ رجحان کتنا خطرناک اور یہ فکر کس درجہ سطحی اور عامیانہ ہے۔"

اللہ! اللہ!! قلم کا جادو بھی کیا جادو ہو؟ جس بات کو چاہے جس رنگ میں دکھا دے! جس حقیقت کو چاہے دبا دے۔ اور جو نقش چاہے جما دے!

مولانا نعمانی نے اپنی سرگزشت میں ایک صاحب کے بعض خواب سُنکر پیدا ہونے والے اپنے اس گمان کا ذکر کیا تھا جو ابھی ابھی ہم نے بیان کیا ہو۔ پھر لکھا تھا کہ (چونکہ یہ رائے میری پہلے سے ہو چکی تھی کہ جماعت میں سلف کے فہم دین سے بے اعتمادی پھیل رہی ہو اسلیے ان خوابوں سے پیدا ہونے والے اشارے کی توجیہ کے طور پر) میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ "ممکن ہو، فہم دین کے بارے میں سلف سے بے اعتمادی کا جو زہر جماعت اسلامی کے ذریعہ پھیل رہا ہو وہ آئندہ کسی بڑے ضلال اور فتنہ کی بنیاد بننے والا ہو اور اسکی وجہ سے ملأ اعلیٰ میں اس سلسلہ کے خلاف بعض ناراضگی ہو" گویا خواب والے اشارہ کی توجیہ کے طور پر مولانا کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ممکن ہو اسکی وجہ یہ ہو کہ جماعت کے ذریعہ سلف کے فہم دین کی طرف سے جو بے اعتمادی پھیل رہی ہو وہ کسی بڑے ضلال کی بنیاد بننے والی ہو۔ مگر جب تک یہ بات "ممکن ہے" کے درجہ میں رہی مولانا نے اسکی اشاعت نہیں کی۔

(باقی صفحہ ۵۵ پر ملاحظہ کیجئے)

# قرآنی دعوت

(مسلسل)

## اخلاق حسنہ :-

اخلاق حسنہ کی دعوت وتعلیم بھی قرآن مجید کا خاص الخاص موضوع ہے اور یہ بات صرف عقیدت مندانہ نہیں، بلکہ خالص علمی اور تحقیقی بات بھی ہے کہ اخلاق کے بارے میں قرآن مجید کی تعلیم اتنی مکمل، اتنی جامع، ایسی معتدل اور انسانی فطرت کے اس قدر مطابق ہے کہ اگر انسان اس پر عامل ہو جائے اور اپنی زندگی کے اخلاقی پہلو کو قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم وہدایت کا پابند بنا لے تو وہ اس زمین پر انسان کی صورت میں رحمت کا ایک فرشتہ ہوگا ــــــ اس کا مکمل نمونہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مشہور ارشاد ہے ــ

"کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنُ" ــــ (آپ کے اخلاق وہی تھے جو قرآن مجید کی تعلیم ہے)

قرآنی دعوت وتعلیم کا یہ باب اتنا وسیع ہے کہ بلا مبالغہ ایک ضخیم کتاب اسی باب پر لکھی جا سکتی ہے۔ اس لیے یہاں اس کے خاص خاص ہی عنوانات پر مختصراً کچھ لکھا جائے گا ــــ

## صبر :-

قرآن مجید نے جن اخلاق پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور مختلف عنوانوں سے اور مختلف پیرایوں میں جن کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے اُن میں صبر کا خاص مقام ہے ــــ لیکن ہماری اُردو زبان میں صبر کے معنی بڑے محدود ہو گئے ہیں، سمجھا جاتا ہے کہ صبر کا مطلب بس یہ ہے کہ موت اور بیماری

اور فقر و تنگدستی جیسی مصیبتوں کو اس طرح سہ لیا جائے کہ شور و فغاں اور شکوہ و شکایت کا اظہار نہ ہو، اور کوئی ظالم اگر ظلم کرے تو اس کا انتقام نہ لیا جائے اور نہ نالہ و فریاد کی جائے ـــــ مگر قرآن کی زبان میں صبر کے معنی اس سے بہت زیادہ وسیع اور عمیق ہیں ـــــ مختصر الفاظ میں اس کی حقیقت کو کچھ اس طرح ادا کیا جا سکتا ہو کہ "کسی عظیم اور مقدس مقصد کے لیے (مثلاً اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے ثواب کے لیے یا دنیا میں نیکی پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کے لیے، یا دوسروں کی خدمت اور راحت رسانی کے لیے) صدموں، تکلیفوں، اور ناگواریوں کو برداشت کرنا، اور ناموافق حالات میں بھی حق اور سچائی پر مضبوطی سے جمے رہنا اور نیکی کے راستے پر چلتے رہنا صبر ہے۔

صبر کی اس حقیقت کو ذہن میں رکھ کر قرآن مجید کی مندرجۂ ذیل آیتیں پڑھیے، سب سے پہلے سورۂ بقرہ کی یہ آیت پڑھیے!

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ○ (البقرہ ع ۱۹) | اے ایمان والو! (مشکلوں اور تکلیفوں میں) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، (یہ بات ناقابلِ شک اور بالکل یقینی ہو) کہ اللہ (اور اسکی پوری مدد) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہو۔ |

صبر سے مدد حاصل کرنے کا مطلب سورۂ اعراف کی ان آیتوں سے اور زیادہ واضح ہو جاتا ہو جن میں مذکور ہے کہ جب فرعون اور اس کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کے سارے لڑکے قتل کیے جائیں اور لڑکیاں اور عورتیں باقی رکھی جائیں، تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو تلقین فرمائی۔

| | |
|---|---|
| اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ (اعراف ع ۱۵) | اللہ ہی سے مدد طلب کرو اور صبر کو اپنا شعار بناؤ (یعنی مضبوطی سے حق پر جمے رہنے کا فیصلہ کر لو، اور کمر کس لو، پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کیا کر کے دکھاتا ہو) ملک کا حقیقی مالک اللہ ہی ہو وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے ملک کا وارث بنا دیتا ہو۔ |

اس کے بعد سورۂ آل عمران کی آخری آیت پڑھیے، جو گویا اس عظیم سورت کے دفتر ہدایات کا حرف آخر ہے ــــ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥
(آل عمران ع ۲۰)

اے ایمان والو! صبر سے کام لو اور صبر کی صفت میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے اور آگے بڑھنے کی کوشش کرو، اور (راہ خدا میں جہاد و جہد کے لیے) مستعد اور کمر بستہ رہو، اور اللہ سے ڈرو (یعنی تقوے کو اپنا شعار بناؤ) امید ہو کہ تم فلاح پاؤگے۔

انسان کی یہ فطری کمزوری ہو کہ حق اور نیکی کے راستہ پر چلتے ہوئے جب اس کو مسلسل مصائب اور نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں اور اپنی قربانیوں کا کوئی پھل وہ نہیں دیکھتا تو اس میں مایوسی آتی ہو اور اس کی ہمت ٹوٹنے لگتی ہو ــــ ایسے موقعوں کے لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ٥
(ہود ع ۱۰)

اور صبر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہو کہ وہ نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا (دیر سویر ان کی نیکو کاری کا صلہ ضرور دیگا)

اللہ تعالیٰ کے اس دستور و قانون کا اعلان "سورۂ یوسف" میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان مبارک سے ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔

إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ٥
(یوسف ع ۱۰)

یہ بالکل یقینی اور قطعی بات ہو کہ جو لوگ تقوے اور صبر کی صفت کے ساتھ زندگی گزاریں تو اللہ تعالیٰ (ان کو ضرور نوازتا ہو، وہ) نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اور سورۂ نحل میں صبر کے حکم کے ساتھ یہ بھی واضح فرمادیا گیا ہو کہ صبر کی صفت وہ دولت عظمیٰ ہو جو اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق ہی سے نصیب ہو سکتی ہے۔ ارشاد ہے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (نحل ع ۱۶) اور صبر اختیار کرو اور یاد رکھو کہ تمہارا صبر کرنا بھی اللہ ہی کی مدد و توفیق سے ہوگا۔

اب رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق بندہ کیسے حاصل کرے؟ — اس کا جواب قرآن مجید ہی سے یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزم و ارادہ کی جو طاقت بندہ کی فطرت میں ودیعت رکھی ہے وہ ایک طرف تو اس سے کام لے یعنی مصیبتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں ثابت قدم رہنے کا ارادہ کرے اور اس کے لیے اپنی خداداد ہمت کو استعمال کرے، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ سے صبر اور ثابت قدمی کی دعا کرے — سورۂ بقرہ میں اگلے دور کی ایک جماعتِ مجاہدین کا ذکر کیا گیا ہے کہ اُن کا سابقہ ایک بڑے طاقتور اور جرّار فوج رکھنے والے دشمن (جالوت) سے پڑا، تو کچھ کمزور دل اور کمزور ایمان رکھنے والے تو جالوت اور اس کے لشکروں کو دیکھ کے ہی ہمت ہار بیٹھے اور انھوں نے کہا کہ ان سے ٹکر لینے کی ہم میں طاقت نہیں ہے (لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُوْدِهٖ) لیکن جن کے دلوں میں ایمان کی طاقت تھی انھوں نے کہا کہ فتح و شکست کا تعلق صرف قلت و کثرت ہی سے نہیں ہے بلکہ تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں کہ

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (بقرہ ع ۳۲) قلیل تعداد رکھنے والے بعض گروہ اپنے مقابل کے کثیر التعداد گروہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مدد سے غالب ہوئے ہیں، اور اللہ اور اس کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

بہرحال قرآن مجید کا بیان ہے کہ اللہ کے ان بندوں نے اپنے دلوں کو مضبوط کیا اور پھر اللہ تعالیٰ سے صبر و ثبات اور فتح و نصرت کی دعا مانگی اور عرض کیا

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ (بقرہ ع ۳۳) اے ہمارے پروردگار! ہمیں صبر سے سرشار کردے اور ہمارے قدم جمادے اور اس کافر گروہ پر فتح حاصل کرنے میں ہماری مدد فرما!

پھر اس معرکہ کا انجام قرآن مجید میں اس دعا کے بعد ہی متصلاً ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللهِ (بقرہ ع ۳۳)

پھر یہ ہوا کہ اللہ کی مدد اور اس کے حکم سے ایمان رکھنے والے اس قلیل التعداد گروہ نے دشمن کی کثیر التعداد فوج کو شکست دے دی۔

اس پوری روداد سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق حاصل کرنے کا راستہ یہ ہو کہ خود عزم و ہمت سے کام لے اور پورے اخلاص و الحاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق اور اس کا فیضان مانگے، جو بندہ ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو صبر کی دولت اور طاقت عطا فرمائے گا۔

## صبر والوں کا انجام اور مقام :-

اگرچہ مندرجہ بالا اکثر آیتوں میں بھی صبر کے حکم اور اس کی تلقین کے ساتھ اس کے اجر اور اس کی خوش انجامیوں کی طرف اشارات موجود ہیں تاہم دو تین آیتیں خاص صبر کے اجر و انجام ہی کے متعلق اور بھی پڑھ لیجئے!

سورۂ رعد میں ایک جگہ ان بندوں کے خاص اوصاف و اخلاق کا ذکر کیا گیا ہو جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص انعام ہوگا، اس سلسلۂ بیان میں ان بندوں کا ایک خاص حال یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے۔

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کی رضا طلبی میں (ہر قسم کی ناگواریوں اور سختیوں پر) صبر کیا۔

پھر ان کا اُخروی انجام بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَالْمَلٰئِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ○ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا

اور وہاں (جنت میں) اُن کے گھر کے ہر دروازے سے فرشتے اُن کے پاس

صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ (رعد ع ۲)

اُن کے اکرام کے لیے آئیں گے اور کہیں گے کہ سلام ہو تم پر بہ سبب اس کے کہ تم نے دُنیا میں صبر کو اپنا شعار بنایا۔ کیا ہی اچھا ہو یہ عاقبت کا ٹھکانا!

اور سورۂ آل عمران میں جنتی بندوں کے اوصاف و اخلاق بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے اُن کی صفت صبر ہی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ۔ الآیۃ (آل عمران ع)

صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والے۔

اسی طرح سورۂ احزاب میں جہاں مسلمان مردوں اور عورتوں کو اُن کے ایمانی اوصاف و اخلاق کی بنا پر مغفرت و رحمت کی بشارت سنائی گئی ہے وہاں بھی صبر کی صفت کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے ـــــ ارشاد ہے۔

"وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ"

(صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں)

اس کے بعد اسی قسم کی ان کی چند اور اخلاقی صفات بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (احزاب ع ۵)

اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں اور بندیوں کے لیے مغفرت (کا فیصلہ فرمایا ہے) اور اجر عظیم تیار کیا ہے۔

ان ہی چند آیات سے سمجھا جا سکتا ہے کہ قرآنی دعوت و تعلیم میں صبر کا کیا مقام ہے اور صابرین کے لیے دُنیا اور آخرت میں کیسی کیسی خوش انجامیوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت ہے۔ کاش! قرآن مجید کو اللہ کی کتاب ماننے والے ہم مسلمان ان حقائق پر کچھ غور کریں۔

---

# علم و ذکر

از جناب مولانا محمد اشرف صاحب ایم اے لیکچرار اسلامیہ کالج پشاور

(۳)

موجودہ زمانہ میں جبکہ دورِ رسالت کے بُعد کی وجہ سے اسلامی زندگی ٹوٹ چکی ہو، علم و ذکر کا حقیقی حصول ہی اس زندگی کو عالم میں دوبارہ قائم کرسکتا ہو اسکے لئے ضروری ہے کہ ہمارے علمی حلقوں پر ذکر کی کیفیت طاری ہو۔ دورِ رسالت میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اطہر ہی علم کی عظمت پیدا کرنے کے لئے کافی تھا۔ آج اس کا بدل اللہ کی عظمت اور اعلم الناس صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی و محبت کا دھیان ہے کہ جب ہم میں اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و قدر اور محبت و الفت پیدا ہوگی تو ان کی بتائی ہوئی باتوں اور اوامر کی قدر و محبت بھی ہمارے قلوب میں جاگزیں ہوگی۔ کہ کسی قول کا وقیع ہونا صاحب قول کی وقعت پر ایک حد تک مبنی ہے اور جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و امر کی قدر و محبت ہمارے دلوں میں راسخ ہو جائیگی۔ تو فطرتاً ہم ان پر عمل پیرا ہو جائیں گے۔ کہ محبوب و وقیع چیز کے حصول کی جستجو و طلب فطرت انسانی ہے۔ اس طرح سے اس پاک و مطہر زندگی کا عملی دروازہ ہم پر کھل جائے گا جو کائنات کے لئے آیۂ رحمت ہے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقعت و عظمت کو دل میں بٹھاتے ہوئے ہمیں قرآن اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم و تعلم درس و تدریس کے لئے اپنے کچھ اوقات کو فارغ کرنا چاہیے اس تحصیل علم کے لئے اگر عملی نمونہ جس قدر زیادہ ہوگا۔ اسی قدر عمل کی راہیں زیادہ کھلیں گی کہ بعض عرفا کا قول ہے: "قول سے قول پیدا ہوتا ہے اور عمل سے عمل پیدا ہوتا ہے"۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ دورِ صحابہؓ میں صحابہؓ اکثر سائل کا عملی جواب دیا کرتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن ابی حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زید انصاری سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے متعلق سوال کیا گیا تو بجائے زبانی بتانے کے عملاً اس طرح تعلیم دی کہ وہ

فدعا بتور من ماء فتوضأ لهم الخ — پانی کا برتن منگوایا اور پھر ان کے بتانے کیلئے وضو کیا

روایت میں ان الفاظ کے بعد آپ کے بتائے ہوئے وضو کی تفصیل ہو (صحیح بخاری ۳۲/۱ باب مسح الراس مرۃ)

اسی طرح حضرت مالک ابن حویرثؓ نے ایک دفعہ اپنے ملنے والوں سے کہا

الا انبئکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ

فقال وذاک فی غیر حین صلوٰۃ فقام ثم رکع الخ

تبلاؤں۔ راوی کہتا ہے اس وقت نماز (فرض) کا وقت بھی نہیں تھا۔ پھر عملاً تعلیم دینے کے لئے نماز شروع کی، (۲) قیام کیا پھر رکوع کیا الخ

اسی طرح پوری نماز پڑھ کر عملاً نماز کی تعلیم دی (زبانی تعلیم پر اکتفا نہیں کیا)

(بخاری صفحہ ۱۱۳ - ج ۱ - باب المکث بین السجدتین)

دوسری روایت میں حضرت مالک ابن حویرث نے صاف تصریح کر دی۔ کہ ان کا مقصد نماز کے پڑھنے سے عملاً تعلیم دینا تھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ ورنہ زبانی بھی وہ نماز کا نقشہ کھینچ سکتے تھے۔ چنانچہ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

عن ابی قلابۃ قال جاءنا مالک بن الحویرث فصلی بنا فی مسجدنا ھذا فقال انی لاصلی بکم وما ارید الصلوٰۃ لکن ارید ان اریکم کیف رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی (بخاری باب کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الرکعۃ)

ابی قلابہ سے روایت ہے کہ حضرت مالک ابن حویرث ہمارے پاس آئے۔ اور ہمیں اس مسجد میں نماز پڑھائی اور پھر کہا۔ میں نے جو تمھیں نماز پڑھائی اس سے میرا ارادہ اس کے سوا اور کوئی بھی نہ تھا کہ تمھیں یہ دکھا دوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے

میرا مطلب ان روایتوں کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ ہمارے مکاتب و مدارس میں عملی تعلیم کا جو طریقہ متروک ہو چکا ہے۔ دوبارہ زندہ ہو جائے کہ آنکھوں دیکھی چیز سنی ہوئی سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے اور جلد سمجھ میں آجاتی ہے۔

تعلیم کا ثمرہ حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ طالب علم کو اعمال کی جزا اور فائدوں سے آگاہ کیا جائے کہ جس قدر اعمال صالحہ کے اخروی اور ان کے ضمن میں دنیوی فائدے اس پر منکشف ہوں گے۔ فطرتاً عمل پر پڑنے کے لئے اس کا ذوق شوق بڑھے گا کہ انسان خیر کا حریص ہوتا ہے۔ جس قدر اعمال کی قدر و قیمت معلوم ہو گی۔ ان کے حصول کی کوشش اسی قدر بڑھے گی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ فضائل و ترغیب کی احادیث کا بکثرت مذاکرہ کیا جائے کہ نفس ان اعمال کی لذت محسوس کرنے لگے۔ اور قلب میں ان کی محبت رچ جائے اور جب انسانی قلب و نفس کسی

چیز کو چاہنے اور پسند کرنے لگتا ہے تو انسان اس پر عمل پیرا ہو جاتا ہے، اسی طرح منکرات پر جو سزائیں اور وعیدیں آئی ہیں ان کی تنذیر و تذکیر بھی برائیوں سے روکنے کا ایک بڑا سبب بنے گی اور تبشیر و تنذیر کے اس نبوی طریقۂ تعلیم سے متعلم برائیوں سے مجتنب ہو کر نیکیوں پر عمل پیرا ہو جائے گا۔

ہمیں اس چیز کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ عمومی تعلیم دین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ متنازعہ فیہ مسائل میں عوام کو نہ اُلجھایا جائے کہ اس طرح ان کی طبیعت عمل کی راہ سے ہٹ کر قیل و قال اور جدل و مناظرہ میں پھنس کر رہ جائے گی جس کا اُن کے لئے کوئی دینی فائدہ نہیں، مزید برآں متفق علیہ اتنے مسائل ہیں اور بے قیل و قال عمل کے لئے اتنا میدان وسیع ہے کہ ایک سلیم الطبع انسان اس پر گامزن ہو کر باسانی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

عمومی تعلیم دین کے لئے ہمیں پھر سے مساجد میں قرنِ اول کی طرح علم و ذکر کے حلقے قائم کرنے ہیں کہ مدارس و خانقاہیں، عامۃ المسلمین کی دینی تعلیم و تربیت کی کفیل نہیں ہو سکتیں کہ اس مشغول زمانہ میں ہر کہ و مہ کے لئے مدارس اور خانقاہوں کے لئے فراغت مشکل ہے اور نہ ہی اتنی کثیر آبادی کے لئے مدارس و خانقاہیں مہیا کی جا سکتی ہیں۔ دین کے ان طلبگاروں کیلئے جنکی ہمتیں اللہ نے بلند کر دی ہیں۔ مدارس اور خانقاہیں ضروری ہیں کہ علم و تزکیہ کے امام و عارف وہیں سے بنکر نکلتے ہیں۔ ان اللہ والوں کی مثال اصحاب صفہ جیسی ہے۔ جن کی پوری زندگیاں علم و ذکر کے لئے وقف ہو چکی تھیں۔ لیکن عام مسلمان پوری زندگیاں اس پاکیزہ کام کے لئے عملاً وقف نہیں کر سکتے۔ ان کے لئے لازم ہے کہ دورِ اول کی طرح مساجد میں تعلیم و تعلم اور ذکر و ہدایت کے حلقے قائم کریں۔ ہمیشہ تحصیل علم و عمل کا اہتمام کریں۔ دین کی بنیادی باتیں سیکھیں اور سکھائیں۔ ضروری مسائل کا علم حاصل کریں۔ فرائض و واجبات پر عمل پیرا ہوں۔ اور سنن و مستحبات پر چلنے کی کوشش کریں تاکہ دینی زندگی جو کہ صدیوں کے جمود کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے۔ دوبارہ عالم کو اپنی روشنی سے منور کرے ہماری مساجد پھر سے علم و ذکر کے نور سے منور اور تزکیہ و ہدایت کی روشنی سے جگمگا اٹھیں جس طرح مسجدِ نبوی کے طالب علم عالم کے امام بنے تھے اگر آج انھیں بنیادوں پر ہر مسلمان دین کا ضروری علم سیکھے۔ اس پر خود عمل پیرا ہو اور دوسروں کو اس کی دعوت دے تو سارا عالم پھر ایمانی کرنوں سے جگمگا سکتا ہے۔ صحابہ کے زمانہ میں ہر چھوٹا بڑا، امیر و غریب، تاجر و کاشتکار

ملازم و بیوپاری ہر شخص دین کا ضروری علم رکھتا تھا، کہ جبتک علم نہو عمل ناممکن ہے۔ اور جب تک ہم رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی زندگی کی واقفیت وعلم نہیں رکھیں گے۔ ہم اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال نہیں سکتے۔ اسی لئے کتاب وسنت میں علم کی اس قدر فضیلت آئی ہے۔ استقصاء مقصود نہیں۔ تاہم تبرکاً ایک دو آیتیں اور چند حدیثیں علم اور طلب علم کی فضیلت میں نقل کرتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ — بلند کرتا ہو اللہ تعالیٰ درجے تم میں سے ان لوگوں کے جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ علم والے ہیں۔

(۲) قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ — آپ فرما دیجئے کیا جاننے والے (علم رکھنے والے) اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ (مراد یہ ہے کہ ہرگز برابر برابر نہیں ہو سکتے)

(۳) اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط — تحقیق اللہ سے اسکے علم رکھنے والے بندے ہی ڈرتے ہیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو:۔

من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين — اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

(مشکوٰۃ کتاب العلم صحیح بخاری صلہ ۱۹ ج ۱، ابن ماجہ صلہ ۲۱ جامع ترمذی صلہ ۸۹ ج ۲۔ مسلم وغیرہ)

کہ دین کی سمجھ اور علم کے بغیر عمل ناممکن ہے۔ اس لئے دین جو کہ سراسر خیر ہے۔ اس کے حصول کے لئے اول علم کی تحصیل ضروری ہے کہ علم کی روشنی کے بغیر راہ ہدایت کی تلاش اور اس پر گامزن ہونا سراسر بیوقوفی اور جہالت ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو۔

طلب العلم فريضة على كل مسلم — علم (دین) کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہو۔

(ابن ماجہ باب فضل العلماء)

دوسری جگہ ارشاد ہو:۔

"علم کو حاصل کرو اگر چہ چین میں ہو۔ (احیاء العلوم)

دین کی تمام تر سرسبزی وشادابی دین کے علم پر موقوف ہے۔ جب تک ہم یہ نہ جانیں گے کہ دین

کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے راضی ہوتے ہیں؟ صراط مستقیم کیا ہو؟ ایمان کی کیا حقیقت ہے۔؟ اسلام کا مدعا کیا ہے؟ سرور کائنات صلعم نے اپنی زندگی کس طرح گذاری ہے اور ہمارے لئے کیا نمونہ چھوڑا ہے؟ ہم دین کی راہ پر نہیں چل سکتے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اور طالب علم کے فضائل بکثرت بیان فرمائے ہیں۔

امام احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

عن کثیر بن قیس قال کنت جالساً مع ابی الدرداء فی مسجد دمشق فجاءہ رجل فقال یا ابا الدرداء انی جئتک من مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم لحدیث بلغنی انک تحدثہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما جئت لحاجۃ قال فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من سلک طریقاً یطلب فیہ علماً سلک اللہ بہ طریقاً من طرق الجنۃ وان الملائکۃ لتضع اجنحتہا رضا لطالب العلم وان العالم یستغفر لہ من فی السمٰوٰت ومن فی الارض والحیتان فی جوف الماء وان فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب وان العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درھماً وانما ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر

(مشکوٰۃ کتاب العلم الفصل الثانی، ابن ماجہ باب فضل العلماء)

کثیر ابن قیس سے روایت ہو۔ کہ میں حضرت ابی درداؓ کے ساتھ دمشق کی مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص انکے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ اے ابو درداء! میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہوں۔ میرے آنے کا مقصد سوا اس کے اور کچھ بھی نہیں کہ میں نے سنا ہے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابو درداء نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو کہ جس نے طلب علم کے لئے کسی راستہ پر چلنا شروع کیا اللہ تعالیٰ اس راستہ کے بدلے اسے جنت کے راستوں پر چلائے گا اور ملائکہ طالب علم کے پاؤں کے نیچے اپنی خوشنودی کے اظہار کے لئے پر بچھاتے ہیں۔ عالم کے لئے آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات اور سمندر کی مچھلیاں مغفرت چاہتی ہیں۔ اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی بدر کامل کی دوسرے ستاروں پر۔ اور علماء انبیاء کے وارث ہیں کہ انبیاء درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑتے۔ ان کی میراث علم ہوتی ہے۔ پس جس نے علم حاصل کیا اس نے بڑا

ترمذی باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ ص ۹۳ ج ۲ — حصہ نعمت کا پایا۔

عن قیس ابن کثیر (ابوداؤد جلد دوم کتاب العلم)

ابن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد (مشکوٰۃ ص ۳۴ ج ۲۔ ابن ماجہ ص ۲۰)

دین کی سمجھ رکھنے والا ایک (عالم) شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

ترمذی نے ابوامام الباہلی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا جن میں ایک عالم اور دوسرا عابد تھا تذکرہ کیا گیا۔ آپ نے فرمایا۔

فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ وملائکتہ واہل السمٰوات والارضین حتی النملۃ فی جحرھا وحتی الحوت یصلون علی معلم الناس الخیر (ترمذی باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ)

عالم کی فضیلت عابد (بے علم) پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ ترین شخص پر۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ملائکہ اور آسمانوں اور زمینوں کے رہنے والے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے بل میں اور مچھلیاں تک، لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے کے لئے دعا کرتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس کے آخر کے الفاظ یہ ہیں۔

ومن سلک طریقاً یلتمس فیہ علماً سہل اللہ بہ طریقاً الی الجنۃ وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینہم الانزلت علیہم السکینۃ وغشیتہم الرحمۃ وحفتہم الملائکۃ وذکرہم اللہ فی من عندہ ومن بطاء بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ (مشکوٰۃ ص ۳۲ بحوالہ مسلم ابن ماجہ ص ۲۰)

جو شخص طلب علم کے لئے کسی رستہ پر چلا۔ اللہ تعالےٰ اس راستہ کے بدلے میں جنت کا راستہ اس کے لئے آسان کر دے گا۔ اور نہیں جمع ہوتی کوئی قوم (لوگ) اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر (مسجد) میں کہ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہوں۔ اور باہم اسکا مذاکرہ کرتے ہوں، مگر نازل ہوتی ہے ان پر سکینہ (طمانیت) اور ڈھانپ لیتی ہے۔ انھیں رحمت اور گھیر لیتے ہیں انھیں فرشتے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں

کے سامنے ان کا ذکر کرتا ہے۔ اور جسے اس کا عمل (تقرب الٰہی اور نجات) سے (بوجہ کم علمی یا علم پر عمل نہ کرنے کے) پیچھے کردے اس کا نسب اسے آگے نہیں کرسکے گا۔

حضرت ابوہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین چیزوں کا اجرا سے ملتا رہتا ہے (اگر اس نے حیات میں کئے ہوں) صدقہ جاریہ، دوم ایسا علم جس سے اس نے نفع اٹھایا ہو۔ (یعنی کسی کو علم کی باتیں بتائی ہوں) یا خود عمل کیا ہو۔ سوم ولد صالح جو اس کے لئے دعا کرے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۔ بحوالہ مسلم)

حضرت ابوسعید الخدری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

لن یشبع المومن من خیر یسمعہ حتی یکون منتہاہ الجنۃ

(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب صـ۹۳ ج ۲)

مومن کو خیر کی بات سننے (یعنی طلب علم) سے سیری نہیں ہوتی، یہاں تک کہ اس کی انتہا جنت ہوتی ہے۔

ترمذی اور دارمی نے حضرت انس رض سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

جو شخص علم کے لئے (اپنی جگہ سے) نکلا۔ وہ اللہ کی راہ میں (مجاہد کی طرح) ہے۔ یہاں تک کہ واپس لوٹ آئے (یعنی اسے مجاہد کا ثواب ملتا رہے گا۔

حضرت سنجرۃ الازدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من طلب العلم کان کفارۃ لما مضیٰ

(رواہ ترمذی والدارمی مشکوٰۃ صفحہ ۳۷)

جس نے علم حاصل کیا وہ اس کے ماسبق گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔

ابن مسعودؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہو کہ آپ نے فرمایا۔

لاحسد الا فی اثنین رجل اتاہ اللہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق ورجل اتاہ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بھا ویعلمھا

(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم، بخاری باب الاغتباط بالعلم)

صرف دو آدمیوں پر ہی رشک ہوسکتا ہو ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرے اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے دین کا علم دیا ہو۔ اور وہ اس سے فیصلہ کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔

حضرت ابوموسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔
جس ہدایت اور علم کے ساتھ اللہ نے مجھے مبعوث کیا ہے۔ اس کی مثال بھرپور بارش کی ہے جو زمین پر ہوتی ہے۔ اور زمین کے مختلف طبقے ہوتے ہیں۔ بعض حصہ عمدہ ہوتا ہے۔ اور (جلد) پانی کو جذب کر لیتا ہے۔ اور گھاس اور ہریالی کثیر مقدار میں اس پر پیدا ہو جاتی ہے۔ اور زمین کا بعض حصہ پانی کو اپنے اندر ٹھیر الیتا ہے اس سے لوگ نفع اُٹھاتے ہیں۔ اس سے پانی پیتے اور پلاتے ہیں۔ اور کھیتیاں پانی دے کر اُگاتے ہیں اور زمین کا بعض ٹکڑا بنجر چٹیان ہوتا ہے۔ نہ پانی کو ٹھراتا ہے۔ اور نہ اسپر کچھ گھاس اُگتی ہے، یہ پہلی مثال اس کی ہے جو دین میں سمجھ حاصل کرتا ہے۔ اور جس چیز کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے خود علم حاصل کرتا ہو اور دوسروں کو تعلیم دیتا ہے۔ اور (آخری) مثال اس شخص کی ہے۔ جو اس ہدایت کی طرف سر بھی اونچا نہیں کرتا۔ (یعنی التفات نہیں کرتا) اور جو ہدایت میں دے کر بھیجا گیا ہوں اسے قبول نہیں کرتا۔

(صحیح بخاری باب فضل من علم وعلّم)

قرآن وحدیث کے ان جواہر ریزوں سے اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ علم ہی اسلامی زندگی کے حقائق کو ہم پر آشکارا کر کے ہمیں راہِ ہدایت پر گامزن کرتا ہے اور ہم میں ایمان والیقان کے جذبات پیدا کر کے ہمیں سراپا مُسلم اور دینِ ہدیٰ پر عامل بنا دیتا ہے۔

صحابۂ کرام کبرسنی میں بھی تحصیل علم کے فریضے سے غافل نہیں ہوئے تھے جیسا کہ امام بخاری نے تصریح کی ہے (بخاری ص۱۰۔ ج ۱) اور ایک ایک حدیث کے لئے مہینوں کا سفر برداشت کرتے تھے مثلاً حضرت جابر ابن عبداللہ نے مدینہ سے شام کا سفر صرف ایک حدیث کے علم کے لئے اختیار کیا (بخاری تعلیقاً باب الخروج فی طلب العلم) آج اگر ہمارا یہ جذبہ سرد ہو چکا ہے تو کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اپنے اپنے علاقوں، محلّوں اور گاؤں کی مساجد میں اپنی دنیاوی مشغولیتوں سے کچھ وقت نکالتے ہوئے دین کا ضروری علم عمل کی نیت سے حاصل کریں۔ اس کے لئے اپنے علماء کے مشورے سے ہم کتابوں کا مختصر سا نصاب بنا سکتے ہیں۔ جو نبوی طریقہ تعلیم وہدایت کے مطابق ہو۔ تنذیر وتبشیر، ترغیب وفضائل، ترہیب ووعید کا جامع الٰہی خوف وخشیت اور محبت والفت پیدا کرنے والا اور عمل پہ ڈالنے والا ہو، تعلیم کا طریقہ الٰہی عظمت ومحبت اور ذکر کی کیفیت کو لئے ہوئے ہو۔

درسی علم کی بجائے عملی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی جائے اور قول سے زیادہ عمل پر زور دیا جائے جو اشخاص ناخواندہ ہوں۔ اور پڑھنے کی ہمت نہ پاتے ہوں، اُن کے لئے صدق نیت سے دوسروں سے سُن کر اُن پر خود عمل پیرا ہونا اور دوسروں کو اس کی ثواب کی نیت سے دعوت دینا ہی کافی ہے۔ جو جوان ہمت لوگ علم کا معتد بہ حصہ حاصل کرنا اور عالم بننا چاہتے ہوں، اُن کے لئے تو درسگاہوں ہی میں باقاعدہ تحصیل کے سوا چارہ کار نہیں۔ لیکن عامۃ الناس کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ یہ بھی کافی ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اوامر الٰہیہ کی قدر و قیمت کا دھیان کرتے ہوئے دین کا ضروری علم عمل کی نیت سے حاصل کیا جائے اور اس علم کو ذکر و عمل، باہمی مذاکروں اور دعوت کے ذریعہ سے پختہ کیا جائے کہ۔ علم میں اخلاص و تعلق مع اللہ سے نورانیت آتی ہے۔ عمل اس علم کی حفاظت کرتا ہے، اور حکیمانہ و مخلصانہ دعوت علم میں رسوخ، پختگی اور عمق پیدا کرتی اور عمل کی محرک بنتی ہے۔

الٰہی علم و یقین، پیہم عمل، دائمی دعوت کے نور ہی سے کاشانۂ اسلام کی روشنی ہے اخلاص و عظمت الٰہی کے استحضار کے ساتھ جس قدر اُمت ان اعمال میں مشغول رہے گی۔ رضائے الٰہی اور دائمی فوز و کامرانی سے ہمکنار رہے گی اور جس قدر ایمان و یقین، علم و عمل، عمومی دعوت اور باہمی تذکیر و تواصی سے کنارہ کرتی جائے گی۔ نقصان و خسارہ میں مبتلا ہو جائے گی۔ سورۂ "العصر" اسی حقیقت کی قرآنی شہادت اور اقوام و ملل کی الٰہی سرنوشت ہے۔ جس پر پوری انسانی تاریخ گواہ و شاہد ہے۔

امت محمدیہ مرحومہ کے مختلف طبقات و گروہ جسد ملت کے اعضاء و جوارح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کی زندگی اوامر الٰہیہ کے علم و عمل پر موقوف ہے۔ ملت کی شریانوں میں جب تک تعلیمات نبوی کا صالح خون دوڑتا رہے گا۔ اس کے اعضاء و جوارح اسلام کے حیات آفریں پیام سے زندگی اور توانائی پاتے رہیں گے۔ اور جس قدر حیات و قوت کے ان الٰہی سرچشموں سے مختلف طبقات کا تعلق کم ہوتا جائے گا۔ ملت پر اضمحلال چھاتا جائے گا۔ ملت جملہ طبقات و افراد سے عبارت ہے۔ جن میں سے کسی طبقے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے امت مسلمہ میں نئی زندگی پیدا کرنے کے لئے جملہ طبقات اُمت کو نبوی تعلیمات سے آشنا کرتا ہے۔ عملی زندگی کی راہیں کشادہ اور قرآن و

سنت کی سلسبیل و کوثر سے ہر کہ ومہ کو حسب استعداد سیراب کرنا ہے۔ ایمان ویقین، علم و عمل، ذکر و خشیت، احسان و اخلاص، اخلاق و خوبیٔ معاملات اور حسن معاشرت کی عام فضائیں قائم کرتی ہیں۔ اور یہ اسی صورت ممکن ہے کہ الٰہی اعتماد و توکل، ہمت و عزیمت سے کام لیتے ہوئے ملت اسلامیہ کے جملہ طبقات کو علم و عمل، ذکر و دعوت کی اس راہ پر ڈال دیا جائے۔ جس سے پہلے بھی امت پر بہار آئی تھی۔ اور ختم نبوت کی برکت سے آج بھی آسکتی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاودانی تعلیمات ہر زمان و مکان، ملت و قوم کیلئے نجات و کامرانی، فوز و فلاح کا آخری الٰہی نوشتہ ہیں جس سے امتِ محمدیہ کی زندگی قائم اور اس کا فروغ وابستہ ہے۔ امت آج بھی ان قدسی سوتوں سے سیراب ہو کر الٰہی زندگی سے سرشار ہو سکتی ہے۔ اور ہلاکت سے ہمکنار سسکتی انسانیت کو دائمی چین، امن و سکون، اور نبوی پاک و مطہر زندگی کا پیام دے کر عالم کی نجات دہندہ بن سکتی ہے۔

بیا تا گل برافشانیم مے در ساغر اندازیم | فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خونِ عاشقاں ریزد | من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

ختم شد

# افریقی مسلمانوں کے دینی حالات

اور

# دعوتی سرگرمیوں کی ایک جھلک

[ ذیل میں زنجبار (مشرقی افریقہ) کے ایک دردمند مسلمان جناب حاجی عثمان عبداللہ صاحب کا ایک مکتوب درج کیا جا رہا ہے جس سے مشرقی افریقہ کے مسلمانوں کی دینی حالت، دعوتی کام کی وسیع ضرورت اور موجودہ کام کی ایک جھلک سامنے آتی ہے جو مختلف وجوہ سے ہمارے لیے مفید ہے ۔۔۔ یہ خط دعوت اصلاح و تبلیغ کی راہ کے ایک نوجوان رفیق کے نام ہے، جن سے اپنی تعلیم کے سلسلہ میں قیام انگلینڈ کے زمانہ میں دعوتی استفادہ ہی کے سلسلہ میں حاجی صاحب موصوف سے تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ ۔۔۔ اصل خط انگریزی میں تھا، جس کے ترجمہ کے لیے ہم جناب سید محمود الحسن صاحب ندوی کے ممنون ہیں۔] (ادارہ)

محترم ڈاکٹر صاحب ، السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

سب سے پہلے میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو میرے خط کے لئے کافی انتظار کرنا پڑا۔ آپ کا خط جب یہاں پہونچا تو میں یہاں (زنجبار میں) موجود نہ تھا بلکہ تبلیغی دورے کے سلسلے میں نیاسالینڈ گیا ہوا تھا۔ برادرم محمد یوسف نے آپ کا یہ خط پڑھ کر میرے پاس روانہ کر دیا تھا۔

اس وقت میں آپ کو اپنی یہاں کی سرگرمیوں کی مختصر داستان سنانا چاہتا ہوں۔

زنجبار سے موزمبک (مشرقی افریقہ کا پرتگالی حصہ) کے لئے میری روانگی ۲۱ اگست ۵۷ء کو ہوئی تھی۔ اس علاقے میں کئی ہزار افریقی مسلمان آباد ہیں۔ ان کو سواحلی زبان میں اور اپنے ایشیائی مسلم بھائیوں کو بھی اردو میں متعدد بار خطاب کرنے کا موقع ملا۔ افریقی بھائیوں سے میں نے خاص طور پر درخواست کی کہ وہ دینی تعلیم اور غیر جانب دارانہ مطالعے کے ذریعہ اسلام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہاں کی آبادی عموماً غیر تعلیم یافتہ ہے۔ انھیں پرتگالی حکومت طرح طرح سے ڈرایا دھمکایا کرتی ہے مسلمان بچوں کو مشن اسکولوں میں جہاں عیسائیت کی لازمی تعلیم دی جاتی ہے داخل ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے ——— میں نے ان لوگوں سے کہا کہ ہراساں اور شکستہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں ہے خدا پر بھروسہ کیجئے اپنے بچوں کو قرآن مجید پڑھایئے اور انکی دینی واقفیت و تربیت کا انتظام کیجئے، جب ایک دفع اسلام ان کے دلوں میں جاگزیں ہوجائے گا تو وہ کبھی عیسائیت کی طرف مائل نہیں ہو سکتے۔

یہاں کے ہندستانی و پاکستانی باشندوں کو بھی جو عموماً تجارت پیشہ ہیں، میں نے ترغیب دی کہ وہ اپنے افریقی بھائیوں کو دینی مدارس چلانے کے لیے مالی امداد دیں۔ آپ کو یہ بتاتے ہوئے مجھے مسرت ہے کہ اس مقصد کے لیے کچھ تدبیریں کی جاچکی ہیں اور انتظامات شروع ہو رہے ہیں۔ فالحمد للہ

موزمبک سے میں بذریعہ کار نیاسالینڈ پہونچا جہاں ہندستانی اور افریقی مسلمانوں سے گفت و شنید کا موقعہ ملا یہ دورہ تقریباً ایک مہینہ تک جاری رہا اور ۲۴ ستمبر کو بلنٹائر (نیاسالینڈ) پہونچ گئے۔

نیاسالینڈ میں تقریباً پانچ لاکھ افریقی اور قریب دس ہزار ہندستانی مسلمان آباد ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان میں ایک بھی عالم دین نہیں ہے۔ اسی سے آپ یہاں کے مسلمانوں کی دینی و ملی حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

ڈیڑھ سو برس قبل عرب اور مشرقی افریقہ کے مسلمان یہاں آکر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ ۷۰ برس کا عرصہ ہوا جب برطانیہ نے ان علاقوں پر اپنا تسلط جمایا اس وقت سے آجتک ہزاروں

گرجے اور عیسائی مشنری یہاں نہایت منظم طریقہ پر اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں اور ابتک تقریباً ۴½ لاکھ مجوسیوں کو عیسائی بنا چکے ہیں ایک لاکھ ۹۰ ہزار مجوسی اب بھی باقی ہیں خدا کا شکر ہے کہ اس ساٹھ سالہ جد و جہد کے باوجود عیسائی مشنری کسی مسلمان کو تبدیل مذہب پر آمادہ نہ کرسکے۔

میں جب یہاں پہونچا تو افریقی اور ہندستانی مسلمانوں نے نہایت گرمجوشی سے خیر مقدم کیا —— میں نے حالات کے مطالعے سے اندازہ لگایا کہ یہاں کے ہندستانی مسلمانوں کے تعلقات افریقی مسلمانوں سے اچھے نہیں ہیں۔ چنانچہ اپنی تقریروں میں میں نے ہندستانی بھائیوں کو اس طرف توجہ دلائی اور کہا کہ " ہندستانی مسلمانوں کا مستقبل تاریک ہے، سیاسی حالات روز بروز بدتر ہوتے جارہے ہیں دوسری طرف افریقیوں میں بھی قوم پرستی کا جذبہ بیدار ہو رہا ہو ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ جب آپنے اس ملک کو اپنا وطن بنا لیا ہے تو ......... آپ اپنے افریقی مسلمانوں کا خیال کیجئے اور انکی دینی تعلیم و سماجی فلاح کی فکر کیجئے۔ نیاسالینڈ کے ہندستانی مسلمان تقریباً سب ہی اچھے کھاتے پیتے اور خوش حال ہیں اور ان کے لیے چند "پنس" اس نیک کام کے لیے قربان کر دینا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

ان مسلمانوں کو میں نے مشورہ دیا کہ:-

(۱) زنجبار کے علماء نے دینیات (فقہ تفسیر اور حدیث) کی جو کتابیں سواحلی زبان میں تیار کی ہیں انھیں منگالیں اور انکی مدد سے یہاں اشاعت اسلام کا کام کریں۔

(۲) کچھ طلباء کو زنجبار وظیفے دیکر بھیجا جائے جو وہاں جاکر عربی، انگریزی اور دینیات میں مہارت حاصل کریں اور واپس آکر نیاسالینڈ میں مشنریوں کے طرز پر کام کریں۔

(۳) افریقی مسلمانوں کے لیے ایک فلاحی مرکز قائم کیا جائے اور مسلمان تاجروں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ ایک پونڈ پر ایک پنس چندہ میں دیں۔ اس سے وظائف دیے جائیں، مسجدوں کی مرمت کرائی جائے، مدرسوں اور اسکولوں کی مدد کی جائے)

(۴) ہر سال ایک دو عالموں کو جو انگریزی اور سواحلی زبانیں بخوبی جانتے ہوں مدعو کیا جائے جو مختلف اسلامی موضوعات پر تقریریں کریں۔

میری یہ تجویزیں بلنٹائر، لیلی اور زمبی کے ممتاز تاجروں نے پسند کیں یہ تینوں مقامات نیاسالینڈ کے خاص شہر ہیں۔

---

نیاسالینڈ میں تین ہفتے قیام کے بعد میں زنجبار واپس آگیا اور یہاں کے متعدد علماء و مشائخ سے ملاقات کرکے ان سے نیاسالینڈ چلنے کی درخواست کی۔

یہاں دو علماء نہایت ممتاز ہیں ایک شیخ عبداللہ صلاح الفارسی اور دوسرے سید عمر عبداللہ حارث ـــ شیخ عبداللہ صلاح عربی اور سواحلی زبان کے بہترین خطیب ہیں۔ اور انگریزی بھی اچھی خاصی جانتے ہیں لیکن اس میں تقریر نہیں کرتے ہیں۔ سید عمر عبداللہ حارث زنجبار کی مسلم اکیڈمی کے پرنسپل ہیں، علوم مشرقیہ کے مطالعہ کے سلسلے میں انگلستان میں بھی رہ چکے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے تقریباً تمام مقامات کا سفر کر چکے ہیں۔ اسی طویل سفر کے بعد حکومت نے انھیں زنجبار مسلم اکیڈمی کا پرنسپل مقرر کیا ہے۔ بڑے باصلاحیت بزرگ ہیں۔ عربی، انگریزی اور سواحلی زبانوں میں خوب تقریر کرتے ہیں۔

دونوں حضرات سے میں نے چھٹیوں میں نیاسالینڈ چلنے کی درخواست کی جسے سید عمر صاحب نے منظور فرمالیا لیکن شیخ صلاح کو چونکہ کانگو کے مسلمانوں کی دعوت پر وہاں جانا تھا اس لئے انھوں نے معذرت کی۔

---

۱۹ر دسمبر کو میں اور سید عمر صاحب بذریعہ ہوائی جہاز نیاسالینڈ پہونچے۔ اور ۱۷ر جنوری ۵۸ء کو زنجبار واپس آگئے۔ نیاسالینڈ کے دوران قیام میں سید صاحب نے متعدد مقامات پر نہایت بصیرت افروز دینی تقریریں کیں جن سے وہاں کے عوام اتنے متاثر ہوئے کہ سید صاحب سے ہر سال یہاں آنے کی خواہش ظاہر کی اس دورہ میں چند عیسائیوں نے سید صاحب کے ہاتھ پر اسلام بھی قبول کیا۔ فالحمد للہ،

میری تجویز کے مطابق ۴ افریقی طلبا زنجبار بھیجے گئے ہیں جو یہاں دینیات کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان کے مصارف کی ذمہ داری نیاسالینڈ کے ہندستانی مسلمانوں پر ہے اور

(باقی ص ـــ پر)

# چند باتوں کی وضاحت

(از محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ)

"الفرقان" کی اس سے پہلی اشاعت (بابۃ شعبان و رمضان) میں مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے ساتھ تعلق اور ان کے بارے میں میری رائے کے مختلف ادوار کی جو سرگزشت ایک مفصل بیان کی شکل میں شائع ہوئی ہے، اس سے متعلق بعض مضامین اور بعض خطوط کو پڑھ کر، اس کے بعض حصوں کی توضیح کے لیے ذیل کی سطریں حوالۂ قلم کی جا رہی ہیں۔ ان کو اس بیان کا توضیحی ضمیمہ سمجھا جائے۔

(۱) میرے بیان میں (صفحہ ۶۱ و ۶۳ پر) ادارہ دارالاسلام کی تاسیس اور جماعت اسلامی کی تشکیل کے درمیانی زمانہ کے واقعات کے سلسلہ میں "اسلامیہ کالج لاہور" میں بحیثیت پروفیسر یا لکچرر دینیات مولانا مودودی کے تعلق کا بھی ذکر آیا ہے ــــــ مولانا موصوف کے بعض غالی معتقدین نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ اس کا ذکر کرنے سے میرا مقصد ناظرین کو یہ بتانا ہے کہ مولانا نے "بیکار" ہو جانے کے بعد جماعت اسلامی کی تحریک چلائی، اور گویا اپنے لیے کاروبار کا ایک راستہ پیدا کیا۔

مجھے عرض کرنا ہے کہ یہ نہایت پست اور گھٹیا قسم کی بدگمانی بلکہ تہمت ہے، میرے ذہن میں نہ کبھی پہلے یہ بات آئی نہ آج میں مولانا مودودی کو اس قسم کا آدمی سمجھتا ہوں، بلکہ میں اپنے ذاتی معلومات کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس سطح سے بہت بلند ہیں ــــ دراصل بیان لکھاتے وقت میرا مطمح نظر یہ تھا کہ اپنے اور مولانا موصوف کے مختلف ادوار کے تعلقات اور دینی دعوت و تحریک سے متعلق واقعات کی جو بھی تفصیل اب تک صرف میرے حافظہ میں ہے وہ کاغذ پر آجائے، اس لیے کالج کے تعلق کے اس واقعہ کے علاوہ بھی اس میں ایسے بہت سے واقعات آگئے ہیں جن کا بظاہر میرے اس مقصد سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے جس کے تقاضے سے میں نے یہ بیان لکھایا ہے۔

(۲) میرے بیان میں ایک جگہ (صفحہ ۶۶ پر) جماعت اسلامی کی تاسیس سے کچھ پہلے کی میری اور مولانا مودودی کی ایک نجی گفتگو کا ذکر آیا جس میں میں نے اس وقت کے اپنے اور اُن کے باہمی اخلاص اعتماد اور دوستانہ بے تکلفی کی بناء پر اُن کے ذاتی حالات سے متعلق چند سوالات اُن سے اجازت لے کر کیے تھے۔ ان میں سے ایک سوال مولانا کے معیار معیشت سے متعلق بھی تھا ـــــ مولانا مودودی کے بعض معتقدین کو تو میری یہ ساری گفتگو اور اس کی اشاعت سخت ناگوار ہوئی ہو اور اس کو انھوں نے مولانا کی سخت توہین سمجھا ہو، ـــــ اور اُن میں کے بعض بڑے دانشوروں نے اس خیال کا اظہار کیا ہو کہ مولانا کے معیار معیشت سے متعلق اپنی اُن کی گفتگو نقل کر کے میں نے مولانا پر اسراف بیجا کا الزام لگایا ہو اور اُن کی "عیاشانہ" زندگی کی گویا تشہیر کی ہو۔ (واضح رہے کہ "عیاشی" کا لفظ اس موقع پر اُن کے ایک بڑے عقیدتمند نے اپنے جوابی مضمون میں لکھا ہے)۔

اس سلسلہ میں مجھے صرف یہ عرض کرنا ہو کہ میں نے اپنے بیان میں جہاں مولانا مودودی کی اور اپنی یہ گفتگو نقل کی ہو وہیں صراحت اور صفائی سے اس کا اظہار کر دیا ہو کہ مولانا نے میرے سوال کے جواب میں اپنا جو معیار معیشت اور جو ماہانہ صرف بتایا میں نے اس سے اپنا اتفاق اور اطمینان ظاہر کیا اور اس سے پہلے اُن کے بارہ میں اپنا جو اندازہ اس سلسلہ میں تھا اس کا غلط ہونا تسلیم کر لیا، حیرت ہو کہ اس تصریح کے باوجود یہ غلط فہمی کسی کو کیوں ہوئی؟ میں تو اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں سمجھ سکا کہ ان حضرات نے غصہ سے مغلوب ہو کر شاید میرا بیان بھی نہیں پڑھا ہے اور اس کو پڑھے بغیر ہی غصہ اُتارنا شروع کر دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) میرے بیان میں ایک جگہ (صفحہ ۷۰ پر) یہ الفاظ آئے ہیں کہ

"ان کے گھر کے جس مسئلہ کا مجھ پر سب سے زیادہ اثر تھا اس کے بارہ میں کچھ گفتگو ہوئی" اس جملہ میں جس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو میں نے اس کی صراحت کرنا نہ ضروری سمجھا اور نہ مناسب، اور اب بھی میں اس کو مناسب نہیں سمجھتا[۱] ـــــ جماعت اسلامی کے ایک صاحب قلم نے اپنے جوابی مضمون میں

[۱] جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے بعض حضرات نے اس پر اصرار کیا ہو کہ مجھے اس مسئلہ کی صراحت کرنی چاہیے۔ میں نے اس مسئلہ پر کافی غور کرنے کے بعد یہی رائے قائم کی ہو کہ اس کو صراحت سے بیان کرنا میری شرعی ذمہ داری نہیں ہو اور میرا ضمیر بھی اسکے لیے آمادہ نہیں ہو۔ اسلیے ان دوستوں سے کہتا ہوں لَاتَسْئَلُوا عَنْ اَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔

لکھا ہو کہ وہ مسئلہ صرف یہ تھا کہ "دارالاسلام" کے زمانۂ قیام میں مولانا مودودی کی اہلیہ صاحبہ برقع اوڑھ کر کبھی خود مولانا کے ساتھ اور کبھی اپنے بچوں کے ساتھ شام کے وقت ٹہلنے جاتی تھیں اور مولانا کا مکان بھی کسی آبادی میں نہیں بلکہ جنگل میں کھیتوں کے درمیان تھا، اسی پر محمد منظور کو اعتراض تھا۔

مجھے اس سلسلہ میں عرض کرنا ہو کہ یہ بات بالکل غلط ہو، کسی خاتون کا برقعہ اوڑھ کر اس طرح اور ایسے مقام پر ٹہلنے کے لیے نکلنا ہرگز قابل اعتراض بات نہیں ہو، بہرحال یہ بات بالکل گھڑی ہوئی ہو۔ لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ کن صاحب کی گھڑی ہوئی ہو۔

میں اس سلسلہ میں اب بھی صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ مجھے جس چیز پر اعتراض تھا وہ ایک صریح مُنکَر تھا جس کے جواز کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں اور اس کی اس حیثیت کے بارہ میں میری اور مولانا مودودی کی رائے میں کوئی اختلاف بھی نہیں تھا۔ ہاں اسی کے ساتھ میں اس موقع پر یہ وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ مُنکَر اور ناجائز ہونے کے باوجود وہ فحشاء اور بد اخلاقی کی قسم کی کوئی بات نہیں تھی۔

(۴) میرے بیان کے آخری حصہ میں ایک جگہ حکیم عبدالرحیم اشرف و مولانا امین احسن اصلاحی وغیرہ کی ملاقاتوں اور اُن کے ذریعہ معلوم ہونے والی کچھ باتوں کے بعد (ص۹۶ پر) یہ عبارت ہے۔

"یہ سب سن کر میرے لیے وہ خیال (کہ شاید جماعت اسلامی کے ذریعہ مستقبل میں کوئی ضلال پیدا ہونے والا ہو اور اس کی وجہ سے ملاء اعلیٰ میں اس سلسلہ سے ناراضگی ہے) جو اب تک صرف احتمال تھا علم و حقیقت بن گیا۔"

اس عبارت کے بارہ میں مجھے یہ عرض کرنا ہو کہ اگر یہ الفاظ بعینہٖ وہی ہیں جو بیان لکھاتے وقت میں نے بولے تھے تو مجھے اعتراف ہو کہ میری یہ تعبیر غلط اور خود میری مراد کے بھی خلاف ہو، دراصل میں اس موقع پر یہ بتانا چاہتا تھا کہ حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب وغیرہ کی باتیں سن کر میرا وہ خیال کہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے ذریعہ شاید مستقبل میں کوئی ضلال اور فتنہ پیدا ہونے والا ہو، جو اب تک صرف احتمال تھا علم و حقیقت بن گیا۔ اور حکیم صاحب کی گفتگو کی بنیاد پر میں اتنی ہی بات کہہ بھی سکتا تھا جیسا کہ اس گفتگو کے اس خلاصہ سے بھی ظاہر ہو جو میں نے اپنے بیان میں لکھایا ہو۔

بہرحال ملاء اعلیٰ سے متعلق بات کا اس طرح یہاں (بریکٹ میں) ذکر میں آ جانا جس طرح

وہ الفرقان میں مذکور ہی غلطی ہو۔ ظاہر ہو کہ ہم ہی جیسے کسی انسان کے کہنے سننے سے ایسی چیزوں کے بارہ میں کسی کو کیا علم و یقین حاصل ہو سکتا ہو۔ ہاں! آثار و قرائن سے ملاءِ اعلیٰ میں کسی شخص یا سلسلہ کی محبوبیت یا مبغوضیت کا احتمال کے درجہ میں خیال تو ہر دوسرے مسلمان کی طرح مجھے بھی ہو سکتا ہو، لیکن اس بارہ میں یقینی علم حاصل کرنے کی کوئی راہ کسی کے لیے بھی کھلی ہوئی نہیں ہو۔ بہر حال اس غلطی کی تصحیح کر لی جائے۔

(۵) بعض خطوط میں مجھ سے اسکی وضاحت بھی چاہی گئی ہو کہ جماعت اسلامی سے متعلق اپنے جس تاثر کا میں نے اپنے بیان میں اظہار کیا ہو اُسکا تعلق صرف جماعت اسلامی پاکستان سے ہو یا جماعت اسلامی ہند کے بارہ میں بھی تمہارا تاثر یہی ہو؟

ناظرین الفرقان واقف ہوں گے کہ جماعت اسلامی کے بارہ میں میں نے اپنا آخری اور سنگین ترین تاثر غالباً یہی بیان کیا ہو کہ اسکے حلقہ میں فہم دین کے بارہ میں سلف سے بے اعتمادی کی بیماری عام ہو رہی ہو، اور میرے نزدیک یہ چیز بڑے سے بڑے ضلال کی بنیاد بن سکتی ہو۔

اب میں عرض کرتا ہوں کہ میرے نزدیک اس معاملہ میں "جماعت اسلامی پاکستان" اور "جماعت اسلامی ہند" میں کوئی خاص فرق نہیں ہو ۔۔۔ لیکن ظاہر ہو کہ میرا مطلب یہ نہیں ہو کہ جماعت سے تعلق رکھنے والے سب افراد کا صدی فیصدی یہی حال ہو، میرا ایک اجمالی تجزیہ اس باب میں یہ ہو کہ جن نوجوانوں کا ذہن صرف جماعت کے لٹریچر سے بنا ہو اُن کا حال عموماً یہی ہو۔ الا من شاء اللہ ۔۔۔ لیکن جنکی تاریخ یہ نہیں ہے اُن پر اگر اس بیماری کا اثر ہو بھی تو کچھ زیادہ خطرناک نہیں ہو۔

اور خاص کر جماعت اسلامی ہند کے بعض اکابر مثلاً مولانا ابواللیث صاحب، اور مولانا حامد علی صاحب کے متعلق تو یہ عاجز نام لے کر بھی کہہ سکتا ہو کہ میں اس معاملہ میں ان حضرات کے ساتھ پورا نیک گمان رکھتا ہوں۔۔۔ لیکن جماعت اسلامی کے حلقہ سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص اس بات کو جانتا ہوگا کہ افراد جماعت کے ذہن و دماغ پر ان حضرات کا اثر مودودی صاحب کے مقابلہ میں ۲۰ فیصدی بھی نہیں ہو، (یہ میں غایت احتیاط سے عرض کر رہا ہوں، ورنہ میرا اصل اندازہ یہ ہو کہ ۱۰ فی صدی بھی نہیں ہو) ۔ بیشک یہ بات بالکل صحیح اور واقعی ہو کہ جماعت اسلامی ہند کا اب مودودی صاحب سے کوئی باضابطہ یا بے ضابطہ تعلق نہیں ہو، لیکن یہ بات بھی میرے نزدیک اتنی ہی صحیح اور واقعی ہو کہ ذہن و دماغ صرف مودودی صاحب

ہی سے متاثر ہیں۔ اور اس لیے مودودی صاحب کی غلط روی اور اُن کے انحراف کا جماعت اسلامی ہند پر اتنا ہی اثر پڑ سکتا ہو جتنا جماعت اسلامی پاکستان پر"۔۔۔۔ آخر میں گزارش یہ ہو کہ اگر ضرورت پڑی تو میں اس سلسلہ میں اور بھی کچھ عرض کروں گا، میرے نزدیک اس بحث کا مرکزی نقطہ یہی ہو۔

(۶) آخر میں اسی ذیل میں ایک بات یہ بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے بیان کے کسی لفظ میں کسی صاحب نے اگر طنز محسوس کیا ہو اور اس سے ان کا دل دکھا ہو تو میں معافی کا خواستگار ہوں۔ میرے پیش نظر طنز و تعریض مطلق نہیں تھی۔

---

## افریقی مسلمان (بقیہ صفحہ ۴۴)

میں انکا نگراں ہوں۔ انشاء اللہ یہ طلبا دو سال میں تمام ضروری معلومات سے جو مبلغ دین کے لیے ضروری ہیں لیس ہو جائیں گے۔ ان کے حق میں دعا فرمائیے اور میرے لیے بھی دعا کیجیے کہ اسلام کا درخت اپنی آنکھوں سے سرسبز ہوتے دیکھ سکوں۔

---

زنجبار پہونچتے ہی مجھ پر ملیریا اور یرقان کا حملہ ہوا اور جگر میں ورم ہو گیا ہے علاج کر رہا ہوں گزشتہ بارہ برس سے ذیابیطس کا بھی مریض ہوں۔ اپنی ان نجی پریشانیوں کا تذکرہ اس توقع پر کر رہا ہوں کہ آپ میری صحت کے لیے کچھ بزرگ شخصیتوں سے دعا کی درخواست کریں تاکہ میں ان اطراف میں دین کی خدمت کے قابل ہو سکوں۔

آپ کا مخلص

(حاجی) عثمان عبد اللہ

۲۷ جنوری ۱۹۵۸ء

---

# ایک خط اور اُس کا جواب

## خط ——

مکرمی و محترمی ........ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کان پور کے اخبار "سیاست" میں آپ کے ایک تازہ مضمون پر ...... لکھنؤ ہی کے ایک وکیل صاحب نے جو تبصرہ فرمایا ہے غالباً آپ کے علم میں بھی آیا ہوگا، ایک صاحب نے مجھے بھی وہ دکھایا، واقعہ یہ ہے کہ مجھے اس سے سخت تکلیف ہوئی، اس میں آپ کے مضمون کے بارہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے تعلق تو مجھے کچھ نہیں عرض کرنا ہے۔ میں نے آپ کا مضمون پڑھا ہے، البتہ آپ کے ذاتی حالات اور طرز زندگی کے متعلق ان وکیل صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ میرے نزدیک بہت افسوسناک ہے، اور میں اُس کے بارہ میں آپ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے خود افسوس اور تکلیف ہے کہ میں ایسے بیہودہ سوالات آپ سے کر رہا ہوں لیکن میں اپنے دل میں ان سوالات کا سخت تقاضا پاتا ہوں، اس لئے میری گزارش ہے کہ آپ مجھے معذور سمجھ کر میری اس جرأت کو معاف فرمادیں اور ان سوالات کا جواب مجھے اپنے قلم سے دیں —— میرے سوالات یہ ہیں :-

(۱) الفرقان اور کتب خانہ الفرقان سے آپ کی آمدنی کا اوسط کیا ہے؟ آپ کے گھر کے اخراجات کا اوسط کیا ہے؟ کیا آپ کا حساب بنک میں بھی رہتا ہے؟

(۲) آپ کی صاجزادیوں کے پاس اور آپ کے گھر میں سونے کا کتنا زیور ہے؟

(۳) آپ کے صاجزادہ کے متعلق جو بعض باتیں اس مضمون میں لکھی گئی ہیں میں اگرچہ جانتا ہوں کہ وہ ناجائز یا حرام نہیں ہیں پھر بھی جاننا چاہتا ہوں کہ ان کی کیا حقیقت ہے؟

والسّلام

........

**جواب** ——— (از محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ) ۲۰ شوال المکرم ۱۳۹۰ھ

باسمہ سبحانہ وتعالےٰ

مکرمی محترمی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

آپ نے اپنے خط میں "سیاست، کان پور" میں شائع ہونے والے جس مضمون کا ذکر کیا ہے یہ تو واقعہ ہے کہ اُسے پڑھ کر طبیعت تھوڑی دیر کے لئے مکدّر اور کبیدہ ہوئی تھی، لیکن بعد میں میں نے ان وکیل صاحب کو لائق ہمدردی اور مستحق دُعا سمجھا۔ دراصل اس مضمون کا ایک خاص پس منظر ہے جس کا ذکر کرنا میں کچھ مناسب نہیں سمجھتا، ہاں آپ کے سوالات کا جواب دینا آپ کا ایک حق سمجھتا ہوں۔

آپ نے سوالات کے متعلق بڑی معذرت بھی کی ہے، میرے نزدیک اسکی بالکل ضرورت نہیں ؛۔ اگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے برسر منبر یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ جس کپڑے کا جوڑا پہن کے آپ منبر پر کھڑے ہوئے ہیں، دوسروں کے حصّے میں تو اتنا نہیں آیا جس سے پورا جوڑا بن سکتا، پھر آپکا یہ جوڑا کیسے بن گیا؟ ——— تو میرے دوست مجھ سے بھی میرے خانگی مصارف وغیرہ کے بارہ میں پوچھ سکتے ہیں۔ اور میں اگر بُرا مانوں تو یہ میری کمزوری ہوگی، ہاں پوچھنے والوں کی نیت بُری نہ ہونی چاہیئے، الحمدللہ آپ کے حُسن نیت پر مجھے اطمینان ہے اس لئے پوری خوشدلی کے ساتھ آپ کے سوالات کا ترتیب وار جواب دیتا ہوں:۔

(۱) آپ کا پہلا سوال الفرقان اور کتب خانہ الفرقان کے ذریعہ میری آمدنی اور میرے معیار معیشت اور رہنے کے حساب سے متعلق ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ الفرقان تو اب سے ۴۔۵ سال پہلے سے میں نے اپنے بڑے لڑکے مولوی عتیق الرحمٰن سلمہٗ کے اس طور پر سپرد کر دیا ہے کہ اس کے سارے کاموں (ادارت و ترتیب وغیرہ) کے بھی وہی ذمہ دار ہیں اور اس کے آمد و صرف کا تعلق بھی انھیں سے ہے اور اسوقت تک یہی صورت چل رہی ہے۔ اگرچہ پرنٹر و پبلشر کی حیثیت سے میرا ہی نام اس پر ضابطہ کی خانہ پُری کے لئے پڑا رہتا ہے اور اسکی تبدیلی کی کوئی خاص ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے لیکن واقعہ یہی ہے کہ اس کے معاملات اور آمد و صرف کا نہ مجھ سے تعلق ہے اور نہ مجھے اس کا پورا علم ہے۔ اجمالاً اتنا جانتا ہوں کہ مولوی عتیق الرحمٰن سلمہٗ اپنے اخراجات اس سے پورے کرتے ہیں۔

میرے پانچ چھوٹے بچے ہیں جن کا میں کفیل ہوں، قریباً دو سو ۲۰۰ روپے ماہوار میرے گھر کا خرچ ہے اور الحمدللہ کتب خانہ سے یہ خرچ پورا ہو جاتا ہے، گویا کتب خانہ کی آمدنی کا یہی اوسط ہے۔ اپنی معیشت کے بارہ میں خود میرا اندازہ یہ ہے کہ نہ تو وہ عسرت اور تنگی کی ہے اور نہ زیادہ وسعت اور فراخی کی بلکہ اس کو اوسط درجہ کی معیشت کہا جا سکتا ہے (ہاں چائے کا خرچ میرا خود میرے خیال میں درجہ اوسط سے کچھ زیادہ ہے، دن رات میں کئی دفعہ پینے کی عادت ہے۔)

بینک کے حساب والی بات جو اُن وکیل صاحب نے لکھی ہے وہ بالکل بے اصل تو نہیں ہے لیکن جس طرح لکھی ہے وہ ہر شخص کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے والی ہے، اصل حقیقت یہ ہے کہ الفرقان اور کتب خانہ کی کتابیں ہندستان سے باہر بھی جاتی ہیں اور بعض ملکوں سے قیمت کی رقم صرف بینک ہی کے ذریعہ وصول ہو سکتی ہے دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اب سے کوئی ۸۔۱۰ سال پہلے جب اس سلسلے میں مشکلات بڑھیں تو اسکی ضرورت پڑی کہ بینک میں حساب کھولا جائے تاکہ بینک کے ذریعہ آنے والی رقوم آسانی سے وصول ہو سکیں، تحقیق سے معلوم ہوا کہ بینک میں ایک حساب ایسا بھی کھولا جا سکتا ہے جس میں سود نہیں لگتا (اس کو "کرنٹ اکاؤنٹ" یا جاری حساب" کہتے ہیں، اس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر پانچسو ۵۰۰ روپے کی رقم برابر جمع نہ رہے تو حساب رکھنے والے کو ایک خاص حساب سے اسکی فیس ادا کرنی ہوتی ہے) ــــــ بہر حال اس ضرورت کو حل کرنے کے لئے وہ حساب بینک میں کھول دیا گیا، لیکن چونکہ حالات اور ضروریات کی وجہ سے رقم بینک میں جمع نہیں رہتی اس لئے قریباً ہر مہینے اس حساب رکھنے کی فیس خود اپنے پاس سے بینک کو ادا کرنی ہوتی ہے ــــــ یہ ہے بینک کے حساب کی اصل حقیقت!

(۲) دوسرا سوال آپ نے میری بچیوں اور میرے گھر میں کے زیور کے متعلق کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ بچیوں اور عورتوں کے لئے زیور کا استعمال شرعاً بالکل جائز ہے لیکن اتفاق کی بات ہے کہ اس مد میں خرچ کرنا میرے مزاج اور میرے ذوق کے خلاف ہے بلکہ میں اس کو ایک درجہ کی "جائز بے وقوفی" سمجھتا ہوں، اس لئے میرے گھر میں اتنا زیور بھی نہیں ہے جتنی کہ مجھ میں استطاعت ہے اور میرے خاندان میں جتنے کا رواج ہے۔ تفصیل بھی بے تکلف سُن لیجئے ــــــ میرے دو بچیاں ہیں، بڑی کی عمر دس سال کے قریب ہے، چھوٹی کی عمر

چھ سال کے قریب ہے۔ بڑی کے پاس قریباً تین ماشے کے کان میں سنہری بُندے ہیں، چھوٹی کے پاس کچھ نہیں ہے ——— میری موجودہ اہلیہ اب سے قریباً پندرہ برس پہلے میرے عقد نکاح میں آئی تھیں جب کہ میرے مرحوم والدین ماجدین حیات تھے۔ عقد سے دو تین دن پہلے جب میرے والد ماجد مرحوم کو معلوم ہوا کہ میں نے اپنے خاص ذوق و مزاج کی وجہ سے زیور کا مطلق انتظام نہیں کیا ہے تو انھوں نے اس بات کو اپنے مزاج اور اپنی خاندانی روایات و مصالح کے خلاف سمجھتے ہوئے ۳-۴ سو روپے اپنی طرف سے اس مد میں صرف فرمائے اور میری اہلیہ کے لئے ۴-۵ تولے سونے کا زیور منگوا کے دیا جو اب بھی ان کے پاس ہے اور انہی کی ملکیت ہے، اس کے علاوہ کان میں پہننے کے ۳-۴ ماشے کے بُندے بھی ان کے پاس ہیں جو انھوں نے خود بنوائے ہیں ——— یہ ہے میرے گھر کا سنہری زیور!

بے تکلف عرض کرتا ہوں کہ اگر اس سے زیادہ ہوتا تو (اس مد کے خرچ کو ایک بے دقوفی سمجھنے کے باوجود) میں اس کو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہی سمجھتا اور اس کا شکر ادا کرتا اور یہ جو کچھ ہے اس کو بھی نعمت ہی سمجھتا ہوں اور اس کے لئے کسی معذرت اور تاویل کی ضرورت نہیں سمجھتا ——— اس سلسلہ میں مجھ پر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ایک بڑا فضل ہے کہ میرے گھر والوں کا ذوق بھی اس معاملہ میں میرا ہی سا ہو گیا ہے۔ مجھے بالکل یاد نہیں کہ اس سلسلہ میں میرے گھر والوں کی طرف سے کبھی کسی خواہش کا اظہار میرے سامنے کیا گیا ہو۔

(۳) تیسرا اور آخری سوال آپ کا میرے لڑکے سے متعلق ہے ———

مجھے اعتراف ہے کہ وکیل صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ بے اصل نہیں ہے، اصل واقعہ یہ ہے کہ میرے ایک لڑکے حفیظ الرحمٰن کے حالات کئی سال سے ایسے ہیں جن کو میں اپنی شامتِ اعمال کا نتیجہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سخت ابتلا سمجھتا ہوں، اور ان حالات کا قدرتی طور پر میرے اُس کے تعلقات پر بھی اثر ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ الفرقان اور کتب خانہ الفرقان سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہ سکا اور اسی طرح اُس کے معاملات سے میں بے تعلق ہوں ——— اس صورتِ حال کا علم لکھنؤ کے تو میرے قریب قریب سب ہی دوستوں اور واقفوں کو ہے لیکن باہر کے بھی میرے بہت سے دوست اور شناسا اس سے واقف ہیں، میرا خیال ہے کہ یہ وکیل صاحب

بھی یقیناً واقف ہوں گے، اس کے باوجود انھوں نے درست سمجھا کہ حفیظ الرحمٰن کے افعال وعادات کو بھی میرے اعمال نامہ کا جز بنائیں۔

آخر میں عرض کرتا ہوں کہ ان باتوں کی اصلیت اور حقیقت تو اتنی ہی ہے جتنی کہ عرض کی گئی لیکن ان کے علاوہ اور یقیناً اُن سے بڑے بڑے بہت سے عیوب مجھ میں ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میرے ان عیوب کی اصلاح فرمائے اور جس طرح اُس نے اب تک ستاری فرمائی ہے اسی طرح آگے بھی پردہ پوشی فرمائے اور اپنے کرم سے بخش دے۔ اللّٰھم لا تخزنی فانک بی عالم ولا تعذبنی فانک علیّ قادر۔

والسّلام

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

—:•:<•:•:>•:—

(نگاہِ اوّلیں کا بقیہ) بلکہ اس بات کا تذکرہ اس واقعہ سے دو ڈھائی سال کے بعد اپنی سرگزشت کے ایک جزو کے طور پر اس وقت کیا جب ان کے لئے اس بات پر ذاتی اطمینان کی بنیاد فراہم ہوگئی ۔۔۔ اور وہ بنیاد تھی حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب اور مولانا امین احسن صاحب وغیرہ کی واضح شہادت کہ مودودی صاحب ضلال اور فتنہ کی طرف جارہے ہیں ۔۔۔ اور اس سے بڑھ کر یہ بھی جان لیجئے کہ باوجودیکہ ان حضرات کی شہادت تو یہ تھی کہ مودودی صاحب ضلال اور فتنہ کی طرف چل کھڑے ہوئے ہیں۔ مگر مولانا نعمانی نے (پھر بھی) "حکم لگانا" تو درکنار، خود مودودی صاحب یا اُن کی جماعت کے بارے میں تو اپنی ذاتی رائے کے طور پر بھی "ضلال" کی بات نہیں کہی۔ بلکہ صرف اتنا کہا ہے کہ وہ بات جو "ممکن" ہے "اور" احتمال" کے درجہ میں تھی ان لوگوں کے بیانات کے بعد "میرے لئے علم و حقیقت بن گئی" اور وہ بات کیا تھی؟ یہ نہیں کہ مودودی صاحب اور جماعت اسلامی میں شاید ضلال آچکا ہو! اور نہ یہ کہ شاید مستقبل میں ان میں ضلال آنیوالا ہو۔ بلکہ صرف اور صرف یہ کہ "ان کے ذریعہ فہم دین کے بارے میں، سلف سے جو بے اعتمادی پھیل رہی ہے، وہ شاید کسی ضلال کی بنیاد بننے والی ہو" ۔۔۔ جس میں اسکا پورا امکان رہتا ہے کہ یہ لوگ خود تو "ضلال" تک نہ پہونچیں مگر ان کے بعد اِن کے متاثرین میں کوئی ایسا گروہ نکل آئے جو اپنی کم علمی اور کم نظری کے باعث آزادیٔ فکر میں "ضلال" تک پہنچ جائے۔

یہ خطرہ تھا جو مولانا کے ذہن میں "احتمال کے درجہ میں" تھا۔ اور اسی کو جب مودودی صاحب کے نہایت اہم اور قدیم رفقاء کے بیانات سے تقویت پہنچی تو یہ خطرہ "یقین" کی حد تک پہنچ گیا۔

افسوس! ۔۔۔ مولانا نے کیا بات کہی تھی! ۔۔۔ اور کس بنیاد پر کہی تھی! ۔۔۔ اور لوگوں نے اس کو (ناگواری کی شدت اور اس عمومی بدگمانی کے تحت کہ جو شخص مودودی صاحب کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتا، وہ لازماً غلط ہی بات کہتا ہی) کیا بنا دیا! اور کس طرح اس کی بنیاد ہی کو اُلٹ دیا! ۔۔۔ آخر اس طرح، کیسے کوئی گفتگو سودمند ہوسکتی ہے؟ ۔۔۔ گفتگو کسی شخص کی اصل بات پر ہونی چاہیئے، نہ کہ مفروضات پر۔ اور نہ کم ازکم "حق" اور "ناحق" کا فیصلہ تو اس طرح نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ طالب حق کے سامنے اصلاً یہی بات ہونی چاہیئے۔ اور کسی شخص سے عقیدت و محبت کے تقاضوں کا درجہ ثانوی رہنا چاہیئے!

ابھی صرف بلاواسطہ اور بالواسطہ (اور شعوری یا غیر شعوری) بعض تحریفات پر گفتگو ہوسکی ہی۔ اور بات خاصی طویل ہوگئی۔ اِن تحریفات کے سہارے جو تبصرے اِن مضامین میں کئے گئے ہیں۔ اُن کو ابھی چھوا بھی نہیں جاسکا۔ اگر ضرورت کا احساس باقی رہا تو یہ کام انشاء اللہ آئندہ صحبت میں!

# کتب خانہ الفرقان کی مطبوعات

**کلمہ طیبہ کی حقیقت:-** ازافادات مولانا نعمانی
اس میں اسلام کے کلمۂ دعوت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی تشریح پوری تحقیق کے ساتھ ایسے مؤثر انداز میں کی گئی ہے کہ سطر سطر سے ایمان ویقین میں اضافہ ہوتا ہے، اور دماغ کے ساتھ دل بھی متاثر ہوتا ہے ........ قیمت -/٦/-

**برکات رمضان:-** ازافادات مولانا نعمانی
اس رسالہ کی یہ خصوصیت ہو کہ روزہ اور رمضان اور تراویح کے فضائل کی احادیث کی تشریح حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے طرز پر اس میں اس طرح کی گئی ہو کہ دل اور دماغ دونوں متاثر ہوتے ہیں اور عمل کا شوق پیدا ہوتا ہو۔ قیمت -/١٢/-

**انیس النسواں**
(از محترمہ بیگم سید اصغر حسین)
مسلمان خواتین خاصکر تعلیم یافتہ بہنوں میں دین کی طرف سے جو بے فکری اور آخرت کی طرف سے جو غفلت تیزی سے بڑھ رہی ہے اسکے علاج اور انسداد کیلئے ہماری ایک محترم بہن نے یہ رسالہ لکھا ہو۔ شروع میں مولانا نعمانی کے قلم سے پیش لفظ ہو۔ قیمت -/١٠/-

**حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ:-** (از مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم)
حضرت شاہ صاحبؒ کے مقام کی معرفت اور اُن کی کتابوں کو سمجھنے کے مقالہ کلید کی حیثیت رکھتا ہو ........ قیمت -/-/١

**حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت:** مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے یہ مولانا مرحوم کی قابل دید سوانح حیات ہو۔ جسمیں ان کی دینی دعوت کی تاریخ اور اسکے بنیادی اصولوں کو بھی تفصیل سے لکھا گیا ہو ........ قیمت -/٨/٢

**معرکۃ القلم:-** اکابر دیوبند کی طرف سے مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا جواب ........ -/٨/-

**نماز کی حقیقت:-** ازافادات مولانا نعمانی۔ ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہو کہ نماز کے مقام اور اسکی روح وحقیقت سے واقف ہونے کیلئے اور اپنی نماز میں نورانیت اور روحانیت پیدا کرنے کیلیے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔ "کلمہ طیبہ کی حقیقت" کی طرح یہ بھی عقل وجذبات اور دل ودماغ کو یکساں متاثر کرتا ہو۔ قیمت -/١٢/-

**آپ حج کیسے کریں؟** (از مولانا نعمانی ومولانا علی میاں ندوی)
حج وزیارت کے متعلق اردو زبان میں بیشمار چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن یہ کتاب جو مولانا نعمانی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی گویا مشترک تالیف ہے اپنی اس خصوصیت میں اب بھی بے نظیر ہو کہ اس کے مطالعہ سے حج کا صحیح اور مسنون طریقہ بھی تفصیل کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے اور دل میں عشق ومحبت اور ذوق وشوق کی وہ کیفیات بھی پیدا ہو جاتی ہیں جو دراصل حج کی روح اور جان ہیں۔ کاغذ عمدہ مجلد قیمت -/٢

**آسان حج:-** ازافادات مولانا نعمانی ... یہ آسان زبان میں "حج کیسے کریں" کا خلاصہ ہو۔ ایسے کم تعلیم والے حضرات جو صرف آسانی اور سہولی اردو ہی پڑھ سکتے ہیں وہ اس کے مطالعہ سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ طباعت معیاری ........ قیمت صرف -/٨/-

**ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ:** مرتبہ مولانا نعمانی۔ مولانا مرحوم اب اس دنیا میں نہیں ہیں، لیکن جو شخص ان کو اور ان کی دینی دعوت کی حقیقت اور اسکی گہرائیوں کو سمجھنا چاہے اسکو ان ملفوظات کا مطالعہ بار بار کرنا چاہیے ........ قیمت -/٨/١

**قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ:** از مولانا نعمانی -/٦/-

**شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین کے الزامات:** علمی حیثیت سے بھی قابل دید ہو ........ قیمت -/٨/١

---

## اسلام کیا ہے؟

(تالیف مولانا نعمانی) (دنیا اڈیشن کافی ترمیم واضافہ کیا گیا)

اس کتاب کے دیکھنے والوں کا عام احساس یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو کوئی خاص مقبولیت اور تاثیر عطا فرمائی ہو۔ پچھلے چند سالوں میں تقریباً تیس ہزار اردو میں اور کئی ہزار گجراتی میں شائع ہو چکی ہو۔

### حال ہی میں ہندی اڈیشن بھی تیار ہو گیا ہے

اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کے لیے ہی نہیں، بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لیے بھی اس کا مطالعہ اور عمل انشاء اللہ کافی ہو۔

زبان نہایت آسان ہونے کے ساتھ نہایت شیریں اور پرتاثیر ہے۔ کتابت طباعت اعلیٰ اور معیاری۔ قسم اول کاغذ ٢٠ پونڈ چکنا مجلد قیمت ڈھائی روپے -/٨/٢

قسم دوم کاغذ ٢٢ پونڈ چکنا، غیر مجلد قیمت پونے دو روپے -/١٢/١

ہندی اڈیشن کاغذ اعلیٰ مجلد ــــ قیمت تین روپے۔ -/-/٣

ALFURQAN ( Regd. No. A-353 ) LUCKNOW.

ماہنامہ

# الفرقان

لکھنؤ

## ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول، اور ایک اہم فیصلہ ہے

اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسی کے [illegible]

اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت و شریعت کی پیروی کریں گے [illegible] جئیں گے اور مریں گے

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی

زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا

عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ

ادارہ الفرقان

مسئول

محمد منظور نعمانی

مرتب

عتیق الرحمن سنبھلی

فی کاپی آٹھ آنے

جلد ۲۵ | بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۷۷ھ مطابق جون ۱۹۵۸ء | شمارہ ۶



اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہو، براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی پی ارسال کیا جائے گا۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۴ تاریخ تک پہونچ جانی چاہیے۔

**پاکستان کے خریدار:** اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں، اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

**تاریخ اشاعت:** رسالہ ہر مہینے کی ۱۵ تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہو، اگر ۲۰ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔

**مقام اشاعت:** دفتر الفرقان، کچہری روڈ لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

میں تو یہ غضب ڈھایا گیا کہ "خیر کے پہلو کو غالب لکھنا چھوڑ دیئے" کو "غلبۂ شر کے فتوے" سے تعبیر کیا گیا ——— اور اس "فتوے" کی بنیاد یہ دکھائی گئی کہ "مولانا مودودی میں اعلیٰ درجہ کے علمی معیار سے کچھ کمی ہے" ——— حالانکہ "فتوے" کی جو کچھ حقیقت ہے وہ بھی آپ کے سامنے ہو اور اسکی بنیاد بھی تفصیل سے پیش کر دی گئی! ——— اسکے باوجود یہ حضرات ہمیں اطمینان دلانا چاہتے ہیں کہ

"اللہ کے فضل سے ہم اُن کی (مولانا مودودی کی) ذات سے اندھی عقیدت نہیں رکھتے۔"

"اُن" کی عقیدت و محبت کے تقاضوں سے آپ کی مغلوبیت کا جب یہ عالم ہے کہ ایک شخص کی تحریر سے اگر "اُن" پر کچھ زد پڑ رہی ہے تو آپ اسکی اصل بات اور اس بات کی واقعی بنیاد سے آنکھیں بند کر کے شاعری فرماتے ہیں۔ تو پھر آخر کیسے مان لیا جائے کہ آپ کو "اُن" کی ذات سے اندھی عقیدت نہیں ہے، اور یہ سب کرشمہ کاریاں غلبۂ محبت کی نہیں ہیں؟

**انوکھا سوال** مولانا نعمانی نے اپنی سرگزشت میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی ایک ملاقات کا ذکر کیا ہے کہ جماعت اسلامی کی تاسیس اور اسکی رکنیت کے کچھ روز بعد علامہ موصوف سے ملاقات ہوئی جس میں انھوں نے مودودی صاحب کے بارے میں متنبہ کیا کہ "ان کی تحریروں سے تجدد کی بو آتی ہے۔" غالباً اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہی تنقید نگار صاحب سوال کرتے ہیں کہ

"ان کی ایسے ہی لوگوں سے ملاقات کیوں ہوتی رہی جو مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے خلاف اپنے دلوں میں کھٹک رکھتے تھے۔ آخر اُن کا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے اچھا سمجھنے والوں سے ملنا کیوں نہیں ہوا؟"

جب آدمی کا ذہن کسی سے بدگمانی پر تُل جاتا ہے تو وہ کیسے کیسے بے معنی سوالات اٹھاتا ہے! آخر جس زمانہ میں مولانا نعمانی خود 'مولانا مودودی کو' اچھا سمجھنے والوں' میں بلکہ ان کے حلقہ بگوش تھے۔ اُس زمانہ میں مولانا مودودی کو "اچھا سمجھنے والوں" سے نہ ملنے کا کیا

امکان؟ اور ایسے ہی اسکی کیا تُک کہ اس دور کی سرگذشت میں دوسرے "اچھا سمجھنے والوں" کے تاثرات کا بھی تذکرہ کیا جائے؟ ——— مولانا نعمانی نے جب اِن "تنبیہات" سے اس وقت کوئی اثر ہی نہیں لیا۔ اور ان کا خود اپنا "اچھا تاثر" ان تنبیہات کا مقابلہ کرتا رہا تو انھیں اسکی کیا ضرورت تھی کہ اپنی ہی طرح کے دوسرے لوگوں کے اچھے تاثرات کو اِن "تنبیہات" کے مقابلہ میں لاتے؟

اس ضمن میں یہ سوال بھی اٹھایا گیا ہے کہ ——— مولانا نعمانی پاکستان جا کر صرف انھیں لوگوں سے کیوں ملے جو جماعت سے مستعفی ہو چکے ہیں۔ ان کے الزامات پر "ملزموں" کو صفائی کا موقع کیوں نہیں دیا گیا؟ جو بزرگان کرام جماعت اسلامی سے باہر آئے ہیں، جماعت میں صرف یہی چند "صلحا" اور "اتقیا" تو نہ تھے، باقی لوگ جو ابتک وابستہ ہیں کے سب ناقابل اعتماد، بے ضمیر اور بازاری قسم کے لوگ تو نہیں ہیں!

کون کہتا ہو کہ جو لوگ جماعت اسلامی سے اب بھی وابستہ ہیں وہ سب بازاری اور بے ضمیر قسم کے لوگ ہیں؟ مگر مولانا نعمانی کوئی ججمنٹ تو کرنے نہیں گئے تھے کہ فریقین کے بیانات لیتے پھرتے! اور نہ اُن کا کیس یہ ہے کہ انھوں نے محض چند مستعفی ہونے والوں کے بیانات پر اعتماد کرکے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی سے بدظنی اختیار کر لی۔ اُن کا کیس تو یہ ہے کہ وہ پہلے ہی سے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے بارے میں علیٰ وجہ البصیرت ایک رائے رکھتے تھے (خصوصاً مولانا مودودی کے بارے میں) ——— جو شخص اس پوزیشن میں ہو، اس کے سامنے اگر اُس کے جانے پہچانے اور قابل اعتماد قسم کے لوگ اپنے تجربہ کی بنا پر ایسی بات بیان کریں جو اسکے اپنے تجربہ سے میل کھاتی ہو، قدرتی بات ہے کہ وہ مزید پوچھ گچھ کو غیر ضروری سمجھے گا اور اپنے تجربہ کی بنا پر ان بیانات پر مطمئن ہو جائے گا۔ ——— مگر یہ ناقد حضرات جو مودودی صاحب سے غایت درجہ کی عقیدت رکھتے ہیں ان کا مطالبہ یہ ہے کہ جس طرح یہ حضرات مودودی صاحب کی تصدیق کے بغیر کسی کے بیانات سے مطمئن نہیں ہو سکتے، اسی طرح مولانا نعمانی کو بھی مطمئن نہیں ہونا چاہیے تھا ——— حالانکہ ان دونوں پوزیشنوں میں بہت فرق ہے!

## عجیب طرز استدلال

"حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا نعمانی صاحب سے کم، درجہ کے عالم اور اہل تقویٰ نہیں تھے، انھوں نے مولانا مودودی کو دیکھ کر اور اُن سے مل کر اچھا ہی اثر قبول کیا۔ الجزائر کے (فلاں) مجاہد عالم کے (فلاں) مقالہ میں مودودی صاحب کی ذات سے بے پناہ محبت بلکہ عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب..... کی زبان سے ہم نے مودودی صاحب کی نسبت ہمیشہ کلمات خیر ہی سنے (وغیرہ وغیرہ)"

لہٰذا ——————

"مولانا نعمانی صاحب کے قلب نے مودودی صاحب سے مل کر اچھا اثر قبول نہ کیا ہو تو اُن کے قلب کا یہ تأثر کوئی یقینی پیمانہ، معیار یا کسوٹی تو نہیں ہوا۔"

بیشک مولانا نعمانی کے قلب کا تأثر کوئی کسوٹی نہیں ہے، آپ بڑی خوشی سے اس تأثر کو رد کر دیجئے۔ اور دوسرے حضرات کے تأثرات ہی کو اپنا لیجئے۔ مگر براہ کرم لوگوں کو ذرا اتنا اور بتا دیجئے کہ اِن مذکورۂ بالا بزرگوں میں سے کون کتنے دن مولانا نعمانی کی طرح مولانا مودودی کے ساتھ رہا ہے، تاکہ لوگ اِن دونوں قسم کے تأثرات کا صحیح طور پر موازنہ کر سکیں۔

آخر اس خطابت اور شاعری کی کوئی حد ہے کہ جو حضرات شاید ایک دن بھی مولانا نعمانی کی طرح مولانا مودودی کے ساتھ نہیں رہے بلکہ انھوں نے صرف اُن کی تحریریں پڑھی ہیں یا زیادہ سے زیادہ "سفر و حضر" میں ملے ہیں۔ اُن کے علم و تقویٰ کے واسطہ سے لوگوں سے اپیل کی جا رہی ہے کہ وہ مولانا نعمانی کے مقابلہ میں اِن کے تأثرات کو زیادہ وزن دیں! —————— جس معاملہ میں کسی کے تأثرات کے وزن کا اصل معیار اس کا، پوری بے تکلفی کے ساتھ، ساتھ رہنا سہنا ہے، اس معاملہ میں اس اصل معیار سے صرف نظر کر کے فیصلہ کا مدار کسی کے "علم و تقویٰ" کی بزرگی کو بنانا اور بڑے بڑے ناموں سے لوگوں کو مرعوب کرنا آخر خطابت کے سوا کیا ہے؟ کیا" اندھی عقیدت سے آزاد" لوگوں کا

طرزِ فکر ایسا ہی غیر حقیقت پسندانہ ہوا کرتا ہے؟

---

اس بحث میں ایک ایسی ہی لایعنی اور خالص خطیبانہ بات یہ ہو کہ مولانا مودودی کی دینی خدمات پر ایک چھوٹی سی تقریر جھاڑ دی گئی ہو —— آخر مولانا مودودی کی خدمات سے کسے انکار ہے؟ کسے انکار ہے کہ "ان کی تحریروں نے سیکڑوں نوجوانوں کا ایمان سنبھالا" اور "ان کے ناخنِ حکمت نے بہت سے نازک اسلامی مسائل کی گرہ کشائی کی ہے" —— اس سے بہت زیادہ مؤثر طور پر تو خود مولانا نعمانی، مولانا مودودی کی ان خدمات کو سراہ چکے ہیں۔ اور اب بھی اُن سے کوئی پوچھے تو وہ بے دریغ سراہیں گے۔

مگر، بزرگانِ من! "ایں بحث دیگر آں بحث دیگر"

یہاں بحث اُن کی خدمات کی نہیں ہو، یہاں تو رونا یہ ہے کہ وہ اپنی ان جلیل القدر خدمات پر (اپنے تازہ رجحانات سے) پانی پھیرے دے رہے ہیں —— آپ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ

"ان سے اپنے کسی موقف کی صراحت و توضیح میں غلطی پائی جائے تو اُسے بے دریغ رد کیا جا سکتا ہے"

مگر ہمارے رد کرنے سے کیا ہوتا ہے؟ ہم نے تو ایسی ایک سنگین غلطی[1] کی نشاندہی کی تھی۔ اگر آپ کے نزدیک، وہ نشاندہی صحیح تھی (جیسا کہ کچھ آپ کے اس فقرے سے ترشح ہوتا ہے) تو پھر اسکی تردید کرنا آپ کا فرض تھا۔ یا آپ مولانا مودودی سے اسکی تردید کراتے۔ تبھی جماعت اس کے غلط اثرات سے بچ سکتی تھی۔ مگر ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ اس غلطی کی تردید تو درکنار ہمیں تو اپنی نشاندہی کی رسید تک نہیں مل رہی ہو۔ صرف یہ ایک

---

[1] شعبان و رمضان ۷۷ھ کے الفرقان میں "قلندر ہرچہ گوید" کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا تھا، یہ اشارہ اسکی طرف ہو۔ اس مضمون کے بارے میں جماعت اسلامی کے حلقے مکمل سکوت کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ اور ساتھ ساتھ یہ شکوہ بھی کر رہے ہیں کہ مولانا مودودی کے "غلط رجحانات" کی کوئی متعین نشاندہی نہیں کی جاتی۔ صرف خوابوں کی باتیں کی جاتی ہیں!

مذکورہ بالا فقرہ ضرور اسکی رسید لایا ہو۔ مگر وہ بھی ایسے ضمنی انداز میں کہ شاید ہمارے سوا مشکل ہی سے دو چار آدمی اس کا مطلب سمجھے ہوں گے[1] ——— (اس کے علاوہ) یہاں تو کہنا یہ ہے کہ مودودی صاحب کے لٹریچر نے ہزاروں انسانوں میں "اقامت دین" کا نہایت قابل قدر جذبہ پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک یہ ذہن بھی (کمی اور بیشی کے فرق کے ساتھ) پیدا کر دیا کہ اسلاف کا فہم دین کچھ زیادہ قابل اعتماد نہیں۔ اس ذہن کی خطرناکی آپ کو بھی تسلیم ہے۔ مگر آپ کے نزدیک مولانا مودودی کے لٹریچر پر یہ ایک "بے بنیاد" الزام ہے۔ اور آپ اسکی صفائی میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ "مولانا مودودی نے اپنی تحریروں میں جگہ جگہ اسلاف کا ذکر کیا ہے۔ مفسرین کی قرآنی تشریحات پیش کی ہیں اور آئمہ فقہ کے اقوال واجتہادات سے استنباط و استناد کیا ہو۔"

---

[1] ان سطور کی کتابت کے بعد ایک جگہ سے اور اس مضمون کی رسید آئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ "ایاز قدر خود شناس!" ——— یعنی تمھاری کیا حیثیت ہے کہ تم مولانا مودودی پر اعتراض کرو۔ اور اگر تم یہ نازیبا حرکت کر ہی بیٹھے ہو تو اس سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ایسا کرنا گویا اسکو اہمیت دینا ہے ——— بیشک معترض مولانا مودودی کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور اسے اپنی بے حیثیتی کا پورا پورا ادراک ہے۔ لیکن وہ غریب اگر مودودی صاحب پر کوئی غلط الزام لگا بیٹھا ہے تو کم از کم ایک دفعہ تو آپ اسکے استدلال کی غلطی واضح کر ہی دیجئے ——— ہو سکتا ہے کہ اسکو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو اور آپ کی کوشش سے وہ اس غلط فہمی سے نکل آئے ——— اطمینان رکھیے کہ وہ آپ کی اس عنایت سے اپنی کسی اہمیت کے زعم میں مبتلا نہیں ہوگا! ——— لیکن اگر آپ کو بہر حال اس سے عار ہے کہ ایک کم حیثیت آدمی کی بات کا جواب عنایت فرمائیں، تو کم از کم اتنا تو کر ہی دیجئے کہ جتنی بات اس مضمون میں حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب کی ہے اسی کی غلطی واضح فرما دیجئے۔ حکیم صاحب کی بات سے تعرض کرنے میں تو غالباً آپ کو کوئی عار نہ ہوگی۔ وہ تو مودودی صاحب کے رفقاء میں اور اُن کی شوریٰ کے ممبران میں رہے ہیں۔

اگر واقعی صفائی کی یہ دلیل کافی ہے تو کیا (مثال کے طور پر) پرویز صاحب کی تحریروں میں اسلاف کا ذکر اور اُن کے اقوال سے استناد نہیں ملتا؟ ہم جانتے ہیں کہ مودودی صاحب اور پرویز صاحب کے استناد و استشہاد میں بڑا فرق ہے۔ مگر صرف یہ سمجھانا مقصود ہو کہ صفائی کی یہ دلیل کوئی خاص وزن نہیں رکھتی۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ مودودی صاحب نے اسلاف کے اقوال کا ذکر کیا ہو اور ان سے استفادہ کیا ہو۔ ہمارا موقف اور ہمارا "الزام" بالکل دوسرا ہی۔ مگر آپ اسکا جواب دینے کے بجائے خطابت سے کام لیکر غیر متعلق باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں اپنے موقف کی تفصیل کا موقع نہیں ہو۔ ہم صرف الفرقان کا وہ مضمون اس موقع پر یاد دلانا چاہتے ہیں جو "اجمال کی تفصیل" کے عنوان سے ربیع الاول ۷۵ھ کے الفرقان میں شائع ہوا تھا۔ یہ مضمون جس سلسلہ بحث میں لکھا گیا تھا۔ اس سلسلہ کے پہلے دو مضامین کا جماعت اسلامی کے حلقہ سے خوب خوب جواب دیا گیا۔ حالانکہ اُن دو مضامین میں تیزی اور تلخی بھی تھی، مگر یہ تیسرا مضمون جس میں نام کو بھی کوئی ناگوار خاطر ہونے والی بات نہیں تھی بلکہ نہایت ادب احترام کیساتھ اکابر جماعت اسلامی کی بعض تحریروں کے ان مقامات کی نشاندہی کی گئی تھی ——— اور صرف نشاندہی کی گئی تھی کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا تھا۔ جن سے ہمارے خیال میں وہ ذہن پیدا ہوتا ہو (اور ہونا چاہیئے) جسے ہم اسلاف کے فہم دین سے بے اعتمادی کا نام دیتے ہیں۔ اسکی آجتک رسید بھی غائب ہے ——— پس ہماری گزارش یہ ہو کہ اس موضوع پر جو صاحب کوئی بات کرنا چاہیں براہ کرم پہلے اس مضمون کے بارے میں اظہار خیال فرمائیں۔

## بعض تازہ مضامین

اوپر کی سطریں ابھی زیر کتابت ہی تھیں کہ اس قضیہ میں بعض تازہ مضامین وارد ہوئے۔ ان میں سے ایک مضمون میں دو ایک سنجیدہ اور معقول سوالات مولانا نعمانی سے کیے گئے ہیں، انکے بارے ہم نے مولانا کو توجہ دلائی ہے اور ہمیں امید ہے کہ ان کے جو جوابات مولانا دیں گے وہ اسی اشاعت میں ناظرین تک پہونچ جائیں گے، لیکن جو باتیں ان مضامین میں الفرقان کے مضمون کے متعلق غلط فہمی پیدا کرنے والی ہیں۔ اُن کے بارے میں کچھ ہمیں عرض کر دینا چاہتے ہیں تاکہ یہ کام جو گذشتہ اشاعت سے "نگاہ اولیں" میں شروع کیا گیا ہے اسکی تکمیل ہو جائے۔

۱۔ آپ کو یاد ہوگا کہ گذشتہ اشاعت میں ایک صاحب کا ارشاد نقل کیا گیا تھا کہ "مولنٰنا نعمانی نے استخاروں اور خوابوں کے بعض اشاروں کی بنیاد پر جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر ضلال کا حکم لگا دیا ہے۔" اسی قسم کا ایک تازہ ارشاد ان تازہ مضامین میں یہ سامنے آیا ہے کہ مولنٰنا امین احسن صاحب وغیرہ نے تو مولانا نعمانی سے صرف اتنی بات کہی تھی کہ "مودودی صاحب دین کے بارے میں زیادہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔" تو اس بنیاد پر مولانا نعمانی نے مولانا مودودی کو بے دین اور ضالّ ومضل کیسے ٹھہرا دیا ہے؟ ———— "کیا کسی کا دین کے بارے میں زیادہ قابل اعتماد نہ ہونا اور بے دین وضالّ ومضل ہونا دونوں ایک ہیں؟"

اور پھر ناظرین کرام سے اس زبردست تنقید کی یوں داد چاہی گئی ہے کہ

ناظرین ....... انصاف فرمائیں کیا ہے دونوں میں منطقی ربط اور مولنٰنا نے صغریٰ وکبریٰ سے جو نتیجہ نکالا ہے۔ اس میں ہے بھی کوئی جان"

ہم عرض کریں گے کہ ان صاحب نے مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے بارے میں مولانا نعمانی کے آخری موقف کی اہم بنیاد ظاہر کرنے میں تو بیشک دیانتداری کا ثبوت دیا ہے۔ مگر مولانا نعمانی کا موقف پیش کرنے میں انھوں نے بھی اپنے پیشروؤں کی پوری پوری تقلید فرمائی ہے اور اسکی صورت اس طرح مسخ کی ہے کہ ہر سمجھدار انسان اس میں بدیہی غلطی محسوس کرے ———— مولانا نعمانی کا واقعی موقف کیا ہے اور انھوں نے کیا بات کہی ہے؟ ہم سمجھتے ہیں اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں کیونکہ گذشتہ اشاعت میں ہم اس کی پوری وضاحت کر چکے ہیں۔ جن حضرات کو اعادہ کی ضرورت ہو وہ گذشتہ ماہ کے الفرقان کا صفحہ ۵۵ سطر ۴ سے سطر ۱۰ تک ملاحظہ فرمالیں۔ اور پھر فیصلہ کریں کہ اصل اور نقل میں کتنا زمین وآسمان کا فرق ہے! اور کتنا مہمل اعتراض ہے جو مولانا کے مضمون پر کیا گیا ہے!!

۲۔ ایک صاحب نے مولانا نعمانی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

(۱) "اب جب کہ آپ پر یہ بات واضح اور ثابت ہوگئی کہ جماعت اسلامی کی مخالفت ایک دینی خدمت ہے تو آپ بقول خود موثر اور وزنی دلائل کے ساتھ مودودی صاحب اور جماعت اسلامی پر الزامات عائد کرتے اور کتاب وسنت کی روشنی میں یہ بتاتے

کہ کہاں کہاں مودودی صاحب نے حدود اللہ سے تجاوز کیا ہے.........."

(ب)...... لے دے کے جن چیزوں کی آپ نشاندہی فرمارہے ہے۔ اور مودودی صاحب کی تمام کمزوریوں کی جڑ ظاہر کر رہے ہیں وہ ہے داڑھی کا طویل نہونا اور انگریزی وضع کے بالوں کا ہونا اور یہ بات بھی ۱۸ سال پہلے کی ہے........"

(ج) " ۱۹۴۱ء میں میری مولانا مودودی صاحب سے پہلی ملاقات دہلی میں ہوئی لیکن اس وقت میں مولانا کی داڑھی میں اور کسی معیاری مولوی صاحب کی داڑھی میں کوئی فرق نہ کر سکا۔ بال مولانا کے سر پر ضرور تھے لیکن وہ پٹھوں کی شکل میں تبدیل ہو چکے تھے۔ اور اگر کسی کو عیب بینی اور نکتہ چینی کی عادت نہو تو وہ قطعاً یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ انگریزی طرز کے بال ہیں۔"

ان ارشادات کے متعلق بھی چند باتیں سنتے چلئے:۔

(۱) مولانا نعمانی کے زیر بحث مضمون پر یہ تنقید ہم برابر سن رہے ہیں کہ اس میں مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے متعلق جن آراء کا اظہار کیا گیا ہو اُن کے دلائل نہیں پیش کیے گئے۔ مگر ہم اس تنقید کی معقولیت ابتک نہیں سمجھ سکے۔ اور لوگوں سے تو یہاں بحث نہیں۔ مگر جن صاحب کا قول یہاں پیش کیا گیا ہے وہ ایک ذی علم انسان ہیں۔ ہمیں تعجب ہو کہ اُن کی نظر اس عام قاعدہ پر کیوں نہیں ہے جس کی تعبیر ہماری پرانی درسگاہوں میں ان الفاظ سے کی جاتی ہے " تثبت الاشیاء فی محلها وتنقل فی غیر محلها " (یعنی ایک موقع ہوتا ہے، جہاں بات صرف نقل کی جاتی ہے اور دوسرا موقع ہوتا ہے جہاں صرف نقل کرنا کافی نہیں ہوتا اس کو دلائل سے ثابت کرنا ہوتا ہے۔)

مولانا نعمانی کا مضمون جس نوعیت کا ہے (یعنی ایک سرگزشت اور اپنے تعلقات وتاثرات کا بیان ______ نہ کہ تنقید) اسکے پیش نظر ہم یہ بات سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں کہ اس مضمون میں دلائل و براہین نہ ہونے پر استعجاب کیا معنی رکھتا ہے۔ مولانا نے اگر کوئی تنقیدی مضمون لکھا ہوتا تب یہ مطالبہ بیشک بجا تھا کہ اس میں دلائل کا باب ہونا چاہیئے۔

(ب) ہم یہ بات بھی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ مولانا نعمانی نے مولانا مودودی کی داڑھی کم

ہونے اور سر پر انگریزی بال ہونے کو اُن کی تمام کمزوریوں کی جڑ کہاں قرار دیا ہے؟ مولانا نعمانی نے تو عین اس عالم میں مودودی صاحب کی امارت کی تجویز پیش کرتے ہوئے اُن کے بارے میں معروفات کے اہتمام اور منکرات سے اجتناب کی شہادت دی جب کہ اُن کی داڑھی ویسی ہی چھوٹی اور بال اُسی وضع کے تھے جس کا تذکرہ مولانا نے اپنے مضمون میں کیا ہو۔ کیا اس کے بعد بھی اس غلط فہمی کی کوئی گنجائش ہے کہ مولانا نعمانی نے مولانا مودودی کی داڑھی کی کمی اور بالوں کی انگریزی وضع کا تذکرہ ان کی کسی زبردست کمزوری کی حیثیت سے کیا ہو؟ ——

—— حقیقت یہ ہے کہ اس امر کا تذکرہ انھوں نے محض مودودی صاحب کی اور اپنی ایک گفتگو کے ذیل میں کیا ہے۔ اُس کا یہ منشاء ہے ہی نہیں کہ اسے مودودی صاحب کا کوئی نقص گِنا جائے۔ چنانچہ یہ تذکرہ ایسے انداز میں کیا گیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کا یہ حال اس وقت کا تھا جب گفت گو ہوئی تھی، اب ایسا نہیں ہے[1]۔ اور ظاہر ہے کہ جس چیز کو مولانا نے ترک کر دیا اس کی بنیاد پر آج اُن کے بارے میں کوئی رائے کیونکر قائم کیجا سکتی ہو! افسوس کسقدر مضحکہ خیز اعتراضات ہیں جو اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ کمال سادگی سے پیش فرما رہے ہیں۔

(ج) سنہ ۴۱ء میں مولانا مودودی کی داڑھی اور بالوں کی جو کیفیت بیان کی گئی ہو اس سے کچھ ایسا مترشح ہوتا ہو کہ مولانا نعمانی نے جماعت اسلامی سے اپنی علٰحدگی کے اسباب کے سلسلہ میں مودودی صاحب کے اندر تقوے کی کمی وغیرہ کا جو تذکرہ کیا ہے اس کا مصداق یہ صاحب داڑھی کی کمی اور بالوں کی انگریزی وضع کو سمجھے ہیں، اسی لیے انھوں نے گویا مولانا نعمانی کی اس انداز میں تردید کی ہے کہ یہ بات محض "عیب بینی اور نکتہ چینی کی عادت" کا نتیجہ ہے۔ ورنہ مولانا مودودی کی یہ کمی تو سنہ ۴۱ء ہی میں پوری ہو چکی تھی اور آپ سنہ ۴۲ء میں علٰحدہ ہوئے ہیں[2]۔

---

[1] مولانا لکھتے ہیں "اُس زمانہ میں مولانا مودودی کی داڑھی بہت مختصر سی تھی اور سر پر انگریزی وضع کے بال بھی رہتے تھے۔"

[2] ہمارے نزدیک یہ بحث مطلق بے کار ہے کہ مولانا مودودی نے اپنی ظاہری ہیئت کو کس وقت بدلا۔ اسلئے کہ مولانا نعمانی نے نہ مودودی صاحب کی ظاہری ہیئت کے بعض قابل اصلاح پہلوؤں کا تذکرہ ان پر کسی الزام کی حیثیت سے کیا ہے اور نہ مودودی صاحب سے مولانا کی بے اعتمادی میں شروع سے (باقی اگلے صفحہ پر)

ہمارے نزدیک یہ بھی ایک ایسی غلط فہمی ہے جس کے لیے مولانا نعمانی کے مضمون میں کوئی ادنیٰ گنجائش نہیں۔ انھوں نے اپنی علیحدگی کے اسباب کا ذکر ان الفاظ میں شروع کیا ہے۔

"میرے قیام کو (دار الاسلام میں) ایک ہی ہفتہ گزرا ہوگا کہ میرے سامنے بعض چیزیں ایسی آئیں جن سے معلوم ہوا کہ احکام شریعت کی جس درجہ کی پابندی یا کہنا چاہیئے کہ جس درجہ کا علمی تقویٰ جماعت کے ہر رُکن کے لیے شرط لازم قرار دیا گیا ہے۔ خود مولانا مودودی نے اپنے کو ابھی تک اس کا بھی پابند نہیں بنایا ہے۔۔۔"

ہم نہیں سمجھتے کہ داڑھی اور سر کے بال بھی کسی کے نزدیک ایسی چیزیں ہیں جن کی کیفیت ایک ہفتہ تک کسی ساتھ رہنے والے پر مخفی رہے اور اس کے انکشاف میں ہفتہ لگ جائے! کم از کم داڑھی تو ایسی چیز ہے جو ایک لمحہ کی ملاقات میں بھی سب سے پہلے نظر آتی ہے! پھر آخر یہ کیا قصہ ہے کہ جماعت اسلامی کا ہر چھوٹا بڑا یہی کہتے سنا جاتا ہے کہ وہ جو تقوے وغیرہ کی کمی مولانا نعمانی نے بتائی ہے اس سے ان کی مراد یہی داڑھی وغیرہ کی کمی ہے؟ ——— حقیقت یہ ہے کہ ہم اس عجیب وغریب قیاس آرائی پر اس درجہ حیران ہیں کہ جن لوگوں سے واقفیت کی بنا پر بدگمانی نہیں کی جاسکتی (اور انھیں میں سے ایک یہ صاحب بھی ہیں جن کا قول زیر بحث ہے) ان کے بارے میں تو ہم خموشی پر مجبور ہیں، ورنہ اوروں کے بارے میں تو ہمارا صاف تاثر یہ ہے کہ وہ جان بوجھ کر یہ غلط پروپگنڈہ کر رہے ہیں، تاکہ مولانا نعمانی کے مضمون کو لوگوں کی نظر میں بے وقعت ٹھہرا سکیں ——— ورنہ اتنی کھلی ہوئی بات میں انھیں غلط فہمی ہو رہی ہو، یہ بات تو بالکل سمجھ میں آنے والی نہیں!

---

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) آج تک ان چیزوں کا کوئی دخل رہا ہو۔ تاہم اس کا اظہار ضروری ہے کہ سنہ ۴۱ء میں مودودی صاحب کی مکمل ظاہری اصلاح کی جو بات کہی گئی ہو وہ سہو کا نتیجہ ہے۔ مولانا مودودی کی داڑھی اور بالوں کی ہیئت کی تبدیلی تقریباً وسط ۴۲ء میں ہوئی ہو ورنہ ۴۲ء کے شروع میں یا ۴۱ء کے بالکل اواخر میں تو ہم نے خود مولانا کو اس حال میں دیکھا ہے کہ سر پر انگریزی بال۔ داڑھی فرینچ کٹ اور چوڑی دار پاجامہ۔ یہ مشاہدہ بریلی کا ہے۔ اور مولانا کا یہ نقشہ آج تک آنکھوں میں پھر رہا ہے۔

**حرفِ آخر**

یہ گفتگو اب بظاہر ختم ہوتی ہے۔ اس لئے حاصل گفتگو کے طور پر چند باتیں ذہن میں رکھ لیجئے۔ اور مولانا نعمانی کے مضمون پر اب جو کوئی زبانی یا تحریری تنقید سامنے آئے اس پر انھیں چند توضیحات کی روشنی میں غور کیجئے۔

۱۔ مولانا نعمانی نے مولانا مودودی کی داڑھی اور بالوں کی وضع کا تذکرہ اُن پر کسی الزام اور اُن کی کسی کمزوری کی نشاندہی کی حیثیت سے ہرگز نہیں کیا ہے۔ کیونکہ یہ اگر کوئی قابل اعتراض بات تھی بھی تو خود مولانا کے بیان کی رو سے یہ ماضی کی بات تھی جس کی اصلاح مولانا مودودی عرصہ ہوا کر چکے ——— (اس سلسلہ میں مولانا کے بیان کے الفاظ ابھی ایک حاشیہ میں گزر چکے ہیں۔)

۲۔ مولانا نعمانی مولانا مودودی کی ظاہری ہیئت کی اصلاح کے مسئلہ کو جو کچھ اہمیت دیتے تھے وہ صرف اُن کی قائدانہ اور داعیانہ حیثیت کی بنا پر اور اپنے اس خیال کی بنا پر دیتے تھے کہ مسلمانوں (خصوصاً ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں) میں دینی اصلاح کا کام اسی وقت بارآور ہو سکتا ہے جب اہل دعوت نہ صرف شریعت کی پوری پابندی کریں۔ بلکہ غیر صالحین کی وضع سے بھی احتراز کریں۔ یہ مطلب اس اہمیت دینے کا ہرگز نہیں تھا کہ جب تک اِن امور کی مکمل اصلاح نہ ہو جائے مودودی صاحب سے کسی خیر کی توقع ہی نہیں۔ اور اُن کی قیادت میں کوئی کام شروع ہی نہیں کیا جا سکتا ——— یہ چیز مولانا نعمانی کے مضمون میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے[۱]، اور اسکے علاوہ ایک کھلا ثبوت اس کا یہ ہے کہ مولانا نے مولانا مودودی کو پہلی بار جب دیکھا تو اِن ظاہری کوتاہیوں کی وجہ سے انھیں ایک دھکا سا تو ضرور لگا، مگر اسکے باوجود ان کی رفاقت میں کام کرنے کا ارادہ ترک نہیں کیا[۲]۔ بلکہ جب اس ملاقات کے کچھ عرصہ بعد مولانا مودودی نے (جماعت اسلامی سے پہلے) "ادارۂ دارالاسلام" بنانے کا پروگرام بنایا تو مولانا اس میں شرکت کے لیے بستی دارالاسلام (پٹھان کوٹ) پہونچے (اس ادارہ کی رکنیت اگرچہ مولانا نے قبول نہیں کی۔ لیکن اُن کے بیان سے صاف محسوس ہوتا ہو کہ اس کی وجہ محض مولانا مودودی کی ظاہری ہیئت میں عدم تبدیلی نہ تھی بلکہ کچھ اور چیزیں تھیں جن کا انکشاف ایک دو دن مولانا کے ساتھ رہکر ہوا۔ اور جن سے اندازہ ہوا کہ مولانا

[۱] ملاحظہ ہو الفرقان شعبان و رمضان صفحہ ۲۰ دوسرا پیرا۔ صفحہ ۲۶ تیسرا پیرا [۲] ایضاً صفحہ ۵۹

نے اپنے کو بدلنے کا پورا ارادہ ہی نہیں کیا ہے[۵۱]) چنانچہ یہی وجہ تھی کہ بعد میں جب باعث اسلامی کی تاسیس ہوئی تو مولانا مودودی کی ان ظاہری ہیئت کی کوتاہیوں کے باوجود صرف اس اطمینان پر جماعت میں شرکت کا فیصلہ کر لیا کہ اور جو چیزیں انھیں دارالاسلام میں محسوس ہوئی تھیں انکی اصلاح مولانا نے کافی حد تک کر لی ہے اور مزید کرنا چاہتے ہیں[۵۲]۔ چنانچہ جب تاسیس کے کوئی چھ مہینے کے بعد بھی مولانا نے مولانا مودودی کی ظاہری ہیئت میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہ دیکھی تب بھی صرف تحریض و ترغیب پر اکتفا کیا[۵۳] جماعت سے علیحدگی کو سوچا بھی نہیں۔ بلکہ اس کے سرگرم داعی اور مولانا مودودی کے محب رہے۔

۳۔ جماعت اسلامی سے مولانا نعمانی کی علاحدگی کی اصل بنیاد تو اگرچہ "شہادت زور" کا مسئلہ تھا (جس کی تفصیل ہم گذشتہ صحبت میں کر چکے ہیں اور مولانا کے مضمون میں دیکھی جا سکتی ہے) مگر اس "شہادت زور" کا احساس جن امور سے پیدا ہوا تھا اس میں مولانا مودودی کی داڑھی اور بال وغیرہ کی وضع کو مطلق دخل نہ تھا (کیونکہ اس وقت مولانا مودودی ان چیزوں کی مکمل اصلاح کر چکے تھے) اس احساس کی اصل بنیاد صرف یہ علم و احساس تھا کہ شریعت کی پابندی کے بارے میں مولانا مودودی کے بیان سے جو اطمینان کیا گیا تھا وہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اس بارے میں ان میں اس قدر تہاون اور اتنی سہل انگاری ہے جو مقام تقویٰ کے بالکل منافی ہے[۵۴] یہ علم و احساس کن چیزوں کا نتیجہ تھا۔ اسکی صراحت مولانا نے پسند نہیں کی ہو۔ البتہ گذشتہ ماہ کے الفرقان میں اُن کے بیان کا جو توضیحی ضمیمہ شائع ہوا ہو اس میں انھوں نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ اس علم و احساس میں جس چیز کو سب سے زیادہ دخل تھا وہ ایک صریح منکر تھا جس کے جواز کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔ اور اسکی اس حیثیت کے بارے میں مولانا مودودی کے اور اُن کے درمیان رائے کا کوئی اختلاف بھی نہیں تھا۔

۴۔ مولانا نے جماعت اسلامی کے بارے میں اپنی رائے کے ایک دور کے طور پر جو یہ لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے ایک قابل اعتماد اور جماعت اسلامی کے ساتھ انصاف پسند دوست

---

[۵۱] ملاحظہ الفرقان شعبان و رمضان ص۵۹ پیرا ۲ [۵۲] ایضاً ص۶۶،۶۷ [۵۳] ایضاً ص۹۱ پیرا ۲
[۵۴] ایضاً ص۹۲ پیرا ۲

کے توجہ دلانے پر اپنے ذرائع سے جو معلومات حاصل کیں ان سے بھی۔ یہی نتیجہ نکلا جو ان دوست کا خیال تھا کہ جماعت اسلامی کے متاثرین میں فہم دین کے بارے میں سلف سے بے اعتمادی خطرناک حد تک بڑھتی جارہی ہے۔ اس نتیجہ پر پہونچنے کے بعد مولانا نے اپنا جو موقف بیان کیا ہے وہ صرف یہ تھا کہ "انھوں نے جماعت کے بارے میں خیر کے پہلو کو غالب کہنا چھوڑ دیا"۔ یہ نہیں کہ انھوں نے جماعت میں شر کے پہلو کو غالب کہنا شروع کر دیا ہو![1]

۵۔ یہ موقف مولانا نے اس بنیاد پر اختیار کیا کہ سلف کے فہم دین سے بے اعتمادی کے نتیجہ میں انھیں اس کا کافی خطرہ نظر آتا ہے کہ جماعت سے کوئی ایسا شر اور ضلال پھیلے جو اپنے وزن کے اعتبار سے اس سارے خیر پر غالب ہو جائے، جو جماعت سے پھیلا ہے اور اب بھی پھیل رہا ہے۔ جیسا کہ اسلام کی تاریخ اس قسم کی عبرت انگیز داستانوں سے بھری پڑی ہے۔[2]

۶۔ آخری موقف، مولانا نے جماعت اسلامی کے بارے میں یہ اختیار کیا ہے کہ اب تک جو چیز ان کی نظر میں خطرہ کے درجہ میں تھی اب یقینی نظر آرہی ہے۔[3] اور اسکی وجہ مولانا کے بیان سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک طرف تو مولانا مودودی کے ماننے والوں کے ایک بڑے طبقہ میں سلف کے فہم دین سے بے اعتمادی اور مولانا مودودی کے فہم دین پر غایت درجہ اعتماد پیدا ہو چکا ہے اور دوسری طرف دین کے بارے میں مولانا مودودی کا میلان کچھ ایسے رجحانات کی طرف ہو گیا ہے۔ جن کو مولانا کے قدیم اور اہل علم رفقائے کار تک ایک سخت فتنہ کا پیش خیمہ سمجھ کر ان سے الگ ہونے بلکہ ان کا راستہ روکنے کی کوشش پر مجبور ہو گئے ہیں ـــــــ جن میں سے ایک صاحب (حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب) کے توسط سے ان فتنہ انگیز رجحانات کی ایک تازہ مثال کی نشاندہی شعبان و رمضان کے الفرقان میں بھی کی جا چکی ہے۔ اور حال ہی میں مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کے ایک تازہ بیان سے بھی حکیم صاحب کی مکمل تائید سامنے آگئی ہے[4] ـــــــ ظاہر ہو کہ

[1] ملاحظہ ہو الفرقان شعبان رمضان ۸۰ھ صفحہ ۹۳ [2] ایضاً ۹۳ [3] یہاں یہ ملحوظ رکھئے کہ اب بھی مولانا شر اور ضلال کے وجود کا حکم نہیں لگا رہے ہیں بلکہ اس کا صرف یقینی خطرہ ظاہر کر رہے ہیں [4] ۵ جون ۶۰ء کے مدینہ (بجنور) میں مولانا اصلاحی کا ایک مکتوب کی پہلی قسط شائع ہوئی ہے۔ اس میں مولانا امین احسن صاحب لکھتے ہیں (باقی صفحہ ۱۹ پر)

جب یہ دو باتیں جمع ہوگئی ہیں تو ہر سوچنے سمجھنے والے شخص کو یہ خطرہ یقینی نظر آئے گا کہ جماعت اسلامی مستقبل میں اسی تاریخ کو دہرانے جارہی ہے جس کا تجربہ بہت سے مخلص، سرگرم اور عملاً نہایت دیندار فرقوں سے ہو چکا ہے۔

یہ چند امور ہیں جن کی روشنی میں مولانا نعمانی کے مضمون پر کسی تنقید کو جانچنا چاہیئے۔

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔

---

(بقیہ حاشیہ صلا) "اس دوران میں امیر جماعت نے "ترجمان" میں یہ اصول بھی پیش فرمایا کہ "نظریاتی حکمت اور ہوتی ہے اور عملی حکمت اور ہوتی ہے"....... اس فلسفہ کو مدلل کرنے کے لیے ایک مثال بھی پیش کی گئی کہ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر مساوات کا درس دیتے رہے لیکن وفات کے وقت "الائمۃ من قریش" کہہ کر خلافت اپنے خاندان والوں کے سپرد کر گیے ـــــــ میں نے اس غلط طریق کار اور اس مہمل فلسفہ کے خلاف احتجاج کیا لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی"

# قرآنی دعوت

(مسلسل)

## سچائی اور راست بازی:-

قرآن مجید سے جن اخلاق کی بہت زیادہ اہمیت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے اُن میں سے ایک سچائی اور راست بازی بھی ہے۔ پھر قرآن مجید ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صداقت وسچائی کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ زبان سے غلط اور خلاف واقعہ بات نہ کہی جائے اور سچ بولا جائے، بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں دل کی سچائی اور عمل کی سچائی بھی شامل ہے، دل کی سچائی کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا نفاق اور کوئی دغا فریب نہ ہو، اور عمل کی سچائی یہ ہے کہ جو عقیدہ اور قول ہو، وہی عمل بھی ہو، اور ظاہر و باطن میں پوری یکسانیت ہو، جن بندوں کا یہ حال ہو، وہی قرآن مجید کی اصطلاح میں صادق ہیں، اور اگر اس صفت میں کامل ہوں تو صدیق ہیں اور قرآن مجید کی دعوت وتعلیم یہ ہے کہ آدمی کو ایسا ہی ہونا چاہیے اور ایسوں ہی کے ساتھ رہنا چاہیے تاکہ "صحبت صالح ترا صالح کند" کے فطری اصول پر ان کی ہمرنگی نصیب ہو ——— سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا گیا

| يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ ۝ | اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ |
|---|---|

(توبہ ع ۱۵)

صدق اور سچائی کے معنی کی اس وسعت پر سورۂ بقرہ کی اُن آیات سے بھی روشنی

پڑتی ہو جن میں فرمایا گیا ہو کہ اللہ کے نیک بندے وہ ہیں اور اصلی نیکی انھیں کی نیکی ہو جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت اور دوسرے ایمانی حقائق پر ایمان ہو، اور اس ایمان کی وجہ سے وہ اپنا کمایا ہوا مال اللہ تعالیٰ کے حاجت مند بندوں، یتیموں، مسکینوں وغیرہ پر صرف کرتے ہوں اور عہد کے پورا کرنے والے اور حق و صداقت کی راہ میں پڑنے والی مصیبتوں اور تکلیفوں کو صبر و ثابت قدمی کے ساتھ برداشت کرنے والے ہوں۔ ان بندوں کے یہ تمام اوصاف بیان فرمانے کے بعد آخر میں فرمایا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| أُولٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ | یہی بندے ہیں جو سچے ہیں اور یہی ہیں متقی پرہیزگار۔ |

(بقرہ ع ۲۲)

اسی طرح سورۂ حجرات میں فرمایا گیا ہو۔

| | |
|---|---|
| إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللهِ أُولٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُونَ ۝ (حجرات ع ۲) | اصلی مومن بندے تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کیا اور اللہ کے راستے میں اپنے جان و مال سے پوری جد و جہد کی، بس یہی بندے ہیں سچے۔ |

اور اسی وجہ سے کہ صدق اور سچائی کے معنی میں دل کی اور عمل کی سچائی بھی شامل ہو سورۂ احزاب کی ایک آیت میں صادقین کے مقابلہ میں منافقین کا لفظ استعمال کیا گیا ہو۔ ارشاد ہو۔

| | |
|---|---|
| لِيَجْزِيَ اللهُ الصّٰدِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ۔ الآیۃ (احزاب ع ۳) | تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا عوض اور صلہ دے، اور سزا دے منافقین کو اگر چاہے.... |

صدق و سچائی کے یہ معنی اور اس کی یہ وسعت اور گہرائی معلوم ہونے کے بعد آپ کو آپ یہ بات معلوم ہو جاتی ہو کہ جن بندوں کو ایمان کے ساتھ صدق و سچائی کی یہ صفت پوری طرح

نصیب ہو، وہ اللہ کے کامل ترین بندے ہیں اور نبیوں کے سوا ان سے اونچا مقام کسی کا نہیں، اسی لیے قرآن مجید میں جہاں اہلِ ایمان کے ان چار طبقوں کا ذکر کیا گیا ہو جن کو اللہ تعالیٰ کا خاص قرب اور مقبولیت و محبوبیت کا خاص مقام حاصل ہو اور جن پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہو، وہاں نبیوں کے بعد دوسرے نمبر پر صدیقین ہی کا ذکر فرمایا گیا ہو۔ ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۝ (النساء ع ۹) | اور جو اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں پس وہ (جنت میں) اللہ کے اُن خاص بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کی خصوصی نوازش ہو، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، اور یہ لوگ بڑے ہی اچھے ساتھی ہیں۔ |

صداقت و صدیقیت کی صفت کی بلند مقامی کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہو کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کی تعریف میں فرمایا گیا ہو کہ ان میں صدیقیت کی صفت موجود تھی ——— سورۂ مریم میں ارشاد ہوا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۝ (مریم ع ۳) | اور کتاب میں ابراہیمؑ کا حال بیان کرو وہ تھے صدیق، نبی! |

اسی طرح اسی سورۂ مریم کے اس سے اگلے رکوع میں حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق بھی بالکل یہی الفاظ فرمائے گئے ہیں اور اسی طرح حضرت مریمؑ کی شان میں بھی بڑے بڑا تعریفی کلمہ قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا ہو "وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ" (حضرت مسیحؑ کی والدہ مریمؑ "صدیقہ" تھیں)

نیز قرآن مجید کا بیان ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قید خانہ کے اُس ساتھی نے جو اُن سے بہت متاثر اور اُن کا بڑا معتقد ہو گیا تھا، ان کو صدیق ہی کی صفت سے پکارا اور کہا۔

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ .... اے بڑے راست باز یوسف!....

پھر اس سے بھی بڑی بات یہ ہو کہ قرآن مجید میں صدق اور سچائی کو اللہ تعالیٰ کی بھی صفت بتایا گیا ہو، بلکہ فرمایا گیا ہو کہ وہ سب سے بڑا سچا ہے۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا۔ (النساء ع ۱۸)
اور اللہ سے زیادہ کون سچا ہو سکتا ہو قول میں؟ (کوئی نہیں)

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا (النساء ع ۱۱)
اور کون اللہ سے زیادہ سچا ہو سکتا ہو بات میں؟ (کوئی بھی نہیں)

صدق اور سچائی کی صفت کی یہ عظمت اور اہمیت معلوم ہو جانے کے بعد خود ہی سمجھا جا سکتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس صفت کا کتنا بڑا درجہ ہو۔ اور اس کا کیسا عظیم صلہ ملنے والا ہے تاہم قرآن مجید کی چند آیتیں اس سلسلے میں بھی پڑھ لیجئے!

ابھی صبر کے بیان میں سورہ آل عمران کی وہ آیت ذکر کی جا چکی ہو جس میں جنتی بندوں کے اوصاف و اخلاق بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے ان کی صفت صبر اور صدق ہی کا ذکر کیا گیا ہو۔

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ۔ الآیۃ (آل عمران ع ۲)
صبر کرنے والے، سچے اور راست باز اور اللہ کے فرمانبردار بندے۔

اور سورۂ احزاب میں صاحب ایمان بندوں اور بندیوں کے لیے جن صفات پر اللہ کی خاص مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت سنائی گئی ہو ان میں ایمان و اسلام اور اللہ کی فرمانبرداری کے بعد سب سے پہلے ان کی صفت صداقت اور سچائی ہی کا ذکر کیا گیا ہو ــــ ارشاد ہو۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ ...... الآیۃ
اسلام و ایمان لانے والے بندے اور بندیاں اور اس کی فرمانبرداری کرنے والے بندے اور بندیاں اور صدق و سچائی کی صفت رکھنے والے بندے اور بندیاں ......

آگے ان کی چند اور صفات بیان فرمانے کے بعد ان کو بشارت سنائی گئی ہو کہ

اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝

(احزاب ع ۵)

اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مغفرت (کا فیصلہ فرمایا ہو) اور اجر عظیم تیار کر کے رکھا ہو۔

اور سورہ مائدہ کے آخری رکوع میں قیامت کے دن کے بارہ میں ارشاد ہوا ہو۔

ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُھُمْ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ۝ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

(مائدہ ع ۱۶)

یہ وہ دن ہو کہ نفع دے گا صادقین کو یعنی سچوں کو ان کا صدق اور ان کی راست بازی، ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان کا اللہ ان سے راضی اور وہ اپنے اللہ سے خوش یہ بڑی عظیم الشان کامیابی ہو۔

قرآن مجید نے صادقین کو مغفرت وجنت اور اجر عظیم اور رضاء الٰہی کی یہ روح پرور بشارتیں سنا کر دراصل ایک خاص انداز سے صدق وسچائی کی نہایت مؤثر دعوت اور دلکش ترغیب دی ہو۔

## وفاءِ عہد:-

عہد کا پورا کرنا بھی دراصل صدق اور سچائی ہی کی ایک خاص شکل ہو۔ بلکہ قرآن مجید میں بعض مقامات پر تو اس کے لیے صدق ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہو ـــــــ سورۂ احزاب میں ارشاد ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ

(احزاب ع ۳)

ایمان والوں میں کچھ لوگ وہ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اس میں وہ سچے اترے۔

اس آیت میں وفاء عہد کو صدق ہی کے لفظ سے ادا کیا گیا ہو ـــــــ بہرحال یہ صدق ہی کی ایک خاص قسم ہو۔ لیکن قرآن مجید میں چونکہ اس کا مطالبہ وفاء عہد اور وفاء عقد کے مستقل عنوان

سے کیا گیا ہو۔ اس لیے ہم نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اس سلسلہ کے قرآن مجید کے ارشادات کو مستقل عنوان کے ذیل میں ذکر کریں۔

سورۂ مائدہ کی سب سے پہلی آیت جس سے یہ سورت شروع ہوتی ہو، سنئے! ارشاد ہو۔

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۝ (مائدہ ع ۱) | اے ایمان والو، تمہارے درمیان جو عہد، معاہدے اور جو معاملے ہوں ان کو پورا کرو |

اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۴) | عہد کو پورا کرو، یقیناً عہد کے بارہ میں (قیامت کے دن) پوچھ گچھ ہوگی۔ |

وفاءِ عہد کی اس صریح دعوت و تعلیم اور اس طرح کے سیدھے اور براہ راست مطالبے کے علاوہ اس کی ترغیب قرآن مجید میں اس طرح بھی دی گئی ہو کہ عہد کے پورا کرنے والوں کو جابجا جنت کی اور اُخروی فوز و فلاح کی اور اللہ تعالےٰ کی رضا کی بشارت سنائی گئی ہے۔

سورۂ بقرہ کے بائیسویں رکوع کی اُن آیات کا تذکرہ ابھی اوپر صدق کے بیان میں ہو چکا ہو جن میں اللہ تعالےٰ کے نیک اور متقی بندوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں وہاں ایک خاص وصف ان کا یہ بھی بیان ہوا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا۔ (بقرہ ع ۲۲) | اور وہ بندے جو پورا کرنے والے ہیں اپنا عہد جب وہ عہد کریں۔ |

اسی طرح سورۂ مومنون کے شروع میں جہاں فلاح پانے والے اہلِ ایمان کے اوصاف و اخلاق بیان کیے گئے ہیں وہاں ایک خاص وصف ان کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ (المومنون ع ۱) | اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس لحاظ رکھتے ہیں۔ |

اور سورۂ معارج میں جہاں جنتی مسلمانوں کے اوصاف کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے وہاں بھی ان کی اس صفت کو بالکل انھیں الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ (معارج ع ۱)

قرآن مجید نے وفاء عہد کی عظمت کو ایک دوسرے انداز میں اس طرح بھی ظاہر کیا ہے، کہ اس کو حق تعالیٰ کی صفت بتایا ہے ـــــ ارشاد ہے

وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ (توبہ ع ۱۴) — اور اللہ سے زیادہ کون اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے۔

اور دوسری جگہ منفی انداز میں فرمایا۔

وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (روم ع ۱) — اللہ کا وعدہ ہوا ہے، اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

اور ایک اور جگہ تاکید کے صیغہ کے ساتھ فرمایا گیا ہے

وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ۔ (حج ع ۶) — اور اللہ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کریگا۔

اور ایک جگہ فرمایا گیا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ (رعد ع ۴) — یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔ جو اس کا وعدہ ہے ضرور پورا ہوگا۔

ان آیتوں کا مفاد یہی ہے کہ وفاء عہد اللہ تعالےٰ کی صفت ہے، وہ اپنے ہر عہد اور ہر وعدہ کا پورا کرنے والا ہے ـــــ ظاہر ہے کہ اس میں بندوں کے لیے اسکی کس قدر موثر اور دلکش ترغیب ہے کہ وہ بھی عہد کو پورا کیا کریں اور عہد شکنی سے بچیں۔

# دین کی خدمت و نصرت

## دعوت و تبلیغ، تعلیم و تزکیہ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، قتال فی سبیل اللہ

[مولانا نعمانی کی ایک تازہ تصنیف "اسلام کی حقیقت" اس وقت زیر طبع ہے "اسلام کیا ہے" کی طرح یہ بھی اسلامی تعلیمات پر ایک جامع کتاب ہو، معیار کے لحاظ سے اس سے آگے کی درجہ کی ہے، ذیل میں اسی کے چند صفحات پیش کئے جارہے ہیں۔]

جیسا کہ شروع ہی میں تفصیل سے بتایا جاچکا ہے "دین اسلام" اس صالح طریق زندگی اور اس خداوندی ہدایت کا نام ہے جس کا پیغام انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کو پہنچتا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں نبیوں کے دو کام تھے — ایک وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اس طریق زندگی اور اس ہدایت کا علم حاصل کرنا —— اور دوسرے اس علم و ہدایت کو بندوں تک پہونچانا، بتانا سکھانا اور اُن کو اس پر چلانے کی کوشش کرنا —— ان میں سے پہلا کام تو سلسلۂ نبوت ختم ہونے کے ساتھ ختم ہوگیا، ختم نبوت کا مطلب ہی یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب کسی کو یہ مقام و منصب عطا نہیں فرمایا جائے گا کہ وحی کے ذریعہ اس پر دین و شریعت کے احکام نازل ہوں اور اس کو نبی مان کر اسکی اطاعت و پیروی کرنا لوگوں کے لیے ضروری ہو —— محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی اس ہدایت و شریعت نے جو قیامت تک پیدا ہونے والے سب انسانوں رہنمائی کے لیے کافی ہے اور جس کے

آخری زمانہ تک محفوظ رہنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام بھی کر دیا گیا ہے —— اس ضرورت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا —— لیکن سلسلۂ نبوت کا دوسرا کام (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی اس ہدایت و شریعت کو بندوں تک پہنچانا اور ان کو اس پر چلانے کی کوشش کرنا) باقی اور جاری ہے اور امت محمدی کا یہ خاص شرف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں وہ اس مقدس مشن کو قیامت تک جاری رکھنے اور اس کار نبوت کو انجام دینے کی ذمہ دار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں یہ کام دعوت و تبلیغ سے شروع کیا تھا، لوگوں کو آپ اللہ کی طرف اور اس کے دین کی طرف بلاتے تھے، اس راستہ پر یہ آپ کا پہلا قدم تھا، پھر جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کے کچھ بندوں نے آپ کی ایمانی دعوت کو قبول کر لیا اور اپنے لئے اس دین حق اور اس صالح طریق زندگی کا فیصلہ کر لیا جس کی طرف آپ دعوت دیتے تھے تو ابتدائی دعوت و تبلیغ کے ساتھ ان اہل ایمان کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و ارشاد اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے کام کا اور اضافہ ہو گیا —— پھر ایک وقت آیا کہ ہدایت و ارشاد کے اس مقدس مشن کی حفاظت اور اس کو آگے بڑھانے کے لئے اور اللہ کے زیادہ سے زیادہ بندوں کو ایمان و عمل صالح کی دولت سے بہرہ مند کرنے کے لیے اُن باطل کوش مخالف طاقتوں سے نمٹنا ضروری ہو گیا جو اللہ کے نور کی اس شمع کو زبردستی بجھا دینا چاہتی تھیں یا اُس کے راستہ میں مزاحم ہوتی تھیں، اس وقت اس مقدس مہم کے پروگرام میں جہاد و قتال کا بھی اضافہ ہو گیا، اور پھر زمانہ کی رفتار کے ساتھ یہ سارے کام بھی روز بروز بڑھتے ہی گئے —— جو لوگ آپ کی دعوت قبول کرتے تھے ان کو آپ دین کے بنیادی اصول و احکام بتلانے کے ساتھ اسکی بھی تلقین فرماتے تھے کہ دین کی دعوت و خدمت اور اللہ کے بندوں کی اصلاح و ہدایت کا جو کام اور اس راستہ میں جو جد و جہد میں کر رہا ہوں تمہیں بھی اپنے حالات و امکانات کے مطابق اس میں میرا ساتھ دینا ہے اور اس کام کو اپنا کام بنانا ہے —— جب تک آپ اس دنیا میں رونق افروز رہے، امت آپ کی زیر قیادت، ہدایت و ارشاد اور دین کی خدمت و نصرت کی اس پیغمبرانہ مہم میں اپنے جان و مال سے پوری طرح آپ کی شریک و رفیق

رہی، دعوت و تبلیغ، تعلیم و تربیت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے میدانوں میں اور جہاد و قتال کے معرکوں میں آپ کے زیر ہدایت اپنا یہ فرض ادا کرتی رہی، پھر جب آپ اس عالم سے دوسرے عالم کی طرف تشریف لے گئے تو اس پوری مقدس مہم کو اسی طرح جاری رکھنا اور اس کے تمام شعبوں کے تقاضوں کو انجام دیتے رہنا بطور نیابت اس امت ہی کا فریضہ ہوگیا اور اب قیامت تک کے لئے خدمت دین و نصرتِ دین کے ان سب شعبوں میں آپ کی امت ہی آپ کی قائم مقام اور مسئول و جوابدہ ہے۔

اس کام کی اہمیت و فضیلت کے لئے اگرچہ یہی کافی ہے کہ یہ دراصل پیغمبرانہ کام اور کارِ نبوت کی نیابت ہے لیکن پھر بھی اس بارہ میں قرآن و حدیث کے بعض تاکیدی و ترغیبی نصوص یہاں ذکر کر دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

## دین کی خدمت و نصرت کے مختلف شعبے اور مختلف صورتیں

جیسا کہ اوپر کی سطروں سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا اس کام کے مختلف شعبے ہیں، دعوت و تبلیغ، تعلیم و تزکیہ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور قتال فی سبیل اللہ "دین کی نصرت" کا لفظ (جس کے معنی ہیں دین کی مدد) اور اسی طرح "جہاد" اور "جہد" کا لفظ (جس کے معنی ہیں کسی مقصد کے لئے پوری محنت و کوشش) اپنے اصل معنی کے لحاظ سے خدمتِ دین کے ان سب شعبوں پر حاوی ہیں، اور قرآن مجید میں یہ دونوں لفظ بکثرت اسی عام معنی میں استعمال ہوئے ہیں اور بعض مقامات پر خدمت و نصرت دین کی آخری مخصوص شکل یعنی قتال فی سبیل اللہ کے لیے بھی استعمال ہوئے ہیں۔

پہلے ہم چند وہ آیتیں پیش کرتے ہیں جن میں دین کی مطلق خدمت و نصرت اور دین کے لیے جد و جہد کی بطور عموم تاکید کی گئی ہے یا ترغیب دی گئی ہے، خواہ وہ کسی طور پر اور کسی شکل میں ہو ——— اس کے بعد ہم وہ آیتیں پیش کریں گے جن میں خدمت دین کے خاص خاص شعبوں کے لیے تاکید فرمائی گئی یا ترغیب دی گئی ہے ——— پہلے قسم اوّل کی آیتیں سنئے!

---

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

(مائدہ ع ۶)

اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور اس کے (قرب و رضا کا) ذریعہ تلاش کرو (یعنی ایسے عمل کرو جن سے اس کی رضا حاصل ہو، اور اس سلسلہ کا خاص الخاص عمل یہ ہو کہ) اس کے دین کی راہ میں جدوجہد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اور سورۂ حج کے آخر میں ارشاد ہے:۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔

(سورۂ حج ع ۱۰)

اور جدوجہد کرو اللہ کی راہ میں اور اس کے دین کے راستہ میں جیسی جدوجہد کا اس کا حق ہے (اے امت محمد) اللہ نے تم کو اس خدمت کے لیے چنا ہے، طریقہ ہے تمہارے باپ ابراہیم کا، اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے اس (کتاب قرآن مجید) میں اور اس سے پہلے (والی کتابوں میں) تو ایسا ہو کہ رسول تمہارا نگراں و معلم ہو اور (رسول سے دین کی تعلیم و تربیت پا کے) تم باقی دنیا کے نگراں و معلم بنو۔

اور سورۂ صف میں ارشاد ہوا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسا کاروبار بتا دوں جو دردناک عذاب سے تمہیں نجات دلا دے؟ (سنو وہ یہ

اَلِیۡمٍ ۞ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ
وَرَسُوۡلِہٖ وَتُجَاھِدُوۡنَ
فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَنۡفُسِکُمۡ
وَاَمۡوَالِکُمۡ ذَالِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ
اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۞
یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ
وَیُدۡخِلۡکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ
مِنۡ تَحۡتِھَا الۡاَنۡھٰرُ وَمَسٰکِنَ
طَیِّبَۃً فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ
ذَالِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ۞
وَاُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَھَا نَصۡرٌ
مِنَ اللّٰہِ وَفَتۡحٌ قَرِیۡبٌ
وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۞ یَا
اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا
اَنۡصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ
عِیۡسَی بۡنُ مَرۡیَمَ لِلۡحَوَارِیّٖنَ
مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ
قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ
اَنۡصَارُ اللّٰہِ

(صف ع ۲)

ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے
رسول پر (اور اس ایمان کے مطالبوں
کو ادا کر کے اپنے حقیقی مومن ہونے کا ثبوت
دو) اور اپنے جان و مال سے اللہ کے
راستے میں اور اس کے دین کے لیے جدّوجہد
کرو، یہ تمہارے لئے سراسر خیر ہے اگر تم کو
حقیقت کا علم ہو، (اگر تم نے ایسا کیا) تو
اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو
بہشت کے اُن باغات میں پہنچا دے گا
جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور سدا بہار
جنتوں کے نہایت نفیس مکانات میں تمہیں
بسائے گا، یہ عظیم الشان کامیابی ہو (اور
آخرت کی اس جنت اور کامیابی کے
علاوہ اور اس سے پہلے) ایک دوسری
نعمت بھی تم کو عطا کرے گا جس کی تمہیں
چاہت ہو (اور وہ ہو) دشمنوں کے مقابلہ
میں اللہ کی مدد اور قریبی فتح، اور اے پیغمبر
آپ ایمان والے بندوں کو اسکی خوشخبری
سنا دیجئے ـــــ اے ایمان والو ہو جاؤ
اللہ کے مددگار، جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے
حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہیں میری مدد کرنے والے
اللہ کے راستے میں؟ تو حواریوں نے کہا ہم ہیں اللہ کے
انصار، اور اسکے راستے میں آپ کے مددگار۔

سورۂ صف کی اِن آیتوں کے آخر میں اس امت کے اہل ایمان کو "کونوا انصار اللہ" کے دلنواز نعرے کے ذریعہ دین کی نصرت اور مدد کا حکم اور اسکی ترغیب دیتے ہوئے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پکار "من انصاری الی اللہ" اور حواریوں کے جواب "نحن انصار اللہ" کا ذکر جس طرح کیا گیا ہے اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان آیتوں میں جس جہاد اور نصرت کی اہل ایمان کو دعوت و ترغیب دی گئی ہے اس سے مراد خاص جہاد بالسیف ہی نہیں ہے بلکہ دین کی عام کوشش اور مدد مراد ہے کیونکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے متعلق یہ معلوم و مسلم ہے کہ انھوں نے کبھی بھی جہاد بالسیف نہیں کیا، ان کا جہاد دعوت و تبلیغ تعلیم و تزکیہ اور اصلاح وارشاد کی راہ میں تکلیفیں اٹھانا اور مصیبتیں سہنا ہی تھا۔

بہرحال قرآن مجید کی اِن سب آیتوں میں اہل ایمان کو جہاد یا نصرت کے لفظ سے دین کی جدوجہد اور خدمت و نصرت کی جو دعوت دی گئی ہے اس میں ہر وہ سعی و کوشش اور ہر وہ محنت و خدمت اور ہر وہ قربانی داخل ہے جو دین کے فروغ کے لیے اور اللہ کے بندوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے کی جائے خواہ وہ تبلیغ و دعوت کی شکل میں ہو یا تعلیم و تربیت کی شکل میں یا جنگ و قتال کی صورت میں۔

## دین کی جدوجہد اور خدمت و نصرت کے خاص خاص شعبوں کی تاکید و ترغیب

اس کے بعد وہ چند آیتیں بھی سن لیجیے جن میں دینی جدوجہد اور دین کی خدمت و نصرت کے مختلف شعبوں اور اسکی مختلف صورتوں میں سے کسی خاص شعبہ اور کسی خاص صورت کی اہل ایمان کو دعوت و ترغیب دی گئی ہے یا ہدایت و تاکید فرمائی گئی ہے۔

## دعوت حق، امر بالمعروف و نہی عن المنکر

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:۔

| | |
|---|---|
| وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ | اور ضروری ہے کہ تم میں سے ایک امت |
| إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ | ایسی ہو جو لوگوں کو بھلائی کی طرف |
| بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ | دعوت دے، نیکی کے لیے لوگوں سے |
| عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ | کہے اور برائی سے روکے، اور اس |

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ (آل عمران ع)

کام کرنے والے ہی فلاح یاب ہوں گے۔

اس آیت کے لفظ "منکم" سے شبہ ہو سکتا ہو کہ دعوت الی الخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام پوری امت کے ذمہ نہیں ہے بلکہ اس کے کسی خاص طبقہ اور خاص گروہ کو یہ کام انجام دینا ہے اور وہی اسکے لئے ذمہ دار ہے لیکن ایسا سمجھنا غلط فہمی ہو گی اوّلاً تو اسلئے کہ اسی آیت میں آگے فرمایا گیا ہے کہ "اس کام کے کرنے والے ہی فلاح پانے والے ہیں" اور ظاہر ہو کہ جس نیک کام پر نجات و فلاح کا انحصار ہو وہ امت کے کسی خاص طبقہ اور گروہ کا کام نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں اس آیت سے ۴-۵ ہی آیتوں کے بعد یہ دوسری آیت ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران ع)

اے پیروان محمد! تم تمام امتوں میں وہ بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح و ہدایت) کے لیے ظہور میں لائی گئی ہو تمھارا کام یہ ہے کہ نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت میں اس امت کے ظہور کی غرض و غایت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ اس کو ایمان باللہ کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور لوگوں کی اصلاح و ہدایت کی خدمت انجام دینا ہے۔ اس لئے ان آیتوں کی رو سے ان کاموں کی انجام دہی کی ذمہ داری تو پوری امت کی ہو لیکن ان کاموں کی خاص نوعیت ایسی ہے کہ ان کی انجام دہی کے لئے اکثر حالات میں امت کے ہر ہر فرد کا ان میں لگنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ ان کاموں کی اہلیت اور صلاحیت رکھنے والے لوگ بقدر کفایت اگر ان کاموں میں لگ جائیں اور باقی افراد امت کی تائید اور تعاون ان کو حاصل رہے تو بھی کام پورا ہو جاتا ہے ——— بہرحال اس عاجز کا خیال ہے کہ غالباً اسی طرف اشارہ کے لیے پہلی آیت میں

منکم کا لفظ لایا گیا ہے ___ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک آیت اس سلسلہ میں اور سن لیجائے سورۂ نساء میں ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۔ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۔ (النساء ع ۱۰) | بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر لعنت ہوئی اللہ کے نبی داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر، یہ اس لیے ہوا کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے (ان کا ایک خاص گناہ جو اس لعنت کا سبب بنا یہ تھا) کہ جو برائیاں وہ کرنے لگے تھے آپس میں ایک دوسرے کو اُن سے روکتے نہیں تھے (نہی عن المنکر کا فریضہ انھوں نے معطل کر رکھا تھا) انکا یہ بہت برا فعل تھا۔ |

اس آیت سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس درجہ کا فریضہ ہے کہ اس سے غفلت برتنے اور اس کو ترک کرنے کی وجہ کر بنی اسرائیل قابل لعنت ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں اس کے ذکر کرنے کا خاص مقصد امت محمدی کو یہ آگاہی دینا ہے کہ اگر اس بارہ میں اس نے بھی وہی غفلت کی جو بنی اسرائیل نے کی تھی تو بنی اسرائیل ہی کی طرح وہ بھی خدا کی خاص رحمت و نصرت سے محروم اور لعنت کی مستحق ہو جائے گی۔

اس موقع پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں بھی سن لی جائیں۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ | قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم امر بالمعروف اور |

عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ عِنْدِهٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ وَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ۔

(رواہ الترمذی)

نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہو اور اگر ایسا نہیں کروگے، تو ضرور ایسا ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیجے پھر تم (اس عذاب سے نجات کے لیے) اس سے دعائیں کروگے، اور تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی۔

دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اسی اشارے کی تفصیل اور وضاحت ہے جو سورہ نساء کی مذکورہ بالا آیت سے مفہوم ہوتا ہے۔

اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ۔

(رواہ مسلم)

تم میں سے جو شخص کوئی برا عمل ہوتے دیکھے تو (اگر اپنی طاقت وقوت سے اس برائی کو نیکی سے بدل سکتا ہو) تو وہ اپنی طاقت استعمال کرکے اس تبدیلی کی کوشش کرے اور اگر اسکی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے اس کی کوشش کرے، اور اگر یہ بھی نہ کرسکتا ہو تو پھر دل ہی سے کرے (یعنی دل ہی سے اس کو برا سمجھے اور اس کی اصلاح کے بارے میں سوچتا رہے) اور یہ آخری صورت ایمان کے سخت ضعف کے وقت ہوگی۔

اور حضرت جریر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِیْ قَوْمٍ يَعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِیْ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُغَيِّرُوْا

جو شخص کسی قوم میں رہتا ہو اور ان کے اندر رہ کر اللہ کی نافرمانیاں کرتا ہو اور وہ لوگ اس کے اس طرز عمل کے

عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُوْنَ إِلَّا أَصَابَهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ أَنْ يَمُوْتُوْا۔

(رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

بدلنے کی قدرت رکھتے ہوں لیکن اس کے باوجود نہ بدلیں تو اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے دنیا ہی میں ان کو اپنے عذاب میں مبتلا کرے گا۔

(باقی آئندہ)

# "وقت کی سب سے بڑی ٹریجڈی"

## ایک بصیرت افروز مکتوب

[ذیل میں "مغربی پاکستان" سے آیا ہوا ایک مکتوب پیش کیا جا رہا ہے۔ اس مکتوب سے جماعت اسلامی پاکستان کے انقلاب حال کے نہایت بنیادی اسباب پر روشنی پڑتی ہے۔ اور صاحب مکتوب کے بارے میں مودودی صاحب کے اس تاثر سے متفق ہونا پڑتا ہے کہ وہ "صاحب فکر" لوگوں میں ہیں۔[1] ——— عتیق الرحمٰن]

محترم مولانا صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الفرقان کے تازہ شمارے میں جماعت اسلامی سے متعلق آپ کا مضمون، اور مولانا نعمانی کی جو سرگذشت شائع ہوئی ہے اس سلسلے میں میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

مولانا مودودی کا وہ مضمون جو "جماعت اسلامی کے موقف اور طریق کار کے متعلق بعض اہم توضیحات" کے عنوان سے، ترجمان القرآن بابتہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ کے پرچہ میں شائع ہوا تھا، اور جس کو المنبر میں "دین کو تحریک سمجھنے کی ہلاکت آفرینیاں" کے موضوع سے زیر بحث لایا گیا، وہ مضمون میرے ہی مکتوبات کے جوابات میں مولانائے محترم نے تحریر فرمایا تھا۔ قابل ذکر بات یہاں یہ ہے کہ حضرت مولانا نے اس سے قبل اور بعد کے میرے دوسرے مکتوبات سے کوئی تعرض نہیں فرمایا، بلکہ آخر میں اس سلسلے کو یہ کہہ کر منقطع فرما دیا کہ "میرے لیے اس کا جاری رکھنا ممکن نہیں، آپ اگر کوئی جماعت بنانا چاہتے ہیں تو بنالیں جماعت اسلامی تو موجودہ روش کو ہی صحیح سمجھتی ہے۔" وغیرہ۔ میں حیران تھا کہ مولانا نے صرف مسئلہ انتخابات کو ہی کیوں موضوع بحث بنایا، اور میری دیگر معروضات کی طرف جن کا تعلق زیادہ تر جماعت کے دیگر بنیادی مسائل اور کمزوریوں سے اور ان کے شائع فرمودہ جوابات سے تھا، کیوں توجہ نہیں

[1] ترجمان القرآن (بابت ربیع الثانی ۷۶ھ) صفحہ

فرمائی۔ مولانا نعمانی صاحب کی سرگذشت پڑھنے کے بعد یہ حیرانی دور ہوئی۔

قابلِ غور امر یہ ہو کہ گذشتہ نصف صدی میں بہت سی جماعتیں اسلام کے نام پر اس برصغیر میں اٹھیں مگر آخر کار یا تو سب کی سب بیٹھ گئیں یا داخلی انتشار کا شکار ہو گئیں یا کسی خاص غرض کا آلۂ کار بن کر رہ گئیں حالانکہ ان کے داعیان کا خلوص شک و شبہ سے بالاتر تھا اور اُن کے کارکنان کی سرگرمیاں و قربانیاں، کسی طرح کم نہ تھیں، میرے ناقص خیال میں ان جماعتوں کے بلند مقاصد اور پرخلوص ادعاآت کے باوجود ان کے قیام کا پس منظر، وقت کے ہنگامی مسائل تھے اور غیر شعوری طور پر اقامتِ دین و دعوت اسلام کے پروگرام کو ان ہنگامی مسائل کا حل سمجھ لیا گیا تھا، مگر جب وہ مسائل آرزوؤں کے مطابق حل نہ ہوئے اور وقت کے ہنگاموں نے دوسرے مسائل کھڑے کر دیئے تو پھر جماعتیں بھی بے اثر یا کھلونا بننے لگیں اور اُن کے داعیان بھی اپنی روش بدلنے پر مجبور ہو گئے۔

یہ بات مولینا الیاس رحمۃ اللہ علیہ، کی تبلیغی جماعت کے سوا ہر جماعت سے زیادہ ایک کام کہنا موزوں تر ہو گا، نصف صدی کی سب ہی اسلامی جماعتوں کے متعلق برملا کہی جا سکتی ہو۔

بعض جماعتوں کا پس منظر ملک کی آزادی کا مسئلہ تھا، بعض کا پس منظر مسلمانوں کے جداگانہ حقوق کا سوال تھا، بعض کا پس منظر ملک میں سیاسی تبدیلیوں کے امکانات تھا، وغیرہ وغیرہ، یہ حقیقت ان جماعتوں کے داعیان کے تحریری اور تقریری ارتقار کا بغور مطالعہ کرنے سے بآسانی واضح ہو سکتی ہو۔

چنانچہ، اسی طرح ہندوستان کی سیاست میں، انڈیا ایکٹ کے بعد جب تک مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کا سوال زیر بحث رہا، مولنا مودودی کی تحریریں بھی، تمام تر اسی محور پر گردش کرتی رہیں، لیکن جیسے ہی دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی اور جنگی ضروریات نے، اتحادی طاقتوں کو، جرمنی کے نسلی و وطنی نظریہ کیخلاف ایک عالمی انسانی نظریہ کے پروپگنڈے پر مجبور کیا تو معاً مولانائے موصوف کی تحریرات میں بھی تبدیلی آگئی! اور وہ اسلام کی عام دعوت و اقامت دین کا نظریاتی علم لے کر کھڑے ہو گئے، اس دور کی اُن کی تمام تحریرات، تعبیرات و تشریحات، اسلامی دعوت کی عمومیت و ہمہ گیریت کے افکار سے بھری ہوئی ملیں گی، اور وہ اس باب میں اتنا آگے بڑھتے چلے گئے کہ وقت کے کسی بھی مفاد و تقاضے کے ساتھ صلح کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، بلکہ اس قسم کے خیالات پیش کرنے والوں کی سختی کے ساتھ تردید فرماتے رہے۔ لیکن

جنگ کے خاتمہ کے بعد جب دنیا بھر، ملکوں، قوموں اور نسلوں میں بٹنے لگی اور وقت کے تقاضے بدلے، ہنگاموں نے زور پکڑا، تو آخر کب تک وہ اس کے اثر سے محفوظ رہتے، چنانچہ وقت کی سیاسی پیچیدگیوں کی خاطر وہ اپنی سطح سے نیچے اتر آئے اور آج ان کا سارا مطمح نظر سمٹ سمٹا کر پاکستان میں جداگانہ انتخاب کے مسئلہ پر آگیا ہو۔ حالانکہ میری نظر میں جماعت اسلامی کے داعی کی حیثیت سے وہ اس محدود اور وقتی سیاست سے بہت زیادہ بلند تھے، انھوں نے ایک بار ابوالکلام آزاد مرحوم کی دینی دعوت سے علیحدگی اور وقتی سیاست میں مشغولیت کا ماتم کرتے ہوئے اسے اس صدی کی بہت بڑی ٹریجڈی شمار کیا تھا، مگر آج اُن کی جدید روش اور انقلاب حال کو دیکھ کر، کتنے ہی دل ہیں جو اس غیر متوقع اور وقت کی سب سے بڑی ٹریجڈی پر رو رہے ہیں۔ اس لیے کہ نہ تو وہ دینی دعوت کی ہمہ گیریت کے تقاضوں کو اولیت دینا چاہتے ہیں۔ نہ وقتی سیاست کی مشغولیت سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہیں اور نہ اپنے اور جماعت کے اس انقلاب حال کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ساتھ ہی یہ کہ صف اول کے آزمودہ کار رفقار کی علیحدگی کے بعد ان کے دلشتگان کے لیے ان کی ذات کے سوا مستقبل کی جو رہنمائی مفقود ہو گئی ہو، نہ اس کے خطرناک عواقب پر غور فرماتے ہیں، جبکہ بدقسمتی سے تحریک کا مزاج بیرونِ جماعت اکابرین سے بداعتمادی اور بعض حالتوں میں سوءِ ظن پر مبنی رہا ہو۔ نیز سلف کی فہم و دانش بھی جماعتی افکار میں از اول تا آخر زیر بحث رہی ہو، اس لیے شدید اندیشہ ہو کہ آگے چل کر یا تو جماعت خطرناک پراگندگی کا شکار نہ ہو جائے یا ایک علیحدہ اور مستقل فرقہ کی حیثیت نہ اختیار کر لے، اگرچہ یہ امید کی جا سکتی ہو کہ مولٰنا کی زندگی میں (اللہ انھیں تادیر قائم رکھے) اس کا امکان کم ہو۔

مولٰنا مودودی کا ابتدا سے یہ دعویٰ رہا ہو کہ انھوں نے دین کو کتاب و سنت سے براہ راست سمجھا ہو اور وہ سلف سے لے کر خلف تک کے سارے کام کو اس کسوٹی پر پرکھ کر ہی قبول یا رد کرتے ہیں۔ اس دعوے کے بعد پوری تاریخ اسلام میں ان کی "انفرادیت" ظاہر ہو اور نتیجتاً ان کے لیے بھی اور ان کے متوسلین کے لیے بھی، ان کی فہم و دانش ہی معیار حق و باطل بن جاتی ہو۔ اور جو لوگ ان کے اس دعوے کے باوجود ان کی آواز پر جمع ہوئے گویا انھوں نے دین کے معاملے میں اُن کی انفرادیت کو تسلیم کر لیا۔ ایک عرصہ کے بعد امین حسن اصلاحی صاحب، عبدالرحیم اشرف صاحب، عبدالجبار غازی صاحب اور عبدالغفار حسن صاحب وغیرہ حضرات مولٰنا مودودی اور ان کے ماننے والوں کو

یہ کیسے باور کرا سکتے تھے کہ دین کے معاملے میں اب مودودی صاحب پر کلیۃً اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

اس کا تدارک تو ابتدا میں ہی مولانا کے اس قسم کے خیالات کے اظہار کے وقت آسانی کے ساتھ ممکن تھا۔ جبکہ یہ امر واضح کرنے کا مناسب موقعہ تھا کہ اسلام کو کتاب و سنت سے براہ راست سمجھنے کی بات جہاں تک کسی معاملہ میں دلیل کا تعلق ہو تو حق ہو، لیکن جہاں تک کسی شخص کے دعوے کا تعلق ہو باطل ہو اسلئے کہ آج تیرہ سو سال کے بعد بڑے سے بڑے مفکر اسلام کے لیے بھی یہ ناممکن ہو کہ وہ کتاب و سنت کو براہ راست اس طرح سمجھ لے کہ اس کا یہ سمجھنا تیرہ سو سال کے سلف و خلف کے پورے کام کے لیے کسوٹی بن جائے، کاش جماعت سے علیحدہ ہونے والے ان بالغ نظر اہل علم حضرات نے اس کو ابتداءً محسوس کر لیا ہوتا تو غالباً بات اس حد تک نہ پہونچتی۔

اگرچہ میں اب بھی جماعت اسلامی اور مولانا مودودی سے مایوس نہیں ہوا ہوں، مجھے اب بھی یقین ہو کہ وہ اپنے مشن میں مخلص ہیں اور ہمارے ملک کے موجودہ حالات میں، جماعت کے کاموں کا اور مولانا کا ایک مقام ہو۔ تاہم یہ حقیقت ہو کہ۔

جماعت اپنی دعوت کی عمومیت و ہمہ گیریت کا مقام کھو چکی ہو، اور وہ اب ایک محدود و مقامی جماعت بن کر رہ گئی ہو۔

جماعت کے دینی رجحانات پر وقت کے سیاسی رجحانات غالب آچکے ہیں۔

جماعت کے مستقبل کا انحصار تمام تر اب صرف مولانا مودودی کی قیادت پر رہ گیا ہے۔

اہل نظر سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ پاکستان میں ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ جماعت اپنے نظریات کو نہایت آسانی سے بروئے کار لا سکتی تھی، لیکن افسوس ہو کہ مولانا نہ اپنی انفرادیت چھوڑ سکے اور نہ ان کے یہ عظیم دانشور ساتھی انھیں اُس وقت متنبہ کر سکے۔ حالانکہ یہ بات میں پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ملک بھر میں یہی وہ واحد فعال جماعت تھی جس کے ارکان، متفق، ہمدرد اور متاثر حضرات اپنے عقیدۂ و عمل میں مخلص ترین افراد تھے۔ اور جن کے پیش نظر کوئی مقامی اور وقتی مفاد نہ تھا۔

سچ کہا تھا اقبال مرحوم نے۔

نہ جانے کتنے سفینے ڈبو چکی اب تک　　　　فقیہ و صوفی و ملا کی ناخوش اندیشی

بہرحال تفصیل بڑی ماتم انگیز ہو۔ دعا کیجیے اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں مسلمانوں کی خصوصی مدد فرمائے، والسلام۔

... صادق آباد (رحیم یار خان۔ مغربی پاکستان)

# استدراک

[مندرجۂ بالا خط سے راقم الحروف نے کچھ ایسا محسوس کیا کہ مودودی صاحب کے جوابات شائع شدہ ترجمان القرآن ربیع الثانی ۷۷ھ) سے ان جوابات کے اصل مخاطب کا وہ تاثر نہیں ہے جو حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب (صاحب المنیر) کا اور پھر اس راقم سطور کا ہے۔ اس سے دل میں خلش ہوئی کہ کہیں اپنا تأثر (جو الفرقان بابت شعبان و رمضان ۷۷ھ میں ظاہر کیا گیا ہو) کسی زیادتی اور ناانصافی پر تو مبنی نہیں ہے؟ چنانچہ صاحب مکتوب بالا سے دریافت کیا گیا کہ "کیا مودودی صاحب کے جوابات پر آپ کا وہ تاثر نہیں ہو جو حکیم صاحب کا اور اس خاکسار کا ہے؟" —— اس کے جواب میں جو مکتوب آیا وہ بھی ہدیۂ ناظرین ہے]

عتیق الرحمن

۵۸/۵/۵ء

مکرم و محترم۔ سلام و رحمت

"دو ہفتوں کے مسلسل سفر کے بعد آج جب واپسی ہوئی تو ڈاک کے ذخیرہ میں آپ کا گرامی نامہ بھی ملا۔ شکریہ۔ جواب میں تاخیر پر معذرت خواہ ہوں ......

..........

مودودی صاحب کی طرف سے دیے گئے جواب پر میرا تاثر آپ حضرات کے تاثر سے زیادہ شدید اور مایوس کن تھا، اور ایک تفصیلی عریضہ کے ذریعہ مودودی صاحب کی توجہ اس مایوسی اور تاثر کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی تھی، لیکن مولانا موصوف نے عدیم الفرصتی کا عذر فرما کر، نیز یہ مشورہ دے کر کہ "اگر آپ کوئی جماعت بنانا چاہتے ہیں تو شوق سے بنائیں جماعت اسلامی تو اسی راہ کو صحیح سمجھتی ہو"۔ اس سلسلہ کو ختم فرما دیا تھا۔ ممکن ہوا تو کسی موقع پر وہ تمام خط و کتابت جو اس موضوع پر مولانا مودودی اور جماعت کے دیگر سربرآوردہ حضرات سے میں کرتا رہا ہوں، جناب کو ارسال کر دوں گا"۔ والسلام .........

# دو سوالوں کا جواب

از، محمد منظور نعمانی

مولانا مودودی اور جماعت اسلامی سے اس عاجز کے تعلق اور ان کے بارہ میں اپنی رائے کے مختلف ادوار کی جو سرگزشت شعبان و رمضان کے الفرقان میں شائع ہوئی تھی، اس پر جماعت اسلامی کے مجاہدین قلم کے تبصروں کا سلسلہ ابتک جاری ہے، خود مجھے بھی اندازہ نہ تھا کہ وہ حضرات اس کو اتنی اہمیت دینگے ـــــ اس سلسلہ میں جماعت اسلامی کیطرف سے جو مضامین ابتک لکھے گئے ہیں اُن میں سے بہت سے تو وہ ہیں جن کے دیکھنے کا بھی مجھے اتفاق نہیں ہوا ہے، ان کے بارے میں اور انکی نوعیت کے بارے میں جو کچھ مجھے معلوم ہوا ہے وہ بالواسطہ اور دوسرے ہی ذریعوں سے معلوم ہوا ہے، لیکن قریباً نصف درجن مضمون اس سلسلہ کے میں نے دیکھے بھی ہیں، اور مجھے تعجب اور افسوس سے عرض کرنا پڑتا ہے کہ ذہنی بُعد اور اختلاف رائے کے باوجود ابتک میرا یہ خیال بالکل نہ تھا کہ جماعتی عصبیت میں یہ حضرات بھی اتنے گرفتار ہیں کہ جس شخص کو اپنا مخالف سمجھ لیں اسکی بات کو بے اثر اور بے وزن بنانے کے لئے ایسے حربے اور ایسی ترکیبیں بھی بے تکلف استعمال کر سکتے ہیں جن کی انصاف و دیانت کی رو سے کوئی گنجائش نہ ہو، ابتک میں ان حضرات کو اس سطح سے بالاتر ہی سمجھتا تھا، لیکن اس سلسلہ کے چند مضامین نے اس بارے میں بہت مایوس کیا۔[1] اور اسی لیے ان میں سے کسی مضمون کے جواب کا داعیہ بھی دل میں پیدا نہیں ہوا ـــ اگر اللہ کے کچھ بندے

---

[1] یہاں یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ اس سلسلہ کے کم از کم تین مضمون ایسے ہیں جن کے لکھنے والوں کے متعلق میرا گمان اب بھی یہ ہو کہ اُن کے مضامین میں ایسی جو چیزیں ہیں وہ دانستہ نہیں ہیں بلکہ "حبک الشئ یعمی ویصم" کے اصول کے ماتحت ان کے قلم سے نادانستہ طور پر ایسی چیزیں بھی نکل گئی ہیں، واللہ اعلم

میری طرف سے کسی جواب کے منتظر اور خواہشمند ہوں تو میں اُن سے عرض کرونگا کہ وہ ان جوابی مضمونوں کو سامنے رکھ کر میرے اصل بیان کو اول سے آخر تک پھر ایک بار پڑھیں، انشاء اللہ وہ خود ہی جان لیں گے کہ جو ظلم توڑ تبصرے ابتک اس پر کئے گئے ہیں ان میں کتنی جان اور کتنی معقولیت ہے۔ اور بے ضرورت لفاظی وانشاپردازی اور غلط مبحث کے عنصر کو اگر الگ کر دیا جائے تو اُن میں باقی کیا رہجاتا ہو ــــ تاہم میرا ارادہ ہے کہ اپنے بیان کے خاص خاص اور اہم حصّوں کے بارے میں اگر ضرورت محسوس کروں گا۔ تو انشاء اللہ ایک دفعہ کچھ اور عرض کروں گا، اسکے لیے ایک تبصرہ کے پورا ہوجانے کا انتظار ہے جو ابھی پورا سامنے نہیں آیا ہے ــــ اس وقت تو میں دو سوالوں کا جواب دینا چاہتا ہوں جو برادرم مولوی محمد عامر صاحب مدیر "تجلی دیوبند" نے اسی سلسلہ کے اپنے ایک مضمون میں خاص طور سے مجھ سے کئے ہیں ــــ واقعہ میں وہ سوال جتنے مختصر ہیں اگر موصوف نے اتنی ہی مختصر عبارت میں انکو لکھا ہوتا تو جواب سے پہلے وہ ان ہی کے الفاظ میں درج کر دیے جاتے اور یہی زیادہ اچھا ہوتا لیکن اس موضوع کے ساتھ انھیں جو غیر معمولی شغف ہے، غالباً اس سے مغلوب اور مجبور ہوکر انھوں نے اپنے سوالوں کو بے ضرورت طول دے کر میرے لیے یہ کام بھی بڑھا دیا کہ پہلے میں ان کے سوالوں کا خلاصہ ناظرین کے سامنے پیش کروں اور اس کے بعد جواب دوں ــــ

میں نے ان کے سوالوں کا جو حاصل سمجھا ہے وہ یہ ہے:۔

سوال ۱ اس وقت پاکستان میں جیسے لوگ برسر اقتدار ہیں اور گزشتہ دس سالوں میں انھوں نے جو کچھ کیا ہو وہ سب آنکھوں کے سامنے ہے، اور وہاں اقامتِ دین کی علمبردار جماعت صرف جماعت اسلامی ہی اب آپ نے اپنے بیان میں مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے بارے میں اپنی جس آخری رائے کا اظہار کیا ہو اگر اس کو صحیح ہی مان لیا جائے تو بتائیے کہ وہ لوگ کیا کریں جو اقامت دین کی جد وجہد کو فریضہ حیات سمجھتے ہیں؟ ــــ یا تو صاف یوں کہیے کہ اقامت دین کی کوئی ضرورت نہیں، یا پھر یہ بتائیے کہ اس جماعت کے بجائے کس جماعت کا دامن پکڑا جائے اور وہ کونسی جماعت ہو جو اس مقصد کے لیے میدان میں موجود ہے؟

سوال ۲ آپ نے اپنے بیان میں بتایا ہے کہ جماعت اسلامی میں شر کا پلّہ خیر پر بھاری ہوگیا ہے، اور اسی بنا پر آپ کا خیال ہو کہ اس کے خیر کے پہلو میں اب کوئی وزن نہیں رہا ہو۔ ہمارے نزدیک

یہ شان صرف کفر کی ہے کہ اسکی وجہ سے کسی آدمی یا جماعت کا سارا خیر نا قابلِ اعتبار اور بے وزن (حبط) ہو جاتا ہو تو کیا "شر" کے لفظ سے آپ کا مطلب کفر ہے؟ اگر آپ کی مراد یہ نہیں ہے بلکہ خیر و شر کے جو عام معروف معنی ہیں وہی آپ کی بھی مراد ہیں تو پھر بغیر تفصیلی موازنہ کے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ شر غالب ہے، اس صورت میں تو آپ کو موازنہ کر کے دکھانا چاہیئے کہ یہ خیر ہے اور یہ شر اور شر کا پلہ اس حساب سے بھاری ہے۔

---

میرے نزدیک طبعی ترتیب کے لحاظ سے دوسرے موخر الذکر سوال کو مقدم اور پہلے کو موخر ہونا چاہیئے اس لئے میں دوسرے ہی سوال کا جواب پہلے دیتا ہوں۔

میرے بیان میں جماعت اسلامی کے متعلق جہاں غلبۂ خیر یا شر کے الفاظ ہیں وہاں ان سے مراد ان لفظوں کے وہی معروف معنی ہیں جو عام طور سے ان لفظوں سے سمجھے جاتے ہیں۔ کفر کے معنی کے احتمال کی کسی درجہ میں بھی وہاں میرے نزدیک تو کوئی گنجائش نہیں ہے۔

میں نے اس بارہ میں اپنے بیان میں جو کچھ کہا ہے اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ پہلے میں جماعت اسلامی کے کام میں بعض غلطیاں اور مضرت کے بعض پہلو محسوس کرنے کے باوجود اس کے کام اور کام کے نتائج میں خیر ہی کو غالب سمجھتا اور کہا کرتا تھا اور اسلئے بحیثیت مجموعی اس کے کام کو میں دین کی نصرت و خدمت ہی کی ایک صورت سمجھتا تھا ——— لیکن اب سے ڈھائی تین سال قبل جب پہلے ایک صاحب علم و صاحب صلاح دوست کے بتانے سے (جو جماعت اسلامی کے بارہ میں میری ہی طرح غلبۂ خیر کا خیال رکھتے تھے اور اسکے خیر کے بڑے قدردان تھے) یہ معلوم ہوا کہ جماعت اسلامی کے حلقۂ اثر میں یہ خیال بہت زیادہ بڑھتا جا رہا ہے کہ دین کو اگلوں نے ٹھیک نہیں سمجھا تھا صدیوں کے بعد اب مودودی صاحب نے ٹھیک سمجھا ہے ——— اور پھر اپنے ذرائع سے بھی مجھے یہی معلوم ہوا کہ واقعۃً یہ خطرناک ذہنیت جماعت کے حلقۂ اثر میں بہت عام ہوتی جا رہی ہے تو میں نے جماعت کے کام میں خیر کو غالب کہنا چھوڑ دیا ——— میرے بیان کے اصل الفاظ اس موقع پر یہ ہیں کہ:

"اس علم و اندازہ کے بعد سے میں نے جماعت کے بارہ میں خیر کے پہلو کو غالب کہنا چھوڑ دیا۔" (صہ ۹۳)

ہاں اوپر اپنے ہم خیال جن صاحب علم دوست کا میں نے ذکر کیا ہے ان سے اپنی جو گفتگو میں نے اپنے بیان میں اپنے اس آخری تاثر اور موقف سے کئی مہینے پہلے کی نقل کی ہے اس میں یہ بھی ہو کہ جب انھوں نے اپنا یہ تاثر مجھ سے نقل کیا کہ جماعت میں سلف سے بے اعتمادی کی یہ ذہنیت عام ہو رہی ہے تو میں نے ان سے کہا کہ :۔

"اگر بات ایسی ہی ہے جیسی آپ فرما رہے ہیں اور یہ ذہنیت جماعت سے تعلق رکھنے والے حلقوں میں اب عام ہو رہی ہے تو پھر اس میں شبہ نہیں کہ یہ بہت بڑا شر ہے اور ایسا شر ہے کہ اسکے مقابلہ میں اس خیر میں کوئی وزن باقی نہیں رہتا جس کی ہم اب تک قدر کرتے رہے ہیں جماعت میں اس خیال کا عام ہونا تو بڑی خطرناک چیز ہے"

ظاہر ہو کہ گفتگو کے اس حصہ میں میں نے جو بات کہی ہے وہ ایک مشروط اصولی بات ہے، اور آج بھی مجھے اس پر پورے وثوق اور جزم کے ساتھ اصرار ہے کہ اگر کسی جماعت اور کسی طبقہ میں یہ ذہنیت عام ہو کہ دین کو اگلوں نے صحیح نہیں سمجھا اور اب ہمارے زمانہ کے فلاں نئے طرز کے عالم و مجتہد نے صحیح سمجھا ہے تو یہ اتنا بڑا شر ہے کہ اس کے مقابلہ میں اُس کے اس قسم کے خیر میں ہمارے نزدیک کوئی وزن نہیں رہتا جس قسم کے جماعت اسلامی کے خیر کے ہم برسہا برس تک قدردان اور معترف رہے ہیں، اور آج بھی اس کے وجود سے ہمیں انکار نہیں ہو۔

اور چونکہ اس بات کا پہلے سے بھی کچھ اندازہ تھا کہ بعض پڑھے لکھے بھی اس ذہنیت کی خطرناکی اور ہلاکت خیزی کو پوری طرح شاید نہ سمجھ سکیں گے اسی لیے وہیں یہ بھی عرض کر دیا گیا تھا کہ

"ممکن ہو بعض لوگ اس ذہنیت کی خطرناکی کو پوری طرح نہ سمجھ سکتے ہوں اور اسلیے وہ اسے معمولی اور ہلکی بات سمجھیں، لیکن جس کے سامنے اس اُمت کے گمراہ فرقوں اور گمراہ افراد کی تاریخ ہو وہ اچھی طرح جانتا ہو کہ فہم دین کے بارہ میں سلف سے اعتماد اُٹھ جانے کے بعد کوئی حصار باقی نہیں رہتا، پھر آدمی پرویز بھی بن سکتا ہو، برق بھی بن سکتا ہو اور ان سے آگے بھی جا سکتا ہو ——— ہر گمراہی کی پہلی بنیاد یہی ہوتی ہو کہ آدمی کا اعتماد دین کے فہم کے بارہ میں سلف سے اُٹھ جائے"۔ (صفحہ ۹۲)

اب میں اپنے نقطۂ نظر کی مزید وضاحت کے لیے اس پر اتنا اور اضافہ کرتا ہوں کہ خاص کر ہمارے

اس زمانہ میں کسی ایسے طبقہ میں جس میں آزاد خیالی اور تجدد کا رجحان پہلے سے موجود ہو اس ذہنیت کا پیدا ہو جانا صرف ایک فکری زیغ و ضلال ہی نہیں ہو بلکہ بہت سی گمراہ کن دعوتوں اور گمراہ فرقوں کی پیدائش کا بھی پورا سامان ہے۔ گزشتہ ایک صدی میں سر سید احمد خاں، غلام احمد قادیانی اور ان کے اصحاب علم و قلم جو اد یین حکیم نور الدین و مولوی محمد علی لاہوری وغیرہ، پھر علامہ مشرقی اور ان کے بعد ڈاکٹر برق، غلام محمد پرویز اور اجمل خاں جیسوں سے جو ضلال و فساد پھیلا اور پھیل رہا ہے اس سب کی بنیاد اسی خیال پر ہو کہ اگلوں نے دین کو ٹھیک نہیں سمجھا اور ان کا فہم زیادہ قابل اعتبار نہیں اور اب از سر نو اس پر غور کرنے اور اس کو سمجھنے کی ضرورت ہو۔

میرے نزدیک جماعت اسلامی کے ہمدردوں اور حامیوں کے لیے اس کی تو پوری گنجائش ہو کہ وہ اس ذہنیت کے جماعت میں پھیلنے اور عام ہونے کے بارہ میں میرے علم و اندازہ کو تسلیم نہ کریں اور اپنے علم و اندازہ کی بنا پر اس کی تردید و تغلیط کریں لیکن جو شخص اس کو "تسلیم" کر کے اور "صحیح" مان کے یہ کہتا ہو کہ جماعت اسلامی کا خیر کا پہلو اس شر کے باوجود اور اس کے مقابلہ میں بھی وزنی ہو۔ میرے نزدیک اس نے غالباً اس شر کی حیثیت کو سمجھا ہی نہیں ہو، اس شر کی واقعی حیثیت اور خطرناکی کو سمجھ لینے کے بعد اس قسم کی بحث اور گفتگو کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

میں تو عرض کرتا ہوں کہ جماعت اسلامی جیسی کسی جماعت ہی کی خصوصیت نہیں، بلکہ اگر بالفرض دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارن پور جیسی ہماری دینی درسگاہیں اور ہمارے مشائخ کی خانقاہیں بھی اپنے فیض یافتوں میں سلف سے بے اعتمادی کی یہ ذہنیت پیدا کرنے لگیں تو میں قسم کھا کے کہوں گا کہ ان کے بھی شر کے مقابلہ میں اُن کے خیر میں کوئی وزن نہیں۔

---

یہ جواب دوسرے سوال کا ہوا، اب پہلے سوال کا جواب لیجئے!

مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے بارہ میں جب میری رائے اپنے ذاتی معلومات اور مولانا امین احسن صاحب و حکیم عبد الرحیم اشرف صاحب وغیرہ کی اطلاعات کی بنا پر وہ ہو جو میں نے اپنے بیان کے آخری حصہ میں ظاہر کی ہو تو ظاہر ہو کہ اب ان کے "اقامت دین" کے نعرہ کی حیثیت میرے نزدیک قریب قریب وہی ہو جو میرے اور مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے بھی نزدیک،

تحریک پاکستان کے زمانہ میں مسلم لیگ کے دینی نعروں کی تھی۔ الحمد للہ میرا حافظہ کمزور نہیں ہے، میری نگاہوں کے سامنے مسلم لیگ کے ۴۶ء کے جلوسوں کا منظر ہے۔ اور اُن کے یہ فلک شگاف نعرے میرے کانوں میں اب تک گونج رہے ہیں ــــ "پاکستان کے معنی کیا؟ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" ــــ لیکن چونکہ ان نعروں کی اور نعرے لگانے والوں کی حقیقت معلوم تھی، اس لیے دل نے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی دھوکا نہیں کھایا اور ہم سب برملا اپنے اس یقین کا اظہار کرتے رہے کہ یہ محض سیاسی فریب ہے ــــ بس اسی طرح اب جبکہ مودودی صاحب کے متعلق اُن کے قریب ترین ساتھیوں اور میرے نزدیک اُن سے زیادہ معتمد اور زیادہ مخلص اُن کے رفیقوں مولانا امین احسن صاحب وغیرہ کا بھی یہ احساس اور برملا اظہار ہے کہ وہ اقامت دین کے مقصد سے ہٹ چکے ہیں اور اُن کے سامنے بس اب اقتدار حاصل کرنے کا مسئلہ ہے اور اپنا راستہ وہ تبدیل کر چکے ہیں اور ان کی قیادت میں جماعت اسلامی ایک "گم کردہ راہ قافلہ" کی حیثیت اختیار کر چکی ہے ــــ تو میں "اقامت دین" کو فریضۂ حیات سمجھنے والے ان بندگان خدا سے جو مجھے قابل اعتماد سمجھ کر مخلصانہ طور پر مجھ سے یہ سوال کریں گے، عرض کروں گا کہ اللہ کے مخلص بندو! مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کی موجودہ جدوجہد کو اب "اقامتِ دین" کی جدوجہد .. .. .. .. .. اور خالص دینی جہاد سمجھنا غلط ہے، اب ان کی حیثیت پاکستان کی ایک ایسی سیاسی پارٹی کی ہے جس کے سامنے اصل مسئلہ اب اقتدار حاصل کرنے کا ہے اور جس نے راستہ بھی عام سیاسی پارٹیوں کا اختیار کر لیا ہے۔

اس موقع پر مولانا امین احسن اصلاحی کے ایک شائع شدہ خط کے دو اقتباس پیش کرنا مناسب ہوگا۔ مولانا موصوف کا یہ خط پاکستان کے بعض اخبارات میں شائع ہونے کے بعد اب ہندوستان کے بھی بعض اخباروں میں نقل ہو چکا ہے۔ اس کے یہ فقرے پڑھیے!

> "مجھ پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی کہ جماعت کا دستور، نظام، اور پالیسی ہر چیز بدل چکی ہے ...... مجھ پر یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی تھی کہ اب ہمارا اقامت دین کا نعرہ ایک بالکل کھوکھلا نعرہ ہے۔ اب جماعت کے لیڈروں کی انتہائی آرزو صرف یہ ہے کہ اسمبلی کی چند سیٹوں پر کسی طرح قبضہ کریں اور بس"۔

اس خط کے بالکل آخر میں ہے

"یہ جماعت اقامت دین کے لیے اٹھی تھی، اگر کسی پر یہ حقیقت واضح ہو چکی ہو کہ اس کے لیڈروں نے اسے اس راہ سے ہٹا کر کسی غلط راہ پر ڈال دیا ہو تو اس کا فرض ہو کہ وہ اس کی اصلاح کی کوشش کرے اور اگر دیکھے کہ اس طرح کی کوشش کی راہ مسدود ہو چکی ہو تو اس سے الگ ہو جائے، میں نے اپنے امکان کی حد تک اس کی اصلاح کی کوشش کی لیکن جب مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی تو اس سے الگ ہو گیا ہوں۔"

(مدینہ بجنور۔ ۹ر جون)

جو لوگ مولانا امین احسن کو جانتے ہیں ان کے لیے ان کی تنہا شہادت بھی بڑا وزن رکھتی ہو۔ لیکن جب ان کے اس بیان اور اس احساس میں غازی عبد الجبار، مولانا عبد الغفار اور حکیم اشرف صاحب جیسے متعدد حضرات بھی شریک ہوں اور اس بنیاد پر استعفا دینے والوں کی تعداد ستر[1] کے قریب ہو تو پھر کم از کم مجھ جیسے کسی واقف آدمی کے لیے تو شک کی بھی گنجائش نہیں رہتی۔

بہرحال مجھے اس میں کوئی شک شبہ نہیں ہے کہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے راستہ میں یہ تبدیلی ہو چکی ہے ——— اب خواہ یہ تبدیلی پہلے اختیار کردہ راستہ سے مایوس ہو کر "نیک نیتی" ہی سے ہوئی ہو لیکن یہ واقعہ ہو کہ یہ تبدیلی ہو چکی ہو اور مولانا مودودی کی یہ بہت بڑی کمزوری ہو کہ وہ اپنے موقف اور اپنے راستہ کی اس تبدیلی کا اعتراف نہیں کرتے اور بڑا خطرہ ان کی نفس تبدیلی سے نہیں بلکہ ان کے اس رویہ سے ہو کہ وہ جس وقت جس راستہ کو اختیار کریں اس کو عین اسلام ثابت کرنا چاہتے ہیں اور میرا مطالعہ اور اندازہ ان کے بارہ میں اب یہ ہو کہ یہ اُن کے مزاج کی افتاد ہو ——— اور چونکہ انھیں واقعی یہ صلاحیت اور قدرت حاصل ہو کہ وہ جس وقت جس راستہ کو اپنائیں اس کو اس طرح عین اسلام ثابت کر دیں کہ کم از کم جو لکھا پڑھا حلقہ اُن کے زور قلم سے مسحور اور ان کی خدمات سے متاثر ہو وہ اپنے پورے "شرح صدر" کے ساتھ اس پر آمنا و صدقنا ہی کہا جائے اس لیے یہ معاملہ سخت خطرناک ہے ——— مسلم لیگ کے قائدوں اور حامیوں نے اپنی اہم میں (جو حقیقتہً دینی مہم تھی)

---

[1] یہ تعداد اب سے قریباً دو مہینے پہلے "المنیر" لائلپور سے معلوم ہوئی تھی، بعد میں جو اضافہ ہوا ہو اس کا مجھے علم نہیں ۱۲

اللہ اور رسول اور دین کا نام استعمال تو کیا تھا لیکن اُن بیچاروں کو (اور اسی طرح اتاترک جیسے کسی برخود لیڈر کو) یہ بات حاصل نہ تھی اسلئے ان کے طرز عمل سے دین کی تحریف اور کسی زیغ وضلال کے پھیلنے کا خطرہ نہ تھا، لیکن مولانا مودودی کو یہ بات بدرجہ اتم حاصل ہو اسلئے ان سے یہ خطرہ ہے، اور اب مولانا امین احسن، غازی عبدالجبار اور حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب وغیرہ کی علیحدگی کے بعد یہ خطرہ صرف "وہم" نہیں رہا ہو اور جو شخص اِن حضرات کی علیحدگی کے پس منظر سے پوری طرح واقف ہوا سکے لیے اسکی گنجائش نہیں ہو کہ وہ اس خطرہ کو نظر انداز کر سکے ــــــ پس حالات کی اس تبدیلی کے بعد بھی اقامت دین کا نام لے کر مولانا مودودی اور انکی جماعت کی حمایت کا استحقاق ثابت کرنا اور اس مقدس نام پر اپیلیں کرنا اب سادگی اور ناواقفی کے سوا کچھ نہیں ہو۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

اب رہا یہ مسئلہ کہ پاکستان کے دین پسند اور "اقامت دین" کے مقصد کو عزیز رکھنے والے مسلمان وہاں کے عنقریب ہونے والے الکشن میں کس پارٹی کا ساتھ دیں؟ ہمارے نزدیک یہ الگ مستقل سوال ہو، اس کا جواب مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے قدیم اصول اور تعامل کی روشنی میں تو یہ ہوگا کہ موجودہ پارٹیوں میں سے کسی پارٹی کا بھی ساتھ نہ دیا جائے اور بالکل بے تعلق رہا جائے، ۱۹۴۶ء کے جنرل الکشن کے موقع پر مودودی صاحب اور جماعت اسلامی نے یہی رویہ اختیار کیا تھا، اور جو منطق مجھ سے سوال کرنے والے صاحب نے اپنے اس سوال میں استعمال کی ہو ٹھیک یہی منطق اُس وقت مسلم لیگ کے حامی مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے فیصلہ اور موقف کے خلاف استعمال کرتے تھے، میری اس بات کو سمجھنے کے لئے "ترجمان القرآن" ہی کے پرانے فائلوں میں خان بہادر ذکاء اللہ خاں مرحوم کا مضمون اور مودودی صاحب کا اس پر تبصرہ پڑھ لیا جائے۔

سوال کا یہ جواب تو ہوگا مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے قدیم اصول اور فلسفہ کی بنیاد پر ــــــ لیکن میرا جواب اس وقت یہ ہے کہ اس کا فیصلہ باہر کا کوئی بھی آدمی نہیں کر سکتا۔ بلکہ پاکستان کے جس عنصر کے سامنے واقعۃً یہ مسئلہ ہو وہی اپنے ملک کے حالات اور مستقبل کے امکانات اور دین کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر یہ طے کر سکتا ہے کہ اس وقت دین کے حق میں

اس کا کون سا رویہ بہتر ہوگا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ پاکستان میں اس وقت کوئی بھی ایسی تنظیم اور ایسی منظم پارٹی موجود نہیں ہو جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ اُس کے سامنے مقصد اور راستہ اقامت دین والا ہے، اس لیے اس مقصد کو عزیز رکھنے والے عنصر کے سامنے دو ہی راستے ہیں ایک یہ کہ نسبتہً انفع اور اقرب ہونے کے لحاظ سے وہ کسی پارٹی اور جماعت کی تائید وحمایت کرے، اور دوسرا یہ کہ وہ وہاں کے حالات وامکانات کا جائزہ لینے کے بعد اپنے مقصد کے لیے اسی کو بہتر سمجھے کہ الکشن کے ہنگامے سے یکسو رہ کر عوام کی دینی اصلاح وتربیت کے اس کام پر وہ اپنی کوششیں مرکوز رکھے جو اقامت دین کی راہ کا اصل بنیادی کام ہے۔ الغرض اس کام کا فیصلہ راقم سطور بلکہ باہر کا کوئی بھی آدمی نہیں کر سکتا خود وہی حضرات جن کو یہ مسئلہ درپیش ہے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کس راستہ پر چلنا اس وقت ان کے مقصد کے لیے زیادہ مفید ہوگا۔

آخر میں ایک بات یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ میں نے یہاں اس مسئلہ سے بالکل تعرض نہیں کیا ہے کہ "اقامت دین" جو امت کی ذمہ داری ہے اس کی اصل حقیقت کیا ہے اور اس لفظ کے استعمال میں کیا کیا غلطیاں اور بے اعتدالیاں ہو رہی ہیں، یہ ایک مستقل موضوع ہے شاید اس پر آئندہ کبھی لکھنے کی نوبت آئے۔

---

## خریداران الفرقان سے گزارش

براہ کرم خط وکتابت اور ترسیل زر کے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجیے کہ اس کے بغیر تعمیل ارشاد عموماً دشوار ہوتی ہے

"منیجر"

# تعارف و تبصرہ

## تاریخ دعوت و عزیمت (دوم)

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، شائع کردہ دار المصنفین اعظم گڈھ۔ عمدہ کاغذ، بہتر کتابت و طباعت۔

۴۰۰ صفحات ———— قیمت، چھ روپے آٹھ آنے

"تاریخ دعوت و عزیمت" کی جلد اول غالباً دو تین سال پیشتر شائع ہو چکی ہو، الفرقان میں اس پر تبصرہ بھی عرصہ ہوا نکل چکا ہو۔ جلد اول ساتویں صدی ہجری تک کے نامور اصحاب دعوت و عزیمت کے تذکرے پر مشتمل تھی۔ دوسری جلد میں آٹھویں صدی ہجری کی یگانہ روزگار شخصیت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا مفصل تذکرہ ہو۔ جن کی علمیت و عزیمت اور دعوت و تجدید کے نقوش آج تک زندہ و پائندہ ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ کی علمی اور عملی خدمات اور اُن کی مساعیٔ دعوت و اصلاح کا دائرہ غیر معمولی طور پر وسیع ہی، وہ ایک طرف میدانِ علم و اصلاح کے شہسوار ہیں تو دوسری طرف میدانِ جہاد کے سپہ سالار اگر علم و اصلاح کے میدان میں وہ عقیدۂ توحید کی تجدید اور مشرکانہ عقائد و رسوم کی تردید کرتے، یونانی فلسفہ و منطق کے طلسم کو توڑتے متکلمانہ موشگافیوں کے مقابلہ میں کتاب و سنت کے سادہ طرز استدلال کو مؤثر ثابت کرتے، مذاہب باطلہ اور فرقِ ضالّہ کے تار و پود بکھیرتے اور علوم شریعت کی تجدید کرتے نظر آتے ہیں تو جہاد و عزیمت کے میدان میں تاتاریوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی سربراہی کرتے بھی نظر آتے ہیں۔ اور جابر سلاطین کے سامنے کلمۂ حق ادا کرتے اور اس کی پاداش میں طوق و سلاسل کے مراحل سے بھی بار بار مردانہ وار گزرتے ہیں۔ ایسی ہمہ گیر شخصیت کے تذکرہ کے لیے دفتر چاہئیں۔ چنانچہ یہ پوری جلد (جو جلد اول سے زیادہ ضخیم ہو) اسی ایک شخصیت کے حالات و خدمات کی نذر ہو گئی ہے۔ صرف آخر کے تیس چالیس صفحے بچے ہیں جن میں امام موصوف کے نامور تلامذہ حافظ ابن قیم، ابن

عبدالہادی، ابن کثیر ابن رجب حنبلی اور علامہ ابو اسحاق شاطبی رحمہم اللہ کے مختصر تذکرے ہیں۔

حق یہ ہو کہ مولانا علی میاں مدظلہ کے قلم سے یہ بڑا کام ہوگیا۔ خدا کرے اس سلسلہ کا بقیہ کام بھی اپنے نقشے کے مطابق جلد سے جلد پورا کرسکیں، ہمارے نزدیک یہ کام نئی نسل پر مولانا موصوف کا بڑا احسان ہو۔ کہ اس سے ایک طرف تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ جیسے مصلحین و مجددین کے حالات اور علمی خدمات کے ساتھ اُن کے علمی اور تصنیفی کارناموں پر ایک اجمالی نظر ہو جاتی ہو، دوسری طرف ان بیش بہا تصنیفات سے براہ راست استفادہ کی تحریک و تشویق بھی ہوتی ہو۔

اب ایک سرسری نظر کتاب کے مباحث و موضوعات پر ڈال لیجیے۔

ابواب تو اس کتاب میں ہیں نہیں، مگر کہہ لیجیے کہ پہلا باب امام موصوف کے عام حالات اور سوانح حیات سے متعلق ہو جو تقریباً سوا سو صفحات پر پھیلا ہوا ہو۔ اس میں پہلے علی میاں کے قلم نے آپ کے زمانہ کی تصویر کشی کی ہو۔ اس کے بعد آپ کا خاندان، ولادت اور زمانۂ طفولیت، تعلیم و تکمیل اور پھر آپ کی زندگی کے ہر گوشہ کے احوال و کوائف زیر تفصیل آئے ہیں۔ ان احوال و کوائف کا بڑا حصہ امام کی بار بار کی اسیری اور رہائی کے واقعات اور اس کے اسباب ہیں۔ یہ حصہ انتہائی مؤثر اور تاریخ عزیمت کا ایک ولولہ خیز باب ہو، علیٰ ہذا تاتاریوں کی یورش کے مقابلہ میں آپ کا کردار آپ کو ایک بلند مرتبہ مجاہد کی حیثیت سے روشناس کراتا ہے۔

اس باب کا تکملہ اُن کے "نمایاں صفات و کمالات" کے عنوان سے کیا گیا ہو۔ جو کوئی ۱۶، ۱۷ صفحے کا ہو، پھر چند صفحات میں آپ کی "تصنیفی خصوصیات" پر روشنی ڈالی گئی ہو، اور آگے ان اسباب کا جائزہ لیا گیا ہو جن کی وجہ سے آپ کے معاصرین کی طرف سے آپ کی سخت مخالفت ہوئی جس کا نتیجہ بار بار کی اسارت اور نظربندی کی شکل میں رونما ہوا۔

عام طور پر لوگ امام ابن تیمیہؒ کو صرف ایک بلند مرتبہ عالم ایک نہایت ذہین و ذکی مفکر و متکلم اور بس ایک زبردست ناقد سمجھتے ہیں اور اسی غلط فہمی میں بعض لوگ اپنے زمانہ کے ان صفات کے حاملین کو ابن تیمیہ کا مثیل ٹھہرانے لگتے ہیں۔ مولانا علی میاں نے ایک مستقل باب کے ذریعہ امام کی زندگی کے باطنی پہلو کو پیش کر کے اس حقیقت سے بھی پردہ اُٹھا دیا ہو کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ محض ایک عالم ظاہر بیں اور مفکر و متکلم نہ تھے بلکہ ایک "عارف باللہ اور محقق" کے مقام پر بھی فائز تھے اور سلف صالحین کی اس

رک میراث سے پوری طرح بہرہ یاب تھے، جو دین کے بارے میں ان پر اعتماد کی ایک اہم اصل واساس ہو۔

یہ باب ہماری نظر میں اس کتاب کی ایک امتیازی چیز ہے ـــــ اس باب کے ذیل میں "ذوقِ عبادت وانہماک" کے تحت اُن کے معاصرین کے حوالے سے علی میاں نقل کرتے ہیں کہ

"رات کو وہ تمام لوگوں سے علیحدہ رہتے تھے، اس وقت خدا کے سوا کوئی نہیں ہوتا تھا، وہ تھے اور گریہ وزاری، بار بار قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے، رات اور دن مختلف قسم کے نوافل وعبادات میں مشغول رہتے تھے، جب نماز شروع کرتے تو اُن کے شانے اور اعضاء کانپنے لگتے۔ یہاں تک کہ ان کو دائیں بائیں لرزش ہوتی"

اس کے بعد امام موصوف کے علمی واصلاحی اور تجدیدی کارناموں کو چار شعبوں میں تقسیم کرکے، ہر شعبے کے کام کی کوئی پونے دو سو صفحات میں تفصیل پیش کی گئی ہو، جس میں اُن کی بعض اہم تصانیف کا عطر اور اچھا خاصا خلاصہ آگیا ہو۔ اس سلسلہ میں ایک مقام پر ابن تیمیہؒ کے نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہوئے مولانا علی میاں ایک ایسی بات لکھ گئے ہیں جو اگرچہ چند سطروں میں ہو مگر ہمارے قدیم مدرسی حلقوں کے لیے نہ صرف ایک دعوتِ فکر کی حیثیت رکھتی ہو بلکہ ایک صحیح نقطۂ فکر بھی فراہم کرتی ہو صفحہ ۲۶۱ تا ۲۶۲ پر وہ لکھتے ہیں :۔

"واقعہ بھی یہی ہو کہ معقول کو ہمیشہ معقول ہی رہنا چاہیے، منقول نہیں بننا چاہیے ......................................

یورپ میں (جس نے یونان کے منطق وفلسفہ کو مسلمانوں کے واسطے سے حاصل کیا تھا ......) کچھ عرصہ تک اس علمی میراث پر قناعت کرنے کے بعد فکر ونظر اور تحقیق وتجربہ کا کام آزادانہ طریقہ پر شروع ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانیوں کے منطق وفلسفہ کی بساط الٹ گئی، قیاس کے بجائے استقراء پر منطق کی بنیاد رکھی گئی۔ مابعد الطبیعیات اور الٰہیات کے بجائے، جن کا عملی اور علمی زندگی میں کچھ حاصل نہ تھا طبیعیات پر زور دیا گیا۔ اور اس فکری انقلاب نے نہ صرف یورپ کی دنیا کو بلکہ سارے عالم انسانی کو متاثر کیا، اس کے برخلاف ہمارے قدیم علمی ومدرسی حلقوں میں یونانی علوم اور اُن کے شرقی شارحین اور پھر آخر میں ایرانی مصنفین کی کتابوں اور شرح وحاشی

کو اس مضبوطی سے پکڑا گیا کہ گویا وہ العروۃ الوثقیٰ اور فکر و نظر کا سدرۃ المنتہیٰ ہیں۔"

اس کتاب کی جلد اول کے بارے میں ہم نے بعض پہلوؤں سے کچھ تشنگی کا اظہار کیا تھا، کچھ اسی قسم کا احساس ہمیں اس دوسری جلد کے متعلق بھی ہو، مثال کے طور پر سب سے آخر میں صفحہ ۳۵۶ پر ایک عنوان ہو "ابن تیمیہؒ کی دعوت اور اس کا اثر" ہمارے نزدیک یہ عنوان خاصی تفصیل چاہتا ہو، مگر اس پر ایک صفحہ سے بھی کم ہو، اور جو کچھ لکھا گیا ہو وہ صرف دعویٰ ہو جو دلائل اور واقعات کی شہادت چاہتا ہے۔

## تحریک مجاہدین کا انقلابی پہلو

از جناب اسعد گیلانی، ناشر، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور،
کتابت طباعت اور کاغذ بہتر، صفحات ۲۶۲، مجلد قیمت تین روپے

حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء نے اپنی انقلابی جدوجہد میں "انقلاب کے جاں گسل تقاضوں" کو پورا کرنے کا کیا نمونہ چھوڑا ہو؟ اس کتاب میں اسی نمونہ کی چند جھلکیاں دکھانے کی کوشش کی گئی ہو. تاکہ اس راہ میں قدم رکھنے والے اپنے پیشروؤں کے نشانات قدم کو نظر میں رکھنے کی کوشش کریں ___ اصل موضوع سے پہلے شہیدینؒ کے مختصر سوانح اور ان کی تحریک کے حالات اور مختلف ادوار کو پیش کیا گیا ہو۔

مصنف چونکہ اصلاً ایک ادیب اور افسانہ نگار ہیں۔ اس لیے ان کا انداز نگارش ایک خاص ادبی رنگ کا ہو۔ اور جو لوگ اس خاص ادبی طرز سے مانوس نہ ہوں وہ شاید اس کتاب میں زیادہ دلچسپی نہ پا سکیں۔

## شاہ ولی اللہ اور تقلید

از مولانا حافظ محمد علی صاحب صدیقی کاندھلوی،
ناشر:- جناب محمد اکرام صاحب مالک، افتخار انڈسٹری
رنگ پورہ روڈ، سیالکوٹ (پاکستان) قیمت درج نہیں ___

یہ پمفلٹ کے عام سائز کے ۵۶ صفحے کا ایک رسالہ ہو جس میں "تقلید" کے بارے میں شاہ ولی اللہ کا علمی نقطۂ نظر اور ان کا اور ان کے خاندان کا علمی مسلک واضح کر کے ثابت کیا گیا ہو کہ شاہ صاحب تقلید کے مخالف نہ تھے اور عملاً ان کا پورا خاندان مقلد تھا ___ ہمارے خیال میں یہ ایک اچھی علمی کاوش ہو جس کا مطالعہ غیر جانبدارانہ ذہن کے ساتھ کرنا چاہیے۔

## نصیحۃ المسلمین

از حضرت مولانا خرم علی بلہوریؒ، ناشر: عبدالمعید صاحب تاجر کتب
چوک لکھنؤ صفحات ۴۸ قیمت ۵ آنے

مولانا خرم علی بلہوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے دوست، ہم مذاق اور اُن کے خاندان کے فیض یافتہ تھے۔ اصلاح عقائد اور رد شرک و بدعات کا وہی ذوق رکھتے تھے جو اس خاندان کے منتسبین کا امتیاز ہے "خدا فرما چکا قرآن کے اندر" آپ ہی کی مشہور نظم ہو جو آج بھی صحیح العقیدہ گھرانوں میں سننے میں آجاتی ہو۔ مولانا مرحوم کا یہ چھوٹا سا رسالہ اُن مشرکانہ خیالات کی تردید میں ہو جو قرآن و حدیث کی صحیح تعلیمات سے ناواقفی کی بدولت مسلمانوں میں جاگزیں ہو گئے ہیں۔

---

**سہل تجوید**

از ڈاکٹر قاری سید کلیم اللہ صاحب حسینی صدر شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ، صفحات ۵۸، قیمت درج نہیں ہو، ملنے کا پتہ: جناب قاری عبدالرحیم صاحب استاذ دار القرأت والدینیات الکلیمیہ، قریب گیٹ محکمہ بلدیہ، بازار نور الامراء حیدرآباد، دکن

یہ رسالہ تجوید کے مبتدی طلبار کے لیے اردو زبان میں ہو، ریڈر کے طرز پر لکھا گیا ہو۔ ہر سبق کے خاتمہ پر مشقی سوالات بھی دیے گئے ہیں۔ تجوید کے ضروری مسائل کو عام فہم زبان میں سمجھانے کی یہ ایک مستحسن کوشش ہو۔ قرآنی تعلیم کے مدارس و مکاتب کو اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

---

**گلدستہ احادیث مع ترجمہ منظوم**

از جناب حافظ عبدالمجید صاحب دماغ جونپوری، کاغذ عمدہ کتابت طباعت روشن، ہدیہ: دعائے خیر۔ ناشر: جناب سید حامد حسن صاحب علوی۔ نیو مارکٹ، جونپور۔

اس "گلدستۂ حدیث" میں چہل احادیث نبویؐ کو منثور اور منظوم ترجمہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہو۔ مصنف اور ناشر کا مقصد محض ثواب اُخروی ہو، لہٰذا قیمت کچھ نہیں۔

نمونہ:۔

حدیث نبویؐ میں ہو: "من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ" اس کا ترجمہ یوں نظم کیا گیا ہو۔

کلمۂ طیبہ جو دل سے پڑھا		خُلد میں وہ ضرور جائے گا
پوری کرے پیرویِٔ دین نبیؐ		ورنہ کچھ ہو گی فعل بد کی سزا

## رحمت اسلام

از جناب مولانا عبدالقدوس صاحب رومی، فاضل ادب، دبیر کامل
ناشر مکتبہ خانۂ اسلامیہ، الہ آباد ۳، قیمت مکمل سیٹ ۱/۴

یہ کوئی ایک کتاب نہیں، بلکہ دینی مکاتب کے نصاب کا ایک مکمل سیٹ ہے، جو درجۂ اطفال کے لیے ایک قاعدہ اور درجۂ اول سے درجۂ پنجم تک کے لیے ایک ایک کتاب (یعنی پانچ کتابوں) پر مشتمل ہے۔ زبان اور مضامین کے لحاظ سے یہ نصاب کیسا ہے؟ اس بارے میں کسی تجربہ کار معلم یا صاحب نظر کی رائے ہی قابل لحاظ ہو سکتی ہے، ہم بظاہر نظر اس نصاب کو مفید پاتے ہیں —— آجکل ہمارے ملک اور خصوصاً ہماری ریاست میں سرکاری محکمۂ تعلیم کی جانب سے جس قسم کی نصابی کتابیں بچوں کیلئے رائج کی جا رہی ہیں، یہ ان کتابوں کا پورا پورا توڑ ہے۔ فرائض میں سے ہے کہ جو غیر سرکاری مکاتب مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں وہاں اس قسم کی کتابوں کو داخل نصاب کر کے مسلمان بچوں کو اسلام بیگانگی سے بچایا جائے۔

---

# پاکستان کے جو حضرات

رسالہ الفرقان جاری کرانا چاہیں، یا کتب خانۂ الفرقان سے کوئی کتاب منگانا چاہیں وہ رسالہ کا چندہ یا کتاب کی قیمت حسب ذیل پتہ پر جمع کر کے ہمیں اطلاع دیں۔

## سکریٹری صاحب ادارۂ اصلاح و تبلیغ
## آسٹریلین بلڈنگس، لاہور

**نوٹ** (۱) کتابوں کی قیمت کے ساتھ محصول ڈاک کے لیے رجسٹری فیس کے ۸ر اور فی روپیہ ۲ر کا اضافہ اور کیا جائے (مثلاً پانچ روپیہ کتاب کی قیمت ہے تو چھ روپے دو آنے بھیجے جائیں)

(۲) منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ لکھا جائے، نیز یہ کہ رقم رسالہ کے لیے ہے یا کتاب کیلئے۔ اگر دونوں کے لیے ہو تو کتنی کتنی کس مد کی ہے۔

## رآن وحدیث

### اُردو میں

ترجمہ تفسیر ابن کثیر ۔ ۵ ضخیم جلدیں مجلد خوشنما قیمت ۵۵/۰

ترجمہ صحیح بخاری شریف مکمل، مجلد ۳ جلدوں میں، قیمت ۲۴/۰

ترجمہ ترمذی شریف مکمل دو جلدوں میں۔ قیمت ۱۸/۰

ترجمہ مشکوٰۃ شریف مکمل مجلد دو جلدوں میں۔ قیمت ۱۶/۰

ترجمہ مشارق الانوار مع متن قیمت مجلد ۱۲/۰

ترجمہ موطا امام مالک مع متن مجلد ۱۲/۰

ترجمہ کتاب الصلوٰۃ از امام احمدؒ ۱/۸

حصن حصین مع اردو ترجمہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام وہ دعائیں جو حدیث کی کتابوں میں روایت کی گئی ہیں۔ قیمت مجلد ۸/۰/۰

حجۃ اللہ البالغہ ۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی بے نظیر کتاب مع اردو ترجمہ مولانا عبد الحق حقانیؒ، مجلد دو جلدوں میں ۲۰/۰

## دجّالی فتنہ اور سورہ کہف

(از افادات مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم)

مولانا مرحوم کا یہ مقالہ اُن کی ذہانت اور نکتہ رسی کا خاص الخاص نمونہ ہے، جس میں مغربی تہذیب وتمدن اور ملحدانہ علوم و افکار کے فتنہ کا دجّالی فتنہ سے تعلق ظاہر کرکے دکھایا گیا ہے کہ قرآن مجید کی سورۂ کہف کی اس (موجودہ) فتنہ سے کتنا گہرا تعلق ہے اور اس فتنہ کی بنیادوں پر فکری طور سے کاری ضرب لگانے اور اس کے طوفانی عہد میں اپنے سفینۂ ایمان کو غرقابی سے بچانے کے لیے اس سورت میں کیا کیا ارشادات وہدایات موجود ہیں ... ... ... قیمت ... ... ... ۱/۸/۰

## اسلامی کشکول

(مرتبہ قاضی مظہر الدین بلگرامی)

اسلامی تعلیمات کے مختلف گوشوں پر مسلمانوں کی فکری وعملی اصلاح کے لیے مشاہیر اہل علم وقلم نے اپنی سینکڑوں کتابوں اور مقالوں میں جو کچھ لکھا یہ اُن کے بیکڑوں اقتباسات کا عجیب وغریب مجموعہ ہو، ہر تعلیم یافتہ مسلمان سے اس کے مطالعہ کی مخلصانہ سفارش کی جاتی ہو۔ قیمت مجلد ........ ۳/۰/۰

## ارشاد السالکین

تصوف و اصلاح باطن کے کتب خانہ کا عطر ہے، قیمت مجلد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱/۰

ملنے کا پتہ ــــ کتب خانۂ الفرقان، کچہری روڈ لکھنؤ

---

## لاہور میں الفرقان اور مطبوعات کتب خانۂ الفرقان

ملنے کا پتہ

## پاک سبسکرپشن ایجنسی

۱۳۴، شاہ عالمی مارکیٹ لاہور

دُنیا میں
سب سے بڑا روحانی انقلاب
پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ برپا ہوا تھا
جو لوگ اُردو زبان کے ذریعہ
اُس تعلیم و ہدایت سے واقف ہونا اور فائدہ اٹھانا چاہیں جس نے یہ انقلاب برپا کیا تھا
ہم انکی خدمت میں مولانا محمد منظور نعمانی مُدیر الفرقان لکھنؤ کی تالیف
معارفُ الحدیث
اعتماد اور یقین — کے ساتھ پیش کرتے ہیں
اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ یہ حدیث نبوی کا ایک جدید مجموعہ ہے جو دورِ حاضر کے مسلمانوں کی ذہنی و فکری سطح کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ مصنف کی خاص کوشش پوری کتاب میں یہ رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے جو اثرات صحابہ کرام کے قلوب پر پڑتے تھے اِس کتاب کے ناظرین کے دلوں پر بھی وہی اثرات کسی درجہ میں پڑیں — (دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں)
جلد اوّل — جس میں ایمان و آخرت سے متعلق ۱۴۰ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔ قیمت مجلد ۴/۸ غیر مجلد ۳/۱۲
جلد دوم — جس میں تزکیۂ روح اور اصلاح اخلاق سے متعلق ۲۶۰ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے جس کے متعلق وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کے بعد تزکیۂ نفس اصلاح قلب اور تربیت اخلاق کا کوئی موثر ذریعہ ان حدیثوں سے بڑھ کر دنیا کے اصلاحی ادب میں موجود نہیں ہے۔ قیمت مجلد ۵/۸ غیر مجلد ۴/۸
ملنے کا پتہ — کتب خانۂ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

ماہنامہ

# الفرقان لکھنؤ

## ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے جو دل سے

اس بات کا عہد کہ ہم صرف اللہ کی عبادت و بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی [illegible]

اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی

زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم اسی کا

عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ

توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

ادارۃ الفرقان

مرتب

عتیق الرحمٰن سنبھلی

مسئول

محمد منظور نعمانی

# کتب خانہ الفرقان کی مطبوعات

**کلمہ طیبہ کی حقیقت:** ۔۔ ۔۔ از افادات مولانا نعمانی
اس میں اسلام کے کلمہ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
کی تشریح پوری تحقیق کے ساتھ ایسے موثر انداز میں کی گئی ہے کہ
ہر سطر سے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور دماغ کے
ساتھ دل بھی متاثر ہوتا ہے ۔۔ ۔۔ ۔۔ قیمت -/۶/-

**برکات رمضان:** ۔۔ ۔۔ از افادات مولانا نعمانی
اس رسالہ کی خصوصیت ہے کہ
روزہ داراور رمضان اور
اسلام وغیرہ کے فضائل کی
...یت کی تشریح حضرت
...ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے
...یر اس میں اس طرح کی گئی
...کہ دل اور دماغ دونوں
...تے ہیں۔ اور عمل کا
...ہوتا ہے قیمت -/۱۲/-

**نماز کی حقیقت:** از افادات مولانا نعمانی۔ ہر تعلیم یافتہ مسلمان
کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ نماز کے مقام اور اس کی روح و حقیقت سے
واقف ہونے کے لیے اور اپنی نماز میں روحانیت اور نورانیت پیدا
کرنے کے لیے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور فرمائیں "کلمہ طیبہ کی حقیقت" کی
طرح یہ بھی عقل و جذبات اور دل و دماغ کو یکساں متاثر کرتا ہے قیمت -/۱۲/-

**آپ حج کیسے کریں؟** (از مولانا نعمانی و مولانا علی میاں ندوی)
حج و زیارت کے متعلق اردو زبان
میں بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں شائع
ہو چکی ہیں، لیکن یہ کتاب (جو مولانا
نعمانی اور مولانا سید ابو الحسن علی
ندوی کی گویا مشترک تالیف ہے) اپنی
اس خصوصیت میں اب بھی بے نظیر
ہے کہ اس کے مطالعہ سے حج کا صحیح
اور مسنون طریقہ بھی تفصیل کے ساتھ
معلوم ہو جاتا ہے اور دل میں عشق و محبت
اور ذوق و شوق کی وہ کیفیات بھی
پیدا ہو جاتی ہیں جو دراصل حج کی
روح اور جان ہیں۔ کاغذ عمدہ
مجلد قیمت ...... -/-/۲

# اسلام کیا ہے؟

(تالیف مولانا نعمانی)
دنیا اڈیشن کافی ترمیم و اضافہ کیا گیا
اس کتاب کے دیکھنے والوں کا عام احساس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو
کوئی خاص مقبولیت و تاثیر عطا فرمائی ہے۔ پچھلے چند سالوں میں تقریباً
تیس ہزار اردو میں اور کئی ہزار گجراتی میں شائع ہو چکی ہے۔

## حال ہی میں ہندی اڈیشن بھی تیار ہو گیا ہے

اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کے لیے ہی نہیں
بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لیے بھی اس کا مطالعہ ان شاء اللہ کافی ہے۔

زبان نہایت آسان ہونے کے ساتھ نہایت شیریں اور پر تاثیر
ہے، کتابت طباعت اعلیٰ اور معیاری قسم اول۔ کاغذ ۲۸ پونڈ چکنا
مجلد۔ قیمت ڈھائی روپے (-/۸/۲) قسم دوم کاغذ ۲۲ پونڈ چکنا
غیر مجلد۔ قیمت پونے دو روپے۔ -/۱۲/۱۔ ہندی اڈیشن کاغذ اعلیٰ
مجلد۔ قیمت تین روپے ..... -/-/۳

**آسان حج:** از افادات مولانا
نعمانی۔ یہ آسان زبان میں "حج
کیسے کریں" کا خلاصہ ہے۔ ایسے کم
تعلیم والے حضرات جو صرف آسان
اور معمولی اردو ہی پڑھ سکتے ہیں وہ
اسکے مطالعہ سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ طباعت معیاری قیمت مجلد -/۶/-

**...سوال**
...بقلم سید اصغر حسین
...خواتین خاص کر تعلیم یافتہ
...میں دین کی طرف سے
...بے فکری اور آخرت کی طرف سے
...غفلت تیزی سے بڑھ رہی
...اس کے علاج اور انسداد
...ہماری ایک محترم بہن نے
...رسالہ لکھا ہے۔ شروع میں مولانا
نعمانی کے قلم سے پیش لفظ ہے۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ قیمت -/۱۰/-

**ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ:** مرتبہ مولانا نعمانی۔ مولانا مرحوم
اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ لیکن جو شخص ان کو اور ان کی دینی دعوت
کی حقیقت اور اس کی گہرائیوں کو سمجھنا چاہے اس کو ان ملفوظات
کا مطالعہ بار بار کرنا چاہیے۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ قیمت -/۸/۱

**قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ** ..... قیمت -/۶/-

**شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین کے الزامات**
علمی حیثیت سے بھی قابل دید ہے ..... قیمت -/۸/۱

**حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ:** (از مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم)
حضرت شاہ صاحبؒ کے مقام کی معرفت اور ان کی کتابوں کے سمجھنے
کے لیے یہ مقالہ کلید کی حیثیت رکھتا ہے ۔۔ ۔۔ ۔۔ قیمت -/-/۱

**حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت:** مولانا سید
ابو الحسن علی ندوی کے قلم سے یہ مولانا مرحوم کی قابل دید سوانح حیات ہے
جس میں انکی دینی دعوت کی تاریخ اور اس کے بنیادی اصولوں کو بھی
تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ قیمت -/۸/۲ معرکۃ القلم اکابر دیوبند کی طرف سے
مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا جواب -/-/۱

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ ۱۰ شلنگ
اعزازی خریداروں سے
سالانہ ۱۵/ـ

ہندستان و پاکستان سے
سالانہ چندہ (بیکہ ہندستان) ۵/ـ
سالانہ چندہ (بیکہ پاکستان) ۷/ـ
ششماہی ... ... ۳/ـ

(قیمت فی کاپی ۸ آنے)

جلد ۲۵ | بابت ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ مطابق جولائی ۱۹۵۸ء | شمارہ ۱۲




## تاریخ اشاعت

رسالہ ہر مہینے کی ۱۵ تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہو۔ اگر ۲۵ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔

## مقام اشاعت

## دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ


(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

# چند ضروری گزارشات

۱- اگر

اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہو تو

اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں۔ یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ ورنہ اگلا رسالہ بصیغہ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع زیادہ سے زیادہ ۱۴ تاریخ تک پہونچ جانی چاہیے۔

**پاکستان کے خریدار:-** اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں

۲- جن حضرات کا چندہ اس شمارہ پر ختم ہو رہا ہو اور ان کا ارادہ آئندہ رسالہ جاری رکھنے کا ہو۔ ہم نہایت ممنون ہوں گے اگر وہ وی، پی منگوانے کے بجائے اپنا چندہ منی آرڈر سے بھیجدیں۔ وی، پی میں علاوہ اس کے کہ خواہ مخواہ زائد صرفہ ہوتا ہو۔ اس دفعہ ہمارے لیے خصوصی طور پر ایک دقت یہ ہو کہ نیا سال شروع ہو رہا ہو اسلیے اگر معاونین کرام نے چندہ بذریعہ منی آرڈر نہیں بھیجا تو کارکنان دفتر کے لیے وی، پی کا کام ایک مستقل کام بن جائے گا۔

۳- یہ شمارہ ۴-۵ دن کی تاخیر سے شائع ہو رہا ہو۔ پس جو حضرات رسالہ کی عدم وصولی کی شکایت لکھ چکے ہوں براہ کرم وصولیابی کے بعد ایک دوسرا کارڈ لکھ دیں تاکہ بلا ضرورت دوسری کاپی نہ بھیجنا پڑے۔

منیجر الفرقان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اوّلیں

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

ہندوستان کی آزادی کو دس برس سے زیادہ ہوئے، اس عرصہ میں ملک کی اصلاح و ترقی کے لیے مختلف تحریکیں اٹھیں اور مختلف سیاسی جماعتیں میدان میں آئیں، انھوں نے ملک کی اصلاح و ترقی کے لیے ہر طرح کی تجاویز پیش کیں اور ہر طرح کے منصوبے اور خاکے بنائے، ان تحریکات میں سیاسی، اقتصادی، تعمیری، لسانی، ثقافتی اور بھودان تحریک سے لے کر "انگریزی ہٹاؤ" "انگریزی دور کے مجسمے اٹھاؤ" اور زیادہ سے زیادہ درخت لگاؤ" تک کی تحریکیں شامل ہیں، یہ تحریکیں خیالات کی رنگا رنگی کی بہترین مثالیں ہیں، ہر وہ بات جو سوچی جا سکتی ہو ان تحریکوں اور تجویزوں میں آگئی، ایسا معلوم ہوتا ہو کہ ترکش کا کوئی تیر بے آزمائے نہیں چھوڑا جائے گا۔ ہندوستان کے دماغ اور قوت فکر نے اپنا پورا مظاہرہ کیا اور یہ صاف معلوم ہو گیا کہ ہمارے ملک کا دماغ کس انداز سے سوچتا ہے، اور اس کی بہترین صلاحیتیں کیا ہیں۔

لیکن حیرت کی بات یہ ہو کہ اس عظیم و وسیع ملک کی اس عظیم آبادی میں جو چیز نہیں سوچی گئی وہ اخلاقی و اصلاحی بنیاد پر ملک کی نئی تعمیر کا مسئلہ ہو۔ اور جس تحریک کا نام زبانوں پر نہیں آیا، وہ اہل ملک کو ایک شریف انسان اور اچھا شہری بنانے کی مہم ہو، اس کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس ملک کی زندگی میں اس بارے میں کوئی خلا اور نقص نہیں اور ہماری موجودہ ہندوستانی سوسائٹی اس معیار پر پوری اترتی ہے، لیکن حکومت کی رپورٹ سے لے کر سماجی مطالعہ اور یونیورسٹیوں کے خطبہائے تقسیم اسناد سے لے کر اخباروں کے کالموں تک ہر چیز اس کی تردید کرتی ہو اور شہری زندگی کی سطحی اور سرسری واقفیت بھی اس کی تردید کے لیے کافی ہو۔ آج ملک میں جس پیمانہ پر رشوت خوری، دولت ستانی

اقربا نوازی، ذخیرہ اندوزی، مجرمانہ گراں فروشی، اور غبن اور بد دیانتی ہو وہ اس دور سے پہلے کبھی نہ تھی۔ شہری زندگی کا شعور اور ملک و وطن کی ذمہ داریوں کا احساس تقریباً صفر کے درجہ میں ہو۔ اس لیے یہ سمجھنا کہ ہمارا ملک اخلاق و شہریت کے معیار پر پورا اترتا ہو، اور ہندوستانی سماج ہر طرح سے اس ملک کے مرتبہ اور اس کی بین الاقوامی شہرت و اہمیت کے مطابق ہو، یا تو پہلے درجہ کی ناواقفیت ہے یا خطرناک فریب خوردگی۔

اس کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہو کہ زندگی کی موجودہ کشمکش اور تعمیر و ترقی کے جدید منصوبوں کے سامنے اس کام کی کوئی اہمیت نہیں ہو ملک کا اصل مسئلہ اقتصادی مسئلہ ہو اور ملک کی حقیقی ضرورت صنعتی ترقی یا معیار زندگی کی بلندی ہو۔ (اس وقت ان لوگوں کا ذکر نہیں جو ملک کا اصلی مسئلہ زبان کو سمجھتے ہیں اور اپنی ساری قوتیں ہندی کے پرچار اور اردو یا دوسری بانوں کو فنا کرنے پر لگائے ہوئے ہیں کہ انکا یہ طفلانہ انداز فکر تنقید و تردید کا بھی استحقاق نہیں رکھتا) لیکن ان چند برسوں میں ملک کے اندر منصوبہ بندی اور تعمیر و ترقی کا جو کام ہوا ہو اس نے اعداد و شمار اور نتائج کی زبان سے صاف طور پر اعلان کر دیا ہو کہ اخلاقی احساس اور شہری زندگی کے شعور اور ضمیر کی بیداری کے بغیر یہ ساری کوششیں کوہ کندن و کاہ برآوردن کے مرادف ہیں، ذمہ داروں کی ہوس دولت اور کارکنوں کی کام چوری اور مفت خوری نے انقلاب انگیز کوششوں اور دولت کے ذخیروں کو جس طرح بیکار کر دیا ہو وہ اس غریب و مقروض ملک کے لیے ناقابل برداشت ہو۔ اخلاقی احساس اور ضمیر کی بیداری کے ساتھ جو کام پیسوں میں ہو سکتا تھا وہ ان دونوں کے فقدان کے ساتھ لاکھوں روپے میں نہیں ہو رہا ہے۔ حکومت کی سطح سے اتر کر عوامی زندگی کی سطح پر دیکھئے تو آپس میں کوئی ہمدردی، جذبۂ خدمت، ذوق عمل اور سچی حب الوطنی نہیں، اور کسی کو اپنے حقیر فائدہ یا لذت کے لیے ملک کو نقصان پہونچا دینے میں ذرہ بھر تامل نہیں، یہ وہ قومی کیرکٹر ہو جو صدیوں کی مستحکم سلطنتوں کے لیے معتدل حالات میں بھی خطرناک ہو چہ جائیکہ ایک ایسی نوزائیدہ ریاست کے لیے جس کو غیر معمولی بین الاقوامی حالات سے سابقہ ہے۔

میرے خیال میں بنیادی کام کا یہ غلط اصرف اس بات کا نتیجہ ہو کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں ملک کی زمام کار ہو انھوں نے اس طرح کی تربیت و تعلیم ہی نہیں پائی کہ وہ اس بنیاد پر سوچ سکیں ان کی

تربیت یا تو سیاسی میدان میں ہوئی ہو یا تعلیمی میدان میں، اور ہندوستان کے یہ دونوں میدان اس انداز فکر سے عرصہ سے محروم چلے آرہے ہیں، ان دونوں میدانوں کے نامور رہنما جو موجودہ صاحب اقتدار طبقہ کے معلم و مربی رہے ہیں، ان بنیادوں پر سوچنے کے خود بھی عادی نہیں تھے، مذہب جو اس بارے میں روشنی اور صحیح انداز فکر عطا کرتا ہو ہندوستان میں عرصہ سے بے اثر اور عبادات و رسوم میں محدود ہو۔ زندگی کے حقائق اور کوششوں کے نتائج البتہ اس طبقہ کو نئے طرز پر سوچنے اور بنیادی کام کی طرف توجہ کرنے پر آمادہ کر سکتے تھے، لیکن حکومت کا دفتری نظم و نسق اور انتظامی جزئیات ان کو کچھ اور سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتے، پھر حکومت کی سہولتوں نے ان کو جس طرز زندگی کا عادی بنا دیا ہو اس کے بعد وہ اس خشک بے مزہ کام کے جھمیلوں اور اس سنگلاخ زمین میں ہل چلانے کے قابل ہی نہیں رہے، اس کے لیے تو اسی طرح کے جفاکش، ایثار پیشہ، صاحب یقین کارکنوں کی ضرورت ہو جو اقبال کے الفاظ میں

نگاہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز

کے مالک ہیں۔ یہی لوگ اس ملک کی حقیقی خدمت کر سکتے ہیں، اور ایک نیا انقلاب لا سکتے ہیں اخلاقی و اصلاحی انقلاب، تعمیری و ایجابی انقلاب، جو محض اپنی قوت اور عمومیت کی بنا پر انقلاب کہا جا رہا ہو ورنہ وہ ایک خالص تعمیری کام ہے۔

ملک کی تعمیر نو کے اس کام میں جتنی تاخیر ہوگی، وہ اس ملک کے لیے خطرہ کا باعث ہو۔ ایسا خطرہ جو غذائی قلت، اقتصادی بدحالی، مالی عدم توازن۔ بلکہ ہر بیرونی خطرہ سے زیادہ سنگین ہے۔

اس خطرہ کے وقوع سے زیادہ خطرناک اور تشویش ناک بات یہ ہو کہ ملک میں اس خطرہ کو محسوس کرنے والے یا تو بالکل مفقود ہیں یا اتنی تھوڑی تعداد اور غیر نمایاں حیثیت میں ہیں کہ ان کے وجود کا بھی احساس نہیں ہوتا، جو سیاسی جماعتیں ملک کی تعمیر و ترقی اور اصلاح حال کے لیے اس وقت میدان میں ہیں ان کی تجاویز اور تحریکوں سے ایک ایسے دماغی افلاس اور قوت فکر کے زوال و انحطاط کا اندازہ ہوتا ہو جس کی کوئی توقع نہ تھی، اس سلسلہ میں جو اعلیٰ سے اعلیٰ چیز سوچی گئی ہو اور جس کو اس وقت ہندوستان گیر تحریک و مہم کی حیثیت سے چلایا جا رہا ہے اور جمیں

خلوص اور جد وجہد کا بڑے سے بڑا سرمایہ لگایا گیا ہو۔ یعنی بھودان تحریک وہ بھی ایک ایسے آدمی کے نقطۂ نظر سے جس نے پیغمبروں کی اصلاح وتربیت کی تاریخ پڑھی ہو ایک بڑی سطحی تحریک اور ایک نہایت عارضی حل معلوم ہوتا ہو۔

"ملک کی حقیقی تحریک اور حقیقی خدمت یہی ہو کہ ایک نیا اخلاقی انقلاب برپا کیا جائے اور ملک میں ایک ایسا ضمیر پیدا کیا جائے جو خدا شناس اور خدا ترس ہو، جو صاحب یقین و صاحب عزم ہو، جس کے اندر اخلاقی حس اور شہریت کا شعور بیدار ہو، جس کو بغیر کسی خوف اور خارجی خطرہ کے خیانت، ظلم اور گناہ سے نفرت ہو، جس کے اندر دوسروں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہونچانے اور خود کم سے کم فائدہ اٹھانے کی اخلاقی طاقت ہو، جس کے اندر رضا کارانہ کام اور بے مزد مزدوری کا جذبہ ہو جس کو دوسروں کا حق ادا کرنے کی اپنا حق لینے سے زیادہ فکر ہو۔ یہ ہو ملک کی وہ حقیقی تحریک جو اس ملک کو مضبوط، باعزت، منظم اور محفوظ بنا سکتی ہو، اگر اس میں کوتاہی یا تاخیر سے کام لیا گیا تو سخت انتشار اور ایک بڑے انقلاب کا خطرہ ہو۔ وہ انتشار اور وہ انقلاب جو قوانین فطرت کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں پیش آیا کرتا ہو، اور آج بھی تاریخ انسانی باواز بلند اعلان کر رہی ہو۔

حذر! اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اس وقت جبکہ "الفرقان" اپنی عمر کی ایک اور منزل طے کر رہا ہو، اور نیا ہجری سال شروع ہو رہا ہو وہ اس حقیقت کو پھر ایک بار واضح طریقہ پر دہرانا چاہتا ہے جس پر اس کا عقیدہ رہا ہو اور جس کو اس کے صفحات پر اور اس کے ذمہ داروں نے مختلف مجالس میں بار بار دہرایا ہو کہ ملک کا اس وقت سب سے بڑا مسئلہ اصلاحی اور اخلاقی بنیادوں پر اس کی نئی تعمیر ہے۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

# قرآنی دعوت

(مسلسل)

## امانت:-

امانت بھی دراصل سچائی اور راست بازی ہی کی ایک خاص شکل ہے ـــــ اردو محاورہ میں تو اس کا مطلب صرف اتنا ہی سمجھا جاتا ہے کہ کسی نے جو چیز کسی کے پاس رکھ دی ہو اس میں کوئی خیانت اور کوئی بددیانتی نہ کی جائے اور اس شخص کے مطالبہ پر یا یونہی وہ جوں کی توں واپس کردی جائے اور یہ بھی بلاشبہ ایک اخلاقی نیکی ہے۔ لیکن عربی زبان اور خاص کر قرآنی محاورہ میں امانت کا مفہوم اس سے بہت زیادہ وسیع ہے، اور تمام حقوق و فرائض کا دیانت داری کے ساتھ ادا کرنا اور ہر قابل لحاظ بات کا لحاظ رکھنا اس میں داخل ہے ـــ امانت کے مفہوم کی اس وسعت کو ذہن میں رکھ کر اس کے متعلق قرآن مجید کی آیات پڑھیے۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہوا ہے۔

| | |
|---|---|
| إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا.. (النساء ع ۸) | بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ (تمھارے پاس اور تمھارے ذمے) جن کی امانتیں ہیں ان کو وہ امانتیں ادا کرو۔ |

پس اس آیت کی رو سے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اس کے پاس کسی شخص کی کوئی امانت ہو، یا کسی کا مالی یا غیر مالی کوئی حق ہو تو اس کو پوری دیانت داری کے ساتھ ادا کرے، اور اس کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی اور خیانت نہ کرے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی کسی معاملہ میں اس سے مشورہ لے تو

پوری خیر خواہی کے ساتھ مشورہ دے۔ اسی طرح اگر کسی کا کوئی راز معلوم ہو جائے تو اس کو بھی امانت ہی سمجھے اور اس کا افشا نہ کرے ــــ الغرض ادائے امانت کے اس قرآنی حکم میں اس طرح کی تمام صورتیں داخل ہیں۔

نیز قرآن مجید میں ادا امانت کے اس حکم کے علاوہ اس کی ترغیب اس طرح بھی دی گئی ہو کہ امانتیں ٹھیک ٹھیک ادا کرنے والوں کو فلاح یاب اور جنتی بتلایا گیا ہو، چنانچہ سورہ مومنون اور سورۂ معارج کے پہلے رکوع میں فلاح پانے والوں اور جنت میں جانے والوں کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہو کہ

| | |
|---|---|
| وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ○ | اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔ |
| (المومنون ع ۱۔ المعارج ع ۱) | |

قرآن مجید میں اس وصف امانت کی عظمت کو اس طرح بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کو اللہ کے مقدس رسولوں کی اور اس کے مقرب ترین فرشتے جبرئیل کی خاص صفت بتایا گیا ہو۔ سورہ شعراء میں متعدد پیغمبروں کے تذکرے میں فرمایا گیا ہو کہ انھوں نے اپنی امتوں سے کہا

| | |
|---|---|
| اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ | میں تمھارے لیے اللہ کا امانت دار پیغام بر ہوں (میرا خاص پیغام یہ ہو کہ) اللہ سے ڈرو اور میرے لائے ہوئے احکام کی فرمانبرداری کرو |
| (الشعراء ع ۶-۷-۸-۹-۱۰) | |

اور قرآن مجید کے بارہ میں اسی سورہ شعراء میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے

| | |
|---|---|
| نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ | لے کر اترا ہو اس کو روح الامین (یعنی اللہ کا خاص امانتدار فرشتہ جبرئیل) |
| (الشعراء ۱۱) | |

پس اللہ کے جن بندوں کی یہ چاہت اور آرزو ہو کہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں اور اس کے مقرب فرشتوں سے ان کو کوئی نسبت حاصل ہو اور ان کے پاکیزہ اوصاف و اخلاق میں اس کا کوئی حصہ ہو تو انھیں چاہیے کہ وہ امانت کے وصف کو اپنائیں اور جس کا جو حق ان کے

ذمہ ہو اور جو ان کی ڈیوٹی ہو اس کو پوری امانت داری اور دیانت داری کے ساتھ ادا کریں۔

## عدل وانصاف :-

قرآن مجید کی دعوت و تعلیم میں جن اخلاقی اور معاشرتی امور پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اُن میں ایک عدل و انصاف بھی ہے۔ یہ بھی دراصل سچائی اور راست بازی ہی کی ایک خاص قسم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کے ساتھ بلا رو رعایت وہ معاملہ کیا جائے اور اس کے بارہ میں وہ خدا لگتی بات کہی جائے جس کا وہ واقعہ میں مستحق ہو، اس عدل و انصاف پر دنیا کا نظام قائم ہے۔ جس قوم اور جس سماج میں عدل و انصاف نہ ہو، وہ خدا کی رحمت سے محروم رہے گی اور دنیا میں بھی اس کا انجام بہت برا ہی ہوگا۔ قرآن مجید نے اپنی دعوت و تعلیم میں عدل و انصاف کو جو خاص درجہ اور مقام دیا ہے اس کا اندازہ سورہ حدید کی ایک آیت سے لگایا جا سکتا ہے۔ ارشاد ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔

(الحدید ع ۳)

ہم نے اپنے رسول بھیجے، کھلے احکام لے کر اور اتاریں ہم نے ان کے ساتھ (ہدایت کی) کتابیں اور عدل و انصاف کا فرمان۔ تاکہ لوگ اپنے معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں۔

اس آیت میں "المیزان" سے مراد عدل و انصاف کے احکام و قوانین ہیں، اس بنا پر آیت کا مفاد یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ساتھ جس طرح مختلف صحیفے اتارے اسی طرح عدل و انصاف کے فرامین اور احکام و قوانین بھی اتارے تاکہ اس کے بندے ان صحیفوں کی روشنی میں اس کی بندگی کے راستے پر چلیں، اور عدل و انصاف کے فرامین کی رہنمائی میں آپس میں عدل و انصاف کا برتاؤ کریں۔ الغرض اس آیت میں "المیزان" یعنی عدل و انصاف کا ذکر جس طرح "الکتاب" کے ساتھ کیا گیا ہے اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اور قرآن مجید کی دعوت و تعلیم میں عدل و انصاف کی کتنی غیر معمولی اہمیت ہے۔

قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ بھی اللہ کی کتاب کے ساتھ عدل و انصاف کے ایک فرمان کا ذکر اسی طرح کیا گیا ہے، سورۂ شوریٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے۔

قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَّاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ (شوریٰ۔ ع ۲)

اے پیغمبر! آپ (ان یہودیوں اور عیسائیوں سے) کہہ دیجئے کہ میں ایمان لایا ہوں اس مقدس کتاب پر جو اللہ نے اتاری ہے اور مجھے اس کا فرمان ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہمارا بھی مالک و رب ہے اور تمہارا بھی۔

اس آیت میں بھی عدل و انصاف کے فرمان کا ذکر جس طرح ایمان بالکتاب کے ساتھ کیا گیا ہے وہ قرآن مجید کے اشارہ شناسوں کو یہ سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ قرآنی دعوت و تعلیم میں عدل و انصاف کی کتنی اہمیت ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ سورۂ نحل میں جہاں ایمان والوں کو بہت سے اہم اخلاقی احکام دیئے گئے ہیں وہاں سب سے پہلا حکم انصاف ہی کا دیا گیا ہے۔ وہ رکوع شروع ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ (النحل۔ ع ۱۳)

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے انصاف کا اور اچھا سلوک کرنے کا۔

اور سورۂ انعام میں جہاں اللہ تعالیٰ کے اہم اوامر و نواہی کو یکجا بیان کیا گیا ہے۔ وہاں بھی عدل و انصاف کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى۔ (الانعام۔ ع ۱۹)

جب (کسی نزاعی معاملہ میں) تمہیں کچھ کہنا یا فیصلہ دینا ہو تو پورا انصاف کرو اگرچہ (فریق معاملہ) تمہارا کوئی قرابت دار ہو۔

سورۂ نساء کی ایک آیت میں اور زیادہ وضاحت و تفصیل سے فرمایا گیا ہے کہ ایمان والوں کا فرض ہے کہ وہ بے لاگ انصاف کرنے والے اور خدا کے لیے سچی گواہی دینے والے بنیں۔ اگرچہ اس سے خود ان کو یا ان کے ماں باپ یا اور قرابت داروں کو نقصان پہونچے۔ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۔

(النساء۔ ع ۲۰)

اے ایمان والو! ہو جاؤ خوب انصاف پر قائم رہنے والے اور انصاف کے حامی اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے اگرچہ (وہ انصاف اور وہ گواہی) تمہارے ہی خلاف پڑے یا تمہارے ماں باپ اور دوسرے اقربا کے خلاف پڑے۔ اگر فریقِ معاملہ دولت مند ہیں یا محتاج (دونوں صورتوں میں) اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ پس تم انصاف کرنے میں اپنے نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرو، اگر تم (کسی کی قرابت یا امیری غریبی کے لحاظ سے فیصلے میں یا گواہی میں) لاگ لپیٹ یا اینچ پیچ کی بات کروگے یا خدا لگتی بات کہنے سے پہلو تہی کروگے تو یقین رکھو کہ اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح خبردار ہے۔

عدل و انصاف کے حکم کے بارے میں یہ آیت کتنی جامع اور کیسی محکم اور واضح ہے، فرمایا گیا ہو کہ معاملات میں عدل و انصاف کو اور سچی خدا لگتی بات کہنے کو اپنا اصول اور نصب العین بنالو اور پوری دیانت داری اور للہیت کے ساتھ اس فرض کو ادا کرو، خواہ اس سے خود تم کو یا تمہارے اعزاو اقربا کو کتنا ہی نقصان پہونچے، لیکن اللہ کے مقابلہ میں اور سچائی اور انصاف کے معاملہ میں کسی کی جانب داری نہ کرو، نہ کسی امیر کی امیری کی وجہ سے اس کی طرف داری کرو۔ اور نہ کسی غریب کی غربت و ناداری پر ترس کھا کر اس کی بے جا حمایت کرو؛ انصاف اور سچائی سب سے مقدم ہے۔ غریبوں کی غربت کو بھی اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ دیکھنے والا ہو، اور وہی سب کا حقیقی والی اور کارساز ہو۔ آخر میں یہ بھی فرمایا کہ کسی ایک فریق کی یا دونوں فریقوں کی ناراضگی سے بچنے کے لیے بات لگی لپٹی اور اینچ پیچ والی بھی نہ کہی جائے اور فیصلہ اور گواہی سے پہلو تہی بھی نہ کی جائے، یہ دونوں باتیں بھی عدل و انصاف کے خلاف اور گناہ ہیں۔

آخر میں ایک آیت سورۂ مائدہ کی اور پڑھ لیجئے، جس میں عدل و انصاف کے حکم کے ساتھ یہ بھی تاکید فرمائی گئی ہو، کہ اگر کچھ لوگ تمہارے دشمن اور بدخواہ ہوں تب بھی اُن کے ساتھ تم انصاف ہی کرو۔ ارشاد ہو۔

| | |
|---|---|
| یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ط (المائدہ ع ۲) | اے ایمان والو! ہو جاؤ کھڑے ہونے والے اللہ کے لیے، کہنے والے عدل و انصاف کے ساتھ خدا لگتی اور لوگوں کی عداوت و بدخواہی تم کو اس گناہ کے ارتکاب پر آمادہ نہ کردے (یعنی کسی کی |

دشمنی سے متاثر ہو کر تم ایسے نہ ہو جاؤ) کہ ان کے ساتھ بے انصافی کرنے لگو۔ (تم ہر حال میں) انصاف ہی کرتے رہو۔ یہی طرز عمل قرین تقویٰ ہو۔

اوپر کی آیتوں میں یہ تاکید فرمائی گئی تھی کہ اپنے ذاتی نفع نقصان کے خیال سے یا رشتوں اور قرابت کی وجہ سے یا کسی کی امیری کے لحاظ سے یا کسی کی غربت پر ترس کھا کر اسے نفع پہونچانے کی نیت سے کوئی بے انصافی اور جانبداری نہ کی جائے۔ بلکہ صرف خدا کی خوشنودی کے لیے اور سچائی کا حق ادا کرنے کے لیے، ہر معاملہ میں عدل و انصاف کیا جائے، اور بات سچی اور خدا لگتی کہی جائے ـــ اب مائدہ کی اس آیت میں یہ فرمایا گیا کہ کسی دشمن کی دشمنی کی وجہ سے بھی اس کے ساتھ بے انصافی نہ کی جائے، بلکہ دشمنی اور بدخواہی کے باوجود معاملات میں اس کے ساتھ پورا انصاف کیا جائے۔ اور کسی معاملہ میں اگر وہ برسرِ حق ہو، تو اس کی حمایت کی جائے اور اس کے حق میں فیصلہ دیا جائے ـــ

یہ ہو قرآن مجید کی دعوت و تعلیم عدل و انصاف کے باب میں، کاش اگر مسلمانوں میں یہی ایک بات موجود ہوتی تو اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کا انتظام آج بھی انھیں کے ہاتھوں میں دیتا ـــ اور مصیبت زدہ دنیا انھیں کو سربراہی کے لیے منتخب کرتی۔

# دین کی خدمت و نصرت

## دعوت و تبلیغ، تعلیم و تزکیہ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، قتال فی سبیل اللہ

(۲)

(از ——— محمد منظور نعمانی)

### تبلیغ، تعلیم و تربیت اصلاح و ارشاد

اس کے بعد چند آیتیں اور حدیثیں دعوت و تبلیغ، تعلیم و تربیت اور اصلاح وارشاد کے بارہ میں بھی سُن لی جائیں۔

سورۂ حم سجدہ میں ارشاد فرمایا گیا۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (حم سجدہ ع ۵)

اور کون زیادہ اچھا ہو سکتا ہو بات میں اس شخص سے جس نے بلایا اللہ کی طرف اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں اللہ کے فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

یعنی اللہ کے نزدیک سب سے اچھی بات اس بندے کی ہو جو ایمان اور عمل صالح کا ذاتی سرمایہ رکھنے کے ساتھ اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی اسکی طرف بلاتا ہو اور ان کی اصلاح کی کوشش کرتا ہو۔

اور سورۃ العصر میں فرمایا گیا:۔

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِىْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

زمانے کی گردش کی قسم سارے انسان خسارے میں ہیں خسارے سے بچنے والے اور فلاح پانے والے صرف وہ بندگان خدا ہیں جو ایمان لائیں۔ نیک اعمال کریں اور راہ حق پر چلنے کی اور نفس کو بری خواہشوں سے تھامے رکھنے کی ایک دوسرے کو وصیت اور نصیحت کریں

---

۱؎ اس سلسلہ کی پہلی قسط گزشتہ اشاعت میں شائع ہو چکی ہو، اور وہیں یہ بتایا جا چکا کہ یہ دراصل مولانا نعمانی کی زیر طبع ایک تازہ تصنیف کا ایک باب ہو۔ ۱۲

"تواصی بالحق" اور "تواصی بالصبر" ہدایت و ارشاد کا ایسا جامع عنوان ہے جس میں تبلیغ و دعوت، تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد کی سب ہی صورتیں آجاتی ہیں۔

ان قرآنی آیتوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو چار حدیثیں بھی سن لیجیے۔

حضرت سہل بن سعدؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

وَاللّٰهِ لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ
(ابو داؤد)

قسم اللہ کی کسی ایک آدمی کا تمھارے ذریعہ ہدایت پاجانا تمھارے لئے (نہایت قیمتی قسم کے) سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا:-

مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ۔
(رواہ مسلم)

اللہ کا جو بندہ کسی دوسرے بندے کو کسی نیک عمل کی رہنمائی کرے تو اس بتانے والے کو بھی کرنے والے کے برابر ثواب ہے۔

اور حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِیْ اٰدَمَ وَاَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِیْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَهٗ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَمِیْرًا وَحْدَهٗ اَوْ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔
(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

کیا تم جانتے ہو کہ جود و سخا میں کون سب سے بڑھا ہوا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی کو خبر ہے، آپ نے فرمایا کہ جود و سخا میں سب سے اعلیٰ اور بالا تو اللہ تعالیٰ ہیں۔ پھر اس کے بعد جود و سخا میں میرا درجہ ہے اور میرے بعد اس شخص کا درجہ ہے جس نے اللہ کی ہدایت کا علم حاصل کیا پھر اسکو پھیلانے اور دوسروں تک پہونچانے میں جد و جہد کی، ایسا شخص قیامت کے دن سردار اور حاکم بنکر آئے گا (یا فرمایا کہ وہ اکیلا شخص ایک امت بنکر آئے گا)۔

ایک حدیث اس سلسلہ میں اور بھی سن لی جائے۔

عبد الرحمٰن بن اَبزیٰ راوی ہیں،

خَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَاَثْنٰى عَلٰى طَوَائِفَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ لَا يُفَقِّهُوْنَ جِيْرَانَهُمْ وَلَا يُعَلِّمُوْنَهُمْ وَلَا يَعِظُوْنَهُمْ وَلَا يَاْمُرُوْنَهُمْ وَلَا يَنْهَوْنَهُمْ. وَمَا بَالُ اقوام لَا يَتَعَلَّمُوْنَ مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَلَا يَتَفَقَّهُوْنَ وَ لَا يَتَّعِظُوْنَ وَاللهِ لَيُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِيْرَانَهُمْ وَيُفَقِّهُوْنَهُمْ وَيَعِظُوْنَهُمْ وَيَاْمُرُوْنَهُمْ وَيَنْهَوْنَهُمْ وَلَيَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَ يَتَفَقَّهُوْنَ وَيَتَّعِظُوْنَ اَوْ لَاُعَاجِلَنَّهُمُ الْعُقُوْبَةَ

(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

(جمع الفوائد)

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں مسلمانوں کے بعض گروہوں اور قبیلوں کی (انکی کارگزاری اور خدمت کی بنا پر) تعریف فرمائی۔ اسکے بعد آپنے فرمایا بعض دوسرے گروہوں اور قبیلوں کا یہ کیا حال ہو کہ وہ اپنے پڑوسیوں میں دین کی سمجھ اور اس کا شعور پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے، اور نہ ان کو تعلیم دیتے ہیں، اور نہ نصیحتیں کرتے ہیں. اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بھی ادا نہیں کرتے (اسکے بعد آپنے رخ سخن بدلتے ہوئے فرمایا) اور بعض گروہوں کا یہ کیا حال ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم اور اس کا فہم و شعور حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ وہ ان سے نصیحتیں لینے کے لیے جاتے ہیں خدا کی قسم (دین کا علم اور دین کی سمجھ رکھنے والے) ہر گروہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کی تعلیم کا اہتمام کرے اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کرنے کی کوشش کرے اور ان کو وعظ و نصیحت کیا کرے اور بری باتوں سے ان کو روکا کرے، اور اچھی باتوں کے لیے ان سے کہا کرے ـــ اور اسی

طرح (جن گروہوں میں علم دین نہ ہو) ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے علم رکھنے والے پڑوسیوں سے علم حاصل کیا کریں اور نصیحت لیا کریں اور دین کو سمجھنے کی کوشش کیا کریں (بہرحال جاننے والوں کے لیے نہ جاننے والوں کو بتانا اور نہ جاننے والوں کے لیے جاننے والوں سے سیکھنا ان کے دینی فرائض میں سے ہے۔ اور ہر گروہ کو چاہیے کہ وہ اپنا یہ فرض ادا کیا کرے، اور اگر کسی گروہ نے اپنے اس فریضہ کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی کی تو میں ان کو جلد ہی سخت سزا دلواؤں گا۔

اس حدیث سے یہ بات بہت وضاحت کے ساتھ معلوم ہو گئی کہ دین کی تبلیغ اور ناواقفوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد کے بارے میں اس امت کی ذمہ داری کیا ہے اور اگر وہ اس ذمہ داری کو ادا نہ کرے تو اللہ و رسول کے نزدیک وہ کتنے بڑے جرم کی مرتکب ہے۔

امت کی اسی عام ذمے داری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک بہت مختصر اور مشہور جملہ میں اس طرح ادا فرمایا ہے الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ[1]۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے حلقے کا نگراں ہے اور ہر ایک کو اپنے زیر نگرانی حلقے کی بابت خدا کے سامنے جواب دہی کرنا ہے۔

ان آیتوں اور حدیثوں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ دین کی خدمت و نصرت کے ان شعبوں اور ان شکلوں یعنی تبلیغ و دعوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد کی اس امت پر کتنی عظیم ذمہ داری ہے، اور اس کے بارہ میں اللہ و رسول کی طرف سے کتنی سخت تاکید ہے، اور اس کام کے کرنے والوں کا کیا مقام اور کتنا بلند درجہ ہے اور اس میں غفلت اور سستی کرنے والے کتنے معتوب اور اس کو بالکل چھوڑ دینے والے کتنے ملعون اور مغضوب ہیں۔

## قتال فی سبیل اللہ

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے۔ دین کی خدمت و نصرت کی ایک خاص شکل اور اس کا ایک خاص شعبہ قتال فی سبیل اللہ بھی ہے۔ اس کے بارہ میں آیات و احادیث سننے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ جنگ و قتال اپنی ذات سے ہرگز

---

[1] رواہ البخاری۔ مشکوۃ شریف، کتاب الامارۃ۔

کوئی اچھی چیز نہیں ہو۔ لیکن جس طرح کسی بیماری کے علاج کے لیے جسم میں انجکشن کی سوئی بھونکی جاتی ہو۔ اور جس طرح آنکھ میں روشنی لانے کے لیے آنکھوں کا بھی آپریشن کیا جاتا ہو یا جسم کے کسی سڑے ہوئے حصہ کو کاٹ کر جسم سے الگ کرنا مریض کے ساتھ خیر خواہی سمجھا جاتا ہو۔ اسی طرح جب کسی بڑے فتنہ و فساد کو روکنے، اور کسی ظلم و شرارت سے اللہ کے بندوں کی حفاظت کرنے کے لیے یا اللہ کے اور اس کے بندوں کے درمیان حائل ہونے والی یا ایمانی اور اصلاحی دعوت کی راہ میں مزاحمت کرنے والی کسی ظالم طاقت کا زور توڑنے کے لیے جنگ و قتال اور طاقت کا استعمال کرنا ہی ناگزیر ہو جائے اور اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہے اور طاقت کے استعمال سے اصلاح حال کی پوری امید ہو تو اللہ کا دین اسلام اور امن کا مقدس صحیفہ قرآن مجید خاص شرائط کے ساتھ جہاد و قتال کی اجازت بلکہ اس کا حکم اللہ و رسول پر ایمان لانے والے ان بندوں کو دیتا ہو جو اس کے ضروری وسائل اپنے پاس رکھتے ہوں، اور اس کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے اہل ہوں۔

**جہاد کے بارے میں غلط فہمی کی بنیاد**

جہاد کے بارے میں غلط فہمی بہت سوں کو در اصل اس سے ہوتی ہے کہ ناواقفی سے اس کا مطلب "مسلمانوں کی قومی جنگ" سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام اور قرآن نے ہر قومی جنگ کو حرام قرار دیا ہو۔ کسی قتال کو شرعی اور اسلامی جہاد" جب ہی کہا جا سکتا ہے جبکہ وہ محض اللہ کے لیے اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے اس کی رضا اور جنت کی طلب اور شوق میں ہو، اور ان اخلاقی شرائط اور دینی حدود کی پابندی کے ساتھ ہو جو اسلام نے اس کے لیے مقرر کی ہیں۔ پس جو جنگ قوم پرستانہ نقطۂ نظر سے خالص دنیوی اور مادی مقاصد کے لیے کی جائے (جیسا کہ مادہ پرستی کے اس دور میں عام طور سے ہوتا ہی) تو خواہ اس کے کرنے والے مسلمان ہی ہوں، دین و شریعت کی اصطلاح میں اس کو ہرگز جہاد نہیں کہا جائے گا بلکہ اسلام کی نگاہ میں وہ فساد ہوگا اور اس کے علم بردار مجاہدین نہیں بلکہ اللہ کے نزدیک مجرمین و مفسدین فی الارض ہوں گے۔

**جہاد کے بارے میں قرآنی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات**

جہاد کی اس حقیقت کو ذہن میں رکھ کر اب اس کے بارہ میں قرآن مجید کی چند آیتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ حدیثیں سنیئے۔

پہلے سورۂ حج کی وہ آیت سنئے جس کے ذریعہ سب سے پہلے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت ملی اور اس کا حکم دیا گیا تھا۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ۔

جن اہل ایمان کے خلاف ایمان کے دشمن ظالموں نے جنگ قائم کر رکھی ہو اب انکو بھی (مسلح مقابلے کی) اجازت دی جاتی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے —— یہ وہ مظلوم بندے ہیں جو ناحق صرف اسی جرم میں اپنے گھروں سے نکالے گئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب صرف ایک اللہ ہے۔

اس کے بعد ظلم اور زور دستی کی مدافعت کی حکمت اور مصلحت اور حق کی حمایت کرنے والوں کی نصرت کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی ازلی سنت بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہو (یہ مظلوم بندے جن کو مسلح مقابلے کی اجازت دی جارہی ہے۔ ان کے بارے میں اللہ کو علم ہے کہ)

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (الحج ع ۶)

یہ ایسے ہیں کہ اگر ہماری طرف سے ان کو زمین کی حکومت واقتدار بخشا جائے تو وہ نمازیں قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے اور نیکیوں کے احکام جاری کریں گے اور برائیوں کو روکیں گے۔ اور تمام باتوں کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ ہو۔

سورۂ حج کی ان آیتوں سے دو باتیں بہت صفائی کے ساتھ معلوم ہوئیں ایک یہ کہ مسلح جہاد وقتال کی اجازت اور اس کے حکم کا بنیادی مقصد یہ ہو کہ ان ظالموں کا زور توڑ دیا جائے جو دعوت حق اور نیکی کی راہ میں حائل ہوتے ہیں اور اللہ کے بندوں کو اس کے راستوں پر چلنے سے روکتے اور ان کو طرح طرح سے ایذائیں دیتے اور ستاتے ہیں۔ اور اختیار واقتدار ان ہاتھوں میں آجائے جو خدا شناس اور خدا پرست ہوں۔ نیکیوں اور بھلائیوں کو رواج دینے والے اور منکرات و

فواحش سے لوگوں کو روکنے والے ہوں" اور ظاہر ہو کہ جب معاملات ایسے ہوں کہ یہ مقصد طاقت کے استعمال کے بغیر حاصل نہ ہو سکے تو اس کے لیے طاقت کا استعمال اور جان و مال کی قربانی انسانیت کے حق میں کتنی بڑی نیکی ہوگی۔)

دوسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کا جو گروہ جہاد و قربانی کی اس مقدس راہ میں قدم اٹھائے، اس کو خدا پرستی میں ایسا مخلص اور اتنا پختہ و تربیت یافتہ ہونا چاہیے کہ جب اس جدوجہد کے نتیجے میں اس کو دنیا کے کسی حصے میں اقتدار و حکومت حاصل ہو جائے تو وہ حکومتی وسائل کو اپنی نفسانی خواہشات اور دنیاوی تمنائیں پورا کرنے کے بجائے خدا پرستی اور نیکی پھیلانے میں اور ہر قسم کی برائیوں اور خباثتوں سے دنیا کو پاک کرنے میں لگائے، اور حکومت اور اس کے خزانے ہاتھ آجانے کے بعد بھی خدا کی عبادت اور دنیا کی اصلاح ہی اس کا خاص مشغلہ اور نصب العین رہے، اگر یہ گروہ ان اوصاف سے خالی اور بجائے خدا پرست ہونے کے نفس پرست ہوگا تو جہاد کے نام پر فساد کرے گا۔

اس کے بعد سورۂ توبہ کی ایک آیت سنئے جس میں مجاہدین فی سبیل اللہ کی فضیلت اور ان کے لیے جنت کی خاص بشارت کے ساتھ ان ایمانی اوصاف کا بھی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جو مجاہدین میں ہونے چاہئیں۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ
الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا
عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ
وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ
مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ
الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ۝ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ
الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ

یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی
جانیں اور ان کا مال اس قیمت پر خرید
لیا ہے کہ مومنین کے لیے جنت ہے (اب
جب کہ وہ اپنی جانوں کا سودا خدا سے
کر چکے اور سب کچھ خدا کے ہاتھ بیچ چکے تو)
ان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے کسی دنیاوی
مقصد کی راہ میں نہیں بلکہ اللہ ہی کی
راہ میں جنگ کرتے ہیں، پس مارتے
بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ (ان جان
فروش اہل ایمان کے لیے اللہ کی طرف سے

السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

(توبہ ع ۱۴)

جنت و رحمت کا وعدہ ہے) وعدہ ہے اللہ کے ذمہ جو ثابت اور مقرر ہو (اللہ کی تین مشہور مقدس کتابوں) توریٰۃ، انجیل اور قرآن میں، اور اللہ سے زیادہ اپنے وعدے کا پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ (پس اے ایمان والو!) اپنے اس سودے پر جو تم نے (اپنے جان و مال کا) خدا سے کیا ہے، خوشیاں مناؤ یہ تمہاری بہت ہی بڑی کامیابی اور فیروز مندی ہے۔ (اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والے ان اہل ایمان کے اوصاف اور ان کی نشانیاں یہ ہیں) یہ اپنی خطاؤں اور قصوروں سے توبہ کرنیوالے ہیں، عبادت میں سرگرم رہنے والے ہیں (اللہ کی حمد و ثنا کرنے والے ہیں۔ (اللہ کے لیے اور اس کے دین کیلئے) ملک بملک، قریہ بقریہ اور در بدر پھرنے والے ہیں، رکوع اور سجود کے ذریعہ اللہ کے حضور میں اپنی بندگی اور نیازمندی ظاہر کرنے والے ہیں، نیکیوں کا حکم دینے والے اور برائیوں سے روکنے والے ہیں اور اللہ کی مقرر کی ہوئی ساری حدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور اے پیغمبر ان اہل ایمان کو ہماری طرف سے خوشخبری سنا دیجئے (کہ ہم نے اپنی رضا اور رحمت اور محبت و جنت ان کے لیے لکھدی ہے)

اور خدا کی راہ میں اور اس کے دین کی نصرت کے لیے جان اور سر کی بازی لگانے والے ان ہی مجاہدین کے متعلق سورۃ صف میں فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○ (صف ع ۱)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ان بندوں سے جو اس کی راہ میں یعنی اس کے مقدس دین اور اس کی نازل کی ہوئی ہدایت کی خدمت و نصرت اور وفاداری میں اس طرح صف بناکر (اور قدم جماکر) جنگ کرتے ہیں، کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

## راہ خدا میں شہید ہونے والے مرتے نہیں بلکہ زندۂ جاوید ہوجاتے ہیں

قتال فی سبیل اللہ کی عظمت شان، اور ترغیب و تاکید سے قرآن مجید کے بعض رکوع کے رکوع بھرے ہوئے ہیں، یہاں

صرف دو آیتیں اور سن لیجیے جن میں بتایا گیا ہو کہ جو بندے اس راہ میں بظاہر مارے گئے ہیں انھیں نہ مردہ سمجھا جائے اور نہ مردہ کہا جائے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں ایک خاص الخاص زندگی عطا ہوئی ہو۔ وہاں وہ انواع و اقسام کی نعمتیں پاتے اور شاداں و فرحاں رہتے ہیں۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ○

(البقرہ ع ۱۹)

اور جو بندے راہ خدا میں مار ڈالے جائیں ان کو مردہ نہ کہو، بلکہ وہ (دوسرے عالم میں خدا کے حضور میں) بالکل زندہ ہیں لیکن تم کو اس زندگی کا یہاں شعور نہیں ہے۔

اور سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ○ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ۔

(آل عمران ع ۱۷)

اور جو بندے اللہ کی راہ میں قتل کر دیے جائیں، اُن کو تم مرا ہوا نہ کہو، بلکہ وہ (دوسرے عالم میں) اپنے مالک کے حضور میں (جس کے لیے انھوں نے جان دی ہو) زندہ ہیں ان کو وہاں انواع و اقسام کا رزق عطا ہوتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو کچھ اپنے فضلِ خاص سے عطا فرمایا ہو وہ اس پر شاداں و فرحاں ہیں۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

## حدیثوں میں جہاد و شہادت کی ترغیب و فضیلت

ان آیتوں کے بعد چند حدیثیں بھی قتال فی سبیل اللہ کی فضیلت و ترغیب میں سن لی جائیں۔

حضرت انس رضؓ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔ (رواہ البخاری ومسلم) | ایک دفعہ صبح کو اللہ کے راستے میں نکلنا یا ایک دفعہ شام کو نکلنا دنیا و ما فیہا سے بہتر اور زیادہ قیمتی ہے۔ |

اور حضرت عبد الرحمٰن ابن جبیر انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

| | |
|---|---|
| مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِي سَبِيلِ اللهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ۔ (رواہ البخاری) | ایسا نہیں ہوگا کہ جس بندے کے قدموں پر اللہ کے راستہ کی گرد پڑی ہو، پھر اس کو دوزخ کی آگ چھو سکے۔ |

اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| اَلْقَتْلُ فِي سَبِيلِ اللهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَيْئٍ اِلَّا الدَّيْنَ (رواہ مسلم) | راہ خدا میں شہید ہونا ہر چیز کا کفارہ ہو (جاتا) اور ہر بوجھ سے وہ بندہ ہلکا ہو جاتا ہے، سوائے قرضے کے۔ |

اور حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

| | |
|---|---|
| مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَيْئٍ اِلَّا الشَّهِيْدُ يَتَمَنّٰى اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَةَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ (رواہ البخاری ومسلم) | کوئی شخص جنت میں جانے کے بعد یہ نہ چاہے گا کہ وہ پھر دنیا واپس جائے اگرچہ اس کو ساری زمین کی دولتیں اور نعمتیں ملیں، البتہ راہ خدا میں شہید ہونے والا بندہ اس کی تمنا کرے گا کہ وہ پھر دنیا میں لوٹایا جائے اور پھر وہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے |

دس مرتبہ بسبب اس اعزاز و اکرام کے جو وہاں شہادت کے صلہ میں دیکھے گا۔

اور حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں

فرمایا۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُّ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلَ

(رواہ البخاری ومسلم)

قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہو، میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔

قتال فی سبیل اللہ کی عظمت اور اس راہ کی موت یعنی شہادت کی فضیلت معلوم کرنے کے لیے بھی ایک آخری حدیث کافی ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خواہش اور تمنا تھی کہ اللہ کے لیے اور اس کے دین کی وفاداری میں لڑی جانے والی ہر جنگ میں آپ بنفس نفیس شریک ہوں اور اعداء حق کی تلواروں سے آپ شہید ہوں اور پھر زندہ کیے جائیں اور پھر شہید ہوں، اور پھر زندہ کیے جائیں اور پھر شہید ہوں۔

می خواہم از خدا بدعا صد ہزاراں جاں،
تا صد ہزار بار بمیرم برائے تو

بہرحال اپنے موقع پر مقررہ حدود و شرائط کے ساتھ جہاد و قتال فی سبیل اللہ بھی کار نبوت یعنی دین کی خدمت و نصرت کا اسی طرح ایک شعبہ ہو۔ جس طرح دعوت و تبلیغ، تعلیم و تزکیہ، اصلاح وارشاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہو اب امت محمدی اپنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم مقام اور نائب مناب ہونے کی حیثیت سے ان سب چیزوں کی ذمہ دار ہے۔

**امت کی طرف سے نصرت دین کے تمام شعبوں کی انجام دہی کا صحیح ترین نظام خلافت راشدہ کا نظام تھا**

امت کی طرف سے ان کاموں کی انجام دہی کی صحیح ترین شکل تو وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک خلافت راشدہ کی شکل میں قائم رہی، وہ پوری امت کا

ایک اجتماعی نظام تھا جسنے اپنے کو مقصد اور طریقہ کار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا پوری طرح پابند کر لیا تھا۔

## وفات نبوی کے بعد انتخاب خلیفہ کے مسئلہ کی اصل نوعیت کیا تھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اُمت کے سامنے انتخاب خلیفہ کا جو سوال آیا تو اس کی نوعیت، جیسا کہ ناواقفی سے بہت سے لوگ سمجھتے ہیں، کسی حکمران بادشاہ یا کسی صدر جمہوریہ کے انتخاب کی نہ تھی، بلکہ صحابۂ کرام کے سامنے اس وقت اصل مسئلہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلق اللہ کی ہدایت کے لیے اور دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور اس کا دین پھیلانے کے لیے اور دنیا کے نقشے کو اللہ کی مرضی کے مطابق بنانے کے لیے جو جدوجہد کر رہے تھے اور اس سلسلہ میں دعوت و تبلیغ، تعلیم و تزکیہ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور جہاد و قتال اور اقامت عدل کی قسم کے جو مختلف النوع کام امت کو ساتھ لے کر انجام دے رہے تھے، اب کون ہم میں اس کے لیے زیادہ اہل ہو کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اور نائب خصوصی بنا کر ہم اس کی سربراہی میں اس مقدس جدوجہد کو اسی طرح جاری رکھیں۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو خطبہ دیا تھا اس کا ایک فقرہ کتابوں میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے۔

أَلَا إِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَلَابُدَّ لِهٰذَا الدِّيْنِ مِمَّنْ يَّقُوْمُ بِهٖ۔

(مواقف۔ المرصد الرابع)

حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہو گیا اور اس دین کے کاموں کے لیے کسی ایسے آدمی کا انتخاب ضروری ہے جو اس کی ذمہ داریاں سنبھالے۔

الغرض اس وقت صحابۂ کرام کے سامنے مسئلہ یہی تھا، کہ آپ کے فیض یافتوں میں سے کسی ایسی مناسب تر شخصیت کو منتخب کر لیں جو ان سب کاموں میں آپ کے جانشین اور خلیفہ کی حیثیت سے آپ ہی کے طرز پر اُمت کی سربراہی کرے اور اُمت کا قافلہ اس کی رہنمائی میں اسی طرح اس راستہ پر چلتا رہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا سفر شروع کرا کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔[۱]

---

[۱] انتخاب خلیفہ کے مسئلہ کی اس واقعی نوعیت کو سمجھ لینے کے بعد وہ بہت سی گتھیاں آپ سے آپ سلجھ جاتی ہیں، جو اس مسئلہ کے بارے میں شیعی سنّی اختلاف کی بنیاد بن گئی ہیں۔ ۱۲

خلافت راشدہ کے دور میں (خاص کر حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں)، یہ سب کام ٹھیک اسی طرح اور اسی طرز پر ہوتے رہے جس طرح اور جس طرز پر رسول اللہ صلعم کے زمانے میں ہوتے تھے۔

## خلافت راشدہ کے بعد دین کی خدمت و نصرت کا نظام

لیکن خلافت راشدہ کے بعد جب حالات بگڑ گئے اور "خلافت" پر "نبوت کی نیابت" کے بجائے، شاہی اور حب دنیا کا غلبہ ہو گیا تو اس تغیر کا سب سے بڑا اثر کارِ نبوت پر پڑا، اور یہ کام بطور نصب العین کے خلفاء کے سامنے نہیں رہا۔ (مستثنیات کا یہاں ذکر نہیں ہے)، لیکن امت میں اس فرض کا احساس کم و بیش ہر دور میں رہا اس لیے اللہ کے باتوفیق بندے اپنی اپنی صلاحیتوں اور زمانہ کے احوال و ظروف کے مطابق اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ کرتے رہے ـــــــ جہاد و قتال کے شعبے کو اپنی خصوصیات اور اپنے شرائط کے ساتھ جاری رکھنے کا کام تو ادارۂ حکومت ہی سے متعلق تھا۔ افرادِ امت اس میں بے بس تھے، اور اس لیے اس کے مکلّف بھی نہیں تھے، لیکن دوسرے شعبے جن کو انفرادی طور پر افرادِ اُمت سنبھال سکتے تھے ان کو مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں اپنے حالات کے مطابق اللہ کے بندوں نے سنبھالا، اور دین کی خدمت و نصرت اور ہدایت و ارشاد کے ان میدانوں میں جد و جہد ہر دور میں کچھ نہ کچھ ہوتی رہی۔ اور آج دین و ایمان اور خیر و سعادت کا جو کچھ سرمایہ اس اُمت میں موجود ہو وہ دراصل اللہ کے ان باتوفیق بندوں کی کوششوں ہی کا نتیجہ ہے۔

## دین کی خدمت اور اس کی راہ میں جد و جہد کرنیوالے "انصار اللہ" اور "خلفاء نبوی" ہیں۔

امت کی پوری تاریخ میں اللہ کے جن بندوں نے دین کی خدمت و نصرت اور بندگانِ خدا کی اصلاح و ہدایت کی جو خاص کوششیں اللہ کے لیے کیں، خواہ دعوت و تبلیغ یا تعلیم و تربیت کی شکل میں خواہ وعظ و ارشاد اور تصنیف و تالیف کی شکل میں یا کسی اور صورت میں، وہ سب بلاشبہ "انصار اللہ" اور "حزب اللہ" میں شامل ہیں۔ اور اگرچہ حکومت و سلطنت سے ان کا کبھی کوئی واسطہ نہ رہا ہو، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت و نیابت میں ان کا حصہ ہو۔ اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اور نائبین میں سے ہیں۔

## حضرت شاہ ولی اللہ کی تحقیق کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت دو قسم کی ہے

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "فیوض الحرمین" میں تفصیل

اس پر روشنی ڈالی ہے، کہ جس طرح جہاد و قتال اور اقامت عدل وغیرہ خدمت دین و نصرت دین کے حکومتی شعبوں کے صحیح طور پر سنبھالنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہیں اسی طرح کار نبوت کے دوسرے شعبوں مثلاً دعوت و تبلیغ، تعلیم و تربیت، اصلاح و ارشاد وغیرہ کے سنبھالنے والے، اور ان راہوں میں اخلاص اور خدا طلبی کی صفت کے ساتھ جدوجہد کرنے والے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہیں۔ فرق بس یہ ہے کہ پہلی قسم کے خلفاء ظاہری اور بیرونی پہلو کے خلفاء ہیں اور دوسری قسم کے خلفاء، اندرونی اور باطنی پہلو کے خلفاء ہیں۔[لہ]

**حکومت والی خلافت امت میں عرصے سے مفقود ہے**
**لیکن دوسری خلافت باقی و جاری ہے**

بلکہ اب تو واقعہ یہ ہے کہ حکومت والی خلافت کا نظام تو عرصے سے ختم ہو چکا ہے مسلمانوں کی جو حکومتیں ہیں (اور خیر سے اب بھی چھوٹی بڑی بیسوں ہیں) یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ان میں سے اکثر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والے مقصد سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور نہ ان کو اس کا دعویٰ ہی ہے، بلکہ ان میں سے بعض تو دین اور ہدایت الٰہی سے اتنی ہی بے تعلق اور اس کے بارہ میں اتنی ہی "ناجانب دار" ہیں جتنی کہ یورپ ایشیا کی دوسری نامسلمان حکومتیں، والعیاذ باللہ رب العالمین ـــــــ

ـــــــ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری خلافت یعنی حکومتی نظام کے بغیر داعیانہ اور مصلحانہ طور پر آپ کے دین کی خدمت و نصرت اور آپ کی لائی ہوئی ہدایت سے اللہ کے بندوں کو بہرہ مند کرنے کے لیے مخلصانہ جدوجہد باقی و جاری ہے، اور اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ بلکہ اس کا میدان آج ہمیشہ سے زیادہ وسیع ہے۔ اللہ کے بندے اس میدان میں اتریں اور اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے طریقۂ زندگی کو رواج دینے کی کوشش کریں، اس راہ میں محنت و مشقت کرنا اور قربانی دینا ہمارے اس دور کا جہادِ عظیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچی وفاداری اور آپ کی حقیقی خلافت و نیابت ہے، اللہ کے جو بندے اخلاص اور صدق نیت کے ساتھ اس راستے پر بڑھیں گے اللہ تعالیٰ ان کے لیے دوسرے دروازے بھی کھولے گا، مکہ معظمہ میں ایسے ہی حالات میں مسلمانوں کو سورۂ عنکبوت کی آخری آیت کے ذریعہ یہ خوشخبری سنائی گئی تھی۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ

لہ شاہ صاحب نے پہلی قسم کی خلافت کا نام "خلافت ظاہرہ" اور دوسری کا نام "خلافت باطنہ" رکھا ہے۔

# اسلام میں اجتہاد کا مقام اور نئے دور میں اسکا صحیح طریقہ

(از جناب مصطفےٰ احمد الزرقا، پروفیسر قانون اسلامی، لا کالج، شام)

[ یہ مقالہ جنوری ۵۸ء میں لاہور کی بین الاقوا[illegible]سلامی مجلسِ مذاکرہ میں عربی زبان میں پڑھا گیا تھا، اس کا ترجمہ اسی زمانہ میں لاہور کے ایک ہفت روزہ میں ہماری نظر سے گزرا تھا۔ اور خیال ہوا تھا کہ اس کو ناظرین الفرقان تک بھی پہنچایا جائے، مگر اسکی نوبت اب آسکی ہے ــــ ذیل میں معاصر ترجمان القرآن کے صفحات سے اس کا ترجمہ، معہ شکریہ کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

اسکی اشاعت سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہمیں اسکے ہر ہر جزو سے اتفاق ہے۔ بعض تعبیرات اور بعض اجزاء سے ہمیں خود اختلاف ہے۔ مگر مقالہ کا جو مقصدی حصہ ہے۔ یعنی ہمارے زمانہ میں اجتہاد کا طریقہ کیا ہونا چاہیئے؟ یہ ہمارے نزدیک بہت اہمیت اور بہت توجہ کا مستحق ہے ــــ ادارہ ]

محترم حضرات!

اجتہاد پر گفتگو قدیم اور جدید دونوں حیثیتیں رکھتی ہے۔

وہ ایک قدیم موضوع ہے جس پر ہمارے بزرگوں نے سیر حاصل بحث کی ہے اور نہ صرف یہ کہ اس کی حقیقت، اسکے شرائط اور اسکی ضرورت پر تفصیلی نظر ڈالی ہے بلکہ ان اوصاف کو بھی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے جن کا مجتہدین میں علیٰ وجہ الکمال پایا جانا ضروری ہے۔ متاخرین ہمیں بتاتے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا۔ اسی قبیل کے دوسرے مباحث بھی ان کے یہاں ملتے ہیں۔

اور جدید ہم اسے اس لیے کہتے ہیں کہ اس پر ایک نئے اسلوب سے بحث کرنا، اسے اُن جدید زاویوں اور گوشوں سے دیکھنا لابد ہے، جن زاویوں اور گوشوں سے اس پر بہت کم نظر ڈالی گئی ہو۔

اپنے اس مقالہ میں جس کے لیے صرف پندرہ منٹ رکھے گئے ہیں، میں اجتہاد کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کر سکتا اس لئے چاہتا ہوں کہ اس تنگ وقت میں آپ حضرات کے سامنے اجتہاد سے

متعلق صرف چند نئے ملاحظات (REMARK) ایک ایسے جدید زاویے سے پیش کر دوں کہ ہم ماضی سے روشنی حاصل کر کے مستقبل کے لیے ایک راستہ تلاش کر لیں۔

## فقہاء کی اصطلاح میں اجتہاد کا مفہوم

اجتہاد۔ جیسا کہ اس کی فقہی تعریف سے مستفاد ہوتا ہے۔ نام ہے نو بہ نو واقعات و مسائل میں شریعت کے تفصیلی دلائل سے شرعی احکام مستنبط کرنے کا۔ اس مفہوم کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ شریعت میں ہر اس مسئلہ کا حکم موجود ہے جو وجود میں آ سکتا ہے اور اس میں ایسے کافی دلائل پائے جاتے ہیں جو ایک تحقیق شعار مجتہد کی اس شرعی حکم کی طرف رہ نمائی کر سکتے ہیں۔

یہ شرعی دلائل ـــــ جیسا کہ علمائے شریعت کے نزدیک معلوم و مبرہن ہے۔ چار ہیں:۔

۱۔ نصوص قرآن } اپنی دلالت کے تمام وجوہ و اشکال سمیت
۲۔ نصوص سنت }

۳۔ علمائے اسلام کا اجماع خواہ وہ کسی دور میں ہو۔

۴۔ قیاس۔

ان چاروں حقیقی دلائل کے ساتھ ساتھ تین ذیلی ماخذ اور ہیں، جن کا اعتبار کتاب و سنت سے ثابت ہے اور وہ یہ ہیں:۔

۱۔ استحسان:۔ یہ استثنائی حکم ثابت کرنے کا وہ طریقہ ہے جس میں بوجوہ چند قیاس کے اصول و قواعد سے ہٹ کر فیصلہ کیا جاتا ہے۔

۲۔ استصلاح یا مصالح مرسلہ:۔ یہ وہ قاعدہ ہے جس کی رو سے ان مسائل میں جن کا دامن مثبت یا منفی نص سے خالی ہے، محض تنظیمی اور اصلاحی ضرورت کے پیش نظر شرعی حکم ثابت کیا جاتا ہے۔ اس میں قیاس کے اصول کی مخالفت نہیں ہوتی۔

یہاں ہم ان لوگوں کی رائے سے صرف نظر کرتے ہیں جنھوں نے استصلاح یا استحسان یا قیاس کے اعتبار کو مورد اختلاف قرار دیا ہے۔ اسلئے کہ ان کی مخالفت نفع و ضرر دونوں سے عاری ہے۔

۳- عرف:- جو نصوص شریعت اور اسکے مسلمہ اصول سے متصادم نہ ہو۔

شرعی دلائل کی اس تحدید اور اجتہاد کے مفہوم کی اس تعیین سے ہمارے لیے آسان ہوگیا ہے کہ ہم اسکی روشنی میں دورِ اجتہاد کا پتہ لگالیں۔

**دورِ اجتہاد** دورِ اجتہاد سے ہماری مراد اس کا وہ وظیفہ ہے جو اس نے فقہ اسلامی کی بنیادوں کے استحکام اور اس کے احکام کے انطباق میں پہلے بھی ادا کیا ہو اور آج بھی ادا کر رہا ہے۔

دورِ اجتہاد پر گفتگو کرنے سے پہلے ہمارے لیے مفید و مناسب ہوگا، اگر ہم فقہ اسلامی میں اس کا صحیح مقام معلوم کرلیں۔

یہاں ہم بوثوق کہہ سکتے ہیں کہ اجتہاد کو اسلامی شریعت میں روح کا درجہ حاصل ہے اور فقہ اسلامی میں وہ سرچشمۂ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔ عقل اسے ہرگز تسلیم نہیں کرتی کہ شریعت اجتہاد سے بے نیاز ہو کر اپنے فرائض انجام دے سکے یا اس کے جلو میں ایک ایسا صحت مند اور توانا قانونی مجموعہ مرتب ہو سکے جو استمرار و تسلسل کے ساتھ انسانی ضروریات و مصالح کی تنظیم کرتا رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عہدِ رسالت میں جب سے شریعت وجود میں آئی ہے، اجتہاد اس کا دمساز رہا ہے۔ خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مسائل میں اجتہاد فرمایا ہے اور آپ کی زندگی اور آپکی رہنمائی میں صحابہ کرامؓ نے بھی اکثر معاملات کی گتھیاں اپنے دستِ اجتہاد سے سلجھائی ہیں۔

اس سلسلے میں جلیل القدر صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن کا معلم اور قاضی بنا کر بھیجا۔ جب وہ روانہ ہونے لگے تو آپ نے دریافت فرمایا:

"معاذ! تم ان کے جھگڑوں کا تصفیہ کیسے کروگے؟"

عرض کیا:- کتاب اللہ سے!

ارشاد ہوا:- اگر اس میں نہ ملا؟

بولے:- سنتِ رسول اللہ سے!

فرمایا:- اگر اس میں بھی نہ ملا، تو؟

جواب دیا:- پھر میں اجتہاد سے کام لوں گا اور اپنی سعی کوشش میں کوئی کسر نہیں اٹھا

رکھوں گا (یعنی میں اجتہاد میں، حق و صواب کی تلاش میں اور روح شریعت سے قریب تر پہنچنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کروں گا)

سرکار رسالتؐ یہ جواب سُن کر بہت مسرور ہوئے اور فرمایا:۔ اللہ کا شکر ہے، جس نے اپنے رسولؐ کے نمائندے کو اپنی خوشنودی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اس بات کا ثبوت کہ اجتہاد اسلامی شریعت کی روح اور فقہ اسلامی کی حیات ہو، ہمارے پاس یہ ہو کہ اجتہاد کا اسلام کے مقصد اور اسکی خصوصیات کے ساتھ اتنا محکم، اتنا مضبوط رشتہ ہے جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ شریعت میں اجتہاد کا حقیقی مقام معلوم کرنے کے لئے ضروری ہو کہ ہم اس کے مقصد اور اسکی خصوصیات پر نگاہ ڈالیں تاکہ ان دونوں چیزوں کا اجتہاد سے جو عمیق اور ناقابلِ شکست رابطہ ہے وہ ہم پر واضح ہو جائے۔

## اسلام کا مقصد اور اس کی خصوصیات

نصوصِ کتاب و سنت کے مطابق اسلام کا مقصد پوری انسانیت کی صلاح و فلاح ہو، جو اسکے تمام انفرادی و اجتماعی حالات کو شامل اور اسکے حال و استقبال کو محیط ہو اور یہی اسلام کے متعلق ایک مسلمان کا عقیدہ ہے جس میں ذرا سی کمی بھی اسلام سے خروج کے ہم معنی ہو۔

اسلام کے اس مقصد سے جو خصوصیات متفرع ہوتی ہیں، وہ یہ تین ہیں:۔

(۱) آخریت:۔ یعنی آسمانی مذاہب میں اسلام آخری مذہب اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم النبیین ہیں۔ چنانچہ اب نہ کوئی ایسی شریعت آئے گی جو اسلام کو منسوخ کرنے والی ہو اور نہ کوئی نیا پیغمبر ہی مبعوث ہوگا۔

(۲) خلود:۔ یعنی اسلام کی دعوت وقت کی پابندیوں سے ماوراء ہے۔ مستقبل کی پہنائیوں میں ایسی کوئی حد نہیں، جہاں پہنچ کر اس دعوت کے وجوب کے قدم رک جائیں اور اس کے بعد وہ انسانوں کو آزاد چھوڑ دے کہ وہ اسلامی شریعت کی اتباع و تطبیق کے مکلف ہوئے بغیر اپنی زندگی کی تنظیم خود کریں۔

(۳) اسلامی شریعت کے قانونی نظام میں استیعاب عام:۔ یعنی شریعت کے احکام اور اسکے اصول و قواعد۔ جن سے اسلام کا قانونی نظام ترکیب پاتا ہو۔ تمام پیش آنے

والے اور ممکن الوقوع مسائل کو محیط ہیں اور ان میں یہ صلاحیت ہے کہ ہر زمانے اور ہر جگہ کی قانونی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ اس لیے کہ قواعد شریعت میں ایک عمومیت، ایک لچک ہو اصلی اور استثنائی تدابیر ہیں اور مختلف حالات کی رعایت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علمائے شریعت نے فقہ کی کتابوں میں مختلف اور مناسب مقامات پر اس امر کی صراحت کی ہے کہ موجودہ اور آئندہ زمانے میں ایسا کوئی واقعہ ظہور پذیر ہونے والا نہیں ہو۔ جس کے لئے اسلامی شریعت میں کوئی ایسا حکم نہ ہو جو اپنی بنیاد کسی نص یا کسی قیاس یا کسی اجتہاد پر نہ رکھتا ہو اور اسلام کے پنجگانہ احکام :- ایجاب، استحسان، اباحت، کراہت اور تحریم کے تحت نہ آتا ہو۔

میں اس عاجلانہ مقالے میں اس تیسری خصوصیت کی صحت پر دلیل لانے اور اس کی نظیریں پیش کرنے سے صرف نظر کروں گا کہ فقہائے اسلام کے نزدیک یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے اور اپنی جگہ بالکل درست!

**نتیجہ** جب اسلام کا مقصد اور اسکے خصائص وہ ہیں جو ہم نے اوپر بیان کیے تو ہمارا یہ دعویٰ آپ سے آپ ثابت ہو گیا کہ اجتہاد اسلامی شریعت میں روح کا درجہ رکھتا ہے اور وہ فقہ اسلامی کا سرچشمۂ حیات ہے۔ اسلئے کہ عقل اس بات کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے کہ یہ شریعت ایک طرف تو آخری اور سرمدی ہو، اس میں ہر موضوع، ہر پیش آنے والے مسئلہ اور ہر ممکن الوقوع حادثہ کے لئے احکام ہوں اور دوسری طرف اسکی آغوش ایک قائم و دائم اجتہاد سے خالی ہو۔

علامہ شہرستانی اپنی کتاب "الملل والنحل" میں فرماتے ہیں :-

"عبادات و معاملات میں واقعات اس کثرت سے رونما ہوتے ہیں کہ انکا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم یہ بطور یقین جانتے ہیں کہ ہر واقعہ میں نص موجود نہیں ہے اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے۔ پس جب نصوص محدود ہیں اور واقعات نامحدود اور محدود کسی نامحدود کو اپنے اندر جذب نہیں کر سکتا تو قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ قیاس اور اجتہاد کا اعتبار ضروری ہے تاکہ ہر نئے واقعہ کے لئے اجتہاد کیا جا سکے"۔

مذکورہ بالا صراحت نے واضح کر دیا کہ اجتہاد کا توقف اسلامی شریعت کے خصائص سے کسی عنوان

میل نہیں کھاتا۔ اس لیے کہ مسلمانوں کو مختلف زمانوں میں اور مختلف مقامات پر نئے نئے حالات، نئی نئی ضرورتیں اور ایسی ایسی شکلیں پیش آتی رہیں گی، جن سے عہدہ برآ ہونے کے لئے انھیں شریعت کی نصوص اور اسکی روح سے اخذ کردہ مناسب حل کی ضرورت پڑے گی۔

ان حالات میں اجتہاد کے توقف کے معنی یہ ہوں گے کہ فقہ اسلامی جمود و تعطل کا شکار ہو گئی اور وہ نئے مسائل اور جدید مشکلات کا شرعی حل پیش نہیں کر سکتی۔ اور یہ ایسی بات ہو جو خصائص خلود کے بھی منافی ہے اور شریعت میں تمام حوادث و واقعات کا شافی جواب دینے کی جو صلاحیت ہے اسکی بھی نفی کرتی ہے۔

مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں ہم اجتہاد کو دو زمانی حصوں پر تقسیم کر سکتے ہیں:۔

(۱) اجتہاد کا گذشتہ دور

(۲) اجتہاد کا آنے والا دور

اور یہ دونوں دور، طبعی طور پر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

## اجتہاد کا گذشتہ دور

اجتہاد نے شریعت کی خدمت اور فقہ اسلامی کے عظیم الشان محل کی تعمیر میں اپنے فرائض بڑی خوبی سے ادا کئے ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو خلا پیدا ہو گیا تھا، اجتہاد نے اسے باحسن وجوہ پر کیا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد احکام سے متعلق قرآن کی جو آیات چھوڑیں، انکی تعداد چند سینکڑوں سے آگے نہیں بڑھتی اور یہی حال ان احادیث کا ہو، جو احکام پر مشتمل ہیں۔ لیکن اپنی اس قلت تعداد کے باوجود ان نصوص میں وہ لچک، وہ عمومیت، وہ ہمہ گیری، وہ قوت تعلیل اور مستحکم ولافانی بنیادوں پر استوار وہ قانونی اصول ومبادی ہیں جنھوں نے اپنے قانونی نظریات وقواعد اور دانشمندانہ احکام کی فراوانی کے سبب فقہ واجتہاد کی امداد واعانت کے لئے ایک ٹھوس اور پائیدار اساس کا کام دیا ہے۔

مثال کے طور پر قرآن مجید کا ارشاد:۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:۔ لاضرر ولاضرار۔

ضرار کے معنی ہیں نقصان کے بدلے سے کسی کا نقصان کرنا مطلب یہ ہو کہ اگر کسی نے

کسی کا مال تلف کر دیا ہے تو جواب میں اسکا مال تلف کرنا جائز نہیں، بلکہ تلف شدہ مال کا معاوضہ وصول کرنا چاہیئے۔

ابتدائی تین صدیوں میں صحابۂ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور تبع تابعین میں سے جزیرۃ العرب ہی میں نہیں، بلکہ تمام مفتوحہ ممالک میں اس کثرت سے مجتہدین پیدا ہوئے کہ انکا شمار نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے ہر مجتہد، نصوص کے فہم و ادراک، احکام کی تخریج و استنباط اور انھیں جدید حالات پر منطبق کرنے میں اپنا ایک جدا اصول اور اپنی ایک الگ روش رکھتا تھا، البتہ ان اصولوں میں وہ کبھی آپس میں متفق ہو جاتے اور کبھی ایک دوسرے سے اختلاف کرتے۔

اس طرح ان ابتدائی تین صدیوں میں جتنی کثرت سے یہ مجتہدین پیدا ہوئے اتنی ہی کثرت سے اجتہادی مذاہب وجود میں آئے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ہر مجتہد کا اپنا الگ طریقِ فکر و نظر ہوتا تھا، جو تمام مسائل میں اسکی فقہی رایوں اور اجتہادسے تدوین و تشکیل پاتا تھا۔ یعنی ہر مذہب فکر تمام مباحث و فصول میں ایک مکمل شرعی قانون مرتب کرتا تھا۔

ان میں سے بہت سے مذاہب اپنے اپنے مجتہد کی وفات کے ساتھ محو ہو گیے اور ان کے صرف چند بچے کھچے دھندلے سے نقوش رہ گیے جو کتبِ اختلاف میں بکھرے پڑے ہیں۔ لیکن بعض مذاہب کو ایسے تلامذہ میسر آگئے، جنھوں نے اپنے امام مذہب سے جو کچھ سنا، اسکی داشت و پرداخت کی، اسے کتابوں کی صورت میں مدوّن کیا اور اسکی ترویج و اشاعت میں اپنی تمام کوششیں صرف کردیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے ان مذاہب کو قبول کرلیا اور انھیں کمال و دوام حاصل ہو گیا۔ لوگوں نے صدیوں انکی خدمت کی اور انھیں دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا۔ یہ مذاہب آج مذاہبِ اربعہ کے نام سے مشہور ہیں۔ پھر چونکہ یہ اجتہادی مذاہب مکمل ہو کر رواج پذیر ہو گیے تھے، انکی اپنی اپنی فقہ میں کتابیں مدوّن ہو چکی تھیں اور امتدادِ وقت کے ساتھ ساتھ لوگ رفتہ رفتہ علوم شریعت اور علم لغت میں جو مجتہدانہ قابلیت پیدا کرنے کا ضامن ہے —— تبحر حاصل کرنے سے دور ہوتے جا رہے تھے، اس لئے ان مذاہب کے متبعین کی کثرت ہو گئی اور لوگ انہی کی تقلید پر تکیہ کرنے لگے۔ تا آں کہ سلطنت عباسیہ کے زمانۂ عروج میں دنیائے اسلام کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں ان مذاہب اربعہ میں سے کسی نہ کسی مذہب کی سیادت اور اس کے

اپنے قاضی اور اپنے مفتی نہ ہوں۔

پھر ان مذاہب اربعہ کے ماننے والے بڑے بڑے علماء نے تفریع و توسیع اور تخریج و تالیف کے انبار لگا دیئے، جس سے متبعین نے سمجھ لیا کہ اب کافی مواد جمع ہو گیا ہے۔ مزید برآں یہ کہ اجتہاد مطلق کی صلاحیتیں نادر و کمیاب ہو گئی تھیں، اور اندیشہ تھا کہ کہیں جمہور امت میں حقیقی اجتہاد کو جانچنے کی صلاحیت کمزور نہ پڑ جائے ایک نا اہل اجتہاد کا دعویٰ لے کر اٹھے اور لوگوں کو دھوکے میں ڈال کر ان کا دین فاسد کر دے۔ چنانچہ چوتھی صدی ہجری کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کا فتویٰ صادر کر دیا گیا۔

لیکن ان مذاہب کے اصول کے تحت ایک مفید تحریک چلتی رہی۔ مختلف زمانوں میں علمائے کبارؒ نے اپنے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے جدید مسائل کے اجتہادی حل پیش کیے، جن میں قیاس یا استحسان یا مصالح مرسلہ کے قاعدہ کو بنیاد بنایا گیا تھا۔

چنانچہ پانچویں صدی ہجری میں اسی طریق سے کام لے کر حنفی مذہب میں سود کے اشکال سے بچنے کے لیے بیع الوفا کے احکام وضع کیے گئے اور مختلف مذاہب کے متاخرین فقہاء نے قرض خواہوں کی رضامندی کے بغیر اس مقروض کا وقف اور دوسرے تمام تصرفات ممنوع قرار دے دیئے، جس کے تمام مال پر قرض کی رقم حاوی ہو تاکہ وہ قرض خواہوں کا مال وقف یا ہبہ یا اسی طرح کی دوسری صورتوں سے ہضم نہ کر سکے۔ یہ اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے مسائل ہیں، جو کہ استحسان کے ذریعے حل کیے گئے۔

لیکن مذاہب کے تحت یہ مقید اجتہاد بھی وقت کے ساتھ ساتھ تحلیل ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ انجام کار فقہ اسلامی جدید نتیجہ آفرینیوں کے اعتبار سے بالکل بانجھ ہو گئی اور فقہاء کا کام صرف یہ رہ گیا کہ جو مسائل فقہی کتابوں میں درج ہیں انھیں طوطے کی طرح رٹ لیں انتہا یہ ہے کہ جو لوگ آج عالم یا فقیہ کہلاتے ہیں، انھیں یہ بھی گوارا نہیں کہ فقہ کا مطالعہ کرتے وقت مذہبی احکام و آراء کے دلائل ہی تلاش کر لیں۔

اس مختصر سے تاریخی جائزے سے، جو ہم نے پیش کیا، اس امر کی ایک اور نئی دلیل ہمارے سامنے آگئی کہ اجتہاد، شریعت کی روح اور فقہ اسلامی کی حیات ہے۔

یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ عثمانی سلطنت کے آخری دنوں میں دنیادار حاکموں نے یہ سمجھ لیا کہ شریعت اور اس کی فقہ زمانے کے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اور جدید عصری تقاضوں کا ساتھ نہیں دے

سکتی. چنانچہ انھوں نے اجنبی قانون کی طرف ہاتھ بڑھایا اور فقہ اسلامی علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے کتاب خانوں میں دفن ہو کر رہ گئی۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس نتیجے کے ابتدائی آثار حافظ ابن قیم کے زمانے ہی سے ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے اس لیے کہ انھوں نے اس موضوع پر اپنی کتاب "الطرق الحکمیہ" اور "اعلام الموقعین" میں نہایت پاکیزہ اور صحت مند بحث کی ہے. علامہ موصوف نے اپنی ان کتابوں میں مختلف مذاہب کے مقلدین کو ان کے جمود اور شریعت کے سرچشموں کو تنگ اور خشک کرنے پر لتاڑا ہے، جس کی وجہ سے مسلمان حکمراں، ضروریات کی تکمیل کے لیے، اپنی مرضی کے قوانین نافذ کرنے پر اس لیے مجبور ہوئے کہ فقہی احکام کی تدوین و کتابت اب ختم ہو چکی تھی. حالاں کہ یہ تنگی شریعت غرا میں نہیں، ان اتباع مذاہب کی خود اپنی عقلوں میں تھی۔

ان حقائق کے بعد ایک صاحب فکر ناظر کو صاف نظر آجاتا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو جانے سے اسلامی شریعت، اور اسکی جلیل الشان فقہ پر کتنی بری افتاد پڑی۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب تک اسلام کی خصوصیات، اجتہاد کی متقاضی ہیں، دنیا کی کوئی قوت اس کا دروازہ بند نہیں کر سکتی حتی کہ مذاہب اربعہ کے ارباب تقلید میں سے روشن خیال متاخرین نے اپنی کتابوں میں صراحت کی ہے کہ "اگر آج بھی کوئی شخص اپنے علم کی بنا پر مرتبۂ اجتہاد پر فائز ہو جائے، اور اس کی شرطوں اور صلاحیتوں سے بحد وافر بہرہ مند ہو، تو اسکے لئے مروجہ مذاہب میں سے کسی مذہب کی پیروی جائز نہیں"۔ لیکن علاوہ کسی کے اس مرتبۂ بلند پر فائز ہونے کو تسلیم نہیں کرتے. ان کے خیال میں اجتہاد کا دروازہ کھل تو سکتا ہے، لیکن اسکی کنجی کھو گئی ہے۔

علامہ عزالدین بن عبدالسلام جو ساتویں صدی ہجری کے مشہور و ممتاز شافعی فقہاء میں سے ہیں. فرماتے ہیں:-

"اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کے متعلق علماء نے مختلف باتیں کہی ہیں .....

یہ تمام اقوال فاسد و بے بنیاد ہیں. اگر آج بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جس میں کوئی نص نہ ملے، یا اس کے بارے میں سلف صالحین کے درمیان اختلاف ہو تو لازمی طور پر اسے کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد ہی سے حل کیا جائے گا. اس کے سوا

کوئی بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو ہذیان کا مریض ہو۔"[1]

اجتہاد کا دروازہ بند ہو جانے پر نہیں، اس کا سلسلہ رک جانے ہی پر سہی، منصفانہ حکم لگانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ایک تحلیلی نظر ڈالیں جس سے ماضی میں اجتہاد کا مزاج اور اسکی فطرت ہم پر واضح ہو جائے۔

## ماضی میں اجتہاد کا مزاج اور اسکی فطرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اجتہاد پر شورائی اثر غالب تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اہم مسائل میں چاہے وہ حقوق سے متعلق ہوتے، یا سیاست سے اصحابہ کرامؓ کو جمع کرتے اور ان کے صلاح مشورے سے پیش آنے والے مسئلہ کا شرعی یا سیاسی حل تلاش فرماتے۔ اس سلسلہ میں اُن کا طرزِ عمل اس نص قرآنی کے عین مطابق تھا جو انھیں بلا تخصیص ہر معاملہ میں مشورہ کرنے کی ہدایت کرتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے بھی مطابقت رکھتا تھا، جو حضورؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔ حضرت علیؓ نے سرکارِ رسالت علیہ التحیۃ والتسلیم سے دریافت کیا کہ اگر کسی مسئلہ میں مسلمانوں کو کتاب وسنت میں کوئی نص نہ ملے تو وہ کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا:۔ علماء کو جمع کرو اور کسی انفرادی رائے سے فیصلہ نہ کرو!"

اسکے بعد جو دور آیا اس میں اجتہاد پر انفرادی رنگ غالب آگیا اور ہر مجتہد اجتہادی مسائل میں اپنی رائے سے فیصلہ کرنے لگا جس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ اسلامی مملکت کے مختلف گوشوں میں پھیل گیے تھے اور ان کا مشورے کے لئے کسی ایک جگہ جمع ہونا دشوار ہو گیا تھا۔

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں چونکہ لوگ ظہور اسلام سے قریب العہد تھے۔ اس لئے ان کے دلوں میں اس کا اثر تازہ اور گہرا تھا اور تیسری صدی ہجری تک احادیثِ رسولؐ، روایت اور شخصی ملاقات کے ذریعے نقل ہوتی تھیں۔ اکثر و بیشتر لوگ قرآن و حدیث اور فقہ و لغت کی تحصیل میں ذہن کی پوری توانائی کے ساتھ ذوق و شوق سے حصہ لیتے تھے اور علم کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دیتے

[1] دیکھیے، استاد عبدالوہاب الخلاف کا رسالہ "الاجتہاد والتقلید" ص۱۶

تھے۔ اس لیے ثقہ اور پرہیزگار عالم دوسروں کے مقابلہ میں بآسانی پہچان لیا جاتا تھا۔

پھر جب زمانے نے لوگوں کو عہدِ رسالت سے ـــــــ جو درحقیقت اسلام کی مشعل تھا ـــــ دور کر دیا، معاشرے میں سے ایک حقیقی اور نمائشی عالم کی تمیز اٹھ گئی اور لیاقت و پرہیزگاری کی درخشانی دھندلا گئی تو مذاہبِ اربعہ کے متبعین کو چوتھی صدی ہجری میں یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ مبادا کوئی اجتہاد کا دعویٰ لے کر اٹھے اور بدعتوں کی اشاعت، زہریلے خیالات و نظریات کی ترویج اور شریعت کے اصول و قواعد میں فساد پیدا کرنے کا سبب بن جائے۔ اِدھر انھوں نے دیکھا کہ رائج الوقت مذاہب کی تفریعات کافی و وافی ہیں اور ان حالات کے پیشِ نظر بابِ اجتہاد کو بند کر دینے کا فتویٰ صادر کر دیا۔

ماضی میں اجتہاد کے مزاج و فطرت کے اس تجزیہ کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ فقہ اسلامی کی تاسیس کے ابتدائی دور میں، اس عہد کے مجتہدین کی کوششوں سے انفرادی اجتہاد نے اس امت کو خیر و برکت سے مالامال کر دیا۔ اس لیے کہ ان کے تمام عزائم کشتِ شریعت کو جتنے جوتنے اور اسے زرخیز بنانے کے لیے وقف ہو گئے۔ اساطینِ علم نے قواعد کے استنباط کا مقدس فریضہ انجام دیا۔ اور شریعت کے نصوص و قواعد کی روشنی میں فقہ اسلامی میں قانونی نظریات کی بنیاد ڈالی، یہاں تک کہ فقہ کا ایک عظیم الشان قیمتی سرمایہ فراہم کر دیا جس میں اصول و نظریات بھی ہیں اور بے شمار فروعی احکام بھی۔ اور انھوں نے اسے کبھی نہ خشک ہونے والا ایسا چشمہ بنا دیا ہے جس کی مثال دنیا کی کسی قوم میں نہیں مل سکتی۔ اگر ابتدائی تین صدیوں میں یہ انفرادی اجتہاد نہ ہوتا تو ہم کبھی یہ فقہی ثمرات و نتائج حاصل نہ کر سکتے۔

پھر یہ بھی بہتری اور دانش مندی کی بات تھی کہ اس کے بعد ان خطرات کے پیشِ نظر، جو اس انفرادی اجتہاد کا دروازہ کھلا رہنے کی صورت میں نظر آ رہے تھے، اجتہاد کے دروازہ کو بند کر دیا جائے تاکہ بات بگڑنے نہ پائے۔ لیکن اس دروازے کو بالکل بند کر دینا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ اس سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ اسلامی شریعت اور اس کی فقہ جمود کا شکار ہو گئی ہو، وہ وقت کی ضرورتیں پوری کرنے سے قاصر ہے اور اس میں زندگی کے آثار مفقود ہو گئے ہیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ اجتہاد کے مفاسد کا علاج اجتہاد کی تحریم سے نہ کیا جاتا، بلکہ اسکی تنظیم کی جاتی

اور اسے افراد کے ہاتھوں سے نکال کر جماعت کے سپرد کر دیا جاتا۔ اور یہی وہ طریقہ ہے جو ہمیں آنیوالے دور میں اختیار کرنا چاہیئے۔

**اجتہاد کا آنے والا دور**

ماضی میں اجتہاد کے متعلق جو غلطی ہوئی، اسکا علم ہو جانے کے بعد اب وہ طریق کار پوری وضاحت کے ساتھ نگاہوں کے سامنے آگیا جو مستقبل میں ہمیں اجتہاد کے لئے اپنانا چاہیئے۔

بلاشبہ انفرادی اجتہاد ماضی کی ایک ضرورت تھی، لیکن آج وہ ایک بہت بڑا نقصان ہو۔ کیونکہ جو خطرات کل تک واہمہ کی حیثیت رکھتے تھے، جن کے پیش آنے کا خوف چوتھی صدی ہجری میں دامن گیر تھا اور جن کی وجہ سے فقہائے مذاہب نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا تھا، وہ آج ایک امر واقعی بن گئے ہیں۔

آج دین کے سوداگروں کی ریل پیل ہے اور غالباً ان میں سے اکثر نیکو کار اور خدا ترس علماء کے مقابلہ میں زیادہ وسیع العلم اور زیادہ سحر بیان بھی ہیں۔ آج ازہر کے بعض ایسے فارغ التحصیل بھی دیکھنے میں آتے ہیں جنھوں نے ایسی گمراہ کن کتابیں اور ضلالت آفریں فتوے لکھے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مصنفین نے اپنے علم کو دشمنانِ اسلام کے تصرف میں دے دیا ہے اور وہ قصرِ اسلام کے ستونوں کو خود اس طرح ڈھا رہے ہیں کہ اسلام کے دشمن کبھی نہ ڈھا سکتے۔ اب یہ لوگ یا تو دین سے خارج ہیں، یا اجتہاد اور حریتِ فکر کی ٹٹیوں کی آڑ میں شکار کھیلنے والے خائن و منافق!

اس کے علاوہ وہ بڑی بڑی مادی منفعتیں حاصل کر رہے ہیں، دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہے ہیں اور خدا کی لعنت کی کوئی پروا نہیں کرتے۔

پس اگر ہم شریعت کی روح اور فقہ اسلامی کی زندگی کو اجتہاد کے ذریعہ واپس لانا چاہتے ہیں اور اس کا امت میں جاری رہنا واجب سمجھتے ہیں۔ اور اگر وہی وقت کی بے شمار مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے شرعی حل پیش کرنے کا تنہا رستہ ہے۔ ———— وہ شرعی حل جن میں تحقیق کی گہرائی اور دلیل کی پختگی ہو، جو ہر قسم کے شکوک و شبہات، اور طعن و تشنیع سے دور ہوں اور جن میں تقلیدی لاشوں اور حق سے بغاوت کرنے والی عقلوں کا سر کچلنے کی یکساں صلاحیت ہو۔

تو اس کا بس ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ اجتہاد کی بنیاد ایک نئے اسلوب سے رکھی جائے، یعنی انفرادی اجتہاد کی جگہ اجتماعی اجتہاد کو دے دی جائے اور اس طرح ہم اجتہاد کو اس کے پہلے مقام پر لے آئیں، جہاں وہ حضرت ابوبکرؓ صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے مبارک دور میں تھا۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ دوسرے علمی اور لغوی اداروں (اکیڈیمیوں) کی طرح ہم فقہ اسلامی کا ایک ادارہ قائم کریں، جس میں تمام اسلامی ممالک کے وہ مشہور و پختہ کار فقہاء شریک ہوں جو شرعی علوم کے ساتھ ساتھ دورِ حاضر کی روشنی سے بھی بہرہ مند ہوں اور جن میں سیرت و کردار اور صلاح و تقویٰ کی بھی تمام خوبیاں موجود ہوں۔

اس کے ساتھ ہی جدید علوم و فنون مثلاً اقتصادیات و اجتماعیات اور قانون و طب وغیرہ کے راسخ العقیدہ مسلمان ماہرین بھی اس ادارے میں شامل کیے جائیں تاکہ فقہاء فنی معاملات میں ان کی رائے پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

اس فقہی ادارے کے تمام ارکان باقی اور مشاغل سے فارغ ہونے چاہئیں۔ ان کے لئے ایک وسیع کتب خانہ فراہم کیا جائے ........ اور ان کے لئے اقتصادی فراغت کا اہتمام ہو تاکہ وہ طمانیتِ خاطر کے ساتھ اپنے موضوع — اجتہاد — کا مطالعہ کریں اور دقت کے ہر اس دشوار مسئلہ پر جو ان سے بحث و تحقیق کا طالب ہو، اسلامی احکام منطبق کرنے میں اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں۔ اسی طرح ان کے تحقیقی مقالات کی اشاعت کے لیے ایک ماہنامہ جاری ہونا چاہیئے۔ اور فقہ اسلامی کا ایک مبسوط مجموعہ بھی، دوسری قوموں کی انسائیکلو پیڈیا کے طرز پر مرتب ہونا ضروری ہے۔ نیز اس ادارے کو مختلف فقہی مذاہب کی اہم کتابوں کی ایک نئی فہرست، بترتیب ابجد شائع کرنی چاہیئے۔ تاکہ محققین بغرض استفادہ ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکیں۔ اس کے علاوہ اور بھی فقہی خدمات ہیں، جن کی اجتہاد کے سلسلے میں عصر حاضر کو ضرورت ہے۔

یہ اسکیم بہت بڑے سرمائے کی محتاج ہے، جس کے حصول کی بس یہ دو صورتیں ہیں:-

(۱) تمام مسلمان قوموں سے چندہ کے طور پر یہ سرمایہ حاصل کیا جائے — لیکن موجودہ

حالات میں یہ ناممکن ہے ___ اس لیے کہ عوام اس کی اہمیت سے بے خبر ہیں اور مہذب طبقہ اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔

(۲) ایک یا چند اسلامی حکومتیں اس اسکیم کو اپنالیں اور اس کے لیے اپنے بجٹ میں رقم مخصوص کریں۔

اس قسم کا فقہی ادارہ قائم کرنے کی تجویز ان دو اسلامی کانفرنسوں میں منظور ہو چکی تھی جو ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۱ء میں پاکستان کے دار الحکومت کراچی میں منعقد ہوئی تھی اور جن میں میں نے بھی شرکت کی تھی۔ لیکن افسوس کہ یہ تجویز فقدان وسائل کے سبب روبہ عمل نہ آسکی اور کاغذ پر سیاہی کے خطوط و دوائر سے آگے نہ بڑھی۔ اس لیے کہ موجودہ زمانے کی اسلامی حکومتیں افسوس ہے کہ ___ اور تمام مدوں میں روپیہ خرچ کر سکتی ہیں اور نہیں کر سکتیں تو صرف اسلام کی مد میں۔ سچ فرمایا ہے خدائے بزرگ و برتر نے اپنے اس ارشاد میں:۔

فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون۔

قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعن وان هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله۔

بسلسلہ "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید"

# دین میں حکمتِ عملی کا مقام

عتیق الرحمٰن سنبھلی

الفرقان بابت ماہ شعبان و رمضان ۱۳۷۷ھ میں حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب اڈیٹر المنیر کا ایک مضمون "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید" کے زیر عنوان کچھ تمہید و تعلیق اور ادارۂ الفرقان کے اتفاق کے ساتھ پیش کیا گیا تھا ——— اس مضمون کا تعلق مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی ایک تحریر سے تھا، جس میں یہ نظریہ پیش کیا گیا تھا کہ اقامت دین کی جدوجہد کے دوران، قائد تحریک عملی مصالح کے لحاظ سے دین کے اصولوں میں "استثناء اور لچک" پیدا کر سکتا ہے اور حکمت عملی کے تحت یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس موقع پر کس چیز کو قبول کیا جائے اور کس چیز کو رد کر دیا جائے اس نظریے کی قباحت اور مفسدہ انگیزی چونکہ بالکل واضح تھی، اور اس کو ثابت کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ سے جو مبینہ مثال پیش کی گئی تھی اسکا کوئی تعلق اس نظریہ سے نہیں تھا، اس لئے اس پر کسی علمی تنقید کو غیر ضروری سمجھ کر صرف مولانا کے اس نئے موقف کے مضمرات کی نشاندہی پر اکتفا کیا گیا تھا۔

مولانا کی تحریر کے خاص پس منظر کو دیکھتے ہوئے اُن کے اس نظریہ کی ایک تاویل اور رفع اعتراض کی ایک صورت ہماری سمجھ میں آتی تھی اور ہم نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا تھا، مگر مولانا نے جن الفاظ میں اس نظریہ کو پیش کیا تھا اور جس قسم کا استدلال اس کے لیے کیا تھا اس نے اس تاویل کی راہ بالکل مسدود کر دی تھی ——— ورنہ ہم خود ہی مولانا کی طرف سے وہ تاویل کر لیتے اور حکیم صاحب موصوف کے اعتراض سے اتفاق نہ کرتے۔

تازہ ترجمان القرآن (بابت مئی ۵۸ء) میں مولانا نے اس سلسلہ میں اپنے مدعا کی وضاحت کے طور پر، ایک سائل کے جواب میں کچھ مزید ارقام فرمایا ہے۔ اور اس امر کی شکایت فرمائی ہے کہ معترضین نے اُن کی عبارتوں میں اپنی طرف سے کچھ معنیٰ آفرینیاں کر کے اُن کے مدعا کو غلط طور پر پیش کیا ہے۔ ہم نے فیما بیننا وبین اللہ بہت کچھ غور کیا مگر ہمیں قطعاً نہ معلوم ہو سکا کہ مولانا کے الفاظ کا جو ظاہری مدعا تھا اس میں معترضین نے کیا کمی بیشی کی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ

"ان عبارتوں سے میرا مدعا جو کچھ ہو اُسے سمجھنے کے لیے وہی ایک فقرہ کافی ہے جو خود ان نقل کردہ عبارتوں میں موجود ہے۔

"ایک اصول کو قائم کرنے پر ایسا اصرار جس سے اس اصول کی بہ نسبت زیادہ اہم دینی مقاصد کو نقصان پہنچ جائے، حکمت عملی ہی نہیں حکمت دین کے بھی خلاف ہے"

اس فقرے پر جو شخص بھی تعصب اور نفسانیت سے بے لوث ہو کر غور کرے گا وہ میرا مطلب سمجھنے میں غلطی نہیں کر سکتا........

اس معاملہ میں میں صرف عقل کو کسوٹی بنانے کا قائل نہیں ہوں کہ آدمی جب چاہے عملی ضروریات کی بنا پر اسلام کے اصول و قواعد اور احکام میں سے جس کی بندش سے چاہے نکل جائے۔ بلکہ یہ بات میرے اسی فقرے سے ظاہر ہو کہ میں اس حکمت کا قائل ہوں جو خود اسلام کے دیئے ہوئے معیار سے جانچ کر یہ دیکھتی ہے کہ کس چیز کی خاطر کس چیز کو کہاں اور کس حد تک قربان کرنا ناگزیر ہے"

اس عبارت میں مولانا نے گویا یہ ظاہر فرمایا ہے کہ میں نے جو "عملی مصالح" اور "حکمت عملی" کے ماتحت دین کے اصولوں میں "استثنا اور لچک" کی بات کہی تھی اس سے میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ محض عملی ضروریات کی بنا پر دین کے کسی اصول میں استثناء اور لچک پیدا کرنے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے، بلکہ میرا مدعا یہ تھا کہ دین کے دیئے ہوئے معیار سے یہ جانچا جائے گا کہ کونسی چیز کس درجہ کی ہے، اور اسکے بعد اگر عملی ضروریات کا تقاضہ ہوگا تو کم اہم چیز کو زیادہ اہم چیز کی خاطر اس حد تک چھوڑ دیا جائے گا جس حد تک حکمت دین اُسے ناگزیر قرار دے گی۔

مولانا کو حق ہے کہ اپنے الفاظ کا جو مطلب چاہیں بیان فرمائیں، مگر جو مطلب الفاظ سے ظاہر نہ ہوتا ہو، صرف "مصنف" کے پیٹ میں ہو، اسکے نہ سمجھنے پر قاری کو مطعون کرنا کوئی انصاف کی بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ قاری صرف الفاظ کو دیکھتا ہے۔ وہ مصنف کے پیٹ میں گھسا ہوا نہیں ہوتا۔ مولانا کے جس مضمون پر یہ بحث شروع ہوئی ہے۔ اس کی تمام متعلقہ عبارات میں کہیں اس کا شائبہ تک موجود نہیں ہے کہ مولانا کے نظریۂ ترک و استشار میں اصل اعتبار راہ "مقصود" کی عملی ضروریات و مصالح کا نہیں ہے، اصل اعتبار دین کے دیئے ہوئے اس معیار کا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس چیز کو کس چیز کی خاطر کہاں اور کس حد تک قربان کیا جا سکتا ہے۔ اسکے برعکس مولانا کے پیرے کے پیرے اور جملے کے جملے بول رہے ہیں کہ معاملہ کا سارا مدار عملی ضروریات، حالات کی سازگاری اور ناسازگاری، "PRACTICAL WISDOM" (حکمت عملی) اور "عملی نقطۂ نظر" پر ہے ——— ایک جگہ ارشاد ہے۔

"اس معاملہ میں (منزل مقصود کی طرف چلنے کے معاملہ میں۔ ع) صرف نظریت کام نہیں دیتی بلکہ اس کے ساتھ عملی حکمت ناگزیر ہے۔ اس حکمت کو نظر انداز کر دینے والا نظری آدمی طرح طرح کی باتیں کر سکتا ہے، کیونکہ وہ یا تو قافلہ میں شامل نہیں ہوتا، یا پھر قافلے کو لے کر چلنے کی ذمہ داری اس پر نہیں ہوتی۔ مگر جسے چلنا ہی نہو بلکہ چلانا بھی ہو وہ ہر بات کو محض اس کے خیالی حسن کی بنیاد پر قبول نہیں کر سکتا۔ اُسے تو عملی نقطۂ نظر سے تول کر دیکھنا ہوتا ہے کہ جن حالات میں وہ کام کر رہا ہے، جو قوت اس وقت اس کے پاس موجود ہو یا فراہم ہونی ممکن ہے، اور جو جو مزاحمتیں راستے میں موجود ہیں، ان سب کو دیکھتے ہوئے[ع] کونسی بات قابل قبول ہے اور کونسی نہیں۔" (ص۲۱)

کیا اس عبارت سے کسی کے ذہن میں بجز اس کے کوئی مفہوم آسکتا ہے کہ معاملہ کا سارا دار و مدار حالات و ضروریات اور راہ عمل کے امکانات و مشکلات پر ہے، اور کسی چیز کو قبول کرنے نہ کرنے کا فیصلہ محض عملی نقطۂ نظر سے کیا جائے گا؟[۵]

---

[۵] یہاں ہم نے مولانا کے جن الفاظ کو جلی کیا ہو ان کے علاوہ مولانا کے شروع کے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک اور عبارت لیجئے!

"جو شخص یہ چاہے کہ پہلا قدم آخری منزل ہی پر رکھوں گا اور پھر دوران سعی میں کسی مصلحت و ضرورت کی خاطر اپنے اصولوں میں کسی استثناء اور کسی لچک کی گنجائش بھی نہ رکھوں گا۔ وہ عملاً اس مقصد کے لئے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ یہاں آئیڈیلزم کے ساتھ برابر کے تناسب سے حکمت عملی کا ملنا ضروری ہے۔ وہی (یعنی حکمت عملی۔ ع) یہ طے کرتی ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے راستے کی کن چیزوں کو آگے کی پیش قدمی کا ذریعہ بنانا چاہیئے، کن کن مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہیئے، کن کن موانع کے ہٹانے کو مقصدی اہمیت دینی چاہیئے اور اپنے اصولوں میں سے کن میں بے لچک ہونا اور کن میں اہم تر مصالح کی خاطر حسب ضرورت لچک کی گنجائش نکالنی چاہیئے"۔

کیا ان الفاظ میں مولانا نے اسکے سوا کچھ اور بھی سمجھنے کی گنجائش رکھی ہو کہ حکمت عملی (PRACTICAL WISDOM) ہی یہ طے کرے گی" اور اس کا فیصلہ معتبر ہے کہ کن اصولوں میں کن مصالح کی خاطر کہاں اور کس حد تک لچک کی گنجائش نکالنی چاہیئے؟

—— کیا ان الفاظ میں اس بات کا ادنیٰ اشارہ بھی پایا جاتا ہو کہ حکمت عملی کے تقاضہ سے جن اصولوں میں لچک کی ضرورت محسوس کی جائے گی وہاں صرف حکمت عملی کے تقاضے سے کسی اصول کی قربانی نہیں دی جائے گی۔ بلکہ دین میں فرق مراتب اور ایک چیز کو دوسری چیز پر ترجیح دینے کا جو معیار ہو اس سے رجوع کر کے دیکھا جائے گا کہ کس اصول کو کس چیز کی خاطر کس موقع پر اور کس حد تک قربان کیا جا سکتا ہو، اور پھر اسکے مطابق کوئی فیصلہ کیا جائیگا؟

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲) یہ الفاظ بھی بہت قابل لحاظ ہیں کہ "اس معاملہ میں صرف نظریت کام نہیں دیتی" ظاہر ہے گفتگو جب دین کے اصولوں میں ہو تو "نظریت" سے مراد آدمی کا خود اپنا کوئی فکری نقطۂ نظر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ فکری نقطۂ نظر مراد ہو گا جو دین اور اس کے مآخذ کتاب و سنت سے پیدا ہوتا ہے۔ پس ملحوظ رہے کہ مولانا اسی فکری نقطۂ نظر کے مقابلہ میں عملی نقطۂ نظر کو ترجیح دے رہے ہیں۔ ع

مولانا فرماتے ہیں کہ اِن عبارتوں میں ایک فقرہ ایسا موجود ہے جس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہو۔ وہ فقرہ یہ ہے:۔

"ایک اصول کو قائم کرنے پر ایسا اصرار جس سے اس اصول کی بہ نسبت زیادہ اہم دینی مقاصد کو نقصان پہنچ جائے۔ حکمت عملی ہی نہیں حکمت دین کے بھی خلاف ہے۔"

خدا کا فضل ہو کہ ہم نے پہلے بھی اس فقرہ پر "تعصب اور نفسانیت سے بے لوث ہو کر" غور کیا تھا اور اب پھر مولانا کے فرمانے پر اسکی کوشش کی۔ مگر ہم بالکل نہیں سمجھ سکے کہ اس فقرے میں یہ بات کہاں سے نکل رہی ہے اس فقرہ کا مفاد بجز اسکے کیا ہے کہ اگر زیادہ اہم دینی مقاصد کی خاطر دین کے کسی اصول کو ترک کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو حکمت عملی ہی نہیں حکمت دین کا بھی تقاضہ ہو کہ اس اصول پر اصرار نہ کیا جائے؟ اور اس سے تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ مولانا کے نزدیک اقامت دین کی جدوجہد کے دوران مشکلات و موانع اور ضروریات و مصالح کو دیکھتے ہوئے دین کے بعض اصولوں میں لچک اور استثناء کی گنجائش نکالنا حکمت عملی ہی کا تقاضہ نہیں۔ حکمت دین کا بھی تقاضہ ہو اور اسی لئے وہ اسکو اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں! مگر یہ بات ۔ کہ کن اصولوں میں کن مصالح کی خاطر کہاں اور کس حد تک لچک پیدا کی جاسکتی ہو؟ اس کا فیصلہ محض عملی نقطۂ نظر سے کیا جائیگا اور محض کسی قائد کی عملی حکمت (PRACTICAL WISDOM) کا فیصلہ اس بارے میں ناطق ہوگا، یا کوئی اور چیز ہو گی جس کے ہاتھ میں اصل فیصلہ ہوگا؟ اس باب میں یہ فقرہ بالکل خاموش ہو[1]۔ اور اسکے برعکس جو فقرے ہم نے اوپر نقل کیے ہیں، وہ پوری صراحت کے ساتھ مولانا کا مسلک یہ بتاتے ہیں کہ

حکمت عملی ہی یہ طے کرے گی کہ کن اصولوں میں کن مصالح کی خاطر کس حد تک لچک کی گنجائش نکالنی چاہیے۔

---

[1] خوب سمجھ لیجئے کہ یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح عملی حکمت کا تقاضہ ہو کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے اصولوں میں حسب ضرورت لچک کی گنجائش نکالنی چاہیے آیا حکمت دین کا تقاضہ بھی یہی ہو؟ دوسری یہ کہ اگر بعض دینی مقاصد کے لیے عملی نقطۂ نظر سے بعض دینی اصولوں کی قربانی ناگزیر معلوم ہو تو آیا صرف کسی قائد کی حکمت عملی اس بات کا فیصلہ کردے گی کہ فلاں مقصد کے لیے فلاں اصول کو اس حد تک قربان کر دیا جائے، یا اس کا فیصلہ دین کرے گا۔ ناظرین ان دونوں باتوں کے فرق کو ملحوظ رکھ کر غور فرمائیں، ہمارا کہنا یہ ہو کہ مولانا کے محولہ فقرہ میں پہلی بات تو بیشک صراحۃً موجود ہے لیکن دوسری بات کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں ہے۔

اب فرمایا جائے کہ کیا غلطی کی، یا کیا زیادتی کی اُن لوگوں نے جنھوں نے مولانا کا مطلب یہی سمجھا جو الفاظ بتا رہے ہیں۔ وہ نہیں سمجھا جو مولانا اب بیان فرما رہے ہیں؟

یہ گفتگو تو اس صورت میں ہے جبکہ مولانا کے پیش کردہ فقرے کے صرف وہی الفاظ پیش نظر رکھے جائیں جو مولانا نے نقل فرمائے ہیں۔ لیکن اگر اس فقرے کے وہ دو تین ابتدائی لفظ اور بھی سامنے رکھ لئے جائیں جو اصل عبارت میں موجود ہیں، اور مولانا نے کسی وجہ سے یہاں نقل نہیں فرمائے ہیں تو پھر اس فقرے کا مفاد وہ بھی نہیں رہتا جو ہم اوپر تسلیم کر آئے ہیں، اور گفتگو کی نوعیت بالکل بدل جاتی ہے۔

اصل عبارت کا پورا فقرہ یہ ہے (اور جو ابتدائی الفاظ مولانا چھوڑ گئے ہیں وہ زیر خط کر دیے گئے ہیں۔)

"یہ اس بات کی صریح مثال ہے کہ ایک اصول کو قائم کرنے پر ایسا اصرار جس سے اس اصول کی بہ نسبت زیادہ اہم دینی مقاصد کو نقصان پہنچ جائے، حکمت عملی ہی نہیں حکمت دین کے بھی خلاف ہے۔"

ان خط کشیدہ الفاظ کے ساتھ اس فقرے کی نوعیت وہ نہیں رہتی جو بغیر الفاظ کے نظر آتی ہے۔ ان الفاظ کو حذف کر دیجیے اور باقی فقرہ پڑھیے (جو اپنی جگہ پر مکمل ہے) تو معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اپنا نقطۂ نظر پیش فرما رہے ہیں کہ اہم مقاصد کی خاطر بعض اصولوں میں حسب ضرورت لچک اور انعطاف کے جو وہ قائل ہیں تو صرف اس بنا پر نہیں کہ حکمت عملی کا تقاضا یہی ہے۔ بلکہ اس بنا پر کہ حکمت دین کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ لیکن جب اس فقرہ کو ان الفاظ کے ساتھ پڑھیے تو پھر یہ فقرہ اصلاً مولانا کے نقطۂ نظر کا ترجمان نہیں رہتا بلکہ اس مثال کے مفاد کا مظہر بنتا ہے جس کی طرف اس فقرے میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ مولانا کا نقطۂ نظر تو اگرچہ یہی تھا (جیسا کہ ان کی تصریحات پیش کردہ اقتباسات سے ظاہر ہے) کہ منزل مقصود تک پہونچنے کی جد وجہد میں کسی بھی اصول میں لچک پیدا کرنے کے لیے تیار نہ ہونا عملی نقطۂ نظر سے غلط ہے، اور اصول پرستی کی یہ شدت محض اسی لیے قابل ترک ہے۔ مگر اپنے اس نقطۂ نظر کی تائید کے لیے انھوں نے جو مثال (الائمۃ من قریش والی) پیش کی اس سے نہ صرف اس نقطۂ نظر کی تائید ہوتی ہے بلکہ مزید یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصول پرستی کی یہ شدت دینی نقطۂ نظر سے بھی غلط ہے، اور اس باب میں دینی حکمت کا بھی وہی تقاضہ ہے جو عملی حکمت کا ہے ـــــ یعنی یہ اس مثال کا ایک زائد مفاد ہے۔ اصل مدعا جس کے ثابت کرنے کے لیے مولانا نے یہ مثال پیش کی تھی اس میں یہ بات شامل نہیں تھی۔

ہمارے نزدیک ان متروکہ الفاظ کی شمولیت کے بعد اس فقرے کا مطلب صاف طور پر یہی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ان الفاظ سے جملہ کا سیاق ہی بدل جاتا ہو۔ اور اس سیاق میں جب بھی کوئی بات کہی جاتی ہو اس کا مطلب اسی طور پر سمجھا جاتا ہے۔[1]

افسوس! مولانا نے ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے اپنے مسلک کی "غلط ترجمانی" کا الزام اپنے الفاظ اور اپنی تعبیرات کو دینے کے بجائے معترضین کے سر رکھ دیا ہو۔ حالانکہ وہ اس سے اسی طرح "بری الذمہ" ہیں جس طرح مولانا فرماتے ہیں کہ وہ اس مسلک سے "بری الذمہ" ہیں۔ اور اس "غلط ترجمانی" کے لیے مولانا خود ہی اپنے الفاظ کی طرف سے "جوابدہ" ہیں۔

---

بہرحال یہ گفتگو تو اس لیے کرنا پڑی کہ مولانا نے معترضین بیچاروں کو ایک ایسا الزام دے ڈالا ہو جس سے وہ غریب قطعاً "بری الذمہ" ہیں۔ اب اس پر آئیے کہ مولانا کی تازہ وضاحت کے بعد معترضین کا موقف کیا ہے؟

اس سلسلہ میں جہاں تک ہمارا تعلق ہو، تو ہمارا موقف مولانا کی اس وضاحت کے بعد یہ ہے کہ اگر مولانا نے "حکمت عملی" کے فلسفہ کو خیرباد کہہ دیا ہو اور وہ قائل صرف اتنی بات کے ہیں کہ —— از روئے دین جن حالات اور جن ضروریات کے ماتحت جس کسی چیز کو جس کسی چیز کے لیے جس حد تک قربان کر دینا جائز یا ضروری ہو، ان حالات اور ان ضروریات کے ماتحت اس حد تک اس چیز کو اس دوسری چیز کے لیے قربان کر دینا حسب ضرورت جائز یا ضروری سمجھا جائے گا —— تو ہم اس کو قبول کرتے ہیں، کیونکہ اس میں کسی فتنے کے لیے راستہ کھلا ہوا نہیں رہتا۔ جب کبھی اس اصول پر عمل کا سوال آئے گا۔ دلائل و نظائر سے بآسانی فیصلہ ہو سکے گا کہ فلاں چیز کے لیے فلاں چیز کی قربانی کی اجازت

---

[1] بات اور زیادہ کھل جائے گی، اگر سیاق کلام کے ساتھ آپ یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ پہلے مولانا نے وہ تصریحات فرمائی ہیں جن کا حوالہ ان کے نقطۂ نظر کے سلسلے میں بھی دیا گیا ہو، اور ان تصریحات میں "حکمت دین" کا کوئی ذکر نہیں ہو، سارا فلسفہ مصالح و مشکلات اور عملی ضروریات کا ہو۔ پھر اپنے نقطۂ نظر کی تائید کے لیے الائمۃ من قریش والی مثال پیش کی ہو اور اس کے بعد یہ فقرہ لکھا ہو جس کے مفہوم و مطلب پر گفتگو ہے۔

شریعت دیتی ہے یا نہیں؟ اور دیتی ہے تو کس حد تک دیتی ہے؟ اور جو ضروریات اور حالات اس وقت درپیش ہیں وہ شریعت میں معتبر ہیں یا نہیں؟ لیکن اگر مولانا کا مقصد اس وضاحت سے "حکمت عملی" والے فلسفہ کی نفی نہیں ہے، بلکہ انھوں نے اپنی اس وضاحت میں اس فلسفہ کو بھی محفوظ رکھا ہے ـــــ جس کا مطلب اس وضاحت کے بعد بھی مولانا کی سابقہ تصریحات کی روشنی میں اور اس وقت کی ان کی خاص پوزیشن کے پیش نظر یہ ہوتا ہو کہ ایک شخص کسی خاص دینی مقصد کے لیے جدوجہد کر رہا ہو اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس مقصد سے متفق ہو کر اس کے گرد جمع ہوگئی ہو (مثال کے طور پر وہ خاص مقصد "دینی حکومت کا قیام" ہے) اب اس جماعت یا تحریک کا قائد ایک وقت محسوس کرتا ہو کہ دین کا فلاں اصول جس کے ہم داعی ہیں، اور منجملہ دیگر اصول دین کے جس کی اقامت ہی کے لیے دینی حکومت کا قیام مقصود ہو، عملاً اس کی پابندی اور اس کو قائم کرنے پر اصرار "دینی حکومت" کے قیام کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوگا، لہٰذا اس میں اتنی لچک پیدا کیے بغیر یا فلاں استثناء کیے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ اور اس کی رائے میں دینی نقطۂ نظر سے اس اصول کی وہ قیمت بھی نہیں ہے جو اس مقصد کی ہو۔ تو وہ اس اصول کو قربان کرنے اور اپنے مقصد کی خاطر ایسی پالیسی اختیار کرنے میں حق بجانب ہوگا جو اس طرح کے کسی اصول کے خلاف پڑتی ہو ـــــ اور ان قابل لچک اور قابل ترک اصولوں کا دائرہ توحید و رسالت جیسے اساسی اصولوں کے سوا باقی تمام اصولوں پر حاوی ہوگا۔ ـــــ (پس اگر مولانا نے اپنے مدعا کی تازہ وضاحت میں اس فلسفہ کو بھی محفوظ رکھا ہے) تو یہ بہر حال قابل رد ہے۔

اوّلاً۔ اس لیے کہ دلائل شرعیہ میں سے کسی دلیل سے اس فلسفہ "حکمت عملی" کا جواز نہیں ملتا۔ اور مولانا نے جو ایک دلیل پہلے اور نو دلائل اب اپنی وضاحت کے ساتھ پیش فرمائے ہیں۔ وہ سب کے سب غیر متعلق ہیں۔

ثانیاً۔ اس لیے کہ اسوۂ نبوی اور اسوۂ صحابہ سے اس فلسفہ کی تردید ہوتی ہے۔

ثالثاً۔ اس لیے کہ فتنہ پروری کے اس دور میں "حکمت عملی" کے اس فلسفہ کو قبول کرنا نادان خود رایوں اور ہوا پرستوں کو اس بات کی کھلی چھٹی دینا ہے کہ وہ آئین اور دین کو بازیچۂ اطفال بنا ڈالیں۔

یہ ہماری رائے کی تین مجمل بنیادیں ہیں۔ اب ہم ان پر ترتیب وار مفصل کلام کرتے ہیں۔

(۱)

## مولانا کے دلائل کا جائزہ

**"الائمۃ من قریش"** مولانا نے پہلی دلیل اس سلسلہ میں یہ دی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی اسی فلسفہ کے مطابق تھا جس کی بیشمار مثالوں میں سے ایک واضح ترین مثال یہ ہے کہ

"اسلامی نظام کے اصولوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ تمام نسلی اور قبائلی امتیازات کو ختم کر کے اس برادری میں شامل ہونے والے سب لوگوں کو یکساں حقوق دیے جائیں اور تقویٰ کے سوا فرقِ مراتب کی کوئی بنیاد نہ رہنے دی جائے۔[۱] اس چیز کو قرآن مجید میں بھی پیش کیا گیا اور حضور نے بھی بار بار اس کو نہ صرف زبانِ مبارک سے بیان فرمایا بلکہ عملاً موالی اور غلام زادوں کو امامت کے مناصب دے کر واقعی مساوات قائم کرنے کی کوششیں بھی فرمائیں۔ لیکن جب پوری مملکت کی فرمانروائی کا مسئلہ سامنے آیا تو آپ نے ہدایت دی کہ الائمۃ من قریش "امام قریش میں سے ہوں"۔

(ترجمان القرآن دسمبر ۵۶ء صـ۲۳)

اس مثال سے مولانا اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ:۔

"ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ اس خاص معاملہ میں یہ ہدایت مساوات کے اس عام اصول

---

[۱] ہمارے مقصد سے تو اس کا کوئی تعلق نہیں ہو مگر ہم یہاں یہ تنبیہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اسلام کے اصولِ مساوات کی یہ تشریح کہ "تقویٰ کے سوا فرق مراتب کی کوئی بنیاد نہ رہنے دی جائے"۔ بالعموم صحیح نہیں ہو۔ اس لیے کہ اسلام تقوے کے علاوہ فرق مراتب کی بعض اور بنیادوں کو بھی تسلیم کرتا ہو جیسا کہ غور کرنے سے ظاہر ہوگا۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہو کہ اسلام فرق مراتب کی نسلی اور قبائلی بنیادوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ ع

کے خلاف پڑتی ہے جو کلیہ کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے
ایسے اہم اصول میں اتنے بڑے استثنار کی گنجائش کیوں پیدا کی گئی؟ اس کا جواب اسکے
سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس وقت عرب کے حالات میں کسی غیر عرب تو درکنار، کسی غیر قریشی
خلیفہ کی خلافت بھی عملاً کامیاب نہیں ہوسکتی تھی، اس لیے حضور نے خلافت کے معاملہ
میں مساوات کے اس عام اصول پر عمل کرنے سے صحابہ کو روک دیا۔" (ایضاً)

مولانا کا کہنا ہے کہ یہ ایک اہم اسلامی اصول میں خود حضور کی جانب سے استثنار کی ایک مثال ہے لیکن ہماری گزارش ہے کہ اگر حضور کے ارشاد "الائمۃ من قریش" کی یہی نوعیت تسلیم کرلی جائے جو مولانا نے دکھائی ہے، یعنی اس کو ایک "ہدایت" اور "ممانعت" پر محمول کیا جائے، تب بھی خود مولانا کی اپنی توجیہ اس دعوے کو ساقط کردیتی ہے کہ اس "ہدایت" اور "ممانعت" کی حیثیت، اصولِ مساوات میں ایک استثنار کی تھی۔ مولانا نے اس ہدایت کی توجیہ یہ فرمائی ہے کہ ــــــ "اس وقت عرب کے حالات میں کسی غیر عرب تو درکنار، کسی غیر قریشی خلیفہ کی خلافت بھی عملاً کامیاب نہیں ہوسکتی تھی" ــــــ مولانا سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہوسکتی کہ کسی اعلیٰ سے اعلیٰ جمہوری نظام میں بھی دستور کی اس دفعہ کا مطلب، کہ تمام شہریوں کو ہر معاملہ میں بلا امتیاز برابر کے مواقع اور برابر کے حقوق حاصل ہوں گے، یہ نہیں ہوتا کہ جس عہدے اور جس منصب کے لئے جو شرائط عقلاً اور عرفاً لازمی ہیں ان کی بنا پر بھی کوئی تفریق نہیں کیجائیگی، اور جو شخص جس منصب کی اہلیت کے ضروری شرائط اپنے اندر نہیں رکھتا اس کو بھی اس منصب پر پہنچنے کا ویسا ہی موقع دیا جائے گا جیسا کہ ایک اہل اور جامع شروط آدمی کو ملے گا۔ اگر ایسا نہیں ہے؟ اور بداہۃً نہیں ہے! تو پھر کیا امارت اور امامتِ عامہ کا منصب اسلامی نظام میں، ایمان و تقویٰ کے سوا کوئی اور شرط نہیں چاہتا؟ بیشک اسلامی نظام کا ایک نہایت اہم بنیادی اصول یہ ہے کہ تمام نسلی اور قبائلی امتیازات کو ختم کیا جائے اور اسلامی برادری میں شامل ہونے والے سب لوگوں کو یکساں حقوق دیے جائیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے، اور نہ آج تک کسی نے سمجھا ہے کہ اسلام اپنے سیاسی نظام میں مختلف مناصب اور عہدوں کے لیے ان شرائط کو بھی لازم نہیں رکھتا جن کو عقل چاہتی ہے اور جن کو دنیا کا تجربہ ناگزیر ٹھہراتا ہے۔ پس عقل اور تجربات کی روشنی

میں جہاں اور بہت سی باتیں منصب امامت کے لیے لازم قرار پاتی ہیں، اور اسلامی نظام میں بھی ان کو خلیفہ کے لیے ضروری مانا گیا ہے (مثلاً "کفایت" اور "سلامت حواس واعضاء") اسی طرح عقل کا بدیہی تقاضہ ہے اور امامت و فرمانروائی کی پوری تاریخ کا تجربہ بتاتا ہے کہ امامت کا منصب اس شخص کو ملنا چاہیئے جس پر زیادہ سے زیادہ لوگوں کا خوش دلی سے اتفاق ہوسکے اور جسے رعیت کی غالب اکثریت کا پورا تعاون مل سکے، ـــــ اس لیے کہ کسی مملکت کی خیر وسلامتی کی یہی اولین ضمانت ہے۔

پس مولانائے محترم کو جب یہ تسلیم ہے کہ اس وقت عرب کے حالات میں کسی غیر قریشی خلیفہ کی خلافت عملاً کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔ اور اس "کامیاب نہ ہوسکنے" کی وجہ صرف یہی تھی کہ قبائل عرب کی غالب اکثریت کسی غیر قریشی پر جمع نہیں ہوسکتی تھی اور کسی اور کو وہاں وہ تعاون اور وہ احترام حاصل نہیں ہوسکتا تھا جو ایک مملکت کی سلامتی اور استحکام نظام کے لیے ضروری ہے، تو اس کے کیا معنیٰ ہیں کہ امامت، قریش کو تفویض کیے جانے کی اس "ہدایت" کو مساوات کے عام اصول میں " ایک استثناء" سے تعبیر کیا جائے اور سیدھی سیدھی بات یہ نہ مانی جائے کہ منصب امامت کی ایک اہم شرط چونکہ اس وقت کے حالات میں قریش ہی میں پائی جاتی تھی، اس لیے حضورؐ نے یہ ہدایت دی کہ " امام قریش میں سے ہوں"؟ اگر مولانا کو قریش کی یہ اہمیت اور یہ خصوصیت تسلیم نہ ہوتی اور وہ اسکے قائل ہوتے کہ شروط امامت کے اعتبار سے قریش کو کوئی امتیاز غیر قریش کے مقابلہ میں حاصل نہیں تھا، تو بیشک یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ یہ ہدایت، مساوات کے اس عام اصول کے خلاف پڑتی ہے جس کی رو سے اسلامی نظام میں، اسلامی برادری کے تمام افراد کو یکساں حقوق حاصل ہوتے ہیں، اور اس لیے اس ہدایت کی حیثیت اس اصول میں " ایک اہم استثناء" کی ہے۔ لیکن جب مولانا بھی مانتے ہیں کہ یہ ترجیح محض " قریشی" ہونے کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ قریش کی ایک ایسی ممتاز خصوصیت کی بناء پر تھی جس کے متعلق ماننا پڑتا ہے کہ وہ منصب امامت کی ایک اہم ترین شرط ہے[۱] ۔ تو کیسے

---

۱؎ اس شرط کے لازم اور معتبر ہونے پر ہم کافی روشنی ڈال چکے ہیں، تاہم مزید (باقی حاشیہ ص۔۔ پر)

کہا جاسکتا ہے کہ حضور کی یہ "ہدایت" اصولِ مساوات کے خلاف پڑتی ہو؟

مختصراً ہمارا مقصد یہ ہو کہ اگر حضور کے اس ارشاد کی حیثیت واقعۃً "ہدایت اور حکم" ہی کی ہے، جب بھی چونکہ اس کی بنیاد محض "قرشیت" نہیں بلکہ وہ ہے جو مولانا نے بیان فرمائی ہے۔ اور اس سے قریش کی وہ خصوصیت ظاہر ہوتی ہے جو شروطِ امامت کے اعتبار سے خلافت کے معاملہ میں وجہ ترجیح بنتی ہے۔ اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ہدایت اصول مساوات کے خلاف پڑتی ہے۔ کیوں کہ کسی منصب کے لیے مطلوبہ اہلیت کی بنا پر کسی کو دوسرں پر ترجیح دینا، دنیا میں کسی کے نزدیک بھی مساوات کی خلاف ورزی نہیں کہلاتا ———

——— اور، ہم سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس حدیث پر شارحین حدیث و متکلمین سب ہی مختلف پہلوؤں سے کلام کرتے آئے ہیں، مگر کسی کے ذہن میں یہ سوال آج تک پیدا نہیں ہوا کہ یہ حدیث اسلام کے عام اصولِ مساوات کے خلاف بھی پڑتی ہو، پس اس پہلو سے بھی اس کی کوئی توجیہہ ہونی چاہیئے کہ "حضور نے اسلام کے ایسے اہم اصول میں اتنا بڑا استثناء کیسے فرما دیا؟۔

---

ہمارے نزدیک اس بحث میں بس اتنی ہی گفتگو کافی ہے۔ اور اسکے بعد اس بحث کی کوئی حاجت نہیں رہتی کہ حضور کے ارشاد "الائمۃ من قریش" کی اصل حقیقت اور اس کی واقعی نوعیت کیا ہے؟ لیکن اوپر کی بحث کے ہمارے ابتدائی الفاظ سے چونکہ ناظرین کے ذہنوں میں

---

(بقیہ حاشیہ ص۵۱) اطمینان کے لیے اس بحث سے متعلق حجۃ اللہ البالغہ کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ حضور کے اسی ارشاد پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "وایضاً فانہ یجب ان یکون الخلیفۃ ممن لا یستنکف الناس من طاعتہ (یعنی حضور کے اس ارشاد کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ خلافت کا منصب ایسے شخص کو ملنا چاہیئے۔ جس کی اطاعت میں اور پھر اسی طرح کی متعدد چیزیں ضروری قرار دیکر فرماتے ہیں۔" ولم تجتمع هذه الا ... الا فی قریش" (اور ان سب شرائط کا جامع اس وقت قریش کے سوا اور کوئی نہیں تھا) (حجۃ اللہ ج ۲ ص۱۴۹)

یہ سوال ضرور اٹھ کھڑا ہوا ہوگا کہ کیا اس ارشاد نبوی کی اصل نوعیت وہ نہیں ہے جو مولانا مودودی صاحب نے ظاہر فرمائی ہے؟ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی بہت گفتگو اس سلسلہ میں بھی کی جائے۔

(باقی)

# جادۂ حبیب

## ایک دعوتی سفر کے تاثرات و کوائف

(از جناب مولانا محمد اشرف خاں صاحب ایم، اے، لیکچرار اسلامیہ کالج پشاور)

### ۳ ؎
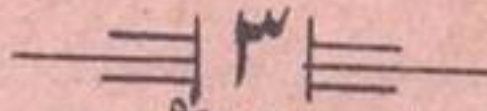
۲؍اگست ۱۹۵۷ء مطابق ۶؍محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

آج فجر کے بعد سے طبیعت بفضلہ تعالےٰ معمول پر آچکی ہے، ضعف بھی ایک حد تک جا چکا ہے، مطلع بالکل صاف ہے۔ اس لیے نسبتاً گرمی محسوس ہو رہی ہے تلاوت و ناشتہ سے فارغ ہو کر اپنے مشاغل میں مصروف رہے ۱۲ بجے کے قریب دیبئی (Dubai) کے بندر کے لئے جہاز لنگر انداز ہوا۔ دور ساحل پر درخت دور تک پھیلے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ پانی کی کمی کی بناء پر جہاز قریب نہ جا سکا۔ موٹر لانچ کے ذریعے بار بردار بجرے اور مسافروں کے لئے کشتیاں جہاز کے قریب آئیں یہاں مسقط کی نسبت زیادہ مسافر سوار بھی ہوئے۔ اور اُترے بھی، معلوم ہوتا ہے کہ علاقے کی خاص بندرگاہ یہی ہے۔ کل سے لمبی عباؤں والے عرب جہاز پر آنے شروع ہو گئے ہیں، زبان خالص نہیں۔ عربی میں فارسی کے الفاظ بھی ملے جلے ہیں لیکن اُردو کی جہانگیری کا سکہ ہر جگہ چل رہا ہے۔ ٹوٹی پھوٹی اردو بول لیتے ہیں۔ اور بات سمجھ لیتے ہیں اپنے مولد و منشار سے اُردو کو نکالنے کی ناکام کوشش کرنے والوں کے لئے اس میں عبرت ہے کاش اپنا ملک (پاکستان) ہی اسے اس کا جائز مقام دیتا۔

عرب تاجر عموماً ریشمی عباؤں میں ملبوس ہیں، میرے توجہ دلانے پر رفیق سفر انور صاحب نے کہا کہ "طاؤس و رباب" کا دور ہے "شمشیر و سناں" کا زمانہ گذر چکا یعنی وہ ابتدا تھی یہ انتہا ہے وہ عروج تھا یہ زوال ہے۔ جو قوم پیہم محنت و جُہد اور جہاد کے لئے پیدا کی گئی ہو، اُسے تنعم کی زندگی کیوں کر راس آسکتی ہے!

---

؎ اس سے پہلی قسط شعبان و رمضان کے الفرقان میں چھپی تھی ۱۲

۱۴ اگست ۱۹۵۷ء مطابق ۱۸ محرم الحرام ۷۷ھ

کراچی سے چلے ہوئے آج پانچواں دن ہے۔ قدرت کا نظام بھی کس قدر مرتب اور حیران کن ہے۔ ہر چیز ایک کرشمہ اور ذات عالی کی صناعی کا نمونہ ہے۔ صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ، رات و دن کے نظام اور اس کی کمی بیشی و گردش کو لے لیجیے، دماغ اگر سلامت روی کی راہ نہیں بھولا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی پہچان و معرفت کے لئے یہی ایک نشان کافی ہے۔ مختلف انداز سے قرآن کریم نے جو رات دن کے اندھیرے اور اجالے، کمی و بیشی کے تذکرے کئے ہیں، یہ کوئی مضمون آفرینی کے لئے نہ تھے۔ ہم دن کرتے ہیں۔ رات گذارتے ہماری زندگی اسی لیل و نہار کی گردش سے عبارت ہے، لیکن غفلت کا کیا کہئے کہ نہ دن کا اُجالا، دن کے پیدا کرنے والے کی روشنی سے ہمیں آشنا کرتا ہے، نہ رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرا ہمارے دل و دماغ کی سیاہی کو دور کرتا ہے۔ سیدھی سادی بات قرآن نے بتادی تھی کہ یہ رات دن کا اُلٹ پھیر، یہ زمین و آسمان کی خلقت صرف انھیں سوجھ بوجھ رکھنے والوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی کی نشان بن سکتی ہے، جن کے سوچنے کا ڈھنگ نہیں بگڑا اور وہ مخلوق سے خالق کو، مصنوع سے صانع کو پہچاننے کی کوشش میں ہمیشہ لگے رہتے ہیں۔ ان امور میں فکر ہمیں بتاتا ہے کہ یہ نظام عالم یونہی ایک اتفاقی حادثہ نہیں، بلکہ کسی حکیم و علیم، خبیر و قادر صانع کے باختیار اور محکم ارادے سے وجود میں آیا ہے۔ انسان کا ذہن جب پستی کی طرف جاتا ہے تو وہ اعلیٰ سے اسفل کی طرف عود کر جاتا ہے صرف مخلوق کا تعلق مخلوق کے لئے انسان کو ایک ایسے معمہ میں پھنسا دیتا ہے جو عقدۂ لاینحل بنکر اس کی تمام کاوشوں کو مخلوق ہی میں مرکوز کر دیتا ہے وہ مخلوق سے عارضی استفادہ اور مخلوق کی مستعار اور وہبی صفات سے کچھ فائدہ تو حاصل کر لیتا ہے لیکن یہ فائدہ اس قدر گراں ہوتا ہے کہ خالق کی صفات عالیہ اور صانع کے کمالات سے بالذات استفادہ کی صلاحیتیں اس سے سلب کر لیتا ہے! —— اس سے بڑھ کر حسرت و یاس کا مقام کونسا ہوگا کہ مخلوق کا سب سے زیادہ باشعور اور حاصل کائنات فرد انسان اپنی پوری زندگی بہر نوع اپنے سے ادنیٰ درجہ کی مخلوقات کی صفات اور ان سے استفادہ میں اس طرح صرف کر دیتا ہے کہ خالق کی طرف نہ نگاہ اٹھتی ہے نہ اپنے ذاتی جواہر و کمالات کو جو کائنات کا

حاصل ہے پہچان سکتا ہے" نسوا اللہ فانسٰھم انفسھم" اسی غفلت او نامرادی کا اظہار ہے کہ نہ خالق کو پہچان سکے اور غضب تو یہ کیا کہ اپنے وجود سے بھی تمام عمر نا آشنا رہے، کیا قیامت ہے کہ انسان سب کی تلاش کرتا ہے، اپنی تلاش نہیں کرتا۔ اگر وہ اپنے میں بھی ڈوب جاتا تو وہ جواہر پالیتا، جو اسے مخلوق میں سرگردانی سے نکال کر خالق سے مربوط کر دیتے۔ اس کے اندر تو وہ جوہر قدس پھونکا گیا ہے جس کی نگاہ ہر وقت ملاء اعلیٰ کے فیضان کی منتظر اور ... اپنے پروردگار کی تلاش میں بیقرار رہتی ہے" و نفخت فیہ من روحی" میں روح کی اضافت سے یہ فائدہ ذہن میں آتا ہے، کہ روح، اپنے منسوب الیہ ہی کے تعلق سے روح کہے جانے کی مستحق ہے اس کا عروج اسی ذات حق کی طرف ہے، یہ حیات و نمو اسی سے پاتی ہے اس کے اوامر سے ملتی اور اسکی چاہت و رضا سے زندگی پاتی ہے۔ کاش! ہم روح کی قدر کر لیتے جو ذات الٰہی کی قدر دانی کا زینہ بن جاتا، خاصان خدا کا قول ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ بات کہاں سے کہاں جا پہنچی، کہہ یہ رہا تھا کہ قدرت کی کرشمہ سازیاں ہر چیز کی طرح وقت کے الٹ پھیر میں بھی موجود ہیں۔ ہم کراچی سے جس وقت چلے تھے۔ وہاں صبح صادق ۲۵-۴ پر ہوتی تھی اور یہاں ۵ بجے پاکستانی ٹائم کے مطابق صبح صادق ہو رہی ہے۔ یعنی **ایک گھنٹے** کا فرق، اسی طرح مغرب بھی دیر سے ہو رہی ہے، اور جوں جوں مغرب کی طرف جائیے گا، یہ فرق بڑھتا چلا جائے گا۔ اوقات و تقویم پر کچھ کہنا نہیں چاہتا، مقصد تو صرف اتنا ہے کہ عقل و دانش سے بعید یہ جو بعض نام نہاد عقلمندوں نے مفروضہ قائم کر لیا ہے کہ یہ عالم ایک اتفاقی اور بے مقصد حادثہ ہے جو خود بخود وجود میں آگیا، کہاں تک مکان و زماں کی مرتب اور منظم تکوین کا سبب بن سکتا ہے، زمان و مکان کی بحثیں اپنی جگہ پر، ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں جو کچھ ہے اس سے ہے، اس کا ارادہ ہی ہر ایک چیز کا وجود ہے اس نے چاہا تو زمان کا وجود بھی قائم ہو گیا اور مکان بھی پیدا ہو گیا، زماں کے نئے مباحث میں الجھنے پر مشتر قرآن کریم کی ان آیات کو نظر میں ضرور رکھنا چاہیئے۔ جس میں لیل و نہار کے متعلق مختلف حقائق کو کھولا گیا ہو۔ قرآن تکوینیات کے مسائل کی تفصیلات میں نہیں جاتا، لیکن کلام اللہ کے اشارے بھی حکیم و خبیر خالق کے اشارے ہیں۔

(باقی)

# مکتوب گرامی

## جناب مولانا امین احسن اصلاحی

[ مدیر الفرقان مولانا نعمانی نے، جماعت اسلامی سے متعلق اپنی سرگزشت اور اظہار رائے میں، بعض باتیں مولانا اصلاحی کے حوالے سے لکھی تھیں - ان میں سے ایک چیز مولانا اصلاحی کی علیحدگی کے اسباب سے متعلق بھی تھی - اس سلسلہ میں جماعت اسلامی ہند کے بعض ذمہ داروں نے کچھ اس طرح کی باتیں لکھیں جن سے شبہ پیدا ہوتا تھا کہ شاید مولانا نعمانی نے مولانا اصلاحی کی ترجمانی صحیح نہیں کی ہے ــــ مولانا نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے مولانا اصلاحی صاحب کو لکھا کہ میں نے اپنے مضمون میں جو باتیں آپ کی طرف منسوب کی ہیں، ان کے بارے میں آپ اپنا بیان دیں کہ آیا مجھ سے کوئی فروگزاشت تو نہیں ہوئی ہے - مولانا اصلاحی نے اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تحریر ارسال فرمائی جو ہمیں ۱۳- مئی کو موصول ہوگئی تھی - ادارہ ]

---

رحمان پورہ، لاہور

مکرمی و مخدومی مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ موصول ہوا - میں پیر ۱۲- مئی کو سفر حج کے لئے روانہ ہو رہا ہوں - اس وقت دل و دماغ پر اس سفر کا ایسا غلبہ ہے کہ کوئی اور بات ذہن کے سامنے لانا بھی چاہوں تو نہیں لا سکتا جماعت سے متعلق موافق اور مخالف مضامین نکل رہے ہیں، ان میں سے آپ کے مضمون کے سوا کوئی مضمون بھی مجھے استیعاب کے ساتھ پڑھنے کا موقع نہیں مل سکا اس وجہ سے میں بالکل نہیں جانتا کہ ان میں میرا ذکر کس نوعیت سے آ رہا ہے - مجھے اس چیز کے جاننے کا کوئی شوق بھی نہیں ہے - آپ نے میرے حوالہ سے جو باتیں لکھی ہیں ان میں سے جو باتیں تازہ ہیں ان میں میرے تاثرات کی صحیح ترجمانی ہے، جو پرانی ہیں

وہ اگرچہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہیں لیکن یہ مجھے پورا اطمینان ہے کہ آپ غلط بیانی نہیں کر سکتے۔ جماعتی
پرچوں میں میری نسبت جو کچھ نکل رہا ہے، ان میں سے بعض لکھنے والوں کی تحریریں میں کبھی بھی نہیں
پڑھتا۔ وہ مودودی صاحب کی غلط تربیت سے اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ میں ان سے کسی خیر کی امید نہیں
رکھتا۔ بعض کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ وہ بیچارے بے خبر ہیں۔ جماعت کے اصلی بگاڑ کا ابھی
انھیں پتہ نہیں ہے۔ میں بھی انھیں اپنے موقف سے باخبر نہیں کر سکا ہوں۔ اس سلسلہ میں میری کوئی
چیز پبلک میں آئی بھی ہے تو وہ محض بعض پیش آمدہ آئینی نزاعات ہی سے متعلق ہے، اس میں ان
خرابیوں کا کوئی ذکر نہیں ہے جو فی الحقیقت اس جھگڑے کا سبب ہوئی ہیں۔ اسی وجہ سے میں ان لوگوں کو
بے قصور سمجھتا ہوں۔ جماعت کے عام ارکان کے متعلق بھی میری رائے یہی ہے کہ وہ صورت حال سے
بے خبر ہیں۔ میں انھیں اس وقت تک کچھ نہیں کہوں گا جب تک تفصیل کے ساتھ انھیں ساری خرابیوں
سے باخبر نہ کر لوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ صحیح صورت حال سے لوگوں کو باخبر کرنا میرا فرض ہے۔
میں اس کام کے لئے آمادہ ہو چکا تھا لیکن کچھ تو میرے وہ احباب اس سے مجھے روکتے رہے جو
ابھی جماعت کے اندر ہیں اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان خرابیوں کو دور کر سکیں گے اور زیادہ تر
میرا یہ سفر۔ میں سفر سے واپس آیا تو انشاء اللہ دین کی مصلحت جو کچھ ہوگی اس کو بے خوف لومۃ
لائم انجام دوں گا۔ نہ دوستوں کی پروا کروں گا نہ دشمنوں کی۔ والسلام

آپ میرا یہ خط شائع کر سکتے ہیں۔　　امین احسن اصلاحی

# تعارف و تبصرہ

## مجذوب اور اُن کا کلام

از جناب محمد رضا انصاری، ناشر: فرنگی محل کتاب گھر، لکھنؤ، صفحات ۱۲۸۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوب (مرحوم) کا کلام پہلی مرتبہ اب کوئی چھ سال پہلے اس وقت دیکھنے میں آیا جب خواجہ صاحب کا مجموعۂ کلام "کشکول مجذوب" سہارن پور کے ایک کتب خانہ سے دفتر الفرقان میں تبصرہ کے لیے موصول ہوا، یہ نہیں کہ سارے شعر ہی بڑھیا تھے، مگر یہ واقعہ ہو کہ پچاسوں شعر اتنے کیف آور اور ایسے رس بھرے تھے کہ ہفتوں فرصت کے اوقات میں اس دیوان سے شغل رہا۔ اور بیسیوں شعر مہینوں زبان پر رہے۔

امتدادِ زمانہ سے یہ نقوش مدھم پڑ چکے تھے کہ رضا صاحب کی اس تازہ کاوش نے انھیں پھر سے تازہ کر دیا۔

"مجذوب اور اُن کا کلام" کے دو حصے ہیں، ایک مجذوب کے کلام کا انتخاب، دوسرا مجذوبؒ کا کچھ تذکرہ اور ان کی شاعری پر تبصرہ، دوسرا حصہ جو ترتیب میں مقدم ہو اس میں ایک مضمون خود مُرتّب کا ہو، جسے مجذوب صاحب کا "کچھ تذکرہ" کہا جا سکتا ہو، دوسرا مضمون شاہ معین الدین صاحب ندوی ایڈیٹر معارف کا ہو جو مجذوب صاحب کی شاعری پر ایک مفصل تبصرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ دونوں مضمون پیشتر کے شائع شدہ ہیں۔ جیسا کہ مرتب نے شروع میں اس کا اظہار کر دیا ہو۔

شاہ معین الدین صاحب نے اپنے تبصرہ میں لکھا ہو اور بہت صحیح لکھا ہے۔

"..... ہر دور میں بڑے بڑے اساتذہ پیدا ہوتے رہے ہیں، لیکن جن کے کلام میں طور کی تجلی اور وادیٔ ایمن کے شرارے ہوں وہ ہمیشہ نادر و نایاب کے حکم میں

رہے ہیں......

درحقیقت یہ صوتِ سرمدی اور موہبتِ الٰہی انھیں سوختہ سامانوں کا حصہ ہے۔ جن کے سینے میں عشقِ حقیقی کی آگ سوزاں اور جن کے دل بادۂ معرفت سے لبریز ہیں۔ یہ دولت عموماً صوفیائے کرام کے حصہ میں رہی ہو۔ خصوصاً خواجگانِ چشت میں اس شراب کی مستی زیادہ رہی ہے۔ حضرت مجذوب بھی اسی میکدے کے بادہ خوار تھے اور ان کی طبیعت کو ذوق و مستی سے زیادہ مناسبت تھی اس لیے ان پر اس کیفیت کا غلبہ زیادہ رہا۔"

"انتخاب کلام کا نمونہ یہ ہے۔

کیا کرے اک سانس اک دنیا کی ہو آئی ہوئی — کوئے قاتل میں قضا پھرتی ہو گھبرائی ہوئی

ہائے ایسے میں تو اے ساقی کہاں — کیا بھری برسات خالی جائے گی

سب ترا پردہ دھرا رہ جائے گا — جب ذرا گردن جھکا لی جائے گی

زبردستی لگا دی منھ سے بوتل آج ساقی نے — میں کہتا ہی رہا ہاں ہاں نہیں ساقی نہیں ساقی

گھٹا اٹھی ہو تو بھی کھول زلفِ عنبریں ساقی — ترے ہوتے فلک سے کیوں ہو شرمندہ میں ساقی

نہیں کرتے ہیں وعدہ دید کا وہ حشر سے پہلے — دلِ بیتاب کی ضد ہو ابھی ہوتی یہیں ہوتی

ذرا دیکھو تو تم انصاف سے مجذوب کی ہیئت — محبت کے ریاکاروں کی یہ صورت نہیں ہوتی

اگر کوئی شعر خواجہ صاحب کی شان سے ہٹا ہوا نظر آئے تو اس کے لیے وہ اس طور پر معذرت خواہ ہیں ؎

کروں کیا، دل ہو باصد زہد و تقویٰ مائلِ رندی — جبلت کیا بدل سکتی عمل کو اپنے ہاں بدلا